

لاہٹ بلیک کو بھی کئی مرتبہ اس سے شکست کھانی پڑی۔ آخر میں مسٹر ڈارٹ بلیک نے کس طرح  
 کر کے سزا دلوائی۔ یہ ناول بڑا دلچسپ ہے آپ پڑھ کر رنگ ہو جائیں گے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲

## تصنیفات سیٹھ موہن لال صاحب

چاند کی چوری چاند نامی گھوڑو ڈر کے ایک مشہور گھوڑے کا چوری ہو جانا اور ساتھ ہی اس  
 کے سکھانے والے کا خون ہو جانا۔ پولیس کا ایک شنیشن نامی شخص کو گرفتار

کرنا اور اس کے خونی ہونے کے تمام ثبوت مل جانے پر انگلینڈ کے مشہور جاسوس مسٹر کیو کا گھوڑے  
 کو تلاش کرنا ایک دن کی تلاش سے گھوڑے کا مل جانا۔ اور گھوڑے کو اصلی خونی ٹھیکر یا جانا۔ قیمت ۶

ڈاکوؤں کا جال اس میں کلکتہ کے ڈاکوؤں کی ایسی پیچیدہ اور خفیہ کارروائیوں  
 کا ذکر ہے۔ کہ جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اُن کو دو نہایت حسین لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسانا کشتی میں ڈاکوؤں اور جاسوس کی لڑائی۔ اور کینی  
 باغ میں طنخہ بازی۔ دریا کے کنارے ڈاکوؤں اور جاسوسوں کی مٹھ بھڑ۔ مردہ گھر میں ایک لاش کا

عجیب طور پر پچانا جانا۔ ایک دیران کھنڈر میں ڈاکوؤں کی گرفتاری عجیب پرانے میں کھائی ہے ۱۴  
 مگر شہ جنگ عظیم کے دنوں میں جرمنی کے سب سے بڑے جاسوس

جاسوسی جنگ کو دن برگ نے امریکہ میں ایک ایسا جال بچھا رکھا تھا کہ جس سے  
 انگریزوں کو شکست ہونی لازمی تھی۔ دلایت کے مشہور جاسوس مسٹر بلیک نے امریکہ میں جا کر کس

بہادری سے دن برگ کی تمام کارروائیوں کو روکا اور اس کی اُمیدوں پر پانی بچھ دیا۔ انگلینڈ  
 کے مشہور ڈاکو ڈاکٹر رائٹر کے خوفناک کام اور اس کے ہاتھ سے دن برگ کی موت۔ قیمت ۱۲

## تصنیفات مسٹر ایم۔ اے مقبول

طلسمی مال پاپر اسرار سیاہ جس میں اول سے اخیر تک نہایت سوز و فراق ہے  
 بھرتے ہوئے مضمون بیچ ہیں جو صاحبِ فرقت کی رائیں ٹپ ٹپ کر رہے ہیں

ہیں اور مشوقانِ سنگدل کی تیغِ نظر کے زخمی ہیں اور جو عشاقِ ماند لالہ سینہ چاک نالہ کناں درد و فراق سے  
 دل تپاں ہیں وہ ضرور متلا کر پڑھیں اور حظ اٹھائیں قیمت فی جلد صرف بارہ آنے ۱۲

منشی کا گول گپا اقامت چوٹی کے لطیفے درج کئے گئے ہیں جو کہ آجک آپ نے کسی  
 کتاب میں نہ پڑھے ہونگے۔ نئے رنگ کے مذاق مضمون ہیں جو کہ پڑھ کر دل میں سوسہ پیدا ہوتا ہے ۱۰

بدین

حام کیا۔ پھر اپنے بچے کو افق زبور میں بادشاہ کے ساتھ اپنے بچوں کے گھر گئی۔ انہیں گلے دے  
 محبت کے آنسو بہائے۔ پھر سب کے ہلکے کھانا کرایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ہاکہ و گایاؤں  
 سنہری پانی کے فوارے اور بولتی چڑیا گانا گائے۔ آخر سب کے سب گھوڑے و سپر وارہو محس  
 کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سب خراج گانا گانا بھلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔ اس لئے جس  
 شہزادوں کی سواری دیکھنے کیلئے دوڑا آیا۔ ہر طرف سے خوشی کے نروں اور دعاؤں کا  
 آواز ہی کہہ رہی تھیں اور لوگ مکہ کی دونوں پہلو پر لغتیا بھیج رہے تھے۔ بلکہ یہ نظارہ دیکھ  
 اپنا سارا رنج بھگ گئی اور اس چڑیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ چپکا پچھرا شہزادی کو زیاد  
 نے اُسکا یا ہڑا تھا۔ اور خوش احوال پرندوں کی جماعتیں اُس کے ساتھ اڑتی اڑتی باہر ہی تھیں  
 الفرض بڑی شان و شوکت ہو یا تھا یہ جلاوس محل شاہی میں پہنچا۔ چاروں طرف خوشی کے سناپ  
 بیٹھے تھے اور شب کو سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ ہر شخص نے اپنی توفیق کے مطابق  
 اس خوشی سے لئے دعوت دی اور شاہی خزانے سے اس قدر خیرات کی گئی کہ غر  
 ب حال ہو گئے۔

جب شہزاد اس حکایت کو ختم کر چکی۔ شہر بار بار پناہ فرما رہا اور لگے شہزادہ کو قتل کرانیکا خیال چھوڑ دیا۔ جس نے ایک ہزار رات تک اپنے تئیں دیکھ پھاٹکائیں بنا کر چاہا تھا۔ اور ہر روز نئی مٹی کر میکے خیال سے درگزار۔ بالکل گزشتہ قبیح افعال کے لیے بدنام قاضی احکامات کو روک کر تو یہ کہی ۛ

وزیر اعظم کو بھی بہت بڑی خوشی ہوئی کہ اسکی بیٹی نے ہزاروں لڑکیوں کو قتل  
ہونے سے بچا دیا اور رعایا کی خوشی کی کو کوئی انتہا نہ تھی۔ یادشاہ نے اپنی توبہ کی یاد گاریت  
ہزاروں قیدیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ سچ ہے کہ  
شہر زن زن است و تم ہر مرد مرد ہے خدا را پنج انگشت یکساں نہ کرو  
اسکے بعد ملک شہزاد اور یادشاہ شہر بار نے کمال عیش و عشرت کے ساتھ بقیہ عمر بسر کی  
اور رعایا کا انصاف دیتے دیتے اس جہان کو چھوڑ گیا۔



جواب دیا۔ جو ایسا کھانا برا آگے رکھا جو قابل خوراک نہیں۔ مگر کوئی اس راز کو  
 جاننا چاہتا تھا اس لئے وہ سرخجھکا کے خاموش ہو رہے۔ لیکن چڑ پائے جواب دیا۔ کیرے کی آتش پر  
 پتہ کی گونچا ہوا دیکھ کر بادشاہ کو تعجب آگیا۔ مگر اپنی ملکہ کے کٹا بلی اور چھوڑ جتنے پر کوئی  
 نہ آیا۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ بیٹے اُن عورتوں سے شکر بھین کیا جو بروقت وضع حل  
 جو دھتیں۔ چڑ پائے کہا وہ عورتیں ملکہ کی نہیں تھیں۔ ملکہ کے حال پر آپ کو متوجہ پاکے  
 اسد بن گئیں۔ اور ملکہ کو آپ کی نظروں سے گرانے کے لئے یہ کام کیا کہ اس لئے اہلی سچا  
 تو دور یا میں بہا دیا اور مشہور کچھ اور کر دیا۔ اگر آپ اُن سے سختی کے ساتھ پوچھیں گے تو وہ صاف  
 اسی بنا دینگے۔ آپ کے واروغہ بانٹا نے اُن بچوں کو نہر میں بہتے ہوئے پایا۔ اور شاہانہ  
 طور پر انکی تربیت کی۔ یہ دونوں شہزادے اور شہزادی پرینا دو ہی آپ کے بچے ہیں بادشاہ  
 قدس کی حقیقت دریافت کر کے کمال تعجب ہوا۔ اور چڑ پائے کو جواب دیا۔ تیری بات صحیح  
 معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سے میں نے انہیں دیکھا ہے۔ محبت کے سبب دل بے اختیار  
 انکی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔ یہ کھکرتنیوں کو اپنے گلے لگایا۔ اور آمید دیدہ ہو کر کہا  
 نہ مجھے ایسا باپ سمجھ۔ پھر سب نے ملکر کھانا کھلایا۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ بادشاہ  
 فرمایا۔ اے میرے بچو! اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں اور کل تمہاری ماں کو ساتھ لیکر  
 پھر یہاں آؤنگا۔ تاکہ وہ بھی تمہیں گلے لگا کر خوش ہو۔ یہ کہہ کر بادشاہ اپنے گھوڑے  
 رسوا ہو فوراً گھر پہنچا اور وزیر اعظم کو بلا کر حکم دیا کہ جلد جا اور اُن دونوں بکا روں کو نکال  
 وں سے پکڑ کر بغیر اب شدید قتل کر۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی وزیر نے انسانی اور باورچی  
 گھروں پر چڑائی کی اور ملکہ کی دونوں حاسد بہنیوں کو جلا دے سپرد کیا۔ پھر کچھ شہ  
 چشم کیا تھا جامع مسجد کے دروازے پر آیا۔ اور ملکہ کو ادھنی پنجے سے جہاں اُس نے  
 برسوں تک سخت تکلیف اٹھائی تھی سبڑی عزت کیا تھا اپنے ماتھے سے باہر نکالا اور گلے  
 لگا کر اسکی شکستہ حالی پر بہت رویا اور عذرت کی کہ میرے ماتھے سے تجھ پر جو ظلم ہوا ہے اُسے معاف  
 کر دے۔ بیٹے تیری بہنیوں کو جنہوں نے تیرے ساتھ قریب کیا تھا مروا دیا ہے اور تینوں کو چشم  
 ترے صبح و سلامت ملے انہیں چمکے گلے لگا۔ یکے سب گھلوں اور شکروں کو بھول گئی اور باہر گئے

تصویر بادشاہ کی شہزادی پر نیراؤ کے ہمراہ سیر باغ کرنے اور عجائبات دیکھنے کی



ہے۔ یہاں یہ نہیں ہوتا۔ میں اسے بہت دُور سے لائی ہوں۔ نوآرے کا اور ایک حال وقت  
 فرصت عرض کرونگی۔ پہلے ذرا چکے بولتی چڑیا کو بھی دیکھ لیں۔ غرض پر نیراؤ بادشاہ کو بارہوی  
 میں لیگئی۔ وہاں اسے سینکڑوں خوش احوال جانوروں کو درختوں پر بیٹھے پایا۔ پر نیراؤ  
 سے پوچھا۔ اہل جانوروں کے یہاں جمع ہونیکا کیا سبب ہے؟ پر نیراؤ نے جواب دیا۔ یہ  
 سب ہی بولتی چڑیا کے صاحب اور شاگرد ہیں۔ جسکا پنجرہ یہیں لٹکتا ہے سلطان  
 ابرو داخل ہوا۔ کہ اُسکی ہزار وستان چھار ہی ہے۔ شہزادی نے پکار کے کہا اے میری دوست  
 کیا تو نہیں دیکھتی؟ کہ آج سلطان ہمارے گھر میں رونق افروز ہیں۔ انہیں آداب بجالا کر  
 یہ شکر چپ ہوگئی اور اُسکے ساتھی بھی خاموش ہو گئے۔ چڑیا نے بادشاہ کو آداب بجا کر کے خیریت  
 دریافت کی اور یہ سب سے دعائیں دیں۔ بادشاہ نے سلام کا جواب کمال خندہ پیشانی دیا۔ اور  
 چونکہ وہیں دسترخوان چٹا ہوا تھا۔ بادشاہ پنجرے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ سب سے پہلے کھیرے کی  
 آتش کی طرف متوجہ ہوا۔ لہذا سپر نوتی چنے ہوئے دیکھ کر بہت تعجب ظاہر کیا۔ اور شہزادی

# تصویر بادشاہ کی شکار گاہ میں مس تہنراؤ کے شکار گاہ میں



بادشاہ کو ہر ایک مکان کی سیر المی۔ جس کے بعد وہ باغ میں آئے اور اندر داخل ہوئے۔ ہر ایک  
 پانی کا اچھلتا پھوٹتا ڈھیر اور دیکھ کر اچھا لگا۔ یہ کس قسم کا قرار ہے۔ اس کا خزانہ کہاں ہے۔ اس قدر  
 بلند کس طرح ہوتا ہے۔ پانی نہیں بہہ رہا ہے۔ تم نے اسے کہاں سے جوایا۔ چلو پھلو  
 میں اسے ہی دیکھو۔ پھر یہ بادشاہ کو آکر دیکھو۔ اسے میں دیکھ کر پوچھا کہ کان میں  
 دکنش نگوں کی آواز آئی۔ چاروں طرف دیکھا۔ کوئی کان بولا دکھائی نہ دیا۔ پھر دیکھا  
 یہ گلے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک جگہ پر کوئی آدمی رہا  
 نہیں کہہ سکتا۔ یہ آواز اس سامنے والے درخت سے آ رہی ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو آگے  
 چلے آسکا گا۔ ناسفدہ غرض بادشاہ آگے بڑھا اور درخت کے پاس جا کر اسے اپنی باتیں  
 کہہ رہا تھا۔ غرض کبھی تو اسے کو دیکھا اور کبھی درخت کو۔ پھر حیران ہوا کہ آیا یہ فی الواقع  
 ہے۔ یہاں میں اسے خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ آخر کیا ہے۔ اسے پوچھا مگر اس نے یہ درخت  
 کہاں سے لیا اور اس کا نام کیا ہے۔ پھر یہ اونے عرض کی خداوند! اس کا نام گالے والا درخت

ہے اور موتیوں کو لپٹتی ہو۔ تو باغ میں فلاں درخت کے نیچے ایک صندوقچی لٹری ہے جسے وہ جگہ  
کھدوا کے نکالو۔ اس میں تمہاری ضرورت کے لئے کافی موتی پڑے ہیں۔ غرض شہزادی بھی  
سو رہی۔ اور علی الصبح مالی کو ساتھ لے باغ میں جا کر وہ جگہ کھدوائی اور اس میں سے پون گزرنج  
کا ایک صندوقچہ پایا۔ پھر جب اسے کھولا تو وہ گول اور یکساں مقدار کے موتیوں سے بھرا ہوا تھا  
شہزادی خوشی خوشی اسے اٹھا لائی۔ راستے میں دو ٹوبھائی بھی ملے اور انہیں موتیوں کے لئے کا  
واقعہ کہنا۔ پھر دونوں کو اپنے ہمراہ اپنے کمرے میں لا کر چڑیا کے مشورے سے آگاہ کیا۔ اور قینوں  
پہن بھائی مل کے سوچتے رہے۔ کہ چڑیا نے بادشاہ کے سامنے ایسا کھانا رکھنے کی کیوں فرمائش  
کی ہے۔ مگر وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ آخر پر پڑاؤ نے کہا۔ چڑیا کا کھانا غلط نہیں آخر اس نے کچھ  
تو سوچا ہی ہو گا۔ یہیں اسے کہتے پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ پھر پر پڑاؤ نے باورچی خانے کے  
داروغے کو بلو اسکے حکم دیا کہ آج شام نہ کھانا تیار کرنے کے علاوہ کچیرے کی آتش کی پاک  
قاب ایسی بھی بنانا چسپر موتی بچنے ہوں۔ داروغہ متحیر ہو کر یہ زیادہ سے زیادہ کی طرح بگڑنے لگا  
کو بیکہتا ہے۔ آج تک ایسے کھانے کی کسی نے فرمائش نہیں کی۔ یہ کیا بات ہے پر پڑاؤ  
نے اس کا عندیہ معلوم کر کے کہا۔ تمہیں کیا۔ تم صرف میرا حکم بجالاؤ اور حقدار موتی دیکھنا  
ہوں۔ یہ لو صندوقچہ۔ اس میں سے برت لو۔ باقی کے میرے پاس ہی لے آنا۔ غرض داروغہ  
تو رہ کبیرے گیا اور شہزادی کے لئے محل باغ اور مانتہ کی صفائی کرا کے اسے نئے فرش و  
فرش سے فرمایا۔ آراستہ راز یا شہزادہ بہمن اور پر پڑاؤ صبح سب سے ہی شکا رہیں جلا چکے تھے۔  
بادشاہ و بیگز تک اس کے راتیر شکا رکھینا کیا۔ اور جب آفتاب سرچر آ گیا۔ ان کے ساتھ آئے  
محل کی طرف روانہ ہوئے اور شہزادہ پر پڑاؤ اس کے بڑھکرائی بہمن کو بادشاہ کی آمد کی اطلاع دی۔  
شہزادی آ منتہال کے لئے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ اور جب بادشاہ فریور بھی کے قریب  
پہنچا۔ ان کے دوڑ کر اپنے تئیں بادشاہ کے قدموں پر گرا دیا۔ وہ ٹوبھائیوں نے عرض کی چھوڑا  
یہی ہماری بہن ہے۔ پھر بادشاہ نے اسے قدموں پر سے اٹھایا۔ اور اس کے حسن و جمال  
کو دیکھ کر حیران ہوا۔ کہ قصبات میں ایسے لوگوں کا ہونا تعجبات سے ہے اور یہاں خواہ مخواہ  
مکان بھی بنے کبھی گاؤں میں نہیں دیکھا۔ خدا چاہئے یہ لوگ ہیں۔ پھر پر پڑاؤ نے

پر بٹھا لیا۔ دونوں آداب بجالا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ انہیں خود چھیر چھیر کے ہر ایک بات پوچھتا۔ کیونکہ اسے ان کا امتحان مد نظر تھا۔ مگر جب انہیں ہر گن میں پورا پایا تو کمال مسرت کے ساتھ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا۔ کاش! اس حسن و جمال اور تہذیب و قابلیت کے خدائے مجھے بھی دو فرزند عطا کرتا۔ اسدن بادشاہ نے دسترخوان پر غیر معمول دیر لگا دی۔ اسلئے کہ اسے دونوں شہزادوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں ایک مسرور محال ہوتے تھے۔ آخر بر ملا انکی تعریف کر کے بادشاہ نے کہا۔ کہ میں ایسے سوارانہ لڑکے آج تک نہیں دیکھے۔ پھر اسے کہا کہ گانا سنو۔ فوراً گانا بجانا شروع ہو گیا۔ اور بیچ ہونے لگا۔ بھانڈوں نے بھی خوب مزیدار نقلیں کیں۔ جن سے شہزادوں کو کمال فرحت ہوئی آخر شام کو بادشاہ سے رخصت مانگی۔ بادشاہ نے رخصت کے وقت فرمایا۔ کل پھر شکار گاہ میں آنا۔ میں تمہیں کل پھر اپنے ساتھ یہاں لاؤں گا۔ کیونکہ میں تمہیں ساتھ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ دہان سے وداع ہوں شہزادہ بہمن نے آداب بجالا عرض کی کہ ہماری کمال آرزو ہے کہ کل کے دن بوقت مراجعت حضور غریب خانے پر قدم رنچہ فرمائیں۔ ہماری اور ہماری بہن کا سرخرازی کا موجب ہو گا۔ اگرچہ وہ گھر اس لائق نہیں۔ مگر

نقد رشوکت سلطان نہ گشت چیرے کم پاکلاہ گوشہ و ہمال بہ آسماں رسید بادشاہ نے جواب دیا بہت خوب اہل میں تمہارا لہمان بنو گا۔ کل علی الصبح تم مجھے اسی شکار گاہ میں بلاؤ گے۔ پھر وہ دونوں بادشاہ سے اجازت لیکر گھر آئے اور اپنی بہن سے سارا حال کہا۔ پھر چارویولی۔ اب بادشاہ کی دعوت کا سامان تیار کر رکھنا چاہئے۔ مگر پہلے میں اپنی چڑیا سے پوچھ لوں۔ شہزادوں نے کہا اچھا۔ پر پڑوانے چڑیا کا قفس اُتار کے اپنے پاس رکھا اور اس سے بادشاہ کی دعوت کا ذکر کیا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ بی بی اپنے باورچیوں سے اچھے اچھے کھانے بادشاہ کے لئے تیار کرادو۔ مگر سب سے پہلے کھیر کی آتش کی ایک قاب جیسے بوتلی بچھنے ہوں بادشاہ کے سامنے رکھنا۔ پر پڑوانے جواب دیا۔ بیٹے تو آج تک یہ کھانا نہیں سنا کیا بادشاہ اسے دیکھ کر تعجب نہ ہو گا۔ علاوہ اسکے ہمارے ہاں نقد رنچہ بھی کہاں ہیں؟ چڑیا نے جواب دیا۔ بی بی میں تمہاری مدد خواہ نہیں۔ جو میں کہوں وہی کرو۔ اور دیکھو۔ کہ پردہ عییب سے کیا ظاہر ہوتا



معلوم نہیں ہے۔ کہ

تھرات رائے سلطان رائے جستن : بخون خویش یاید دست شستن  
 اس میں بہت اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر بادشاہ نے بڑی مروت سے کام لیا ہے۔ آپ  
 میں اپنی چڑیا سے صلاح لیتی ہوں۔ اور جو کچھ وہ کہیگی۔ اسی پر عمل کیا جائیگا۔ آخر چڑیا  
 کا پتھر اپنے پاس رکھ کے اس بارے میں اس سے مشورہ لیا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ شہزادوں  
 کو بادشاہ کی خوشی کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ بھی بادشاہ کی  
 دعوت کریں۔ پر شہزادوں نے کہا۔ میں تو اپنے بھائیوں سے ایک دم بھی جدا ہونا نہیں چاہتی  
 چڑیا نے جواب دیا۔ کوئی بات نہیں۔ اطمینان رکھو۔ پھر پرہیز ادبے کہا۔ بادشاہ جب  
 ہمارے گھر میں آئینگے تو مجھے اُنکے سامنے ہونا پڑیگا۔ چڑیا نے جواب دیا۔ اس میں تمہاری  
 بہتری ایسی ہوگی۔ غرض دوسرے دن جب دو نو بھائی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے  
 بادشاہ نے پوچھا۔ کہو۔ آج بھی باور مایا نہیں۔ شہزادہ بہمن نے آداب بجالائے عرض کی  
 خداوند ہم تابعدار ہیں۔ ہماری بہن بھی ہے۔ بلکہ اُس نے ہمیں بہت ملامت کی۔ کہ تمہیں  
 آج تک کیوں غفلت آئی۔ وہ آپ کے حضور میں شفاعت خواہ ہے۔ ہماری دست بستہ  
 عرض ہے۔ آپ ہمارے قصر کو معاف کریں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ میں تمہارا کوئی قصور  
 نہیں دیکھتا۔ بلکہ اُس محبت پر جو تمہیں اپنی بہن سے ہے۔ بہت خوش ہوں۔  
 شہزادے بادشاہ کے علم سے بہت شرمندہ ہوئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو رہے  
 بادشاہ شکار میں مشغول ہوا۔ مگر انہیں اپنا شریک نہ پا کر پوچھا۔ وڑو۔ اور اطمینان  
 سے شکار کھیلو۔ پھر جلد وہاں سے فراغت پا کر محل کو مراجعت کی۔ وزیر کو اُس کے  
 قریب سے بڑا حسد ہوا۔ مگر بازار میں انکی پیاری صورتوں کو جو شخص دیکھتا بہت غرض  
 ہوتا۔ اور ایک دوسرے سے پوچھتا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اگر اُس ملکہ کے پیٹ سے بھی  
 لڑکے ہوتے۔ جو آجکل قید ہے تو وہ بھی آج اسٹین ہی بڑے ہوتے۔ غرض بادشاہ محل  
 میں پہنچ کر سواری سے اُترا۔ اور دو نو شہزادوں کو اپنے خاص کمرے میں لایا۔ جہاں  
 جہاں دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ پھر دونوں کو اپنے ساتھ خاص



اب میرے ساتھ چل کے خاصہ تناول کرو۔ شہزادہ بہمن نے عرض کیا۔ حضور نے ہمارے  
 کتبے سے بڑھ کر میرے ہاتھ نہ عنایت کیں۔ اسلئے خانہ زاد امیر وار ہیں۔ آجکے دن ہمیں  
 معاف فرمایا جائے۔ بادشاہ کو اُنکے انکار کرنے پر بڑا تعجب ہوا۔ وجہ پوچھی تو بہمن نے  
 جواب دیا۔ ہماری ایک بہن بھی ہے۔ اور ہم تینوں ایک دوسرے کو نہایت پیار کرتے  
 ہیں۔ کوئی شخص ہم میں سے دوسروں کی صلاح کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ ہم  
 چاہتے ہیں کہ اپنی بنیہ سے بھی اس معاملے میں صلاح کر لیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ میں  
 تمہاری بات ہی اہمیت کا حال مت کر کہاں خوش ہوا ہوں۔ تمہیں اجازت ہے آج گھر جاؤ۔  
 اور اپنی بہن سے مشورہ کر کے کل پھر یہیں آ جانا۔ اور جو جواب تمہاری بہن دے۔ مجھ سے  
 آ کر کہنا۔ غرض دونو بھائی گھر آئے اور بادشاہ کی ملاقات کا ذکر کرنا بھول گئے۔ ہلکے دن  
 جب بادشاہ وہاں آیا۔ شہزادے بھی حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کیوں۔ تم نے اپنی  
 بہن سے پوچھا۔ یہ شکر دونو ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھتے لگ گئے۔ اور اُنکے  
 چہرے کا رنگ مارے خوف کے زرد ہو گیا۔ آخر بہمن نے عرض کی۔ حضور! وہ ہمیں ذکر  
 ہی بھول گیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ خیر! کچھ مصافقہ نہیں۔ کل سہی۔ اتفاقاً اگلے دن بھی  
 وہی حال ہوا۔ اور جب بادشاہ کی خدمت میں آئے۔ پھر اُن کا رنگ بدلنے لگا۔ بادشاہ  
 نے پوچھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج بھی تمہیں ہماری بات یاد نہیں رہی۔ اچھا آج ایک پیر  
 کر چکے۔ یہ کہہ کر سونے کے تین گنبد شہزادہ بہمن کو دئے۔ کہ انہیں اپنے کمر بند میں ڈال  
 لو جس وقت گھر جا کے کمر بند کھولو گے۔ تو یہ خود بخود گر پڑینگے۔ اور تمہیں معاملہ یاد آجائے گا  
 غرض جب دونو بھائی گھر آئے۔ انہیں بادشاہ کی ملاقات کا پھر بھی کوئی خیال نہ رہا لیکن  
 جب رات کو سونے کے لئے بہمن نے کمر کھولی اور تینوں گنبد زمین پر گر پڑے۔ اُسکے کھٹکے  
 سے بھولی ہوئی بات اُسے یاد آگئی اور دونوں کے پریراد کے پاس گئے۔ پہلے پیر وند  
 کی پھر کل حال سے اُسے اطلاع دی۔ پریراد نے انہیں بوقت ملاست کی۔ کہ تم بڑے غافل  
 ہو کہ تین دن اتوار بادشاہ کا پیغام بھلا دیا۔ اتفاق سے تمہیں ایسا موقع ملا تھا کہ تمہاری  
 آئندہ کی بھلائی کا موجب بنتا۔ مگر تم نے کمال ناہمانی سے بادشاہ کی نافرمانی کی۔ کیا تمہیں

غرض وہ تینوں بھائی بہن منزلیں مار تے اپنے گھر پہنچے۔ پر پڑاؤ نے آتے ہی چڑیا کا پیغمبر بارہوی میں لٹکا دیا اور گانے والے درخت کی ٹہنی محل کے قریب باغ میں گاڑ دی اور وہ نور جڑھ پکڑ کے ہر گئی۔ اور گھوڑوں میں ایک تناور درخت بنگیا۔ پھر اُس میں سے بھی لگانے کی آوازیں آنے لگیں اور سنہری پانی سے ایک خوبصورت سنگین جوض نور بھر گیا اور اُس میں سے قوارہ سا اچھلنے لگا۔ اُن تینوں چیزوں کی خبر بہت جلد سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ اور سما شائی جوق در جوق آنے لگے۔ ہر روز دروازہ کھلا رہتا۔ جب شہزادوں کی ماندگی دوزبوی آتوں نے حسب معمول رہنے میں جا کر شکار کھیلنا شروع کیا۔ ناگاہ فارس کا بادشاہ بھی اُس دن وہیں آ گیا۔ دونوں نے سوانوں کی کثرت دیکھ کر چاہا کہ نظر بچا کے گھر کو پھر جائیں۔ اتفاقاً بادشاہ سے اُنکا سامنا ہو ہی گیا اور تنگی راہ کے سبب واپس بھی نہ پھر سکے۔ چاروناچار بادشاہ کے سامنے گئے۔ اور گھوڑوں سے اتر کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ اُنکے گھوڑے اور سارے سامان کو دیکھ کر سمجھا۔ شاید میرے ملازمین میں سے ہونگے۔ وہیں پھر گیا۔ اُنکا نام پوچھا اور دریافت کیا۔ کہ تم لوگ کہاں رہتے ہو۔ شہزادہ ہمیں نے جواب دیا۔ خداوند اہم واروغہ باغات شاہی کے فرزند ہیں۔ جدت ہوئی حضور پر تصدق ہو گیا۔ اُس نے اپنی میں ہمیں شہر سے باہر ایک محل بنوا دیا۔ تاکہ وہاں تربیت پاکر ہم حضور کی خدمت گزار مہی کے قابل ہو سکیں۔ بادشاہ نے فرمایا تو تم رعایا ہو کر شکار کیوں کھیلنے آتے ہو۔ جب کہ یہ کام محض بادشاہوں کے لئے مخصوص ہے۔ ہم نے جواب دیا۔ حضور بھگت سنی کے سبب سے ہم آداب سلطانی نہیں جانتے۔ بادشاہ کو یہ جواب برا پسند آیا۔ اور حکم دیا۔ کہ اچھا اب تم واپس چل کے ہمیں اپنے شکار کا شہنشاہ دکھلاؤ۔ یہ سن کر دونوں شہزادے بادشاہ کے ساتھ ہو گئے۔ اور شہزادہ ہمیں شہر شیر کو اور پرویز نے ریکھ کو کمال جرات کے ساتھ شکار کیا اور بادشاہ کے پاس لے آئے۔ پھر ہمیں نے ریکھ کو کمال جرات کے ساتھ شکار کیا اور بادشاہ کے پاس لے آئے۔ پھر ہمیں نے ریکھ کو اور پرویز نے شیر کو شکار کر کے بادشاہ کی خدمت میں لاھا کر کیا۔ اسکے بعد انہوں نے پھر جانے کا ارادہ کیا۔ مگر بادشاہ نے فرمایا۔ کیا تم لوگ ہمارے جنگل کے تمام جانوروں اور لوگوں کے۔ مجھے تو تمہاری فقط دلاوری کا استھان کرنا ہوتا۔ اور میں تم پر بہت خوش ہوں۔

اثر گزابل ہے اور یہ سب اسی سُنہری پانی کی تاثیر ہے۔ جسے پینے والی چڑیا کی ہرابت سے چھڑکا  
 تھا۔ پھر اُس نے اپنی ساری سرگزشت سُنا دی۔ بہمن اور پرنیاد نے بہن کی بڑی تعریف کی اور  
 باقی کے آدمی بھی شہزادی کا آداب بجالانے اور عرض کرنے لگے۔ کہ ہم غلام ہیں۔ جو ارشاد  
 ہو بجالائیں شہزادی نے جواب دیا۔ مجھے اپنے بھائیوں کی زندگی سے عرض تھی۔ سو وہ مل گئے  
 اپ تم اپنے اپنے گھر جاؤ۔ غرض بہار سے اتر کر سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کو کھڑا پایا۔  
 اور آپر سوار ہو اپنے اپنے ملک میں روانہ ہوئے۔ شہزادی نے بھی اپنے گھوڑے پر قدم رکھا  
 نقویہ شہزادی پر نیاو کی گھوڑے پر سوار ہو کر معہ پنجریکے چلنے کی اور  
 پرویز اور بہمن اور دیگر لوگ ہمراہ ہیں



بہمن نے کہا۔ فرماؤ۔ تو اس چڑیا کے قفس کو ہر اُٹھال۔ شہزادی بولی۔ میں تم غلامیا  
 لیلو اور پرویزہ شاخ اُٹھالے قفس میں خود ہی اُٹھاؤ گی۔ کیونکہ یہ چڑیا میری لونڈی ہو  
 پھر شہزادی نے کہا۔ چلو اُس درویش کا بھی شکریہ ادا کرتے چلیں۔ جس نے ہمیں ان چیزوں کی  
 طرف رہنمائی کی۔ مگر جا کے اُسے مواتا پایا۔ اور کسی کو مادم نہ ہوسکا کہ اُسے مر چکی کیا وجہ ہے

میرے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹے گی۔ اسکے بعد سنا دی نے کانوں سے روئی نکال دی اور چڑیا کا جواب دیا۔ وہ بڑی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ اے دلاور بی بی! اطمینان رکھ اور مجھ سے کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ اگرچہ میں یہاں قفس میں بند ہوں۔ مگر مجھے بہت کچھ غیب کا حال بھی معلوم ہے۔ تمہارا حال بھی میں جانتی ہوں۔ اسلئے کسی دن تمہارے کام آؤ گی۔ اب میں تمہاری لونڈی ہوں اور تم میری بی بی۔ اب جو کچھ ارشاد ہو۔ میں حاضر ہوں۔ پر ریا کو چڑیا کے ساتھ درخت اور پانی کی بھی بڑی آرزو تھی۔ مگر اپنے بھائیوں کو بھی وہ بدرجہ کمال چاہتی تھی۔ اسلئے کہا۔ سب سے پہلے مجھے سنری پانی اور گانے والے درخت کا پتہ بتا۔ پھر کچھ اور فراموش کرو گی۔ چڑیلے نے جواب دیا کہ سنری پانی کا چشمہ تو تمہارے دائیں ہاتھ ہے۔ وہاں سے ٹھکلیا بھر لاؤ اور گائیلا درخت تمہاری پشت کی طرف کے جنگل میں ہو گا۔ اسکی ایک شاخ توڑ لاؤ اور اُسے باغ میں لگا دینا۔ فوراً ویسا ہی ہر اہر اور درخت بن جائیگا۔ غرض پر ریا جلد جلد کے اُن دونوں چیزوں کو بھی لے آئی۔ اور نہایت خوش تھی۔ پھر اُس چڑیلے سے پوچھا۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے جسکے لئے میں یہاں آئی ہوں میرے دو بھائی بھی مجھ سے پہلے آچکے ہیں۔ اور وہ یہاں ہی سیاہ پتھر ہو کے پڑے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح انہیں اُنکے اصلی جسم میں لاؤں اور اپنے ساتھ گھر لیجاؤں۔ کیا تو کوئی تدبیر بتا سکتی ہے۔ چڑیلے نے جواب دیا۔ اس ٹھکلیا سے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر سب پتھروں پر چھڑک دے۔ اس پانی کی تاثیر سے وہ جی اُبھینگے اور ساتھ ہی تمہارے بھائی بھی زندہ ہو جائینگے۔ یہ سنکر پر ریا کو اطمینان ہوا۔ اور اُن تینوں چیزوں کو ساتھ لیکر پتھروں کے پاس آئی۔ پھر ٹھکلیا میں سے تھوڑا تھوڑا پانی لیکر سب پر چھڑک دیا۔ اور سب کے سب آدمی بن گئے اُنکے کھڑے ہوئے۔ پر ریا نے اپنے بھائیوں کو پہچانا۔ اور گلے لگا کے پوچھا۔ تم یہاں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ غافل سو رہے تھے۔ پر ریا نے پوچھا۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم یہاں کس مقصد سے آئے تھے اور مجھے اکیلے چھوڑ کے یہاں سونا تمہیں کیسے بھایا۔ جب وہ کوئی جواب نہ دیکھتے تو پر ریا نے کہا۔ جب تم پہاڑ پر چڑھنے لگے تھے تو ضرور سیاہ پتھروں کو دیکھا ہو گا۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اور چادو کی تاثیر سے پتھر ہو گئے تھے۔ تم بھی انہیں کے ساتھ بھاگے اور اپنی جگہ کے سب پر سے چادو کا

سر اٹھا کر کہا۔ تمہاری آواز سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم عورت ہو۔ مگر مردانہ نہیں بدلا ہوا ہے  
 میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ مگر کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس راستے میں کیسے کیسے  
 خطرے ہیں اور کیا کیا سخت نصیبتیں لاحق ہوتی ہیں۔ اسلئے یہی بہتر ہے کہ تم یہاں سے  
 پھر جاؤ۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اسے پدر بزرگوار! میں بہت دور سے آئی ہوں۔ اگر  
 لئے یہ نپل مرام پھرنے سے مجھے بڑا افسوس ہے۔ براہ ہر پانی آپ مجھے راستہ بتاویں۔  
 درویش نے جب اس عورت کو مردانہ نمٹ پایا۔ ایک گیدہ۔ پتیلی سے نکال کے دید پا کر  
 اسکی رہنمائی سے تم اس پہاڑ پر جا سکو گی۔ پھر اسے تمام اونچ نیچ سمجھا دئے۔ اور جب  
 درویش نے اسے حبیب اور خوفناک آوازوں کا حال سنایا کہ میں اسکا پہلے ہی بندوبست  
 کر لوں گی میں کانوں میں روٹی دیکے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دوں گی۔ درویش نے یہ سنکر  
 اسے دعا دی کہ معلوم ہوتا ہے کہ چڑیا کا پیچہ تمہاری ہی قسمت میں معلوم ہوتا ہے۔  
 ورنہ مجھے یہاں بیٹھے مدہائیں گذر گئیں اور بیسیوں شخص اس چڑیا کے لینے کے لئے آئے  
 لیکن تمہاری جیسی ترکیب کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ جاؤ رخصت ہو تمہیں برکت دے۔  
 غرض اور درویش سے اجازت پا کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ گیند آگے پھینک دیا۔ اور  
 گھوڑے کو ایڑی کر دی۔ گیند پہاڑ کے نیچے جا کر پھٹ گیا۔ اور پریراؤ نے جیب میں سے تھوڑی  
 سی روٹی نکال کے دوکانوں میں ٹھونس کر بھری اور بڑی دلیری سے اوپر چڑھنے لگی۔ جب چند قدم  
 آگے بڑھی۔ بدستور سابق چاروں طرف رولا مچنے لگا۔ مگر کانوں میں روٹی ہونیکے سبب اُسے  
 کچھ نہ سنا اور آگے بڑھی چلی گئی۔ پھر بڑے زور سے حبیب آوازیں ہوئیں اور اسے گندی  
 لالیاں ملنے لگیں۔ شہزادی نے کوئی بدواہ نہ کی اور سنتے سنتے آگے بڑھ گئی۔ دلیس چا  
 سزان و اہیات باتوں سے کیا میں اپنا مقصد چھوڑ دوں گی۔ ہرگز نہیں؟ آخر اس نے وہ تمام  
 سڑی سنزل بڑی ترسانی سے طے کر لی۔ جہاں رستم و ہفت بابو کا زہرہ پانی پانی ہوا جاتا تھا  
 اور قند کوہ پر ایک پیچہ رکھا ہوا پایا۔ جس میں ایک چڑیا بیٹھی طرح طرح کی بولیاں خوش الحانی  
 سے بول رہی تھی۔ چڑیا اُسے دیکھ کر بادل کی طرح اُچی۔ اور بولی۔ میرے پاس امت آپ بھی  
 رہی پھر جا۔ مگر شہزادی نے کچھ بدواہ نہ کی اور دوڑ کے چڑیا کا پیچہ اٹھا لیا۔ پھر کہنے لگی۔ اب تو

مقتی۔ پرویز نے اُس سے اُن تینوں چیزوں کے ملنے کا چتر پوچھا۔ سپرد وئے اُسے سمجھایا کہ اس خیال سے درگزر۔ وہاں بڑے بڑے خطرات ہیں۔ ابھی چند روز گزبے ہیں۔ کتبائی ہی شکل وضع کا ایک نوجوان انہی چیزوں کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔ اپنے اُسے بھی بہت سمجھایا تھا مگر اُسے کچھ نہ مانا اور آخر اسے ہلاک ہوا۔ دیکھو اپنی جوانی پر رحم کرو۔ اور یہاں سے لوٹ جاؤ۔ پرویز نے جواب دیا اے نیک مرد؟ وہ میرا ہی بھائی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ پیسے مر گیا۔ درویش نے جواب دیا دوسروں کی طرح وہ بھی سیاہ پتھر بن گیا ہے۔ مگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ پرویز نے درویش کا اس نصیحت کیلئے شکر یہ ادا کر کے اپنے ارادے پر استعلائی ظاہر کیا۔ آخر درویش نے اُسے اُسی قبیلے میں سے ایک گنبد نکال کے دیا اور مناسب ہدایات دیکر اودھس کئی۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو گنبد کو اُسے لڑھکھا اُس پہاڑ کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں پر اسے اس بولنے والی چڑیا کا پیجرہ۔ یعنی کی اُمید تھی۔ جب پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ گنبد کے ٹکڑے ہی وہ بھی گھوڑے سے اُتر کمال جرات کے ساتھ اوپر چڑھنے لگا۔ مگر چند قدم ہی چلا ہو گا کہ وہی داد و گبر کا غل غنچا شروع ہو گیا۔ اور ایک طرف سے کان میں آواز آئی۔ اودھ ذات ٹھہر جا۔ میں تجھے تیری اُستادگی کی سزا دیتا ہوں۔ جب پرویز نے ایسی گالی سنی غصے میں بھر گیا اور نلوار کھینچ کر پیچھے پھرا کہ کالی دینے والے کا سر اُٹار دے۔ مگر کیوں دان نہ پا کر فوراً سیاہ پتھر بن گیا۔ شہزادہ بھی پرویز کو میں روز تک تو ملا کے دلے بٹیک معلوم ہو رہے۔ مگر اکیسویں روز آپس میں بالکل چپاں ہوئے ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر وہ پھر بال نوچنے اور سر پیٹنے لگ گئی۔ اور سوچنے لگی۔ کہ اب میرا جینا بیکار رہے۔ جہاں دو تو بھائی گئے۔ وہاں مجھے بھی چلنا چاہیے۔ پھر باخوت نصیب ہو گا یا تختہ۔ یہ خیالی کہ اس نے دوسرے دن مردانہ لباس پہن لیا اور اپنے ٹوکروں چاکروں کو ہدایت دیکر کہیں کہیں ٹھہر کر روز کے لئے جاتی ہوں۔ گھوڑے پر سوار ہو روانہ ہوئی۔ اور اکیسویں دن صبح کے وقت اُس درویش کو جا لیا۔ پھر گھوڑے سے اُتر اُس درویش کے پاس جا بیٹھی اور یڑی زخمی سے التجائی۔ کہ بابا! اچانکے والا درخت۔ سنہری پانی اور لولتی چڑیا کہاں سے لیگی۔ درویش نے



کہ اس میں سے غن کے قطرے نکل رہے ہیں۔ فوراً دوسرے لنگے لگائے اور رور و کرکے لگے کہ اس  
 بڑھیا بد ذات کا بڑا ہو جس نے ان چیزوں کا ذکر کر کے ہمارے بھائی کی جان لی۔ اگر وہ چیریں  
 اب میرے اٹھ لگ بھی جائیں تو میں انہیں پیسے کیا کرونگی؟ مگر پرویز نے کہا کہ نہیں اس  
 میں جانے ان چیزوں کو تمہارے لئے لاؤنگا اور جا کے دریافت کر دنگا۔ کہ بھائی اپنی موت  
 مر ہے یا کسی نے اسے قتل کیا ہے۔ مؤخر الذکر حالت میں مجھے اپنے بھائی کا اتمام پسند بھی  
 ضروری ہے۔ پریزا نے ہر چند اسے سمجھایا اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر پرویز نے اسکی ایک  
 نہ سنی اور دوسرے دن تیار کر کے رخصت ہونے لگا۔ پریزا نے وقت رخصت کوئی ایسی چیز  
 مانگی جس سے اسکی خیریت کا حال معلوم ہوتا رہے۔ شہزادے نے موتیوں کی بالاکھ سے  
 آہار کے اسے دیدی اور کہنے لگا۔ جب تک اس مالاکے دانے جدا جدا رہیں۔ مجھے بخیریت سمجھنے میں  
 تامل نہ کرنا۔ دوسری حالت میں سمجھ لیا۔ کہ میں ہو چکا۔ غرض پرویز دماں سے روانہ ہو گیا  
 اور طے منازل کے بعد ایک سو دن اسی بوڑھے سے ملا جس سے بہن کی رشتہ بھیڑ ہوئی تھی  
 تصویز شہزادہ پرویز کی کھوڑے پر سوار ہو کر راہ محظوظ طے کرنے کی



پتھر ہی نظر آتے تھے اور اسی چار پانچ قدم بھی نہیں چلا تھا کہ باران لطیف سے داروگیر کا گل مچنے لگا۔ مگر بہمن نے آواز کے سوا کسی شکل کو وہاں نہ پایا۔ کبھی اسے آواز آتی: یہ اسحق کوئی ہے۔ اور کہہ رہا ہے اسے بکڑو۔ کبھی سنتا: اسے بکڑے کبھی قتل کر دیجئے کبھی تمہارا بدلہ لے کر جسے کی آواز سنائی دیتی اس کے ہر ش یا ختم ہر گئے کبھی سنتا: اسے نالکار اور اٹھڑو جا۔ میں آتا ہوں کبھی ہلکی سی آواز سنئی اسے کچھ نہ کہو یہ احتجاج نکار ہے اسے جانے دو۔ یہ آدمی ہے چوہ لہتی چڑیا کہ لا لگیگا۔ شہزادہ ان لغویات کو سنکر ذرا نہ ٹھہرا اور بدستور نیڑی کے ساتھ سپاہ پر چڑھتا گیا۔ مگر جب آوازیں اور بھی قریب آنے لگیں تو وہ خائف ہو گیا۔ پاؤں پکھنچنے لگے اور درویش کی ساری ہدایات بھول گیا۔ منہ پھیر کے دیکھا اور منہ کا پھیر تا ہی تھا کہ سپاہ پتھر بن گئی۔ وہیں رہ گیا۔ شہزادی پر جیاد ہمیشہ قریب کو دیکھتی رہتی اور اسے چلدار پائے اطمینان رکھتی۔ مگر انکیب میں روز جب شہزادہ بہمن پتھر بن گیا۔ اسے قریب کو میان سے نکالنا چاہا تو وہ نکل نہ سکی۔ گویا زنگ خورہ ہو رہی ہے۔ پتھر پر ورنے زور سے اُسے باہر نکالا تو دو تو کیا دیکھتے ہیں۔ تصویر یاں سپاہ کی جیسپر لوگ سپاہ پتھر بنے ہوئے کھڑے تھے مع تصویر شہزادہ بہمن کے



ایا ہوں۔ میری یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کا پتہ معلوم ہو گا۔ مگر میرا خیال قنطاریہ نہیں۔ تو آپ مجھے بھی اُنکے پتے سے ملا کر  
 یہ سنگدرویش کا رنگ فنی ہو گیا۔ کچھ جواب نہ دیکر سر ہٹا کر لیا۔ شہزادہ پھر بولا۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اگر آپ کو  
 پتہ نہ ہو تو مجھے ایسی ہی کہیں میں تاکہ میں کسی واقفکار سے پوچھوں۔ درویش بولا جس مکان کی بابت تم نے پوچھا  
 میں اُس سے خوب انکاء ہوا۔ مگر تمہاری اس خدمت سے مجھے تھکے ساتھ ایک محبت ہو گئی ہے اسلئے میں  
 نہیں چاہتا کہ تمہیں اُس مکان کا پتہ بتاؤں۔ شہزادہ نے پوچھا آخر وہ کیوں۔ درویش نے جواب دیا کہ راہ میں  
 شہزادہ خطرہ میں ہے۔ تھکے سوا یہاں اور بھی کئی آدمی اُس مکان کا پتہ پوچھتے آئے۔ اور میں انہیں بتانا نہ چاہتا  
 تھا۔ لیکن اہل اثر و برکت بتانا ہی پڑا۔ اب تم یقیناً جان لو کہ وہ سب راستے میں ہی ہلاک ہو گئے ہیں کیونکہ اُن  
 میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ اگر تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو میری نصیحت پر عمل کرو اور میں  
 سے رٹ جاؤ۔ شہزادہ نے درویش کا شکریہ ادا کیا اور بولا مجھے خطرات کی کوئی پروا نہیں۔ جو  
 شخص مجھ پر حملہ کرے گا۔ میں اُسے اپنی تلوار کا شکار بناؤں گا۔ درویش نے جواب دیا مگر حلاوت و تہذیب و کھائی  
 نہ دیکھتے پھر تم اپنی حفاظت کیسے کر سکو گے۔ شہزادہ بولا کوئی پروا نہیں آپ مجھے راستہ بتا دیں۔  
 درویش نے جب شہزادہ بہن کو اپنے ارادے میں مستقل پایا۔ یقینی میں سے ایک گیند نکال کر  
 اسے عطا کیا اور کہنے لگا کہ جب تم سوار ہو اسے اپنے آگے لے کر رکھا دینا اور جہاں یہ جا کے  
 ٹھہرے وہیں تم نے بھی گھوڑے سے اتر پڑنا۔ گھوڑے کو بلا شاک و ہراس چھوڑ دینا۔ اور جب تک  
 تم واپس نہ آؤ گے وہ اسی جگہ کھڑا رہے گا۔ اسی جگہ سے تم ایک پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ پاؤ گے۔  
 بلا تاخیر اوپر چڑھ جانا۔ اوپر جا کر تمہیں راستے کے دو نوط بڑے بڑے سیاہ پتھر دکھائی دیں گے  
 اور چاروں طرف سے حبیب آوازیں آئیں گی۔ اور جب تمہیں غصہ اور ڈر آئے گا۔ مگر خبردار ابھی  
 پھر کے ہرگز ہرگز مت دیکھنا۔ اگر تم نے ذرا بھی ادھر ادھر مڑنے کیا۔ تو یاد رکھنا تم بھی ویسے ہی سیاہ  
 پتھر بن جاؤ گے۔ یہ کیف جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں بولتی چرائیا کا پیچر لگا ہوا  
 ہو گا اس سے گائیو لے درخت اور شہری پانی کا بھی پتہ پوچھ لیتا۔ جب تم اُن تینوں چیلوں  
 کو پاؤ گے پھر کچھ خوف کی بات نہیں۔ اطمینان سے واپس آؤ۔ غرض شہزادہ اس گیند کو لے کر  
 آگے بڑھا اور ایک پہاڑ کے نیچے پہنچ کر اُس گیند کے ساتھ ہی ٹھہر گیا۔ پھر گھوڑے سے  
 اتر نکلا۔ سب سے باندھا اور آپ اوپر چڑھنا شروع کیا۔ جہاں تک اُسکی نظر کام کرتی تھی سیاہ

دنیا کر کے وہاں بیٹھا ہوا یا وہاں میں مشغول تھا۔ شہزادہ فوراً اسی کے پاس آکھڑا ہوا سیکڑ بکھڑا  
 دسی آدمی تھا۔ جو آج اُسے دیکھا تھا اور گھوٹے سے اُسے کر سلام کہی۔ درویش کے جواب سلام  
 کا دیکر کچھ بات کہی مگر شہزادے کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ شہزادے نے درویش کی  
 مونچھیں دیکھیں کہ اہقدر بڑھ گئی ہوئی ہیں کہ اُسکی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ پھر اُسے گھوڑے پر  
 درخت سے بانہ دھک مقرر نکال کر کہا۔ شاہ صاحب آپ کی مونچھیں اہقدر بڑھی ہیں کہ میں آپ کا  
 ارشاد نہیں سمجھ سکتا حکم ہو تو خط بنا دوں۔ درویش نے اشارہ کیا کہ ناں! میں بھی خوش ہوں گا۔  
 یہ سنکر شہزادے نے فوراً زبید بالی کاٹ دئے۔ اور بولا۔ اب آپ بالکل نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔  
 اگر میرے پاس آئیے ہوتا تو آپ کو دکھا بھی دیتا درویش مسکرایا اور بولا۔ میں تمہاری اس خدمت  
 سے نہایت خوش ہوا ہوں۔ اب میرے لائق کوئی خدمت بیان کرو۔ میں اُسے شوق سے بجا مانوں گا  
 شہزادہ بولا۔ حضرت میں بہت دور سے بولتی چڑیا کا بیوے درخت اور سنہری پانی کی تلاش میں  
 تصویر پیر و کی جو عمر اور یہی شکل تھا مع تصویر شہزادہ بہن کے



کے منصوبے سوچ رہی تھی۔ بھائی اُسکی یہ حالت دیکھ کر بڑے متروک ہو گئے۔ آخر ہمیں نے پوچھا۔  
 ہمیں! آج خلاف معمول تمہیں آدھ اس کیوں دکھتا ہوں۔ خبر تو ہے۔ پرینا نے جواب دیا۔ انا۔  
 خبر ہی ہے۔ ہمیں نے جواب دیا۔ تمہیں خبر تو نہیں دکھائی دیتی۔ اور جب تک تم اصل حال سے  
 ہمیں اطلاع نہ دو گی۔ ہم یہاں سے نہیں جائینگے۔ پرینا نے جب دیکھا کہ دونو بھائی بے قرار ہو چکے  
 ہیں تو مجبوراً ٹیڑھیا کے آگے سارا حال انہیں سنائے کہ کتنے لگی ہیں چاہتی ہوں کہ جس طرح ہو سکے۔  
 اپنے باغ اور محل میں یہ تینوں عجائبات بھی ہم پہنچاؤں اگر تم سے ہو سکے تو انکے محل کرکشی کو شکر کرو  
 یہ سن کر ہمیں نے اککا پتہ نشان پوچھا اور کہنے لگا۔ میں کل صبح ہی روانہ ہو جاؤں گا تو کچھ فکر نہ کرو۔ پرینا نے  
 نے جب دیکھا کہ بھائی ارادہ مقرر ہے۔ بولا۔ آپ ہم سب سے بڑے ہیں اور آپ کا گھر میں سناٹا  
 ضروری ہے اسلئے میں آدھ ہر جاؤں گا اور شہرہ کے پاس رہنے بہمن نے جواب دیا۔ مجھے تمہاری جرأت  
 سے ایسی ہی امید ہے۔ مگر فی الحال یہی مناسب ہے کہ میں بھی جاؤں تم گھر میں رہو۔ عرض دوں  
 دن وہ گھوڑے پر سوار ہوا اپنے بھائی پر ویر کے پاس خدمت لینے آیا۔ اسوقت پرینا کو بہمن کی بدلتی  
 ناگواری معلوم ہوئی اور رو رو کے کہنے لگی۔ بھائی تم ہم سے جدا نہ ہو۔ مجھے ان تینوں چیزوں کے نہ بانیگا  
 اسقدر رنج نہ ہوگا۔ جب قدر تم سے جدا ہو گیا ہوگا بہمن نے جواب دیا اب تو میں مصمم ارادہ کر چکا ہوں اور  
 تم طینان رکھو۔ میں جلدی آ جاؤں گا۔ پرینا نے کہنا اور نہیں تو کسی طرح تمہاری خیریت کا حال  
 ہی معلوم ہو جاتا۔ یہ بھی غنیمت تھا۔ یہ سن کر بہمن نے اپنی کمر سے ایک کرولی نکال کے پرینا کو دیدی  
 اور کہا جن وقت میرا حال دیکھنا منظور ہو اس کرولی کو دیکھ لیا کرنا۔ اگر صاف اور چمکدار نظر آئے  
 تو مجھے زندہ سلامت سمجھنا۔ اور اگر خون ٹپک رہا ہو تو سمجھنا کہ میں ہو چکا اور میرے حق میں دیکھئے  
 خیر کرنا۔ یہ کہہ کر انہیں الوداع کہی اور گھوڑے کی باغ آدھ پر سوڑی۔ جدھر پرینا نے اسے پرینا  
 تھا۔ غرض میں دستک مارا مارا تھلے کر کے اکبیر کی دن اسکے ایک چیرم کو ایک درخت کے  
 نیچے بیٹھے دیکھا۔ پاس ہی ایک جھوٹا بڑی بھی تھی جیکے سبب سے وہ سرما اور گرما کی تکلیف سے  
 رہا بچا کر سکتا تھا اسکی شکل بڑی دشتناک تھی اور ڈاڑھی موسیٰ نہیں اتقدر گھنی تھیں کہ آسکا نہ  
 بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ڈاڑھی موچھل پر پڑ رہی تھی اور ناخن بہت بڑھ گئے تھے۔ اسکے  
 سر پر ایک لمبی سی ٹوپی تھی اور پرچہ بھائی پیٹھے ہوئے تھا سو ایک درویش تھا جو مدت سے ترک

ہوئی اور شہزادی سے کہنے لگی جس شخص نے تمہارا محل اور باغ بند ہے وہ فن تعمیر کا پورا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ شہزادی نے یہ سنکر اُسے اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگی۔ تیرے تعیب ہا کہ آپ جیسی زراعت کے مجھے دیدار ہو گئے۔ آپ نے اسی راہ اختیار کی ہے جسکے لئے ہر شخص کو آرزو ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی زبان فیض تر جان سے نصیحت کی باتیں سنکر فائدہ اٹھاؤں۔ اتنے میں غلاموں نے کٹر خوان بچھا دیا۔ اور طرح طرح کے لذیذ کھانا بڑھیلے آگے رکھ دئے اور بولی اے مقدس اماں۔ آپ کو جس چیز کی اٹھنا ہو شوق سے نوش فرمائیے۔ بڑھیا نے جواب دیا اگرچہ ایسی لذیذ چیزوں کے کھا فیکل مجھے عادت نہیں ہے۔ تاہم تم ایسی فیاضی کے انھوں سے خدا دے تو نہ لینا کفرانِ نعمت ہے پھر دونوں نے اپنی اپنی اٹھنا کے بموجب کھانا کھلایا اور بڑھیا نے شہزادے کو کئی نصیحتیں بتائیں۔ آخر شہزادے نے پوچھا اے اماں جان! آپ کی رائے میں یہ باغ اور محل کیسا ہے؟ اس میں کوئی اور چیز تو نہیں چاہئے بڑھیا نے جواب دیا۔ بیٹی! باغ اور محل کی آراستگی میں تو کوئی شبہ نہیں بلکہ ہر ایک قرینہ بہت عمدگی سے پایا جاتا ہے مگر تین چیزوں کی کمی دکھائی دیتی ہے اگر وہ بھی انہیں ہوں تو بلاشبہ تمہارے باغ اور محل کو لوگ بے نظیر کہیں ہر پیراؤنے بڑے امتیاز سے پوچھا اور وہ تین چیزیں کوئی ہیں بڑھیا بولی۔ ایک تو گلابی چڑیا ہے جسے ہبل ہزار داستان بھی کہتے ہیں اور وہ نمایاں ہے اور جس وقت وہ خوش آواز سے وہ گاتی ہے بڑے بڑے خوش اکال پرند آسکی راگیناں سننے کیلئے آجھ ہوتی ہیں۔ دوسرا گلابی لادخت ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو خود بخود اسکے ہون میں راگ و رنگ کی آواز نکلنے لگتی ہے تیسرا سنہری پانی ہے کہ اگر اسکا ایک قطرہ بھی کسی بڑے برتن میں ڈال دیا جائے تو وہ برتن فوراً بھر جاتا ہے اور اگر کسی بڑے حوض میں ڈال دیا جائے تو حوض بھر کر خود بخود نوائے کی طرح اچھلنے لگتا ہے۔ مگر کیا مجال کہ ایک قطرہ بھی تو یا ہر گز شہزادی یہ سنکر عجیب امتیاز بنگی اور بڑھیا کو قسم دیکے پوچھا کہ یہ شہزادہاں سے لینگی؟ اگر آپ کو پتہ ہو تو مجھے ضرور بتاویں میں اسکے حاصل کرنے میں ہر ایک سعی کروں گی بڑھیا بولی یہ چیزیں خود دھند کے علاوہ اور کہیں نہ لینگی۔ آپ کے مکان سے فلاں سمت میں دیکھی راہ پر جو شخص پہلے پہلے اُس سے ان تینوں چیزوں کا پتہ ملے گا۔ یہ کہہ کر اُس مایہ نے پیراؤ سے رخصت لی اور چلتی پھرتی نظر آئی۔ مگر پیراؤ ان تینوں عجائبات کے دیہان میں ایسی جوہری کہ اسکے حیاتی شکار گاہ سے دس گز بھی گھر اسکے کچھ خبر نہ ہوئی وہ اسکے حصول



ہونے پر شہادت دیتا۔ گرشاہی حکم سے افزائی کر تکی کیسی جو حال نہ تھی البتہ ہر شخص اس پر رحم کھا کر اس کی تعلیمی  
کچلے دے گا ہنگامہ۔ اور تو ملک کی یہ حالت تھی اور اس کے تینوں بچہ کمال اور نعمت میں پرورش پا رہے تھے اور چون  
جوں ہڑتے جاتے ان کی محبت بھی میاں بی بی کے کہیں ٹپکتی جاتی۔ واروغہ نے بڑی محبت سے اس کے کانام کو  
اور چھوٹے کانام پر بوز اور لڑکی کا نام پر بڑا رکھا۔ جب یہ تینوں تربیت کے قابل ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کے  
لئے معلم و استاد رکھے گئے اور تھوڑے عرصے میں تینوں نے ہندو مہارت پیدا کر لی کہ استاد بھی ان کی قابلیت پر  
حیران ہوتے تھے علوم دینی میں کمالیت ہم پہنچا لینے کے بعد تینوں نے شہسواری تیر اندازی اور دوسرے  
فنون سپہ گری میں بھی حیرت انگیز ترقی حاصل کی۔ ان کے علاوہ پرینا نے گانا بجانا بھی سیکھا۔ واروغہ کو انہیں  
دیکھ دیکھ کر کمال مست ہوتی تھی اور وہ انہیں جو ہم سرور رکھنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا جیسا  
وہ جوان ہوئے۔ اتفاقاً واروغہ کی بی بی بیار ہر محل اسی اور واروغہ نے انہی رہائش کچلے شہر سے  
مٹھوڑی ہووڑیا ایک زمین مول لیکر نیا محل نہایت خوبصورت اور عالیشان بنوایا جس کے ساتھ ہی ایک  
خوبصورت باغ بھی لگوا دیا۔ باغ کی تیارابی میں اس نے خود بھی بہت محنت کی۔ شہر کے کچلے واروغہ واروغہ لدا  
درخت تربیت کے ساتھ لگائے۔ باغ کیساتھ ہی لگا ہوا ایک وسیع رعنا بھی تیار کر لیا جس کے چاروں طرف  
بانڈیوار بنائی اور اندر ہر قسم کے جانور لاد رکھے تاکہ وہ تینوں بھائی بہن وقتاً فوقتاً شکار کھیل کر اپنی  
طبیعت بھلا کر س۔ جب محل رہا اور رعنا ہر طرح سے آراستہ ہوئے۔ واروغہ نے بادشاہ سے وہاں  
بارہنہ کی اجازت طلب کی جو اسے بڑی آسانی سے مل گئی۔ پھر وہ ان تینوں کو ساتھ لیکے وہاں آ رہا۔  
اتفاقاً چھ مہینے اس نے محل میں رہ رہو بھی چل بسا۔ اور اتنی زبردستی کہ ان لوگوں سے اس کے  
خشب و سب کا پتہ بتا جاتا۔ البتہ انہیں باہم اتفاق سے رہنے کی وصیت کر گیا۔ اس کی وفات کے بعد تینوں  
نے جو واروغہ کو اپنا حقیقی باپ تصور کرتے تھے نہایت جوع فزع کی ماور بڑی آسان دشوکت کیا تھے اس کا پتہ  
نکالا۔ پھر واروغہ کی وصیت کے بموجب تینوں بڑی محنت اور اتفاق سے رہنے لگے حتیٰ کہ جو کام کرتے تینوں  
ایک دوسرے کی صلاح سے کرتے۔ ایک دن شہزادہ بہمن اور پرنس شکار کیلئے رہنے میں گئے ہر نے تھکے تھکے شہزادہ  
پرنس کے پاس سو ایک عایدہ اور زامہہ بٹھایا مگر گذر ہوا اور اسے شہزادے سے درخواست کی۔ اگر  
اجازت ہو۔ تو آپ کے باغبین نماز پڑھ لوں۔ شہزادی نے خوشی اجازت دی۔ اور جب وہ فارغ  
ہوئی۔ خواہیں شہزادی کا حکم پا کر اسے تمام باغ اور مکانوں کا سیر کرالائیں۔ بڑھیا بہت خوش

اگر وہ ترک کر دیا اور ملک کی دونوں بڑاات بھینوں نے لڑکے کو پیاری میں بند کر نہ میں بہا دیا جو محل شاہی کے  
 نیچے سے یہ رہی تھی۔ اتفاق سے وہ پیاری بہتے بہتے نہا ہی باغ میں جا پہنچا۔ اسے میں داروغہ  
 باغات کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ جو وہاں بٹل رہا تھا۔ اُسے مالی کو حکم دیا کہ نہ میں سے وہ پٹا ہی نکال لے  
 مالی دوڑے اُسے نکال لایا اور داروغہ کے سامنے رکھ دی۔ داروغہ نے اُسے کھ لکھ دیکھا۔ کہ  
 ایک خوبصورت تازہ مولد اُس میں پڑا ہے۔ چونکہ اُسکے کوئی اولاد نہ تھی۔ اور بارگاہ الہی میں شہ روز  
 دست بدعا رہتا تھا۔ اسلئے فوراً اُس بچے کو اٹھا کے اپنی عورت کے پاس لیکیا۔ اور اپنی بی بی سے  
 کہتے لگا کہ خدا نے اپنی رحمت سے یہ بچہ مجھے دیا ہے۔ ابھی ایک دالی کو بلوائے اسے دودھ پلوا  
 اور اسے اپنا شکمی بیٹا سمجھ سوغ داروغہ نے عورت اُسکی پرورش کرنے لگی۔ اڑھ داروغہ نے  
 اُس پیاری کو ملک کے محل کی طرف سے آتے دیکھا تھا۔ مگر اُسے زیادہ تفتیش نہ کرنا مناسب نہ سمجھا  
 دوسرے برس وہ ملک ایک اور شہزادہ جتنی۔ اسکی بڑاات بھینوں نے ازراہ حسد اُس بچے کیساتھ بھی  
 پہلے وار سلوک کیا اور ظاہر کیا کہ اب کے ملک کے بلی کا بچہ چاہے جن اتفاق سے وہ لڑکا بھی داروغہ  
 کے ہاتھ آیا اور اُس نے اپنی عورت کو دیکر تاکید کی کہ اسے بھی محبت کیساتھ پرورش کرادشاہ کہ اس خبر سے  
 بھی غصہ آیا اور ملک کے ہلاک کر دینا قصد کیا مگر وزیر نے پھر کہہ کر اُسے باز رکھا۔ تیسری دفعہ ملک نے  
 لڑکی جتنی۔ وہ بیگینا بھی اپنے دو بھائی کی طرح پانی میں بہا دیکھی اور قدرت خدا سے اُسے بھی داروغہ  
 ہی نے پایا۔ مگر ملک کی بھینوں نے ظاہر کیا کہ اب کے ملک نے چھوٹے رجنی ہے اب تو بیگینا میں  
 کی طاقت نہ رہی اور بولا اب کے میں اسے ضرور مرواؤ لڑکا ورنہ یہ تو میرے محل کو جا لروں سے بھر گئی  
 مگر وزیر اعظم اور دوسرے اراکین دربار ملک کے شفیع ہوئے کہ جو شخص قصداً قدرت میں دخل نہ رکھتا ہو وہ بچہ  
 ہے اسکا قتل شرع میں یہ نہیں۔ آپ کوئی اور شہزادہ سے دیکھتے ہیں۔ ابہانہ ہو کہ ایک جہ میں بیٹھنا تا پڑ  
 اور میری رائے میں تو اسکے پاس جانا چھوٹا کر کچھ خیرات کیجئے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ چھا۔ میں اسکے قتل سے  
 درگزر نہ کر سکتا اسے ضرور ملنی چاہئے۔ اُسکے ایک لہے کے پتھر میں بند کر کے اُسے جامع مسجد کے  
 دروازے پر رکھو او۔ اور حکم دید کہ جو شخص نماز پڑھنے اندر جائے پہلے ملک کے منہ پر تھوکر اندر قدم رکھے  
 اور جو شخص اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا اسے بھی یہی سزا دی جائے گی۔ ناچار وزیر بادشاہ کا حکم بجالایا اور جو لوگ نماز  
 کے لئے آتے اُسکے منہ پر تھوکتے وہ صبر و شکر کے رہ جاتی۔ مگر جو شخص اسکے قتل سے غصہ

۵۷۹

الفیہ بالقاریہ

مراویں پاکر خوش ہوئیں۔ اس کے خلاف بڑی اور منجلی بھینس چھوٹی کا جاہ و جلال و کبیرہ سکیں اور شکر  
سے وراثت جلا کر تین سکر ویر تک انہیں اپنا انتقام لینے کا کرنی موقع نہ ملا۔ ایک دن دونوں تمام میں  
اکٹھی ہوئیں اور بڑی نے منجلی سے کہا کہ بھلا اس چھوٹی کھوئی میں ایسے کیا عمل لگے ہوئے ہیں کہ بادشاہ نے  
اسے ملک بتالیا۔ منجلی نے جواب دیا۔ بھائیوں خود حیران ہوں وہ بندر یا تو اس قابل نہ تھی اور میری رائے  
میں تو تم ہزار درجے بڑھ کر اس سے چین ہو۔ بڑی نے جواب میں یوں زبان کھولی۔ کہ اور بھی خوش تھی  
اگر بادشاہ تجھے انتخاب کرتا۔ غرض بادشاہ کی ناقد رشتا سی کے سبب ہم دونوں کو کمال بیخ آ رہا ہے پہلے  
کوئی تدبیر کرنا چاہئے جس سے اس بندر یا سے بدلہ لیکر دل کا بخار نکال سکیں۔ اور وہ بادشاہ کی  
نظروں سے گر جائے۔ پھر وہ دونوں اسی فکر میں رہنے لگیں مگر اسے ان دونوں سے ویسی ہی محبت تھی۔  
اتفاقاً کسی مہینہ کے بعد ملک عالم ہو گئی۔ بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اسے ملک میں اظہار مسرت  
کا حکم دیا۔ جب یہ خبر ملک کی دو بہنوں کو پہنچی۔ انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کھان لی۔  
اور دو دو ملک ملکہ رہتی بہن کو سہار کباد دینے لگیں۔ انہوں نے گفتگو میں ملک سے درخواست کی کہ جب  
وضع حل کا وقت قریب آئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ خود حاضر ہوں کہ تمہاری خدمت کریں اور چالیس دن  
ہمک تمہارے پاس رہیں۔ ملک نے انکا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا تھے بڑھ کر میرا قصد اور نیکو سا ہو گا  
مگر بادشاہ کی اجازت کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتی۔ بہت ہی کہ تم اپنے خاوندوں کی معرفت بادشاہ  
سے اپنے یہاں رہنے کی اجازت لو۔ میرے خیال میں بادشاہ ضرور تمہاری اجازت سے دیکھا غرض  
دونوں نے اسکی صلاح مان کر اپنے اپنے خاوندوں کی معرفت بادشاہ سے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے فرمایا  
کل جو اپ بلے گا اور جب وہ گھر آیا۔ غلط میں ملک سے اس بارے میں پوچھا۔ ملک نے انکی سفارش  
کی۔ کہ بہر حال بہنیں ہیں۔ بغیر انکی نسبت انکا وقت وضع حل میرے پاس ہونا بہت بہتر ہے چنانچہ کل  
دن بادشاہ نے ملک کی بہنوں کو انکے خاوندوں کی معرفت ملک کے پاس رہنے کی اجازت دی اور وہ  
رہنے لگیں۔ جب وضع حل کا وقت آیا۔ ملک نے ایک خوب صورت شہزادہ چنا۔ مگر اسکی دونوں خاوند  
بہنوں نے اسے کو ناسب کر کے ایک گھٹے کا مژدہ پلا رکھا یا اور محل میں مشہور کر دیا کہ ملک کٹا جاتی ہے  
جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی اسے براعت نہ آیا اور ارادہ کیا کہ ملک کو مروا دلے مگر وزیر نے اسے منع کیا  
کہ یہ کسب خیر ہے اور ملک بہت شہرہ جلا اسے وراثت میں کیا دیا دھل ہے، غرض بادشاہ نے اسے قتل کا

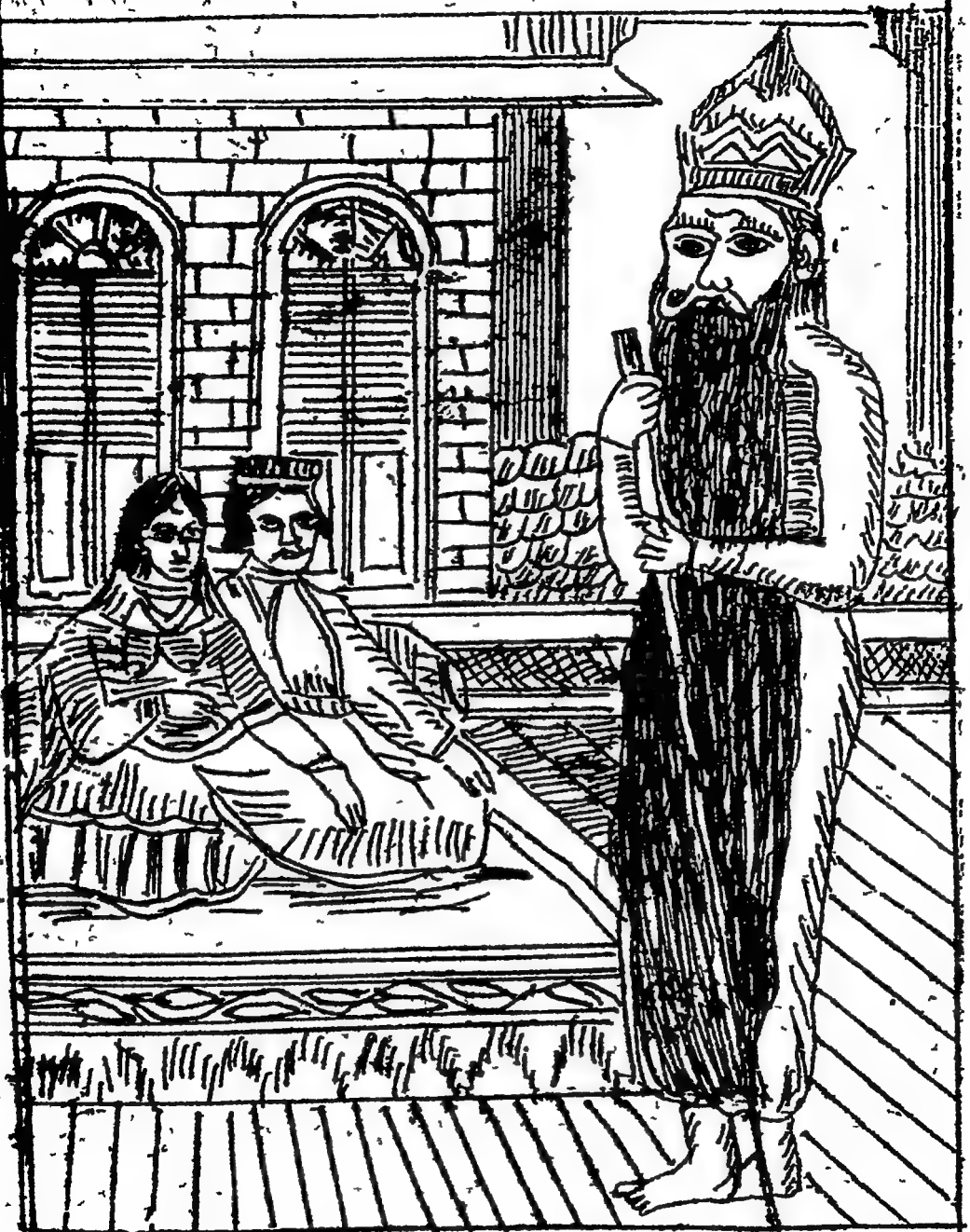
پرتھوادی پر نیراد اور شہزادگان بہمن و پرویز کی داستان سنائی شروع کی اور یوں :-

## شہزادی پر نیراد اور شہزادگان بہمن و پرویز کی داستان

خداوند اگلے زمانے میں ملک فارس کا ایک شہزادہ خسرو شاہ ناجی بسا اوقات رات کو بھینس بد لکر رہا یا  
کے حالات دریافت کرنے کے لئے پھر کرتا۔ جب اُس کا پاپ مر گیا وہ تخت پر بیٹھا اور رسومات غزاداری کے  
اختتام پر اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اور اپنی عادات قدیم کے بموجب سرشام وزیر عظم کو ہمراہ  
لے تبدیلی لباس کر شہر کے کوچوں میں گشت کرنے لگا اتفاقاً اُس کا گذر ایک ایسی گلی میں ہو گیا۔ جہاں ایک  
گھر سے عورتوں کے نور زہر سے بان کر نیکی آواز آ رہی تھی کیجہ شہزادہ نے کہ اب اُس کا یہی کام تھا دروئے  
کی دراز سے جھانک کر دیکھا کہ تین عورتیں ایک والاں میں کھانا کھا کر باتیں کر رہی ہیں۔ پھر انکی باتوں پر  
کان لگا دئے اُسے معلوم ہو گیا کہ وہ تینوں سکی بہنیں ہیں۔ پھر پہلی بہن یولی۔ میری آرزو ہے کہ میرا  
سیاہ بادشاہ کے نانیاں سے ہوتا کہ لذتِ روی کھائے تم دونوں کو ترسیا کروں۔ پھلی نے اُسکے جواب میں  
اپنی تختہ دانی کے لئے شاہی باورچی کو پسند کیا۔ تاکہ تمام اچھے اچھے کھاتے اُسے پیش کر سکیں۔ مگر تیسری  
سب سے چھوٹی تھی اُس نے سب سے بڑی آرزو کا اظہار کیا۔ کہ میں یہاں کے بادشاہ سے شادی کر نیکی  
آرزو مند ہوں تاکہ اُس سے ایک خوبصورت شہزادی جنوں۔ بادشاہ تینوں بہنوں کی خواہشوں کو سنکر  
مسکرا یا اور وزیر کو حکم دیا کہ اس گھر کو ابھی طرح سے یاد رکھنا اور صبح جب ہمیں اجلاس پر جاؤں۔  
ان تینوں بہنوں کو میرے سامنے حاضر کرنا۔ قصہ مختصر وزیر نے اگلے دن اجلاس کی وقت ان تینوں بہنوں کو  
دربار میں لا حاضر کیا۔ کیجہ و شاہ نے پوچھا۔ کل شام کے وقت تم آپس میں کیا باتیں کر رہی تھیں۔ میں  
بھی انہیں متنا چاہتا ہوں۔ مگر خیال رکھنا کہ انہیں ہر موقوف نہ آنے پائے۔ یہ سنکر تینوں بہنیں ملے  
شرم کے خاموش ہو گئیں اور کچھ جواب نہ دے سکیں۔ حقوڑی دیر بعد عذرِ معذرت کرتے لگیں مگر بادشاہ نے  
انہیں تسلی دیکر فرمایا۔ تم مت ڈرو۔ مجھ سے بلا تامل اپنی اپنی آرزو کا اظہار کرو۔ تاکہ میں انہیں پورا  
کروں۔ آخر انہوں نے اپنی آرزوؤں کا اظہار کر دیا۔ بادشاہ نے فوراً اپنے نانیاں اور باورچی کو  
بلوا کر بڑی اور پھلی کو علی الترتیب انکے عقد میں دیدیا اور آپ دھوم دھام کیساتھ چھوٹی سے نکاح  
پڑھالیا۔ چونکہ سکہ سے باقیوں کی نسبت کچھ نہ لگتی تھی اگرچہ ان سب کو لازم تھا کہ اپنی اپنی منہ مانگی

اور اوپر اوپر چھپ گئے اور جب وہ محل کے پاس پہنچا دربانوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ آخر شبہ  
 تخت کے پاس بڑے سخت اور غور سے جا کھڑا ہوا۔ اتفاق سے شہزادہ کسی کام کے لئے پیچھے رہ  
 گیا تھا تمام اراکین دربار اور حاضرین کی بھی بڑی گت ہوئی۔ ہر ایک اس خونخوار شکل کو دیکھ سر پہ  
 پاؤں رکھ کے بھاگا۔ اور جہاں پناہ لی چھپ رہا۔ شبیر کو دیکھ کر بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔  
 اور جب شبیر نے کہا۔ کہ میں حاضر ہوں۔ تو نے بلایا تھا۔ اب بتا مجھ سے کیا مطلب ہے تو بادشاہ  
 نے آنکھوں پر ماتہ رکھ کے وہاں سے بھاگ جانا چاہا۔ اسکی یہ بد اخلاقی دیکھ کر شبیر جل پھٹ گیا کہ میں  
 اتنی مشقت اٹھا کر اسے بلاتے آیا اور یہ مجھے دیکھ کر بھاگتا ہے فوراً اپنا آہنی حربہ اٹھایا اور بادشاہ  
 کے سر پر دے مارا کہ داغ پاش پاش ہو گیا اور وہ ٹھنڈا ہو کر رہ گیا۔ پھر شبیر چلتا تھا کہ وزیر اعظم  
 کو بھی اپنا شکار بنائے۔ مگر شہزادہ احمد نے چلایا اور شبیر کو وزیر اعظم کے مارنے سے منع کیا کہ یہ تو میرا خیر  
 تھا۔ اسے صحت مارو۔ یہ اشارہ پا کر شبیر نے وزیر اعظم کو چھوڑ دیا اور باقی کے تمام حاضرین کو ایک  
 سر سے دوسرے تک اپنی آہنی لاشی کا شکار بنایا۔ جو بھاگ سکا وہ بھاگ کے بچ گیا۔ پھر شبیر نے  
 وزیر اعظم کو حکم دیا کہ فلاں ساحرہ کو بھی حاضر کر جو میرے بہنوئی کی دشمن تھی۔ تاکہ اسے بھی اسکی بازوئی  
 کا نتیجہ دکھا دو۔ غرض وزیر اعظم نے فوراً پکڑ لیا اور شبیر نے دیکھ ہی ماتم میں اس مردار کی ہڈی اور  
 پسلیاں بھی ایک کر دیں۔ اسکے بعد شبیر نے سارے شہر کے باشندوں کو قتل کرنا چاہا مگر شہزادے نے  
 اسے روکا۔ آخر شبیر نے شہزادے کو شانہ پوشاک پہنائی اور ہندوستان کے تخت پر بٹھائے تمام سلطنت  
 میں سادوی کرادی کہ جو شخص شہزادہ احمد کی مخالفت کرے گا تو اسکا نوراجان سے مارا جائیگا مگر تمام وضع و شریف  
 اسکے تخت سلطنت پر جا بوس فرمانے سے نہایت خوش ہوئے اور اسکی درازی عمر کے لئے دعا مانگو  
 گئے۔ اسکے بعد شبیر نے پری بات کو بھی دہرایا۔ اور ہندوستان کی ملکہ۔ باگے آپ وہاں سے نہوت  
 ہو گیا۔ سلطان احمد نے شہزادہ علی کو ایک منسلکہ صوبے کا گورنر کر کے بھیج دیا اور شہزادہ جیسین کی جگہ  
 میں ایک سردار کو تمام واقع کی اطلاع دینے کیلئے بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آپ کو جس ولایت کی خواہش  
 ہو دیکھو اہل اعدی تاکہ اسجگہ کی بند حکومت لینے سے انکا رک دیا۔ صرف سلطان احمد کا شکریہ ادا کر بھیجا۔  
 وپہری کا چیکہ لگ گیا تھا حکومت لینے سے انکا رک دیا۔ صرف سلطان احمد کا شکریہ ادا کر بھیجا۔  
 اور فوراً پتھر گشتہ تہیابی میں بسر کر دی۔ یہ حکایت ختم کر کے اگلے دن شہزادے کو دیا اور اسکے کہنے

تصویر شہریرا اور پری بالو کی مع تصویر شہزادہ احمد اور پری بانو کے



ساتھ ساتھ حال پری نے اپنے بھائی کو بتا دیا اور دوسرے دن علی صبح دو تریادشاہ کے  
دربار کو روانہ ہوئے۔ راستے میں شہر کے باشندے شہر کی پستیوں کی شکل کو دیکھ کر بھاگنے لگے



حسب معمول آیا۔ بادشاہ نے یہی فرمایش کر دی۔ شہزادہ نے خیال کیا اب میں ایسا آدمی کہاں سے  
تلاش کروں گا۔ لیکن جیسے ہو سکا بادشاہ سے رخصت ہو کر پری کے پاس آیا اور اُسے بھی اس  
فرمایش سے آگاہ کر کے کہنے لگا۔ یقیناً یہ پہلی دو نو فرمایوں سے کر لی ہے پری بانو نے کہا  
اندیشہ نہ کرو۔ تم بڑی جرأت کیساتھ شیروں کے چشے سے پانی کے آئے تو یہ کونسی بات ہے۔  
اس وضع کا آدمی دنیا میں صرف میرا بھائی میرا ہی ہے اور میں اُسے بولنے دیتی ہوں۔ وہ  
بہت شجاع اور دلیر ہے اور اسکی ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ میں کچھ اُس سے فرمایش  
کروں۔ مگر تم اُسے دیکھ کے ڈرنا مت۔ شہزادہ نے جواب دیا جو تمہارا غریب ہے وہ میرا بھی غریب ہے  
تو خواہ اُسکی کسی وضع ہو مگر کیوں ڈروں گا؟ بلکہ مجھے خوشی ہوگی۔ پھر پری بانو نے سونہلی اکیلی  
دکانی اور ایک ملائی سندھو تھپے سے کچھ خوشنویاں نکال کر اسیں ڈالیں۔ جب اُس گنگھی میں سے  
گہرا دھواں نکلا۔ پری بولی میرا بھائی تو گیا ہے ہوشیار ہو جاؤ۔ شہزادہ نے سر اٹھا کے دیکھا تو  
فی الواقع شیر اسی وضع اور قطع کا تھا جسکی سلطان نے فرمایش کی تھی وہ بڑے محنت اور  
رعب کیساتھ کھرا ہوا تھا مگر اسکی آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور اندر کو گھسی ہوئی تھیں اور اسکا سر  
چپراٹے تلخ پنہار کا تھا آگے اور پیچھے سے چپٹا ہوا تھا۔ شہزادہ دیکھ کر استقلال سے  
بیٹھا رہا۔ شیر نے اُسے آگے بڑھ کے بغور دیکھا اور پری بانو سے پوچھا۔ یہ تم نے اپنے پہلو  
میں سے بٹھا رکھا ہے۔ بانو نے جواب دیا یہ میرا غریب ہے۔ اسکا نام شہزادہ احمد ہے اور بادشاہ  
شد و ستان کا شہزادہ ہے۔ بھائی کیسے تمہیں ایسی شادی میں اسلئے نہیں بلایا کہ تم آندلوں  
اور پری بڑائی میں مشغول تھے۔ اب خدا کے فضل سے تم نے فتح پالی ہے تو بیٹھے تمہیں بلایا جا  
یہ کچھ شیر نے پری بڑائی سے شہزادہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ بہن! کوئی ایسی خدمت  
مجھے ہے جو میں اس شہزادہ کی سجالاتوں۔ پری نے جواب دیا۔ اس شہزادہ کا باپ تمہارے بھائی  
کا آندہ و ستاد ہے۔ تم نہایت کر کے اسلئے ساتھ جاؤ۔ شیر نے جواب دیا۔ میں اس وقت تیار ہوں  
مگر پری نے کہا کہ بھائی! تم اس وقت تک بڑے آ رہے ہو آج آرام کرو۔ شام کو میں تمہیں  
شہزادہ کا حال سناؤں گی اور کل صبح اسلئے ساتھ جانا۔ غرض شیر نے وہاں رہنا منظور کر لیا  
اور جب شام ہوئی حضرت وزیر ساہرہ اور بادشاہ کے حمد کا جو تمہیں شہزادہ احمد کے

اور ایک ٹھکلیا جسے میں اتھیں دو لگی اپنے پاس کھٹا۔ پھر حبیہ تم تعلقہ کے آہنی دروازے کو پاس  
پہنچو۔ اس لکینڈ کو لڑھکے دینا یہ خود بخود اس جتنے کی طرف بٹھاری رہنمائی کر لیکھا اور  
جہاں جا کر ٹھکر جلے وہیں تم ان شیروں کو پاؤ گے۔ دوسرے اور دو جاتے ہوئے اور  
جاتے والے تمہیں دیکھ کر سوتے ہوؤں کو جگا دیں گے۔ پھر سب کے سب ٹکر غل چائینگے اور غراؤنگے  
مگر تم ڈر نہ ہو۔ فوراً آگے بڑھ کر گوشت کا ایک ایک ٹکڑہ اٹکے آگے ڈال دیکھو۔ وہ لو اس  
کھانے میں لگ جائیں گے اور تم نے فوراً ٹھکلیا کو پانی سے بھر لینا۔ مگر وہاں سے بہت جلد لوٹ آنا  
وہ شیر تم سے کچھ تعرض نہ کریں گے۔ اگلے دن شہزادہ نے اس طرح کیا جیسے کہ اس پر ہی نے  
سمجھا یا تھا اور بھیڑ کے چاروں ٹکڑوں کو قلعے میں جا کر شیر بننے کے سامنے ڈال دئے۔ پھر خود بہت  
جلد ٹھکلیا کو پانی سے بھر لوٹ پڑا اور جب قلعے سے نکل آیا۔ شیروں نے بھی اس کا قاتب کیا اس نے فوراً  
توڑ کر پھینچ لی۔ یہ دیکھ کر ان چاروں میں سے ایک تو دم ہلاتا ہوا واپس چلا گیا اور باقیوں نے  
شہر کے دروازے تک شہزادے کا پیچھا کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ شہر میں گھس گیا ہے تو وہ بھی  
واپس چلے گئے۔ شہر کے لوگ ان شیروں کو دیکھ کر بہت ڈرے۔ مگر انہوں نے شہر کے کسی  
بادشاہ سے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ پھر شہزادہ دربار میں حاضر ہو کر آداب بجالایا اور ٹھکلیا پانی  
کی پیش کش کی۔ کہ یہ وہی پانی ہے جسکی آپ نے فرمایش کی تھی۔ بادشاہ نے فرط عتاب سے شہزادے کا  
ہاتھ پکڑ کر اسے صند پر بٹھایا اور بڑھانوں ہوا۔ چونکہ ساغرہ کی زبانی اس جتنے کی خطرناکی کا  
حال سن چکا تھا۔ اسلئے شہزادے سے کمال متعجب ہو کر پوچھا۔ تم وہاں تک کیوں جکڑ گئے۔ اور  
شیروں سے سیو نہ کیجے؟ مفصل بیان کرو۔ جب شہزادے نے تمام میں چائے اور شیر دل کو  
دھوکا دیکر پانی لائیکسی حکایت بیان کی تو بادشاہ کو اسکی جرأت سے اور بھی خوف آیا۔ پھر بہت  
جلیل اسے نصیحت کر دیا اور ساغرہ کو بل کر حقیقی حال بتایا۔ وہ بھی حیران ہوئی۔ مگر کہنے لگی ابکہ  
اگر شہزادہ اس کے کوہ فرمایش کیجے گا کہ میرے پاس ایک ایسے آدمی کو لاؤں جس کا قد و قامت ایک  
گڑ سے بڑا نہ ہو۔ مگر ڈاڑھی میں گز نہیں ہو۔ اور اسے اس انداز سے رکھا ہو کہ زمین سے ٹکے  
اس کے کندھے پر میں من کی جڑب آہنی رکھی ہو۔ جسے وہ ایک ہموالی سی لکڑی کی طرح ہلانے۔ یہ بتا  
وہ اسکی بجا آوری سے تنگ ہو کر آپ ہی یہاں کا آنا چھوڑ دیکھا۔ عرض لکھ وں جب شہزادہ

خون کا توں تہ کرویا اور شہزادہ اُسے مسٹی میں دبا بادشاہ کے پاس لایا پہلے تو بادشاہ نے  
 اُسی کے بے حقیقت سمجھا۔ مگر جب اُسے ایسا دہ کیا تو وہ بھی متوجہ ہو گیا اور ایسے تا دیر تک کیلئے  
 شہزادہ کا شکریہ ادا کیا اور بلا۔ پری بالو کا بھی اُسی طرف سے شکریہ ادا کرنا۔ پھر اہلکار و ملک و حکم  
 دیا کہ یہ خیمہ پری احتیاطاً گھسیٹ کر خزانے میں رکھا جائے۔ مگر اب اُسے پہلے سے بھی زیادہ خوف  
 پڑ گیا کہ پری بالو حقیقت میں شہزادے پر بہت نہر بان ہے اور ڈرا کہ اُسکی خاطر مجھے مروانہ ڈالے  
 یہ سوچ کر پھر ساجرہ کو بلوایا اور رشوت طلب کی۔ وہ بولی۔ اب تو شہزادے سے شیروں کے چشے کا  
 پانی طلب کرو۔ غرض دوسرے دن شام کے وقت جب شہزادہ اُسے ملنے کے لئے آیا۔  
 اور آداب بجا لاکر بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا میں تمہارے خیمہ لائے کمال خوش ہوں۔ اور ایسی  
 ایک بھی چیز میرے خزانے میں نہیں ہے لیکن اگر شیر و ننگے چشے کا پانی بھی لا دو۔ جس سے  
 ہر ایک بیماری کو آرام ہوتا ہے تو میں تمہارا ممنون ہوں گا۔ اور میں سناتا ہے کہ وہ تمہاری عورت  
 کے پاس بہت ہے۔ شہزادے نے دلیں سوچا کہ خیمہ تو اُسے دیدیا۔ خدا جانے اُس پانی  
 کے لئے حقا ہو یا دیدے۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ماں مانگو ننگا سہی۔ اگر اُسے دیدیا تو خیمہ  
 عورت میرا کیا پس ہے۔ غرض اگلے دن وہ بادشاہ سے رخصت ہو کے پری کے پاس آیا اور  
 کہا۔ خیمہ کے لئے سلطان تمہارا شکریہ گزار رہے۔ اور اب تھوڑا سا پانی شیروں کے چشے کا بھی  
 مانگتا ہے۔ اگر تمہارے پاس ہو تو مجھے دیدو ورنہ اُسکا ذکر ہی جلتے دو۔ پری نے جواب دیا  
 جے معلوم ہوگا۔ بادشاہ ہاتھ امتحان لے رہا ہے۔ اور جو کچھ اُسکو وہ بڑھیا سکھاتی ہے  
 وہی تمہیں کہہ دیتا ہے۔ مگر خیر! میں اُسکی یہ فرمائش بھی پوری کر دوں گی۔ لیکن اُسکے لئے جان  
 جو کھوں میں ڈالنی پڑے گی۔ فلاں تلے کے میدان میں وہ چٹم ہے جسکی حفاظت کے لئے  
 چاروں طرف چار شیر بیٹھے ہیں اور نو بہ نو بہ دو جگتے ہیں اور دو سورتے ہیں۔  
 کسی کو اُس پانی تک نہیں پہنچنے دیتے۔ تاہم میں تمہیں اُسے پہنچنے کی بھی تدبیر بتا دوں گی  
 یہ کہ پری بالو نے سوئی دھاگا بہت سے سوت کے گیند تیار کئے اور ایک گیند شہزادے کو  
 دیکر بولی۔ اُسے احتیاط ہے اپنے پاس کہ لو۔ آج تمہیں ایک بھیڑ بھی بوج کر دوں گی اُسکے  
 چار ٹکڑے کر لینے اور کل صبح چاروں ایک گھوڑے پر لا دو دوسرے گھوڑے پر خود سوار ہو جانا

پڑتا ہے۔ اور اس پر کفر خرچ آتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ہر وقت نیک رہنا و شہزادہ احمد نے کہا  
 بہت اچھا۔ اگر کوئی ایسا خیمہ پری بانو کے خزانہ میں پڑا تو میں ضرور مانگوں گا اور اعلیٰ بادشاہ  
 شکر کریں۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس کے ہاں ایسا خیمہ ہو یا نہ ہو۔ اگر تم ایسا خیمہ لا سکو تو پھر  
 یہاں آنے کی تکلیف نہ اٹھانا۔ میں نہیں مانگوں گا۔ یہ سنکر شہزادہ بہت رنجیدہ ہوا اور صرف وعدہ کر  
 بادشاہ کے پاس نہ کر واپس روانہ ہوا۔ حالانکہ پہلے وہ ہولنا چار روز راکر تا تھا۔ اور جب وہ پری  
 بانو کے پاس آیا۔ سنت آدم اس ہو رہا تھا پری بانو نے اور سی کی وجہ پر بھی شہزادہ نے باپ کی  
 اور خواست کو شکایت کر دی۔ پری نے جواب دیا یہ معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کا وقت آہنچہ شہزادہ مکے  
 لگا خدا خدا کیجئے۔ یہی تک میں انہیں صبح و سلامت چھوڑ کے آیا ہوں۔ انکی ابھی عمر ہی کیا ہے۔  
 خدا انہیں صد سی و سال سلامت رکھے۔ مگر مجھے اتنی حیرانی ضرور ہے کہ اُن سے یہاں کا حال  
 کتنے جاگھا۔ حالانکہ میں نے ذکر تک در بیان نہیں آنے دیا۔ پری نے جواب دیا شاید یہ تمہیں اس پر عیاں  
 خیال ہو گا جیسے تم بیمار سمجھ کر اٹھالائے تھے اور بیٹے تمہیں لڑکا تھا۔ وہ اصل میں بیمار نہ تھی۔  
 بادشاہ کی ماسوس تھی یہ سب کہنے اُنہی کے بولے ہوئے ہیں اور کسی آدمی کا کیا قد ہے کہ  
 یہاں پاؤں کو رکھ سکے۔ شہزادہ اصرار کرتے پری کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا۔ اگر آپکے ہاں ایسا کوئی خیمہ  
 ہو تو مجھے ضمانت فرمائیے۔ تاکہ اپنے باپ سے سرفروہوں۔ پری نے جواب دیا۔ ایسی ہولی سی چیز  
 کیلئے آپ اتنے کیوں متروک ہوتے ہیں۔ ابھی منگل کے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کے ایک خواص کو جو اسکی  
 جزا انکی تھی آواز دی۔ اور جب وہ آئی تو اُسے حکم دیا۔ خدا خیمہ چلا کر شہزادے کو دیکھ  
 جب خواص نے حکم کی تعمیل کر دی۔ تو شہزادہ اُس خیمے کو منگی میں لیکر بٹھا۔ گویا سمجھا کہ بانو  
 اُس سے شکر کرتی ہے۔ پری نے جواب دیا۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ میں تم سے ہنسی ہوں۔  
 نہیں۔ بلکہ یہی وہ خیمہ ہے جسکے لئے تمہارے باپ نے فرمائش کی ہے۔ پھر ایک اور خواص کو  
 حکم دیا کہ اُسے گار کے شہزادے کو دکھا دے۔ خواص نے وہ خیمہ شہزادے کے ہاتھ سے  
 لے لیا اور محل سے دور میدان میں لپکا کے گاڑ دیا۔ شہزادہ اسکی عظمت و شان دیکھ کر بکا بکا  
 رہ گیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ بادشاہ اس میں دو فوج کے ساتھ بے غل و غش آرام کر سکتا ہے  
 پھر قدرت کی کہ مجھے اسکا حال معلوم نہ تھا اس لئے میرا تعجب ہیرو نہ تھا۔ پھر خواص نے اسے

کوئی آفت نہ پڑے جسکا تذکر بہت دشوار ہو جائیگا۔ البتہ میں آپ کو ایک صلاح دیتی ہوں۔ اگر آپ خیر پر اعتقاد رکھے اسپر عمل کر دیکھیں اس سے صاحب بھی حجاب کیگا اور لائچی بھی نہ ٹٹے گی حضور کو خوب معلوم ہے کہ جو کام پر بیان اور حرج انکی ساعت میں کر سکتے ہیں بنی آدم سے ساقول ہند صدیوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ اور حضور کو سپرد و شکار کے وقت اکثر خصوں کی ضرورت پڑتی ہو چکی ہے ہر دفعہ آپ کو بہت کچھ صرف کرنا پڑتا ہے۔ اب حضور امتحان کیلئے شہزادہ او سے فرمایش کریں کہ ایک خیمہ وسیع انہیں سے ایسا لاوے جس میں آپ کا تمام لاؤٹ کو بخوبی اہرام کر سکے اور ایسا ہلکا ہو جسے ایک آدمی ہاتھ میں اٹھا سکے جہاں چاہے وہاں لیجا سکے۔ جب شہزادہ اس فرمایش کو سنا لاوے کہ میں آپ کو اور بہت سی مفید صلاحیں دوں گی۔ اس جیلے سے جہات کی بنی بونی تمام عجائب چیزیں آپ کے خزانے میں آجائیں گی اور جب شہزادہ کسی فرمایش کو کرے گا تو پھر شرف سے مانے آئندہ کے لیے کیاں کا آنا ہی چھوڑ دینا اور آپ اس کے مکر و شتر سے محفوظ رہیں گے اور آپ کو اس کے قید کرنے کی حاجت نہ پڑے گی۔ بادشاہ نے اس صلاح کا ذکر اپنے وزیر سے کیا اس نے بھی اسے پسند کیا۔ اگلے دن جب شہزادہ احمد بادشاہ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوا اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا موقع پا کر بادشاہ بولا۔ بھٹا اتم خوب چاہتے ہو کہ ایک دن تک تمہاری جدائی نہ تجھے کیسا بھرا کر گیا تھا۔ اور جب تم غور و خجود آگئے تو مجھے کیسی خوشی ہوئی۔ مگر جب تم نے اپنا مکان مجھ پر ظاہر نہ کرنا چاہا۔ تو مجھے بھی اصرار نہ کیا۔ لیکن اب مجھے یہ دریافت کر کے کہ تمہاری شادی ایک پرہیز سے ہو چکی ہے ہتھ خوشی ہوئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مگر میں کچھ اور حال پوچھنا نہیں چاہتا۔ ازل اب یہ ضرور دریافت کروں گا کہ اگر میں تم سے کسی چیز کے لئے فرمایش کروں تو کیا تم پر ہی سے مجھے لاؤ گے شہزادے نے جواب دیا میں وعدہ تو نہیں کر سکتا۔ البتہ مانگنے کی کوشش کروں گا اور وہاں نہ بڑا بڑی کا اختیار ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے فرمایا۔ بہت خوب اگر میں تو خیال کرتا تھا کہ وہ تمہیں بہت پیار کرتی ہوگی اور ایسی حالت میں جو کچھ تم اس سے مانگو گے تمہیں دینے سے دریغ نہ کریگی۔ شہزادہ اصرار سے جواب دیا۔ آپ فرمائیں تو سہی۔ کہ آپ کو کیا چیز درکار ہے۔ بادشاہ بولا مجھے ایک ایسا خیر چاہیے جس میں میں اور میرے اراکین دربار اور ساری فوج آرام کر سکیں۔ اور اس سے ایک ایسی آدمی اٹھا سکے لیچے۔ تم چاہتے ہو۔ سپرد و شکار کی وقت مجھے کہہ دے کہ ہر گاہ کا کرنا

اطلاع دی۔ بادشاہ نے اُسے اندر بلا لیا۔ اور جب وہ بادشاہ کے سامنے افسر وہ خاطر  
 ہوئی۔ بادشاہ نے سمجھا۔ شاید آج بھی بے نیل مرام آئی ہے۔ اسلئے پوچھا۔ کہو کیا کر آئی ہو؟  
 سنے بولوں حال سنایا۔ کہ شہزادے کے باہر آئیے پیشتر پہنچے اُس ٹیکے پر پہنچ کر اپنے تئیں  
 مکر سے ہنایت پیا رہنا لیا تھا۔ جب شہزادہ آیا اسے میری حالت پر بڑا رحم آیا اور مجھے  
 ایک تہ خانے میں لیجا کر ایک بری کے سپرد کر دیا۔ جنگی خود پھرتی کا بیان نہیں ہو سکتا۔  
 اور کسی آدم زاد کا مقدور نہیں کہ اسے نظر بھر کے دیکھ بھی سکے۔ پھر اُسے تاکید کی کہ میرا علاج  
 خبر گیری سے کیا جائے۔ رپری نے مجھے اپنی خواصوں کو سوپ دیا۔ پیٹے جہاں تک ہو سکا درشت  
 کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُنکا آپس میں کیا تعلق ہے اور مجھے معلوم ہوا کہ دونوں آپس میں  
 زن و شوہر کی طرح رہتے ہیں۔ رغرض خواہیں مجھے بازوؤں سے پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئے  
 جسکی آرائشگی بیان سے باہر ہے اور پھر ایک نے مجھے کوئی عرق پلایا جسکے پیٹے سے میرا تپ  
 جاتا رہا۔ اور سارے محل کی سیر کر کے بری سے رخصت ہو کر میں واپس آئی۔ یہ کہہ کر بولی شاہ  
 حضور شہزادہ احمد اور بری بانو کی موصفت کا حال سنکر خوش ہو گئے اور بری کی دولت و شہرت کو  
 اپنے لئے مبارک تصور کرینگے۔ مگر میرا خیال ہے کہ بری کی حایت سے شہزادہ آپ کے حضور میں کچھ  
 گستاخی نہ کر دینگے۔ کیونکہ انتظام کا جہاں بہت بُرا ہوتا ہے اور بالفرض اگر شہزادہ احمد سعادتمند ہو  
 تو کیا ممکن نہیں ہو سکتا کہ بری کی تعریف ہی حضور کو کچھ نقصان پہنچائے۔ کیونکہ وہ اُس بری پر ایسا  
 فریفتہ ہو رہا ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بہر حال آپ کو غافل نہ رہنا چاہئے۔ یہ سنگ بادشاہ نے سارہ  
 کا شکریہ ادا کیا اور اُسے بہت کچھ انعام دیکے رخصت کیا۔ پھر اپنے اس حاسد وزیر کو بکرا یا سارے  
 پتہ سے ہونے والی آگاہی دی اور پوچھا کہ اپنی وارسلطنت کو شہزادہ احمد سے محفوظ رکھتے ہوئے  
 اپنا کیا کیا کام کرنا ہے؟ شہزادہ کو قید کر لیا جانا مناسب ہے۔ مگر بادشاہ خاموش ہو رہا  
 اور اگلے دن پھر سارہ کو بلوا کے پوچھا کہ تو شہزادے کے قید کئے جانے کو کیا سمجھتی ہے۔ سارہ نے  
 جواب دیا سخت نامناسب۔ وجہ یہ ہے کہ اگر آپ شہزادے کو قید کرینگے تو اُسکے ساتھیوں کو بھی ضرور  
 بندش کا حکم فرمائینگے۔ مگر وہ عالم جنات میں سے ہیں۔ خود چھوٹ کر بری کے پاس چلے جائینگے۔  
 اور اُسے خبر دینگے۔ وہ بری جب اپنے شوہر کی قید کی خبر سنے گی۔ تو ممکن ہے کہ آپ پر غضب میں آکر

وہ خواصوں کو فوراً حکم دیا۔ کہ اسے لیجا کر کسی مکان میں رکھو۔ اور علاج و خبر گیری سے غافل نہ رہو۔  
 جب وہ اس میں بڑھیا کو لگائیں۔ پری بولی۔ شہزادے تمہاری رحمہ علیہ پر تو میں خوش ہوں مگر مجھے  
 اندیشہ ہے کہ تم سے فریب نہ کھیدا گیا ہو۔ یہ بڑھیا بیمار نہیں معلوم ہوتی۔ بہر کیف احتیاط رکھو  
 شہزادے نے پری کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا جب میں ہر ایک سے ٹکی کرتا ہوں تو میں نہیں جانتا  
 کون مجھ سے فریب کھیلنے کا ارادہ کرے گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ غرض وہ اپنے ہمراہیوں کیساتھ  
 شہر کی طرف چلا اور اپنے خائف باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالایا۔ اور خواصوں نے بڑھیا  
 کو لیجا کر ایک خوبصورت مکان میں ایک نفیس لینگ پر لٹا دیا۔ جو سائن کی توشک اور کخواب کے لحاظ  
 سے آراستہ تھا۔ پھر ایک خواص پاس بیٹھی۔ اور دو سہری جینی کے پیالے میں کوئی عرق ڈال  
 دیا۔ اور کہنے لگی۔ یہ پانی شیروں کے چشمہ کا ہے۔ اسے پینے سے کسی طرح کی بیماری کا نام بھی  
 نہیں رہتا۔ اسے پی جاؤ۔ تمہیں فوراً آرام آ جائیگا۔ ساحرہ وہ پیارے عرق کو نہ لگائی اور  
 پھر لیٹ رہی۔ خواصوں نے کاف اڑا دیا۔ ساحرہ کا یہ مکر شہزادہ احمد کی جگہ رفاہی کا معلوم  
 کرنا تھا اور جب اسے اسکا پتہ مل گیا۔ سوچی کہ اب کیوں لیٹ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ بیٹھی  
 اور خواصوں سے پوی۔ میں اب بالکل ابھی ہوں۔ اور تمہاری بی بی کا شکریہ ادا کر کے رخصت  
 ہونا چاہتی ہوں۔ ذرا اسے خبر کرو۔ تو بڑی حیرانی ہوگی۔ کیونکہ مجھے اپنے کام پر بھی توجہ ناہی  
 یہ سنکر خواصین اسے ہر ایک مکان دکھاتے ہوئے پری بانے کے پاس بارہ دوری میں نے آئیں  
 وہ اسوقت ایک مریض تخت پر جلوہ فرما ہو رہی تھی۔ جاو و گرنی اسکی شان و شوکت اور عیوب و اب  
 و تکبر حیران رکھی۔ سرنے سے بات تک نہ ٹھل سکی۔ اسنے فوراً شہزادی کے قدموں پر گر پڑی۔  
 پری بانے نے جواب دیا۔ اے نیک بڑھیا! اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ میرے سکانوں کی یہ  
 کہ اور کھانا کھا کے جانا۔ غرض خواصوں نے بڑھیا کو ہر ایک مکان کی سیر کرائی۔ اور کھانا کھلا  
 آہنی دروازے کے باہر چھوڑ آئیں۔ جہاں سے شہزادہ احمد اسے ساتھ لایا تھا۔ ساحرہ اسے  
 پرستی۔ اور جب معلوم کیا کہ خواصین اندر چلی گئی ہوں گی۔ اسے جگہ کو پہچاننا چاہا۔ تاکہ جہیز  
 کام آئے۔ مگر کیا دیکھتی ہے۔ کہ دروازہ کچھ بھی پتہ نہیں۔ ناچار شہر میں آئی اور مخفی  
 دروازوں کے راتے چور دروازے پر پہنچا ایک خواجہ سہرا کی معرفت بادشاہ کو اپنے آئینے



طاقت سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے غائب ہونے سے سارہ نے خیال کیا کہ با تو ادھر کوئی  
 بڑا غار ہے یا کوئی بڑا خانہ جس میں جہات بود و باش رکھتے ہیں۔ یہ سوچکر وہ نگہات سے  
 باہر نکلی جہاں شہزادہ غائب ہوا تھا۔ وہاں گھوم گھام کے بہت کچھ دیکھا۔ مگر نہ غار کا نشان  
 نظر آیا اور نہ کوئی تہ خانہ دکھائی پڑا۔ اصل میں جب تک پری بانو کی مرضی نہ ہوتی وہ دروازہ کسی  
 آدمی کو دکھائی نہ دے سکتا تھا۔ غرض وہ بالوں ہو کر واپس لوٹی اور بادشاہ سے سارا  
 حال بیان کر کے کچھ مہلت طلب کی۔ بادشاہ نے کہا میں ابھی تہ لانے کو نہیں کہتا جب ہو سکے  
 مجھے خبر دینا اور میں ہر وقت تمہارا انتظار ہوں گا۔ یہ کہہ کر ہیے کا ایک ٹکڑا اُسے انعام دیا۔  
 کئی احوال یہ لو اور جب تم کام آؤ گی پھر بہت کچھ انعام دوں گا۔ غرض وہ گھر چلی گئی اور  
 جب مہینہ ختم ہو چکا یہ خیال کر کے کہ کل شہزادہ آگیا علیٰ ارج اس ٹیکے پر جا پہنچی۔ اتنے میں  
 شہزادہ بھی اپنے ہمراہی سواروں سمیت آہنی دروازے سے باہر نکلا۔ پہلے تو اُسے بڑھیا کو  
 دیکھ کر خیال کیا کہ پتھر کا کوئی نگارہ گر پڑا ہے۔ مگر جب قریب آیا تو ایک بوڑھی بڑھیا کو گذری اور اُسے  
 پایا۔ سارہ اُسے دیکھ کر ایسے درد سے رونے چلانے لگی۔ گویا اُسے سخت تکلیف پہنچی ہے  
 شہزادے کو بڑا رحم آیا اور آگے بڑھ کر کمال توجہ سے اُسکا حال پوچھا۔ مگر پوڑھی بھانے  
 جب دیکھا کہ جادو چل گیا ہے بڑی رقت سے کہنے لگی کہ میں اپنے گھر سے کہ شہر میں ہے  
 کسی کام کے لئے فلاں جگہ کو جاتی تھی کہ یہاں پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گیا۔ آج پایا۔ لرزہ بھی  
 شروع ہو گیا اور مجبور ہو کر آگے قدم بڑھانے سے روک گئی ناچار یہیں گر پڑی۔ اب حیران  
 ہوں کہ تمہارا خاکوئی اور کیا کروں۔ شہزادہ بولا۔ افسوس! کوئی جگہ نزدیک نہیں ہے کہ  
 تجھے وہاں پہنچا دوں مگر ہاں! البتہ ایک مکان قریب ہے۔ تو فوراً اُسکے میرے تک تو  
 یہ سن کر پوڑھی اٹھو اور قریب بولی۔ سرخو وارا میں تو ایسی کمزور ہو گئی ہوں کہ قدم نہکے لایا  
 نہیں جاتا۔ یہ سن کر شہزادے نے ایک ہمراہی سوار کو حکم دیا کہ بڑھیا کو اپنے ساتھ لے کر  
 پر سوار کر اے۔ اُس سوار نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ شہزادہ فوراً واپس محل میں آیا۔ اور  
 پری بانو کو بلو کر تاکہ کی کاس بکس بڑھیا کی خبر گیری کرکھا۔ مجھ پر اسان ہو گا۔ پری  
 بانو نے اگرچہ معلوم کر لیا کہ بڑھیا کون ہے۔ اور اسکا کیا مقصد ہے۔ مگر شہزادے کی خاطر

دن شہزادے نے چلنے کبھی کوئی تیار نہ کی۔ تو پر ہی ہانوتے ہو دکھا۔ تم کیوں باپ کی  
 ملاقات کے لئے ابھی تک نہیں گئے۔ حالانکہ بیٹے خود کہہ دیا تھا۔ اب میرے پوچھنے کی  
 ضرورت نہ سمجھا کرو۔ اور خود بخود ہر ماہ کی یکم کو اپنے باپ کو ملنے کے لئے چلے جایا کرو  
 غرض شہزادے نے تیار ہی کر کے احوط کارا متہ لیا۔ اور جب معمول محل میں یا پٹا کے پاس  
 حاضر ہوا اور ادب سجالا یا۔ پھر تو اُس کا بھی معمول ہو گیا کہ ہر ماہ کی پہلی کو باپ کی خدمت  
 میں جاتا اور تین دن وہاں رہ کر چوتھے روز واپس چلا آتا۔ مگر سواری کا محل ہر ماہ کے  
 ساتھ زیادہ ہوتا۔ اُسکی یہ حالت بادشاہ کے منہ چڑھے وزیر کو نہ بھائی۔ جو پہلے درجے  
 کا عہدہ لی اور شہنشاہ شہنشاہ تھا۔ اور ایک دن موقع پا کر وہ بادشاہ سے کہنے لگا کہ شہزادے کا  
 کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اُسے یہ دولت اور رتبہ کہاں سے مل گیا ہے۔ نہ معلوم کہاں تھا ہے  
 آپ کو اُسکے حال سے غافل نہ رہتا چاہئے۔ اُسکی صحبت اور شوکت ہر دفعہ ترقی پر ہے۔ ایسا  
 نہ ہو کہ موقع پا کر آپ کو مار بٹالے اور خود تخت پر بیٹھ جائے۔ یہ تو کہ شہزادی زور انہار کا خیال  
 ابھی تک اُسے بھولا معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ میری رائے میں وہ اپنی مالوسی کا اتنا تمہینے کی  
 تیاریاں کر رہا ہے۔ سادہ لوح بادشاہ پر نفسد وزیر کا جاو و چل گیا۔ اور وہ سوچنے لگا  
 کہ وزیر کتنا تو سچ ہے۔ غرض یہ سوچ کر شہزادہ احمد کا پتہ دریافت کرنے کے واسطے ہوا۔ اور  
 ایک دن شہزادہ احمد جبکہ آیا ہوا تھا وزیر اعظم کی اطلاع کے بغیر خود بخود اُس جاو و گرنی کو بلایا  
 کہ میں تیری ایک ہی بات کا شجرہ کر کے اپنے علم میں نہایت ماہر پا چکا ہوں۔ اسلئے اب تجھے  
 میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ شہزادہ احمد کے پتے سے اطلاع دے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ مگر  
 خبردار کسی دوسرے کان تک اسکی پہنچ نہ پہنچ سکے شہزادہ آج یہیں ہے اور کل صبح کو چھٹے  
 لئے یہ اطلاع مقوڑی دور پہنچا کر غائب ہو جائیگا۔ آج تو اسکی راہ میں چاہیئے اور پھوٹے آئے  
 پتہ دینا کہ وہ کہہ رہا اور کہاں جاتا ہے۔ یہ سنکر جاو و گرنی وہاں سے رخصت ہوئی اور اگلے دن  
 کچھ رات رہتے ہی وہاں چاہے بیٹھ رہی۔ یہاں شہزادے کو اپنا تیر ملا تھا۔ مقوڑی دیر کے  
 بعد شہزادہ بھی آگیا اور اپنے آدمیوں سمیت ٹیکہ کی پرلی طرف اتر گیا اور مقوڑی دو چلے  
 نظروں سے غائب ہو گیا۔ وہ جگہ ایسی تھی کہ بظاہر وہاں جاتا کسی آدم زاد کی

انجی وروی بھی اعلیٰ درجے کی تھی۔ اُسکی اردل میں دئے اور اُسکی سواری کے لئے مہل خاص  
 سے ایک خوبصورت برق رفتار اور مریض کار گھوڑا منگوایا۔ پہرے لگا کے جفت کیا خنزیر  
 احمد وائل سے چلکر بہت جلد اپنے باپ کی دارالسلطنت میں آگیا۔ شہر کے دہنے والے اور  
 راکین دربار اُسے دیکھکر نہایت مسرور ہوئے۔ عوام نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا اور اُسکی  
 سواری کے ساتھ ہو کر دربار کی طرف روانہ ہو پڑے۔ شہزادے نے دربار عام کا رخ کیا  
 اور بادشاہ کے حضور میں پہنچ کر قدمبوس ہوا۔ بادشاہ نے اُسے سینے سے لگا کر بہت پیار کیا  
 اور بولا۔ واہ بابا بابا۔ تھے نہیں خوب کنوئیں چھنکا کے۔ تمہیں تلاش کرتے اور تمہارے انتظار  
 میں تھاری حالت بھی خراب ہو گئی۔ احمد دنگ کر اب تم نے دیدار سے ہمیں مسرور کیا۔ مگر اب تک  
 تم کہاں تھے اور کس طرح سے رہے۔ شہزادہ احمد جواب میں کہتے لگا جہن بجائی علی  
 کی شادی ہوئی ہے۔ میں کمال بابوس ہر کراپٹے تیر کی تلاش کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑا  
 ہوا تھا اور چلتے چلتے اُس پرے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پا کر مجھے کمال حیرت ہوئی مگر پھر میں  
 جلد ہی یہی ایک ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں میرے دن خوب راحت و آرام سے بسر ہوتے ہیں۔  
 بس اس سے زیادہ میں کچھ اور عرض نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے کہا اچھا یہی غنیمت ہے  
 کہ تم ہمارے قریب ہی نور پتے ہو۔ غرض شہزادہ وائل صرف تین دن تک بٹھرا اور چمکے  
 دن واپسی کیلئے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے جواب دیا تم خوشی جاسکتے ہو مگر ہمیں زیادہ  
 انتظار نہ دکھانا۔ جلد جلد ملتے رہتا۔ شہزادہ بولایں اس قدر حاضر ہوا کرو لگا لگا حضور  
 حاضر باشی سے تنگ آ جائیگے۔ یہ سنکر بادشاہ کہنے لگا۔ لیکن اگر تم جلد آ سکو اور ہمیں تمہاری  
 خبریت کی ضرورت چھٹا ہو تو کیسے چہ لگے۔ شہزادہ نے جواب دیا۔ اس طرف سے آپ اطمینان کھیں  
 میں ہرگز دیر نہ کیا کروں گا۔ غرض بادشاہ نے اُسے بڑی خوشی سے رخصت کیا اور وہ  
 ایک گھروں میں پری بانو کے رکا پر پہنچ گیا۔ پری اُسے دیکھ کر اور وعدہ و وفا پر بہت  
 خوش ہوئی اور کہتے لگی۔ کہ اب تم بلا پوچھے ہر راہ کی پہلی کو چار دنگے لئے اپنے باپ کی بارگاہ  
 کرا پاؤ۔ میں تمہیں خوشی اجازت دیتی ہوں۔ شہزادے نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔  
 غرض وہ دو آدھ پڑی عیش و عشرت سے رہنے لگے۔ اور جب مہینہ پورا ہو گیا۔ اگلے

اسلئے میں ایک آدمہ دن کے واسطے اُسے مل آؤں تو کیا ہرچہ ہے۔ ورنہ محبت کی پوجھتی ہو تو میرا  
 کلیجہ چیر کے دیکھ سکتی ہو۔ خدا شاہد ہے کہ مجھے تم سے پہلی سی ہی محبت ہے اور میں خود ایک دم  
 کے لئے تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ لیکن کبھی کبھی ماں باپ کی محبت دلیوں جو من آہی بارتی  
 ہے۔ غرض اس طرح کی گفتگو سے بری کی دلچسپی ہوئی اور قرینے سے اُسے معلوم ہوا کہ شہزادہ اپنے  
 بیان میں سچا ہے۔ اسلئے اُسے اجازت دیدی۔ مگر تاکید کی کہ وہ جلد لوٹ آئے۔ اب اس کے باپ  
 کا حال سنو۔ جب نور النہار اور علی کی شادی ہو چکی وہ اس دن سے حسین اور احمد کو نہ دیکھ سکے  
 برابر پریشان ہوا اور نہایت تنگدین رہا کرتا۔ چنانچہ ایک دن اراکین و بارے دو نو کا حال پوچھا۔  
 وزیر اعظم نے جواب دیا کہ حسین تو گوشہ نشین ہو گیا ہے اور احمد کا اسیدن سے کوئی پتہ نہیں  
 جسدن شہزادی نور النہار کی شادی ہوئی تھی یہ شکر بادشاہ نے اپنی تمام مملکت میں فرمان  
 جاری کئے کہ جہاں کہیں شہزادہ احمد ملے اُسے بڑے اغراز کے ساتھ دربار کی طرف روان  
 کر دیا جائے۔ مگر ناگامی رہی اور کوئی سراغ نہ ملا۔ آخر وزیر اعظم کی صلاح سے وہاں کی ایک  
 مشہور عا دوگر عورت کو بلوایا گیا اور بادشاہ نے اُسے فہائش کی کہ اپنے عا دو کے زور سے  
 شہزادہ احمد کا حال دریافت کر کے اگر مجھے صحیح صحیح پتہ دیگی تو میں تمہیں بہت سا انعام دے دوں گا  
 عا دوگر نے جواب دیا کہ ایک دن کی مہلت ملے تو میں کوشش کر کے سارا حال دریافت کر دوں گی  
 بادشاہ نے اجازت دی اور تیسرے دن اُس عورت نے اسے جواب دیا حضور! مجھے اپنے  
 حکم سے در پاشت ہوا ہے کہ شہزادہ زندہ و سلامت ہے۔ اور غرض یہاں ہی آپ کو ملیگا۔  
 لیکن فی الحال اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ بادشاہ کو سنکر قہر سے اطمینان ہوا  
 اور نے اُسے اسید پڑی۔ اب دوسری طرف کا حال سنئے۔ جب پری باتوں نے شہزادہ احمد کو گھر  
 جانے کی اجازت دی اور جلد لوٹ آئیگی تاکہ دلی تو شہزادے سے ملے جواب میں کہا میں خود آیا  
 شہزادے سے بھی تم سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ مگر دل سے مجبور ہوں یہ والد کی یاد میں سیکرار  
 ہو رہا ہے۔ تاہم آپ تسلی رکھیں۔ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ مگر خیال رکھنا اپنے باپ سے  
 یہاں کا کچھ بھی نہ کہہ کرنا۔ شہزادے نے اسے بھی تسلیم کیا۔ اور پھر وہاں سے چلنے کی تیاریاں  
 کرنے لگا۔ پری باتوں نے میں سوار چیکے گھوڑوں کا سار و سامان نہایت پیش قیمت تھا۔ اور

تم میرے شوہر اور سر کے تاج ہو۔ اور میں تمہاری ہوں۔ یہی ایجاب و قبول اصلی نکاح ہو اور باقی رسوم سب فضول ہیں۔ اسکے بعد دو نوٹے خاصہ ٹوٹے کیے۔ اور جیبا اس سے فراغت ہو چکی۔ پری بانو شہزادے کو محل خاص میں لے گئی۔ اسکی آراستگی اور سامان کی پیش کشیں نیز ہر طرف جو اہرات کے ڈبیر بڑے پاکر شہزادہ حیران ہو گیا اور انکی خدمت سے بڑھ کر تعریف کرنے لگا۔ پری نے جواب دیا۔ ابھی یہ کیا مکان ہے۔ تم میرے باپ کے مکانات دیکھو گے تو اور بھی خوش ہو گے۔ انہی باتوں میں شام ہو گئی۔ پری بانو نے رات کا کھانا ایک اور مقررے محل میں کھلوا دیا۔ جس میں سینکڑوں غنیمتیں تھیں جو ہر نگار شہزادوں میں غل رہی تھیں اور باقی سامان کچھ قیمت کا نہ تھا۔ کئی گروہ حسین عورتوں کے گلے بچاتے کیلئے موجود تھے۔ پھر دو نوٹے ایک جا بیٹھ کے کھانا کھایا۔ پری بانو نے اپنے ہاتھ سے اچھے کھانے چن چن کر شہزادے کے سامنے رکھتی جاتی۔ اور جن کھانوں کو احمد نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ انکی ترکیب بھی بیان کرتی جاتی۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ شراب کا دور شروع ہوا۔ ساتھ ہی گانے بجانے ہوئے گئے۔ شہزادہ احمد ایک ایک تانپر مست ہوا جاتا تھا۔ آخر دو نوٹے آرام کیا۔ اور صبح بھکر پری بانو اسے اپنے باغ میں لے گئی جسکی آراستگی دیکھ کر خود شہزادہ احمد کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ہر چیز میں ایک نیا لطف اور نیا ہی قرینہ پاتا تھا۔ غرض اسی عیش و عشرت میں اسے پچھ پچھتے گزر گئے اور اس عرصے میں اسے ہی بانو کے ساتھ ایسی دلچسپی ہو گئی کہ وہ ایک دم بھی اس کے بغیر نہ گذار سکتا تھا۔ پری بانو بھی اسکی عاشق و مہر تھی اور ہر وقت اسکی خاطر و آرمی ملحوظ رکھتی تھی کہ شہزادہ احمد کو تمام متعلقین کی یا وہمی فراموش نہ ہوگی صرف کبھی کبھی اپنے باپ کا خیال آ جاتا۔ آخر ایک دن وہ پری بانو سے بھی اسکا ذکر درمیان میں لے ہی آیا اور پری بانو سے باپ کو دیکھ آنے کی اجازت مانگی۔ مگر اس نے سمجھا کہ شاید شہزادہ اس پہلے یہاں سے کھسکا چاہتا ہے اسے بڑا رنج آیا اور کہتے لگی۔ پہلے تم نے مجھ سے کیا اقرار کیا تھا؟ اور اب اسے خلاف کرنے لگے ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ میری نیت تمہارے دل میں نہیں رہی۔ سچا ایک دم میں تمہیں دلیبا ہی پیار کرتی ہوں۔ احمد نے جواب دیا آپ نے ہرگز میرا دلی طلب نہیں سمجھا۔ میں تو صرف یہ کہتا تھا کہ میرے باپ کو برا لپے میں میری جدائی۔ مگر شہزادے کا کمال رنج ہوا۔

اور مشورۃ نور النہار سے بھی آگاہ ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم تین بھائی ہوجن میں  
 سے ہر ایک نور النہار کو محبت کرتا تھا۔ پھر تم تینوں نے بادشاہ کے کہنے کے بموجب دور دراز  
 کا سفر کر کے تین تھکے بہم پہنچائے۔ اور تم نے سرقندی سیب چالیس ہزار اشرفی کو خرید  
 کیا۔ جبکہ باعث میں تھی۔ اسبطح شہزادہ حسین نے قالین اور علی نے دُور میں خریدی  
 غرض تم اُن سے جان لیگے کہ میں تمہیں بخوبی جانتی ہوں۔ اب تم سچ سچ بتا دو کہ نور النہار  
 ابھی ہے یا میں؟ ہم دونوں سے کس کے ساتھ شادی کرنے کو تمہارا جی چاہتا ہے۔ محسن تہبیر  
 یہاں ملنے کے لئے جب تم تے میدان میں تیر اندازی کی تھی۔ مجھے خیال تھا کہ تمہارا تیر شہزادہ  
 حسین کے تیر سے بھی نیچے رہے گا۔ مگر تمہارے تیر کو ہوا سے پکڑا اور نظروں سے غائب  
 ہو کر وہاں ڈال دیا۔ جہاں سے تمہیں ابھی ابھی ملا ہے۔ شہزادہ احمد یہ باتیں سن کر کمال  
 خوش ہوا اور یہ سوچ کر کہ نور النہار اب مل چکی۔ تیر پری بالو جن و جال اور شان و شوکت  
 میں اس سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ بولایا مجھے کمال آرزو ہے۔ کہ عمر میری تمہاری غلامی میں  
 رہوں۔ مگر خیال ہے تو یہی کہ میں آدم زاد ہوں اور سنی جان سے ہوں۔ امیر نہیں کہہ سکتا  
 بزرگ اس موصفت کو پسند کریں۔ پری بالو نے جواب دیا۔ لڑیہ اتوہ! غلامی کی بھی آپ سنے  
 ایک ہی کسی۔ صاحب! آپ میری جان و دل کے مالک ہیں۔ اور غیر جس ہونیکا اندیشہ بھی دل  
 میں نہ لایکے۔ اس بات سے میں مجھے مانناپ کی طرف سے اجازت ہے کہ جسکے ساتھ چاہوں  
 شادی کروں۔ کیونکہ ہمارے ہاں ایسا ہی دستور ہے کہ بالغ ہونے کے بعد ہم لوگ  
 جسکے ساتھ چاہیں اپنی پسند پر شادی کر سکتے ہیں۔ اس طرح سے ساری عمر آرام سے گزرتی  
 ہے۔ اگر شادی بیاہ کا معاملہ مانناپ کی پسند پر چھوڑ دیا جائے تو اس سے کئی غراباں  
 نکلنے کا اندیشہ ہوتا ہے جب پری بالو یہ رشتہ سمجھا چکی۔ شہزادہ نے شکریہ ادا  
 کرنے کے لئے اُسکے دامن کو چومنا چاہا۔ مگر پری نے اس کی جگہ اپنا ماتہ آگے کر دیا جیسے  
 شہزادہ نے بڑی محبت سے بوسہ دیا۔ پری یہ دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ اب اس ماتہ  
 کی شرم تمہارے ہی ماتہ سے۔ پرفانی نہ کرنا اور نہ ہی مجھ سے بیوقوفانی ہوگی۔ احمد نے کہا  
 تم میری بیگم ہو۔ اوں سیتے تہیں اپنے تہیں دیا تہیں طرح چاہو رکھو پری بالو نے کہا

## تصویر شہزادہ احمد اور پری بانو کی بارہ دری میں بیٹھنے کی



بجلائے۔ مگر اس بی بی نے خود ہی سبقت کر کے شہزادے کو کمالی اُلفت اور شیریں زبانی  
کے ساتھ خوش آمدید کہی۔ اور بولی۔ شہزادہ احمد آپ اچھے تو ہیں۔ شہزادہ متعجب ہوا کہ یہ  
عورت میرے نام سے کیونکر آگاہ ہے؟ بظاہر شکریہ ادا کر کے بولا۔ میں خوش ہوں۔ کہ اس  
تنہائی میں جبکہ میں اُداس سا ہو گیا تھا آپ نے مجھے اپنے دولت خانے پر آنے پہلے خوش  
آمدید کہا۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا۔ وہ بی بی کہتے گی فوراً بارہ دری  
تک تشریف لے جائے تو آپ کو سب کچھ بتا دیں گی۔ یہ کہہ کر شہزادے کو ساتھ لیا اور بارہ دری  
کی طرف لے گئی۔ بارہ دری کا گیند شہری اور لاہور دی قتل و نگار سے آراستہ تھا۔ شہزادہ  
اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ رات کے تیرہ بجے ایسے ایسے رکنا تھا جی موجود ہیں  
پھر اس عورت نے کہا جن میں بنو بی جانتی ہوں گو تم مجھ سے آگاہ نہیں ہو۔ میں ایک برائے  
جن کی بیٹی ہوں جو اچھی قوم میں ممتاز درجہ رکھتی ہو۔ اور میرا نام پری بانو ہے۔ میں بہت سے باپ



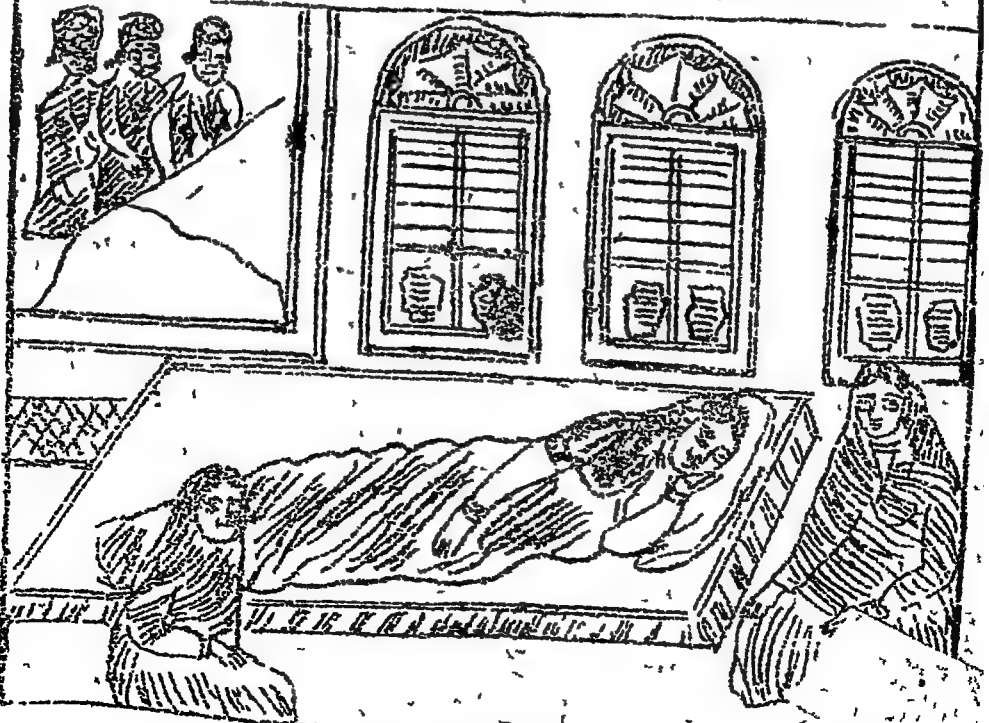
تصویر حسین و علی احمد کے تیر و کمان لیکر میدان میں جاتے اور تیر گناڑے اور بادشاہ کے اہل



تقی اور فقیرانہ لباس پہن گوشہ نشین ہو گیا۔ شہزادہ احمد کو بھی بڑی غیرت ہوئی اور وہ ہمیشہ اپنے تیر کا جو یاں رہتا۔ ایک دن وہ تن تنہا بڑھا چلا جاتا تھا۔ کہ اپنے تیر کو ہوائے باریک نیلے پر لگا پایا۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا کہ تیر کا اس قدر دور آگے گزنا محال ہے۔ پھر یہ پتھر میں چسپاں ہے اس لئے یہ اسرار سے خالی نہیں۔ یہ سوچ کر اوپر اُدھر سے پہنچ گیا۔ اور مقوی و جوہر سے ایک بڑے غار میں ایک خوبصورت آہنی دروازہ دکھائی دیا۔ وہ تیر کو اٹھا بلا ستی اندر بڑھا چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اندر تاریکی چھائی ہوگی۔ مگر دلیز کے اندر قدم رکھتے ہی وہ باہر کی سی روشنی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھر یہ پاس سے اس کے فاصلے پر ایک عالمی شان محل دکھائی دیا۔ جس کے دروازے پر ایک پری بی بی کے چہرے کے حلقے میں کمرہ کی کھلی گویا آہنی کے استقبال کو آئی ہے۔ اس کا لباس اور زینت اور ہون کے سے تھے اور اس محل کی ہر جگہ معلوم ہوتی تھی۔ احمد کے چاہا کہ کچھ کرے اور

اُنکے پہنچتے ہی خواہیں اور خواجہ سرا ڈر گئے۔ کہ یہ تینوں یہاں کیسے آ گئے۔ اور غرض ہوتا  
 چلا۔ مگر تینوں کو پہچان کر حیران ہوئے۔ پھر شہزادہ احمد نے اُنکے نورالہنار کو اپنا صیب  
 سوٹھکھایا۔ شہزادی نے فوراً اُنکھیں کھول دیں۔ اور پلنگ سے اُنکے پوشاک مانگی۔ گویا سو  
 اُنکھی ہے۔ اُسے خواہوں نے بتایا۔ کہ یہ تمہارے علم زاد بھائی ابھی ابھی آئے ہیں۔ اور  
 شہزادہ احمد نے کوئی چیز سونگھ کے تمہیں تندرست کیا ہے۔ ورنہ ہم تو تمہاری زندگی سے  
 ہاتھ دھو بیٹھی تھیں۔ نورالہنار نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ اور شہزادوں کو بھی اس کی صحت  
 یابی سے کمال خوشی ہوئی۔ آخر شہزادی سے وصال ہو کر تینوں بھائی اپنے باپ کے پاس گئے  
 اور آداب بجالا کر اپنے اپنے صفے پیش کر کے اُنکے خواص بیان کر دئے۔ ساتھ ہی شہزادی  
 کی بیماری پر اطلاع پانے اور پھر اس قدر جلد آکر اُسے تندرست کرنے پر بھی اطلاع دی۔  
 بادشاہ جیسے بیٹے میں پڑ گیا کہ کسے ترجیح دے اور کسے باپوس کرے کیونکہ اگر دو برس نہ  
 ہوتی تو اُنکو بیماری کا پتہ کیسے لگتا۔ پھر اگر غالیچہ نہ ہوتا تو وہ اس تیزی سے کیسے پہنچ سکتے  
 آ بھی گئے۔ مگر صیب نہ ہوتا تو شہزادی راضی کیسے ہو سکتی۔ یہ سوچ کر پولا میرے نزدیک  
 تمام سب امتحان میں برابر رہے ہو۔ اسلئے ان تحائف کی بدولت میں کسی ایک کو ترجیح نہیں  
 دے سکتا۔ اب ایک اور تدبیر کیا جائیگی۔ کل قلاں میدان میں تمہاری پیر اندازی کا امتحان لیا  
 جائیگا اور جبکہ تیر دور جا چلا شہزادی نورالہنار اُسی کی ہوگی۔ غرض اُنکے دن وقت  
 مقررہ پر تینوں شہزادے تیر و کمان لیکر میدان میں جا پہنچے۔ بادشاہ بھی لاؤشکر کو  
 ساتھ لے آ گیا اور تینوں نے اُنکے تیر چلانے۔ شہزادہ حسین کا تیر شہزادہ علی سے  
 تھوڑی دور رکے کر پڑا۔ مگر شہزادہ احمد کا تیر کسی کو نظر نہ آیا۔ بادشاہ کو یہ بہت تلافی  
 لگی۔ اسلئے لوگوں سے پوچھا کہ یہ تو وہ اس قدر دور گیا ہے کہ دکھائی نہیں دیتا۔  
 شہزادہ احمد کے ہاتھ بھی ہیں رہا ہے۔ غرض بادشاہ نے چند روز کے بعد بلا تردد  
 نورالہنار کی شادی شہزادہ علی کے ساتھ پڑی دھوم دھام سے کرو دی جس کا تیر  
 حسین سے تھوڑی دور آگے پڑا تھا۔ مگر اس کے رشک کے شہزادہ حسین اُس میں  
 شامل نہ ہوا۔ اسلئے کہ نورالہنار کی محبت اُس کے دل میں باقیوں سے بہت بڑھی ہوئی

لگے۔ مگر کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ کہ قینوں میں سے بہتر کھنڈ کس کا ہے۔ پھر ان قینوں چنیروں کے  
استمان کی ٹھہری۔ سب سے پہلے شہزادہ علی کی دُور بین کی باری آئی۔ شہزادہ حسین نے  
بہت سے حسبِ ہدایت آنکھوں کے مقابل کر کے شہزادی نور النہار کا قصہ کر کیا۔ مگر کیا دیکھتا ہے  
کہ وہ بستر مرگ پر پڑی ہے اور گھڑی ساعت کا نقشہ بندھ رہا ہے۔ خواہیں اور خواہیں  
روہ ہے ہیں اور بادشاہ آداس بیٹھا ہے۔ اُسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور بولا۔  
افسوس ہماری محنت اِکارت گئی۔ سینے نور النہار کو اس وقت بستر مرگ پر پڑے دیکھا ہے  
اور اُمید نہیں کہ وہ بچ سکے۔ پھر شہزادہ علی اور اُسکے بعد شہزادہ احمد نے بھی وہی حالت  
پائی۔ آخر شہزادہ احمد نے کہا۔ میرے پاس جو سیب ہے۔ یہی موقعہ تو اُسکی آزمائش کا  
ہے۔ اُسکے علاوہ آپ کے خالیجے کا بھی ابھی تجربہ ہو جائیگا۔ غرض قینوں بھائی نور النہار  
پر بیٹھ کر نور النہار کے کمرے میں پہنچ گئے اور نوکروں کو جلدی آنے کی ہدایت کرتے گئے۔  
تصور نور النہار کی جو قریب مرگ پہنچ پڑی ہے اور وہیں گزرویش ہیں اور شہزادہ نور

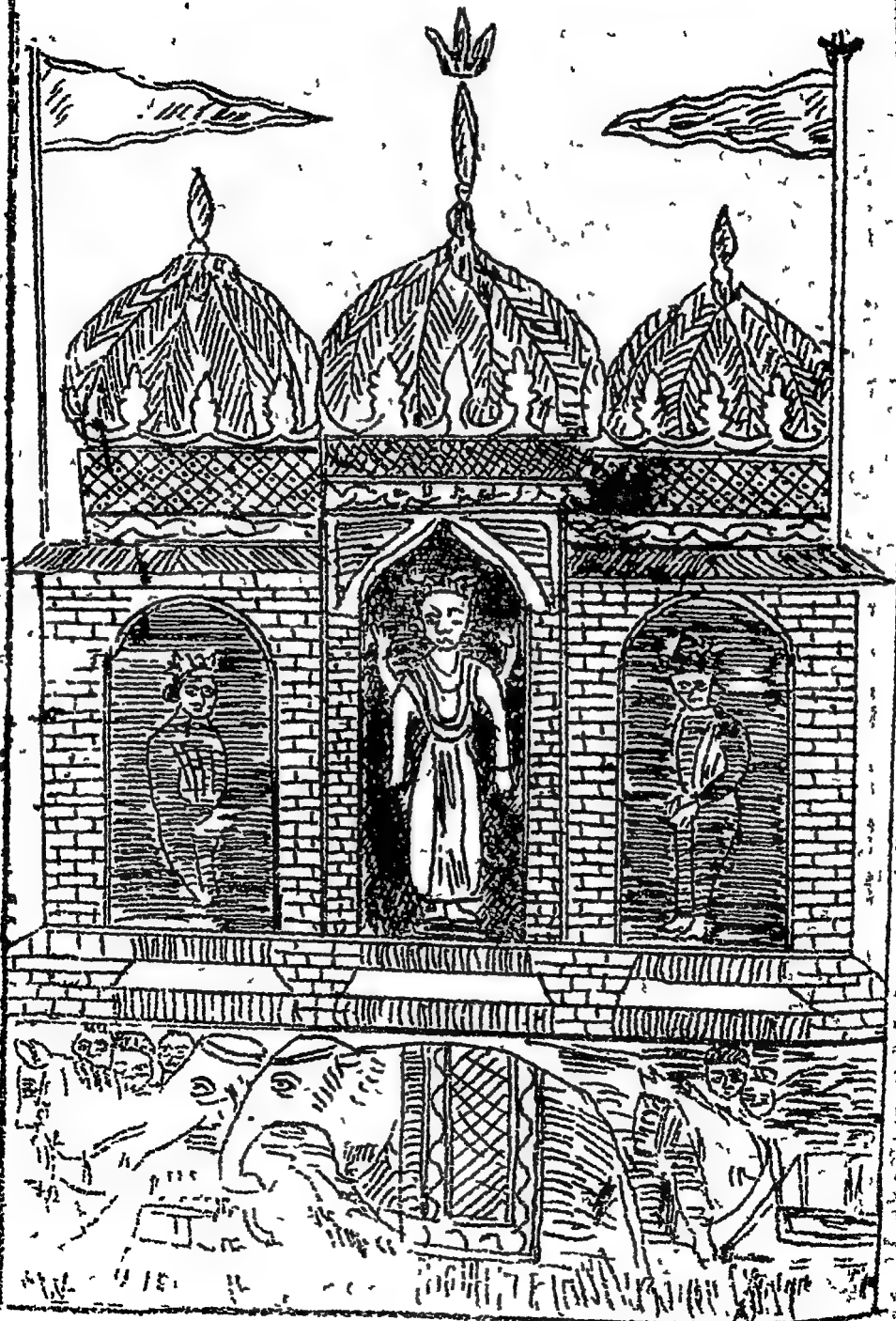


شیراز اور اسکے گرد و نواح کی سیر کی۔ آخر ایک قافلے کیساتھ ہندوستان کو لوٹا اور اسی سرائے میں آکر دم لیا۔ جہاں شہزادہ حسین اسکا منتظر بیٹھا تھا اور دونو بھائی شہزادہ احمد کا انتظار کرنے لگے۔ اب شہزادہ احمد کی دوستانہ سکنو۔ اسنے سمرقند کا رخ کیا تھا اور وہاں پہنچ کر ایک سہلے میں جا کھڑا۔ جہاں ملک ملک کے سوداگر جمع تھے۔ سمرقند کی فضا اسے بہت بھلی معلوم ہوئی اور خوب سستا کر ایک دن اسنے بزازے کا رخ کیا۔ اور پھر پھر اس کے ایک دوکان پر بیٹھا ہی تھا۔ کہ ایک دلال ہاتھ میں ایک مصنوعی سیب لیے آگیا۔ اور شہزادے کو بڑا آدمی سمجھ کر بولا۔ چالیس ہزار اشرفیاں اسکی کچھ بھی قیمت نہیں۔ اگر درکار ہو تو بے قیمت لے لے۔ اسی چیز میں بار بار ہاتھ میں نہیں آیا کرتیں۔ احمد نے پوچھا چالیس ہزار اشرفیوں کا اس میں کیا نرا مفاد ہے۔ ذرا تفصیل تو بیان کرو۔ دلال بولا۔ صاحب! یہ ایک نادر تختہ ہے۔ اسے ایک دفعہ سونگھ لینے سے کوئی شخص خواہ کیسا ہی بیمار کیوں نہ ہو۔ ایسا تندرست ہو جاتا ہے۔ گو باکھی بیمار ہو اسی نہ تھا۔ اسکا بننے والا یہاں کا ایک حاذق حکیم تھا جسنے ہزاروں جڑی بوٹیاں ملا کے بڑی محنت کیساتھ برسوں میں اسے تیار کیا تھا اور اپنی ساری دولت اسی پر صرف کر دی تھی۔ یہاں کے بہت لوگ اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اس نے ہزاروں فریبیوں کو فقط اسکے سونگھانے سے ہی اچھا کر دیا تھا مگر فضا کا رہہ خود ایسی جگہ بیمار ہو کے مر گیا تھا۔ یہ سیب نہ پہنچ سکتا تھا۔ اب اسکی بیوہ نے ناچار ہو کر اسے بیچنے کو نکالا ہے۔ شہزادہ احمد نے جواب دیا کہ اسکے خواص یہی ہیں تو میں خریدنے کو تیار ہوں۔ مگر شہر پر کیسے ہو۔ یہ سن کر ایک آدمی بولا۔ سیرا ایک دوست اب جان اور زندگی سے ایسے ہو رہا ہے۔ اس پر ہلکے پتھر پڑ کر لوٹ۔ شہزادہ احمد نے کہا۔ ہاں! یہ بیشک ہو گا۔ پھر دلال، شہزادہ اور وہ شخص اس زمین کے گھر کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر زمین کو وہ سیب سونگھایا وہ فوراً تازہ پٹاڑہ ہو گیا۔ شہزادہ احمد یہ بخیرہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور فوراً چالیس ہزار اشرفیاں دیکر سیب کو مول لے لیا۔ پھر اسے اپنے پاس رکھ کر سمرقند کی سیر کی۔ آخر ایک قافلے کیساتھ ہندوستان کو واپس ہوا۔ اور اکیسال آئی۔ یہاں کے یہ آدمی کاروانسرا میں اپنے بھائیوں سے ملا۔ جہاں سے تینوں بھائی جاسوس تھے۔ پھر تینوں بھائی آپس میں غلبگیس ہو کر باہم اپنے اپنے سیر و سفر اور شہر کا ذکر سناتے

کہ اسی سرسے کا اردہ کیا۔ جاں سے تینوں بیانی خبر ہو۔ تھے۔ یہ خیال دلیں لاتے ہی وہ  
 اسی سرسے میں تھا۔ غرض۔ بقرار داد یا قید کا انتظار کرنے لگا۔ اب شہزادہ علی کا حال  
 سنو۔ وہ ایک قافلے کے ہمراہ ایوان گوروانہ پڑا اور پورے چار مہینے تک منزلیں مار کر شیراز  
 میں پہنچا۔ اور ایک کاروان سلاطین اتر کر اپنے تئیں جوہری قرار دیا۔ ویرسے دین جیبا اسکے  
 ہمارا ہی اپنا اپنا سیلاب فروخت کرنے کے لئے بازار کو گئے۔ وہ بھی شہر کے برے بازار کو  
 روانہ ہوا جس کی ایک ایک دوکان دس لاکھوں کروڑوں کا سامان بھرا ہوا تھا۔ دلال ہر ایک  
 چیز کا نمونہ دکھاتے پھرتے تھے۔ اور ابھی ایک دلال اتنی دانت کی ایک گڑبیس دو دہن لئے  
 پھر رہا تھا۔ شہزادہ علی نے اسے بلا کر قیمت پوچھی۔ دلال نے جواب دیا۔ مالک کا حکم چالیس  
 ہزار اشرفیوں سے کوڑی کم لینے کا نہیں ہے۔ شہزادہ بولا۔ کیا تو مجھ سے سخر کرنا ہے۔  
 مالک نے کہا۔ کہ اتنی دانت کے ایک گڑبے کا نمونہ چالیس ہزار اشرفی جاتا ہے۔ دلال  
 نے یہی جھینگی سے جواب دیا۔ حضرت! آپ نے اسکا وصف تو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ ہرگز ایسے  
 الفاظ زبان سے نکالنے کی تکلیف نہ اٹھاتے۔ شہزادہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ اور پوچھا۔  
 اچھا تو اس کا وصف بھی بیان کر دو۔ دلال نے جواب دیا۔ اس سے جس چیز کے دیکھنے کا ارادہ  
 کیا جائے۔ خواہ وہ ہزار کوس کے فاصلے پر پڑی ہو۔ وہ اس طرح دکھائی دیتی ہے گویا پاس پڑی  
 ہے شہزادہ علی کو اعتبار نہ آیا اور اسکا تجربہ کرنا چاہا۔ دلال نے ترکیب بتا کر کہا۔ اب اسے  
 آنکھوں پر لگا کر دیکھنا منظور ہو اسکا دیکھنا منظور ہو اسکا دیکھنا منظور ہو۔ شہزادہ نے  
 اپنے باپ کو دیکھنے کا ارادہ کر کے دوسرے کو آنکھوں کے مقابل کیا۔ فوراً کیا دیکھتا ہے۔ کہ  
 بادشاہ تخت پر بیٹھا خاقان کا انعام کر رہا ہے۔ پھر شہزادی نورالہمار کو دیکھنا چاہا اور وہ اپنے  
 محل میں خواہوں کے جبرست کے درمیان بیٹھی دکھائی دی۔ گویا وہ اسکے پاس ہی بیٹھی ہے۔  
 اس عجیب چیز کو پا کر شہزادہ سوچنے لگا کہ اگر میں دس سال میں گھومتا رہا تو اس سے اچھا  
 تحفہ ہوتا نہ تھا۔ یقیناً بادشاہ بھی اسے پسند کر لیا اور نورالہمار میرے ساتھ بیاہ  
 دو لگا۔ غرض دلال کو ساتھ لے جا کر چالیس ہزار اشرفیاں گن دیں۔ اور دوسرے لیکے اپنے  
 قبضے میں رکھی۔ جب اسکا حقیقی مقصد پورا ہوا اور اسے کوئی چھتہ نہ رہی۔ پھر جی پھر کے

سے بڑی مٹی جس کی صفائی ایسی اعلیٰ درجہ کی تھی کہ بیچیں سے منہ دکھائی دیتا تھا صبح و شام  
وہاں مرد و زن نازنین کا مجمع لگا رہتا۔ اور ہر روز لاکھوں کا چڑھاوا چڑھ جاتا۔ اس مندر  
میں ہر سال ایک بھاری میلہ بھی لگا کرتا تھا۔ جس میں ہر اطراف ہند سے لاکھوں نازنین لڑکی  
اور لڑکے کئی دھنگ وہاں رہتے تھے جنکے آنے سے لاشن گروہ کی رونق بہت بڑھ جاتی تھی۔ اس مندر  
کے ایک طرف تھوڑی سی مندر پر نو درجے کی ایک عالیشان عمارت سنگ مرمر کے چالیس ہایا پاول  
پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھڑی تھی۔ جس میں بادشاہ دارا کین دربار کیساتھ ہفتہ میں ایک دفعہ  
جلوس کیا کرتا اور خلعت کا انعام دیا کرتا۔ اس عمارت کی اندرونی آرائش و زیبائش دیکھ کر  
شہزادہ حسین اپنے باپ کے کہہ کر کو بھی بھول گیا۔ اسکے بیرونی اطراف میں مختلف چرند و پرند لڑکی  
اور لڑکوں کی نقار و پرائیسی خوبصورتی کیساتھ کھینچی گئی تھی کہ ناواقفوں کو اعلیٰ اور نقلی میں سمجھا  
ہو جاتا۔ مندر کے باقی اطراف میں جو عمارت بنی تھی اُن میں سے بعض مندر مکان کہلاتی  
تھیں۔ وہ کلدر چوٹی عمارتیں تھیں۔ اور لوگ کھلوں کے فریج انہیں جہاں جاتے لیجاتے  
شہزادہ حسین نے وہاں ایک ہزار ماتھیوں کا گروہ بھی دیکھا جس پر دروزی جھولیں لگا ہی تھیں  
وہ سونڈوں پر مختلف رنگوں سے نقش و نگار ہو رہے تھے۔ اُن ماتھیوں پر کاکب بیٹھے  
بجا رہے تھے۔ پیر ایک بڑے ماتھی کا تاشہ دیکھا کہ شہزادہ حسین ہکا بکا ہی رہ گیا۔ وہ  
ایک شہتیر کے سر پر چاروں پاؤں جاثے کھڑا تھا۔ شہتیر کے وسط میں بچے کی طرف آٹھ  
گز بلند تپائی رکھی تھی اور ایک طرف ماتھی کے وزن کے برابر آہنی بوجھ رکھا تھا۔ غرض وہ  
شہتیر ڈھکیل کی طرح رکھا تھا۔ اسلئے وہ ماتھی کسی کو زور کر کے اوپر اٹھ جاتا اور پھر نیچے آتا  
تھا۔ اور حرکت کی حالت میں بڑی مٹی سے ناچ کرتے لگتا تھا۔ کبھی سونڈ سے سُر ملی آواز  
بھی نکال دیتا۔ گویا گارہ ہے۔ ایک اور ماتھی چاروں پاؤں کو چادر تپائیوں پر رکھے جن کے  
نیچے چرخ اور پیچے لگ رہے تھے۔ سونڈ سے بانسری بجا ماد کھائی دیا۔ اس ماتھی کو لوگ  
جہر چڑھتے کھینچتے لئے پھرتے تھے۔ سارا یہ تاشا محض بادشاہ کے لئے ہوتا تھا۔ غرض جب  
لشن گروہ کی بیاہت سے وہ خوب سیر ہو لیا اور واپسی میں بھی تھوڑے دن رہ گئے۔ ایک روز  
اُس قالمین کو سرانے کے سچو اڑے جا بچھا یا۔ اور غلام کو اپنے ساتھ بچھا لیا یا اپنے اوپر

# تصویریں گروہ کے پتھانے اور منکے عجائبات کی





ایک روپے کو بھی لینا پسند نہ کریگا۔ مگر تم چالیس ہزار اشرفیاں بتا رہے ہو۔ دلال بولا۔ ہاں صاحب ابھی بات ہے۔ شہزادے نے پوچھا۔ اسکی کوئی خاص بات ہوگی۔ دلال نے جواب دیا۔ آپ اسپر بیچ کر جہاں کا ارادہ کریں۔ پل بھر میں آپ کو وہیں پہنچا دیں گا۔ شہزادے نے سوچا۔ اس سے اچھا تختہ اور کیا ہوگا۔ یقیناً یاد شاہ اسے دل سے پسند کر لیگا۔ پھر اُس دلال سے کہا۔ اگر فی الواقع اس کا یہی خواص ہے تو اس قیمت کو گراں نہیں ہے۔ اور میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ دلال بولا۔ آپ آزمائیکوں نہ لیں۔ چلے فیصلہ ہو گیا۔ یہ کہہ کر دوکان کے کچھوڑ کو میرے پیچھے اور دلال نے غالیچہ زمین پر بچھا شہزادے کو اُسپر بٹھایا۔ اور آپ بھی بیٹھا شہزادے نے اُس سر کے پس پیچنے کا ارادہ کیا۔ جہاں وہ اُتار ہوا تھا اور ایک منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ شہزادہ کمال سرور ہوا اور دلال کو وہیں چالیس ہزار اشرفیاں گن دیں۔ اس کے بعد اُسی سر کے کولہنے کا ارادہ کیا۔ جہاں سے تینوں بھائی جدا ہوئے تھے۔ مگر پھر سوچا کہ مجھے اُن کیلئے ہنسنا پڑیگا۔ اسلئے سال کے خاتمے تک یہیں سیر کیا جائے۔ اب میرے لئے وہاں پہنچنا بہت ہی آسان ہے۔ یہ کھڑا اُس نے بشن گرٹھ اور کسکے گرد و نواح کی خوب سیر کی۔ وہاں کے بادشاہ کا معمول تھا کہ ہفتے میں ایک دن صرف غیر ملکی تاجروں کے مقدمات ہی سنا کرتا۔ شہزادہ حسین بھی اُس دن دربار میں جا بیٹھا۔ مگر وہ اپنا حال کسی سے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُن کی خوش خلقی اور خوش بیانی نے دربار میں دوسرے تاجروں سے اُسے متحیر کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے اُس سے مخاطب ہوتا اور ہندوستان کے حالات پوچھا کرتا اور وزیر تک دو لوگ اُن سے غمگین مبالغہ کرتے رہتے۔ علاوہ ازیں شہزادے نے وہاں کے مزدوروں کی خوب سیر کی۔ ایک مندر اسی تاتیا پستل کا بنایا ہوا تھا۔ اسکا اندرون دس گز بلبل تھا۔ اور وہیں ایک مور قی قد آدم کے برابر رکھی تھی۔ جس کی آنکھیں محل و رخشاں کی تھیں۔ وہ مور قی اسی انداز سے دیکھتی تھی کہ ہر ایک دیکھنے والے کو اپنی ہی طرف متوجہ کر دیتی تھی۔ ایک دو سزا موت راہک وسیع باغ میں بنایا ہوا تھا جسکے ہر چار طرف پختہ چار دیواریں تھیں۔ اُن کے اندر سکا طوائف تھیں۔ محض ہمیں گز اور ہندی پچاس تھیں۔ اندر بیٹھا تھیں۔ ہر روز نور بیاں بڑے قریب سے رکھی تھیں اور ساری عمارت سنگ مرمر سے

سرے دیکھ کر اتر پڑے۔ رات کا کھانا وہیں کھا یا اور صبح کو یہ قرار دیکر اپنی اپنی راہ لی کہ ہمیں ایک برس سے زیادہ سفر نہ کرنا چاہئے۔ اور پھر بعد سفر میں آ کے ملنا چاہئے۔ اور یہاں سے تینوں ملے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ قصا کار کوئی بھائی اگر پہلے پہنچے تو وہ ہاتھوں کا انتظار کرے۔ شہزادہ حسین نے جو ہمیشہ بشن گڑھ کی تعریف سنا کرتا تھا اور اس کے دیکھنے کا کمال اشتہاق رکھتا تھا۔ ایک قافلے کے ہمراہ آدھری راہ لی بہتین ماہ تک جہاز میں سفر کیا۔ اور پھر خشکی کا راستہ طے کرتے مختلف شہروں کو دیکھتا بشن گڑھ میں پہنچا جس کی وسعت اس وقت زبان و خلاق تھی اور ایک سرے میں جو سو واگروں کے لئے موضی تھی اتر کر شہر کے حالات دریافت کئے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایک بازار ہے جس میں دنیا بھر کے عجائبات ملتے ہیں۔ شہزادہ حسین نے رات وہیں بسر کی اور اگلے دن صبح ہی اٹھ کر اس بازار کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا۔ اس کے طول و عرض کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ ہر ایک دوکان کمال لطافت و طرحی سے بنی ہوئی تھی اور ہر ایک کے سامنے سائبان اس انداز سے لگایا گیا کہ دھوپ کا چاؤ نہ پڑے اور اندر اندھیرا نہ ہونے پائے۔ ہر ایک ایک دوکان کے مال کا اندازہ کیا۔ اور اس سے ایک شہر کے عجائبات اسے اپنے باپ کی بادشاہی کی دولت بھی پہنچ معلوم ہوئی۔ کوئی دوکان توڑے ہوئی کپڑوں کی تھی کسی میں زمین سے چھت تک گرم مال ہی بھرا ہوا تھا کہیں کپڑے پہنے دنیا بھر کی ساخت کے ملتے تھے۔ کہیں ہر قسم کے اونٹوں سے اگلے تک قالین بک رہے تھے۔ کوئی دوکان ٹونے چاندی کے ظروف اور زیورات سے اٹی تھی اور جب اس نے وہاں سے برہنوں کو دیکھا۔ تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہر ایک کپڑے خود چھوڑا سا بادشاہ بنا پھرتا تھا۔ اس کے پاس زر و جواہرات کی کچھ نہ تھی۔ بلکہ اس کے لڑکے چاندی کے کپڑے کھاتے اور لڑکی کپڑے پہنے چھوڑتے تھے اور ہر ایک ہاتھ پر پونوں کی خوشبو سے چھوڑے ہوئے تھا جو دھانی و صبروں کے ڈھیر پائے تھے۔ شہزادہ حسین نے کسی جگہ بیٹے کے دھڑلے چاہا اور ایک تاجوئے اس کا عندیہ دریافت کر کے بڑی محبت سے اپنی دوکان پر بیٹھایا۔ اس نے ہر ایک ایک دھال آگیا۔ جو ایک غالیہ چارگز مزین کو بیچنے کو پھر دیا تھا اور کھاتا تھا۔ اس نے چالیس ہزار اشرفیہ اس کی قیمت سے لئے۔ شہزادہ حسین نے اسے ملا کر پوچھا۔ ایسا بیچ کر کوئی

پھر بادشاہ بنگال کو بھی اطلاع دی اور اُسے بھی کہاں مسرت کے ساتھ اس بیوہ کو منظور کیا  
بلکہ بہت سا جہیز بھیجے گئے اور کئی تاجر تھے شاہ ایران اور شہزادہ فیروز کے لئے روئے  
لئے اگلے دن صبح کے وقت حسب معمول شہزادے شہزادہ احمد اور پری باتو کی حکایت  
یوں بیان کرنی شروع کی :-

## شہزادہ احمد اور پری باتو کی داستان

اگلے وقتوں کی بات ہے۔ ہندوستان میں ایک بادشاہ کے تین بیٹے تھے۔ حسین علی احمد  
اور ایک بھتیجی نور النہار۔ جس کے باپ سے مرتے وقت اسکی پرورش اپنے بھائی کے سپرد  
کی تھی۔ بادشاہ نے اس لڑکی کی تعلیم و تربیت میں بڑی محبت سے کام لیا اور اعلیٰ سے  
اعلیٰ انتظام کیا۔ حقیر سے ہی دنوں میں وہ بڑی لائق لڑکی بن گئی۔ بادشاہ کا ارادہ  
تھا کہ جو ان ہوئے پر کسی لائق شہزادے کے ساتھ نور النہار کا بیاہ کیا جائیگا۔ مگر اسے یہ  
معلوم کر کے کہ اس کے تینوں شہزادے بھی نور النہار سے محبت رکھتے ہیں یہ افکار ہوئے اور چونکہ  
لگا۔ کہ اگر نور النہار کا بیاہ کسی غیر سے کر دیا تو تینوں لڑکے ناراض ہو جائیں گے اور انہیں  
ہی ایک کیسا تہ شادی کر دی تو باقی دو کا منہ بیدھانہ رہ گیا۔ مگر میں کسی کو بھی ناراض کرنا  
نہیں چاہتا۔ کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہئے کہ سناپ بھی مر جائے اور لالچی کو بھی آنچ نہ آئے  
آخر سوچ سوچ کر ایک بات نکال لی اور اپنے تینوں شہزادوں کو بلا کر کہنے لگا۔ میں نے سنا ہے  
کہ شہزادی نور النہار سے محبت رکھتے ہو۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ تم تینوں کے ساتھ اس کا بیاہ ہو  
اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تم میں سے کسی کو ناراضی کا موقع ملے۔ اس لئے میں نے ایک تدبیر نکالی ہے  
جس سے کسی کو شکایت کا موقع نہ رہیگا اور وہ یہ ہے کہ تم تینوں علیحدہ علیحدہ ملکوں کا سفر کرو  
اور ایک نا درختہ میرے لئے لاؤ۔ جبکہ تحفہ تم تینوں سے آچھا ہو گا شہزادی کا بیاہ اسی کے  
ساتھ کیا جائیگا۔ سب نے اسکو بلی منظور کیا اور سامان سفر درست کر خزانہ شاہی سے ذر گشہ  
لے وٹاں سے چل پڑے اور کئی دن تک اٹکھے ہی چلے گئے۔ کئی منزل کے بعد جب وہ ایک  
ایسی جگہ میں پہنچے جہاں سے جدا جدا راستے مختلف ممالک کو جاتے تھے۔ وہاں ایک اچھی سی

جس کے بادشاہ شہزادہ اور فیروز شاہ کا شکر یہ ادا کرنے لگا کہ تم نے تو بس مسیحائی  
 دکھا دی ہے۔ جس کے جواب میں چمناسی نقا فیروز شاہ نے بھی جواب دیا۔ پھر لڑ چھاپہ پڑھا  
 بہانہ تک کیسے ہوئی۔ اس سے اس کا مطلب کل کے گھوڑے کے حالات دریافت کرنے کا تھا  
 مگر بادشاہ اس کا مطلب نہ سمجھا اور شہزادی کا حال جیسا اس کی زبان سے نکلا۔ کہندیا۔ آخر  
 میں یہ بھی کہا کہ شہزادی کے پاس ایک لکڑی کا گھوڑا لڑا ہوا تھا جسے اٹل کے بننے اپنے خزانے  
 میں رکھوا دیا۔ فیروز شاہ نے معلوم کر لیا کہ بادشاہ کے گھوڑے کے خزانے کا چہ نہیں ہے یہ  
 سوچ کر لایا معلوم ہوتا ہے۔ شہزادی کو اس جادو کے گھوڑے سے اترتے وقت دھوئی  
 نہیں دیتی۔ جیسی تو وہ آسیب زدہ ہو گئی ہے اور اگر چہ اپنے اسے تندرست کر دیا ہے  
 مگر کامل صحت جیسی ہوئی کہ آپ میدان میں لشکر سمیت جمع ہوں گے اس جادو کے گھوڑے کو  
 بڑھا دیے تاکہ پھر اس پر شہزادی کو سوار کر کے دھوئی دیا جائے۔ امید ہے کہ پھر شہزادی  
 کسی بیمار نہ ہوگی بادشاہ نے اہلکاروں کو حکیم کے حکم کی تعمیل کا ارشاد کیا۔ اور اگلے  
 دن شہر کے باہر میدان میں کل کا گھوڑا لایا گیا اور تمام لادشکر وہاں جمع ہوئے شہر کے  
 باشندوں سے بھی تمنا شاد بکھینے آئے۔ بادشاہ نے اپنے خیمے میں اجلاس فرمایا حکیم نے سب  
 کو منع کر دیا کہ کوئی شخص اس گھوڑے کے قریب نہ جائے اتنے میں شہزادی بھی غور ہوئی  
 وہاں آگئی حکیم نے اسے خود سوار کر لیا اور چاروں طرف آگ کے آلاؤ روشن کر کے انہیں  
 گھلیاں بھر بھر کر خوشبوئیاں ڈالنے لگا جتنی کہ انہیں سے ہتھوڑاں نکلا جن نے گھوڑے  
 سمیت شہزادی اور فیروز کو عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا۔ فیروز اس وقت کے انتظار  
 میں تھا۔ فوراً چپکے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ اور اس کی گردن کے پیچ کو گھوڑا تیر کی طرح  
 آسمان کی طرف اٹھا۔ فیروز نے ہوا پر جا کر بلند آواز سے پکارا کہ اسے بادشاہ آتے ہیں اس  
 شہزادی کو اپنے عہد میں لاتا جاؤ تھا۔ مگر اب تجھے معلوم کرنا چاہئے کہ یہ شہزادہ مارسل کی  
 سنگت ہے۔ میرے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے۔ بادشاہ اور سب حاضرین اس بات کو سن کر  
 بڑے متعجب ہوئے اور فیروز شاہ اس میدان شیرازیں چاہیچاں اس کا باپ اپنے بیٹے اور پھر  
 کو دیکھ کر کمال خوش ہوا۔ اور کئی روز کے بعد دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام کیاتھ کر دی

اگرچہ دیکھتے ہیں تو جو ان نظر آتا ہے۔ مگر اسکی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے  
 فن میں بڑا ماہر ہے۔ حکم ہو تو حاضر کروں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ ماں تو اسے آو۔  
 داروغہ فیروز کو بادشاہ کے پاس لیگیا۔ بادشاہ نے شہزادی سے سب حال جو اسے  
 معلوم تھا بیان کر دیا۔ اور لڑکھٹے کسی کو نزدیکی نہیں دیتی۔ تم کوئی ایسی دوا بخور کر  
 کہ دور سے ہی اسے کھلا دی جائے۔ پھر بادشاہ نے فیروز کو ایک پاس کے مکان میں  
 لیجا کر دور سے شہزادی کو دکھایا۔ فیروز نے سنا کہ وہ فراقیہ اشعار و دردناک لہجے میں  
 گارہی ہے۔ اور بغور دیکھ کر پچان لیا کہ وہ جنون اسکا محض فریب ہے۔ بادشاہ  
 سے کہتے لگا۔ سب نے دیکھا اور غور کیا۔ شہزادی کا میں علاج کروں گا۔ اور انشاء اللہ اسے  
 شفا ہو جائیگی۔ مگر پہلے اسکی زبان سے بھی کچھ حال سننا ضرور ہے پھر دوا کرنا آسان  
 ہو جائیگی۔ بادشاہ نے فوراً خواجہ سہرا کو حکم دیا۔ کہ شہزادی کے پاس اس حکیم کو لیجاؤ  
 غرض خواجہ سہرا نے شہزادی کے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور فیروز کو اندر بھیجا آپ باہر  
 ہی کھڑا ہو رہا۔ شہزادی حسب معمول فیروز کو بھی حکیم تصور کر کے گالیاں دیتے اور کچھ  
 کہنے لگی۔ مگر فیروز شاہ نے بہ ملامت کہا۔ دیکھو! ہوش کرو۔ میں ہوں فیروز شاہ  
 شہزادہ فارس۔ میں حکیم نہیں۔ صرف تیری ہی تلاش کے لئے یہ حالت بنا رکھی ہے۔  
 شہزادی نے اپنے مطلوب کی آواز پہچانی اور ہوش میں آکر بغور دیکھنے لگی۔ پھر شہزادہ  
 فیروز کو پہچان کر بڑی خوش ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو مختصر طور پر اپنی سرگذشت  
 سے آگاہ کیا۔ آخر فیروز شاہ نے پوچھا۔ تمہیں اس محل کے گھوڑے کا بھی پتہ ہے کہ بادشاہ  
 نے اس ہندی کو قتل کرنے کے بعد اسے کہاں رکھا ہے۔ شہزادی بولی مجھے اسکا کچھ  
 پتہ نہیں۔ پھر فیروز شاہ نے اسے سمجھایا کہ اب تو اچھی بن جا۔ مگر بادشاہ کو میری تدبیر  
 اعتقاد آجائے۔ پھر میں اسے جو کچھ کہوں گا۔ مان لیگا۔ غرض فیروز شاہ وہاں سے آئے  
 بادشاہ کے پاس آیا۔ اور کچھ دوائی بخور کر کہے خواجہ سہرا کے امداد بھیجی اور کہنے لگا۔  
 کل تک صاف ہے تو شہزادی فوت ہو جائیگی اور وہی بڑا۔ دوائی دو تین عرقہ دی  
 گئی۔ اور شہزادی اگلے دن ہوش و حواس میں آکر باتیں کرتے لگی۔ حاتم کیا اور کچھ

اور حکیموں کو بیکار علاج میں مصروف ہوا۔ مگر اُسے کچھ افادہ نہ ہوا۔ آخر حجب ہوش آئی  
سوچنے لگی۔ شہزادہ فیروز کے سوا اور کسی سے میری شادی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب  
کوئی حیلہ کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر اپنے تئیں دیوانہ بنالیا اور بادشاہ کو ہزاروں گالیاں دیں  
اور دیوانوں کی طرح جو اُس کے پاس جاتا۔ آسپر حملہ کر بیٹھتی۔ بادشاہ نہایت منہموم ہوا  
اور باہر آ کر محاصروں کو حکم دیا کہ مجھے منٹ منٹ کے بعد شہزادی کے حال سے خبر دیجیے  
پھر طبیبوں اور سیالوں کو حکم دیا کہ میں طبع ہو سکے۔ شہزادی کو راضی کرو۔ میں بہت بڑا  
اسدوں کے عوض میں کرونگا۔ غرض سب نے اپنا اپنا ذور لگایا۔ دوائیں دیں۔ فصد  
کھلوائے۔ تجویز پلوائے۔ دھونیاں دیں۔ مگر شہزادی کو خیر تک نہ ہوئی۔ سچ ہے  
سوتے کا جیگانا احسان ہے مگر جاگے کو جگانا بہت مشکل۔ فیروز شاہ بھی درویشا نہ  
لباس میں پھرتے پھرتے کشمیر کے کسی شہر میں جا پہنچا اور وہاں کے باشندوں سے سُنا  
کہ بادشاہ کشمیر شہزادی کو بنگالہ کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتا ہے۔ مگر وہ دیوانگی سے  
ایسی بیابانے کی کسی طرح سے بھی اچھی نہیں ہوتی۔ فیروز شاہ یہ سنتے ہی سمجھ گیا کہ  
شہزادی کو کیا مرض ہے؟ فوراً وہاں سے کوچ کر لیا اور دو منزلہ سے ملز لے کر آنا  
بہت جلد دارالریاست میں آ پہنچا۔ پھر ایک سولے میں بھڑکڑگوں سے شہزادی کا  
حال دریافت کرتا رہا۔ مگر بہت کوشش کرنے پر بھی وہ اس ہندی کا پتہ نہ نکال سکا۔  
غرض بنگالہ دلی فیروز شاہ نے فقیرانہ لباس اتار کر کشمیری حکیموں کا بھیس بدل لیا  
اور بنگالی کوچوں میں پھرتے پھرتے شاہی محل کے نیچے بھی جا نکلا اور دروازے پر جا کر  
داروغہ سے عرض کی کہ میں بہت دور سے شہزادی کے سواجھ کو آیا ہوں۔ بادشاہ سے  
اجازت لے دو۔ تو اپنی حکمت کا کرشمہ دکھاؤں۔ داروغہ نے ہنس دیا۔ اور بولالے  
تو جہان! تو اپنا منہ تو دیکھ۔ یہاں بڑے بڑے حافظ حکماء آئے اور کسی کی دال نہ لگی  
تو تو کیا بتا لینگا۔ فیروز نے جواب دیا۔ میں تم سے کچھ مانگنے تو آیا ہی نہیں۔ صرف قیمت  
آزمائی مطلوب ہے۔ داروغہ کو اسکی مفلسی پر رحم آیا اور اُسے اپنے مکان میں  
بٹھاکر بادشاہ سے عرض کی کہ ایک حکیم دور سے شہزادی کے علاج کے لئے آیا ہے



نصویر بادشاہ کشمیر کی مع لشکر جنگل میں آنے اور ہندیکو قتل کر کے تہڑا دیو کی پوجا کی



رحم آگیا۔ فوراً سواروں کو حکم دیا کہ ہندی کو اُسکے اعمال کی پاداش میں تلوار سے گھاٹ اتار دو۔ سواروں نے حکم کی تعمیل کی اور شہزادی ایک سے چھوٹ کر دوسرے کے پس میں پڑی۔ پھر بادشاہ اُسے اپنے ہمراہ دارالسلطنت میں لایا۔ اور اُسکے رہنے کے لئے ایک بڑا محل مقرر کیا۔ بہت سے خواجہ سرا اور خواہیں بھی خدمت کے لئے دئے اور شہزادی کو آرام کرنے کے لئے کھانا پ چلا گیا اور دو دین دن کے بعد شہزادی کے ساتھ شادی کا ارادہ کر کے تیاری کا حکم دیا۔ چاروں طرف نو تیلیں بجنے لگیں۔ اور تمام قلمرو میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ مگر شہزادی بادشاہ کے نیک سلوک کو ابھی تک مہربانی پر معمول کر رہی تھی جب اُسکے کان میں یہ خبر پہنچی کہ بادشاہ اُسکے ساتھ شادی کرے گا غور سے سوچا رہے اور اُسکے لئے زور شور سے بھی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ فوراً بیہوش ہو کر گر پڑی۔ گویا سانپ سو گتہ گیا ہے۔ خواہوں نے بادشاہ سے عرض کی وہ فوراً آیا

کی زبانی شہزادی کے ہندی کے ساتھ چلے جائیگی خبر سکریت گھبرا یا۔ اور قریب غم سے  
اسکی حالت نازک ہو گئی۔ فوراً بادشاہ کو بھی یہ خبر پہنچائی گئی اور وہ اپنے لشکر سیت  
راستے میں سے ہی لوٹ گیا۔ مگر شہزادہ واپس دیر تک بے سکہ پڑا رہا۔ جیسا ہوش آئی  
دار و غمہ کے پاؤں پر گر پڑا کہ قصہ دھیرا ہے مگر نانا جنگلی میں سرزد ہو گیا۔ اس لیے  
معاذی کا طلبگار ہوں۔ شہزادہ سے نئے جواب دیا۔ نہیں تیرا قصہ نہیں۔ یہ میری غفلت  
تھی۔ اب توجہ دے لے ایک فقیرانہ لباس حاکم کر۔ اس مکان کے قریب ہی ایک فقیر  
رہتا تھا۔ وہ اور غمہ سے فوراً جیسے ہو سکا اس سے ایک جوڑا درویشانہ لباس کالا کر فرما  
کو دیا۔ غمہ و شاہ اس وقت ہمیں بدلتے حرات کی ڈبیدہ کمر بنیں باندھ دیاں سے چل نکلا  
اور ایک جنگلی کی راہ لیکر دل میں بھان لیا کہ میں ایک شہزادی نہ بیگی کھونہ آؤنگا۔ اور  
ہندی دو تین گھڑی کے عرصہ میں دارالریاست کشمیر کے متصل ایک جنگل کے درمیان جاتا  
اسے بھوک لگی ہوئی تھی اور قیاس کیا۔ کہ شہزادی بھی بھوک ہوگی۔ اس لیے جنگل سے کچھ  
میوے توڑ لایا اور کچھ آپ کھا کے۔ کچھ شہزادی کو کھلائے۔ پھر دونوں جیسے سے لائی  
پیا جو اس کے پاس سے یہ رہا تھا۔ شہزادی اپنے شایں اسکے قابو میں پا کر سخت پریشان تھی  
تاہم وہ بالکل بے بس ہو رہی تھی۔ آخر جب کھانا کھا چکے وہ ہندی کا رنگ شہزادی سے حرف  
مطلب دیان پر لا ہوا۔ مگر شہزادی نے انکار کر دیا۔ اور بڑی حقارت سے اس زخمت روکے  
گئے پر تھوک دیا۔ ہندی جل بھن گیا اور شہزادی کو مارنے لگا۔ شہزادی نے زور و کر  
مٹل مچا دیا۔ اتفاق سے کشمیر کا بادشاہ اسی اواس میں شکار کھیلنے کے لیے آیا ہوا تھا  
جب اس نے ایک غور کے چلانے کی آواز سنی۔ لشکر سیت فوراً اسکی مدد کو پہنچا اور ہندی  
سے پوچھا تو کون ہے اور یہ بی بی تیری کیا گئی ہے اور کیوں روتی ہے۔ ہندی نے بڑی  
ترس و غمی سے جواب دیا۔ میری جو رو ہے اور میں اسے لیجا نا چاہتا ہوں۔ مگر یہ وہ دور  
کے اپنے لیے کی طرف جاتی ہے۔ شہزادی بہ سکر لپٹی تصور ایہ شخص بالکل بھوکا اس کرتا  
ہے اور شراطو فان تول رہا ہے۔ میرا خاوند نہیں بلکہ ایک جادوگر ہے جو مجھے شہزادی  
واریں کے محل سے بادو کے گھوڑے پر بٹھا کر بھٹکا لایا ہے۔ بادشاہ کو شہزادی کی

پہنچ گیا۔ اور فیروز شاہ گھوڑے پر سوار ہو کر شیراز کی طرف روانہ ہوا۔ جب بادشاہ کے حضور  
 میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو اسکے دیکھنے سے نہایت مسرت ہوئی اور گلے لگا کر حال پوچھا۔  
 فیروز نے اپنی مصیبت اور شہزادی بنگال کی شفقت کی وہمان ایسے دروسے بیان کی  
 کہ بادشاہ کا دل پیر آیا۔ پھر کہنے لگا۔ میں شہزادی سے شادی کا اقرار کرتے ہوں۔ تاکہ  
 لے آیا ہوں۔ اور فلاں گاہوں کے شہابی محل میں لانے آتا رہا ہے۔ تاکہ لازم مقبول  
 دے کر کے اسے محل میں لایا جائے۔ بادشاہ نے جواب دیا بہت اچھا میں خود اس کے  
 استقبال کو چلتا ہوں۔ اور آج ہی اسے محل میں لا کر اسکے ساتھ تمہاری شادی کر دیا جائیگی  
 اسکے بعد بادشاہ نے سواری کے تیار کرنے اور شادی کے حکم دیا۔ نوپت پر گھوڑی  
 اور شہزادہ فیروز کی واپسی کا گھر گھر پتہ لگ گیا۔ پھر اس ہندوستانی کارگر کو بلوایا گیا۔ بادشاہ  
 اس سے مخاطب ہو کر بولا کہ تالایق نام ہو گون مارنے کے قابل۔ مگر میں ازراہ ترجمہ  
 کہتیں چھوڑتا ہوں۔ اپنا گھوڑا لے اور ابھی میری ولایت سے نکل جاؤ ورنہ میں بڑی طرح  
 سے پیش آؤں گا۔ ہندی نے قید خانے سے نکلنے ہی سن لیا تھا کہ شہزادہ آگیا ہے اور اسی  
 گھوڑے پر اپنے ساتھ ہی ایک شہزادی کو بھی لایا ہے۔ پھر اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس  
 وقت وہ شہزادی فلاں گاہوں کے شہابی محل میں ہے اور بادشاہ خود اس کے لانے کے  
 لئے تیار کر رہا ہے۔ وقت کو غنیمت جان کر ہندی شیراز سے دوڑا۔ اور اس گاہوں  
 میں آ کے دم لیا۔ پھر واروغہ محل شہابی سے نکل کر کہنے لگا۔ بادشاہ نے شہزادی کو مجھے  
 لانے کے لئے بھیجا ہے۔ تم اندر چلے آؤ۔ میرے آئینے خریدو۔ داروغہ نے بھی ہندی  
 کی رائی کی خبر سن لی تھی۔ اس لئے اسے اسکی بات پر اعتبار آگیا اور اسے بھی اندر لے گئے  
 شہزادی سے بولا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو آپ کے لانے کے لئے بھیجا ہے۔ اس نے  
 آپ اسکے ساتھ شیراز کو چلی جائیں۔ شہزادی خوشی خوشی تیار ہوئی۔ پھر ہندی نے اسے  
 اس گھوڑے پر سوار کرایا اور آپ بھی اسکے پیچھے بیٹھ گیا اور پیچ مروڑ کر گھوڑے کو  
 آسمان پر لے اڑا۔ عین اس وقت بادشاہ بھی خدم و حشم سمیت اس محل کے قریب  
 میں آ پہنچا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر شہزادی کو بادشاہ کے آنے کی خبر دینی چاہی مگر داروغہ

شہزادی بولی۔ تم ایک عیدہ محل لیکر اس میں شہزادوں کے قابل سب سامان بھیگا کرو۔ اور  
 جو کچھ درکار ہو مجھ سے لو۔ پھر گو کوئی عذر نہ ہوگا۔ فیروز نے جواب دیا۔ میں تمہارا آگے ہی کمال  
 شکر گزار ہوں۔ اب اور جو چھ اٹھانیں سکتا۔ اسلئے آپ مجھے اجازت ہی دیں کہ ایک دفعہ اپنے  
 باپ کو مل آؤں۔ مبادا میری بددلتی میں اُسے خود کشی نہ کر لی ہو۔ شہزادی نے سوچا اسکا کیا اعتبار  
 ہے۔ اپنے ملک میں جا کے آئے نہ آئے۔ اور وطن کی محبت اُسے یہاں آنے سے مانع ہو اس  
 لئے اگر چند روز اور یہاں ٹھہر جائے تو اسکا دل لگ جائیگا اور پھر وہ خواہ خواہ یہاں آئیگا۔ غرض  
 اس تجویز کا فیروز شاہ سے ذکر کیا۔ فیروز نے بھی دماغ چند سے اور رہتا خوشی منظور کر لیا۔ غرض  
 دیکھو سیر و شکار میں مشغول رہتا اور رات منج و رہنگا دیکھ کر وقت گذرتا۔ کئی دن پہلے سے  
 گزر گئے۔ اس عرصے میں فیروز شاہ جی دماغ ایسا لگا کہ وہ مال باپ اور خلیش و اقربا سب کو  
 بھول گیا۔ مگر پھر یکایک ایک دن وطن کی محبت نے دل میں جوش بادل فوراً شہزادی سے التجا کی  
 کہ مجھے ایک دفعہ اپنے گھر جانے کی اجازت دیجئے۔ میں بہت جلد آپ کی خدمت میں لوں آؤں گا  
 اور اگر اسکا اعتبار نہ ہو تو تم بھی میرے ساتھ جلو۔ شہزادینے جواب دیا۔ البتہ آخری شرط مجھے  
 بھی منظور ہے۔ یہ فیصلہ کر کے اگلے دن نوے کے تڑکے جیکہ خواہیں اور خواجہ سرا خواجہ غفلت میں  
 پڑے تھے۔ دونوں محل کی چھت پر آئے اور فیروز شاہ نے گھوڑے کا منہ ملک فارس کی داریت  
 شیراز کی طرف کیا۔ پھر شہزادی کو اُس پر سوار کر کے خود بھی اُس پر چڑھ بیٹھا اور گردن کے پچھ کو گھمایا  
 اس بیچ سے گھومتے ہی گھوڑا آسمان کو دوڑا اور اڑنا بیساعت کے عرصے میں شیراز کے سر  
 جانہ لایا۔ فیروز شاہ نے اپنے وقت کو پہچانا اور دوسرا بیچ مروڑ کر شیراز کے قریب ایک گاؤں  
 میں جا اتر اجمان بادشاہ وقتاً فوقتاً سیر و شکار کے لئے جایا کرتا تھا اور اسلئے وہاں ہی  
 ایک شاہی محل بنایا ہوا تھا۔ فیروز نے شہزادی کو اسی محل میں جا اترار۔ اور اس سے کہنے لگا  
 میں آپ کو یہاں اسلئے چھوڑتا ہوں کہ بادشاہ کو جا کر پہلے آپ کے آنے کی اطلاع دے آؤں  
 تاکہ وہ آپ کو محل کے ساتھ استقبال کر کے دارالسلطنت میں لیجائے۔ پھر اُس محل کے داروغہ  
 سے کہا۔ کہ شہزادی کو تکلف کے ساتھ کھانا کھلا اور میرے لئے ایک تیز رفتاری گھوڑا تیار کر  
 لیجئے شیراز جانا ہے اور ابھی وہاں سے لوٹ آؤں گا۔ غرض داروغہ نے خاصہ دسترخوان پر

اور پڑنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ بادشاہ نے امتحان کے لئے مجھے ہی حکم دیا۔ اور بیٹے کو  
 اسپر سوار ہوا اس پیچ کو گھمایا جس سے گھوڑا اوپر اٹھتا تھا۔ ایک گھڑی بھر میں زمین نظر وں  
 غائب ہو گئی اور پہاڑی کے ڈھیلے نظر آنے لگے۔ سوقت بیٹے نے اترنا چاہا۔ اس نے اسی  
 پہلے پیچ کو اٹھا گھمایا۔ مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جد و جہد کرتے مجھے دوسرا پیچ بھی مل گیا جس کے  
 گھمانے سے گھوڑا نیچے اترنے لگا۔ جتنی کہ آدھی رات کے وقت آپ کے مکان کی چھت پر آگیا  
 اور مینے زینے سے اتر اور خواجہ سراؤں اور خواہوں سے گزر کر آپ کو آجگایا۔ پھر آپ نے  
 جو عنایت میرے حال پر فرمائی میں اس کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا اور اُسکے عوض میں جان و  
 دل کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ شہزادی بہ سکر نہایت مسرور ہوئی اور بہت  
 سے سوال کئے۔ جن کا فیروز شاہ نے مناسب جواب دیکھے اُسکی تسلی کی۔ اتنے میں دسترخوان  
 چٹا گیا۔ اور خواہوں نے خاصے کی اطلاع دی۔ شہزادی نے فیروز شاہ کا ہاتھ پکڑ دیا۔ دسترخوان  
 پر بیٹھا لیا۔ اور آپ بھی ساتھ ہی بیٹھ کر بڑی محبت کے ساتھ اُسے اچھے اچھے کھانے کھلانے  
 لگی۔ جب کھانے سے فراغت پائی دونوں ایک پر تکلف والاں میں جس کے سامنے ایک پائیں  
 باغ رنگ رنگ کے پھولوں۔ پودوں اور درختوں سے ہر اہر اٹھا۔ ایک زر دوی۔ تدبیر و پیچ  
 باغ میں میوہ دار درخت پر قسم قسم کے پرنڈے بیٹھے بیٹھے۔ بولیاں بول کر سننے والوں کا  
 جی بٹھارتے تھے اور نہریں جاری تھیں۔ غرض ایک دلکش سماں چھایا ہوا۔ اس باغ  
 اور مکان کی تیاری و کیکر فیروز شاہ کہتے لگا۔ میں تو سمجھتا تھا۔ کہ ایران کے شاہی محلوں  
 کا ثانی دیتا بھر میں نہ ہوگا۔ مگر آپ کے محل دیکھ کر مجھے وہ پیچ دکھائی دے رہے ہیں  
 شہزادی نے جواب دیا۔ ابھی تم نے میرے باپ کے محل تو دیکھے ہی نہیں۔ چکے سامنے یہ  
 محل کچھ بھی نہیں۔ انہیں دیکھ کر یقیناً تم بڑے محظوظ ہو گے اور ضرور ہے کہ تم میرے  
 باپ کی ملاقات کرو۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔ مگر فیروز شاہ چپا ہو رہا۔ اکیلے  
 پھر شہزادی ایسی ذکر و بیان میں لائی۔ اُسکا مطلب یہ تھا کہ فیروز شاہ کو دیکھ کر اور شاہ پڑا  
 خوش ہوگا اور اس سے میری شادی کرو لیا۔ مگر فیروز نے جواب دیا کہ ظاہری محل کے بغیر  
 بادشاہ سے ملنا مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مبادیہ نظر حیات سے دیکھو۔

اور ایک کمرے میں اسکے ہرام کا انتظام کریں۔ فوہول تے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور  
فیروز شاہ کچھ کھاپائی کے اس کمرے میں سو رہا۔ سچ یہ ہے کہ فیروز کی محبت شہزادی  
کے دل میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ خواہیں فیروز شاہ کی طرف سے فراغت پا کر شہزادی  
کے پاس آئیں اور اسے اطلاع دی کہ شہزادہ کھانا کھا کے سو گیا ہے۔ بعض نے جو شہزادی  
کی بہت مہر چڑھی تھیں۔ فیروز کے حن وصال کی تعریف کر کے یہ بھی کہا کہ اگر اس جوان  
کی شادی آپ سے ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو۔ شہزادی بظاہر بہت خفا ہوئی۔ اور بولی  
کیومت۔ جاؤ جاکے سو رہو۔ اور مجھے بھی آرام کرنے دو۔ غرض جب صبح ہوئی۔ شہزادی  
نکلتے ہی دیر تک اپنا بناؤں گناہ کرنے میں مصروف رہی۔ اور جب فارغ ہوئی۔ فیروز شاہ  
کو کھلا بھیجا۔ کہ آپ آنے کی تکلیف نہ کیجئے گا۔ میں خود حاضر ہوتی ہوں۔ فوہول نے فیروز شاہ  
کو شہزادی کا پیغام پہنچا دیا۔ وہ خود آنے کو تیار بیٹھا تھا۔ مگر یہ منکر رک گیا۔ غرض  
شہزادی میرے بعد شہزادی بنگالہ خود اپنے محل سے فیروز کے محل میں آ کر خیریت پوچھنے  
لگی۔ اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر کمال خوش ہوئے۔ فیروز نے معذرت کی کہ بیٹے آپ کو بیروت  
آئے۔ اور اس کی جگہ اسکے لئے معافی مانگتا ہوں۔ شہزادی نے جواب دیا کہ مجھے اس کا خدا بھی ملال  
نہیں۔ بلکہ تمہیں دیکھ کر مجھے کمال خوشی ہوئی ہے۔ اب تم اپنا حال سناؤ۔ کہ میری خواہگاہ تک  
کیسے پہنچے۔ فیروز بولا کہ میں فیروز شاہ اور ملک فارس کے کاریگر میرے باپ کی خدمت میں  
طرح طرح کے عجائبات لیکر انعام لینے کے لئے حاضر تھے کہ ایک ہندوستانی کاریگر بھی پہنچا گیا۔  
اور اس نے ایک گھوڑا پیش کر کے عرض کی کہ یہ صرف کل کے زور سے اڑتا ہے۔ میرے باپ نے  
چاہا کہ جو قیمت وہ مانگے اسے ادا کر دے۔ مگر ہندوستانی کاریگر نے کسی قیمت پر اسے چھینا نہ چاہا  
سوائے اسکے کہ بادشاہ شہزادی کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ ارکان دولت کو اس کی  
درخواست پر رنج آیا اور میں بھی اس تحقیق کے لئے عقدہ میں بھر گیا۔ مگر بادشاہ کا اشتیاق بڑھ  
کمال پا کر شبہ خیال کیا کہ اس گھوڑے کے عوض میں بادشاہ اس کی درخواست کو کبھی رونا نہ کرے گا۔  
اس لئے عینے عرض کی کہ جب تک کسی دوسرے کو اسکے لئے پرزوں سے آگاہی نہ ہو۔ یہ کوئی انوکھی  
خیر نہیں۔ ہندوستانی نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ ہر شخص اس پر سوار ہو سکتا ہے اور مجھے کل اور

تھے۔ اُس نے اندازہ کیا کہ شاید یہ محل کسی شہزادی کا ہے۔ جبکی حفاظت کے لئے یہ سپہ خرمیا  
 یہاں پر ہے ہیں۔ پھر دیکھے پاؤں آگے بڑھ آیا۔ دروازے پر ایک باریک ریشمی پردہ لٹکا ہوا  
 دیکھا اور اُسے اس آہستگی سے اٹھا کر اندر گیا کہ کوئی شخص اسکی آہٹ کو نہ پاسکا۔ اُس  
 دوسرے دالان میں چاروں خوبصورتیں وہیں بیٹھنے بیٹھنے بستروں پر پڑی تھیں۔ پھر  
 اور آگے بڑھ کر اگلے کمرے میں گیا تو اسکی آرائش دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں ایک نازنین  
 ایک چراؤ چھپر کٹ پر خواب نازنین سو رہی تھی۔ شہزادے کے دل میں اسکی محبت پیدا ہو گئی  
 اور پلنگ کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ کے آہستہ سے اُسے جگایا۔ شہزادی اپنے پلنگ کو  
 پاس ایک اجنبی مرد نامحرم کو پا کر ڈر گئی۔ مگر فیروز شاہ نے آداب بجا لا کر عرض کی۔ آپ  
 گھبرا کیے مت۔ میں ملک ایران کا شہزادہ ہوں۔ صبح کو اپنے باپ کے ساتھ جشن نوروزی منا  
 رہا تھا اور اسوقت اپنے تئیں ایک اجنبی ملک میں پاتا ہوں۔ اگر آپ کی عنایت میرے شامل حال  
 نہ ہوئی تو ضرور میری جان جا بیگی۔ اُمید ہے کہ آپ غریب نوازی کی راہ سے میرے ساتھ ایسا  
 سلوک روا نہ رکھیں گی۔ وہ شہزادی شاہ جنگال کی بیٹی تھی۔ اسکی اور بھی بہنیں تھیں مگر اسکے  
 باپ نے یہ محل خاص اُسی کے رہنے کو دے رکھا تھا۔ شہزادی نے فیروز شاہ کی ہرگز نشت  
 شکر اسے تسلی دی کہ اسے شہزادے جس طرح تم اپنے باپ کے اُن رہتے تھے اُسی شان  
 و شوکت سے اطمینان رکھو کہ یہاں بھی رہو گے۔ بلکہ تمہیں وہ مقدور حاصل ہوگا کہ تم خود بھی  
 حیران ہو گے۔ فیروز شاہ نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ پھر شہزادی نے پوچھا کہ اب تم بتاؤ۔ کہ  
 تمہارا یہاں آنا کیونکر ہوا۔ اور اپنے دارالسلطنت کو چھوڑ کے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ نیز  
 چوکی پھروں سے گذر کر میری خواجگاہ تک تم کیسے پہنچے۔ اب رات بہت ہو چکی اور خوشیں ہو رہی  
 ہیں۔ مگر تم کو بھی بھوک لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم غیر ہوتے ہی تمہارے کھانے کا  
 انتظام ہو جائیگا اور تمہیں علیحدہ کمرہ آرام کے لئے مل جائیگا اسوقت تمہارا حال بھی سنو گی  
 شہزادی ابھی اپنی بات کو ختم نہ کر چکی تھی کہ وہیں جاگ اٹھیں اور ایک اجنبی کو شہزادی کے  
 پاس کھڑا دیکھ کر حیران ہوئیں کہ یہ جو ان چوکی پھروں اور ہم سے گذر کر شہزادی کے پاس کیسے  
 جا پہنچا۔ شہزادی نے خوشوں کو اٹھا دیکھ کے حکم دیا کہ جلد همان کے لئے کھانا تیار کریں۔



کوئی حادثہ واقعہ ہو جائے تو میں بری الذمہ ہوں۔ بادشاہ کو یہ دیکھ کر بڑا فکر ہوا اور پولا۔  
 تو نے پہلے ہی اسے کہیں نہ بتا دیا۔ ہندوستانی نے جواب دیا۔ آپ بھی دیکھتے ہی سمجھتے کہ اس نے  
 مجھے بات کرنے کی تو فرصت نہیں دی۔ پھر تباہی کا وقت دیتا۔ مگر ایک امید پڑتی ہے کہ  
 شاید جب بہت دور ہو جائے۔ اس وقت اتفاقاً شہزادے کو دوسرا بیچ ہاتھ آجائے اور اس کے  
 بچہ نہ سے وہ زمین پر اتر آئے۔ بادشاہ کہتے لگا۔ باغرض اگر وہ گھوڑا شہزادے کو  
 لے کر پہاڑ یا ندی نالے میں اتر آئے؟ ہندوستانی نے جواب دیا۔ اس سے آپ اطمینان رکھیں  
 پہاڑ پر تو شہزادہ اتر لگا نہیں۔ اور دریا میں اسے گھوڑا ڈوبنے نہیں دیتا۔ خواہ کیا ہی  
 چوڑا پاٹ کیوں نہ ہو۔ وہ تیر کر اسے یاہر لے جائیگا۔ بادشاہ بڑا انگین ہوا اور حکم دیا کہ ایک عینے  
 کی تین جہت دیتا ہوں۔ اگر شہزادہ اس وقت تک نہ آیا تو تیری جان تو لگا یہ کہ حکم دیا کہ اس  
 ہندوستانی کو جیل میں یہ حفاظت رکھا جائے۔ غرض روز کی خوشی تبدیل بدغم و الم ہو گئی۔ اب  
 فیروز شاہ کا حال سنو وہ بدستور ہوا۔ وہ بدستور ہوا میں اڑتا چلا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک پہاڑ  
 پر بھی گئے۔ اس نے چاہا کہ اب زمین پر اترنا چاہئے فوراً اسی بچے  
 کو آ لیا گھمایا مگر کچھ اڑ نہ ہوا۔ وہ بڑا گھبراہٹ والا پس کی کل کا پہلے ہی کہیں نہ چہ لیلیا۔ اب  
 ضرور جان بخت میں جا بیگی۔ پھر باہر میں ہو کر سر اور گردن کو کھولا۔ آخر ڈھونڈنے ڈھونڈتے  
 دائیں کان کے نیچے ایک بچہ نظر آ گیا۔ اسے بھایا تو فوراً اسی تیری سے گھوڑے سے اترنا  
 شروع کیا۔ جس سے وہ اوپر کو چڑھا تھا۔ آخر اوجھی رات کے وقت گھوڑے کے پاؤں زمین سے  
 اٹکے۔ فیروز شاہ بدون بھر کی بھوک پیاس سے سخت مائدہ ہو رہا تھا فوراً کچھ اتراد اتر دیکھنے  
 لگا کہ میں کہاں ہوں۔ آخر اسے معلوم ہوا۔ کہ میں ایک بڑے محل کی چھت پر کھڑا ہوں۔ اس کے  
 بعد اسے نیچے اترنے کے لئے زینے کی تلاش ہوئی۔ اور تجسس سے اس نے زینہ بھی پا ہی لیا  
 جبکہ ایک بچہ اتفاق سے کھلا رہ گیا تھا۔ شہزادے نے چاہے کہ تو چلتا ہوں مگر معلوم  
 نہیں کہ کسی دوست سے مقابلہ پڑ گیا یا دشمن سے تاہم جو ہو گا دیکھا جائیگا۔ تبھی ہنستا دیکھ کر  
 کوئی بھی چہرہ نہ کر لیا۔ جب تک کہ میرا حال نہ دریا نہ کرے۔ یہ سوچ کر نیچے اتر۔ اور  
 اپنے تئیں ایک برس سے دالان میں پایا جس میں چاروں طرف خواجہ سرا دلایتاں لٹکائے ہوئے تھے

ہو گیا اور اراکین دربار پر سے ٹھہارے مگر بادشاہ کے اویہ کا خیال کر کے چپ ہو رہے۔ البتہ  
شہزادہ فیروز شاہ اس بہک کو بروشت نہ کر سکا اور بادشاہ سے کہنے لگا۔ حضور! اگر آپ  
اس ہندوستانی کی درخواست منظور کر لیتے تو ہمارے خاندان کی بڑی بدنامی ہوگی۔ بادشاہ  
نے جواب دیا لیکن ایسی عجیب چیز بھی تو پھر نہیں ملے گی۔ ولیعہد نے جب یہ سمجھا کہ بادشاہ ہندوستانی  
کی مصلحتی قیمت دیکھ کر اٹھ رہا ہے تو بولا۔ اچھا! فوراً مجھے بھی تو اسٹھان کر لینے دیجئے۔ پھر  
بیتا نہ لینا آپ کا اختیار ہے۔ ہندوستانی نے جواب دیا۔ بہت خوب۔ آپ بھی آ رہے ہیں  
فیروز شاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گردن کے بچ کو مروڑ دیا۔ گھوڑا فوراً آسمان کی  
طرف اُڑا اور تھوڑی ہی دیر میں سب کی نقلوں سے غائب ہو گیا۔ تب ہندوستانی بولا۔  
خداوند! شہزادہ نے بڑی جلدی کی اور مجھے فرصت نہ دی۔ کہ اُسے سب حال کھوں  
اور بچوں کا ہناؤں۔ کہ وہ کس بچ سے اوپر جاتا اور کس سے دلیں آتا ہے۔ فقط ایک  
ای کل کو دیکھ کر وہ سوار ہو گیا۔ مگر اُس سے وہ دلیں نہیں آ سکیں گی۔ اس لئے اگر شہزادہ پر  
تصویر فیروز شاہ کے کل کے گھوڑے پر چڑھنے اور اُس کے آسمان کی طرف اڑنے کی



تھا۔ تو روز کا جشن منانے کے لئے اپنے شہر سے باہر گیا۔ امزائے دربار نے حاضر ہو کر تدریس  
 پیش کیں اور تحفے گزارے۔ کارگیر بھی اپنی اپنی اعلیٰ کاریگریوں کے نمونے لائے۔ اور سب  
 نے حسبِ حیثیت انعام پائے۔ ان میں ایک ہندوستانی کارگیر بھی تھا۔ جس نے حاضر ہو کر آداب  
 سجالانے کے بعد ایک کل کا گھوڑا پیش کیا۔ اور عرض کی کہ غلام نے اسکو بہت بڑی محنت اور  
 کارگیری کے ساتھ ایک عرصہ میں خاص حضور کے لئے تیار کیا ہے۔ یقین ہے کہ آج تک ایسا  
 نادر تحفہ کسی نے بھی حضور کی خدمت میں پیش نہ کیا ہوگا۔ بادشاہ نے جواب دیا اس میں کارگیر بھی  
 کی کیا بات ہے۔ لکڑی کا گھوڑا ہے۔ اور اسپر چاندی سونے کے نقش و نگار کئے گئے ہیں یہ  
 کوئی بڑی بات نہیں۔ یہاں کے کارگیر بھی تو ایسی کارگیری دکھا سکتے ہیں ہندوستانی بولا۔  
 نہیں صاحب! اپنے اس میں وہ صنعت رکھی ہے کہ میرے سوا دوسرے کی طاقت نہیں کہہ سکی  
 کیفیت بھی دریافت کر سکے۔ اس گھوڑے میں ایسی کل ہے کہ اگر اسپر چڑھ کر اسے گھمایا جائے  
 تو یہ آسمان کی طرف لے اڑتا ہے اور ایک دوسرے چچ کے مروڑنے سے پھر واپس آ جاتا ہے  
 اگر آدشا وہ تو میں استھانا اسپر سار ہو کے بھی حضور کو دکھا سکتا ہوں۔ بادشاہ یہ سنکر بے اشتیاق  
 بچا کہ اسکا تماشا دیکھے۔ پھر اسے سوار ہر نیکی اجازت دی۔ وہ ہندوستانی اچک کر چاند زین  
 میں جا بیٹھا۔ اور بادشاہ سے پوچھا کہ ہر جانے کا حکم ہوتا ہے۔ جواب ملا وہ سامنا پہاڑ اگچھ  
 زیادہ دور نہیں صرف ڈیڑھ کوں کے فاصلے پر ہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو وہاں جا کر  
 اس کے نیچے جو درخت کھجور کا لگا ہوا ہے۔ اس سے ایک چھ مروڑا اور فوراً آسمان کی طرف اڑا۔ ارکانِ لوت  
 نے گھوڑے کی گردن کے پاس سے ایک چچ مروڑا اور فوراً آسمان کی طرف اڑا۔ ارکانِ لوت  
 اور بادشاہ اس امر کو دیکھ کر واہ واکرے لگے۔ اور پاؤ گھڑی بھی نہ گذری تھی کہ وہ ہندوستانی  
 اٹھ میں کھجور کی شاخ لیکر آتا دکھائی دیا اور طرفۃ العین میں گھوڑے کو زمین پر پکڑا کر کہ  
 وہ شاخ بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اس گھوڑے کی کیا قیمت  
 ہے ہندوستانی سو واکرے جواب دیا۔ میں اسے بیچنا نہیں چاہتا۔ ہاں ایک شرط اور پوری  
 کر دیں تو یہ قیمت میں حاضر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا شرط ہے۔ ہندوستانی کارگیر بولا۔  
 تسامی صاف۔ اگر حضور شہزادی کو میرے عقد میں دیں تو یہ گھوٹا حاضر ہے۔ بادشاہ نے فرمایا

احکام کی بھی تعمیل قبل از اجلاس کر دی کہ جب خلیفہ نے دربار میں اُس لڑکے کو بھی اپنے ساتھ سخت پر بٹھالیا۔ پھر فریقین مقدمہ حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے فرمایا۔ تم اپنے اپنے دلائل اس لڑکے کے سامنے بیان کرو۔ یہی تمہارا فیصلہ کر گیا۔ غرض مدعی اور مدعا علیہ دونوں نے اپنا اپنا حال اُس لڑکے کو سنایا اور تاجر بغدادی انکار کرنے کے بعد قسم کھانے پر مستعد ہو گیا۔ وہ لڑکا بڑا لالچ بھی حلف کی ضرورت نہیں پہلے اس ٹھلیا کو لاؤ۔ چنانچہ ٹھلیا حاضر کی گئی خلیفہ نے خود اُس کا روغن چکھا اور اُن دو روغن فروشوں کو بھی چکھایا جو اسی مطلب کے لئے پہلے سے بلوائے گئے ہوئے تھے۔ سب نے رائے اسی پر قرار دی کہ روغن کا ذائقہ نہیں بگڑا۔ اور یہ اسی سال کا بنا ہوا ہے۔ تو لڑکا بڑا لالچ بھی چکھتا ہے۔ علی خواجہ ڈوسات برس ہوئے اس ٹھلیا کو تاجر بغدادی نے پاہن چھوڑ گیا تھا۔ اس برس کا روغن اس میں کہاں سے آگیا؟ روغن فروش بولے اسکا تمہیں کوئی علم نہیں ہے۔ ہاں! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ روغن جو اس ٹھلیا میں ہے اسی سال کا ہے۔ آخر تاجر بغدادی نے اپنے قصور کا اقرار کیا۔ پھر وہ لڑکا خلیفہ سے کہنے لگا۔ حضور اکل ہم نے اس مقدمے کی نقل کی تھی مگر میں سزا دینے کا مقدمہ نہ تھا۔ اب آپ اس مجرم کو مناسب سزا دیجئے اور علی خواجہ کی ایکڑا اشرفیاں اس سے دلواد دیجئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ تاجر بغدادی کو پچاسی پر لٹکایا جائے اور علی خواجہ کی اشرفیاں جہاں سے مجرم کے نکال گئے اُسے دی جائیں۔ پھر اُس لڑکے کو خلیفہ نے گلے لگا یا۔ خلعت اور ایکڑا اشرفیاں انعام دیں۔ اور باعزاز اس کے گھر پہنچا دیا۔ نیز قاضی شہر کو شرمندہ کیا۔ اگلے دن شہر زادے دیپازاد کے کہنے پر کل کے گھوڑے کا قصہ سنانا شروع کیا اور بولی:-

## کل کے گھوڑے کی حکایت

حضور! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کہ پارسی لوگ نوروز کے دن مدت بامدت سے جشن کرتے ہیں۔ یہ لوگ آسمان ناچ تماچے دیکھتے اور نواورات تختہ بڑے بڑے آدمیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بلکہ دھور دھور کے کاریگرا سنی مصنوعات بادشاہ وقت کی خدمت میں پیش کر کے انعام پاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ فارس کا بادشاہ جرداد دوش میں شہر آنا لگا

روغن زیت کب تک اچھا رہتا ہے۔ وہ برسے اگر بھی احتیاط سے رکھا جائے تو تین سال سے  
بعد اس کا رنگ و مزہ متغیر ہوتا ہے بلکہ پھر اسے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر فرضی قاضی نے  
ان فرضی روغن فروشوں سے کہا۔ اس ٹھلیا کے روغن کو چھکڑ کر کچھ بناؤ کہ اسٹارو روغن کیسا ہے  
فرضی روغن فروشوں نے ٹھلیا سے صبرٹ موٹ روغن زیت کو نکال کر کھنکا اور بوسے یہ کہ بہت  
اچھا ہے اور اسی سال کا معلوم ہوتا ہے وہ فرضی قاضی بولا۔ تم جھوٹکتے ہو۔ علی خواجہ کو  
سات برس ہوئے کہ اس ٹھلیا میں روغن حیر کے تاجر کے گھر رکھ گیا تھا اور تم اس روغن کو ایک  
سال کا بتا رہے ہو۔ وہ فرضی روغن فروش بوسے۔ صاحب! اسکی میں کوئی خبر نہیں مگر بارش  
یہ روغن اسی سال کا ہے۔ چنانچہ تاجر بغدادی کو چھکڑ کر اسے دینے کا حکم دیا۔ اور  
کے لئے آپ حکم دیں۔ فرضی قاضی نے فرضی تاجر بغدادی کو چھکڑ کر اسے دینے کا حکم دیا۔ اور  
اسنے بھی اتوار کیا کہ یہ بالکل بالکل تازہ ہے۔ یہ شکرو فرضی قاضی نے حکم دیا کہ درحقیقت یہ تاجر  
عالم ہے اور اس نے چھانسی پانے کے قابل جرم کیا ہے۔ یہ شکربا رٹسے تالیاں بجانے  
لگے اور اچھلنے کودنے لگے اور اسی رٹسے کو جسے فرضی قاضی نے مجرم قرار دیا تھا سزا دینے  
کے واسطے لگے خلیفہ رٹسے کے فیصلہ پر بیاخوش ہوا اور وزیر جعفر سے فرمایا کہ اس رٹسے کو  
ہیجان رکھ۔ کل اسے میرے پاس دربار میں حاضر کر دو اور قاضی کو بھی حکم دیجو کہ اسے فیصلہ  
کرنے کا سبق اس رٹسے سے لے۔ وزیر علی خواجہ کو کہلا بھیجا کہ اس ٹھلیا کو پہرا لیتا آئے۔ اور  
شہر کے دو روغن فروش بھی قبل از اجلاس دربار میں حاضر رہیں۔ یہ حکم دیکر خلیفہ اپنے محل کو  
چلا گیا اور وزیر اپنے گھر آیا۔ جب صبح ہوئی وزیر اس محلے میں گیا۔ جہاں رات لڑکوں نے  
قاضی کی نقل کی تھی اور سکول کے معلم سے پوچھا کہ آپ کے شاگرد کہاں ہیں۔ اسنے جواب دیا  
ابھی تک کت میں نہیں آئے۔ پھر آدمی بھیجا کہ ان سب لڑکوں اور انکے ماں باپ کو بلا لیا گیا  
جب سب آئے وزیر نے لڑکوں سے پوچھا کہ تم میں سے قاضی کون بنا تھا۔ بڑا لڑکا کہنے  
لگا میں بنا تھا۔ وزیر نے اسے کہا۔ میرے ساتھ محل سے خلیفہ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ سب  
اس رٹسے کی باتیں کرتے مگر وزیر نے اسے تسلی دی۔ کہ میں ایک ٹھری بھرا یہ ہیں اور یہی  
یہ شکربا رٹسے کو صاف ستھرے کپڑے پہنائے اور وزیر کے ساتھ روانہ کیا۔ وزیر نے باقی

کو علی خواجه اور دوسرے کو تا جہ پندادی بنا کر اس لڑکے کے روبرو لگائے۔ چو قاضی بن کے  
 بڑے شکوہ سے بیٹھا تھا۔ اس قاضی نے مدعی کا دعویٰ سنکر تاجر سے پوچھا کہ تو اسکی اثرفیاں  
 نہیں دیتا۔ تاجر پندادی جھٹ حلف اٹھانے پر تیار ہو گیا۔ کہ بیٹے اسکی اثرفیاں کو دیکھا  
 تک نہیں۔ مگر وہ قاضی پر لا قبل اسکے تو حلف اٹھائے۔ میں اس ٹکلیا کو دیکھتا چاہتا  
 ہوں جس میں وہ روغن میرا تھا۔ فرضی مدعی جھٹ ایک ٹکلیا اٹھا لایا اور فرضی قاضی  
 تصویر برکوں کے قاضی بنکر فیصلہ کرتے اور حلیقہ ماروں شید کو خفیہ بھجوں کی



نے مدعی و مدعا علیہ دونوں سے پوچھا۔ کیا بیٹیکو یہی وہ ٹکلیا ہے۔ دونوں نے کہا۔ ہاں صاحب  
 یہی وہ ٹکلیا ہے۔ پھر قاضی نے اسے لیلیا اور کھڑا ساروغشن لگا کر چکھا اور کہنے لگا  
 اسکا مزہ تو بہت اچھا ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ سات سال کے بچہ کیڑہ گیا ہوگا۔ پھر فرضی  
 قاضی نے حکم دیا کہ باز در سے وہ روغن فروخوں کو بلا لاؤ۔ وہ لڑکے اپنے گروہ میں سے  
 دو لڑکوں کو روغن فروش قرار دیکر فرضی قاضی کے پاس لگائے۔ قاضی نے پوچھا کہ

تاجو صاف مگر گیا اور گرج کر بولا یہ بھی ایک ہی ہوتی۔ نیکی کا بدلہ بدی اسی کو کہتے ہیں۔ آپ  
 نے جہاں اور جیسے اسکو رکھا۔ وہیں سے آپ اٹھا لیگئے۔ ابابچہ پر ایسی سخت لگاتے تھے  
 کیا آپ نے اسوقت مجھ سے اسٹریٹیوں کی بابت کہا تھا۔ اسوقت تو صرف روعن کی بابت ذکر  
 کیا تھا۔ اور وہ موجود ہے۔ یہ سنکر علی خواجہ نے گڑگڑا کر التجا کی کہ بھائی میری وہی  
 تمام پونجی ہے۔ میرے حال پر رحم کرو۔ اور میری اسٹریٹیاں مجھے موڑ دو۔ مگر تاجو بغدادی  
 نے جھڑک کر کہا۔ تم بڑے ایماندار آدمی ہو۔ دیکھو پھر مجھے ایسی بات کہی تو میں بڑی طرح میں  
 آؤنگا خود آؤنگا اور یہاں پہنچ بھی نہ آنا۔ علی خواجہ روتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس میں ٹھٹھکے  
 لوگ بھی آجسے ہوئے اور علی خواجہ کی کہانی سنکر بعض اسے قابلِ رحم سمجھتے تھے۔ کوئی کوئی  
 اسے مفری بھی قرار دیتا تھا۔ مگر بہت جلد یہ خبر شہر میر میں مشہور ہو گئی۔ آخر علی خواجہ نے  
 تنگ ہو کر قاضی شہر کے پاس نالش کی۔ قاضی نے پوچھا۔ تیرا کوئی گواہ بھی ہے۔ علی خواجہ  
 نے جواب دیا۔ خدا کے سوا اور کوئی میرا گواہ نہیں۔ نہ ہی میں نے اپنے دوست پر بددیا مٹی کا فخر  
 کیا تھا۔ میرا قاضی نے تاجو بغدادی کو قسم دی اسے فوراً حلف اٹھا لیا کہ مجھے علی خواجہ کی  
 اسٹریٹوں کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ قاضی نے علی خواجہ کا استغاثہ خارج کر کے تاجو بغدادی کو  
 اسٹریٹوں کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ قاضی نے علی خواجہ کے دربار میں اپیل کی خلیفہ نے حکمران کے مدعی اور  
 مدعی علیہ کل حاضر ہوں۔ میں آپ اس مقدمے کو فیصلہ کرونگا۔ اس دن جمعہ تھا اور خلیفہ  
 حسب معمول شام کیوقت بعین بد بکد شہر کی سیر کے لئے نکلا۔ راستے میں ایک جگہ لڑکوں  
 کے کھیلنے کا شور و غل مٹا اور دُور سے دیکھا کہ دس بارہ لڑکے چاندنی میں کھیل رہے  
 ہیں۔ خلیفہ کھڑا ہو کر انکا کھیل دیکھنے لگا۔ چنانچہ ایک لڑکے نے جو نہایت خوبصورت  
 تھا۔ دوسروں سے کہا۔ کہ آؤ۔ ہم تم لڑکے قاضی کا کھیل کھیل دیں۔ میں قاضی بنتا  
 ہوں۔ تم میں سے ایک لڑکا علی خواجہ اور دوسرا تاجو بغدادی بنکر میرے پاس مقدمہ  
 لائیں۔ میں اسکا فیصلہ کرونگا۔ خلیفہ ان دونوں کا نام سنکر حیران ہو اسیونکہ ابھی آج  
 ہی اس مقدمے کی بابت اس کے پاس ایک عرصتی آچکی تھی۔ سوچنے لگا۔ کہ بلا  
 مشہور مقدمہ ہے جسے شہر کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ غرض وہ لڑکے اپنے اپنے سے ایک



عورت روغن زیت کی بڑی شایق تھی۔ بولی۔ میرا جی روغن زیت کا برا خواہشمند ہے۔ تاجر دلا  
 ہاں مجھے یاد آگیا۔ علی خواجہ سات برس ہوئے۔ صبح کو جاگے وقت میرے گدام میں روغن  
 زیت کی ٹھلیا امانت چھوڑ گیا تھا۔ اور اسکا آج تک واپس نہ آنا مجھے شک میں ڈالتا ہے۔  
 کہ کہیں راستے اسی میں تمام نہ ہو گیا ہو۔ اور اسکا روغن بگڑ نہ گیا ہو۔ تو اُمس میں سے تھوڑا سا  
 نکال کر تم کھا سکتی ہو۔ ذرا مجھے ہی ایک دکانی اور دیا لا دو تاکہ میں تھوڑا سا اُس میں سے نکال  
 لاؤں۔ اُسکی بی بی بڑی ایماندار اور صاحب دیا ت عورت تھی اُس نے منع کیا کہ امانت میں  
 خیانت کرنی چھٹک نہیں۔ مگر اُس نے ایک نہ سنی اور خود دکانی اور دیا لیکر گدام کی طرف روانہ  
 ہوا اور کوٹھڑی میں جا کر ٹھلیا کا منہ کھولا وہ روغن سر کے متعفن ہو گیا تھا۔ تاہم سوداگر  
 نے اُسے پلٹ ہی لیا۔ اتفاقاً اُس میں ایک اشرفی بھی نکل آئی۔ اشرفی کو دیکھتے ہی تاجر نے  
 کسی دوسرے برتن میں سارا روغن اُلٹ دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نیچے بری اشرفیاں سی جری  
 ہیں۔ روغن صرف دھوکا دینے کے لئے اور پراپر ہی ڈالا ہوا ہے۔ سو وقت تو اُس نے تب کچھ  
 ٹھلیا میں ڈال دیا۔ اور عورت کو اس کے کہ دیا۔ کہ فی الواقع روغن سر گیا ہے۔ مگر رات بھر اُس نے  
 نہ آئی۔ وہ سوچتا تھا کہ کب دن چڑھے۔ اور میں علی خواجہ کی اشرفیوں کو اپنے قبضہ میں لاؤں  
 جب صبح ہوئی سوچ نکلا وہ بازار گیا۔ اور تازہ روغن زیت لاکر اشرفیوں سمیت اگلا روغن نکال  
 اُسکی جگہ بنایا پھر دیا اور ٹھلیا کا منہ چوں کا توں بند کر دیا رکھ دیا۔ اتفاقاً ایک ہی صبح  
 بعد علی خواجہ بھی بغداد میں آیا اور اپنے اُس دوست کو بلنے گیا۔ تاجر بغدادی اُس سے ملکر  
 بظاہر نہایت خوش ہوا۔ پھر علی خواجہ نے اپنی امانت مانگی۔ سوداگر بولا۔ صاحب! مجھے  
 کیا معلوم؟ آپ نے اُسے کہاں رکھا تھا وہ چابی لیجئے اور جہاں ٹھلیا رکھی تھی وہیں سے  
 لے لیجئے۔ علی خواجہ خوشی خوشی چابی لے ٹھلیا کو نکال لایا اور اپنے دوست کا شکریہ ادا  
 کیا۔ مگر جب گھر جا کے اُسے کھولا اور اُس میں اشرفیوں کا نشان بھی نہ پایا اُس نے پاؤں دالیر  
 اُس کے اپنے دوست سے کہنے لگا۔ بھائی مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں نے صبح جاگے وقت اس ٹھلیا  
 میں ایک تار اشرفیاں رکھی تھیں مگر سو وقت اس میں سے مجھے ایک بھی نہیں ملی۔ اسکا کیا پتہ  
 ہے۔ اگر تم نے کسی ضرورت پر انہیں صرف کیا ہے تو کوئی سچ نہیں۔ جب پاس ہوں میں دیکھتا

سے بہت سی دولت باز کر لایا۔ پھر اپنے بیٹے کو بھی اس غار سے اطلاع دیدی اور دونوں نے عمر بھر اس دولت کے سبب بڑی عیش و عشرت سے بسر کی۔ ایک دن شہزادہ بولی

### علی خواجہ اور تاج بغدادی کی حکایت

خلیفہ ارون الرشید کے زمانے میں علی خواجہ نامی ایک شخص رہا کرتا تھا۔ اُسکے نہ کوئی جوہر  
مقی اور نہ لڑکا۔ اُنکے وہ علی خواجہ نے متواتر تین رات خواب میں کسی بزرگ کو حج کے  
لئے نصیحت کرتے دیکھا۔ علی خواجہ نے یہ خواب دیکھ کر اپنا گھر بار اور مال و سبب بیچ ڈالا۔  
اور ایک قافلے کے ساتھ چلنے کی ٹھکان لی۔ مگر جانے سے پہلے زادراہ کے لئے روپیہ لگ  
کر کے ایک ہزار اشرفیاں ایک ٹھکانا میں بند کر اور پورے روعن زیتون بھر اپنے ایک قافلے  
دوست کے اُن امانت رکھ دیں۔ کہ میں اس روعن کی ٹھکانا کو آئے بیٹوں گا۔ وہ شخص بڑی  
پیشہ تھا اسے اپنے گدام کی چابی علی خواجہ کو دی کہ آپ اسی جاکے اسے کسی جگہ رکھ آؤ۔  
میں ماہر نہیں لگانا چاہتا۔ عرض علی خواجہ نے ٹھکانا کو اُسکے گدام میں ایک محفوظ جگہ پر  
رکھ چابی اُسے واپس لا دی اور کچھ اسباب تجارت اور ٹول پر لا کر قافلے کے ساتھ اس کے کھیت  
رہا نہ ہوا۔ جب فراہنگ حج سے فراغت پالی۔ اسباب تجارت نکال گئے ایک دوکان پر بیٹھ گیا  
ایک دن دو سوداگر اُسکی دوکان کے سامنے سے گزرے اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ اگر یہ  
شخص اپنے اسباب کو لیکر مصر میں جائے تو یقیناً بڑا نفع پائے۔ علی خواجہ پہلے سے مصر کی  
سیر کا خواہشمند تھا۔ بغداد کا خیال چھوڑ کے مصر کی طرف روانہ ہوا۔ اور قاهرہ میں چمکا اپنا  
اسباب منافع کثیر فروخت کیا اور ہنگ کی سیڑی لکھ لکھی۔ پھر وہاں کا اسباب تجارت  
خرید کر دمشق کا رخ کیا۔ راہ میں روسلیم اور اُسکی مسجد کی زیارت کی۔ پھر دمشق میں پہنچا  
اور اُسکی زر خیزی و سرسبزی دیکھ کر بغداد کی کیفیت بھول گیا۔ دمشق سے حلب حوصلہ خیر  
کی سیر کے لئے نکل گیا اور وہاں سے سات برس کے بعد بغداد میں پہنچا۔ اب تاج بغدادی  
کی سنتے۔ اس عرصہ میں نہ تو اسے علی خواجہ کی یاد آئی۔ نہ اُسکی امانت کا خیال کیا ایک دن  
شام کے وقت وہ اپنی بی بی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا کہ روعن زیت کا ذکر چھڑا۔ اُسکی

# تصویر جیسا کی تکرار ہاتھ میں لیکر ناچے گاتے اور عبداللہ کے طلبہ بجا نیکی



کے کپڑے کھولے تو ایک پیش قرض چھپی ہوئی پائی اُسے مر جیسا کو کھلے لگا کر آرا دکھیا اور اپنے  
 بیٹے نے کہنے لگا۔ تم میرے سعادتمند بیٹے ہو۔ اسلئے میں تمہیں اون دیتا ہوں کہ تم مر جیسا کو  
 اپنے نکاح میں لے لو۔ اُسے کئی دفعہ بڑی عقلمندی کے ساتھ ہماری بیان بجا پائی ہے۔ پھر درج  
 حسن کو باغ میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ کئی روز کے بعد مر جیسا اور علی بابا کے بیٹے کا آپس میں  
 نکاح ہو گیا۔ اور وہ لوگ برے امن و چین سے رہنے لگے اور بدقول امن واقعہ کی خبر  
 تک نہ ہوئی۔ علی بابا نے کھادوں کے دھڑ سے اُس غار کا چارنا موقوف کر دیا۔ پھر اکیڈن اتفاق  
 سے اُس کا گدراؤ ہو گیا اور اُسی راز سے اُس کا دروازہ کھول کر اندر گیا دیکھا کہ سب سامان چور  
 کا توں رکھا پڑا ہے۔ اُسے یقین ہوا کہ اب کوئی ڈاکو باقی نہیں رہے۔ اسلئے وہ کئی دفعہ وہاں

کھانے کی وجہ معلوم ہوئی۔ غرض وہ دسترخوان پر کھانا لٹکا کے علی لگی اور تیاری کرنے لگی کہ  
خواجہ حسن کا کام ختم کر کے اپنے آقا کو اسکے فریب سے محفوظ رکھے۔ جب علی بابا اور اسکے  
نہان کھانے سے فراغت پا چکے۔ عبد اللہ نے خبر دی کہ میرے بچل۔ مرجینا نے دسترخوان  
پر مارکر سو وکی تشتریاں چن دیں۔ اور پھر ایک چوکی پر شراب کی بوتل اور تین گلاس لیا رکھے  
اور آپ عبد اللہ سمیت کھانا کھانیکے بہانے یا ہر علی آئی۔ خواجہ حسن نے سوچا۔ اب موقع  
ہے کہ میں علی بابا سے اپنا بدلہ لوں۔ مگر جب تک نوکر کھانا کھانے میں مصروف نہ ہو لیں میں  
اپنے کام کو اچھی طرح سے نہیں کر سکتا۔ اسوقت علی بابا کا میٹھا میرا مانع آگیا تو اُسے بھی  
کھانے لگا کہ باغ کے راستے یا ہر نکل جاؤنگا۔ اسکے اس عندیے کو مرجینا نے بھی اُسکی  
چتروں سے تاثر لیا اور کمرے میں جا کر جلد سی جلد سی ناچنے والیوں کا جلسہ بدلا اور  
عبد اللہ کو کہتے لگی۔ کہ اپنا طلبہ پکڑو اور جلد اپنے آقا کے نہان کو گاجا کر خوش کریں۔  
غرض وہ لوٹنے والے آگے سب کو سلام کیا اور اجازت گانے بجانے کی حاصل کی۔ خواجہ  
حسن تو بڑا کر دھا۔ مگر علی بابا نے جواب دیا۔ ایسا گاؤ کہ ہمارا دوست خواجہ حسن خوش ہو جائے  
پھر عبد اللہ نے طلبہ بجاتا اور مرجینا نے ایک خنجر نکال کر گانا اور ناچنا شروع کیا۔ کبھی تو وہ  
خنجر کو بھلی میں داب لیتی کبھی پیٹ پر رکھتی۔ غرض اُنے خنجر کے ناچ کا ایسا پارٹ فریڈار  
کیا کہ سب خوش ہو گئے۔ پھر عبد اللہ سے طلبہ لیکر ایک ماٹھ سے اُسے پکڑا اور دوسرے  
میں خنجر پکڑ کر انبیوں کے معمول کے مطابق علی بابا سے انعام لینے کے لئے آگے بڑھی۔ علی بابا  
نے ایک اشرفی اُسکے طلبہ میں ڈال دی۔ پھر علی بابا کے لئے بھی اسی طرح ایک اشرفی دی  
یہ دیکھ کر خواجہ حسن بھی پہلے ہی اشرفی نکالنے میں مصروف ہو گیا۔ مرجینا نے اس موقع کو  
مناہت سمجھ کر فوراً خنجر اسکے پیٹ میں گھیسڑ دیا کہ خواجہ حسن تڑپ تڑپ کر چند منٹ میں سہو کر گیا  
علی بابا اور اُسکا بیٹا یہ دیکھ کر مرجینا پر ناراض ہوئے۔ مگر وہ بولی۔ آپ خفا نہ ہوں۔ پہلے  
اس شخص کو غور سے دیکھ لیں۔ کہ کیا یہ وہی تیلی نہیں ہے جو اُنہوں فریب سے آگے جا کر  
لینے لگا تھا۔ آج بھی اُسکا نہک نہکائی کی یہی وجہ تھی۔ کہ یہ شخص موقع پا کر آپ کو قتل کر چاہتا  
تھا۔ فوراً اسکے کپڑے کھولئے۔ تو آپ کو میزری بات کا یقین ہو جاوے گا۔ غرض علی بابا نے خنجر

دوسرے دن جب معمول علی بابا کا لڑکا اور خواجہ حسن میر کے لئے نچلے بوقت مراجعت علی بابا کا لڑکا  
اُسے اپنے باپ کے کوچے میں لے آیا۔ جب گھر کے دروازے پر پہنچے اُسے خواجہ حسن کو  
وہیں ٹھہرا دیا اور آپ دروازہ کھلوا دیا۔ پھر خواجہ حسن سے کہنے لگا۔ یہ گھر میرے باپ کا ہے  
جب سے اُسے میرے ساتھ تمہاری محبت کا حال سنا ہے۔ تمہارے دیکھنے کا مشتاق  
ہے۔ اگر اندر چل کے اُس سے ملاقات لیجئے تو میری کمال خوشی کا موجب ہو گا۔ اگرچہ خواجہ  
حسن خدا سے اسی موقعہ کا طلبگار تھا مگر اس وقت اُسے اندر جانے سے تامل کیا۔ اور چاہا کہ  
کوئی بہانہ بنا کر چلا جائے۔ مگر علی بابا کا لڑکا اسے منت و سماجت کر کے اندر لے ہی گیا۔ خواجہ  
حسن علی بابا کو دیکھتے ہی کمال شگفتگی کے ساتھ ملا۔ علی بابا نے بھی بڑے تپاک سے ملاقات  
کی اور حیرت مزاج پوچھی۔ پھر کہنے لگا میں اپنے بیٹے سے تمہاری عنایات کا ذکر سن سکتا  
تمہارے دیدار کا کمال اشتیاق رکھتا تھا۔ الحمد للہ کہ آج خدا نے میری آرزو کو پورا کیا۔  
خواجہ حسن نے بھی علی بابا کے ساتھ احتکاط و محبت کی باتیں کیں اور تھوڑی دیر کے بعد  
رضعت مانگی۔ علی بابا نے جواب دیا۔ صاحب! آپ اب کہاں جا بیٹھے۔ میں نے تو تمہاری  
دعوت کی ہے۔ برائے مہربانی کھانا کھا کے جانا۔ اگرچہ وہ آپ کے قابل نہیں ہے۔ تاہم  
میری خاطر سے تھوڑا سا فرش فرمایا لیجئے گا۔ خواجہ حسن نے کہا۔ میں آپ کی عنایات کا از حد  
مشکور ہوں۔ مگر ایک امرا یہ ہے۔ جس سے میں زیادہ دیر تک نہ تو ٹھہر سکتا ہوں اور  
نہ کھانا کھا سکتا ہوں۔ مجھے دیر سے ایک ایسی بیماری لگ گئی ہے کہ میں تک بالکل نہیں  
کھاتا اور آپ کے ہاں بے تک کھانا ہو گا نہیں۔ اسلئے مجھے معاف ہی رکھئے۔ علی بابا نے  
جواب دیا۔ خیر! تو یہ ایک معمولی بات ہے۔ میں ابھی جا کے باورچی کو منع کئے دیتا ہوں۔  
یہ کہ علی بابا باورچی نہ میں گیا اور مرغیہ سے کہا کہ کچھ کھانا بے تک پکائیو۔ وہ بولی۔  
بے تک کھانا کون کھا بیٹھا۔ علی بابا نے جواب دیا۔ کوئی ہو۔ تجھے اس سے کیا؟ مرغیہ نے کہا  
بہت اچھا۔ مرغیہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ آدمی ہے کون؟ جو تک نہیں کھاتا۔ ذرا میں بھی  
تو چلے دیکھوں۔ غرض کھانا تیار کر کے ساتھ عبد اللہ کو لیا۔ اور دیکھتے ہی خواجہ حسن کو چھان  
پھر بخور دیکھ کر معلوم کیا کہ اسکے کپڑوں میں ایک خنجر بھی چھپا ہوا ہے۔ اب اُسے بے تک کھانا

غلام عبد اللہ نے اپنے سچو اپنے کے باغیں ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور ان لاشوں کو بھی مقوی  
 دیا۔ ہتھیار اور کپڑے ذخیرے میں رکھے۔ پھر اپنے غلام کے آٹھ ایک ایک دو دو کر کے کپڑے چھڑ  
 اور ہتھیار بازار میں بکوا دئے اور اپنی حالت ایسی بنائی رکھا کہ کسی کو اُسکے متوکل پر شک نہ کرے  
 غرض ڈاکوؤں کا سردار وہاں سے بھاگ کر اسی جنگل میں چلا گیا اور سوچنے لگا کہ کسی طرح اکیلے  
 ہی علی بابا کی جان لی جی چاہئے ورنہ وہ سب دولت لیجا لیگا۔ یہ سوچ کر دوسرے دن شہر کی  
 ایک کاروانسرا میں جا اُترا اور مالک کاروانسرا سے شہر کے کسی تازہ واقعہ کی کیفیت پوچھی  
 اُسے اس عرصے میں جو باتیں ہوئی تھیں سب سنا دیں۔ مگر علی بابا کا ذکر بھی نہ کیا۔ اُس ڈاکو  
 کا خیال تھا کہ اس قدر خردوں کے اُسکے گھر سے نکلنے کی وجہ کو ال سے ضرور پوچھی ہوگی اور اب  
 ایک اُنکے عرض میں علی بابا کو بھانسی پر لگا دیا ہوگا۔ مگر یہ معلوم کر کے کہ علی بابا کا نام بھی  
 کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ ڈاکوؤں کا سردار اُسکی ہوشیاری پر عیش عیش کر اُٹھا اور ڈاکو اپنے  
 ہوشیار شخص کے آٹھ سے اپنی جان کا بھی خوف ہے۔ باوجود اس خیال کے اُس نے انتظام  
 کی بھان لی۔ اور چونکہ میں ایک دوکان کر اُسے پر لیکر اُس غار سے قیمتی اسباب از قسم پارچہ  
 وہاں لا کر کما۔ اتفاق سے یہ دوکان قاسم کی دوکان کے سامنے واقع تھی جس میں اب  
 علی بابا کا بیٹا بیٹھا تھا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اپنا نام خواجہ حسن مشہور کیا اور ارد گرد کے  
 دوکانداروں سے راہ و رسم پیدا کر کے ہر ایک کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آتا تھا خصوصاً  
 علی بابا کے بیٹے کا تو وہ نہایت ہی عزیز دوست بن گیا اور اکثر اُسی کے پاس نشست و برخاست  
 رکھنے لگا۔ کئی دن بعد اُس نے علی بابا کو جو اپنے بیٹے کو لینے جایا کرتا تھا۔ پہچانا۔ اور اُسکے  
 لڑکے سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا میرا باپ ہے۔ خواجہ حسن پھر تو اُس سے اور  
 بھی محبت ظاہر کرنے لگا۔ تاکہ کوئی موقع اُنکے گھر میں داخل ہونے کا حاصل کرے۔ کئی دفعہ  
 شخص بھی دئے اور بالکل کھلنے پکڑ کر اُسکی دعوت کیا کرتا۔ علی بابا کے بیٹے نے بھی  
 انکھن اُسکی دعوت کرنی چاہی۔ مگر چونکہ اُسکا مکان مختصر اور تنگ سا تھا اسلئے اپنے باپ سے  
 ڈر کر کیا۔ اُسکے باپ نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ کل جسے کا دن ہے تم اُسے بے اطلاع دئے  
 ملتے ہوئے میرے گھر آؤ۔ میں مرجینا کو دعوت کا سامان مہیا رکھنے کا حکم دے دوں گا

سردار سمجھ کر پوچھے کیا وقت آگیا ہے۔ مرعیانے جواب دیا نہیں۔ ابھی نہیں۔ وہ جس کپڑے سے پاس جاتی ہی آواز سنتی اور سب کو ایک ہی جواب دیتی جاتی۔ آخر اڑتیسویں کپڑے سے تیل لیا اور آگے چراغ جلا دیا۔ اُسے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ تاجر ٹھگ ہے۔ اور میرے آقا کو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے چلے پر ایک بڑی دیگ رکھ کر اُس کپڑے میں سے تیل نکال کر مرنے لگی۔ جب تیل غروب جلتا بلتا ہو گیا تو دیگ میں سے ایک ایک لوہا بھر کے ہر ایک کپڑے میں ڈال دیا۔ جس سے وہ سینتیس جوان وہیں جل کے مڑے ہو گئے۔ اس ہم سے کامیابی فراغت حاصل کر کے پھر وہ باورچٹانہ میں آ کر لیٹ رہی اور انتظار کرنے لگی کہ دیکھوں اب انکا سردار کیا کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ گزرا ہو گا کہ ڈاکوؤں کا سردار جاگا اور اپنے کمرے کے دروازے کو کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ کہ اندھیرا اچھا یا ہوا ہے۔ پھر اپنے آدھروں کو آواز دی۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ سمجھا سو نہ گئے ہوں۔ اسلئے خود ہر محل کے صطبل میں گیا۔ اور جس کپڑے کے پاس جلے اُسے ہلایا۔ اسیں سے جلے ہوئے مڑے کی بو کی بجائے ٹھنکی۔ جب سب ساتھیوں کا کام تمام ہو گیا۔ پھر اڑی کی دوکان پہنچ کر ٹھل گیا۔ مرعیانے دیر تک اُسکا انتظار کیا۔ سمجھی کہ اب نہیں آئیگا۔ غرض پھر بیٹھ کر سوئے سو رہی۔ جب صبح ہوئی علی بابا حاکم گیا۔ اور واپس آئے اُن کپڑوں کو وہیں رکھے پایا۔ مرعیانے پوچھا کیا وہ ٹھگ ابھی تک نہیں گیا۔ مرعیانے جواب دیا۔ خدا آپ کو صدوسی سال تک زندہ و سلامت رکھے۔ ذرا میرے ساتھ آئیے۔ علی بابا اُسکے ساتھ صطبل میں گیا۔ مرعیانے ہر سے دروازہ بند کر کے اُسے ایک کپڑے کے پاس لیگی اور بولی۔ دُرے مت۔ اب یہ مرچکا ہے۔ علی بابا نے پوچھا۔ اُسے کس نے مارا۔ وہ بولی سب کپڑوں کا معاہدہ کر لیں۔ پھر میں سارا حال عرض کر دے گی۔ غرض علی بابا نے سینتیس ہتھیار بند جوانوں کو کپڑوں میں مڑے پاکے بڑی حیرانی ظاہر کی۔ پھر مرعیانے سب حال بیان کیا اور بولی۔ مجھے کئی دن کے شیمے پڑ رہے تھے۔ مگر پہلے بیٹے آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ علی بابا نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور بولا میری جان محض تیری ہی بدولت بچی ہے۔ اب جو ترکے میں بیڑے ساتھ وہی سبکدوش ہوئے۔ مرعیانے بولی پہلے ان مردوں کو ہٹانے لگا۔ دیکھئے دن نکلا آتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ پھر علی بابا اُسکے



پر ہنچ کر دستک دی۔ علی بابا ہمیں اسی وقت کھانا کھا کے چل قدمی کر رہا تھا۔ دستک دینے کے بعد خود آگے آیا۔ سردار قزاقاں نے اُس سے صاحب سلامت کی اور بولا۔ میرا گھر فلان گھاؤں میں ہے اور میں وہاں سے تیل لاکر شہر میں بھی کرتا ہوں۔ آج رات سے میں بڑی دیر ہو گئی۔ اس لئے دیر سے یہاں پہنچا ہوں اب فکر ہے کہ رات کہاں بسر کروں۔ اس لئے آپ سے التجا کرتا ہوں کہ اگر اپنی جہلی کے میدان میں آج رات چھروں سمیت بسر کرنے کی اجازت دیں تو بڑا مشکور ہو گا۔ علی بابا نے اُسکی درخواست منظور کی اور ایک مکان خالی کرادیا کہ یہاں رات بسر کرو۔ پھر ایک غلام کو چھروں کے دانہ پانی کی نگرانی کے لئے حکم دیا۔ اور مرجینا کو تندی سے کہا۔ ایک گمان آیا ہے کہ اسکے لئے حیلہ کھانا لا۔ اور دینک پر پھرنے کے بعد کہہ۔ جب ڈاکوؤں کے سردار نے پکے کر مارنے سے فراغت پائی تو علی بابا نے اُسکی بڑی خاطر کی۔ پھر اسکے اور وہی مرجینا کو بلا کے حکم دیا۔ کہ ہاں ہے گمان کی خبر رکھنا اور میں علی صبح ہی حاکم کرونگا۔ کپڑوں کا ایک نیا جوڑہ نکال کے عید اللہ غلام کو دیدینا۔ پانی بھی گرم رکھنے اور فجر کے پینے کے لئے شور با بھی رات بھر ہی تیار کر رکھنا۔ یہ کہہ کر علی بابا تو سوزنا اور وہ سردار صطیل کی طرف گیا۔ چھروں کا دانہ گھاس دیکھ کر ہر ایک کپڑے کے نزدیک جا کر آہستہ سے کہا۔ خبردار رہنا! آدھی رات کے بعد میں آواز دوں گا۔ فوراً کپڑوں کو بھاڑ کر نکل آنا۔ اسکے بعد وہ غواہ گاہ میں آیا۔ مرجینا روشتی لئے اُس کے ہمراہ تھی۔ اُس نے پوچھا۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو فرما دیجئے۔ اُس نے گھنگ نے جواب دیا نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔ تم اب جانے چائے اپنا کام دیکھو۔ یہ سن کر مرجینا تو جلی آئی اور گھنگ چراغ گل کر کے سوچنے لگا۔ ایک فیہ سو کے دشمنوں کا تو اپنے آدمیوں کو آواز دوں گا۔ اور مرجینا نے کپڑوں کا جوڑا نکال عید اللہ کو دیدینا اور خود شور با چلے پڑ پڑ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے شویا دیکھنے کے لئے چراغ کی ضرورت پڑی۔ مگر اتفاق سے سب چراغ گل ہو گئے تھے اور گھر میں تیل بھی نہ تھا۔ عید اللہ سے پوچھا۔ اب کیا کیا جائے۔ وہ بولا۔ تیل کا فکر کیوں کرتی ہو۔ گھر میں اڑتیس کپڑے تیل کے برے پڑے ہیں۔ صطیل میں ذرا جا کے دیکھو تو۔ اور جتنا تیل دیکھو کار ہو۔ وہاں سے لے آؤ۔ یہ سن کر مرجینا نے عید اللہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور صطیل میں تیل لینے لگی۔ کپڑوں میں چھپے ہوئے جواؤں کو جب مرجینا کے پاؤں کی آہٹ آئی۔ اپنا

خزانے کی طرف مڑ گئے۔ اور جب سب ساتھی اکٹھے ہو چکے اس شخص کو جو پہلے دعویٰ کر کے گیا تھا۔ اور پھر تا کام آ یا تھا۔ سب کے سامنے سزا دی گئی۔ سردار نے پیر کہا۔ جو شخص مجھے میرے چور کا پتہ بتائیگا۔ میں اُسکے ساتھ نیک سلوک کروں گا۔ یہ سنکر ایک دوسرا آدمی اُس کے اور پولا۔ اسے سردار! میں تیرے چور کا پتہ لاتا ہوں۔ یہ کہا اور فوراً وہاں سے چکر مٹھنے لگا اور دو کاچر آیا اور اُسے کئی اشرفیاں دیکر پہلے ڈاکو کی طرح علی بابا کے بھائی کے گھر لیگیا۔ اور اُسکے دروازے پر سُرخ سے نشان کر کے جگل کو لوٹ گیا۔ سردار کو جا کے خبر دی۔ کہ میں پتہ لے آیا ہوں۔ چلئے آپ کو بھی دشمن کا گھر دکھا دوں۔ مگر صیبا اب ہر وقت چوکنی رہتی تھی۔ آج اُسے دروازے پر سُرخ نشان دیکھ کر سارے محلہ کے دروازوں پر ویسے ہی نشان دیرئے۔ اور چکی ہو رہی۔ غرض وہ ڈاکو بڑی بہادری سے اپنے سردار اور کئی ساتھیوں کو ہمراہ لایا۔ مگر اُس محلے میں اُسکے کیا دیکھتا ہے کہ ہر گھر کے دروازے پر ویسے ہی سُرخ نشان ہو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسکا رنگ زرد ہو گیا اور شرمندہ ہو کر لوٹ آیا۔ سردار نے واپس آ کر اُسے بھی وہی سزا دی جو پہلے کو دی تھی۔ آخر یہ سوچ کر کہ آدمیوں سے یہ کام نہ ہوگا خود مصطفیٰ کے پاس آیا اور اُسے کئی اشرفیاں دیکر قابسم کا مکان دکھانے پر رہنمی کر لیا۔ مصطفیٰ اُسکے ساتھ آیا اور اُسے وہ مکان دکھا دیا۔ ڈاکو اُس کے سردار نے اُس مکان پر ظاہری نشان کوئی نہ کیا۔ البتہ اُسکے نقشہ کو ذہن میں بٹھا کر جگل کی طرف لوٹ گیا اور اپنے ساتھیوں سے پولا میں اُس مکان کو خوب پہچان آیا ہوں۔ اب تم کہیں سے انیس چھ لالہ اور اڑتیس لکے۔ جن میں سے ایک تیل سے بھرا ہوا اور باقی کے سینتیس خالی ہوں۔ غرض سب سامان دُسیا کر لیا گیا اور اگلے دن شام کے وقت ہر ایک خالی پٹے میں ایک ایک جان مسلح ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر دو دو پٹے ایک ایک خچر پر بار کئے اور پتیلیوں کی شکل بنا کر وہ سردار قزاقان علی بابا کے بھائی کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ جس میں اب علی بابا نے آ کے سکونت اختیار کر لی تھی۔ سردار نے سب کو سمجھا دیا تھا۔ کہ ہم اپنے چور کے مکان میں جا کے رات بسر کرینگے اور آج رات کے بعد جب ہم تمہیں اشارہ کروں۔ کپڑوں کو بھاڑ کے فوراً باہر آ جانا اور اپنے چور کو قتل کر کے جھنڈ ڈالو۔ وہ ہماری لیگیا ہے۔ ہم اُن خچروں پر آباد کر لینگے۔ غرض علی بابا کے مکان کے دروازے

مجھے اُس مکان کا پتہ بنا دو یا چلکے دکھا دو۔ کہ میں تمہارا بڑا مشکور ہوں گا۔ مصطفیٰ نے جواب دیا ایک عزت یہاں سے میری آنکھوں پر روال بانڈھ کے لیگی تھی۔ اور پھر یہیں آنکھوں پر روال بانڈھ چھوڑ گئی۔ ایسی حالت میں میں کہیں کیسے اُس مکان کا پتہ پتا کر سکتا ہوں۔ تنگ نے کہا میں تمہاری آنکھ پر پٹی بانڈھ دیتا ہوں اور تم انگل سے اسی طرف چلو۔ پھر وہ تمہیں لیگی تھی۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ شاید اسی طرح سے اُس مکان کا پتہ پتا کر کے اور تمہاری اس نذرانی کے عوض ایک اشرفی تمہیں اور دو لگا۔ یہ کہنا ایک اور اشرفی جیب سے نکال اسکے ماتھے پر رکھ دی۔ مصطفیٰ نے لہجہ میں آکر آنکھوں پر پٹی بانڈھ لی اور اپنی باد وشت کے پھر سے قابض کے مکان کی طرف ڈاکو کو لیچا۔ اور ٹھیک وہیں پہنچ کر ٹھہر گیا کہ یہیں وہ عورت مجھے لائی تھی۔ تنگ نے اُس دروازے پر چاک کا نشان لکھ دیا اور مصطفیٰ کی آنکھیں کھول ڈالیں۔ پھر اُس سے مکان کے مالک کا نام پوچھا۔ مصطفیٰ نے جواب دیا۔ میں اس محلے کے لوگوں سے واقف نہیں۔ اس لئے اسی مکان کے مالک کا نام نہیں پتا کر سکتا۔ ڈاکو نے سمجھا کہ مصطفیٰ سے اور حال نہیں معلوم ہو گا۔ ناچار اُس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے رخصت ہوا اور بیدھا چیلنگ میں اپنے سردار کے پاس آیا۔ مزید اتفاق سے اُن وقت کسی کام کے لئے باہر گئی ہوئی تھی۔ جیسے اُس آئی اپنے دروازے پر چاک کا نشان دیکھ کان کھڑے ہو گئے۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کام ضرور کسی دشمن کا ہے۔ یہ سوچ کر محلے کے سب دروازوں پر ویسے ہی نشان بنادئے اور کسی کو اس راز سے اطلاع نہ دی۔ اور ضرور ڈاکو جب اپنے جتنے میں پہنچا۔ اُن سے سارا حال بیان کیا۔ جس کے ساتھی سردار سمیت ایک ایک کر کے شہر میں آئے۔ اور جب وہ ڈاکو اپنے سردار کو مکان کی شناخت کر لئے گیا۔ دیکھتا ہے کہ سارے محلے کے دروازوں پر ویسے ہی کھڑا کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ جیسا اپنے مطلوبہ گھر کے کر گیا تھا۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اور اپنے سردار کے ساتھی اُسے سخت شرمندگی آسانی پڑی۔ آخر مہذرت کے وال سے دو نوٹ کئے۔ وہ پہلا ڈاکو جو اپنے سردار کو اپنے دشمن کا مکان دکھانے آیا تھا۔ حیران تھا کہ دروازوں پر ویسا ہی نشان کیسے بن گیا۔ آخر وہ چوک میں آئے۔ اور راستے میں اُن سے جو ساتھی ملتا گیا۔ ہر ایک کو بات پتا کرتے گئے کہ ہمیں ناگامی ہوئی ہے۔ تم سب لوٹ جاؤ۔ غرض سب کے سب اپنے

خوشخبر بیان لگا جتا رہے ہیں رکھ دیا۔ اسٹیج میں علی بابا بھی آ پہنچا اور دو نوٹے ملکہ جتنے  
کو قبرستان میں لیجانے کی تیاری کی۔ مہر جینا جاسکے ایک امام مسجد کو بلا لائی۔ اور جب وہ  
آگیا چار ہنسائیوں نے جنازے کو کندھوں پر اٹھایا۔ پھر قبرستان میں لیا کر نماز جنازہ  
ادا کی۔ اور علی بابا اور چاروں ہمسائے جنازے کو دفن کر کے واپس آ گئے۔ قاسم کی  
بی بی اور مہر جینا روپیٹ رسی تمہیں آخر نبلی یا بانے چالیس روز تک اپنے بھائی کا ماتم کیا  
مچنے کی عورتیں آئیں اور تسلی کی باتیں کر کے چلی جاتیں۔ مگر علی بابا۔ بیوہ قاسم۔ مہر جینا اور  
علی بابا کی بیٹی کے سوا اہلی بدراز کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ غرض جب ایام عدت گذر گئے۔ قاسم  
کی بیوہ کے علی بابا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ علی بابا کا ایک بیٹا بھی تھا جو اور تجارت میں لگا  
ہو گیا دوکان اسکے پیر ونگی۔ اور سب لوگ آرام سے رہنے سننے لگے۔ اب ان قزاقوں کا  
حالی سنو۔ جب وہ ایک دن اسی ٹار میں حبسہ منول آئے۔ پہلے ہی قاسم کی لاش کو تلاش کیا۔  
مگر وہاں اسکا کچھ نشان نہ تھا۔ علاوہ انہیں دیکھا کہ خزانہ بھی بہت سا خالی ہو گیا تو اسے  
انکا سرواڑہ دلا۔ اگر ایسی اسکا تدارک نہ ہوا تو انجام میں سخت قہار تھکے گی۔ اور ساری  
پشت پاشت کی جہ کی ہوئی دولت ہفت میں ہاتھ سے نکل جائیگی۔ بلاشبہ علاوہ اس بھولی  
سکے اور شخص بھی ہمارے اسرار سے آگاہ ہے جو اس لاش اور ہماری بہت سی اشیائوں کو  
بھی لپیٹا ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ ہم میں سے ایک ہوشیار آدمی شہر میں جا کر اس کا  
موجود نکالے اور پھر آئے نکالنے لگا دیا جائے۔ ورنہ خیر نہیں دکھائی دیتی۔ یہ سنکر ان  
میں سے ایک نے کہا۔ میں جاسکے پتہ نکالتا ہوں ورنہ اسی تلاش میں جان و ننگا غرض  
جب اندھیرا چھا گیا وہ ڈاکو شہر میں آیا اور علی اصبح چوک بازار میں آکر اوھرا دھڑکنے  
لگا۔ سوئے مصطفیٰ دزیری کے اور سب دوکانیں بند تھیں۔ ٹھگ نے اسی پیر ونگی کے  
مکان کے صاحب سلامت کی۔ اور بولا۔ ابھی اندھیرا ہے۔ آپ ہنوت سینے کا کام کیسے  
کر سکتے ہیں؟ مصطفیٰ نے جواب دیا۔ میری بیانی ایسی تیز ہے کہ حقوڑے ہی دلی ہوئے  
میں ایک اندھیرے مکان میں ایک بڑے کا فن سب سے ٹھگ کو کھٹک لگی کہ ہرنہ ہو  
میرے دل کی ہی کتاب ہے فوراً ایک اشرفی نکال اسکے ماتھ پر رکھ دی۔ اور بولا۔ اگر

کرنے کی کوشش کرو اور تمہاری بی بی کو اطلاع دیکر یہی ایسی تمہاری مدد کیلئے آتا ہوں غرض  
 وہ یہی بھانج کے پاس گیا اور اسے سیکیفیت سے اطلاع دیکر بولا۔ اب جو کچھ ہوتا تھا  
 سو چکا۔ مگر خیریت اسی میں ہے کہ اس راز کو محفوظ رکھا جائے۔ مرضی الہی سے کوئی چارہ  
 نہیں۔ میرا شکر کر کے ایام عذت گزارو اور اسکے بعد مجھ سے نکاح پڑھا لیتا میری بی بی  
 تمہارا حصار نہ کر لگی اور تم بھی آرام سے رہو گی۔ قاسم کی بیوہ نے روروس کے کہا۔ اب مجھے  
 تمہاری مرضی سے خلاف کام کرنا ہی ضرورت نہیں۔ اور جو تم فرماؤ گے وہی کرو لگی۔ کیا  
 مجال ہے۔ کہ یہ راز کسی پر آشکارا ہو سکے۔ یہ کہہ کے وہ گوروس پیٹنے لگ گئی اور علی بابا  
 نے باہر آکے مرجینا کو اپنے بھائی کے کفن دفن کی مشورت دے گھر کا راستہ لیا۔ اس کے  
 چلے جانے کے بعد مرجینا فوراً عطار کی دوکان پر گئی اور اس سے وہ دوا مانگی جو بیمار کو شمع  
 کے وقت دیا کرتے ہیں۔ عطار نے پوچھا پیرے گھر میں کون ایسا بیمار ہے۔ مرجینا بولی  
 میرا آقا کئی یوم سے کچھ کھانا پیتا ہے نہ بولتا ہے۔ اگلے دن وہ پھر اسی عطار کے  
 پاس جا کر وہ دوا مانگنے لگی جو آخر وقت میں بیمار کو دیا کرتے ہیں۔ اور آہ کھینچ کر بولی۔  
 خدا جانے میرے آقا کو یہ دوا کھاتی نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔ اور ہر غلی یا با اپنے گھر میں  
 انتظار ہو رہا تھا کہ جس وقت قاسم کے گھر میں سے روٹے پیٹنے کی آواز آئی وہ جا کے شریک  
 ماتم ہوا۔ تیسرے مرجینا ایک بیٹے دوزی مصطفیٰ نامی کی دوکان پر گئی۔ جہاں پیشہ کفن دوزی  
 ہی تھا۔ ایک اشرفی اسکے ماتہ میں جا کے رکھ دی اور کہتے لگی۔ تم سے ایک کام ہے شہر حیدر  
 میرے گھر تک آنکھو پرٹی باندھو اسکے چلو مصطفیٰ نے اس طرح جانے میں غدر کیا۔ مرجینا نے  
 ایک اشرفی اور اسکے ماتہ میں رکھ دی اور بہت کچھ منت سماجت کی۔ حتیٰ کہ دوزی لالچ میں آکر  
 رخصتی ہو گیا مرجینا نے اسکی آنکھو پر زوال باندھ لیا اور اس کا ماتہ بکڑ ایک اندھیرے مکان  
 میں جان قاسم کی لاش اس نے ترتیب سے رکھ دی تھی لاکے بٹھا دیا۔ اور آنکھوں کے مال  
 کھونکر بولی قسم اس لاش کے مطابق کفن سی دو۔ ایک اشرفی تمہیں اور انعام دیگی۔ غرض  
 مصطفیٰ نے جلد اندھیرے ہی میں کفن تیار کر دیا اور تیسری اشرفی کے زوال آنکھو پر بندھوا  
 مرجینا کے ساتھ دوکان پر آیا مرجینا نے اپنی گرم کر کے قاسم کی لاش کو غسل دیا۔ اور زین سنا

کہ شخص آیا کہاں سے؟ مگر انہیں کچھ پتہ نہ ملا۔ آخر قاسم کی لاش چار ٹکڑے کر کے دو دوانے  
 اور دو بائیں طرف غار کے رکھ دیے۔ تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ پھر وہ دروازہ بند  
 اور گھوڑ و غیر سوار ہر سوچہ ہر سے اترے تھے اور ہری چلے گئے۔ اور ہر جب شام بھی ہو گئی  
 اور قاسم گھر نہ آیا تو اسکی بی بی دوڑی دوڑی علی بابا کے پاس آئی کہ بھائی! قاسم ابھی تک  
 نہیں آیا۔ تمہیں تو اس جنگل کا پتہ ہو گا ہی۔ کوئی اسپر حادثہ نہ گذر جائے۔ علی بابا نے  
 بظاہر حاسد بھانج کی تسلی کی۔ کہ قاسم نہایت ہوشیار شخص ہے۔ وہ شہر کے باہر باہر سے  
 آتا ہو گا۔ اسلئے اسے دیر ہو گئی ہے تم اطمینان رکھو۔ مگر دلیں سمجھ لیا کہ کچھ نہ سمجھ وارات  
 ضرور گذری ہے۔ غرض وہ گھر آئی اور قاسم کا انتظار کرتے لگی۔ جب رات آدھی سے بھی  
 زیادہ گذر گئی تو وہ بڑی پریشان ہوئی۔ مگر چلا بھی نہ سکتی تھی مبادا راز ظاہر نہ ہو جائے  
 آخر بچنے لگی کہ اگر میں علی بابا پر حسد نہ کرتی تو کیوں اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ سب  
 شامت اعمال کا وبال ہے جو مجھ پر پڑا ہے۔ خیر! خدا خدا کر کے وہ رات کٹی۔ جب صبح ہوئی  
 وہ پھر اپنے دیور کے پاس گئی کہ خدا کے لئے اپنے بھائی کی کچھ خبر لاؤ۔ وہ ابھی تک کیوں  
 نہیں آیا۔ علی بابا بھانج کو تسلی دیکر اپنے گڑھے لئے اس جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب  
 اس غار کے قریب پہنچا۔ خون کے نشان دیکھ کر گھبرا یا اور چھروں کا بھی وٹاں کوئی نشان  
 نہ پایا۔ اسلئے اس نے سمجھ لیا کہ قاسم مر چکا۔ غرض اس نے دروازہ کھولا اور اندر کی طرف دیکھا  
 کہ قاسم کی لاش کے چار ٹکڑے کئے دو طرف رکھے پڑے ہیں۔ اسے خوف تو بڑا ہوا۔  
 مگر کیا کر سکتا تھا۔ بھائی کی لاش باندھ کر ایک گدھے پر رکھی اور اوپر لکڑیاں لا کر ایسے  
 چھپا دیا۔ پھر باقیوں پر اشرفیوں کی تھیلیاں لاوا انہیں بھی لکڑیوں سے چھپا کر رکھا دروازہ  
 بند کر دی احتیاط اور ہوشیاری سے شہر کا راستہ لیا۔ جب گھر پہنچا وہ گدھے جنہر اشرفیاں  
 یا رعیں اندر لٹکا کر بی بی سے کہا کہ احتیاط سے اشرفیاں اتار کر اندر رکھ لین اور میں ابھی آتا  
 ہوں۔ مگر اسے قاسم کی لاش لاش کی بابت کچھ نہ کہا۔ پھر اس گدھے کو چھپر قاسم کی لاش کے  
 ٹکڑے تھے اسے گھر لے گیا اور دروازے پر دستک دی۔ قاسم کی ٹوہڑی مر جیٹا تھے دروازہ  
 کھولا۔ علی بابا گدھے کو اندر لے گیا اور قاسم کی لاش اتار کر مر جیٹا سے کہا کہ تم اسے دفن

کہ ایسی لاکھوں اشرقیان تھارے پاس ہیں۔ اور اسے میری بی بی نے اپنے شرار و دین پاپا  
 نے جسے تمہاری عورت مانگنے کے لیگی تھی۔ علی بابا نے سوچا کہ اب اس سے باز چھپانا چیکھا  
 نہیں۔ درختِ شفقت میں غنا و برکت کا پانا چار اُسے اُس غار کا پورا پورا پتہ بتا دیا کہ وہیں وہاں  
 سے لایا ہوں۔ قاسم بولا کہ جب تک اُس کے کھولنے اور بند کرنے کے منتھے آگاہ نہ کرو گے  
 کسیک نہ ہوگا۔ درخت میں ابھی کو تو اُل سے جا کے کھتا ہوں۔ وہ تمہاری اشرقیان بھی لے لیکھا  
 اور تم مفت میں ذلیل ہو گے۔ وہ علیحدہ رہا۔ آخر علی بابا نے اپنے بھائی کو دروازہ بھی بتا دیا  
 قاسم دوسرے علی صبح فجر تک علی بابا کے تپنے ہوئے پتہ پر روانہ ہوا اور جہاں اُسے پتہ آیا  
 تھا۔ کھڑا ہو کر آواز دی کہ کھل اُسے سسم فوراً ایک دروازہ کھل گیا اور قاسم اندر چلا گیا  
 اُسکے اندر قاسم کہتے ہی حسبِ جدول وہ دروازہ بند ہو گیا۔ پھر اُس نے اُس خزانہ کیڑوں  
 طرف دیکھا۔ اور پراخوش ہوا۔ آخر خچر و غیر لا دے کیلئے کئی تھیلیاں دروازے کے پاس  
 رکھیں اور دروازے کے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اتفاق سے اُسے وہ الفاظ بھول  
 گئے اور وہ ہر ایک دوسرے غلے کا نام بیکے بیکارنے لگا مگر دروازہ نہ کھلتا تھا نہ کھلا نہ ہوتا  
 سے اُسے سسم کا لفظ ایسا فراموش ہوا کہ بڑا حیران رہ گیا۔ کبھی اُسکے جاتا تھا کبھی نیچے پڑتا  
 اسی جیس جیس میں دوہرا لگتی اور وہ جان سے ناپوس ہو کر دروازے کے پاس ہی بیٹھ  
 گیا۔ اتنے میں گھوڑوں کے مالوں کی آواز کان میں آئی سمجھا کہ قزاق آگئے سمنے سے اُسکے  
 غلے آگیا۔ وہ فی الواقع وہی قزاق تھے جن کا اُسے خیال تھا۔ انہوں نے دیکھ کر سمنے سے خچر و گدے  
 دیکھا اور حیران ہو گئے۔ مگر چونکہ وہ پریشان پھر رہے تھے اسلئے ڈاکوؤں نے اُنکی پڑا  
 نہ کی۔ نہ ہی اُنکا تعاقب کیا۔ بلکہ گھوڑوں سے اترو دروازہ غار کی طرف بڑھے سرکار سے  
 وہی منتشر ہوا۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ قاسم نے تھوڑا سا اُٹھ کے وہاں سے بھاگا کہ جان بچا کے  
 نکل جائے مگر اُسکے دھکے سے دروازہ گر پڑا۔ یہ دیکھ کر ایک سوار نے تلوار کا ایک ماتھہ قاسم پر  
 مارا۔ اور دو ٹکڑے کر کے اُسے پھینک دیا۔ پھر وہ اندر گئے اور اُن تھیلیوں کو بھٹکانے پر  
 لگا۔ جنہیں قاسم باہر لانے کے واسطے دروازے کے پاس لا رکھا تھا اور گھبراہٹ میں  
 پہلے نقصان پر کچھ توجہ نہ کی جو علی بابا انہیں پہنچا گیا تھا۔ اُسکے بعد سب کے سب سوچنے لگے



گدھوں کو بھی اندر ہی لے گیا اور یاہر کا دروازہ بند کر کے اوپر سے لکڑیاں اڑا دیں۔ اور  
اشرفیوں کی قیادیاں اٹھا کے بی بی کے پاس لایا۔ وہ اشرفیوں کو دیکھ کر حیران سی ہو گئی  
اور سمجھا کہ علی بابا انہیں کہیں سے چوراکر لایا ہے۔ بسے ملا مت کر کے کہنے لگی۔ سبھے  
چوری کرتے کی کیا ضرورت آپڑی تھی۔ کیا خدا کو جان دینی منظور نہیں ہے۔ علی بابا بولا  
اطمینان رکھو۔ میں چور نہیں ہوں۔ پھر اشرفیاں کسکے سامنے ڈھیر کر کے انکے پاتے  
کا سارا حال سُنا دیا۔ پھر تو وہ ہنایت خوش ہوئی۔ اور بڑے چاؤ سے انہیں گنتے لگی  
مگر علی بابا نے کہا۔ تم انہیں کب تک گنوگی۔ میں ایک گڑا کھود کے انہیں گارٹے  
دیتا ہوں۔ اسکی بی بی نے جواب دیا۔ مگر میں اندازہ لگانا چاہتی ہوں۔ علی بابا نے کہا  
جاؤ کسی سے ترازو مانگ لاؤ۔ مگر خیردار کسی کے کان میں بھنک نہ پڑ جائے۔ پھر وہ قلم  
کے گھر ترازو مانگنے گئی۔ قاسم آپ گھر میں نہ تھا۔ چاہے اسکی بی بی سے ترازو مانگا۔  
وہ یو لی چھوٹا چاہئے یا بڑا۔ علی بابا کی بی بی نے کہا۔ چھوٹا۔ قاسم کی عورت نظر بچا کے  
اپنے ترازو کے پڑا۔ کسے نیچے سو م لگا لائی۔ تاکہ دریافت کرے کہ علی بابا کی بی بی کیا چیز  
تو لیکتی۔ غرض اُسے گھر آ کے اشرفیوں کو تولی۔ علی بابا اُس وقت گڑا کھود رہا تھا۔ آخر دولہ  
نے ملے انہیں گارٹو دیا اور جلدی میں کچھ خیال نہ کر کے علی بابا کی عورت قاسم کے گھر میں ترازو  
دے آئی۔ اتفاق سے ایک اشرفی ایک پلڑے کے پیچے لگی رہ گئی تھی۔ قاسم کی جوترو  
ترازو میں اشرفی لگی ہوئی دیکھ کر اسے حسد کے جل پھٹ گئی اور جب اسکا خاوند شام کو  
گھر آیا تو کہنے لگی۔ ابھی اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہو گا۔ مگر تیرا بھائی بچتے سے زیادہ اچھے  
اسکی بی بی نے اشرفیوں کو تو لکر رکھا اور تو سیشہ گین کر رکھا آتا ہے۔ قاسم نے پوچھا۔  
کیونکر معلوم ہوا کہ اُسے ترازو دینے اور اشرفی پاتے کا سارا حال سُنا دیا اور وہ اشرفی  
اُسے دکھائی۔ پھر قاسم نے اُسے کہہ دیا۔ قاسم بھی ماہر سے حسد کے رات پھر نہ  
سویا۔ اور صبح ہوتے ہی علی بابا کے پاس آکر کہنے لگا۔ بھائی بھلا پلڑے بڑے مسکین دکھائی  
دیتے ہو۔ مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرا سے پاس دولت کا کوئی انتہا نہیں۔ علی بابا ایمان  
ماننے کہتے لگا۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ قاسم نے جیسے وہ اشرفی نکالے دیکھا وہی

تو علی بابا درخت سے نیچے اتر آیا۔ اور وہیں پہنچ کر جہاں ٹنگوں کے سردار نے ٹھکانہ بنایا تھا  
 دروازہ کھولا سمجھا۔ بلا لڑائی کھل گیا اس کے سسم اور دروازہ فوراً کھل گیا اور علی بابا کے اندر چلتے  
 ہی خود بخود دینہ ہو گیا۔ علی بابا اس مکان کی ساخت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہا تھا کہ اتنا  
 بڑا کمرہ کہاں سے ہو گیا۔ لیکن چھت اس کی قدر آدم کے برابر تھی۔ اور پھر اس کی  
 چوٹی سے روشنی انوں کے راستے سے رونمائی آرہی تھی۔ وہاں میٹھا راسباج اور  
 ہر قسم کے مال کی گھنٹیاں پڑی دیکھیں اور تہے اوپر بنگھو اب اور رہنشی چکانے کے تھانے چھوڑ  
 کے ڈھیر پر سے تھوڑے سے اشرقیوں کی بھی میٹھا راسباج دیکھ لگے ہوئے تھے اور بہت سی چیزیں  
 کی تصیلیاں پھری پڑی تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ یہاں آنے لگا۔ دروازہ بند پا کر وہی پہلی سی  
 آواز دی۔ دروازہ فوراً کھل گیا۔ اور علی بابا نے اشرقیوں کی بہت سی تصیلیاں باہر  
 لارکھیں۔ پھر بند ہو گیا اس کے سسم کے دروازہ بند کر دیا۔ اور اپنے گدھوں کو اکٹھا  
 کر لایا۔ اور ان پر وہ اشرقیوں کو لے کر اوپر لکڑیاں رکھ لیں تاکہ کسی شخص کو کسی قسم کا  
 شبہ نہ ہو سکے۔ غرض علی بابا نے گدھوں کو آگے رکھ کر شہر کی راہ لی اور جب گھر پہنچا۔  
 تصویر علی بابا کے گدھوں پر اشرقیوں کو لے کر جھگ سے اپنے گھر کی طرف چلی



ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے اور علی بابا ہر روز جنگل سے سوکھی لکڑیاں گدھوں پر لاوے کے ستر میں لاتا اور انہیں بچکا پنا اور اپنے متذقیقین کا پیٹ پالتا۔ ایک دن وہ حسب معمول لکڑیاں کاٹنے کے گدھوں پر لاوے کو تھا کہ اُسے دُور سے ایک عمارت اپنی طرف آتے دکھائی دیا۔ جب اُسے غور سے دیکھا تو وہ بہت سے سوار تھے۔ سوچنے لگا یہاں وہ لوگ ڈاکو ہوں اور میرے گدھے چھین لیں۔ چاہتا تھا کہ بھاگ جائے مگر سوار قریب آگئے تھے۔ اس لیے اُس نے گدھوں کو ایک طرف ہانک دیا۔ اور آپ ایک یازد اور گنجان درخت پر چڑھ کر اُسکے پتوں میں ایسی جگہ چھپ کے بیٹھ رہا۔ کہ وہ آئے والوں کی ہر ایک حرکت کا دھیان رکھے مگر اُسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ درخت ایک پہاڑ کے میں داخل واقع ہوا تھا۔ وہ سوار بھی اُسی پہاڑ کے نیچے بٹھ گئے۔ علی بابا نے دیکھا تو وہ چالیس ڈاکو تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سی قافلے کو لوٹنے کے لئے ہیں اور مال غنیمت کسی محفوظ جگہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اُس کا یہ خیال غلط نہ تھا اور وہ لوگ فوراً گھوڑوں سے اتر پڑے۔ لگا میں اُتار لیں اور انہیں باگ دُور سے باندھ کر جہاں چوسوئے اور چاندی سے بھری تمبیں کنڈھو پڑ رکھ لیں۔ علی بابا نے دیکھا کہ اُن کا سردار سب کے آگے اپنے بوجھ کو کنڈھے پر رکھے اُسی درخت کے نیچے آیا اور کانٹوں و جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا ایک جگہ چاکھڑا ہوا۔ اور پورا کھل جاوے سمس کہ یہ کہتے ہی پہاڑ میں ایک دروازہ کھل گیا جس کا پہلے کوئی نشان نہ دکھائی دیتا تھا۔ اور پھر ٹھگ اندر چلے گئے۔ پھر وہ سردار بھی اندر گیا۔ اور وہ دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ بڑی دیر تک وہ عراق اُسی غار میں بیٹھے رہے۔ علی بابا بھی درخت پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑے پر سوار ہو۔ باقیوں کی ہنگامیں لے اور گدھوں کو آگے رکھ گھر کی راہ لوں یا ابھی دیکھوں۔ کہ یہ لوگ یا ہر ٹھل کے کیا کرتے ہیں کہ اتنے میں پھر وہ دروازہ کھل گیا۔ اور چالیسوں ٹھگ یا ہر ٹھلے اُن کا سردار سب کے آگے تھا۔ جب وہ ٹھل چلے۔ علی بابا نے پھر نہ کہ ٹھگوں کا سردار کہ اُسے زندہ ہو چلے سمس اور دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہ نو نظروں کو اُسے خوب غور سے یاد کر لیا۔ اور جب وہ عراق سب اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جہرے آئے تھے۔ اُدھر ہی چلے گئے۔

شہزادی کو بلوایا۔ خواہیں اُسے بڑے پردے سے درویش کے سامنے لے آئی اور  
 درویش نے وہ بال حسب ہدایت آگ پر رکھ کر شہزادی کی ناک میں دھونی دی۔ دیکھو  
 فوراً چٹا آگھا اور فوراً شہزادی بھلی چٹکی ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی پوچھنے لگی۔ یہاں  
 مجھے کون لا پاس ہے؟ بادشاہ نے غرض ہر شہزادی کو چار کیا اور پھر ٹیک مرد کے  
 ماتھے پر پوسہ دیا اور سر واروں سے پوچھا۔ کہ اس درویش کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے  
 مذہب نے بالا لٹاقی بادشاہ کو رلے دی۔ کہ شہزادی کو اس پادشاہ سے ساتھ بیاہ دیجئے  
 مقرر کے عہدے سے بعد وہاں کا وزیر اعظم مر گیا۔ بادشاہ نے اسی درویش کو اپنا وزیر  
 بنالیا اور پھر بادشاہ بھی مر گیا اور وہی درویش وہاں کا بادشاہ مقرر ہوا اور ایک دن  
 وہ اراکین و مایر کیساتھ شہر میں عمارت تھا کہ ہجوم میں اپنے دشمن کو پہچان لیا اور وزیر  
 کے کال میں کہا کہ قتل آدمی کو بد بھی میرے پاس لے آؤ۔ غرض وزیر اسے بادشاہ  
 کے پاس لا آیا۔ وہ ٹیک مرد سے دیکھ کر بولا۔ بیسہ دوست! میں تمہیں دیکھ کر کہاں  
 خوش ہوا ہوں۔ پھر اُسے ایک ہزار اشرفی اور بیس گھڑی پیر کے کی انعام میں ٹیک  
 منیا سپہوں کو حکام۔ تاکہ اسکے گھر پہنچا دو۔ خاں سید نے بھی اپنے خبیث کو پہچانا۔ اور کمال  
 شہر مندگی سے اپنے گناہ کے لئے معافی طلب کی۔ پھر ہدیہ کے لئے وہ اُسکا دوست  
 بن گیا۔ سچ بہ نفرت کو نفرت سے نہیں بلکہ بہت سے جیت سکتے ہیں۔ یہ حکایت سنار  
 شہزادے علی بابا اور چالیس گنگوٹلی کا قصہ شروع کیا۔ جو علی بابا کی رپہ عقل نواری  
 کے ساتھ ہے اسے سنئے تھے۔

### علی بابا اور چالیس گنگوٹلی حکایت

فارسی کے شہر میں دو بھائی قاسم اور علی بابا نامی رہتے تھے۔ باپ کے عرس تک بعد  
 انہیں بہت تنگ و تنگ ملا۔ جیسے انہوں نے دنوں میں ہی مرث کر ڈالا۔ اگرچہ قاسم  
 کی شادی ایک مالدار تاجر کی لڑکی سے ہو گئی جو اپنے سر کے مر جائے بعد اُسکی تمام  
 جائداد اور اپنے بھری دوکان کا مالک بنا۔ مگر علی بابا کی بیوی ایک عریب باپ کی  
 بیوی تھی۔ اس لئے دوسرے جوڑے کا گزارہ کب بیکار مشکل کے ساتھ ہی ہوتا تھا اور تو

تصویر حاسد کی محسود کو کنوئیں میں گرانے کی اور پر پول کے صبح ہوشی



باتوں کو خوب یاد کر لیا۔ اور جب صبح ہوئی اپنے سینے کنوئیں کی مٹہ پر سویا ہوا پایا۔ اس نے خیال کیا۔ کہ کنوئیں میں وہ پیاں رہتی ہیں اور یہ سب کام انہیں کا ہے۔ اتنے میں سب فقیر اسے ڈھونڈتے ہوئے وہاں آ گئے اور اسے دیکھ کر کمال خوشی ہوئی۔ اس نے ساری سرگزشت سنا دی۔ پھر اپنے چہرے میں گہرا ہنسی اور وہ سیاہی بھی آ گئی۔ نیک مرد نے اسے پکڑ لیا۔ اور اسکی دم سے سات سفید بال اکھاڑ کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لئے۔ جب دن چڑھا۔ اس شہر کا بادشاہ اسکی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بیٹی کے علاج کے لئے گڑ گڑانے لگا۔ اور بولا۔ اے خدا کے ولی۔ آپ کو میرے آنے کا حال بذریعہ کشف معلوم ہو گیا ہو گا۔ اگر میری بیٹی کو شفا ہو جائے تو گویا میں جی اٹھوں گا۔ نیک مرد بولا۔ اٹکی کو یہاں بلوا لیجئے تو انشاء اللہ شفا ہو جائیگی۔ بادشاہ نے فی الفور

فقیروں کو انہیں لبادیا۔ دو تہا ذوقاً مجلسیں منعقد کرانا اور بزرگوں کے عرس کرتا یہ خبر  
 سامعے شہر میں مشہور ہو گئی اور رفتہ رفتہ اُسکی شہرت کا آوازہ دُور دُور تک پہنچا۔ اُس  
 حاسد نے بھی سُنا اور اُسے اس قدر عداوت پہنچا کہ اُسے فوراً اُسے اذیت دینے کی بھان لی  
 اور قافلاً میں جا کے اُس سے ملاقات کی۔ وہ نیک مرد اپنے قدیمی ہمسایہ کو دیکھا کہ کھیل گیا  
 اور نہایت قزاق سے پیش آیا۔ حاسد نے کمر کی راہ سے حسد کے سامنے بہت سی باتیں بھائی  
 اور کہنے لگا مجھے ایک لہم در پیش ہے۔ اگر آپ خلوت میں میری بات سن لیں تو آپ کی بڑی  
 مہربانی ہوگی۔ وہ اُنکے ساتھ ہو لیا اور حاسد نے بائیں ہی بائیں اُسے کتوں کے  
 چاوس لاکھڑا کیا۔ پھر اس نیک مرد کو اُنکے اُس کتوں میں پھینک دیا۔ اور واپس سے  
 چھپ کے بھاگ گیا۔ یہ سوچ کر چلہ روز روز کے فکروں سے نہات ملی۔ اُس کتوں میں  
 ہدیاں رہتی تھیں۔ جب انہوں نے اُس نیک مرد کو کتوں میں گرنے دیکھا تو ماتھوں  
 ماتھ آٹھا کے تہ پر بیٹھا دیا۔ اُسے یہ چامیرے اس گرنے میں بھی کوئی مصالحت ہوگی۔ پھر  
 چاروں طرف دیکھا۔ مگر کچھ دکھائی نہ دیا۔ البتہ تھوڑی دیر کے بعد ایک آواز سنئی کہ کوئی شخص  
 دوسرے سے مخاطب ہو رہا تھا۔ تم اس بزرگ کو جانتے ہو۔ جواب آیا۔ نہیں۔ پھر پہلی ہی آواز  
 بنے کہا۔ یہ انسان کمال صاحب مروت اور عزت ہے۔ آپا شہر چھوڑ کے یہاں آکر رہا تھا۔  
 کہ ہمسایہ کے شرف و فساد سے نہات پائے۔ یہاں خدا نے اُسے برابر بنا دیا۔ حاسد نے  
 بھی نہ دیکھ سکا اور زیادہ حسد کے مارے یہاں آیا۔ پھر دھوکا دیکر اُس کتوں میں گرا  
 دیا۔ اگر ہمدردی مدد و وقت پر نہ پہنچتی تو یہ ہلاک ہو ہی چکا تھا۔ لیکن خیر۔ اس میں کچھ  
 بہتوی ہی تھی۔ کل یہاں کا بادشاہ اُسکے پاس آئے اپنی بیوی کو چنگا کرنے کی التجار لگا۔  
 اور ہنسر میمن جن کا بیٹا و مدح عاشق ہے۔ اسی سبب سے وہ ہمیشہ بیمار رہا کرتی ہے  
 اور مجھے اسکا علاج معلوم ہے۔ وہ عمل بہت آسان ہے اُس درویش کے گھر میں ایک  
 سیاہ بلی رہتی ہے۔ جسکی دُم پر ایک درم ہے برابر بغیر دل غے اگر یہ شخص اُس بلی میں  
 سے سات پال اکھاڑ کر اپنے پاس رکھنے اور وقت ضرورت انکی وجہ فی شہزادی کے نام میں  
 دسے تو دُم پر عمر بھر میں شہزادی کو تالیف دینے کا خیال ہوگا۔ یہ ہے۔ درویش نے اُن سب

کی ایک بو جھل سی گانٹھ آگئی۔ وہ اُسے اور مٹھور کو لیکر دوڑا دیا۔ پھر سے پاس آیا کہ جس مٹھور کا آپ نے مار ڈاڑ کر کیا تھا۔ دیکھئے وہ یہی تو ہمیں۔ بیٹے اُس میں سے بھروسہ نکالتے وقت یہ گانٹھ پائی ہے۔ بیٹے دو نو چیزوں کو پہچانا اور سعدی سے اشارہ کیا کہ دیکھئے خدا کا ہنسنے مجھے آپ کے سامنے کیسا سرخو کیا ہے۔ پھر بیٹے اُس مٹھور کو اپنی بی بی کے پاس پہچاننے کے لئے بھیجا۔ اُس نے بھی اُسے پہچان لیا۔ سعدی یہ حال دیکھ کر ہوا۔ اب میں قائل ہو گیا ہوں کہ دولت سے دولت نہیں بڑھ سکتی۔ جب تک خدا کا فضل اور قسمت شامل حال نہ ہو۔ پھر وہ دو نو دوست مجد سے وواع ہو کر اپنے گھر گئے اور اُسہیں بھتیجی ہو گیا کہ میں دعا باز نہیں ہوں۔ خلیفہ نے یہ سن کر خواجہ حسن سے کہا۔ میں پہلے ہی تمہارے محلہ داروں کی زبانی تمہاری تعریف سن چکا ہوں اور وہ ہیرا جی کی بدولت تم دو تہمند ہو گئے ہو۔ اس وقت میرے خزانے میں موجود ہے۔ تم کسی دن سعدی کو یہاں نکالانا۔ تاکہ وہ آ کے اُسے اپنی آنکھوں دیکھ جائے۔ پھر خزانہ اپنی کو حکم ہوا۔ کہ وہ اس سرگدشت کو لکھ کر اُس ہیرے کے ساتھ رکھے۔ پھر خلیفہ نے قینوں کو رخصت کیا۔ اور وہ آداب بجالائے اپنے اپنے مکانوں کو گئے۔ بلکہ شہزادوں نے چاہا کہ ابلا مقصہ بھی بیان کرے۔ لیکن دن نکلنے کو تھا اسلئے بادشاہ نے فرمایا۔ دوسری حکایت کل سنوں گا۔

## حاصلہ و محسود کی کوستان

لگے دن نور کے رُکے حسب معمول و نیاز اپنے شہزادہ کو جگا کر نئی حکایت بیان کرنے کی فرمائش کی۔ وہ بولی کسی بڑے شہر میں دو شخص ایک ہی محلے میں رہتے تھے بلکہ لگے گھر بھی بالکل متصل واقع ہوئے تھے۔ مگر اُن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ کمال درجے کی عداوت تھی۔ محسود نے چاہا کہ اس گھر ہی کو چھوڑ دے اور دُور جا بے تاکہ یہ جسد کو نہ پائے حتیٰ کہ اُسے گھر اور گھر کا سب ساز و سامان فروخت کر کے دوسرے شہر میں رالیش اختیار کر لی۔ اور جو مکان اُس نے رہنے کے لئے سولی لیا۔ اُس میں ایک اندھا کنواں اور ایک نفیس باغ بھی تھا۔ وہ نیک مرد فقیر ہو گیا اور اُس مکان میں بہت سے جبرے تعمیر کرائے بہت سے



سو رہے۔ جب صبح ہوئی۔ ایک نفیس کشتی پر سوار کر کے انہیں اپنے دیہاتی گھر کی بسکیلیے لگیا۔  
 جس کے ساتھ ایک نہایت خوشنما بایں باغ بھی تھا۔ باغ میں ہر قسم کے میوہ دار درخت  
 پکے ہوئے اشار سے لہے ہوئے تھے اور سچے نروں میں بانی پر رہتا تھا۔ پرندوں لیاں بول  
 رہے تھے۔ اور پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا تھا۔ غرض انہیں گھر اور باغ کی  
 خوب سیر کرائی۔ وہ دیکھ دیکھ کر خوش ہوئے اور ہنسنے لگے۔ خدا تمہیں یہ باغ اور گھر مبارک  
 کرے۔ آخر انہیں ایک مختصر جنگے میں جو نفیس اور زردوزی مسندوں اور گاؤں کیوں سے  
 آراستہ اور ایک پرستے درخت کے سایہ تلے بنا ہوا تھا۔ اچانک کھانا کھلایا۔ اسی اثناء میں  
 میرے وہ لڑکے جنہیں چند روز پہلے ایک مصالح کی زیر نگرانی تبدیل آب و ہوا کے لئے بھیجا ہوا  
 تھا۔ چڑیوں کے گھونٹے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُس درخت کے نیچے آرتے۔ اور اوپر  
 نگاہ کی۔ تو ایک بڑا گھونٹا بنا یا نیچے آتا لایا۔ اور جب میرے لڑکوں نے اُسے پکڑی سے  
 بنا دیکھا فوراً دوڑے ہوئے میرے پاس آئے۔ مینے اپنی پکڑی کو بیک نگاہ پہچان لیا۔  
 جو چیل جھپٹ مار کے لے آئی تھی۔ پھر ان دونوں دوستوں کی طرف اشارہ کیا کہ آپ بھی دیکھئے یہ  
 وہی پکڑی ہے جس کا کل ذکر ہو رہا تھا۔ سہ لہا میں تو نہیں پہچان سکتا۔ مگر سعدی نے کہا اگر  
 اُس میں اسی نر سے اشرفیاں ہوئیں تو یقیناً وہی پکڑی ہوگی۔ مینے کہا۔ بیشک یہ وہی ہے۔  
 پھر اُسے نکال کے ماتھے میں لیا تو وہ عمل معلوم ہوئی۔ اور کھولا تو سعدی کی قبیل جوں کی توں نقل  
 آئی۔ مینے اُسکے سامنے اشرفیاں ڈال دیں اور پوچھا دیکھ لو اور پہچان لو۔ سعدی بولا اب مجھے  
 آدھا یقین آیا ہے۔ کیا ممکن نہیں کہ تھاری دولت کا آدھا میری دوسری اشرفیاں ہوں  
 اور آدھا مسجد کا پیسہ میں تو چپ ہو رہا۔ مگر ان دونوں کے درمیان بحث ہونے لگی پھر کھانا کھانے کے  
 بعد ہم تینوں سو رہے اور تمام کے وقت جاگ کر گھوڑوں پر سوار ہو شہر میں آئے۔ ماہ میں سب  
 خدا کا دیکھ رہے تھے اور وہ گھوڑوں سے تھکا یا۔ جو غلام ہمارے ساتھ تھا۔ اُسی ہی دانے  
 کی تلاش کے لئے بازار بھیجا۔ مگر تمام دوکانیں بھی بند ہو گئیں۔ تھیں شہر وہ غلام انہیں سے  
 ایک مسطور بھوس کی لئے آیا۔ اس اثر پر کہ کل مسطور واپس کر دیا جائیگی۔ پھر وہی غلام مسطور  
 جس سے بھوس نکال نکال کر گھوڑوں کے آگے ڈالنے لگا اور اندھیرے میں اُسکی مانند کپڑے

کیوں چھکڑتے ہو۔ خواہ میں جھوٹ کہا یا سچ۔ اب یہ بھی سن لو کہ مجھے یہ دولت کیسے ملی۔ آئندہ  
 ہر کپ کی مرضی ہے۔ مانتا یا انکار کر دینا۔ پھر اپنے انہیں پیسے کے ماہی گیر کو دینے اسکے عوض میں  
 ایک مچھلی لینے۔ اور مچھلی کے پیٹ میں سے ہیرے نکالنے۔ پھر یہودی جاہری کے ماتھے اسکو ہچکا  
 کارخانے بنانے کی تمام سرگزشت ابتداء سے انتہا تک سنا دی۔ سعدی بولا۔ اے خواجہ! جس طرح  
 گچڑی کو چیل کے لیجاتے اور جوس کے ٹکے کو بیج دینے کا واقعہ فرمائی ہے۔ ویسا ہی مچھلی کے پیٹ  
 سے اتنے بڑے ہیرے کا نکالنا محال ہے۔ میں ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔ اور مجھے یقین ہے کہ  
 یہ سب فراغت تہین میری ہی اشرافیوں کی بدولت پیش ہوئی ہے۔ یہ کہنے وہ اٹھے اور شخصیت  
 ہلنے لگے۔ مگر میں اٹھکے سامنے کھڑا ہو گیا کہ آجکی رات غریب خانے پر ہی بسر کرو۔ تو درہ  
 نوازی سے بعید نہ ہو گا۔ غرض اصرار کے بعد انہوں نے میری بات مان لی۔ بیتے شب کا کھانا  
 تیار کرایا اور برٹے مختلف سے انہیں دعوت کھلائی۔ دو سترخان انواع و اقسام کے کھانوں  
 سے ایک گلزار بن رہا تھا۔ اور شمعوں نے رات کو دن بنا رکھا تھا۔ غرض کھانا کھا کر ہم لوگ  
 نقویر حسن جمال کی مع سعدی کے اس نکاح پر تکلف میں آنکی جہا طح  
 طحکے کھانے و سترخانہ چنے اور عورت اور مردانہ چنے اور قسم قسم کے تماشے ہوئے تھے



محل تیار کرادیا۔ جسے آپ نے کل ملاحظہ فرمایا تھا۔ اسے ساز و سامان سے آراستہ کر کے اپنی حیثیت بھی درست کی۔ مگر اپنے آبائی پیشے کو چھوڑنے پر میراجی راضی نہ ہوا۔ اسلئے شہر کے تمام کارگیروں کو ملازم رکھ کر رسن سازی کا کام اپنے ہاتھ میں کر لیا۔ غرض آپ کی مہربانی سے اس وقت نہ صرف ساز کے بعد ادویں بلکہ تمام ملک میں جلد رسن سازی کے کارخانے میرے ہی ہیں۔ جہاں میرے گماشتے کام کرتے ہیں اور صد و فتر میرا اس بڑے مکان میں ہے۔ اس طرح سے بنے کثیر دولت پیدا کی ہے اور اب امیرانہ بسر اوقات کرتا ہوں۔ ایک مدت کے بعد پھر اس حوٹو دوستوں کو میری یاد آئی اور میرے اس پُرانے گھر میں آئے۔ مگر وہاں مجھے نہ پا کر حیران ہو کر محلے داروں سے میل پتہ پوچھا۔ اور آخر انہیں معلوم ہوا کہ حسن رسن ساز اب بڑا دولت مند کارخانہ دار ہے۔ (وزاب اسے خواجہ حسن جہاں رسن ساز کہتے ہیں۔) اور غلامان محلے میں اسکی ایک عالیشان جوہلی ہے۔ پھر وہ دونو میرا پتہ پوچھتے ہوئے میرے ہی گھر کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ مگر سعدی کو یقین تھا کہ یہ سب کارخانہ آسکی اشرافیوں کی بدولت بنا ہے۔ مگر حسن بولاز نہیں حسن جھوٹا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سب تول اسے میرے پیسے کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ پھر اندازہ لگا کر کہی مکان حسن رسن ساز کا ہر کار و بار سے پردہ تک دی۔ میرے دربارانے دروازہ کھول دیا۔ سعدی کثرتِ پشیم و شاکر و پیشہ دیکھ کے پوچھنے لگا۔ کیا خواجہ حسن جہاں کا یہی مکان ہے۔ میرے غلام نے جواب دیا۔ اہل حضور! اندر چلیے۔ وہ بھی سامنے دیوار خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ غرض وہ میری طرف آئے۔ بنے انہیں دور سے ہی دیکھ لیا اور مجھے کے اگلی میزبانی کے لئے دو دروازے اور بڑے ادب سے انہیں مستند صدر پر بٹھانا چاہا۔ مگر پہلے تو وہ انکار کرتے تھے آخر میرے اصرار پر مان لیا۔ بیٹے کہا۔ میرے معزز دوستو۔ میں وہی حسن رسن ساز ہوں۔ جس پر آپ نے بار بار مہربانیاں کی ہیں۔ میں آپ سے احسانوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔ غرض وہ بیٹھ گئے اور میں بھی انکے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر سعدی بولا۔ میں تمہیں اس حال میں دیکھ کر بڑا خوش ہوا ہوں۔ خدائے حب و خواہ تمہیں فراغت بخشی ہے اور غالباً یہ سب انہی میری اشرافیوں کی ثمرات ہوگی۔ مگر دو دفعہ پہلے تم نے میرے سامنے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ سعد نے اس گفتگو پر زنت پوچھ و تھا لکھایا اور بولا۔ افسوس ہے تم خواجہ حسن کو ایسا کہتے ہو۔ وہ جھوٹا نہیں۔ بیٹے کہا۔ صاحبو! تم

شور و غل کرنے کی وجہ بتاؤں۔ جب وہ اندر گئی۔ تو میری بی بی نے وہ ٹکڑا اُسے دکھایا۔ جو میری  
 کی بی بی ہر قسم کے پتھروں کو پہچانتی تھی۔ وہ بھی اُس ٹکڑے کو دیکھ کر جبران رکھی۔ میری  
 بی بی نے اُسکے پائے کا بھی سب حال بیان کر دیا۔ جو ہری کی بی بی کہتے تھی۔ یہ بہت اچھا  
 شیعہ ہے۔ میری پاس بھی ایک ایسا ہی ٹکڑا ہے اور میں اُسے وقتاً فوقتاً دیکھا بھی کرتی  
 ہوں۔ تم اگر بیچو تو میں خرید لیتی۔ مگر اور کسی کو نہ دکھائیو پھر وہ فوراً اپنے خاوند کی دوکان پر  
 گئی اور اُسے جائے اطلاع دی۔ اُس نے کہا کہ تو ابھی جا۔ اور حق قیمت پر ملے۔ آ۔ جو ہری  
 کی بی بی اُسے پاؤں ہمارے گھر آئی اور میری بی بی سے کہنے لگی۔ میں اشرفیاں میں اُس  
 شیعے کے ٹکڑے کی تجھے دیتی ہوں۔ میری بی بی خاموش ہو رہی۔ اتنے میں میں بھی پانچا  
 اور دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر وہاں ٹھہر گیا۔ میری بی بی مجھے ٹھہر دیکھ کر مجھ سے مخاطب  
 ہوئی۔ کہ ہنسائی اس شیعے کے ٹکڑے کی میں اشرفیاں دیتی ہے تمہاری کیا اصلاح ہے۔  
 میں نے سعد کی بات کو یاد کیا۔ یہودن تم میری سکوت سے جاننا۔ کہ اس قیمت پر میں راضی  
 نہیں ہوا۔ فوراً بولی۔ اچھا میں سچا اس اشرفیاں دیتی ہوں۔ میں جبران ہوا کہ وہ اس تیزی  
 سے میں سے سچاں تک بڑھ گئی ہے۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ شاید یہ کوئی بڑی بیش قیمت چیز ہے  
 اسلئے میں چپ ہو رہا۔ وہ بولی۔ اچھا سو اشرفی لیلو۔ میں نے کہا بی بی تم سو سکتی ہو میں تو اسے  
 لاکھ اشرفی سے کم نہ بیچوں گا۔ غرض یہودن بڑھتے بڑھتے سچاں ہزار اشرفی تک پہنچی۔ مگر میں  
 نہ مانا۔ آخر وہ بولی۔ اچھا تو میرے خاوند کو بھی ایک نظر دیکھ لینے دو۔ میں نے کہا۔ کیا ہرج ہے۔ جب  
 رات ہوئی۔ یہودی میرے گھر آیا اور وہ شیعے کا ٹکڑا اپنے میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا۔ عورتوں  
 دیکھ دیکھ کر لولا۔ گوہر تو اچھا ہے۔ مگر تم قیمت دیا وہ کہتے ہو۔ ہر ہزار اشرفیاں لیلو۔ میں نے کہا  
 میں ایک ہی دفعہ اسکی قیمت کہ چکا ہوں۔ منظور ہو تو خرید لو۔ ورنہ اپنا کام دیکھو۔ آخر وہ راضی  
 ہو گیا۔ اور فوراً دو ہزار اشرفیاں میرے سامنے گن کے رکھ دیں۔ کہ انہیں بیچنا نہ سمجھو۔ اور  
 باقی کل دوکان پر سے لا دوں گا اور ہیرا لیموں کا۔ غرض سودا ہو گیا اور انگلیوں وہ باقی  
 اٹھانوے ہزار اشرفیاں بھی لے آیا اور میں نے اُسے ہیرا دیدیا۔ اب میں نے جاننا کہ کسی طرح سعد  
 اور سعدی کا شکریہ ادا کروں۔ پھر اُس روپے سے ایک وسیع قطعہ زمین خرید کر اس پر وہ عالی شان

پہلی دفعہ جال ڈال کے میرا خاوند جو مچھلیاں پکڑیگا وہ سب تجھے لاوونگی۔ اور امید ہے کہ  
میرا خاوند بھی اس اقرار کو قبول کرے گا۔ جب اس عورت نے وہ پیسہ اپنے خاوند کو جا کر دیا۔  
اور اپنے وعدہ کا ذکر کیا۔ وہ بولا تو نے بہت اچھا کیا۔ کہ ایسا اقرار کر آئی ہو۔ پھر وہ اپنے  
جال کی مرمت کر کے دو گھنٹی کے ترے کے دریا کی طرف گیا اور جال پانی میں ڈالا پہلی دفعہ  
جو مچھلی نکلی اسے علیحدہ رکھ کے پھر کئی دفعہ جال ڈالا۔ مگر سب کی سب اس پہلی سے چھوٹیاں  
نکلیں۔ جب ماہی گیر اپنے گھر آیا۔ سب سامان وہاں رکھ کر وہ مچھلی لئے میرے پاس آیا۔  
کہنے لگے جن ہتھاری ست بین یہی مچھلی تھی۔ بیٹے کہا پیسہ کیا حقیقت دکھاتے ہیں آپ بے اسکا  
عوض لوں۔ مگر جب اس نے ہرار کیا۔ تو بیٹے وہ مچھلی لیکر اپنی بی بی کو دیدی اور اسے سعد کی بات کا  
دکر کیا کہ وہ کوکتا تھا۔ کہ تم اس پیسے کی بدولت مالامال ہو جاؤ گے۔ یہی بی بی نے اس مچھلی کو لیکر  
بچوں کے لئے پکانے کا ارادہ کیا اور جب صاف کرنے لگی میرے کا ایک بڑا سا ٹکارہ اس کے پیٹ کو  
لگا۔ جسے اس نے منجلی شیشے کا ٹنگرہ تصور کر کے چھوئے لڑکے کو دیدیا اور اسکی چٹک دیکھ کر  
بہت خوش ہوا۔ پھر باقی بچوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ جب تمام ہوئی سب کے سب دسترخوان پر  
بیٹھے اور اس میرے کو بڑے لڑکے نے اپنے پاس رکھ لیا مگر کھانے سے فارغ ہو کر پھر وہی غل  
مچانے لگے۔ بیٹے وجہ پوچھی۔ تو لڑکوں نے مجھے وہ میرا دکھا دیا۔ میں اس وقت اسکی قیمت سے  
کا ہے کہ واقف تھا۔ مگر اس کی چونکہ مجھے بھی معلوم ہوئی۔ بیٹے بی بی سے پوچھا تو نے اسے  
کہاں سے لیا وہ کہنے لگی۔ صبح والی مچھلی کے پیٹ سے نکلا تھا۔ آخر چراغ کو بجھا دیا گیا۔ تو  
اسکی روشنی اتقدر تیز تھی کہ چراغ کی کچھ حاجت نہ رہی۔ بیٹے سوچا۔ چلو سعد کے پیسے کی بدولت  
تیل کا خرچ ہی ٹھنڈا۔ لڑکے اور بھی شور مچانے لگے۔ کہ سارے محلے کو معلوم ہو گیا۔ پھر بیٹے  
سعد کو گھر کی دی۔ تو وہ خاموش ہو کے سو رہے۔ ہم نے بھی آرام کیا اور فجر کو اٹھ کئے اپنے  
کام میں لگ گیا۔ میرے ہمایہ میں ایک یوودی جو اہری رہتا تھا۔ اسکی بی بی رات کی بے ادبی  
کا شکوہ کرتے میری بی بی کے پاس آئی۔ جو لڑکوں کے شور وغل سے انہیں ہوتی تھی۔ میری  
بی بی نے فوراً اس سے کہا۔ آپ جس کام کے لئے آئی ہیں۔ میں جانتی ہوں۔ لیکن امید ہے  
کہ آپ میرے بچوں کا قصور معاف کر دیجیگی۔ اگر آپ اندر قند بقیے آئیں تو میں آپ کو نفل

کر دیتے تو کیوں ایسا ہوتا۔ ناچار ہم چپ ہو رہے کہ ہمسائے شکر ہماری چوقنی پر ہنسنے لگے۔  
 مگر میں اپنے دل میں سخت پریشان تھا کہ سعدی اب کیا کہیگا اور میں اُسے کیا جواب دے گا۔  
 پہلے ہی وہ میری بات پر باور نہ کرتا تھا۔ اب تو وہ ضرور ہی مجھے فیلسف تصور کریگا۔  
 غرض کئی دن ان دس اشرفیوں سے اچھے گزر گئے۔ آخر ایک روز وہ خود دست میری  
 حالت کو دیکھنے کے لئے پھر آئے۔ مینے چاہا کہ چپ رہوں۔ مگر انہوں نے مجھے آہی لیا  
 پھر مجھ سے سلام علیک کر کے خیریت پوچھی۔ مینے شرمندگی کے مارے نظر نیچی کر لی۔ وہ  
 میری وہی شکستہ حالت کو دیکھ کر حیران ہوئے اور وجہ پوچھی مینے ان اشرفیوں کو کھونٹے  
 کا بھی حال سنا دیا۔ سعدی کہنے لگا خیر! اب مجھے قسمت پر کچھ اعتبار آ گیا ہے۔ وہ  
 اشرفیاں مینے فقط دوستانہ طور پر تھیں دی تھیں۔ اب تم کچھ فکر نہ کرو۔ پھر سوار نے  
 تانے کا ایک پیسہ نکال کے مجھے دیا۔ اور کہنے لگا۔ تم دیکھو گے تلنے کا یہ ٹکڑہ خدا کے  
 فضل سے تمہارے لئے کیسا مبارک ثابت ہوتا ہے۔ سعدی نے قہقہہ مارا کہ بھلا تانے  
 کا یہ ٹکڑہ احسن کو کیسے نفع دے گا۔ سعدی نے بولا۔ تم اسے اپنے پاس رکھو اور سعدی کو  
 ہنسنے دو۔ دیکھو تو پھر وہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے مینے وہ پیسہ لیلیا اور بے پردہ ای  
 کیساتھ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ دو دو دست رخصت ہو گئے اور میں اپنے کام میں  
 مصروف ہو گیا۔ رات کو جب سونے لگا اور کپڑے اتار رہا تھا کہ وہ پیسہ جیب میں سے  
 گر پڑا۔ مینے اُسے اٹھا کے بڑے استعنا کے ساتھ ایک طالعے پر رکھ دیا۔ اتفاقاً اُسی رات  
 میرے ایک ہمسایہ ماہیگیر کو اپنے جال کی مرمت کے لئے ایک پیسے کی ضرورت پڑی تاکہ  
 اُس سے سوٹ خرید لائے۔ اور جال درست کر کے مچھلیاں پکڑے اُسے اپنی عودت کو میرے  
 گھر بھیجا۔ مگر وہ پہلے اور گھروں میں گئی۔ اتفاق سے اُسے کہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر  
 وہ میرے گھر آئی۔ اور میری بی بی کو آواز دی اور کہنے لگی۔ میرے خاوند کو جال کی مرمت  
 کے لئے ایک پیسہ کی اس وقت ضرورت آپڑی ہے۔ ہمارے ہمسایہ کے گھروں میں ہو آئی  
 ہوں۔ مگر کسی نے بھی حاجی نہ بھری۔ مینے وہی پیسہ اپنی بی بی کو دیدیا کہ جا کے اُس کو  
 دے آئے۔ غرض وہ بڑی خوش ہوئی اور میری بی بی سے کہنے لگی۔ میں اتوار کرتی ہوں کہ

مجھ سے پوچھا۔ بجائی حسن! تمہارا کیا حال ہے۔ ان دو سو اشرافیوں سے تمہارے کاروبار میں  
 کتنا قدر ترستی رہتی ہے؟ بیٹے جواب دیا۔ صاحب! کیا بتاؤں پر سختی عجیب چڑھنے۔ پھر میں نے  
 چیل کی پگڑی لیجانے کا سارا واقعہ اُسے سنا دیا۔ سعدی کو اعتبار نہ آیا اور وہ بولا اے  
 حسن! کیا ہمیں دھوکا دینا چاہتا ہے۔ مجھے معلوم ہے اکثر آدمی جنہیں لیکا پک کہیں سے  
 کثیر دولت بے منت ماتہ آجاتی ہے اور اُسے عیاشی میں صرف کر کے جاٹ کے یا سٹاری  
 بنھاتے ہیں۔ تم بھی اُن میں سے ایک ہو گے۔ میں نے جواب دیا جاشاؤ سٹالا۔ میں جھوٹ نہیں  
 بولتا۔ آپ کسی اور سے پوچھ سکتے ہیں۔ کہ مجھ پر یہ حادثہ گذرنا ہے یا نہیں۔ سعدی بولا۔  
 مگر چلیں تو صرف یہی چیزیں لیجاتی ہیں جو انکے کھانسیکی ہوں۔ پگڑی کو چیل کیا کر گئی۔ یہ  
 شکر سوار بولا۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ بسا اوقات اتفاق چڑھتا ہے کہ وہ بے مصرف کی اشیا  
 بھی اپنے ٹھونسلوں میں لے گھستی ہیں۔ سعدی کو پھر کس قدر اعتبار آ گیا۔ اور دو اشرافیاں بھی  
 اس کے کچے کہنے لگا۔ و۔ اب انہیں احتیاط سے رکھنا ہے اسکا شکریہ ادا کیا اور دعا میں  
 دیں۔ پھر وہ دو تو دوست چلے گئے اور میں گھرا آیا۔ اتفاق سے بی بی سچوں میں سے اسوقت  
 گھر میں کوئی نہ تھا بیٹے قیسی سے دس اشرافیاں نکالیں اور باقی کی ایک سو کو ایک کمرے  
 میں مضبوط بند کر رکھی کے ایک بڑے منکے میں رکھ دیں جس میں گدہ کی بھوس بھری تھی۔  
 مگر انہی بی بی کو اس کی خبر نہ دی۔ پھر میں بازار میں سن لینے کے لئے چلا گیا۔ میرے پیچھے ایک  
 آدمی سر دھونے کی مٹی چٹا آبا میری بی بی نے اُسے خریدنا چاہا۔ مگر بچے جیسے نہ تھا۔ اسنے  
 اُسے خیال کیا کہ وہ بھوس کا رسکا دیکھے مٹی لے لینی چاہئے۔ مٹی والا بھی رخصتی ہو گیا اور مٹی دیکھ  
 منکے سمیت بھوس اٹھا لیک گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی سن لیکے آ گیا اور مکان کے باعث ایک  
 چار پانی پر لٹ گیا۔ لیکا پک میری نگاہ آ سکا پر پڑی۔ یہاں وہ بھوس کا رسکا پڑا تھا۔ مگر وہ جب  
 غالی پا کر مجھے بڑی بیچینی ہوئی اور میں نے اپنی بی بی سے پوچھا وہ منکا کہاں ہے۔ وہ بولی۔  
 اُسے تو میں نے فروخت کر دیا۔ میں چلا آیا۔ اُسے سخت اتونے ہمیں ہلاک کر کے اُس گلا فروش کو  
 مال مال کر دیا۔ پھر اُن دو دوستوں کے آنے اور اشرافیاں جانے کا سارا واقعہ اُسے سنا دیا  
 اور کہنے لگی واہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اپنا قصور میرے گلے مڑھتے ہو۔ اگر تم مجھے پہلے مطلع



نصیر سہدی اور حد کی جن جہاں کے گھر لٹکی اور اس سے ہم کلام ہونے کی



زمین پر گر پڑی چلی نے اُسے گوشت نصیر کیا۔ اور چھپتا مار کے لے گیا اوی۔ سینے بڑا غل  
 بھی مچا یا۔ مگر وہ نظروں سے غائب ہی ہو گئی۔ آخر حیران ہو کے میں گھر آیا۔ اور دل میں شرم  
 تھا کہ سہدی کو کیا جو ایسا دوزگا۔ وہ اُسے ضرور میرا فریب سمجھے گا غرض اسی حالت میں سیر  
 گھر آیا۔ میری پریشانی کو میرے ہمسایوں اور میری بی بی نے دیکھا۔ اور دُعا پوچھی۔ ہر خدینے  
 کیے نقصان مایہ و دیگر شامت ہمسایہ کے خیال سے بات کو چھپانا چاہا۔ مگر آخر معاملہ ظاہر کرنا  
 ہی پڑا۔ اور لکھی کو میرے پاس اشرقیان ہونے کا اعتبار نہ آیا۔ صرف میری بی بی نے سخت  
 اندس کیا آخر باقی ماندہ دس اشرقیوں سے جیتنے کی روتی سر کئے اور پھر ویسے سا رہا ہی ہو گیا  
 چھ مہینے پھر اسی افلاس میں گزر گئے اور وہ دونوں دست پہ دیکھنے کے لئے کہ کتنی میری پوچی  
 بڑھی ہے میرے گھر سے۔ سہدی نے دُعا سے ہی مجھے دیکھ لیا اور سہدی سے کہنے لگا۔ میں تو  
 اسکی پہلی وہی حالت پاتا ہوں۔ البتہ پگڑی کچھ اچلی ہے۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھے اور سہدی

قسمت اور تقدیر کا مقتصد ہے۔ سعدی دولت مند رہے اور سعد نفلس۔ مگر دونوں میں کمال درجہ کی  
 دوستی ہے۔ البتہ اس مسئلے پر ضرور ہر روز بحث رہا کرتی تھی۔ ایک دن سعدی نے کہا۔ آؤ سچو یہ کہ تم  
 اور کسی فرد پر پیشہ ور کو کچھ نقد ہی دیا جائے جس سے وہ مکر را ایک دن دولت مند بن جائیگا۔ اس وقت تم  
 داشت اور تمہر کو مان لو گے۔ یہ فیصلہ کہو کہ دو نو میری جگہ آگئے۔ میں اس وقت رستی بیٹھے میں مصروف  
 تھا جو کئی پشتوں سے میرا پیشہ چلا آتا تھا۔ میرے لباس اور گھر کی حیثیت کو دیکھ سعدی بولا۔ اس سے  
 اچھا آدمی تجربہ کئے لئے تمہیں نہ ملیگا۔ اسے کچھ اشرفیاں دیو۔ میں اسے دتا سے جانتا ہوں  
 سعدی نے جواب دیا بہت اچھا۔ مگر پہلے ہیں اسکے حالات تو پچھ لینے چاہئیں اور دونوں بیٹھے  
 بیٹھے میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں سلام کہی۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔  
 مجھے حسن رسن ساز کہتے ہیں۔ سعدی بولا۔ پیشہ ور کو پیشہ ہی کافی ہوتا ہے۔ میں تو سبھی کا قاتل  
 پرے خوشحال ہو گئے۔ میں نے جواب دیا۔ خوشحالی کی تو کچھ نہ پوچھئے۔ صبح سے شام تک رستی بیٹھا  
 ہوں اور بدشواری اپنا اور بی بی اور پانچ بیٹھے بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مگر اتنی بات البتہ شک کے  
 قابل ہے کہ خدا نے مجھے کسی کا محتاج نہیں بنایا۔ یہ شکر سعدی بولا۔ مجھے تمہارا حال معلوم ہوا۔  
 یہ دو سو اشرفیوں کی تقبیل ہے۔ ان سے تم اپنی سیراوقات اچھی طرح سے کر سکتا ہے۔ بلکہ  
 دولت مند ہو جائیگا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور جواب دیا کہ ایک بیک دولت مند ہونا محال ہے۔ البتہ رفتہ  
 رفتہ آپ کی مہربانی سے ہو سکتا ہوں۔ یہ شکر اس نے مجھے صادق القول سمجھا۔ اور بولا یہ شہر  
 میں تجھے شد و تیا ہوں۔ تم اپنا کاروبار کرو اور خدا تمہیں برکت دے گا۔ مگر خیال رکھنا انہیں  
 ضائع نہ کر دینا۔ نہ کرنا میں اور میرا دوست سعدی تمہیں دولت مند پار بہت خوش ہو گئے۔ میں نے  
 شکریہ ادا کیا اور تقبیل لیکے جیب میں رکھ لی۔ پھر وہ دو دوست خست ہو گئے۔ اب میں اس  
 فکر میں ہوں کہ انہیں کہاں رکھوں۔ گھر میں کوئی محفوظ جگہ نہیں۔ نہ ہی کوئی صندوق ہے ناچا  
 پکڑی میں باندھ رکھنے کی صلاح کی۔ چنانچہ تقبیل کو اندر لے آیا اور اس میں سے دس اشرفیاں  
 نکال کر الگ کر لیں باقی کی ایک سو نوے پکڑی میں رستی سے خوب گس کر باندھ لیں۔ پھر بازار گیا۔  
 کچھ سن خرید لیا اور واپس آئے وقت تھوڑا سا گوشت بھی لیکر چلا آتا تھا کہ راستے میں ایک چیل  
 کے چھٹا مارا کہ گوشت چھین لے مگر بیٹھے بچا لیا۔ وہ پھر لپکی۔ اسی کو دیکھا نہ میں میری پکڑی

یہ شکر وہ بی بی اندر گئی۔ اور ایک بوتل لاسے مجھے دہری۔ جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اور  
 کٹے لگی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امین اسوقت گھر میں نہیں مگر گھوڑی دیر بعد آئیگی۔  
 لہذا تم فوراً گھر میں جاؤ اور جب آئے فوراً اُسکے منہ پر یہ پانی چھڑک دینا۔ پھر تم جس جانور  
 کی شکل میں اُسکو لانا چاہو گے فوراً وہی شکل اختیار کر لیگی۔ غرض اس ہدایت کو پا کر میں  
 گھڑیا اور امین کے انتظار میں بیٹھا۔ چند منٹ کے بعد وہ بھی آگئی اور مجھے دیکھنے کا پلنے  
 لگی۔ چاہتی تھی کہ بھاگ جائے مگر میں نے فوراً اُسپر پانی چھڑک کر کہا کہ یہ شکل چھوڑے ابھی  
 گھوڑی بن جا۔ اور یہ وہی گھوڑی ہے جسے آپ نے کل دیکھا تھا۔ پھر میں نے اُسے صلب  
 میں لیجا کے رسی سے خوب باز دھکا مارا۔ اور معمول بٹھرا لیا کہ ہر روز اُسے خوب جکڑ دیکر  
 اچھی طرح چایک سے اُسکی خبر لیا کرونگا۔ امیر المومنین اُمید ہے کہ آپ میری اس  
 حرکت سے ناخوش نہ ہونگے۔ بلکہ ایسی ناشکر گزار عورت کے حق میں کوئی زیادہ سزا تجویز  
 کرینگے۔ خلیفہ نے فرمایا حقیقت میں تمہارا قصہ بڑا عجیب ہے۔ مگر یہ سزا بہت سخت  
 ہے۔ تاہم میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا کہ تم پھر اسے اسکی اصلی صورت میں لے آؤ۔ کیونکہ  
 مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ملعون تمہارے ساتھ کوئی اور بدسلوکی نہ کرے۔ پھر خلیفہ خواجہ  
 حسن رس سادکیطون مخاطب ہو کر بولا۔ کل نلال محلے میں تمہارا عالیشان محل دیکھا مجھے حیرت  
 ہوتی تھی اور لوگوں سے پوچھنے سے معلوم ہوا کہ تم یکایک قصر غربت سے نکلا کر دولت مند ہو گئے  
 کبیر بیٹھے ہو۔ اب مجھ سے بھیک بھیک بیان کرو کہ تم یکایک اسقدر مالدار کیونکر ہو گئے  
 مگر دل میں بالکل کسی اندیشہ کو راہ نہ دو مجھے فقط تمہارا حال دریافت کرنا ہے۔ مال سے  
 کوئی مواخذہ نہیں۔ خواجہ نے اپنا قصہ یوں بیان کرنا شروع کیا۔

### قصہ خواجہ حسن رس ساز کا

امیر المومنین! پہلے میرے دروשותوں کا حال سن لیجئے جو زندہ و سلامت اور جبر  
 انظار کے گواہ ہیں۔ ایک کا نام سعد ہے اور دوسرے کو سعدی کہتے ہیں۔ سعدی کا  
 اعتقاد تھا۔ کہ کوئی شخص تدبیر اور اس المال کے بغیر خوشحال نہیں ہو سکتا۔ مگر سعد

الگ کر کے رکھ دیا۔ اور نانبائی ہنگام بگڑا گیا۔ وہ عورت بھی متحیر ہوئی اور کھوٹا درہم بدل  
دیکھ چلی گئی۔ نانبائی نے تمام بازار میں میری اس شناخت کا غل جچا دیا پھر تو لوگوں  
کا اتنا بندھ گیا۔ لوگ آتے اور کھڑے درہموں میں کھوٹے ملا کر میرے سامنے رکھ دیتے  
میں بھی ذرا انہیں الگ الگ کر دیتا۔ اس دن شام تک میرا امتحان ہی ہوتا رہا۔ اور جتنا  
جلد یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ نانبائی کو پھر میرا پاس زیادہ ہو گیا۔ اس کے  
ہمسائے کہتے کہ بھائی! یہ کتنا کیا ہے تجھے تو ایک صراف صفت میں لگ گیا ہے اس کے  
کئی روز بعد میری شہرت سنکر ایک اور عورت وٹاں سے روٹیاں لینے آئی۔ اور اچھا  
اچھے درہموں میں ایک درہم کھوٹا ملا دیا۔ میرے آقا نے وہ درہم میرے سامنے رکھنے  
کے لئے رکھ دئے اور میں فوراً کھوٹے درہم پر پاؤں رکھ دیا۔ وہ عورت مانگی کہ وٹھی  
یہ ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اس کہتے کا صرف امتحان مطلوب تھا۔ آخر وہ بد لکر روٹیاں لیں  
اور نانبائی کی نظر سجا کر مجھے ساتھ آگیا اشارہ کر کے چل کھڑی ہوئی۔ میں بھی سمجھ لیا اور  
اسکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آخر وہ عورت مجھے اپنے گھر لے گئی اور جب میں اندر گیا اس نے  
باہر کا دروازہ بند کر لیا۔ پھر مجھے ایک کمرے میں جہاں ایک نوجوان حبیبہ کا رومہ لپیٹا  
ہوئے پسند پر رومی نمکنت سے بٹھی تھی لے گئی اور اس سے کہنے لگی: بیٹی! یہی وہ کتا ہے  
جو کھوٹے درہموں کو ہر کھتا ہے۔ میں نے آج اسکا امتحان بھی کر لیا اور اسے پورا صراف  
پایا۔ ذرا تم بھی تو دیکھو کہ کون ہے۔ وہ بغور میری طرف دیکھ کے بولی: اماں! ابھی تسیر  
بھی بھیا کھل جاتا ہے۔ پھر پائی کا ایک گلاس لیکر اُسپر کچھ پڑا اور پھر پھر لک کر بولی۔  
اگر تو پیدائش سے ہی کتا ہے تو خیر! ورنہ فوراً اپنی اصلی صورت پر آ جا۔ اس کے یہ کہتے  
ہی میں آدمی جنگیا اور کمال مسرت کے ساتھ شکر یہ ادا کرنے کے لئے اس نازنین کے  
تدمو پھر گر پڑا اور اس لیڈر بھیا کا بھی شکر یہ ادا کیا جو مجھے اپنے ساتھ لائی تھی۔ پھر  
میں نے اپنا اور اپنی بی بی کی بدسلوکی کا سارا حال اس حبیبہ سے کہہ دیا وہ بڑے عطف میں  
آئی اور بولی: میں امین کو کبھی کبھی سنرا دینی ضروری سمجھتی ہوں ورنہ تمہارے لئے بہت  
اندریشہ ہے۔ میں جواب دیا: آپ مالک میں جو چاہیں کریں۔ میں فوراً حکم کی تعمیل کرونگی

امین کے کان بھرے ہو گئے۔ اُس نے سمجھ لیا۔ کہ اپنے اُسکی کرکوت دیکھ لی سے فوراً آنکھیں  
 سرخ کر لیں۔ گویا آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ پھر پانی کا ایک گلاس لیکر اُسپر کچھ پڑا جسے  
 میں نے سمجھ سکتا تھا۔ آخر اُس میں سے ٹھوڑا سا پانی لیکر مجھ پر چھڑک دیا۔ اور بولی۔  
 جا اے ملعون! فوراً کتابن جا۔ اُسکے یہ کہتے ہی میں نے جامہ انسانی کی جگہ اپنے تئیں  
 فوراً حیوانی صورت میں پایا اور سخت بیقرار سی محسوس کی۔ میری بی بی نہیں۔ بلکہ میری  
 دشمن نے یہ دیکھ باہر کا دروازہ بھیڑ لیا۔ اور ایک لاشی اٹھا کے مجھے مارنے لگی۔ بہت  
 مارا اور استغدر دیا کہ میں بے دم ہو گیا۔ آخر جس طرح ہو سکا میں فوراً باہر نکلا اگرچہ لاشی  
 لگی مار سے اپنی سچات مل گئی۔ مگر مجھے اجنبی سمجھ کر گلی کے کتوں نے آنکھیں اور اگر میں دم  
 و باکے بھاگ نہ جاتا تو میری بوٹی بوٹی ہوا سی چلی ہتی۔ غرض میں ایک نانبائی کی دوکان  
 میں گھس گیا اور اُسے باقی کتوں کو مار کر مجھے بچا یا۔ آخر رات میں وہیں بسر کی۔ اور  
 اگلے دن جب دوکاندار سنڈی سے گوشت لیکے آیا تو میں دوکان ہی میں پکڑا ہوا بان  
 ہو گیا اور فوراً ایک بڑا سا لوتھڑا اٹھا کے میرے سامنے پھینک دیا۔ میں نے دم ہلا کے وہ  
 گوشت کھا یا اور پھر دم ہلا کے اُسکا شکریہ ادا کیا۔ میری یہ ادا اسے بھلی معلوم ہوئی اور  
 اُس نے مجھے اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ جب شام کو وہ دوکان بند کر کے گھر چلا تو مجھے کبھی ساتھ  
 ہی لیلیا اور میرے رہنے کے لئے ایک اچھی سی جگہ مقرر کی۔ غرض وہ مجھ پر نہایت  
 شفقت فرمانے لگا۔ اُسکی مہربانی کے عوض میں میں بھی اُس سے کمال اُلفت رکھتا تھا۔  
 جب وہ باہر نکلتا تو فوراً اُسکے ساتھ ہولیتا۔ اگر قصداً کار میں اُسکے ساتھ نہ ہوتا تو وہ فوراً  
 مجھے آواز دیتا جسکے سنتے ہی میں دم ہلاتا ہوا دوڑا جاتا۔ ایک مدت تک اسطرح اُس کے  
 پاس رہا۔ ایک دن کی بات ہے کہ کوئی بڑھیا اُس نانبائی کی دوکان پر روٹیاں لینے آئی۔ اور  
 درہم میں ایک کھوٹا درہم بھی ملا کے دینے لگی۔ نانبائی نے وہ درہم فوراً لوٹا دیا۔ مگر  
 بڑھیا اصرار کرنے لگی۔ کہ نہیں یہ بھی کھرا ہے۔ میرے نانبائی نے جواب دیا۔ اچھا آؤ۔  
 میرے کتے کو دکھاؤ۔ دیکھو تو وہ کیا کہتا ہے۔ یہ کھکے وہ سیا درہم میرے سامنے ڈھیر  
 کر دئے۔ اور بولا کہ انہیں سے کھوٹا درہم نکال دو۔ میں نے فوراً وہی درہم پاؤں سے

شہر کرتی ہے اور پھر کھانا کھا بیگی یا پہلے کھا چکی ہے۔ مگر جب کبھی روز متواتر گزر گئے اور اس کے  
 معمول میں فرق نہ آیا تو مینے حیرانی سے اسے ٹوکنا شروع کیا۔ مگر وہ خاموشی میں بات کو ٹال  
 دیا کرتی۔ ایک رات کی بات ہے ہم دونوں ایک ہی بستر پر سوتے کہ نیم شب کے وقت وہ چپکے سے  
 اٹھی۔ گویا مجھے سوتا سمجھتی ہے اور کپڑے بدل یا ہر کو روانہ ہوتی۔ میں بھی بظاہر تو سو یا رہا  
 مگر بار بار اُس کو دیکھوں کہ ہر کو جاتی ہے آخر اُسے باہر کا دروازہ کھول کے گلی میں قدم رکھا میں  
 بھی فوراً اٹھ کے پیچھے پہنچا۔ اور وہ ایک قبرستان میں جو پہلے مکان کے متصل ہی واقع  
 تھا۔ جب کے ایک غول سیا بانی کے پاس بیٹھ گئی۔ میں یہ نظارہ دیکھ کے جل بسن گیا۔ مگر اپنے  
 تئیں سنہا لکر ایک دیوار کے پیچھے چھپ گیا۔ جہاں سے میں اُنہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر اُنکی  
 نظر مجھ پر نہ پڑ سکتی تھی۔ خیر! آخر کار اُن دونوں مومنوں نے ایک قبر سے مڑو نکالا جو امیدت فتن  
 کیا گیا تھا۔ اور اُسکا گوشت نوج و جگر بڑے مزے سے کھانے لگے۔ اس اثنا میں وہ باتیں  
 بھی کرتے جاتے تھے۔ مگر دور ہونیکے سبب میں وہ باتیں نہ سن سکا۔ بہر کیف مارے غم  
 و غصہ کے میں کھراکاپ رہا تھا اور مینے سمجھ لیا کہ اسکے کھانا نہ کھا نیکی ہی وجہ تھی۔ آخر دونوں  
 نے ایک شتم کھا کے مڑے کی ہڈیاں قبر میں پھینک دی اور میری ڈالنی شروع کی۔ اور میں چپکے  
 سے واپس آ کے بستر پر لیٹ رہا۔ سوتھوڑی دیر بعد وہ غول کی بھی بھی میرے پہلو میں آ کے لیٹ  
 رہی۔ مگر اب اُن کے کراہت کے مجھے نیند نہ آتی تھی اور خدا خدا کر کے رات بسر کی۔ جب دن بھلا  
 مینے فوراً اُسکے کپڑے بدلے اور سیر کو نکل گیا۔ مگر راستہ بھر ہی خیال سر میں چکر لگا رہا تھا کہ  
 اپنی بی بی سے مڑو از خودی کی عادت کیسے چھڑاؤں۔ جس کا نام امین تھا۔ غرض اسی خیال  
 میں کہیں اس وقت گھر واپس ہوا۔ جب کھانا تیار پڑا تھا آتے ہی مینے دسترخوان کھیلنے کا  
 حکم دیا۔ تو کرنے فوراً ہر قسم کے لذیذ کھانے سامنے لا رکھے۔ مگر امین نے وہی کربدنی نکال  
 لی جسے پچھلے دن آ یا۔ اور بے اختیار ہر کو بول اٹھا۔ صاحب میں آپ کے طریق غرض  
 پر حیران ہو رہا ہوں اور نہیں جانتا کہ آپ زندہ کیسے رہ سکتی ہیں۔ مگر بانی کر کے اگر آپ کو  
 کوئی کھانا پسند نہ آتا ہو تو باورچی کو کہیے کہ اپنی پسند کے موافق تیار کر لیا کریں۔ کیا وہ کوئی  
 بھی ایسا کھانا تیار نہیں کر سکتا جو مڑے کے گوشت سے اچھا نہ ہو۔ یہ سننے ہی اپنے

اس پر حیرت کی کیا وجہ ہے۔ کل بیٹے لوگوں سے پوچھا یہی چاہا مگر سولے اسکے اور کچھ تہ نہ رگا کہ تم ہر روز اس باویان کے ساتھ اسی طرح سے پیش آتے ہو۔ اب بفضل طور پر مجھے اپنا ٹھیکہ بھیجنا حال سناؤ۔ سلاطین عجیبے مواخذے سے مت بڑو اسے بیٹے موافق کیا۔ یہ شکر سیدی نعمان خلیفہ کا شکر یہ بچا لایا۔

### قصہ سیدی نعمان اوزا سکی گھوڑی کا

حضور مجھے بزرگوں سے اس قدر تر کہ ملا تھا کہ اگر میں چاہتا تو امیرانہ اپنی عمر اس سے بسر کر سکتا مگر جوانی دیوانی مشہور ہوتی ہے۔ ایک دن شاوی کا خیال آگیا اور چند روز بعد ایک حسبیت سے بیابان بھی ہو گیا۔ لیکن اگلے دن جب ہم دونوں پہلی وقفہ دسترخوان پر بیٹھے۔ مجھے اس کی عادات نہایت عجیب معلوم ہوئیں۔ بیٹے حسب دستور سب سے پہلے چھپے سے پلاؤ کھانا شروع کیا۔ مگر میری بی بی حبیب سے کان کریدنی نکال کر آپ ایک دانہ کھونگینے لگی۔ بیٹے سبھا شاید مجھ سے

نصویر این کی قبر شاہین پنج پکر پراہ غول ساییانی کے مڑے کو قبر سے نکال کر گوشت کھائی





اور بدوزشہ و بدبرہ ہشتن، الا مصرعہ اسوقت مجھ پر صادق آ رہا ہے۔ میں سنت ہمارا کر کے  
 اسے خدا کی قسم دلائی۔ وہ بولا عجیب آدمی ہو۔ میں جب تمہارے ساتھ نیکی کر چکا ہوں تو اب  
 میری نیکی کروں میں نے جواب دیا کہ تم بڑی الذمہ ہو۔ فقط تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے  
 یقین نہیں ہے کہ ایک چیز کے دو خواص ہو سکتے ہیں۔ وہ بولا اسے تم ایسا ہی خیال کرو ورنہ  
 یاد رکھو۔ سخت پریشان ہونا پڑے گا۔ میں نے کہا جہاں آپ نے اور باجین لیں۔ ایک یہ بھی مان  
 لیجئے آپ کا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ غرض بیچارے نے مجبور ہو کر سوتوڑا سا سرمہ میری آنکھ  
 پر بھی لگا دیا۔ اور جب میں نے آنکھ کھولنے کی کوشش کی تو دنیا تار یکا ہوزی گئی اور اسوقت  
 سے دیکھ کر میرے لئے شب و روز برابر ہیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اس درویش کو مبارکالیاں دیں  
 وہ بولا اس میں میرا کیا قصور ہے میں نے تو تمہیں بچھا دیا تھا۔ مگر یہ تمہاری حرص کا نتیجہ ہے کہ  
 دنیا میرے خزانوں سے محروم ہو گئے ہو میں نے کہا۔ بھلے آدمی! خدا کے لئے یہ سب اونٹ لیجاؤ۔  
 اور مجھے چوں کا توں بنا دو کاٹش! تم مجھے اس نرزانے کا پتہ ہی نہ بتاتے نہ مگر اُسے جواب دیا۔  
 اب کچھ نہیں ہو سکتا اور اونٹ آگے لگا کے بھرے کی لڑی۔ میں نے کہا مجھے ساتھ ہی لیچو۔ مگر  
 اب وہ میری طرف سے گویا ہرہ بنگیا تھا۔ ناچار اُسی بے آب و گیاہ جنگل میں میں آئینا اور  
 بات تڑپا رہا۔ اگلے دن ایک قافلہ بعد اذان آنے والا تھا۔ انہوں نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھے یہاں  
 لے آئے۔ میں یہاں پہنچا اپنے تئیں کسی کام کے قابل نہ مگر اگر شروع کی۔ اور خدا سے دعا  
 کیا۔ کہ اس لاکھ نفس کی سزا ہی ہے کہ جو کوئی مجھ پر ترس کھائے وہ میرے سر پر ایک تھول  
 بھی لگاتا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کل مجھے آپ کے حضور میں گستاخی کا مرتکب ہونا پڑا۔ خلیفہ  
 بولا۔ بابا عیداد! تمہارا گناہ تو فی الواقع بہت بڑا ہے مگر اُسکے لئے عابدوں اور زائرین  
 کے دُعا کے واسطے التجا کرو۔ اور اب بھیک مانگنے کے لئے شہر میں مت جایا کرو بیت المال  
 سے تمہارے واسطے چار درہم روزانہ مقرر کیا جاتا ہے۔ بابا عیداد خلیفہ کا شکریہ سجالا یا۔  
 اب باوایاں کو میری سزا سنو اے جو ان کی باری آبی۔ خلیفہ نے پہلے اُسکا نام پوچھا۔ میں نے  
 کہا۔ حضور! مجھے سیدی تنہا لیتے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا۔ مل تم اپنی گھوڑی کو بڑی بڑی طرح  
 سے مار رہے تھے۔ میں نے اکثر سواروں کو دیکھا ہے۔ مگر تم سب سے بڑھ کر کسی دیکھائی نہیں دیتا

لئے اس قدر انٹوں کی خبر گیری بہت مشکل ہے آؤ میں اور مجھے دید و اس خد کے بندے  
 نے کچھ بھی چون و چرا نہ کی۔ اور کہنے لگا۔ تم کہتے تو ٹھیک ہو۔ اچھا لیجاؤ۔ یہ سن کر میں  
 اونٹ اور لئے اور اپنا راستہ پکڑا۔ تھوڑی دُور جا کر پھر خیال آیا۔ اس پہلے مانس نے تو  
 کچھ چون و چرا نہ کی۔ میں غلطی کی۔ اگر سب کے سب مانگ لیتا تو وہ بانی کے اونٹ بھی مجھے  
 بھیج دیتا۔ یہ سوچ کر میں اُسکے پیچھے اُٹھ دُور اور چلا نا شروع کیا فقیر صاحب اُڑا پھر چائے  
 وہ بیچارہ پھر رک گیا۔ اور بولا۔ کہو۔ اب کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ مجھے رہ رہ کے اپنی عبادت  
 کا خیال آتا ہے۔ کہ اگر آپ دولت اور انٹوں کی خبر گیری میں مصروف ہو گئے تو آپ کا بہت  
 ہرج ہوگا۔ علاوہ ازیں مجھے بھی اسکا گناہ ہوگا۔ کہ میں کہوں آپ کو اس طرف سے باز  
 نہیں رکھا۔ اس لئے اگر مناسب سمجھیں تو بانی کے میں اونٹ بھی مجھے دے جائیں۔ اُسے  
 جو اپنا دیا۔ بہت اچھا لیجاؤ۔ اور آپ دامن جھاڑ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ لاپچ سے  
 اسوقت میری آنکھیں اندھی ہو رہی تھیں۔ میں نے اُن انٹی اونٹوں پر بھی صبر نہ کیا۔ چیر لدی  
 ہوئی دولت بری ہفتاد لپٹ کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ اور چاہا کہ اُس ڈبیا کو بھی درویش  
 سے لیاؤں۔ مگر اب کے جب میں نے اُس درویش سے ڈبیل کے لئے سوال کیا۔ اُس نے صاف  
 اڑا کر دیا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر آرام سے نہ دیکھا تو میں جبراً اس سے لینے کی کوشش کرونگا۔  
 اس کے دل میں بھی کھٹک گئی اور پھر فوراً خود بخود وہ ڈبیا مجھے دیکھ بولا۔ اچھا تو اُس  
 کے خواص بھی سن لو۔ میں نے اُسکا شکریہ ادا کیا کہ اُن نے یہ تو انکی بڑی ہرانی ہوگی۔ وہ بولا۔  
 اگر اسے دامن پک پر لگا یا جائے تو دنیا کے تمام پوشیدہ خزانے نظر آئے لگتے ہیں۔ مگر بائیں آنکھ  
 پر لگانے سے دونوں آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا آپ ہی اسے اچھی طرح استعمال کر سکتے  
 ہیں ذرا مجھے ایک بار تجربہ ہو کر دیکھئے۔ یہ شکر اُس نے تھوڑا سا مرہم میری ذہن پر لگا دیا اور جب  
 میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو میٹھا روشنی اور خزانے نظر آنے لگے۔ جیسا کہ میں نے کہا تھا پھر میرے  
 دل میں خیال آیا کہ بائیں آنکھ پر بھی لگاؤں تو اُسکا کوئی اور فائدہ نہ ہو جیسے یہ درویش  
 چھپانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر میں فوراً بائیں آنکھ بھی بند کر لی کہ ذرا سپر بھی لگا دو۔ وہ بولا۔ اس کا  
 خواص پہلے نہیں بتا چکا ہوں۔ دیکھو عمر میرے لئے پیمانہ رہوئے۔ شامت اعمال ستر سوار تھی

سے بھی لادلاؤ۔ تو اُسکا ایک کونہ بھی خالی نہ ہوگا۔ میں اُسکے جھانسنے میں آگیا اور فوراً  
 مبین صورت بنا کر اُس سے کہا کہ آپ کو تو تہہ بزرگاہی۔ اگر مجھے وہاں بچلیں تو ایک اونٹ  
 آپ کی نذر کر دوں گا۔ اُس نے جواب دیا۔ ایک اونٹ پر تو میں راضی نہیں ہو سکتا۔ اوسے  
 دینے کو تو چل سکتا ہوں۔ مینے سوچا کیا راج ہے۔ آخر مینے منظور کر لیا۔ اور اونٹوں کو  
 ہانک کے ادھر لیچلا جس طرف وہ فقیر روانہ ہوا تھا۔ تھوڑی دور پر دو پہاڑ دکھائی دئے  
 جو نصف دائرہ کی شکل میں کھڑے تھے۔ اور راستہ بڑا شیب و فراز کا تھا۔ ہم دو بھجسی کے  
 ساتھ چلے چلتے تھے۔ کیونکہ ہمیں دیکھنے والا کوئی آدمی نہ تھا۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر فقیر نے  
 اشارہ کیا۔ کہ اونٹوں کو یہیں بیٹھا دو۔ اور تم میرے ساتھ آؤ۔ غرض تھوڑی دور پہنچ کر  
 اُس نے جیبا سے ایک ٹکڑہ چھاق اور کچھ روٹا نکالا اور لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی۔ اُسکے  
 بعد خوشبو آگ پر مال کچھ کلام پڑھا جسے میں نہ سمجھ سکتا تھا۔ فوراً ایک دھواں سا اٹھا اور  
 بلندی پر جا کے پھٹ گیا۔ پھانس دھوئیں میں سے ایک ٹیلا دکھائی دیا۔ جس میں ایک بواڑہ  
 لگا ہوا اور کھلا پڑا تھا۔ تیر ہمارے قدموں سے اُسی دروازے تک ایک راستہ بن گیا۔ پھر  
 ہم دونوں اونٹوں سمیت اُس مکان میں پہنچے۔ اندر جا کے میری آنکھیں کھل گئیں۔ چاروں طرف  
 جواہرات اور اشرفیوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ مینے اپنے اونٹوں کی بورلیوں میں اشرفیاں  
 بھرتی شروع کیں۔ مگر وہ فقیر صرف جواہرات چن چن کر بورلیوں میں ڈال رہا تھا۔ آخر اُس کے  
 سمجھانے پر مینے بھی جواہرات اکٹھے کرنے شروع کئے۔ جب اسی کے اسی اونٹ جواہرات اور  
 سونے سے لد چکے۔ ہم باہر آ گئے۔ مگر وہ فقیر گنڈر گیا اور ایک چوٹی دُسیا جس میں کوئی مسمم جوا  
 تھا۔ ایک صندوق میں سے نکال کے لے آیا۔ اور شیچے آکر پھر کوئی افشون ایسا پڑھا۔ کہ  
 راستہ مٹ گیا۔ دروازے کا نشان نہ رہا۔ اور آخر وہ بیلا بھی نظروں سے غائب ہو گیا  
 اس کے بعد ہم نے برابر برابر اونٹ باندھ لئے۔ اور اپنی اپنی راہ لی۔ تھوڑی دور چکر مجھے خیال  
 آیا۔ یہ فقیر آدمی ہے۔ اس قدر اونٹوں کو کیا کر گیا۔ اس لئے مینے اپنے اونٹوں کو وہیں ٹھہرا دیا  
 اور دوڑ کر اُسے آواز دی کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ وہ ٹھہر گیا۔ تو مینے اُس سے کہا۔ تم اتنی دولت  
 کیا کر گئے۔ علاوہ انہی فقیر آدمی ہو۔ خدا کی یاد میں ہرج اور وقت واقع ہوگی کیونکہ یہاں سے

میں کامل سرزد ہو گئی تھی۔ پھر بولا :-

ضامنہ! میں اسی بغداد کا رہنے والا ہوں۔ جب میرے والدین چلے گئے مجھے اس قدر  
شکر ملا کہ آج میں اُسے کفایت سے صرف کرتا تو عمر بھر کے لئے کافی تھا۔ مگر اسکا بہت  
ساحصہ عیاشیوں میں صرف کر دیا۔ جو کچھ باقی رہا اُس سے تجارت شروع کی۔ حتیٰ کہ  
میرے پاس اسٹی اونٹ جمع ہو گئے۔ ان کے کرائے سے مجھے خاصی آمدن آ جاتی تھی۔  
ایک دفعہ میں بصرے سے تاجروں کا اسباب جہاز پر پہنچا کر خالی اونٹ لئے چلا آتا تھا کہ  
راہ میں ایک جنگل آگیا۔ میں اُسے اچھی چراگاہ سمجھ کر وہاں سستانے کے لئے ایک درخت  
کے نیچے بیٹھ گیا اور اونٹوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اتنے میں ایک فقیر بھی میرے  
پاس آ بیٹھا جو بصرے کو جا رہا تھا۔ بیٹے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ جواب میں اُس نے بھی  
یہی سوال دوہرا دیا۔ آخر دونوں نے ایک دوسرے کے ارادے سے آگاہی پائی۔ پھر ہم نے  
اپنا اپنا کھانا نکال کر کھایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے آخر وہ فقیر بولا۔ اس  
تصویر یا عجب اللہ کی اونٹوں سمیت جنگل میں آئے اور ایک موضع سے گفتگو کر رہی



سلمانے والے پہاڑ پر ایک بڑا خانہ وقف ہے۔ اگر تم وہاں سے اپنے اسٹی اونٹ شرفیل

اذہ سے فقیر نے اشرفی حبیب میں ڈال پھر دیا میں دین اور دو نو آگے بڑھے۔ مگر چند قدم چل کر  
 خلیفہ بٹھ گیا اور وزیر سے کہنے لگا۔ میں اسکی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ تم جا کے اسے کہہ آؤ  
 کہ کل دربار میں ظہر کے وقت حاضر ہو۔ وزیر مڑا اور اس اندھے کو پہلے کچھ خیرات دیکر اسے  
 آستہ سے ایک دھول ماری۔ پھر کہنے لگا۔ بھنے کچھ اشرفی دی ہے وہ خلیفہ مارون  
 الرشید تھا۔ اور وہ تجھے حکم دیتا ہے کہ کل ظہر کے وقت تو دربار میں حاضر ہو۔ پھر دو نو شہر کی  
 طرف آگے اور دیکھا کہ میران میں ایک نوجوان ایک پیشیت ماویاں پر سوار اسے اپڑا رہا  
 اور چاکریوں سے اسقدر پیٹ رہا ہے کہ غریب جانور کے منہ سے کھانے اور نہوہ رہا ہے۔  
 خلیفہ کو برا رحم آیا اور تاشا تیروں سے جو وہاں کھڑے تھے اسکا سوسپا پوچھا۔ مگر انہوں  
 نے جواب دیا۔ کہ ہم خود آگاہ نہیں۔ البتہ اس نوجوان کو ہر دربار میں اس جانور کے ساتھ لپی  
 لٹی میر جی کا برتاؤ کرتے دیکھتے ہیں۔ غرض وزیر کو حکم ہوا کہ اس نوجوان کو بھی کل ظہر کے  
 وقت دربار میں آنے کے لئے حکم دے آ۔ اور میں آگے چلتا ہوں۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی  
 اور پھر دو نو کا گدرا ایک کسچہ میں سے ہوا۔ جہاں وہ آگے لپکی دیکھتے تھے۔ مگر اب کے ایک  
 نئی عالیشان عمارت دیکھ کر خلیفہ سوچنے لگا۔ کہ شاید یہ محل میرے ہی بڑے سردار کا ہوگا۔ وزیر  
 سے پوچھا۔ مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ آخر محلے داروں سے پوچھا گیا۔ وہ لوہے۔ خواجہ جن رسن  
 ساز کی کہتے ہیں۔ پہلے یہ رسیاں بنا کرتا تھا اور بڑی مشکل سے روزی کھاتا تھا۔ مگر خدا معلوم  
 مقور سے ہی دونوں میں اسقدر دولت اسے کہاں سے مل گئی۔ جس سے اس نے اتنا بڑا محل  
 بنوا لیا ہے اور بڑے عیش سے دن کاٹتا ہے۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا۔ دو نو کے ساتھ اسے  
 بھی کل ظہر کے وقت دربار میں حاضر ہونے کا حکم دے آ۔ میں اسکی عجیب سیرگدشت متنا  
 چاہتا ہوں۔ اگلے دن جب ظہر کا وقت آیا خلیفہ نے تخت پر جلوس فرمایا۔ اور وزیر نے تینوں  
 کو ساتھ لے لایا۔ خلیفہ نے پہلے اذہ سے فقیر سے اسکا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا۔ مجھے بابا  
 عبد اللہ کہتے ہیں۔ خلیفہ بولا۔ جب بیٹے تجھے اشرفی دی تھی۔ تو نے کیوں اسے اس وقت  
 تک قبول نہ کیا۔ جب تک ایک دھول نہ کھالی۔ اس عہد کی وجہ مجھ سے مفصل طور پر بیان  
 کرو۔ بابا عبد اللہ نے زمیں بوس ہو کر پہلے اس گستاخی کے لئے موافق مانگی جو اس سے ناواقف تھی

# الف لیلہ جلد چہارم

## خلیفہ مارون الرشید اور بابا عیسیٰ اندلسی کی حکایت

شہزادی لولی - ایک دن خلیفہ مارون الرشید مکرر سامیٹھا تھا کہ وزیر جعفر بھی آگیا اور آداب عرض کر کے کدورت کی وجہ پوچھی۔ جواب ملا کہ کبھی کبھی خود بخود ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے تم کوئی ایسی تجویز کرو کہ میرا تردد رفع ہو۔ وزیر نے عرض کی کہ آجکا دن آپ نے ہمیں بد لکر عایا کانیک وید وکھینے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ میرے خیال میں اپنے معمول پر عمل کرنے سے آپ کو تفکرات سے نجات مل جائیگی۔ خلیفہ نے اسے تسلیم کیا۔ اور فرمایا۔ جاؤ۔ تم بھی ہمیں بدل آؤ اور میں بھی پردیسی تاجر بنکے تیار رہو گا۔ عرض وقت مضمرہ پروو نو باغ کے چور دروازے سے نکلا کہ شہر کی تحصیل کے گرد گھومنے لگے اور جب ایک چکر پورا ہو گیا۔ دریا کے پار جانے کا ارادہ کیا۔ راستے میں دریا کے پل پر ایک اندھے فقیر نے خلیفہ سے سوال کیا۔ اور خلیفہ نے جیب سے ایک اسٹرفی نکال کر اس کے ماتھے پر رکھ دی۔ اندھے نے خلیفہ کا ماتھہ پکڑ لیا۔ اور لاکھوں دعائیں دیکر التجا کرنے لگا کہ اے کریم النفس آدمی! جہاں تو نے مجھے خیرات دیکھے ممنون کیا ہے۔ میرے سر پر ایک دھول مار کے بھی ممنون کئے جا۔ کیونکہ میں اسی کاستی ہوں۔ یہ کہہ کر ماتھہ چھوڑ دیا۔ اور تھن پکڑ لیا۔ تاکہ وہ دھول مارے بغیر نہ جاسکے۔ خلیفہ نے حیران ہو کر کہا اچھے آدمی! میں تمہیں گبول ماروں؟ اس سے خیرات کا ثواب تو بڑا ملے ہو جاتا ہے۔ اور چاہتا تھا کہ وہاں چھوڑ کر چلا جائے۔ مگر فقیر نے پھر التماس کی کہ اگر تم دھول نہیں مارنا چاہتے تو یہ لو۔ اپنی خیرات! میں اسے نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں اپنے عہد کو گزارنا چاہتا ہوں۔ جو جینے خدا سے کیا ستارہ ناچار خلیفہ نے ٹپکے سے اس کے دھول پر ہنسی دی۔ اور

اور اُس کی پیش قیض اُس کے سینے میں ڈوب دی۔ فوراً وہ ناپاک ساحریے دم پر کے گر پڑا۔  
 شہزادی چلائی اور والدین سے کہنے لگی۔ اے شہزادے آپ نے یہ کیا کیا؟ اور کیوں  
 اس نیک بی بی کو بیگناہ قتل کر دیا۔ والدین نے جواب دیا۔ آپ کو اس نالایق نے  
 دھوکا دیا۔ یہ فاطمہ نیک زن نہیں۔ بلکہ اُس ساحر افریقی کا چھوٹا بھائی تھا۔  
 جو آپ کو محل سمیت افریقہ لے گیا تھا۔ اب یہ مجھ سے اپنے بھائی کا انتقام لینے آیا  
 تھا۔ اور نیک زن فاطمہ کو قتل کر کے اُس کا بھیس بدل لیا تھا۔ مگر جن نے وقت پر  
 مجھے اطلاع دہی۔ رُخ کے اندھے کی فرمائش بھی شرارت ہی تھی۔ اُس کا مطلب تھا  
 کہ ہم دو نو محض سمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو کے ہلاک ہو جائیں۔ پھر اُس کا منہ کھول کے  
 شہزادی کو دکھلا دیا اور اُسے تسلی ہوئی۔ اس کے بعد افریقی کی لاش کو باہر پھینک دیا  
 اور پھر امن و امان سے رہنے سننے لگا۔ پھر شاہ چین کے بدر وہی ملک چین کا  
 حکمران ہوا۔ اور کئی سال ٹنگ حکمرانی کر کے جان جہاں آفرین کو سپرد کر دی؟

## الفلید تیسری جلد

### تمام ہوئی

### اعلان

اگر آپ چرمان اجتماع نامہ دی آرتنگ سبوزا کی چیزہ امراض میں مبتلا ہیں تو ان امراض کے باہر علاج  
 باہر کتاب سنگھ دیو سنگھ مندر سے لاہور سے دوائی طلب کریں۔



تصویر الدین کی فرشتی کے بھائی کو قتل کرنے کی جو زنجیر کے بھیس میں تھی



یہاں کر کے پڑ گیا۔ شہزادی نے فوراً آغوا صوں سے کہا کہ فاطمہ نیک زن کو بلا لاؤ غصہ  
 ادھر لگیں۔ اور الہ دین نے پوچھا کہ وہ نیک زن کب سے یہاں رہتی ہے۔ شہزادی  
 نے اُس کے رخصتے اور بازو داری کو دیکھ کر رخ کا انداز لگائی تمام داستان کہ سنائی  
 اتنے میں جعلی فاطمہ بھی آگئی۔ الہ دین اُسے بڑا تعظیم بجالایا۔ اور بولا۔ اے مادرِ ہریان  
 میں آپ کو یہاں دیکھ کر کمال سرور ہوا ہوں۔ اور آپ کا یہاں موجود ہونا میرے حق  
 میں مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اس وقت میں دوسرے لاجپور ہوتا ہوں۔ اگر آپ میری  
 کر کے دم کر دیں تو میں بڑا مشکور رہوں گا۔ الہ دین نے یہ کہہ کر سر کو آگے کیا۔ اور  
 جعلی فاطمہ بھی آگے بڑھی۔ اور فوراً پیش قبض پر ماتہ ڈالا جو وہ پہلے سے چھپا لائی تھی  
 الہ دین نے بھی دیکھ لیا۔ اور قبل اس کے کہ جاوے اور گر کر سے۔ فوراً اُس کے ماتہ کو پکڑ لیا

پہاڑ کی چوٹی پر ہوتا ہے اور جس نے مہمانِ محلِ تمیز کیلئے اسے لئے اُس اندر سے کالا ناچر بھی  
مشکل نہیں۔ غرض شہزادی نے اُس کی ہدایت کو یاد رکھا کہ جب الہ دین آئیگا۔ اُس سے  
قرابیش کو گئی۔ الہ دین کو چہرہ دن شمار سے لئے گئے ہو گئے تھے۔ اُسکی عیبت میں افریقی کے  
بھائی نے سب سامان لیں کر لیا اور جب تیسرے دن الہ دین محل میں پہنچا۔ پہلے شہزادی  
کے کمرے میں گیا اور اُسے کچھ بکدرا کر دت کی جگہ پوچھی۔ شہزادی نے جوابدیا میری  
بارہ درمی میں اور تو کوئی نقص نہیں۔ ایک انداز کا بھی اگر لٹکا دیا جائے تو اُس کی  
زینت اور بھی بڑھ جائیگی۔ الہ دین نے جواب دیا یہ تو معمولی بات ہے۔ تم اطمینان رکھو  
پھر الہ دین بارہ درمی میں آیا۔ اور چراغ کو جسے وہ اب سینے میں رکھا کرتا تھا نکال کے  
رکڑا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ اور پوچھا کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا۔ میں تجھے حکم دیتا ہوں۔  
کہ اس بارہ درمی کے برج میں رخ جانور کا ایک اندام بہت جلد لٹکا دے۔ الہ دین کے یہ  
لئے ہی جن ابسا چلا یا کہ سارا مکان کانپ اٹھا۔ الہ دین بھی قریب تھا کہ دُڑ سے گرا پڑے  
کہ جن بڑے غصے سے بولا۔ اے کینخت! میں اور میرے ہمراہی تیرے ہر ایک حکم کو جو تیرے  
کیا فوراً بجالائے۔ مگر بجائے اسکے کہ تو ہمارا شکور ہو تا اسکا یہ صلہ دیتا ہے کہ ہمیں اپنے  
الکے کو اپنے پاس لانے اور بارہ درمی کے گنبد میں لٹکانے کو کہتا ہے۔ اسکے عرض میں یہ  
چاہئے تو یہ تھا کہ تو افریقی بی بی اس محل سمیت فوراً ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نیست و نابود ہوتے  
مگر میں جانتا ہوں۔ یہ درخواست تیری نہیں ہے۔ اسلئے تجھے اب کے بخش دیتا ہوں۔ بلکہ  
اس افریقی کے بھائی کی ہے جسے تو نے مارا تھا اور وہ اب فاطمہ فیک زن کے بھیس میں تیرے  
گھر کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ اُسی نے سیری بی بی کو یہ پٹی پڑائی ہے اور اُس سے اُس کی  
زینت ہے کہ تم سب تباہ ہو جاؤ۔ وہ جلی فاطمہ کو قتل کر کے اُسکی لاش حوض میں پھینکا تھا  
تھے اور اب شہزادہ کے در پہلے ہوا ہے۔ اُنسی سے خبردار ہو۔ ورنہ جان پر ہن چائیگی۔ جن یہ  
سمجھا گیا۔ الہ دین حیران رہ گیا۔ اور جب وہ پرچم کے بعد ہوش آئی اُس نے اُس معمولی  
کے ہاتھ کی زینت کو دیکھ کر حیرت سے حیرت ہوئی۔ کہ فاطمہ فیک زن کو دوسرے کو کبھی ہر گاہ  
پا جمل تھا۔ اسلئے اُس نے فوراً گھر میں لپیٹ لیا اور شہزادی کے گیسے میں آکر دوسرے

شہزادی نے اُسے خدارسیدہ سمجھ کے جواب دیا۔ اسے نیک بنی بنی میں چاہتی ہوں کہ آپ پہلا  
 رہ کے مجھے خدا کی راہ بتائیں۔ وہ جادوگر جو خدا سے ہی یہی دعا مانگ رہا تھا فوراً سر جھکا کر  
 بیٹھ گیا اور وہیں رہنے پر رضامندی ظاہر کی۔ مگر غلط فہمیوں کا یہاں رہنے پر میری عبادت اور  
 نماز کا ہر جہاں ہو گا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ نہیں۔ اس محل میں بہت سے حجرے بالکل خالی  
 پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک کو پسند کر کے وہیں اپنا عبادت گاہ بنالیا۔ غالباً پھر کوئی ہرج  
 نہ ہو گا۔ جعلی فاطمہ نے پھر حجت کی کہ میں ایک تارک الدنیا عورت ہوں اور ایسی بڑی شہزادی  
 کی مصاحبہ نہ کر سکتا۔ تاہم آپ کے حکم کی تعمیل بھی ضروری ہے۔  
 اسلئے چار و تانیا رہے آپ کی مرضی کرنی پڑی ہے۔ یہ شہزادی بڑی خوش ہوئی۔ اور  
 اُس کے جعلی فاطمہ کو خالی حجروں کی طرف لے گئی کہ ان میں سے جسے چاہیں اپنی عبادت کے لئے  
 منتخب کر لیں۔ اُس دعا باز نے ایک کمرہ پسند کر لیا۔ پھر شہزادی اُسے بارہ درمی میں لے آئی  
 اور چاہا کہ اپنے ساتھ کھانا کھائے۔ مگر ساحر دیکھا کہ شہزادی کے سامنے کھانا کھاتے  
 وقت سامان راز ظاہر نہ ہو جائے۔ اسلئے عذر کیا کہ میں تو روٹی کے سوکھے ٹکڑوں اور سوکھے  
 پیسوں کے سوا کچھ نہیں کھا پا کرتی اور وہ بھی اپنے حجرے میں بھوک کے وقت کھالیا کر دے گی۔  
 غرض شہزادی نے سوکھے ٹکڑے اور سوکھے پیسے اس حجرے میں بھجوا دئے اور اُس سے  
 فرمائش کی کہ کھانا کھائے جلد لوٹ آنا۔ غرض جعلی فاطمہ اس حجرے میں آئی اور خواجہ سحر  
 جو اُسکی خدمت کے لئے مقرر ہوا تھا۔ کہہ کہ جب شہزادی کھانے سے فراغت حاصل کر لے  
 مجھے خبر دیجو۔ اُس سے اسے بھی مال دیاتھوڑی دیر کے بعد خواجہ سحر نے آکے عرض کی کہ  
 شہزادی کھانا کھا چکی ہے۔ جعلی فاطمہ بڑے تعجب سے بارہ درمی کو روانہ ہوئی۔ جب وہاں  
 پہنچی۔ شہزادی بولی۔ مجھے آپ جیسی پارسائی بنی کے پاس رہنے میں کمال مسرت ہے۔ انہی  
 باتوں میں شہزادی نے اُسے بارہ درمی کی سبکداری۔ جعلی فاطمہ نے جواب دیا۔ فی الواقع ہمارے  
 درمی دنیا میں بے نظیر ہے۔ مگر اس میں ایک کمی ہے اگر اُس کے درمیان میں رخ جانور کا اتنا  
 بھی لگا دیا جائے تو بہت ہی زیبائش ہو جائے۔ شہزادی نے پوچھا وہ جانور کیسا ہوتا ہے  
 اور کہاں رہتا ہے۔ جعلی فاطمہ نے جواب دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جانور ہے اور صرف اکاس

کر بی بی فاطمہ وظیفہ پڑھ رہی ہے۔ غرض اردین کے محل کے قریب پہنچ کر اس قدر بھیڑ بھاڑ  
اسکے پیچھے آئی کہ لوگوں کا شور شرادائی ہوا ایدور کے کان میں بھی پہنچا۔ اس نے ایک  
تصویر جلی فاطمہ کی متصل محل اردین کے اوخلت اللہ کا اردام



خواص کو فرمایا کہ جلد چلے گئے پتہ لائے کہ یہ شہر کیا ہے؟ خواص نے حقیقت حال دریافت کر کے شہزادی  
سے عرض کی کہ اُس چمک زن فاطمہ کے گرد ایک خلعت جمع ہے اسی کا شور آپ کے کانوں  
تک پہنچا ہو گا۔ شہزادی ویر سے اُسکی صفات سُندھ اسکے دیدار کی مشتاق ہو رہی تھی فوراً ایک خواجہ  
کو بھیج کر اُس نقلی فاطمہ کے محل میں بلوایا۔ خواجہ سرا کو دیکھ کر بھیڑ مٹ گئی۔ جلی فاطمہ اپنے نشانے کو  
تیر بہت پا کر پڑی خوش ہوئی۔ خواجہ سرانے جھک کر سلام کیا اور عرض کیا کہ اسے بزرگ بی بی  
ہماری شہزادی آپ کے دیدار کا اشتیاق رکھتی ہے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو میرے ساتھ محل میں چلو  
جلی فاطمہ بظاہر بہت بے پرواہی کے ساتھ خواجہ سرا کے ساتھ محل میں داخل ہوئی اور بارہ  
دیر میں پہنچ کر شہزادی کو بہت دعاؤں دیں۔ پھر دنیا کی تدرت کر کے عبادت کر نیکی نصیحت کی

شخص سے بی بی فاطمہ کا پتہ پوچھا۔ نیز دریافت کیا کہ وہ کیسی بی بی ہے اور اسکی کرشمین  
 کیا کیا ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔ معلوم ہوتا ہے تم یہاں تازہ وارو ہو۔ وہ بی بی  
 اعجبہ روزگار ہے۔ اسے اپنی تمام عمر زہریں بسر کر دی ہے۔ دن کے وقت وہ روزہ  
 رکھتی ہے۔ اور رات کو ناز میں گزار دیتی ہے۔ اس سے اسے بہت سی کراستیں حاصل  
 ہو گئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بی بی جس کسی کو چھو لیتی ہے۔ اسے  
 خواہ کیسا ہی دروسر کیوں نہ ہو۔ فوراً رفع ہو جاتا ہے۔ مگر وہ ہفتہ میں صرف دو دفعہ  
 پیر اور جمعے کے سوا گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ غرض ساحر نے دوسرے دن اس کا پتہ  
 ڈھونڈھ ہی نکالا۔ اور پھر اسی قہوہ خانے میں لوٹ آیا۔ ادھی رات تک وہیں بسر کی  
 اور پھر فاطمہ کے عبادت خانے میں پہنچا۔ ہر والے دروازے کو کسی حکمت سے کھول اندر  
 گیا۔ اس وقت فاطمہ اپنے حجرے کے سامنے بینگ پر پوریا بچھائے چاندنی میں غافل  
 سو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر جا دو گرتے ایک ماتہ میں پیش قبض لیلی اور دوسرے سے  
 اسے چکایا۔ وہ بیچاری شگی پیش قبض دیکھ کر ڈر گئی اور اٹھکے کانپنے لگی۔ اویقی کا  
 بھائی بولائیں چلتا ہوں کہ تمہارا ہی ہم شکل بجاؤں۔ اسلئے تمہارے چہرے پر  
 جو نشان ہیں۔ میرے چہرے پر ویسے ہی بنا دو۔ یہ سکر فاطمہ نے اندر سے ایک  
 روغن نکالا۔ اور اس مووی کے منہ پر ملکر اپنے چہرے کے ہر شکل بنا دیا۔ پھر اپنے  
 سر کا منڈا سا جا دو گر کے سر پر رکھ دیا اور اسے برقعہ اڑھل کے سب بائیں تعلیم کیں۔ کہ  
 شہر ہیں اسے کیونکر لوگوں سے رتاؤ کرنا ہو گا۔ پھر ایک مالا ایک تسبیح اور ایک عصا  
 دیکھ کئے لگی۔ اب دیکھ لو مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں رہا۔ ساحر نے آئینے میں اپنی  
 شکل دیکھ کر جب اطمینان کر لیا تو فوراً بیچاری فاطمہ کا گلا گھونٹ کے اسے مار ڈالا۔  
 اور لاش کو پانی کے حوض میں پھینک سب کے وقت گھر سے نکلا۔ شہر کے لوگ چاروں  
 طرف سے اسے گرد آ جمع ہوئے۔ کوئی اس کا دست بوس ہوتا اور کوئی اس کے دامن کو  
 سر پر رکھتا۔ بعض لوگ اس کے سامنے آ کے کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ اپنے ماتہ سے جھوکر  
 اس کے در دفع کرے۔ مگر وہ تسبیح ماتہ میں لئے زیر لب کچھ بڑبڑاتا جاتا تھا تاکہ لوگ

چراغ کھنڈے سے پر لے کر اور پھر یکایک اپنے تئیں افریقہ میں پا کر پریشان ہونے اور ایک خواص کی زبان پر حقیقت حال دریافت کرنے کا سارا تذکرہ لفظ بلفظ بیان کروا دیا اور بولی کہ شہزادہ اس میں بالکل بے قصور ہے غلطی میری اپنی ہی تھی۔ پھر الہ دین کے وہاں پہنچنے۔ اور افریقی کو مار کر چراغ واپس لینے اور انا فانا چین میں پہنچنے کی کہانی سنائی۔ اس کے بعد الہ دین نے بارہ وری کا دروازہ کھولا۔ اور بادشاہ کو گلے لگا کر معذرت کی کہ مجھے پھر جو عرصہ ظاہر کیا تھا۔ اُسے معاف کر دینا۔ کیونکہ مہمان پاپ اپنے بچوں پر غصے ہی ہوا کرتے ہیں۔ الہ دین بولا۔ حضور سے مجھے کچھ شکایت نہیں۔ یہ سب شرارت اُس بد ذات افریقی کی ہی تھی۔ جو ایک دفعہ پہلے بھی میرے بیان پر حملہ کر چکا ہے۔ اس وقت بھی حافظ حقیقی نے مجھے اُس کے ماتھے سے بچایا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اُس ملعون کی لاش کو میدان میں پھینک دیا جائے۔ تاکہ کڑے اور چیلیں اُس کا گوشت فوج نوچ کر کھا لیں۔ فوراً حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ اپنے محل کو واپس گیا۔ شہر میں چاروں طرف شادیوں نے بجنے اور عیش و نشاط کے جلے ہونے لگے۔ گویا تین مروجہ میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ اب ایک اور تازہ واردات کا ذکر سنو۔ اُس افریقی کا ایک بھائی بھی تھا جو سحر و ریل و نجوم وغیرہ علوم میں اپنے بھائی کا ہم لہ تھا۔ اور دونوں بھائی کبھی ایک جگہ نہ رہتے تھے۔ صرف سال بھر کے بعد اپنے علوم کے ذریعہ ایک دوسرے کی خبر پت اور جگہ قیام کا پتہ نکال لیتے تھے۔ حسب معمول ایک کے بھی اُس نے افریقی کا حال دریافت کرنا چاہا تو اُسے معلوم ہوا کہ دارالسلطنت چین میں جو ایک شخص نے جو پہلے بہت غریب تھا اور اب شہزادی کا شوہر ہے۔ اُسے زہر پلانے مار ڈالا ہے۔ اُسے بہت سچ ہوا۔ اور چاہا کہ بھائی کے قاتل سے بدلہ لے۔ یہ ارادہ کر کے دارالسلطنت چین کی طرف قدم اٹھایا اور آخر ایک مدت کے سفر کے بعد چین میں آ پہنچا اور ایک گھر کرایہ پر لیکر رات کی رات بسر کی۔ صبح کو شہر کی سیر کے لئے نکل نکلا ہوا۔ اور ایک قہوہ خانے میں چین کی ایک خدا رسیدہ عورت لیائی فاطمہ کا تذکرہ سنا۔ جس کی کمر میں اس وقت زبان زد خلایق ہونے لگی تھیں۔ افریقی کے بھائی نے سوچا۔ لیکن ہے اُس عورت سے اپنا مطلب نکل سکے۔ یہ خیال کر کے ایک

جاتی۔ جب کھانے سے فراغت پا چکے، شہزادی بولی۔ اہل آپ کو کانا اچھا لگے تو میں کھانے سے سائل  
 لیکن میں آئینی ہوں۔ اسلئے آؤ باتیں ہی کریں۔ افریقی اب تو بھول کے کپا بنگیا پھر شہزادی  
 نے ایک گلاس شراب کا میسر کے افریقی کو دیا اور ایک آپ بی کر کھینے لگی۔ فی الواقع اس سے  
 اچھی شراب آج تک میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہی طرح دو رچنے لگا اور دو نوے تین تین  
 گلاس لئے آخر وہ گلاس جس میں سقوط تھا۔ کینز سے میرا کے شہزادی بولی۔ آؤ اب ایک  
 دوسرے کے جام صحت پئیں۔ افریقی نے پوچھا وہ کیسے؟ شہزادی نے جواب دیا۔ ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔  
 اس رسم ہے کہ جب وہ شخص باہم محبت رکھتے ہوں۔ اور اپنے ماتھے سے جام شراب ایک دوسرے  
 کو دیا کرتے ہیں۔ یہ کہیے وہ گلاس افریقی کے پیش کیا اور وہ کھنٹا یہ کہہ کر آپ کی ہر ایک  
 رسم میں ایک لطافت ہے جو ہمارے اہل نہیں پائی جاتی۔ غٹ غٹ اس گلاس کو چڑھا گیا۔  
 اور فوراً چٹ کر پڑا۔ شہزادی نے جب دیکھا کہ وار پورا پڑا۔ ایک خواص کی محفلت الہ دین کو  
 بلوایا۔ الہ دین کو اپنی تدبیر کی کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادی کو مبارکباد دی اور کہتے لگا آپ  
 ایک ذرا دوسرے کمرے میں جائیں تو میں آپ کو چین میں لیجا نیکی تدبیر کروں۔ شہزادی فوراً دوسرے  
 کمرے میں چلی گئی اور الہ دین نے اس کمرے کا دروازہ بند کر کے ساحر کے سینے پر سے  
 کپڑوں میں پیشا ہوا وہ چراغ نکالا۔ اور اُسے رگڑ کے جن کو بلایا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ اور  
 بلا کیا حکم ہے۔ الہ دین نے کہا۔ اس محل کو فوراً وہیں لیجیو۔ جہاں سے اُسے لائے تھے۔  
 غرض اس سبب سے محل چین میں آ پہونچا۔ الہ دین نے شہزادی کو گلے لگا لیا۔ اور بولی جتنی خوشی  
 ہماری کل ہوگی۔ غرض وہ نو سو رہے۔ جب صبح ہوئی۔ بادشاہ نے جاگ کر حسب معمول اُدھر  
 دیکھا اور اُس محل کو اپنی جگہ دیکھ کر سکا بکا رہ گیا فوراً محل سے اتر گھوڑے پر سوار ہو کر  
 الہ دین کے اہل پہونچا۔ الہ دین نے بھی بادشاہ کو دیکھ لیا۔ اور فوراً ہتھکالی کے لئے آگے آیا۔  
 اور چاچا کہ بادشاہ کو سہارا دیکر گھوڑے پر سے اُتارے۔ مگر بادشاہ نے بڑی رکھائی سے  
 جواب دیا۔ جب تک میں اپنی بیٹی کو نہ دیکھ لوں گا۔ میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ غرض  
 الہ دین اُسے چپ چاپ شہزادی کے کمرے میں لیگیا۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کو گلے لگا کر مٹ  
 نکلا ہر کی۔ اور پوچھا کہ تم ایک ایک محل سمیت کیسے غائب ہو گئی تھیں۔ شہزادی نے جواب میں پُرنے



اور فوراً گر پڑ گیا۔ اسکے بعد ہم واپس چلنے کی مناسب تجویز کر گئی۔ اسلئے اگر تم اپنے باپ کو ملنے کی آرزو مند ہو۔ میرے جان و مال کی خبر چاہتی ہو۔ تو میری ہدایات میں قرار واقعی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ شہزادی نے جواب دیا۔ ایسا ہی ہو گا جو تم نے کہا ہے۔ پھر الہ دین جد ہر سے آیا تھا۔ اور ہر ہی جلد یا۔ شہزادی نے اٹھا کر جام کیا اور لپٹا کر بدل خوشبوئیاں لگا بناؤ سنگار کر کے افریقی کے انتظار میں بیٹھی۔ حالانکہ جب سے وہ باپ اور شوہر سے جدا ہوئی تھی۔ کہے بلنے تو کجا منہ پر پانی تک نہ ڈالا تھا۔ اور افریقی کو کبھی آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھا تھا۔ غرض ساحر افریقی اپنے معمولی وقت پر آیا۔ شہزادی نے آگے بڑھ کے کشادہ پیشانی سے اس کا مستقبال کیا اور ماتہ پکڑ اپنے پاس مستند پر بٹھا لیا۔ افریقی یہ غیر معمولی مدارات دیکھ کر بھولانہ سا ہوا۔ مگر اسے جرأت نہ پڑتی تھی کہ شہزادی کے برابر بیٹھے۔ مگر شہزادی نے اسے اپنے ساتھ بے تکلف کرنے کیلئے یوں تہیہ انتہائی کر کے آج قیصر مسرور دیکھ کر آپ حیران ہو گئے۔ لیکن بات یہ ہے کہ پہلے سارا رنج و غم مجھے اپنا شوہر اور باپ کی جدائی کا تھا۔ اب میں سمجھ لیا ہے کہ میرے باپ نے الہ دین کو زندہ نہیں چھوڑا ہو گا تو سخت میں کھل کھل کے کیوں مروں۔ اسلئے آج جی چاہتا ہے کہ آج ہم تم دونوں ملے کھانا کھائیں اور شراب پیئیں۔ اگر اچھی سی شراب مل سکے۔ افریقی نے جواب دیا۔ یہ میری خوش قسمت ہے۔ مگر شراب شہر میں اچھی نہ مل سیکے گی۔ میرے اپنے گھر میں سات برس کی پرائی شراب ہے۔ کھٹے تو وہ آؤں۔ شہزادی بولی مجھے تمہاری نبدانی ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں۔ کسی دوسرے آدمی کو بھیج دو۔ وہ لے آئیگا۔ افریقی بولا۔ دوسرا دہان سے نہیں لاسکتا۔ میں خود ہی جاتا ہوں اور اسے اس کلام کی وضاحت یہ بھی کر سکتا ہوں۔ میں اس کا سامان سحر و مل کھلا پڑا تھا۔ وہ دوسرے کو اپنے راز سے واقف نہیں بنانا چاہتا تھا۔ غرض شہزادی نے اجازت دی۔ اور وہ دوڑا گیا۔ شہزادی نے وقت کو غنیمت سمجھ وہ مغوف ایک کلاس میں ڈال کینیز کو سمجھا دیا۔ کہ اسے علیحدہ رکھے۔ اور جس وقت میں کہوں۔ بھر کے مجھے دیدے۔ اتنے میں افریقی ہی شراب لئے آہنچا اور دونوں کھانے پر بیٹھے۔ شہزادی اچھے اچھے کھانے اپنے ساتھ لے آئے۔ اٹھا کے افریقی کے آگے رکھتی

ایک دن باتوں باتوں میں اُن نے مجھے اُس چراغ کا تذکرہ بھی سُنا دیا۔ اُن دنوں بولہ خیر گدشت  
 اپنے گدشت - اب مجھے یہ تھا - کہ وہ موذی اُس چراغ کو دکھا کہاں ہے؟ جب تک وہ چراغ  
 ماتنہ نہ آئے - ہمارا چھٹکارا محال ہے - شہزادی نے جواب دیا کہ اُن بقی اُس چراغ کو بڑی  
 حفاظت کے ساتھ لپیٹ کے اپنے سینے پر باندھے رکھتا ہے - اور ایک منٹ کیلئے بھی  
 اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا - اہ وہین نے کہا - خیر! دیکھا جاویگا - مگر اب میں یہاں سے  
 جاتا ہوں - اور کسی دوسرے لباس میں آؤنگا - تم نے دیکھا کہ مجھے حیران نہ ہونا - ہاں! کسی  
 کو چور دروازے پر متعین کر دو - تاکہ جب میں آؤں - فوراً دروازہ کھول دے - غرض شہزادی  
 نے ایک کینز کو چور دروازے کا پھر سپرد کر کے حکم دیا کہ اہ وہین کے آتے ہی فوراً دروازے  
 کھول دیجیو - اور اُسے وداع کیا - اہ وہین نے محل سے نکلے ہی ایک دہقان کو دیکھا -  
 جو اپنے کسی کام کو جا رہا تھا - کچھ روپے اسکے پیش کئے اور کہا کہ اپنے کپڑے مجھے دیدو - اور  
 میرے تم لے دو - دہقان نے اس تبادے کو بہ دل پسند کیا - پھر دونوں نے اپنی اپنی راہ لی اور  
 اہ وہین بڑے بازار میں ایک پنساری کی دوکان پر آکر پوچھنے لگا - فلاں سفوف آپ کے کسٹاں ہوگا  
 پنساری بولا ہے تو سہی - مگر اسکی قیمت تم نہ دیکھو گے - اہ وہین نے جیب سے اشرفیاں  
 نکال کے دکھائیں تو اُسے اطمینان ہو گیا - اور سفوف کی ایک پرزید دیکر ایک اشرفی لے لی -  
 اہ وہین پڑیہ لیکے چور دروازے کی راہ فوراً شہزادی کے کمرے میں آیا - اور بولا - اُس ظالم  
 کا کندھک پاک کر نیکی تدبیر لو میں کرایا ہوں - مگر اب سٹوری سی جیات آپ کو بھی اُرنے پڑیگی  
 ذرا اٹھ کے نئے کپڑے بدل لو - اور بناؤ سنگار کر کے بھیجو - جس وقت وہ موذی آئے  
 بلا تامل اُس سے احتیاط - بظ کی باتیں شروع کر دیں - جب وہ ریجھ جائے - تم تے کہنا کہ  
 آج میرا جی تمہارے ساتھ کھانا کھانے اور شراب پینے کو چاہتا ہے - کہیں سے  
 اچھی شراب لے آؤ تو خوب ہے - وہ فوراً تم سے اجازت لیکے چلا جا گیا - اُسکے بچہ  
 لو پڑیہ اُسے آہنگا اس میں ڈال دیا اور اُس گلاس کو علیحدہ رکھ دینا - ایک کینز کو جو  
 شراب پانے پر متعین ہو سکھا دینا - کہ اس گلاس ڈال کر تمہیں دیدے کہ جب تم اشارہ  
 کرو - پھر وہ گلاس تمہیں اُتارے اُس نالایت کو دینا - وہ بڑی خوشی سے چلا جا گیا

تکے میرے محل کا یہ معلوم ہے۔ اور کیا تو اسے پھر واپس لا سکتا ہے۔ جن سے جواب دیا۔  
 محل تو آپ کا افریقہ میں ہے۔ مگر اسے واپس لانا چراغ کے موکھوں کا کام ہے۔ ان آئینے  
 کو آپ کو دہاں پہنچا ضرور سکتا ہوں۔ الدین بولا۔ اچھا یہی سہی۔ مجھے جلد وہاں پہنچا دے  
 یہ مسکرتہ نے الدین کا ہاتھ پکڑا اور فوراً افریقہ میں اسی محل کے قریب جا کھڑا کیا۔ باوجودیکہ  
 تاریکی چھا رہی تھی۔ مگر الدین نے باسانی اپنے محل کو پہچان لیا۔ اور اب اسے محل کے یہاں پہنچ جانے  
 کی وجہ کا بھی خیال آگیا۔ سوچا۔ ہوتا ہو۔ چراغ ہاتھ سے ہاتھ لے کر لے کر چھیننے والا بھی وہی  
 افریقہ میں ہے۔ جو میرا سنو غی چھپان کے ہاک کر دینا چاہتا تھا۔ غرض محل کے پاس ہی آئی اب  
 درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ پھر فوراً بیٹھ کر اسے سونام۔ جب صبح ہوئی۔ اور چشموں کے چھچھالے  
 کی آواز کان میں آئی۔ وہ آنکھیں نہٹا آنکھ کھلا ہوا۔ اور ایسی جگہ جا بیٹھا۔ جہاں سے اسے  
 محل کا اندرونی حصہ بخوبی دکھائی دیتا تھا۔ پھر شہزادی کی ڈالکھ کے نیچے جا بیٹھا۔ کہ جب وہ  
 جاگے گی مجھے دیکھ کر اندر ہی نہلائیگی۔ شہزادی جب سے کہ وہ محل افریقہ میں آ رہا تھا۔ رات بھر  
 اپنے تئیں اس صاحب سے بچانے کے لئے جاگھارتی۔ اور صبح کے وقت ذرا آنکھ لگا لیتی۔ اور  
 لئے وہ دیر سے اٹھ اٹھاتی تھی۔ الدین کو بہت انتظار کرنا پڑا۔ غرض جب وہ جاگ اور کپڑے پہننے  
 لگی۔ ایک لڑکی کی نظر الدین پر پڑ گئی۔ جسے فوراً شہزادی کو خبر دی۔ شہزادی دوڑی آئی۔  
 اور الدین کو پہچان کر کڑی مسرور ہوئی۔ الدین نے اسے سلام کیا۔ شہزادی نے فواص سے  
 فرمایا کہ الدین کو چور دروازے سے میرے پاس آؤ۔ وہ دوڑی گئیں۔ اور الدین کو ساتھ  
 لے آئیں۔ غرض وہ تو میاں بی بی گلے ملے اور رورو کے وقت کی درستان باہم سنانے  
 لگے۔ آخر الدین نے پوچھا۔ شہزادی کی بیوی کا نام۔ بارہ دہری میں فلاں طلبے پر جا آئیں پڑا  
 چراغ رکھا تھا اسے تم نے کیا کیا۔ شہزادی نے جواب دیا وہی تو خرابی کا باعث بنا ہے۔  
 پھر اسے ساری سرگزشت خنجر چراغ سے پڑنے کو پڑنے کی بہادری۔ الدین نے پوچھا  
 پھر تمہیں اس چراغ کا کیسے پتہ ملا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ وہ چراغ جس نے لیا تھا۔  
 وہی اس محل کو بھی یہاں لے آیا اور مجھ سے موصالت کا اثر و رسد ہوا۔ لیکن آج تک میں  
 اس سے ایسی وحشتی سے پیش آتی رہی ہوں کہ اسے یہاں بٹھانے کا بھی جرات نہیں پڑی

اطلاع بھی دے بیٹھے۔ بادشاہ بولا کہ بخت بکلیا تھے ابھی تک اپنا قصور معلوم نہیں ہوا۔ تو ادھر آواز نہیں آگئے بڑھا۔ تو بادشاہ نے فرمایا۔ ذرا اپنے محل کو دیکھ کہاں ہے۔ الدین نے خوب غور سے نگاہ اُدھر کی تو چیل پیران کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ حیران ہوتا کہ محل کہاں گیا۔ بولا یہ میرا مقبرہ۔ نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا یہ تیرے محل کا کوئی افسوس نہیں۔ میں تو اپنی لڑکی کے شکر میں ہوں۔ چنانچہ شہزادی کہاں ہے؟ اگر تھے زندگی مطلوب ہے۔ تو جلد اسے ڈھونڈ کے لا۔ ورنہ اس کے عوض میں تیری جان لوں گا۔ الدین نے جواب دیا۔ مجھے چالیس دینی ہمت ملے۔ اگر میں اس عرصے میں شہزادی کو نہ لاسکا۔ تو اپنا سر آپ کاٹ کے تخت کے نیچے ڈال دوں گا۔ بادشاہ نے اجازت دی اور الدین باحوال سپریشاں دربار سے روانہ ہوا۔ یقین دہانگ خواب وختہ شہر میں پھرا گیا۔ جہاں کہیں جاتا۔ لوگوں سے پوچھتا۔ تم نے کہیں میرا محل تو نہیں دیکھا۔ مگر اکثر اسے دیا نہ سمجھ کر ٹھٹھے مارتے۔ اور کہی لوگ اس کی سبسی کو دیکھ کر کڑھنے بھی لگ گئے۔ غرض کسی نے دیا تو کھا لیا۔ ورنہ بھوکا ہی سارا دن پھرتا اور رات جہاں آجاتی وہیں پڑ رہتا۔ آخر چوتھے دن مجبور ہو کر وہاں سے نکلا اور ایک جنگل کی طرف منہ کر لیا۔ کئی دن تک بھوکا جاؤں میں چلے پڑ گئے اور بھوک و مکان سے چرہ ہ گیا۔ تو سوچنے لگا کہ شہزادی تو اب مل چکی پھر زندگی سے کیا حاصل؟ اس سے تو یہی بہتر کہ میں ڈوب مروں۔ مگر خود کشتی اس کے مذہب میں حرام تھی۔ اس لئے سوچا کہ پہلے ورگاہ صلیب میں دعا مانگتی چاہئے۔ دیکھیں تو کار ساز مطلق کیا کرتا ہے۔ غرض شام کے وقت ایک دریا کے کنارے جا کر وضو کرنے لگا۔ اتفاق سے کنارہ اونچا تھا اور پانی نیچا تھی وہ پانی لینے کو جھک پائوں پھسل گیا۔ اور وہ دھڑام سے پانی میں گر پڑا۔ اور قریب تھا کہ ڈوب جائے۔ اتنے میں ہاتھ ایک چٹان پر پڑ گیا۔ اور وہ معلق رہ گیا۔ ہتھ پر ہاتھ پر ہتھ ہی اس جھکے کو روک رہی تھی۔ جو سا حرافہ تھی نے اس تہ خانے میں جاتے وقت اس کی انگلی میں پسایا تھا اور جس کی بدولت اس تاریک قبر سے اس کی جان بچی تھی۔ چھلے کو روک رہی تھی وہی گڑھ والا جن پھر حاضر ہوا۔ اور بولا۔ میں اور دوسرے سولہ اس شخص کے تابع فرمان ہیں جس کے ہاتھ میں یہ چیل پیران ہے۔ قریشیہ کیا حکم ہے۔ الدین نے بولا۔ پہلے مجھے ڈوبتے سے بچا۔ جن نے اسے انجانے باہر رکھ دیا۔ اور آپ ہاتھ باندھ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ الدین نے پوچھا کیا

اور بولا۔ اور وہ عذار الہ دین اس وقت کہاں سے ہیں، اسکا سر کاٹے بغیر نہ رہو نگار، تم جاکے سپاہیوں کو حکم دو کہ فوراً الہ دین کو گرفتار کر لائیں۔ جہاں اسے پائیں اور خبردار! ایسی یہ بات باہر نہ نکلے، وزیر جو اس موقعہ کا دیر سے منتظر تھا دوڑا گیا اور پتہ لیکے الہ دین کے پیچھے سواروں کی ایک کپنی دوڑا دی۔ جنہوں نے الہ دین کو چھ سات کوس پر واپس آنا ہوا پایا۔ سواروں کا افسر آگے بڑھا اور آداب سجا لاکر عرض کی۔ ہمیں حکم ہوا ہے کہ آپ کو زنجیروں میں باندھ کر دربار میں حاضر کریں۔ تو ہمیں کمالِ ندامت ہے۔ مگر ہم بالکل بے قصور ہیں۔ الہ دین حیران ہوا کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ پھر بولا۔ آخر کوئی قصور تو تمہیں معلوم ہو گا۔ افسر نے جواب دیا۔ اس کی بابت ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں غرض اسے فوراً ایک زنجیر سے مضبوط باندھ لیا اور دربار کی طرف لیچلے۔ جب شہر میں پہنچے۔ خلعت نے جو اسے داد و پیش کے سبب نہایت عزیز رکھتی تھی۔ ہجوم کر کے اسے چھڑا لینا چاہا مگر سپاہیوں نے افسر نے التجا کی۔ اسہیں ہمارا مقصود نہیں۔ مگر لوگوں نے کچھ نہ مانا۔ اور پھر لیکے دوڑے۔ اسلئے سپاہی الہ دین کو چھپا کر شہر کے باہر باہر دربار کی طرف لیچلے۔ اور اندر پہنچ کر دروازہ بند کر لیا۔ تقوڑی ہی دیر میں یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ کہ بادشاہ خفا ہو کر الہ دین کو مراد بٹینا چاہتا ہے۔ اور لوگ جوق در جوق دربار کے گرد جمع ہونے لگے۔ الہ دین جب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑے غصے سے جلاؤ کو فرمایا کہ فوراً اس نابکار کی گردن مار دیجائے اتنے میں وزیر بھی آگیا وہ شہر والوں کا ہجوم دیکھ آیا تھا جو شاہی دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کے لئے تیار تھے۔ جب بادشاہ کا بڑا حکم سنا۔ عرض کی آپ کیا کرنے لگے ہیں۔ الہ دین کا قتل فی کمال موقوف کیجئے ورنہ مقصد دروازہ توڑ کر اندر آجاسی چاہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ حضور کے دشمنوں پر کوئی آئینہ آجائے۔ اتنے میں بہت سے شہر والے فضیلیوں پر چڑھ چکے تھے۔ وزیر نے انکی طرف بھی اشارہ کیا۔ بادشاہ نے جلاؤ کو حکم دیا۔ کہ وہ تلوار میان میں کرے۔ اور ایک افسر سے کہا۔ کہ لوگوں میں منادی کر دو کہ بادشاہ نے الہ دین کا قصور معاف کر دیا ہے۔ جلاؤ نے سے کہا۔ کہ لوگوں میں منادی کرو اور افسر نے منادی کر دی۔ یہ سنکر عوام انسانس کو بڑی خوشی ہوئی اور الہ دین کو فوراً چھوڑ دیا اور افسر نے منادی کر دی۔ کہ بادشاہ نے جب اپنے تئیں آزاد پایا۔ زمین بوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ الہ دین نے جب اپنے تئیں آزاد پایا۔ زمین بوس ہو کر بادشاہ سے پرچھا۔ جیسے حضور نے میری جان بخشی ہے۔ کیا وہ بانی کر کے مجھے میرے قصور سے

# تصویر موکلوں کی محل الدین کو مع اس ساحر افریقی کے اٹھایا جاسکی



بڑا محل کیا ہوا۔ اس کے گرد پرنے کا بھی کوئی نشان نہیں دکھائی دیتا۔ زمین میں بھی نہیں  
 دھنسا۔ ورنہ کچھ تو یا ہر رہتا اور نہیں تو گڑھا ہی نظر آتا۔ مگر یہاں تو سفید زمین کے سوا اور  
 کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ آخر وزیر کو بلوایا۔ وہ پیچا رہ دوڑا آیا۔ اور جلدی میں اُس نے  
 الدین کے محل کا کچھ خیالی نہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تم نے بھی کچھ دیکھا۔ وزیر نے جواب دیا  
 حضور کا اس کے کیا مطلب ہے بادشاہ بولا۔ الدین کا محل کیا ہوا؟ ذرا اس کے دیکھو تو؟ وزیر  
 نے نگاہ دوڑائی۔ مگر ناکام رہا۔ آخر نیچے جا کے یہی صاف زمین پائی۔ دور واپس آ کے بادشاہ  
 کی خدمت میں عرض کیا حضور! میں نہ کہتا تھا کہ یہ سب کام جادو کا ہے۔ مگر حضور کو اعتماد نہ  
 آتا تھا۔ اب تو آپ کو یقین آگیا ہوگا۔ کہ میری رائے غلط نہ تھی۔ بادشاہ یہ سن کر غصے میں پھر گیا۔

کینز فوراً نیچے اتر گئی اور پہنتے ہوئے واپس آئی۔ کہ حضور! ایک دیوانہ نے چراغوں کو چرا لیا۔  
 چراغوں سے بدلتا ہے اور لڑکے اُس کے اُس کام پر تالیاں بجا رہے ہیں۔ دوسری  
 کینز بولی۔ ہمارے محل میں بھی ایک چڑا چراغ فلاں طلبتے پر پڑا ہے۔ حکم ہو تو اُسے  
 بدلواؤں۔ یہ وہی الدین والا عجیب و غریب چراغ تھا اور وہ جب گھر سے باہر جاتا تو اُس  
 احتیاط سے کسی بلند طلبتے میں رکھ جاتا۔ مگر پھیلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے۔  
 اصل میں یہ الدین کی اپنی تمسلی تھی۔ اُسے چاہئے تھا کہ ایک دم کے لئے بھی اپنے سے  
 چراغ کو چُدا نہ کرتا۔ مگر تقدیر کا کیا بھی نہیں ملتا۔ ناچار شہزادی نے منسکرا کر ایک خواجہ سرا  
 سے فرمایا۔ کہ فلاں کمرے میں بلند طلبتے پر چڑھنا چراغ رکھا ہوا ہے۔ اُسے بجا اور محل کے  
 نیچے ایک دیوانہ نے چراغ لئے پھرتا ہے۔ اُس سے وہ چراغ بدلواؤ۔ خواجہ سرا نے اُس  
 طلبتے سے وہ چراغ لیا۔ اور محل کے نیچے آ کر افریقی کو آواز دی۔ افریقی اُسے بشارت سمجھ کر  
 دوڑا آیا۔ اور خواجہ سرا کے ماتھے سے چراغ لے اُٹھ پلٹ کر دیکھا۔ جب یقین ہو گیا کہ یہی  
 وہ چراغ ہے جسکے لئے اُس نے دو دفعہ مشقت اٹھائی ہے تو اُسے کمال مسرت ہوئی۔ ذرا  
 اُسے جیب میں رکھا۔ اور خواجہ سرا سے کہا۔ جو نسا چراغ تو چاہے لے۔ خواجہ سرا نے ایک  
 چراغ خین لیا۔ اور افریقی یہ جاوہ جاہر گیا۔ جب لڑکوں کی زد سے دور نکل گیا۔ فوراً وہ چراغوں  
 کی بھری لڑکری پھینک دی۔ اور ایک لٹکوں میں جا دم لیا۔ اور اپنے مکان میں ساز و سامان  
 چھوڑنے کا بھی افسوس نہ کیا۔ جب رات آدھی گزر گئی اور دینا میں سناٹا چھا گیا۔ افریقی نے  
 وہ چراغ جیب سے نکالا اور بڑی نرمی سے رگڑا۔ فوراً وہی جن جہ چراغ کا موکل تھا حاضر ہوا  
 اور بولا۔ میں اُس شخص کا تابع فرمان ہوں۔ جس کے ماتھے میں یہ چراغ ہے۔ ساحر نے فرمایا۔  
 میری آرزو ہے کہ تو فلاں محل کو جسے تو نے ہی اُس چراغ کے موکلوں سے جوایا تھا۔ تمام  
 اسباب سمیت جُول کا توں اور مجھے اُٹھا کے ملک افریقہ میں لیجئے۔ جن نے فوراً دوسرے موکلوں  
 کی مدد سے ساحر اور الدین کے محل کو اُٹھا کے افریقی کے شہر میں جا رکھا۔ اب شاہ چین کا  
 حال سنئے۔ جب وہ صبح کے وقت جاگا۔ اور جب معمول الدین کے محل کی طرف نگاہ کی۔ وہاں  
 چٹیل میدان پا کر ہریشان ہو گیا۔ پھر آنکھیں مل کے دیکھا تو بھی کچھ نہ دکھائی۔ جیران تھا کہ تہا



جلا کر نا۔ جو قیمت تو مانگیگا وہی دوں گا۔ یہ کہہ گھڑا یا اور اگلے دن کی انتظار میں گھڑیاں گننے لگا۔ جب صفا حاضر کر کے دن نکلا ٹھٹھیرے کی دوکان پر جا بیٹھا۔ اور اُس سے تانبے کے بارہ چراغ ہوا کے اٹھا لیا۔ پھر انہیں ایک ٹوکری میں ڈال کر آواز سے کہنے لگا سُنئے چراغ پر لے جاؤ گے سے بدلتا ہوں، جو شخص اُنکی یہ آواز بھی مانگ لے گا۔ اُسے دیرانہ سمجھ کر ہنس دیتا۔ لڑکوں نے بھی اس مشغلے کو دلچسپ سمجھا اور تالیاں بجاتے ہوئے چھپے ہوئے۔ مگر افریقی نے اُنکی کوئی پرواہ نہ کی۔ آخر الہ دین کے محل کے نیچے آ نکلا۔ وہاں بھی وہی آواز لگایا۔ اتفاق سے شہزادی بدرالبدور بادہ دری میں بیٹھی۔ آنے جا بیٹوں کی سیر دیکھ رہی تھی۔ افریقی کی بے ٹکی مائیک اور لڑکوں کا غل سُن کر آپ تیز کو بھیجا۔ کہ جہ کے دیکھ آ۔ محل کے نیچے کیسا ہنگامہ مچ رہا ہے۔ تصویر افریقی کی گرد محل الہ دین کے چراغ بیچنے اور لڑکوں کے شور و غل مچانے کی اور شہزادی کا کھڑکی سے دیکھنا



باشاں و شکوہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ بلکہ شہزادی چین کا شوہر بنا ہوا ہے۔ اُسکا چہرہ مارے حسد کے زرد ہو گیا اور اُس نے دلپر ایسا رنج محسوس کیا جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر غصے میں اگر پول اٹھا۔ افسوس! وہ وزنی کا قویل چھو کر اچھے میں سمجھتا تھا کہ مرکب چکا ہو گا اُس چراغ کی بدولت یوں عیش کرے۔ اور میری تمام عمر کی مشقت۔ یوں ضائع ہو۔ اب چل کے یا تو اسے مار ڈالنا چاہئے یا جیسے بنے چراغ کے لوں۔ غرض وہ سامان سفر تیار کر کے بارودہ چین چل پڑا اور ایک مدت کے بعد شیچینگ ویاں پہنچ گیا۔ پہلا دن تو سرائے میں کاٹھا۔ دو ر پھر ایک مکان کر کے پر لیا۔ اُس نے دن ضائع کرنے مناسب نہ سمجھ کر الدین کے حالات دریافت کرنی کے کوشش کی۔ اور ایک قہوہ خانے میں جا بیٹھا۔ وہاں اتفاق سے چند شخص الدین کے محل کا ہی ذکر کر رہے تھے۔ افریقی نے پوچھا آپ کس محل کی باتیں کرتے ہیں۔ جواب میں ایک آدمی بولا۔ معلوم ہوتا ہے تم یہاں تازہ وارد ہو۔ جی الدین اور اُسکا محل تم نے نہیں دیکھا۔ افریقی بولا واقعی اب ساحل ہے غرض انہوں نے الدین اور اُسکے محل کا پورا پتہ بتانے کے کہا کہ اُسکا محل دینا بھر میں بے نظیر ہے اور جب سے اُسکی شادی شہزادی کے ساتھ ہوئی ہے لوگ اسے شہزادے کے نام سے پکارتے ہیں۔ افریقی چائے سے فراغت پا کر اس وقت الدین کے محل کو گیا اور اُسے غور سے دیکھ کر جان لیا۔ کہ یہ یاد وہی کا بنا ہوا ہے اور محض اُس چراغ کی بدولت۔ غرض واپس آئے قہوہ خانے کے مالک سے کہنے لگا۔ مکان تو میں نے دیکھ لیا۔ اب مکین کی بھی زیارت کیا چاہتا ہوں۔ وہ کیسے ہوگی۔ جواب ملا کہ آج تیسرے دن کا الدین آٹھ روز کے لئے سٹکار کو گیا ہوا ہے۔ پانچ دن کے بعد آئیگا تو تم اسے آسانی سے دیکھ سکو گے۔ کیونکہ اگر وہ یہاں رہے تو روز سیر و سیاحت کے لئے بازار میں نکلا کرتا ہے۔ افریقی نے کچھ سوچ کر اپنے مکان کا راستہ لیا۔ اور دروازہ بند کر کے بذریعہ ریل درخت کوٹنے لگا کہ چراغ کہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ محل ہی میں ہے۔ اُسے بڑا اطمینان ہوا۔ کہ بے اختیار پکار اٹھا۔ وہ مارا۔ فوراً اٹھٹھپار کی دوکان پر گیا کہ مجھے تانے کے بارہ چراغ چاہئیں۔ اُسے جواب دیا اہل بنا دوں گا۔ افریقی بولا۔ بہت اچھا۔ کل ہی سی۔ مگر انہر خوب

اور الدین کو گلے لگا کر پیار کیا کرتے تھے۔ اکر کام ایسے دیکھے ہیں جو طاقت بشری سے باہر ہیں۔ واقع میں تم عجیب شخص ہو۔ الدین نے سر جھکا لیا اور بولا۔ میں کس لائق ہوں۔ یہ سب حضور کا ہی حق ظن ہے۔ غرض بادشاہ وہیں سے رخصت ہو کر اپنے محل میں آیا۔ اور وزیر سے الدین کی عجیب و غریب کارروائی کا ذکر کیا۔ وزیر نے دل میں سمجھ لیا کہ یہ سب جاو کے کام ہیں۔ بولار حضور! مجھے تو سحر کا کارخانہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ بادشاہ بولا۔ شاید تمہیں اپنے بیٹے کی شادی ابھی تک نہیں بھولی۔ اور اسلئے الدین سے صدر رکھتے ہو۔ یہ سنکر وزیر چپ ہو رہا۔ اور پھر کچھ نہ بولا۔ بلکہ دل میں عہد کر لیا کہ الدین کے معاملے میں بادشاہ کو اس کے اپنے ہی خیال پر رہنے دیکھا۔ پھر بادشاہ نے معمول بٹھرا لیا کہ ہر صبح اُس کے پہلے اُس محل کو دیکھ لیا کرتا۔ جو اُسکی خواہگاہ کے عین بالمقابل واقع تھا اور دن بھر اُسے تسلی رکتی۔ الدین بھی ہفتے میں ایک دفعہ سیر و سیاحت کے لئے باہر نکلا کرتا۔ اور دو غلام اُسکے ساتھ ہولیتے۔ جو مٹی بھر بھر کے اشرفیاں اور روپے ارد گرد پھینکتے جاتے۔ اسلئے اُسکی سواری کے ساتھ بھیر بھاڑ دیتی۔ ہفتے کے باقی دن وہ امار اور وزار سے ملنے اور دعوتیں کھاتے کھلانے میں مصروف رہتا۔ اُس کی جو دوسخا کے سبب عوام میں اُسکی ہر دلعزیزی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور لوگ کثرت محبت کے سبب سے اُسکی قسم بھی نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی بادشاہ نے شاہ چین پر چڑھائی کی۔ الدین نے بھی سنا۔ فوراً بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی۔ کہ اس غنیم کو میں شکست دیا چاہتا ہوں۔ اگر حضور کی اجازت ہو۔ بادشاہ نے اُسکی درخواست کو منظور کر کے اُسے سپہ سالار بنا دیا۔ الدین نے فوراً کوچ بول دیا۔ اور دشمن کو راستے ہی میں جالیا۔ وہ ایک کو تھکے ہوئے تھے دوسرے الدین نے حسن تدبیر سے کام لیا۔ اسلئے غنیم کو اس طرح منہ کی کھائی پڑی کہ گردنواحوں کے ملکوں میں الدین کی یہاں درسی کی دھوم مچ گئی۔ بادشاہ بھی بہت خوش ہوا اور الدین کی شجاعت بھی اُسکے دل میں نقش ہو گئی اب ساحر افریقی کا حال سنو۔ وہ جب مالوس ہو کے اپنے ملک کو لوٹ گیا۔ اُس نے یہ بھی یقین کر لیا تھا۔ کہ الدین اُسی تار یک غار میں بے آب و حیات تڑپ کے مر گیا ہو گا۔ کئی سال کے بعد بیک ایک اُسکے دل میں خیال آیا۔ کہ آؤ دل کے دریچہ الدین کا پتہ درپتہ کریں کہ میرے آنے کے بعد وہ کتنے دن بھر مرا۔ مگر یہ نتیجہ نکلا کہ الدین زندہ و سلامت

دروازہ کیوں سادہ رکھا گیا ہے۔ الہ دین پولا۔ حضور! وائے اسے احوالت میں رکھا گیا تھا اسلئے کہ حضور سے تمہیں اسکی درستی کی آرزو تھی۔ بادشاہ نے فرمایا بہت اچھا۔ جعفر جواہرات درکار ہوں ہمارے خزانے سے لئے جاویں۔ پھر شہر کے کارگیروں کو ساروں اور جوہر لین کو بلانے کا حکم دیا۔ اور آپ کھانیکے کمرے میں آگیا۔ شہزادی بھی وہیں آگئی اور وہ اس شادی سے بڑی مسرور دکھائی دیتی تھی۔ غرض یہ کہ سب اپنے جوں کے مطابق ترغوا پر بیٹھ گئے اور بادشاہ نے الہ دین کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ جب فراغت پا چکے۔ بادشاہ نے کھانوں کی بہت تعریف کی اور کہتے لگا کہ جینے عمر بھر میں ایسے لذیذ کھانے نہیں کھائے۔ پھر ناچ دیکھا اور گانا سنا۔ اتنے میں شہر کے سارا دروازہ بھی آگئے۔ بادشاہ نے انہیں باہر دری کا دروازہ دکھا کے حکم دیا کہ اسے بھی دوسروں کی طرح مریض کر دو اور جعفر مصلح درکار نہ ہمارے خزانے سے لیاؤ۔ جیب میں محل میں جاتا ہوں تم نے وہیں آجاتا۔ اور جواہرات چن لانا غرض سارا دروازہ ہری انگلیں دن بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے خزانے کے تمام جواہرات بجالا دیں کہ جواہرات کے ہتکے سامنے ڈھیر کر دئے۔ وہ بیکے الہ دین کے محل میں آئے اور دروازے کو ایک بیٹے میں مکمل کر دینے کا وعدہ کیا لیکن مہینہ گزر گیا۔ تمام جواہرات بھی صرف ہو گئے اور دروازہ آدھا بھی نہ ختم ہوا۔ آخر الہ دین نے انہیں حکم دیا کہ تم یہ جواہرات بادشاہ کے پاس اکٹھا لیجاؤ۔ میں آپ ہی اسکا بند و بست کروں گا۔ غرض انہوں نے جواہرات اکٹھا لئے اور بادشاہ کے پاس بیٹھے اور الہ دین نے چراغ نکال کر رکھا۔ اور جن نے حاضر ہو کر کہا فرمائیے کیا حکم ہے۔ الہ دین نے اسے حکم دیا کہ اب جو بیواں دروازہ بھی مریض کر دو۔ جن فوراً غائب ہو گیا۔ اور الہ دین آپ بھی ادھر ادھر ٹل گیا۔ چند منٹ کے بعد آکے دیکھا تو دروازہ یاقیوں کی طرح جواہرات سے منکب ہو رہا تھا۔ اتنے میں بادشاہ بھی بے اطلاع وہیں پہنچ گیا۔ الہ دین گھبرا کر استقبال کے لئے اکٹھا۔ مگر بادشاہ نے اسے مستند نہ ہی لیا اور شکوہ کرنے لگا کہ تم نے میرے کارگیروں کو کیوں واپس کر دیا ہے۔ دروازہ جو بدناما معلوم ہوتا ہے اسے تو بھیج دیا ہو لیٹے دیتے۔ جواب میں الہ دین نے سر جھکا کر کہا۔ حضور کے اقبال سے اب وہ ناکمل نہیں رہا۔ اور بادشاہ کو دکھایا۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔

شہزادی نے بھی مناسب جواب دیا اور الدین اُسے بارہ درہی میں لگیا جہاں موی اور کاؤ کی جھاڑ  
 جل رہے تھے اور دسترخوان بچھ رہا تھا۔ جسیر لذیذ اور نفیس شاکہ نہ کھاتے جتنے سکھتے تھے برتن  
 سب کے سب سُٹری اور روپہری تھے اور سب سامان نہایت بیش قیمت تھا۔ شہزادی بارہ درہی  
 کو دیکھ کر بہت شگئی۔ اور بولی۔ میں تو اپنے باپ کے محل کو ہی دنیا میں بے نظیر سمجھتی تھی۔ مگر  
 یہاں آکر وہ سب کچھ سچ معلوم ہوتا ہے۔ الدین نے کچھ جواب نہ دیا اور اُسے لیجا کر صدر میں سنا  
 پر بٹھایا۔ آپ بھی دوسری طرف بیٹھ گیا۔ اور ماں کو بھی ایک طرف بٹھالیا۔ گائیں بگائے بجاتے  
 لگیں۔ شہزادی بولی۔ مینے عمر بھر میں ایسا کانا نہیں سنا۔ مگر وہ نہ جانتی تھی کہ گلنے والی پٹلی  
 ہیں۔ پھر ناچ کی مغل آجی اور سب کے بعد حسب دستور شہزادی اور الدین اچھی طرح ناچے۔  
 پھر وہ دو خواہگاہ میں چلے گئے۔ غرض رات اچھی طرح کٹی اور صبح ہوتے ہی الدین کپڑے پہن  
 برق صبار قمار پر روار ہوشا ہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ نے اُسے تخت پر بٹھالیا۔ اور  
 خاصہ چُھنے کا حکم دیا۔ مگر الدین نے معذرت کی کہ اس وقت میں حضور کو ساتھ لیجانے کے لئے  
 حاضر ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے امراء دربار کیساتھ آج میرے غریب خانہ پر  
 قدم نہ فرمائیں اور وہیں کھانا کھائیں۔ شہزادی کی بھی یہی آرزو ہے۔ بادشاہ نے اُس کی  
 دعوت کو قبول کیا۔ اور یہ بدل الدین کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ وزیر امیر اور صاحب ساتھ  
 ہوئے۔ اور جب الدین کے محل میں داخل ہوا۔ اُسکی صنعت دیکھ کر قدم قدم پر حیران ہوتا  
 تھا۔ آخر بارہ درہی کی مشک کاری نے اُسے بالکل ہی بُت بنا دیا۔ اور وزیر سے کہنے لگا۔  
 یقیناً ایسا نفیس محل میری سلطنت میں کہیں نہ ملے گا۔ وزیر بولا۔ حضور بھی پرسوں اسکا کچھ بھی  
 نام و نشان نہ تھا۔ ایک ہی رات میں اس قدر عظیم الشان محل کا بنانا واقعی حیرت میں ڈالتے والا  
 ہے۔ پھر تمہیں دروازے مرصع بجاہرات اور چمپواں سادھ دیکھ کر تعجب کیا کہ ایسی نفیس  
 بارہ درہی میں ایک دروازہ کیونکر رہ گیا۔ وزیر نے جواب دیا۔ شاید الدین کے پاس سامان  
 ہوگا اور فرصت نہ ملی ہوگی۔ فرصت پانے پر پھر نہا لیا۔ اتنے میں الدین بھی آگیا جو پہلے  
 کسی کام کے لئے وٹاں سے غیر حاضر تھا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ الدین! ہتھارے محل  
 اور خصوصاً بارہ درہی بے نظیر ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ مگر میں حیران ہوں کہ یہ ایک

ایک کچھ جانے کہ شہزادی بدرالبدور اس پر سے گذر کر اپنے محل میں آئے۔ جن کے جواب دیا۔ ابھی۔۔  
 لیجئے۔ غرض تھوڑی سی دیر میں تالین بھی کچھ گیا۔ پھر جن نے الدین کو اس کے اہل گھر میں پہنچا دیا۔۔  
 اور آپ صبر سے آیا تھا اور ہر ہی چلا گیا۔ محل شاہی کے دربانوں نے جب شاہی محل کے دروازے۔۔  
 کھولے۔ بہدان میں سفید زمین کی جگہ ایک عالیشان محل بنا پایا جسکی آپ و تاب سے آسمانیں۔۔  
 چوڑھیاں رہی تھیں وہ جیران رہ گئے اور فوراً سارے محل میں خیر ہو گئی خصوصاً وہ بڑا تالین۔۔  
 دیکھ کر ہر ایک کو حیرانی ہوئی جب وزیر عظم و دولت پر آیا وہ بھی اُس سے محل کو دیکھ کر متحیر ہوا۔۔  
 اور جلد چلے جانے کے بادشاہ سے یہ خبر کی۔ پھر لوالحے نے یسب جاو کا کام معاہدہ ہوتا ہے بادشاہ  
 نے جواب دیا۔ نہیں یہ الدین کا محل ہے۔ کل اسے مجھ سے اجازت لی تھی اور رات بھر میں ہی  
 بہت سی دولت صرف کر کے یہ محل بنوا دیا ہے وہ ہر روز دولت کے زور سے ایک نہ ایک کام  
 ایسا کر ڈالتا ہے کہ ہمیں حیرت میں ڈالتا ہے۔ لیکن حمد کے سبب سے تم اُسے جاو کہہ دیتے ہو  
 اور الدین نے ماں سے کہا کہ تم بھی پوشاک بدل لو اور ان غموں اور کینوں کو ساتھ لیکے شاہی  
 محل کی طرف روانہ ہوئی۔ الدین بھی چراغ ساتھ لے اسی شان و شوکت کے ساتھ تیار ہوا جس سے  
 کل دربار میں گیا تھا۔ اور اسی فاد و دوش کرتا جاتا تھا۔ جب الدین کی ماں شاہی محل کے دروازے  
 پر پہنچی۔ چوہاروں نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے سازندوں کو اشارہ کیا فوراً باجے  
 بجاتے گئے۔ خواجہ سراؤں کا سردار استقبال کے لئے آگے بڑھا اور الدین کی ماں کو شہزادی کے کمرے  
 کی طرف لے گیا۔ شہزادی بھی لب فرش تک استقبال کے لئے آئی اور ساس کے گلے ملی۔ پھر الدین  
 کی ماں نے جوڑوں اور زیورات کی کشتیاں سامنے رکھ دیں۔ غموں نے جوڑے اور زیورات  
 کو پہنا دئے۔ اتنے میں بادشاہ بھی وہاں آگیا اور سب سامان دیکھ کر اُسے بہت خوشی ہوئی۔  
 آخر وہ امن شام کے وقت اپنے باپ سے روانہ ہوئی اور الدین کی ماں کیساتھ بڑے طہرات  
 سے محل کو روانہ ہوئی۔ عوام الناس شہزادی کے جلوس کو دیکھنے کے لئے دو طرف جمع ہوئے۔  
 اور ہر چیز کو دیکھ دیکھ کر تعویذ و حیرت بن رہے تھے۔ آخر جب شہزادی الدین کے محل میں پہنچی  
 الدین استقبال کے لئے آگے آیا اور خیریت مزاج پوچھ کر لولا سے  
 وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت سے کبھی ہم آگاہ کبھی اپنے گھر کو دیکھنے میں ہیں۔

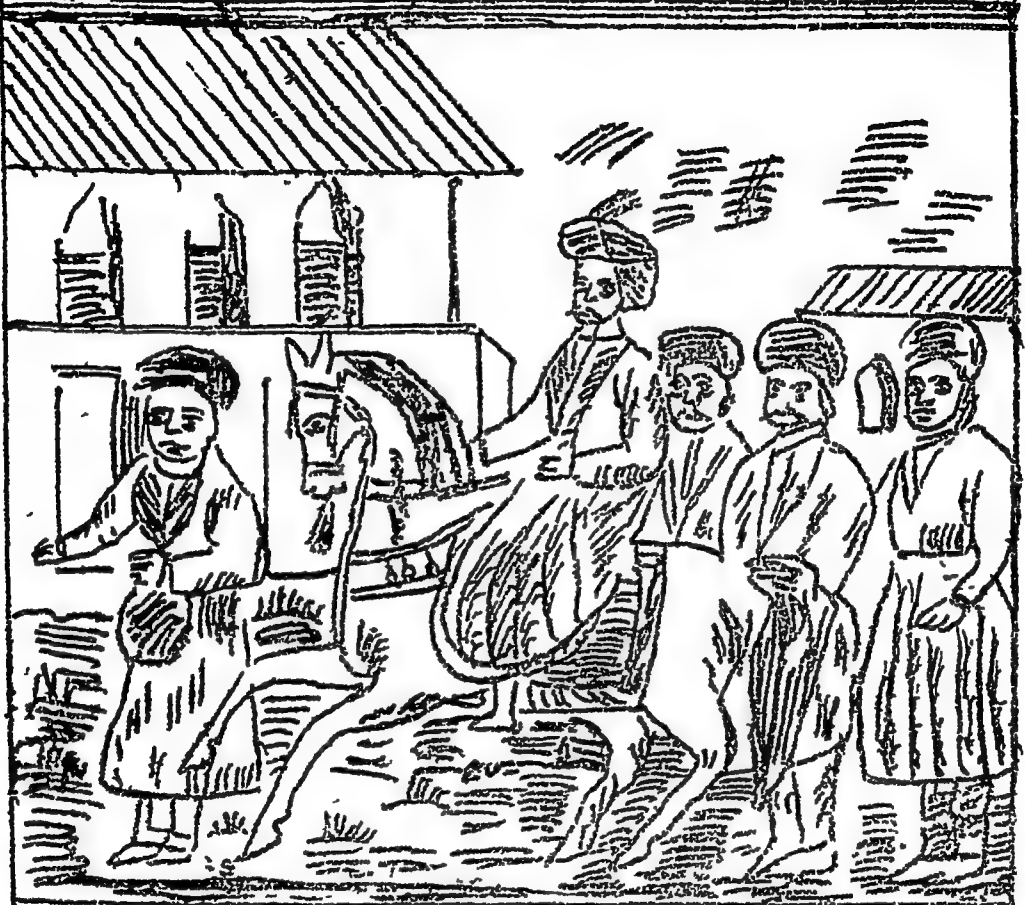
پائیں باغ۔ دوسرے پہلو میں باور چنانہ۔ توشے خانہ اور ڈراپرے کر کے مصطل ہیں۔ علاوہ ان میں  
 مکان شامانہ لباس سے آراستہ پیراستہ ہونے چاہئیں۔ محل میں لڑائی و تلوار۔ باغ میں مالی اور  
 خادم۔ باور چنانہ میں اعلیٰ درجہ کے کارگیر باورچی توشے خانہ میں روپے اشرفیاں اور مصطل  
 میں گھوڑے اور اُنکے خادم ایسے ہوں۔ کہ یاد شامانوں کے ہاں بھی نہ ٹکل سہاں غرض سب کچھ  
 بہت جلد تیار کر کے مجھے اطلاع دے۔ الہ دین جن وقت یہ حکم ہے چکار شام کے سات  
 بج چکے تھے پھر وہ کھانا کھا کے سو گیا۔ صبح کے وقت جب جاگا۔ جن نے حاضر ہر کے اطلاع دی کہ  
 حکم کی تعمیل ہو گئی اور محل تیار ہے۔ الہ دین نے کہا اچھا چلو۔ جن نے اُسکا ہاتھ پکڑ لیا اور فوراً  
 محل میں جا کھڑا کیا الہ دین نے بڑے غور سے ہر ایک چیز کا ملاحظہ کیا اور اپنے خیال سے بڑھکر  
 ساز و سامان و نوکر چاکر پاس کے بڑا خوش ہوا۔ پھر جن سے بولا ایک بات مجھے یاد نہ رہی تھی اسے  
 اب پورا کر دو۔ ایک بڑا قالین درکار ہے جو اس محل کے دروازے سے شاہی محل کے دروازے  
 تصویر الہ دین کے محل کی جو شام و نیا کے محلات پر فوقیت رکھتا تھا





سامان تو روئے زمین کے شہنشاہوں کو بھی نصیب نہیں اسے کہاں سے میسر آیا۔ غرض الہ دین نے  
 شہزادی کی موصفت کا بڑا اشتیاقی نظر کر لیا۔ اور بولا۔ غدوی کی پیدایش اسی شہر کی ہے۔ بادشاہ  
 نے جو ایدیا اطمینان رکھو۔ میں ضرور اپنا وعدہ پورا کرونگا۔ یہ کہہ کے سازندوں کو اشارہ کیا۔ فوراً  
 شادیاں نے بچنے لگے۔ پھر بادشاہ الہ دین کو محل میں لے گیا۔ جہاں دعوت کا سب سامان تیار تھا بادشاہ  
 نے الہ دین کو اپنے ساتھ کھانے پر بلوایا۔ وزراء اور اہل راجہ اپنے اپنے سرچوں پر بیٹھے۔ اس آئنا میر  
 بادشاہ اور الہ دین کی جو گفتگو ہوئی۔ اُس سے بادشاہ کو بڑی خوشی ہوئی۔ کہ الہ دین ہر طرح  
 سے ہوشیار ہے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی۔ قاضی القضاۃ کو بلوایا اور الہ دین کیساتھ  
 شہزادی کا نکاح پڑھا گیا۔ چاروں طرف سے مبارک سلامت کا غل جھکیا اور سب چھوٹے  
 بڑے اس شادی سے بڑے خوش ہوئے۔ ہر ایک کو ریشے کے مطابق خلعت اور انعام ملے  
 اور مساکین پر بہت سی خیرات کی گئی۔ جب وداع کا وقت آیا۔ بادشاہ نے الہ دین سے کہا  
 اگر آج یہیں رہ جاؤ تو میری سسرت کا موجب ہوگا۔ الہ دین نے جواب دیا۔ میں آپ کا مشکو  
 ہوں۔ مگر آج اجازت ہی دیجئے اور میں ہر روز بلا ناغہ حضور کے درشن سے مستفید ہونا چاہتا  
 ہوں اسلئے اگر مجھے محل شاہی کے قریب ہی کچھ جگہ عینایت ہو تو وہاں شہزادی کے لئے ایک  
 عالیشان محل تعمیر کروایا جائے۔ بادشاہ نے بخندہ پیشانی فرمایا۔ میرے محل کے سامنے ایک بڑا  
 وسیع میدان ہے۔ اُس میں جہاں چاہو۔ تم اپنا محل تعمیر کر سکتے ہو۔ پھر الہ دین رخصت ہو کر  
 اپنے گھر آیا اور راستے میں ہندو خیرات کی۔ کہ لوگ نہال ہو گئے ہر طرف سے واہ وا اور مبارکباد  
 کی صدا بکس رہی تھی۔ غرض وہ گھر پہنچ کر سیدھا اپنے حجرے میں داخل ہوا اور جو بیچ کو  
 نکال کے رکھا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ الہ دین نے اُسے حکم دیا کہ فلاں میدان میں جو شہزادی محل  
 کے سامنے واقع ہے ایک عالیشان محل بہت اچھا اور جہتہ زحید ہو سکے تیار کرو تاکہ شہزادی  
 بدالبد و رُس میں آ رہے۔ یہ تیری مرضی پر منحصر ہے کہ اُس کا نقشہ اور مصلح کیسا ہو مگر اُس  
 کے اوپر ایک بڑی بارہ دری گنبد دار ہونی ضرور ہے جسکی چار دیواری سونے چاندی کی بنی ہو۔  
 ہر طرف چھ چھ دروازے ہوں۔ اور ہر دروازے کی درزوں میں اسیرے اور جواہرات جڑے  
 ہوں۔ سوائے ایک کے کہ اُسے سادہ ہی رہنے دینا ہے۔ محل کے سامنے دو آستانے ایک طرف

تصویر الہ دین کی گھوڑے مرقع کار پر لباس شامانہ پہنکر سوار ہوئے اور  
ہمراہیوں سمیت دربار شاہی کی طرف روانہ ہوئی اور غلاموں کا اشرافیاں لٹانا



سب کے سب خوش تھے کہ شہزادہ کا درالہ بدور کے لایا اس سے اچھا جوڑا اور کوئی نہیں  
الہ دین جیسا دربار کے قریب پہنچا۔ اہل دربار اور وزیر اعظم پیشانی کے لئے آئے۔ اس  
نے چاہا کہ وہیں گھوڑے سے اتر کھڑا ہو۔ مگر سرداروں نے اسے منع کیا۔ اور لب  
فرش تک سوار رہنے ہی کیے۔ اندر جاتے گھوڑے سے اُتارا اور راکھیں دربار کے دربان  
میں سے جو دھڑکنے والی ہوتی تھیں، پکڑ کر رکھ دیں۔ الہ دین نے چاہا کہ بادشاہ کی  
قدمبوسی کے لئے چھکے۔ مگر بادشاہ نے اسے بازو سے پکڑ کر پیٹھا لیا اور ہنسا بہت  
خوش ہو کر خبریت پوچھنے لگا۔ بادشاہ کے ساز و سامان کو دیکھ کر دیکھ کر متحیر تھا کہ الہ دین

ساتھ ہی لیتا گیا۔ شہزادی اُس سب خزانے کو دیکھ کے حیرت میں پڑ گئی۔ اُدھر الہ دین کی  
 ماں نے کہا۔ بیٹا! مبارک ہو۔ جس کسی نے تمہارے تحفہ کو دیکھا۔ پسند کیا۔ بادشاہ نے  
 بھی کمال خوشی سے اُسے قبول کیا اور اب تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ شہزادی کا ہاتھ  
 تیرے ہاتھ میں پکڑا دے۔ اب تو دیر نہ کر۔ الہ دین یہ مژدہ سنکر میرے بھولانہ سمایا۔ فوراً جو بنی جا  
 چرغ مگروا۔ جب جن آ حاضر ہوا تو اُسے حکم دیا۔ کہ میں حمام کیا چاہتا ہوں۔ تو میرے قدم  
 کے منسوب فوراً ایک شانہ جوڑا لے آ۔ جن نے فوراً الہ دین کا ہاتھ پکڑا۔ اور سنگ مرمر کے  
 ایک نفیس حمام میں جا کھڑا کیا۔ الہ دین خوب ہل دہل کے نہایا اور بدینہ خورشیدیاں میں حمام  
 سے باہر نکلا تو کشتی میں ایک بیش قیمت شانہ لباس رکھا دیکھا۔ جن کی مدد سے اُسے  
 پہن گھرا یا اور اپنے بدن کو پہلے سے سفید اور خوبصورت نیز ہلکا پھلکا پلکے بہت خوش  
 ہوا۔ پھر جن نے پوچھا۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرماؤں۔ الہ دین نے کہا۔ ہاں!  
 ایک ایسا گھوڑا چاہئے جیسا شاہی اصطبل میں کوئی نہ مل سکے اور اُسکا سامان ایک کڑ اور  
 روپے کا ہو۔ بارہ غلام جو میرے دائیں بائیں چلیں۔ اور جن کا لباس زریں ہو۔ میں اور  
 غلام جو میرے آگے آگے چلیں۔ چھ خوشامعاش اعلیٰ لباس پہلے جو میری ماں کے ساتھ ہوں گی  
 دو کنبہ زریں اور دو نفیس جوڑے ملکا اور شہزادی کے لئے اور ایک نفیس جوڑا میری ماں کے  
 لئے اور دس توڑے اشرفیوں کے۔ یہ چیزیں لیکے جب قدر جلد ہو سکے آ۔ جن فوراً غائب  
 ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد سب مطلوبہ سامان لاکھ سائے رکھ دیا الہ دین کا غربانہ مکان  
 جھلکاتے لگا۔ پھر الہ دین نے ایک غلام کو اطلاع دینے کے لئے بھیجا۔ کہ میں آ رہا ہوں  
 غلام جواب لایا کہ بادشاہ انتظار میں بیٹھا ہے۔ جلد تشریف لیجئے۔ الہ دین اگرچہ اس سے  
 پہلے عمر بھر میں کبھی کسی گھوڑے پر سوار نہ ہوا تھا۔ تاہم اسوقت وہ شہسواروں کی طرح  
 گھوڑے کو دوڑاتا کہ دو تالی لپیلا۔ غلام آگے اور دائیں بائیں ہولے اور بھی بھر بھر  
 کے اشرفیاں پھینکنے لگے خلقت و نو طرف بھٹ کے ٹھٹھٹ اکٹھی ہو گئی۔ اور چنگی بٹیاں  
 ہونے لگیں کہ ایسا سچی ہمنے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھا۔ خدا جانتے یہ جوان کہاں کا  
 رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے اسے آوارگی میں دیکھا تھا وہ بھی پہچان نہ سکے غرض

اُسے سنا دے۔ پس جواب کا انتظار کرونگا۔ الدین کی ماں نے گھر کی راہ لی اور اپنے بیٹے کی حماقت پر ہنستی جاتی تھی کہ ناحق میرا وقت بھی ضائع کیا۔ اب وہ فرمائشوں کو پورا کر لگا۔ تو جا بیگا۔ جب گھر پہنچی۔ الدین سے بولی۔ کیوں بیٹا! میں نے کہا تھا کہ شہزادی کا خیال ترک کر دے۔ اب اُسکے باپ نے ایک اتنے بڑے حق مہر کی فرمائش کی ہے کہ تجھ سے ساری عمر میں بھی پوری نہ ہو سکیگی۔ یہ کہہ کے دربار کا سارا واقعہ سنا دیا۔ الدین بولا۔ واہ! یہ تو کچھ بھی نہیں۔ تم ذرا ٹھہرو۔ ابھی یہ فرمائش پوری ہوئی جاتی ہے۔ تم ذرا بازار سے کھانا تولے آؤ۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ غرض وہ تو بانہاد کو گئی اور الدین نے چراغ رکھا۔ جن فوراً حاضر ہوا۔ اور بولا۔ کیا حکم ہے۔ میں اُس شخص کا تابع رہوں جسکے ہاتھ میں یہ چراغ ہے۔ الدین نے وہ فرمائش پوری کر لانے کا حکم دیا۔ جو بادشاہ نے کی تھی جن فوراً چلا گیا اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ سب سامان لئے آ موجود ہوا۔ پھر کہنے لگا کوئی اور حکم ہو تو ارشاد فرماویں۔ الدین نے کہا۔ فی الحال اور کوئی حکم نہیں ہے۔ غرض وہ شخصت ہو گیا اور جب الدین کی ماں واپس آئی۔ وہ سامان دیکھ کر حیران رہ گئی۔ الدین نے کہا۔ اب تم یہ فرمائشات بادشاہ کی خدمت میں پہنچاؤ۔ پھر کے کہا تاکہ لینا۔ غرض بڑھیا دربار کو چلی راستے میں لوگ اُسے دیکھ دیکھ کے حیران ہوتے تھے۔ جب دیوان خانے کے قریب پہنچی۔ اہلکاروں نے بادشاہ کو خبر دی۔ اُسے حکم دیا کہ فوراً میرے سامنے حاضر کیجائے۔ الدین کی ماں آگے بڑھ کر زمیں پوس ہوئی۔ اور وہ سب سامان ہنڈیوں میں ڈال کر لائی۔ الدین نے عرض کیا کہ اگرچہ یہ تحفہ مختصر شہزادی کے قابل نہیں۔ تاہم اُمیدوار ہوں۔ کہ اسے قبول فرما کر مجھے سرفراز کیا جائے۔ بادشاہ حیران رہ گیا۔ اور وزیر سے پوچھا۔ کیا جو شخص ایسا تحفہ دیکھتا ہے وہ تمہارے نزدیک شہزادی پر الہام و رکاوٹ دلوں گے کہ قابل ہے یا نہیں۔ وزیر نے حسد کے سبب سے چاہا۔ کہ بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھے۔ مگر بادشاہ نے اُسکی ایک نہ ہستی اور تحفہ قبول کر کے الدین کی ماں سے کہنے لگا۔ اب تم اپنے بیٹے کو دربار میں بلا لاؤ۔ میں اُسکے دیدار کا کمال اشتیاق رکھتا ہوں۔ اور کہیں۔ کہ جس امر کا میں وعدہ کیا تھا۔ اُسے ایسا کرونگا۔ الدین کی ماں یہ سن کر دوڑی گئی اور بادشاہ اٹھ کے گھر گیا وہ تحفہ بھی

کہ آپ بادشاہ سے لہکر ہمارا نسخہ منوخ کرادیجئے۔ کمال احسان ہوگا۔ ورنہ شہزادی  
بھروسے زیادہ مصیبت میں پڑے گی۔ وزیر فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور عرض کی کہ مجھے  
غلام زادے کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ شہزادی فی الواقع سچ کہتی ہے اور غلام کے  
نزدیک مناسب یہ ہے کہ دونوں میں تفریق کرو بجائے۔ تاکہ دونوں کی جان سلامت رہے۔  
بادشاہ نے بھی اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اور فی الفور تمام قلمرو میں شادی کے رسومات  
منوخ ہوتے اور امورات شادی بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ خبر سنکر رعایا متروہ ہو گئی۔ مگر  
اصلی وجہ الدین کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ لوگوں نے سنا تو یہ سنا کہ وزیر زادہ محل شاہی  
سے نکالا گیا ہے۔ الدین کو بھی جھٹے خبر پہنچ گئی۔ کہ شادی منوخ ہو گئی۔ جب اسے اطمینان  
آیا۔ عرض بین عینے بھی گزر گئے۔ اور الدین کی ماں حسب وعدہ دربار میں حاضر ہوئی۔  
بادشاہ نے اسے پہچان لیا۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ اس بڑھیا کو بلال۔ وزیر اسے بادشاہ  
کے پاس لے گیا اور اسے جانے ہی اور خواست و دہرائی۔ بادشاہ فکر میں پڑ گیا کہ اب کیسے  
صاف جواب دوں۔ جبکہ ایک بار قرار کر چکا ہوں۔ مگر یہ بھی مشکل ہے کہ اپنی بیٹی ایک ایسے  
شخص کو دید و لگا۔ جس کا مجھے کچھ نام و نشان بھی معلوم نہیں۔ پھر وزیر سے صلاح کی۔ وہ  
بولا۔ حضور نے بہت سچا سوچا۔ لیکن الدین کو روکنا تو کچھ بھی مشکل نہیں آپ اسکی ماں کی  
زبانی کہلا بھیجیں کہ میری بیٹی کا حق مہر بہت بڑا ہے۔ اگر تجھ سے سرانجام ہو سکے تو میں اپنا  
وعدہ ایفا کرنے کو تیار ہوں۔ ورنہ تو کبھی نام نہ لیم جو اور جو بات بڑی ہو اس کے سرانجام کے  
لئے ارشاد فرمادیجئے۔ آپ ہی چپ ہو رہیگا۔ بادشاہ کو یہ رائے پسند آئی اور الدین کی  
ماں سے کہنے لگا۔ کہ بوڑھیا! مجھے اپنا لڑکی کی شادی تمہارے بیٹے سے کرنا منظور ہے  
مگر اس کا حق مہر بہت بڑا ہے۔ اگر تمہارا لڑکا ہم پہنچا سکے تو میں وعدہ پورا کرنے کو آمادہ ہوں  
اور حق مہر یہ ہے کہ چالیس سوئے کے خواستے ویسے ہی جواہرات سے بھرے ہوں جیسے تم نے  
آگے گزرائے تھے۔ اور ہر خواستے کو ایک بیٹی غلام کم سن اٹھائے ہو جس کے ساتھ ساتھ ایک  
کس سفید رو غلام ہو۔ اور ان غلاموں کے لباس میں قیمت جواہرات سے مضرع ہوں اگر  
اگر تمہارا بیٹا یہ حق مہر میرے پاس بھیجے تو میری لڑکی بیاہ لیا سکتا ہے۔ یہ پیغام چاکے

حکامات اطلاع بیان کئے۔ اسے حکم دیا کہ آج پھر ان دونوں کو پٹنگ سمیت میرے پاس اٹھا لائیے۔ جن سر جھکا کر غائب ہو گیا۔ اور جب سونے کا وقت آیا۔ شہزادی اور وزیرزادے دونوں پٹنگ سمیت لائے الہ دین کے کمرے میں رکھ دیا۔ الہ دین نے حکم دیا کہ وزیرزادے کو پھر اسی پاخانے میں بند کر دو۔ اور قبل از صبح وہاں سے نکال پٹنگ سمیت نخلہ عروسی میں چھوڑ آنا۔ جن نے فوراً غریب کو اٹھا یا اور اس دوتخ میں جاکے قید کر دیا۔ الہ دین بدستور درمیان میں ننگی ہلوار رکھ کے شہزادی کے پٹنگ پر لیٹ گیا۔ جب صبح قریب ہوئی۔ جن وزیرزادے کو پٹنگ سے نکال لایا اور پٹنگ پر لٹا فوراً وہیں پہنچا دیا۔ جہاں سے اسے لایا تھا اُدھر بدرالبدور بھی بادشاہ کی خبر پونچھنے آگیا۔ وزیرزادہ فوراً کو در دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ آج بدرالبدور کی حالت کل سے بھی خراب دکھائی دیتی تھی۔ بادشاہ نے بڑی ملامت سے پوچھا۔ کہو بیٹی اِرات کیسی گذری۔ مگر شہزادی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور بالکل سہلی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے سمجھا۔ لڑکی پر کوئی سخت حادثہ گزرا ہے۔ فوراً تلوار کھینچ لی اور غصے میں آکر بولا۔ کس بخت اجل بتا۔ کہ رات تیرا کیا حال رہا۔ ورنہ ابھی مار ڈالوں گا۔ بدرالبدور ڈر گئی اور رورور بادشاہ سے دو فوراتوں کا مفصل حال بیان کر دیا۔ نیز کہا کہ اگر آپ کو اس پر اعتبار آئے تو میرے شوہر سے پوچھ لیجئے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ بیٹے تیری شادی رنج دینے کے لئے نہیں کی تھی۔ خیر! اب میں جا کے وزیرزادے سے بھی پوچھتا ہوں۔ اور امید ہے کہ اب ایسا واقعہ نہیں ہوگا۔ غرض بادشاہ اپنے کمرے میں آیا اور وزیر کو بلکا بھیجا۔ وہ دوڑا آیا۔ اور عرض کی۔ کیا حکم ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ تم نے اپنے بیٹے کو دیکھا ہے اور اس سے کچھ حال سنا؟ وزیر نے جواب دیا۔ ابھی تک تو وہ مجھے نہیں ملا۔ پھر بادشاہ نے اسے شہزادی کا سارا حال سنا دیا۔ اور کہا کہ مجھے اس پر اعتبار ہے۔ مگر تمہارے لڑکے سے اسکی تصدیق چاہتا ہوں۔ تم جا کے اس سے پوچھو۔ تو وہ کیا کہتا ہے۔ غرض وزیر گھر آیا اور اپنے لڑکے کو بلوائے تاکہ کی۔ خبردار اگلا گزشتہ دوراتوں میں تم پر جو کچھ گزرا ہو۔ فوراً بیان کر دو۔ ورنہ چھاپاؤ۔ وزیرزادے نے جواب دیا۔ واقعہ میں شہزادی جو کچھ کہتی ہے وہ سچ ہے۔ اگر دو چار باتیں اور مجھ پر ایسی گذر گئیں۔ ضرور میں تو مر جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے

دو نو مر جاتے تو عجیب نہ ہوتا غرض جس وقت جن اُنکے پلنگ کو حجاب عروسی میں چھوڑ کے  
 باہر نکلا تو رُیا دشاہ شہزادی کو دیکھنے کے لئے وہاں آ گیا۔ ورنہ اسے پرہنج روز بخیر کہا  
 وزیر زادہ فوراً دوسرے کمرے کو نکل گیا اور بادشاہ اندر آیا۔ بیٹی سے رات کی کیفیت دریافت  
 کی۔ مگر اسے خوف کے ابتک وہ زرد ہو رہی تھی۔ کچھ جواب نہ دے سکی۔ بادشاہ نے سمجھا  
 شاید شرم کے سبب سے نہیں بولتی۔ اس لئے وہ ملک کے پاس گیا اور اُس سے شہزادی کا  
 حال کہا۔ ملکہ نے کہا۔ تین دستک عروسیوں کا حال ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ میں  
 ملکہ ساری کیفیت دریافت کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ شہزادی کے پاس گئی اور اسے شوش و  
 سسکیں پا کے نہایت حیران ہوئی۔ پھر چپکار کر اور پیار کر کے پوچھا۔ بیٹی! خیر تو ہے مجھے  
 رات کی کیفیت تو سناؤ۔ خدا خواستہ کوئی خواب یہ تو نہیں دیکھا۔ چہرہ اُترا ہوا سا کیوں ہے  
 جب ملکہ نے بہت اصرار کیا۔ شہزادی نے شب کی واردات لفظ بلفظ سنا دی۔ بلکہ بولی۔  
 تم نے اچھا کیا۔ کہ باپ سے یہ راز نہیں کہا۔ خیر واکسی اور سے بھی کہیو۔ ورنہ لوگ تجھ  
 دیوانہ سمجھیں گے۔ شہزادی نے جواب دیا۔ ہیں اپنے ہوش و حواس میں ہوں۔ اگر آپ کو میری  
 بات کا یقین نہ آیا ہو۔ تو میرے شوہر سے بھی دریافت کر لیں۔ ملکہ نے کہا اچھا میں اُس سے  
 بھی پوچھوں گی۔ اور اگر اُس نے بھی یہی کہا۔ تو میں تمہاری بات پر باور کرونگی۔ اتنے میں تم  
 اُنکے منہ ماتھ دھو ڈالو۔ اور فکر و غم دور کر دو۔ گو یہ امر نہایت عجیب ہے مگر مجھے تو خواب جان  
 پڑتا ہے اور خواب و خیال کا اعتبار غرض وہ شہزادی کو اُٹھا۔ اُس کا منہ ماتھ دھلا دیا دشاہ  
 کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ رات کو ایک ہولناک خواب دیکھا ہے۔ اُنسی  
 کے اثر سے وہ سہمی ہوئی ہے۔ یہ سنکر بادشاہ تو چلا گیا۔ اور ملکہ نے وزیر زادے کو بلوایا پوچھا  
 کیا تم نے بھی رات کو وہ خواب دیکھا ہے جو وزیر الہ ورتاتی ہے؟ وزیر زادے نے مناسب  
 نہ سمجھا۔ کہ ملکہ کو راز پر مطلع کرے۔ اس لئے اُس نے صاف انکار کر دیا کہ مجھے تو کوئی خواب نظر  
 نہیں آیا۔ اور اپنے تئیں ایسا خوش و خرم ظاہر کیا۔ کہ ملکہ کو اعتبار آ گیا۔ الہ دین کو اپنے  
 چراغ کے موکل کی بدولت ان سب باتوں سے اطلاع مل گئی۔ اور یہ بھی پتہ لگا کہ آج رات  
 پھر دونوں بیان بی بی جملہ عروسی میں بسر کر چکے۔ فوراً چرخ رگڑا۔ اور جب جن نے حاضر ہو کر



# تصویر جن کی پلنگ وزیر زادہ کو مع شہزادی حقتہ کے اٹھالانے کی



ہوئی اُدھر حبیب الدین نے شہزادی کو اکیلے پایا بولا۔ اے پیاری نازنین! آپ شہزادہ  
 تھیں۔ بیٹے بھروسہ اس امر کو کیا ہے کیونکہ بادشاہ نے پہلے تمہاری شادی میر  
 ساتھ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اب تمہیں بیاہ دیا وزیر زادے سے۔ وہ میرا قریب ہے۔  
 اسلئے میں تمہیں اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ پھر اُسی پلنگ پر لیٹ گیا اور اپنے درمیان تنگی تیار  
 رکھ لی۔ شہزادی کل رات بھی نہایت سہم میں بسر ہوئی۔ مگر الدین خوب لمبی تان کے سو یا۔  
 جب صبح قریب ہوئی۔ جن خود بچہ و حاضر ہوا اور بولا۔ اب مجھے کیا حکم ہو تا ہے الدین نے  
 جواب دیا وزیر زادے کو قید سے نکال لا اور اس پلنگ سمیت دونوں کو وہیں پہنچا دے جہاں  
 سے لایا تھا۔ جہاں سے چشم زدن میں جن نے اُسکی بھی تمہیل کی اور غائب ہو گیا۔ دو لہا و  
 دہن کے لئے اُس جن کا دیکھنا بھی ایک بھاری مصیبت سے کم نہیں تھا۔ اور اگر خوف ہو

بھی نہ لیا اور دوسری دوسری گھر پہنچی۔ الہ دین نے پوچھا۔ اہاں! خیر تو ہے۔ بوڑھے بھانجے  
جواہر دیا۔ بادشاہ تو رٹا جھوٹا نکلا۔ مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا؟ اور اب میں بازار سے سٹکے آئی  
ہوں۔ کہ شہزادی کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہو رہی ہے۔ اب اس وقت وہ حمام کو جا چکی  
اور نکاح شایدرات کو پڑا جائے۔ الہ دین کو بڑی غیرت محسوس ہوئی اور سوچنے لگا۔ اگر کوئی  
دوسرا شخص بد راہدور کو سیاہ لیگیا۔ تو میرے لئے ڈوب مرنے کی جگہ ہوگی۔ پھر سوچ سوچ کر  
چراغ کو یاد کیا کہ اڑے وقت وہی کام کر لیگا۔ پھر ماں سے بولا۔ کوئی پرواہ نہیں۔ تم تسلی  
رکھو۔ وزیر زادے کی کیا مجال ہے کہ شہزادی کو لیجا سکے۔ اُسے بھی سمجھ لیا کہ الہ دین کا کیا  
ارادہ ہے۔ غرض وہ کھانے پکانے میں مشغول ہو گئی۔ اور الہ دین نے اپنے حجرے میں جا  
چراغ کو نکال کر رکھا۔ معمول کے موافق جن نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کیا حکم ہو تا ہے؟ الہ دین  
بولے۔ اس ملک کے بادشاہ سے اُسکی لڑکی کے لئے درخواست کی جاتی ہے۔ اُسے منظور  
کر کے تین مہینے کی مہلت طلب کی تھی۔ مگر اب دو مہینے ہی گزرے ہیں کہ سنتا ہوں۔ وہ  
شہزادی کا نکاح وزیر زادے سے پڑا یا جا رہا ہے۔ چنانچہ آج رات نکاح پڑا جا رہا ہے  
میں تمہیں اس چراغ کے نام پر جس کے تم موکل ہو۔ تمہیں حکم دیتا ہوں۔ کہ جس وقت  
دو نو میاں بی بی زلفا کے کمرے میں اکٹھے ہوں۔ فوراً پتنگ سمیت انہیں یہاں اکٹھا کر  
باقی حکم پھر دیا جا رہا ہے۔ جن تسلیم لا کر پھر غائب ہو گیا۔ الہ دین بھی حجرے سے نکل کھانا کھانے  
لگا اور وزیر تک باقی کر کے سونے کے لئے پھر اپنے حجرے میں چلا گیا۔ لیکن مینڈ نہ آئی  
کیونکہ اُسے شہزادی کا انتظار تھا۔ اوہر جب رسومات نکاح سے راعنت ہو چکی۔ ایک  
خواجہ سرا وزیر زادے کو حلیہ عروسی میں لیگیا اور وہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ خواص میں شہزادی کو  
لئے آگئیں اور اُسی پتنگ پر لٹا کر چہر وزیر زادہ لیٹا ہوا تھا فوراً باہر نکل گئیں۔ اُس چراغ  
کا موکل جن بھی اسی کی انتظار کر رہا تھا۔ فوراً اُسے پتنگ کو اُٹھایا اور الہ دین سے پاس  
لا رکھا۔ الہ دین نے جن کو حکم دیا کہ وزیر زادے کو لیجا کے پاخانے میں قید کر دے۔ اور  
صبح سے پہلے اُسے یہاں لے آنا۔ جن نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور وزیر زادے کو ایک  
سڑے ہوئے پاخانے میں لیجا کے قید کر دیا۔ جہاں بیچارے کی رات سخت مصیبت میں بسر

پڑا کیا مقصد ہے؟ الہ دین کی ماں پھر نہیں بوس ہوئی اور عرض کیا کہ میں سب کے روبرو  
 عرض نہیں کر سکتی۔ بادشاہ نے خلوت کا حکم دیا اور جب دربار میں صرف بادشاہ اور وزیر  
 ہی رہ گئے اُس نے آہستہ سے عرض کی کہ میرا لڑکا شہزادی بدرابند در پر عاشق ہو گیا ہے  
 اُسکے لئے پیغام لائی ہوں ورنہ وہ ضرور مر جائیگا۔ بادشاہ نے یہ سنکر ناراضی کی کوئی علامت  
 نہ ظاہر کی۔ مگر پوچھنے لگا اس رومال میں کیا ہے۔ بوڑھیا نے جواہرات کی قاب سامنے رکھی  
 بادشاہ نے جب رومال کو کھولا ہکا بکا رہ گیا اور بے اختیار کہہ اٹھا۔ خدا نے ایسے ایسے  
 جواہرات بھی دنیا میں بنائے ہیں۔ پھر وزیر کو بتلایا کہ تونے کبھی اس رقم کے جواہرات بھی  
 ملاحظہ کئے ہیں۔ وزیر بولا۔ حاشا وکالا۔ دیکھنا تو کچا سننے تکہ بھی نہیں۔ یہ سنکر بادشاہ بولا  
 مہلا جو شخص یہ تحفہ گزار سکے۔ کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ شہزادی بدرابند اور اُسکے  
 عقارب میں دیدی جائے۔ یہ سنکر وزیر پر گویا بجلی گر پڑی۔ اسلئے کہ وہ شہزادی کا ناطہ اپنے  
 پیٹے کے لئے لگنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ سوچ سوچ کر کان میں کہنے لگا۔ حضور! یہ ناچیز تحفہ  
 شہزادی کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اگر حضور مجھے تین ماہ کی ٹہات عطا فرماویں۔  
 تو میرا بیٹا اس سے اچھا تحفہ گزاران سکیگا۔ بادشاہ نے وزیر کی خاطر سے یہ درخواست قبول کی  
 اور الہ دین کی ماں سے فرمایا۔ بوڑھیا! اب تم اپنے گھر جاؤ اور اپنے لڑکے سے کہو کہ بادشاہ  
 نے اُسکی درخواست قبول کر لی ہے۔ مگر فی الحال سامان جیت تیار نہیں اور وہ کم از کم تین ماہ  
 میں تیار ہوگا۔ اس لئے پھر تم نے تین ماہ کے بعد آنا۔ الہ دین کی ماں خوش ہو کر گھڑ آئی اور  
 یہ شہزادہ الہ دین کو سنایا اور اُسکی باچھیں کھل گئیں۔ اور اپنی ماں کا شکریہ بجالایا۔ مگر تین مہینے  
 کی مدت اُسے بہت طویل دکھائی دیتی تھی۔ غرض گھڑیاں گنتے جب اُسے دو مہینے گزر گئے۔  
 ابکہن شام کے وقت اُس کی ماں بازار سے کچھ سودا لینے لگی۔ دیکھا کہ چاروں طرف روشنی  
 ہو رہی ہے اور سارے دیوانے ادھر سے ادھر چلتے ہیں۔ اُسے حیران ہو کر دوکاندار سے  
 پوچھا کہ آج اس چیل پیل کا کیا باعث ہے۔ اُسے جواب دیا کیا تمہیں خبر نہیں؟ کہ شہزادی  
 بدرابند کی شادی وزیر کے لڑکے سے ہو چوالی ہے اور اب وہ حاکم کو جا بیگی۔ اس لئے  
 اُس رور بار اُسکے جلوس کے ہمراہ جانے کیلئے محل شاہی کی طرف جا رہے ہیں۔ بوڑھیا نے سودا

مگر در روزہ بند تھا۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ دور روز کی چٹھی ہے۔ چچا ہی پھر لوٹ آئی اور والدہ دین کو حقیقت حال بتا دی۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ مگر امر مجبور ہی تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا۔ خیر! تیسرے دن وہ پھر دربار میں حاضر ہوئی۔ مگر آج اُسے ناکام لوٹنا پڑا اور اس طرح کئی دہشک جاتی اور ناکام واپس جاتی۔ ایک دن بادشاہ کو بھی خیال آگیا۔ اُس نے وزیر سے فرمایا۔ میں اُس بڑھیا کو بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ روز آتی ہے اور واپس چلی جاتی ہے۔ پچھو تو اسکا کیا مقصد ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ حضور! عورتیں اکثر نکمئی نکمئی سی باتوں پر غصا ہو کر نالیش کر دیا کرتی ہیں اسکی بھی کوئی ایسی ہی دروغ است ہوگی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ نہیں تم اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ غرض وزیر نے عرض بیگی کو حکم دیا کہ اس عورت کو بلا لا۔ والدہ دین کی رو بہائے بڑھی اور جھجک کر بادشاہ کے پانڈاز کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ پوچھو کیا اس نے تجھے کئی روز سے یہاں دیکھتا ہوں۔ تو آئی ہے اور بے کچھ عرض کئے چلی جاتی ہے۔ اس سے تصویر والدہ الدہ دین کی کشتی جواہرات کی لیکر دربار شاہی میں آئی۔



لایا تھا۔ محض شاہانِ عظام ہی کے قابل ہیں جنہیں آپ آج تک شیشے کے ٹکڑے تصور کرتی رہی ہیں۔ ذرا انہیں میرے پاس تو لے آنا۔ میں صاف کر کے ایک برتن میں لگا دیتا ہوں۔ پورے ہیا بیماری فوراً وہ جواہرات اور ایک نفیس قاب چاندی کی لے آئی۔ الہ دین نے جب انہیں ترتیب کے ساتھ رکھا۔ پھر تو سارا مکان جگمگا اٹھا۔ بڑھیا پولی۔ اگرچہ یہ ٹکڑے کاہنے کے ہوں۔ مگر مجھے اُمید نہیں کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکو۔ مجھے دُرہے کہ مینے جرات کر کے پیغامِ عرض بھی کر دیا۔ تو بادشاہ خفا ہو کر مجھے اور تھیں دونوں کو نہ مروا ڈالے۔ الہ دین بولا۔ تم گھر میں اسی باتیں بناؤ گی بادشاہ بھی جاؤ گی۔ میرا دل جو شہادت دے رہا ہے کہ میں ضرور کامیاب ہو لگا۔ جو ہر لیل کی دوکانوں سے مجھے تجربہ ہوا ہے کہ میرے جواہرات بالکل نایاب ہیں پورے ہیا بولی خیر! یہ بھی سہی۔ لیکن اگر بادشاہ نے پوچھا۔ تم کہاں رہتی ہو اور تمہارے پاس کس قدر دولت ہے تو میں کیا جواب دوں گی۔ الہ دین نے جواب دیا۔ کیا تمہیں میرے چراغ کی یاد بھول گئی۔ بادشاہ پوچھ گیا تو میں آپ ہی جواب دے لوں گا۔ یہ سن کر الہ دین کی ماں کو تسلی ہوئی۔ اور اقرار کیا۔ کہ اچھا کل جاؤ گی الہ دین نے سمجھا یا کہ خبردار! کسی سے راز نہ کہتا اور بادشاہ سے بھی تمہاری میں درخواست کرنا۔ غرض اگلے دن الہ دین کی ماں کپڑے بدل کر اس قاب کو ایک سفید ریشمی روبال میں باندھا۔ اور دربار کی طرف روانہ ہوئی۔ جب بادشاہ کے سامنے پہنچی۔ دیکھا کہ فریادی کھڑے ہیں۔ درباردار کہیں سے بھاہوا لے اور بادشاہ نفیس نقس ہر شخص کی فریاد کو سن رہے ہیں۔ وہ بھی دیوانہ خانے کے ٹال میں جا کے کھڑی ہو گئی۔ جب سب مقدمے فیصل ہو چکے۔ بادشاہ اٹھکے محل کو چلا گیا۔ وزیر بھی ساتھ ہی گیا۔ الہ دین کی ماں بچاکی اپنا سامنے بیٹھ کر لوٹ آئی۔ الہ دین نے دور سے اُسے آتے ہوئے دیکھ کر معلوم کر لیا کہ مقصد پورا نہیں ہوا۔ پوچھا کیوں خیر تو ہے؟ اسکی ماں بولی ماں! خیر ہی ہے آج ابھی تک مجھے عرض حال کا موقع نہ مل سکا۔ مینے بادشاہ کو اچھی طرح دیکھا وہ ہر ایک شخص کی بات سن کر اُسے شکستہ روئی سے جواب دیتا ہے۔ دربار میں بھی مجھے کسی نے نہیں روکا۔ بلکہ بادشاہ نے مجھے کئی بار دیکھا ابھی ہے۔ چونکہ آج مقدمات بہت تھے اسلئے اُسے فرصت نہیں مل سکی کل میرا جاؤ گی۔ الہ دین کو تسلی ہوئی۔ کہ کام بن جائیگا۔ غرض اگلے دن وہ پھر دربار کو پہنچی۔

تصویر شہزادی بدرالبدن کی مع خواہوں و خواجہ سراؤں کی اور والدین خفیہ دیکھ رہا ہے



زمینی مطلوب ہے تو بادشاہ کے پاس میرے لئے اس لڑکی کا پیغام بھیج دو، یا آپ لیکے جاؤ۔ بوڑھے بیا  
بولی بیٹا! تو بہ تو بہ! ایسی بات سنہ سے سوچ کر نکال۔ جھوٹری میں سوہا اور مٹکوں کے خواب۔ کیا  
ہماری عقل زایل ہو گئی ہے یا تم نہیں جانتے کہ بادشاہ اپنی لڑکیاں بادشاہوں ہی کو دیا کرتے ہیں  
اور کو ایک اونے درزی کا بیٹا ہے جی کی اوقات کچھ بھی نہیں اور جو بدرالبدن ور کے باپ کی اونے غلام  
تھے۔ الہ دین نے جواب دیا۔ اناں! خواہ کچھ ہو۔ مگر تمہیں پیغام لیکے جانا ضرور پڑے گا۔ ورنہ میری زندگی  
سے لٹھ دھو رکھو۔ الہ دین کی مال بہت پریشان ہوئی۔ اور بولی بیٹا کچھ ہوش کی دوا کرو۔ بات وہ  
کرنا چاہئے جس سے اپنے ذلت نہ ہو۔ اور چہرہ میں جرأت کہاں ہے۔ کہ بادشاہ کے سامنے جا کے  
کلام بھی کر سکیں۔ سوئے اسکے ایسے عالیجاہ شہنشاہ کی خدمت میں جانے کے لئے بہت بڑے  
ہیٹے کی بھی ضرورت ہے۔ اور بہادری کے گھر کی جائداد اس قدر بھی نہیں کہ بچکے ہوئے پھر پیٹ ہی ہو  
سکے۔ الہ دین بولا۔ اناں جان! ایسی بات نہیں ہے۔ وہ جوانزات جنہیں میں اس خزانے سے

الہ دین نے جواب دیا۔ بارہ ایسی تاقیاں اور ایک بڑی سیٹی دے چکا ہوں۔ اور اُس نے فی قاب  
 ایک اشرفی اور سیٹی کی دس اشرفیاں دی ہیں۔ سنا کہ جو بڑا تین شخص تھا یہ سنگہر غصہ  
 آیا اور بولا۔ میں کہتا تھا کہ وہ بڑا بے ایمان آدمی ہے۔ یہ تاب بہتر اشرفیوں سے کم کی  
 نہیں۔ پھر اُسے بولا اور بہتر اشرفیاں اُسکے سامنے ڈھیر کر دیں۔ الہ دین جبران رہ گیا۔  
 سنا رنے کہا اگر تمہیں کوئی شک ہو تو کسی اور کو دکھا لو۔ اگر کچھ بھی فرق نکلا تو میں اس سے  
 دو چند جرمانہ ادا کر دوں گا۔ مگر صرف کو اطلاع نہ دیجو۔ الہ دین نے سنا کہ شک نہ ادا کیا۔ اور  
 اشرفیاں اٹھا کے گھر آ گیا۔ پھر باقی کی اشیا بھی اُسی کے ہاتھ فروخت کیں۔ غرض کئی برس  
 تک وہ انہی کی قیمت پر سپر کرتا رہا۔ گو اگر وہ چاہتے تو ایک منٹ میں دو لکھ ہو سکتے تھے۔  
 اس عرصہ میں الہ دین جو ہریوں کی دوکان پر جاتا۔ اُنکی گفتگو پر دھیان رکھتا اور جو اہرات  
 کی طرف نظر رکھتا۔ آخر اُسے معلوم ہو گیا کہ میرے اُن جو شیشے کے ٹکڑے سے سمجھے گئے ہیں  
 وہ نایاب جواہر ہیں۔ اور اُنکی قیمت کو یہاں کوئی جوہری نہیں پہچان سکتا۔ جس دن اُسے یہ  
 سمجھ آئی۔ اُسکے کئی روز بعد اتفاقاً بازار میں سنا دی سنا دی۔ کہ کل کوئی شخص اپنی دوکان  
 نہ کھولے اور نہ باہر نکلے۔ شہزادی بدراہنہ و حمام میں جا بیگی۔ الہ دین بڑا مشتاق ہوا۔  
 کہ شہزادی کو کسی طرح سے دیکھے۔ یہ سوچ کر اُس نے ایک مکان حمام کے قریب تلاش کر رکھا۔  
 جسکی درازوں سے وہ ایک نظر شہزادی کے منہ پر ڈال سکتا تھا۔ اور اگلے دن قبل اُسکے  
 کہ شہزادی وہاں پہنچے۔ الہ دین جا کے چھپ رہا۔ مٹوڑی دیر بعد شہزادی بھی آگئی الہ دین  
 اُس کی صورت کو دیکھتے ہی متوالا ہو گیا۔ جب شہزادی واپس چلی گئی۔ وہ بھی گھر آ کے  
 لیٹ رہا۔ ماں نے پوچھا۔ بیٹا! کہو کیا حال ہے؟ مگر الہ دین نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ  
 کھانا پکانے میں مشغول ہو گئی۔ جب کھانا پکا چکی بیٹے کو کھا کہ کھالے۔ مگر پہلے تو وہ چاہتا تھا  
 آخر برسے اصرار کے بعد دو چار تو اُسے زہر مار کر لئے۔ کھانا کھانے کے درمیان اُسکی ماں  
 نے کئی دفعہ سبب پوچھا۔ مگر الہ دین نے کچھ نہ بتایا۔ اور ساری رات تڑپتا رہا۔ جب صبح ہوئی  
 بڑھیا چرخہ کاتنے کو اُٹھی۔ تو الہ دین نے بھی پاس پیٹھ کے اپنی اُم کہانی سنا دی۔ کہ ماں جان!  
 شیشے پر الہ دین شہزادی کو دیکھ لیا ہے اور اُسے بوقت سے اُسپر مر رہا ہوں اگر تمہیں میری



الہ دین وہ اشرفی یکے نان پائی کی دوکان پر آیا اور کچھ روٹیاں اور ترکاری لیکے گھر کو روانہ ہوا۔  
اُسکے چنے جانے کے بعد صراف کے جی میں آئی کہ بیٹے جانن ایک اشرفی دی۔ ایسے گوٹھے کو  
تو اس سے بھی کہ میں پر چایا جاسکتا تھا۔ یہ سوچکر وہ اُس کے پیچھے روانہ ہوا تاکہ کچھ پیسے  
واپس لے آئے۔ مگر الہ دین دُور جا چکا تھا۔ شام کو الہ دین کی ماں بقیۃ اشرفی کا غائبے  
آئی اور چند دن اُنہوں نے اس طرح سے بسر کئے۔ باب پتے کچھ نہ رہا تو دوسرے قاب پانی  
کو وہی کو جایا دئے۔ اور ایک اشرفی اسکی قیمت لیکر کئی دن اور گزارے۔ غرض اسی طرح  
بارہ قابیں فروخت کر دیں۔ اب سینی کی باری آئی۔ مگر چونکہ وہ اس قدر پوچھل تھی۔ کہ الہ دین  
اُسے بغل میں مار کر نہ لیجا سکتا تھا۔ اسلئے صراف کو گھر بلائے گیا اور اُسے سینی دکھائی۔  
صراف نے فوراً دس اشرفیاں گن کے اسکے ماتھے پر رکھ دیں اور سینی اٹھا کے لیجا۔ دونوں  
ماں بیٹوں نے کئی دن اُن اشرفیوں سے کائے اور جب بالکل بخل ہو چکے۔ الہ دین نے کچھ پھر  
چراغ نکالا۔ بوڑھیا اس وقت کسی کام سے لئے گھر سے غیر حاضر تھی۔ الہ دین نے اُسے  
برائی نرمی سے جگڑا اور وہی پہلا جس بڑے تھل سے سامنے آئے بولا۔ میں حاضر ہوں۔ جو  
حکم ہو بجا لاؤں۔ الہ دین بولا سبھے بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو لا۔ جن فوڑا تیار ہو گیا اور  
پھر ایک دو منٹ کے بعد وہی پہلا سادسترخان لا کے رکھ دیا۔ جب بوڑھیا آئی سمجھ لیا کہ اُسی  
چراغ کی برکت ہے۔ غرض دونوں تک اُس کھانے سے پیٹ بھرا۔ اور تیسرے دن پھر  
الہ دین ایک قاب لیکے بازار چلا۔ راہ میں ایک سار کی دوکان تھی۔ اُسے اُسے نکالیا اور کہتے  
لگا بیٹا میں نے تمہیں کئی دفع فلاں صراف کی دوکان پر کچھ چیزیں بیچتے ہوئے دیکھا ہے معلوم  
ہوتا ہے۔ کچھ چیزیں تم اُسکے پاس بیچنے کو لیجاتے ہو۔ لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہ بڑا  
دغا باز اور بے ایمان شخص ہے۔ آج بھی میں تمہاری کوئی ویسی ہی چیز معلوم ہوتی ہے  
ذرا نیچے ہی تو دکھاتے جاؤ۔ اگر میرے کام کی ہوتی تو میں ہی اسے خرید کر تمہیں بھیجا کہ قیمت  
دیہر ونگا۔ ورنہ کسی ایماندار شخص کے پاس لیجا کے سودا کرادو لگا۔ الہ دین نے وہ قاب دامن  
سے نکال اُسکے سامنے رکھ دی۔ سار نے دیکھتے ہی پرکھ لیا۔ کہ قاب کی چاندی نہایت ہی  
نقیس ہے۔ پوچھا۔ ایسی قاب تم نے کوئی آگے بھی اس صراف کے پاس فروخت کی ہے۔

اگر باقی اس قدر دور دراز سے اسکے لئے آیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اسے خواص معلوم ہونگے  
 خدائے اس ملعون سے چھینا کر بہ چراغ مجھے دے۔ بھلا اب میں اسے اپنے سے خدائے  
 کردوں۔ اسکی ماں نے جواب دیا۔ خیر اگر تم انہیں اپنے سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تو میری نگاہوں  
 سے دور رکھو۔ الہ دین نے کہا۔ البتہ ہو سکتا ہے۔ غرض اس قاب کے کھانے کو دو نوٹے  
 برابر دور و زناں کھایا اور تیسرے دن الہ دین ایک قاب کپڑے میں لپیٹ کر بازار لیک گیا تاکہ اسے بیچ کر  
 کھانا لائے۔ اتفاقاً ایک صراف سے دوچار ہو گیا جو تقریبی ظروف کی خرید و فروخت کیا کرتا تھا  
 الہ دین نے اسے ایک تھارے بیچا کے قاب دکھائی اور کہا۔ کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔  
 صراف بڑا دغا باز اور چالاک آدمی تھا؟ جب اسے پرکھا۔ کہ قاب کو اعلیٰ درجہ کی چاندی لگی  
 ہوئی ہے۔ بولا۔ کیا لوگ؟ الہ دین نے جواب دیا جو دو گے لے لوں گا۔ صراف نے جھٹ ایک  
 اشرفی نکال کے اسکی تفصیل پر رکھ دی۔ سچا لیکر وہ شراشرنی سے بھی زیادہ قیمتی تھی۔  
 تصویر الہ دین اور صراف کی باہم بات چیت کرتے اور قاب تقریبی بیچنے کی۔



شاید کھانے کو کچھ مل جائے۔ اسکی ماں یہ سنکر فوراً چراغ اٹھا لائی۔ اور بولی۔ یہ بہت تاریک لگا لو  
 ہو رہا ہے۔ خدا اسے صاف کر لوں۔ پھر ریت اور پانی بیکر اسے خوب سے مانجھنے لگی۔ ابھی  
 ایک ہی رگڑا دیا تھا کہ فوراً ایک بد شکل جن آنکھ دار ہوا۔ اور بولا۔ میں اور دوسرے جن  
 اس شخص کے تابع دار ہیں جسکے ماتھے میں یہ چراغ ہو۔ اسے بڑھایا بٹاتا تو کیا چاہتی ہے  
 میں حاضر ہوں۔ الہ دین کی ماں نے ایسی شکل کیسی کاہے کو دیکھی تھی۔ فوراً غصے کھلے گری  
 گمالہ دین جو اکیہ فہ ایسی ہی شکل آگے بھی دیکھ چکا تھا بہت غلاما۔ اور اس نے ماں کے  
 ماتھے سے چراغ لیکر جن کو حکم دیا۔ میں بھوکا ہوں۔ کچھ کھانے کلا۔ جن فوراً غائب ہو گیا۔  
 اور غلطہ بھرید سر پر ایک بڑی سیبی اٹھائے آمو جو دہوا۔ جس میں چھ سفید روٹیاں اور بارہ  
 قایم لذت کھانوں سے بھری رکھی تھیں۔ شراب کی دو بوتلیں اور چاندی کے گلاس بھی تھا  
 اسی چٹے تھے۔ غرض سیبی کو دالان میں رکھ کے وہ غائب ہو گیا۔ الہ دین نے ماں کے منہ  
 پر پانی چھڑکا۔ اسے آنکھیں کھولیں۔ الہ دین بولا اب ست ڈرو۔ اٹھو اور کھانا کھاؤ۔  
 الہ دین کی ماں اس سامان کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ الہ دین بولا۔ پہلے تم کھانا کھاؤ۔ پھر  
 میں اسکا حال بیان کروں گا۔ غرض دو فو ماں بیٹوں نے خوب شکم سیر ہو کر وہ کھانے  
 کھائے جو انہوں نے پہلے عمر بھر میں بھی نہ دیکھے تھے اور جو باقی بچ رہا۔ اسے اگلے دن کے  
 لئے رکھ چھوڑا۔ الہ دین کی ماں ان برتنوں کو دیکھ کر حیران تھی کہ کیسے چکدار ہیں۔ خدا جانے  
 کاہے کے بنے ہوئے ہیں۔ جب فراغت پا چکے تو الہ دین نے جن کا آنا اور اس سے کھانا  
 منگائے کا حال مفصل سنایا۔ وہ حیران ہوئی کہ شریر جن یہاں کیسے آسکا۔ الہ دین نے جواب  
 دیا۔ یہ اور تھا اور جسے میں نے دیکھا تھا۔ وہ دوسرا تھا۔ وہ تو اس پھلے کی تابع تھا  
 اور یہ اس چراغ کا موکل ہے۔ بڑھایا بولی۔ بیٹا اس چراغ کو یا تو بیچ ڈالو ورنہ کسی کو دینا  
 امانس چھلے کو بھی اتار کر پھینک دو۔ ہم جنوں سے دوستی نہیں رکھنا چاہتے جیسا کہ ہمارے  
 بنی مسلم کا فرمان ہے۔ الہ دین بولا۔ واہ امان جان! ان دو چیزوں سے ہمیں بہت  
 فائدہ ہے ہرنگے۔ ایسی قوم کی چیزوں کو میں کیسے اپنے سے جدا کر دوں۔ ابھی میں تم کو سنا چکا  
 ہوں کہ چٹے نے ہی میری جان بچائی۔ اور چراغ نے کھانا دیا۔ اس کے ایسے ہی خواص تھے جیسی تو وہ

چراغ بجھ سے لے لو۔ اور مجھے اس قبضے سے راکھ دو۔ مگر وہاں کون تھا جو اس کی آواز پر کان نہ تیا  
 غرض وہ نہایت بابوس ہو کر اسی باغ کو پھر جانا چاہتا تھا۔ جہاں سے اُسے بیوے کوڑے  
 تھے۔ مگر اُدھر کا دروازہ بھی بند پایا۔ بلکہ کوئی نشان تک نہ رہا۔ وہ تو چادو کے زور سے بند  
 ہو چکا تھا۔ غرض وہ بیڑا گھبرا گیا اور دو دن تک ایڑیاں رگڑتا رہا۔ تیسرے دن بدرگاہ  
 عجیب الدعوات و دعا مانگنے کے لئے ماتہ اُٹھائے۔ اور اُسی اثنا میں اتفاق سے اُس چلے  
 کو گرہ۔ پہنچ گئی جو اُسکی انگلی میں پہنا ہوا تھا فوراً ایک قوی ہیکل جن پیدا ہوا۔ اور بولا۔  
 میں اُس شخص کے تالچ ہوں جس شخص کے ماتہ میں یہ چھٹا ہے۔ الہ دین پہلے ڈر گیا۔ مگر  
 پھر بولا۔ اگر تجھ میں طاقت ہے تو مجھے اس گڑھے سے نکال۔ تاہم کہتے ہی وہ باہر نکلا۔ دین  
 حیران رہ گیا کہ میں اس گڑھے سے باہر کیسے آسکا۔ پھر اُس راتے کو پہچانا۔ جہاں سے وہ  
 آیا تھا۔ مگر گڑھے کا نشان تھا۔ تین دن کی بھوک پیاس اور بیقراری سے چونکہ وہ سخت  
 کمزور ہو رہا تھا۔ اسلئے بڑھی مشکل سے اپنے گھر پہنچا اور جاتے ہی بیہوش ہو کے گر پڑا۔  
 اُسکی ماں کو بڑا فکر گیا اور اُسکے ہوش میں لانے کی تمام کوششیں کرنے لگی۔ آخر غشی رفع ہوئی۔ اور  
 اُسے کچھ کھانے کو مانگا۔ مگر اُسکی ماں نے ہدایت کی کہ عتور اساکھا کے سورہ۔ پھر مجھ سے  
 باتیں کرنا۔ الہ دین نے چند ناولوں سے استہاکو رفع کیا اور پھر ماں سے اپنے منصوبی چچا کی سخت  
 شکایت کی۔ کہ وہ تہجے مار ہی چکا تھا مگر قسمت نے سچا لیا۔ وہ میرا چچا نہیں تھا۔ کوئی ظالم  
 بیزحم فریب دینا چاہتا تھا۔ الحمد للہ کہ خدا نے بڑی آفت سے سچا لیا۔ یہ سمجھ ساری سرگزشت  
 ستادی۔ اُسکی ماں نے جب ساحر کے فریب کا حال سنا۔ اُسے لاکھوں ملو اتیں سنائیں۔ پھر  
 ان بیووں کو بیکے ایک طرف رکھ دیا۔ کیونکہ اُنکی قدر سے کوئی بھی آگاہ نہ تھا۔ لیکن جیانہ خیر  
 ہوا اور اُنکی چمک سے اندر باہر روشنی ہو گئی وہ کہنے لگے۔ کہ خیر ایتل ہی سچکا۔ اتنی تکلیف کا  
 یہی ملو مضہ سہی۔ غرض پھر دو نو سو رہے۔ الہ دین نہایت تمکنا ہوا تھا۔ اسلئے اُسے بہت  
 جلد نہایت گہری نیند آ گئی۔ اور صبح کے وقت جب وہ جاگا۔ بھوک سے بد حال ہو رہا تھا۔ ماں  
 سے کچھ کھانے کو مانگا۔ وہ بولی۔ بیٹا! آج تو ایک ٹکڑہ بھی نہیں رہا۔ ذرا ٹھہرو۔ تو کچھ سوت  
 کات کے لیجاؤنگی۔ اور کھانے کو لے آؤنگی۔ الہ دین نے کہا۔ نہیں۔ آج وہ چراغ بجھ آؤ

بچھا کر حبیب میں رکھ لیا۔ اور اُن کے پاؤں باغ میں آکر درختوں سے پھل توڑنے لگا۔ وہ تہمت چکدار اور رنگوں سے النوع واقسام کے تھے اور نہایت خوشامحاط ہوتے تھے۔ اس نے خیال کیا کہ یہ بھی اسی قسم کے میوے ہیں جو اُس نے اپنے شہر میں کیتے پاس تھے۔ مگر حقیقت میں وہ ہمیش قیمت الماس و جواہر تھے۔ غرض جب قدر اسکی جہیوں اور آستینوں میں اس کے بھرنے اور زیادہ لالچ نہ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ جب گڑھے میں پہنچا تو زردی چچا جان! میں آگیا ہوں میرا ماتھے پر کئے تاکہ میں اوپر آ جاؤں۔ ساحر بولا بہت اچھا۔ مگر وہ چراغ پہلے مجھے دہکے والوں کے جواب دیا۔ چراغ یا ہر آ کے نکال دوں گا اس وقت نہیں نکال سکتا۔ اور فی الواقع وہ سچا تھا چراغ ان میوؤں کے نیچے دبا ہوا تھا جو اس نے باغ میں سے توڑے تھے۔ نیز وہ ثابت رہا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد ہاں سے نکلے۔ افریقی کہنے لگا۔ نہیں چراغ پہلے دو۔ اور الہ دین نے کہا۔ میں کیسے نکالوں۔ غرض وہ دو تو میں تکرار ہو پڑی اور ساحر کو ایسا غصہ آیا کہ جلتی آگ میں پھوڑی خوشبو نکلتی تھی۔ افریقی کیساتھ کچھ ایسے الفاظ پڑھے۔ جتنی تاثیر سے وہ پتھر گڑھے کے منہ پر آگیا اور زمین انجوں کی توں ٹپکی۔ ساحر افریقی اصل میں افریقہ کا باشندہ تھا اور اس کے شہر میں سحر و ساحری کا بڑا چرچا رہتا تھا۔ اُسے بھی چالیس سال تک اس علم کی تعلیم پائی تھی اور پوری ہمارا تہہ بہہ پہنچائی تھی۔ نجوم پر عمل اور حضرات میں بھی اُسے کافی درک تھا۔ آخر ایک دفعہ اُسے اپنے علوم کے فیصلے سے معلوم ہوا۔ کہ ملک چین کے درمیان کسی تہ خانے کے اندر ایک چراغ جل رہا ہے۔ جس کے کسی موم کی تلخ ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ وہ آپ اس چراغ کو تہ خانے سے نہیں نکال سکتا۔ غرض وہ چین میں آیا اور آپ اُسے ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جس کے ذریعے وہ اُس چراغ کو نکالے اور پھرتے پھرتے الہ دین کو اپنے مطلب کا پکارا اُسے اپنا بھتیجا بنایا۔ اور چاہتا تھا کہ چراغ اُس کے ماتھے سے لیکے اُسے وہیں زندہ درگور کر دے تاکہ اُس کا راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ کہ اتفاق سے وہ چراغ نہ لے سکا اور الہ دین کو غصے میں آکر زندہ درگور کر دیا۔ پھر خوف گرفتاری اسیدن چین سے افریقہ کو روانہ ہو گیا اور توشیش میں وہ چھلانگ بھی بھول گیا۔ اُسے الہ دین کو اندر جاتے وقت پہنایا تھا۔ الہ دین کو اپنے مصنوعی چچا کی پیرسلوکی سے بڑی حیرت ہوئی اور وہ اپنے شیش اندھیرے میں پکر چنے چلانے لگا۔ پھر نہایت سی آوازیں دیں کہ چچا جان! اپنا

کو نہ چھو جائے۔ ورنہ تم مر جاؤ گے۔ تینوں دالان گزر کے تمہیں ایک باغ ملیگا جس میں نہایت خوشنما میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ مگر تم نے بیدھے پڑھے چلے جانا۔ آخر میں ایک شاہ نشین دکھائی دیگا۔ جس میں بچاس بچا پ کا زبیہ ہے۔ پھر شاہ نشین کی چھت پر جا کر تمہیں ایک طاقہ ملیگا۔ جس میں ایک چراغ جل رہا ہے۔ اُس چراغ کو اٹھائے گل کر دینا۔ اور روٹی کی جوتی پھینک کے جیب میں رکھ لینا۔ تمہارے کپڑے بالکل محفوظ رہیں گے۔ ورنہ آئے ہوئے ان درختوں کے جہ قدر پھیل چاہو توڑ لانے۔ جب جادو کرنے اُسے سب مرانت سمجھا دے اور اُس نے سمجھ لئے الہ دین فوراً دلیری کے ساتھ اُس گڑھے میں کود پڑا اور فوراً دروازہ کھول سیڑھیاں اتر دالان میں پہنچا اور حسب ہدایت کپڑے سمیٹ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا پھر تینوں دالان طے کر کے باغ میں پہنچا اور وہاں سے بیدھا شاہ نشین میں آیا۔ اسکے بعد ذراست کر فوراً زینے پر چڑھ کے طاقے کے پاس آکھڑا ہوا۔ جہاں وہ چراغ جل رہا تھا۔ فوراً اُسے تصویر الہ دین کے زینے پر چڑھتے اور چراغ کو طاقے سے اٹھانے کی



رکھو۔ غرض الہ دین نے نکرہاں کھلی کیں اور افریقی آگ سے آیا اور نکرہاں جلا کر اُسے اپنی  
 قتیل کو روشن کیا۔ پھر اس نیت کے پر کچھ خوشبو لیاں ڈال کر منتر پڑھنے لگا۔ ایک خطے کے بعد زمین  
 ہلی اور اُنکے پاؤں کے پاس ایک خرچ سنگین سل برآمد ہوئی۔ چہرہ لوہے کا لڑا لگا ہوا تھا  
 یہ نگارہ دیکھ کر الہ دین کا دل ہل گیا۔ اور وہ ڈر کر بھاگتا چاہتا تھا کہ افریقی نے جھٹ ایک  
 چہرہ اُسکے منہ پر جڑ دی۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گیا اور بولا۔ چچا میرا کیا مقصود آپ نے دیکھا ہے  
 کنبہ یہ سزا دی ہے؟ سا جو بولا! میاں! میں تمہارے باپ کی سبائے ہوں۔ اگر کبھی تیر  
 نتیجہ مار بھی دیا تو تم غصہ نہ کیا کرو۔ میں تو تمہاری ہی بہتری چاہتا ہوں۔ پھر اُسے ہنست  
 پلایا اور کہنے لگا۔ کہ جو میں کہا کروں۔ تم فوراً اس پر عمل کیا کرو۔ میں تمہیں بڑا آدمی بنا دوں گا  
 جب دیکھا کہ الہ دین کی تسلی ہوئی۔ اسے کہنے لگا۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ میرے پڑھنے کی  
 تاثیر سے پتھر نکل آیا ہے۔ اب تم یقیناً سمجھو کہ اس کے نیچے ایک بڑا خزانہ مدفون ہے۔ جو  
 محض تمہارے ہی لئے رکھا ہے وہ ایک دن میں تمہیں شامان روئے زمین سے بڑھ کر  
 دولت مند بنا دوں گا۔ اب تو پتھر کو اٹھا اور بے جھجکا اندر چلا جا۔ مگر اندر جانے اور آنے میں  
 ویرہ نہ لگے۔ الہ دین نے جواب دیا۔ چچا جان! جس طرح کوئی میں حاضر ہوں۔ افریقی بہت  
 غصہ ہوا۔ اور الہ دین کو گلے لگا کے شاباش دی۔ پھر اُسکی انگلی میں ایک چھلا پھنسا کر بولا  
 کہ اس پتھر کو کندھے سے پکڑ کر اٹھا لو۔ الہ دین نے جواب دیا۔ چچا جان! پتھر بھاری ہے  
 مجھ کیلے سے کیسے اٹھایا جائیگا۔ افریقی نے جواب دیا۔ اپنے باپ دادا کا نام لیکے تم اسے  
 تنکے کی طرح اٹھا کر پے پھینک سکتے ہو۔ غرض الہ دین نے اس پتھر کو اٹھا کے چرے  
 رکھ دیا۔ نیچے سے ایک چھوٹا سا گڑھا نمودار ہوا۔ جس کے ایک طرف ایک چھوٹا سا دروازہ  
 لگا ہوا تھا۔ افریقی کہنے لگا۔ وہ دیکھ سنا منے جو دروازہ دکھائی دیتا ہے اُسے کھول لیا  
 نیچے ایک زینہ دکھائی دیا۔ اور اُس سے اتر کر بٹھے ایک وسیع مکان بلنگا جس میں پہلے  
 تین دالان آہنگے۔ اور ہر ایک دالان میں دو نو طرف چار چارسی دیگیں سونے اور چاندی  
 سے بھری دکھائی دی گئی۔ مگر خزانہ انہیں ہاتھ بھی نہ لگے۔ پہلے دالان میں پہنچ کر تباہ کا دہن  
 سیٹ کے باندھ لینا اور آگے بلا توقف چلے جانا۔ مگر خیال رکھنا کہ پھر اس مکان کی کسی چیز



سے اپنے لئے ایک جو بنا پسند کیا۔ جسکی قیمت افریقی نے فوراً ادا کر دی۔ الہ دین برا خوش ہوا۔ پھر  
 ساحر اسے چوک میں لینگیا اور بڑی بڑی دکانیں دکھانے لگا۔ اگر تم بھی بڑے آدمی بننا  
 چاہتے ہو تو یہاں روز آ کے کاروبار رو بیچا کرو۔ پھر اسے ایک بڑی سرائے دکھائی۔  
 اسکے بعد شاہی محل اور دوسری عمارتوں کی سیر کرائی اس سرائے میں لے آیا جہاں وہ خود  
 اترا ہوا تھا اور اپنے واقعہ کار سودا گروں سے الہ دین کو ملایا۔ پھر شام کا کھانا مل کے  
 سب نے کھایا۔ اور جب اندھیرا ہو چلا۔ الہ دین نے گھر جانے کی اجازت مانگی۔ افریقی  
 اسے خود گھر چھوڑنے آیا۔ الہ دین کی ماں اسے نئی پوشاک پہنے دیکھ کے خوش ہوئی اور  
 افریقی کا شکریہ ادا کیا۔ ساحر پورا کل جسے کا دن ہے سب دکانیں بند ہو گئی۔ اسنے کل تہر  
 باغوں کی سیر کراؤں گا۔ تم نے تیار ہو رہنا۔ پرسوں انشاء اللہ تمہارے لئے دوکان کا بھی  
 بندوبست ہو جائیگا۔ یہ کہہ کے وہ دوسرائے کو چلا گیا اور الہ دین نے رات بڑی مشکل سے  
 سائی۔ وہ چاہتا تھا کہ کب صبح ہو اور وہ چپکے ساتھ باغوں کی سیر کرے۔ غرض دن نکلا  
 اور افریقی نے دروازے پر دستک دی۔ الہ دین فوراً بنیا لباس پہن باہر نکل آیا۔ اور  
 افریقی کے ساتھ ہو لیا۔ افریقی اسے نئے نئے باغ اور نئی نئی عمارتوں کی سیر کراتا ہوا  
 شہر سے بہت دور لے گیا۔ حتیٰ کہ الہ دین تھک گیا۔ یہ دیکھ کر افریقی ایک باغ میں ایک  
 چٹے کے کنارے سستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ کیونکہ ابھی اسے فاصلے پر جانا تھا۔ اور کمر  
 سے کچھ کھجے اور کچھ میوے نکال کر الہ دین کو دئے کچھ آپ کھائے۔ اور پانی پی کے اسے  
 نصیحتیں کرنے لگا کہ لوگوں میں کھینڈنا اچھا نہیں۔ جب ناشتے سے فراغت ہو چکی۔ الہ دین  
 کو دم دلا سا دیکھ آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ باغوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اور جگہ پہاڑ دکھائی دینے  
 لگے۔ الہ دین نے پوچھا۔ چچا جان اور کہا ننگ جاؤ گے۔ افریقی نے جواب دیا۔ میں تمہیں  
 ایک اور عجیب و غریب باغ دکھایا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر تم خود حیران ہو جاؤ گے۔ پھر طرح  
 طرح کی کہانیاں سناتے نکلا۔ حتیٰ کہ وہ ایک میدان میں پہنچ گیا جو دو پہاڑوں کے درمیان  
 واقع تھا۔ افریقی بولا۔ اب ہم منزل مقصود پر پہنچے۔ یہیں وہ باغ ہے جسکی سیر سے تم  
 بڑے محفوظ ہو گے۔ یہں آگ سے آؤں اور تو میرے آنے تک یہاں سے سوکھی لکڑیاں چڑ

نصیر پساخا فریقی کی والدین کی براہ کمرہ میں لائی اور والدین کی ماں و باپا کی



لئے کچھ ہوش نہیں آتی ہیں دن بھر جھکات کے اسکا پیٹ بھرتی ہوں۔ اور یہ کہیلٹا رہتا ہے  
 افریقی بولا۔ بیٹا! کیا یہ سچ ہے؟ اگر والدین کچھ نہ بولا۔ آخر فریقی نے کہا۔ یہ تو ٹھیک نہیں۔ اگر  
 تمہارا جی ایک پیشے سے متنفر ہے تو دوسرا اختیار کر لینا چاہئے۔ مگر بیکاری اچھی چیز نہیں ہے  
 اور اگر تم باقراغت بسر کرنا چاہو تو میں تمہیں بڑائی کی دوکان کھلا دوں۔ والدین بڑا خوش  
 ہوئے اور اسٹاے سے رہنا مندی ظاہر کی۔ افریقی بولا۔ اچھا کل تمہیں نئی پوشاک بنوا دوں گا۔  
 اُسے پہنکے تم میرے ساتھ بڑا سے میں چلنا۔ وہاں سودا گروں سے ملاقات کر کے تمہیں دوکان  
 کرائے پر دے دوں گا۔ والدین کی ماں نے سمجھا کہ افریقی ایک متمول شخص ہے اُس نے والدین کا اٹھ  
 اُس کے ماتھے میں پکڑا دیا۔ اور کہتے لگی تم جو چاہو۔ اسے سکھاؤ۔ پھر افریقی کے سامنے کھانے  
 چن دئے اور قبول نہ کیے کھانا کھایا۔ جب فراغت ہوئی وہ رخصت ہوا۔ دوسرے دن پھر  
 آیا اور والدین کو ایک سو اڑنی دوکان پر لگیا جو سارے سارے پچھتا تھا۔ والدین نے وہاں

میرا سلام کہتا اور اُسے پیغام دیتا۔ کہ اگر کل مجھے فرصت ملی تو ضرور اُنکا نیاز حاصل کروں گا۔  
 الہ دین دوتر تا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ اماں! میرا کوئی چچا بھی ہے؟ رُسکی  
 ماں نے کہا۔ ایک تھا تو۔ مگر اُسے مرے مدت ہو چکی ہے۔ کیوں۔ تم نے آج یہ سوال کیوں کیا  
 ہے؟ وہ بولا اچھی اچھی مجھے ایک آدمی ملا تھا وہ کہتا تھا۔ کہ میں تمہارا چچا ہوں۔ اور اُنکے  
 مرنے کی خبر سنکر رونے لگ گیا۔ پھر مجھے کچھ پیسے دئے۔ یہ دیکھو۔ اور آپ کو سلام کہتا ہے۔  
 نیز پیغام دیکھتا ہے کہ کل اگر فرصت ملی تو ضرور آؤں گا۔ اگلے دن صبح کے وقت وہ افریقی الہ دین  
 کو بازار میں ملا اور اُسے دو اشرفیاں دیکے کہتے دگا۔ گھر جا کے انہیں ماں کو دے آؤ۔ اور کہو  
 کہ میں شام کو گھر میں ہی آکے کھانا کھاؤں گا۔ پھر الہ دین سے اُسکے گھر کا پتہ پوچھ کے چلا گیا۔  
 اور الہ دین نے ماں سے اُسکا پیغام آکھا۔ بوڑھیا بڑی خوش ہوئی اور بازار سے سب  
 سامان لاکے اچھے اچھے کھانے پکانے لگی۔ جب شام ہو گئی۔ الہ دین سے کہا جا کے اپنے چچا کو  
 ساتھ لے آؤ گھر کو ڈھونڈ رہا ہو گا۔ الہ دین جب دروازے سے باہر نکلا۔ دیکھا تو افریقی سلتے  
 سے آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بہوے اور شراب کی بوتلیں تھیں۔ الہ دین اُسے خوش خوش اپنے  
 ساتھ گھر لایا۔ افریقی نے جھک کر بڑھیا کو سلام کیا۔ اور پوچھا کہ میرا بھائی والا ان میں کہاں پر  
 بیٹھا کرتا تھا۔ بوڑھیا نے اسکی نشہ گاہ بتائی۔ ساحر نے اُس کے کئی دفعہ بوسہ دیا۔ اور بولا۔ میں  
 کیسا پر نصیب ہوں۔ کہ اتنی دور سے چلکر بھی تمہارا دیدار نہ ہو سکا۔ پھر ایک مناسب جگہ پر بیٹھ کر الہ دین  
 کی ماں سے باتیں کرنے لگا اور بولا بھابی جان! مجھے چالیس برس اس شہر کو چھوڑے ہوئے ہیں  
 میں نے بہت ملکوں کی سیر کی آخر افریقہ میں رہنا پسند کیا تاہم اپنے وطن کی یاد نہ بھولی۔ خصوصاً  
 بھابی کا چہرہ ہر وقت سامنے رہتا تھا۔ آخر محبت نے جوش کیا اور میں اُسکے ملنے کیلئے آیا تھا  
 کہ ناگاہ اُسکے مرنے کی خبر سنکر چی بیٹھ گیا۔ مگر الہ دین کی صورت دیکھ کر کچھ اطمینان آیا ہے۔  
 اس نوکر سے الہ دین کی ماں کا جی پھر آیا اور آنکھ میں ڈہڑا گئیں۔ یہ دیکھ کر افریقی نے بات  
 کا رخ بدل دیا اور الہ دین کی طرف مخاطب ہو کے بولا۔ بیٹا تمہارا کیا نام ہے۔ وہ بولا۔  
 الہ دین۔ افریقی نے پوچھا۔ تم کیا کام کرتے ہو۔ الہ دین نے شرمندگی سے سر جھکا لیا مگر  
 اُس کی ماں بولی۔ بوڑھا جمہول اور نکمرا کر رہا ہے۔ اسکا باپ اسی کے فکر میں مرا ہے۔ مگر

## قصہ الہ دین اور عجیب و غریب چرن کا

خداوند ملک چین کے کسی شہر میں مصطفیٰ نامی ایک درزی رہتا تھا جس کی کمائی بہت تھوڑی تھی۔ حتیٰ کہ بمشکل گزارتا تھا۔ اس کے ایک لڑکا بھی تھا۔ الہ دین نامی۔ بڑا کھلنڈا۔ اور بھول سا سا لڑکوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ باپ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کچھ سیکھے مگر ناکام رہا۔ آخر اسے اپنے پاس دوکان پر بٹھایا کہ خیاطی ہی سکھائے۔ مگر باپ ذرا دم آدھر ہوتا اور وہ بھاگ چاتا۔ پھر رات تک کوئی خبر نہ ملتی۔ غرض اسے باپ کو بہت تنگ کیا۔ اور سینا بھی نہ سیکھا سکا۔ پچاسے مصطفیٰ کو بڑا جگر تھا کہ وہ کس طرح اپنا پیٹ پالیکا اور اس غم میں وہ بیمار پڑ گیا۔ حتیٰ کہ مرض دن بدن ترقی پا رہا تھا۔ اور آخر کار پچا رہ چل بسا۔ الہ دین کی ماں نے سوچا کہ دوکان کا کام الہ دین سے نہیں ہو سکیگا۔ ناچار سارا سیاق فروخت کر دیا۔ اور غور و خوض کی کامیابی کا شرا شروع کر دیا۔ تیس سے بمشکل اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ بھرتی۔ مگر الہ دین کو کوئی فکر نہ تھا۔ اسکی ماں اگر اسے کسی کام کے لئے کہتی تھی تو وہ آنکھیں دکھا کے بھاگ جاتا غرض وہ بیمار ہی اس کے بقول سنت نالاں تھی۔ حتیٰ کہ الہ دین چودہ برس کا ہو گیا۔ اور ایک دن حسب معمول وہ دن لڑکوں میں کھیل رہا تھا کہ کوئی شخص اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اور بولا۔ اعلیٰ یہ لڑکا میرے اس کام کا ہے جس کے لئے میں دنیا میں گھوم رہا ہوں۔ یہ شخص افریقہ کا رہنے والا اور افریقی ساحر کے نام سے مشہور تھا۔ علاوہ جادو کے فن رعل اور قیافہ میں بھی پوری پوری ہمارت رکھتا تھا۔ غرض اسے غائبانہ طور پر الہ دین کے متعلق لوگوں سے بہت کچھ پوچھ کچھ کر ایک دن جب اسے اکھلا پایا۔ کہنے لگا۔ میاں! کیا تم مصطفیٰ درزی کے لڑکے ہو؟ الہ دین بولا۔ ہاں مگر اسے تو مرے ایک عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ سکر ساحر نے اسے گلے لگا لیا اور رو کر اسے ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا۔ الہ دین نے پوچھا تم روتے کیوں ہو؟ افریقی بولا۔ کیا بتاؤں۔ مرحوم میرا بڑا بھائی تھا۔ اور میں تمہارا چچا ہوں۔ میں مدت سے سفر میں رہا ہوں۔ اب اسے دیکھنے کے ارادے سے آیا تھا کہ تم نے یہ خبر سنائی۔ گو یا میری کی کرانی محنت پر پانی پھر گیا ہے۔ روؤں نہ تو کیا کرونا مگر خدا تمہیں زخمہ سلامت رکھے۔ تمہاری شکل تمہارے باپ سے کچھ ملتی جلتی ہے۔ اور اسلئے کہ میں دیکھ کر مجھے بہت تسلی ہوئی ہے۔ پھر اسے مٹھی بھر بیسے دے اور کہا۔ کہ اپنی ماں

زبیدہ خلیفہ اور اس کے ہمراہی بھی دروازے پر پہنچے مسرور نے دروازہ کھولا اور سب کو اندر داخل کیا۔ مگر جب انہوں نے ابو الحسن اور تربت دونوں کی لاشوں کو دیکھو پاپا۔ پھر ان وہ گئے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ زبیدہ بولی۔ حضرت میری تربت خاوند کی جدائی میں آگے ہی نیم مردہ ہوئی تھی کہ آپ کے مسرور کی آفتیش نے اُسے اور فکر میں ڈال دیا اور وہ پیچاری بھی چل بسی خلیفہ نے جواب دیا۔ نہیں بی بی۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ ابو الحسن کی کچھ مراد ہے۔ اسی طرح دانی اور مسرور میں بھی یہ بحث ہو رہی تھی۔ آخر ناچار ہو کر خلیفہ دونوں لاشوں کے درمیان آ بیٹھا۔ اور بولا۔ بخدا میں اُسے ایک ہزار شرفی نقد اس وقت دو لگا جو یہ بتا دے کہ ان دونوں سے پہلے کن مراد ہے؟ جواب میں ابو الحسن کی لاش سے آواز آئی۔ حضرت پہلے میں مراد تھا۔ لایکے ہزار شرفی دوا کیے۔ اور کفن پر کے پھینکا خلیفہ کے قدم نہ چاہا۔ تربت نے بھی کپڑا اتار اپنے تئیں زبیدہ کے سامنے گرا دیا۔ وہ چونک پڑی کہ مردے میں چٹ گئے۔ مگر جب خوف مٹ گیا تربت سے بولی۔ ارکے کجبت! تجھے یہ کیا سوچھی تھی۔ کہ ہم سب کو پریشان کیا۔ میں تمہارے لئے آج امیر المومنین سے لڑتی آئی ہوں۔ خلیفہ کو بھی خوشی ہوئی اور وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ابو الحسن! کیا شرارت تھی؟ کیا تم اپنا عوض مجھ سے لیا چاہتے تھے؟ کہ سارے محل کے آدمیوں کو پریشان کیا ابو الحسن بولا۔ خداوند! سچ تو یہ ہے کہ جب میں عالم تجرہ میں تھا تو مرے سے گذرتی تھی جب سے حضور نے میری شادی کر دی ہے جنہاں میں پڑ گیا ہوں۔ طح طح کے خرچ ہی دم نہیں لیتے دیتے۔ حتیٰ کہ میرے سر پر تربت کچھ فرض بھی چڑھ گیا ہے۔ سا ہو کار تقاضے پر تقاضا کر کے تنگ کر رہے تھے۔ مجھے اور کوئی نہ سوچ سکی۔ ناچار یہ جیلہ سوچا پڑا اور حضور کے اقبال سے اس میں ہمیں کامیابی بھی اچھی ہو گئی۔ اب امید وار ہیں کہ گستاخی معاف ہو غرض ابو الحسن کی صاف گوئی پر خوش ہو کر دو دنوں کے اسکا قصور معاف کر دیا اور ایک ہزار شرفیاں اس وقت وہیں منگا دیں۔ پھر ابو الحسن اور تربت خلیفہ اور زبیدہ کی فیاضیوں کی بدولت عمر بھر سنسی خوشی عیش اُڑائے رہے۔ یہ داستان سن کر شہزاد کہنے لگی۔ حضور! کل میں آپ کو اس سے بھی دیکھ کمانی شادی الہ دین اور عجب غریب چراغ۔ نقشہ بڑا ہی دلکش ہے۔ غرض دوسری شب کو شہزاد نے کہنا شروع کیا:-

بھوٹ بھوٹ کے رونے لگ گئی۔ دائی بھی رونے میں اُسکی شریک بنی اور کہنے لگی۔ میں تو چاہتی تھی کہ تمہارے۔۔۔ ماتم داری میں شریک ہوں۔ مگر سچی کیا کروں! بیگم میرے ہتھار میں ہو گی۔ اس کے بعد ابو الحسن کے مُنہ سے کچڑا اُٹھایا اور اُسے دعا دی کہ خدا تجھ پر رحم کرے۔ پھر مُنہ ڈھانپا کے اپنا راستہ لیا جو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ابو الحسن پھر اُنٹھ میٹھا اور کٹے لگا۔ خیال رکھنا۔ اب خلیفہ اور زبیدہ دونوں خود آئینگے۔ غرض دائی نے جا کے زبیدہ سے کہا۔ بی بی! یہ کلمہ بھوٹ پکاتا ہے۔ نہ بہت چنگی یہی بیٹھی ہے بچا راہ ابو الحسن ہی چل رہا ہے۔ پھر اُس بوڑھا اور مسرور میں جھ چل پڑی۔ اور دو دو گالیوں پر اُتر آئے۔ بوڑھا کہتی تھی تو جھوٹا ہے اور مسرور اُسے جھوٹی بتاتا تھا غرض زبیدہ سخت کھسپائی ہو کر رو پڑی اور بی بی حضرت! آپ دیکھتے ہیں آپ کا غلام میری دائی کو کیسے گالیاں دے رہا ہے مگر آپ خاموش ہیں۔ مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں ہے۔ خلیفہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ غرض وہ سوچ سوچ کر بولا۔ بی بی! اس معاملے میں کسی کا بھی اعتبار نہیں۔ آؤ ہم آپ ابو الحسن کے گھر چلیں۔ تاکہ اصل حقیقت معلوم ہو اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ زبیدہ نے بھی اس پسندیدگی کا اظہار کیا اور دونوں بڑی غلاموں کو ساتھ لیکر ابو الحسن کے گھر کو روانہ ہوا۔ راستے میں مسرور اور دائی میں پھر جھگڑا ہونے لگ گیا اور زبیدہ نے اپنی دائی کی طرف داری آپس مسرور کو بہت سخت سخت کہا۔ مسرور بولا۔ یہ خفگی کی بات نہیں۔ بلکہ آپ کی دائی مجھ سے شرط پادہ لے۔ اگر میں سچا ہوں تو میں بازی لیجاؤنگا ورنہ وہ۔ غرض ایک ایک نشان کھواب کی بازی بدی گئی اور مکان جس میں ابو الحسن رہتا تھا خلیفہ کے محل کے عین بالمقابل تھا۔ ابو الحسن نے دروازے جھانک کے دیکھا تو سارا ہی شاہی محل اُنکی طرف اُمتد اچلا آتا ہے۔ سمجھ لیا کہ اب اپنی آنکھوں دیکھنے آئے ہیں۔ اور نہ بہت سے بولاری اُٹھ! جلدی کر۔ وہ بچاری گھبرا گئی کہ اب پردہ فاش ہو جائیگا۔ مگر ابو الحسن نے اُسے تسلی دی کہ فوراً اپنا اٹھان لیٹ کے جا۔ میں میں مردہ بنجاتا ہوں اور دیکھ تو کیا تماشہ بنتا ہے۔ غرض وہ دونوں پاس پاس لیٹ گئے اور اپنے اپنے کفن بھی لیٹ لئے۔ اتنے میں

واپس آ کے تھان اٹھا لیا اور بی بی سے کہتے لگا۔ اب تم اٹھ بیٹھو۔ مسرور گیا۔ مگر زبیدہ بھی  
 ایک چیز ہے وہ اُس کا کتنا نہ مانے گی اور اپنا کوئی خنجر بھیجے گی۔ ذرا باہر کی طرف خیال رکھو  
 جب کوئی آتا نظر آئے مجھے بتا دینا۔ جب مسرور محل میں پہنچا۔ قہقہہ مار کے ہنسا اور تالی بجائی۔  
 یہی خلیفہ سچا ہے۔ اُسکی اس حرکت سے زبیدہ کو براغضبہ آیا اور بولی۔ اسے سپاہ روایہ بتا۔  
 کون مرا ہے؟ مسرور نے جواب دیا۔ ترہت۔ اور ابو الحسن اُسکے سر پر ہاتھیں رکھ کر کہے۔ میں  
 آنکھوں دیکھ کے آیا ہوں۔ خلیفہ اچھل پڑا۔ کہ لو۔ پاری جینے حیت لی۔ اب وہ باغ میرا ہے  
 زبیدہ بولی۔ اس دکاندلی کی شرط نہیں۔ یہ غلام نہایت شریر ہے اور مجھے اس پر اختیار نہیں  
 مسرور نے قسم کھائی کہ میں آنکھوں دیکھ کر آیا ہوں۔ زبیدہ بولی دنا صھر تو جا۔ ابھی تیری خبر  
 لے لیتی ہوں۔ یہ کہہ کے پھٹک دی۔ سب خواہیں آگئیں۔ زبیدہ نے اُن سے پوچھا۔ بھلا  
 یہاں روٹا ہوا کون آیا تھا۔ بھول نے کہا۔ نہت آئی تھی اور حضور نے ہزار اشرفیاں اور  
 ایک تھان کنواری کا دلوایا تھا۔ زبیدہ بولی۔ حضرت! اب اس مسرور کے منہ میں مسرور دیکھو۔  
 خلیفہ نے فرمایا مستورات کو جس کسی نے ناقص عقل کہا تھا۔ اُسے غلط نہیں کہا۔ زبیدہ  
 بولی یہ ادبی معاف۔ مسرور جس کے کہنے پر اپنے مجھے ناقص عقل کہہ دیا۔ آپ کا  
 سازشی ہے۔ مجھے بھی اجازت ہو کہ میں اپنے کسی عزیز کو بھیجے تصدیق کر لوں۔ خلیفہ نے فرمایا  
 بہت بہتر۔ زبیدہ نے یہ سن کر اپنی دانی کو بلایا۔ اور اُسے تاکید کی کہ فوراً جا کے خبر لا۔  
 ابو الحسن ہوا۔ یہ نہت بہت ہو وہ بڑھپلا لاشی ٹیکتی نہت کے گھر کو روانہ ہوئی۔ نہت نے  
 جو اُسی کے انتظار میں دروازے پر بیٹھی تھی۔ ابو الحسن کو اشارہ کر دیا کہ بڑھپلا آ رہی ہے۔  
 وہ فوراً زبیدہ خاتون والا تھان اور اُس کے لیٹ گیا اور نہت اُسکے سر پر ہاتھیں رکھ کر کہنے لگی۔  
 اتنے میں بڑھپلا اندر آگئی اور نہت کو روتے دیکھ کر بولی۔ سچی اُس بلوں مسرور نے  
 کو گھر میں ایک آفت عبادی ہے۔ جا کے خلیفہ سے کہتا ہے کہ ابو الحسن زندہ ہے اور ہمارا  
 دشمنوں کا جوازہ پڑا ہے۔ اسی بات پر خلیفہ اور ہمارے بی بی میں جھگڑا ہو گیا ہے اس  
 لئے بیگم نے مجھے تصدیق کے لئے بھیجا ہے۔ مگر میں یہاں اُس رو بہا کے قول کے بالکل  
 خلاف پڑ رہی ہوں۔ نہت بولی۔ اماں جان! کاش وہی ہوتا جو مسرور نے کہا ہے پھر وہ



تصویر میت نہت الارواح کی اور ابو الحسن اس کے سر پر نے میٹھا کر رہا ہے



اچھی عورت تھی۔ مگر مشیت ایزدی سے کوئی چارہ نہیں۔ روح الفزا میری بہن تھی اور مجھے بھی ام سکے مرنے کا سخت رنج ہے مگر عورتوں کو خدا نے عجیب مخلوق بنایا ہے تحقیقات کے بغیر ہی ایک بات پر اڑ جیتی ہیں۔ پھر دنیا خواہ ادھر سے ادھر ہو جائے۔ مگر انکی مرغ کی ٹانگ ایکسا ہی رہتی ہے۔ مزیدہ خاتون کو اصرار ہے کہ نہت رہت چلی ہے اور خدا کو اسے تم مر گئے ہو۔ اگرچہ جینے بھی گواہی دی۔ مگر وہ ظیفہ کہہ ہی چھٹلا رہی ہے۔ ابو الحسن بولا۔ خدا تعالیٰ خلیفہ کو ہمیشہ تک زندہ و سلامت رکھے۔ اس مصیبت کے وقت انہوں نے مجھے بڑی درودی ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ خود حاضر ہوں مگر کیا کروں۔ لاش کو اکیلا چھوڑ کے نہیں جاسکتا۔ مبرور نے کہا اگر مجھے ضروری چاہتا ہوتا تو میں بھی تمہارے پاس ہی ٹھہرتا مگر اب جا کے میں انہیں حاراحال بتاؤنگا۔ تمہارے جانے کی چندال ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر مبرور نہت ہوا۔ ابو الحسن دروازے تک اسے نہت کر رہے گیا۔ اور جب وہ دور ٹھل گیا۔

اگرچہ نرہت مہارہی بہت پیاری لڑائی تھی تاہم حکم خدا سے کچھ چار نہیں۔ مہر کرو۔ فوراً  
 زبیدہ کے کان کھڑے ہو گئے کہ خلیفہ صاحب کیا فرماتے ہیں اسوجی۔ مہر اور انہیں دھکا ہوا۔  
 پھر بولی۔ صاحب نرہت تو جیتی جاگتی ہے۔ اسکا میاں ابو الحسن چل بسا۔ خلیفہ نے مسرور  
 کی طرف دیکھا۔ اور بولا۔ زبیدہ نے جو کچھ کہا۔ تو سنتا ہے؟ مسرور نے کہا میں میں جبران  
 ہو رہا ہوں۔ کہ پیغمبر صاحب نے نرہت کی جگہ ابو الحسن کا مرنا کیوں ظاہر کیا ہے؟ خلیفہ نے فرمایا  
 بی بی! تم ابو الحسن کے لئے منت فکر کرو۔ وہ تو بالکل چمکا بھلا ہے۔ ابھی دربار میں نرہت کے  
 لئے رونا ہوا آیا تھا اور پہنچے اسے ہزارا شرفیاں اور ایک تھان کنو اب کا نرہت کی تجویز و تکفیر  
 کے لئے وزیر سے دلوایا۔ میری بات پر اعتہار نہ ہو تو یہ مسرور سامنے کھڑا ہے۔ اس سے بوجہ  
 نو۔ زبیدہ نے جواب دیا۔ آپ کی خوش لمبی کی عادت ہر وقت ساتھ رہتی ہے۔ مگر یہ خوش طبعی  
 کا موقع نہیں۔ فی الواقعہ خلیفہ ابو الحسن کے مرنے کا افسوس ہے اور آپ کو بھی اپنے ایک مذکور  
 صاحب کے مرنے کا افسوس ہونا چاہیے۔ مگر میں حیران ہوں کہ آپ نرہت کے لئے میرے سامنے  
 افسوس کر رہے ہیں۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ واہ! میں خوش طبعی نہیں کرتا۔ زبیدہ نے کہا۔ میں کیسے  
 مان لوں۔ ابھی ان آنکھوں نرہت کے پچھے کپڑے اور کھلے بال دیکھ چکی ہوں اور ہزارا شرفی اور  
 ایک تھان کنو اب کا تکفین کیلئے اپنے خزانچی سے دلو چکی ہوں۔ بلکہ میں خود آپ کو پیغام بھیج دیا  
 ہی چاہتی تھی۔ کہ آپ تشریف ہی لے آئے۔ غرض دیر تک دونوں میں مباحثہ ہوتا رہا کہ خوش طبعی  
 بدھی گئی۔ خلیفہ نے کہا اگر تم بھی نکلی تو فلاں محل تنے لے لیما۔ اور زبیدہ بولی۔ آپ پہنچے جاتے  
 تو فلاں بلاغ میں آجکی نظر کر دوں گی۔ غرض خلیفہ نے مسرور کو فرمایا۔ تم بھاؤ اور فوراً خیرا۔ کہ کون ہوا  
 ہے۔ غرض مسرور ابو الحسن کے گھر آیا۔ ابو الحسن نے دور سے ہی مسرور کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ زبیدہ  
 اور خلیفہ میں چل گئی ہوگی۔ اور آنحضرت تصدیق کے لئے آ رہے ہیں۔ فوراً نرہت کو لٹا کر اس پر  
 وہ تھان ڈال دیا۔ جو خلیفہ کی درگاہ سے تکفین کے لئے ملا تھا اور اپنے تئیں سخت اندوہناک  
 بنا لیا۔ اتنے میں مسرور بھی آ گیا اور دربان میں نرہت کا جنازہ رکھا ہوا دیکھ کے خوش ہوا  
 کہ خلیفہ سچا ہے۔ جب قریب پہنچا۔ ابو الحسن نے اس کے تعظیم دی۔ اور روٹا۔ گو یا وہ  
 بی بی کے عمر میں سخت بد حال ہو رہا ہے۔ مسرور نے اسے تسلی دی کہ واقع میں نرہت بہت

کیفیت بھی نہ بیان کرنے دی۔ نہ بہت نے جواب دیا۔ اچھا تو کہو۔ میں سنتی ہوں۔ ابو الحسن بولا۔  
 پہلے میں والان میں لیٹ کر اپنے تئیں مرودہ بناتا ہوں۔ تم مجھے سفید کپڑے کا کفن پہنا دینا۔  
 اور ایک بندھی ہوئی دستار میرے سر پر رکھ دینا۔ پھر تجہیز و تکفین کی تمام تیاری کر کے روئے  
 لگ جانا۔ اور کپڑے پھاڑ بال کھول زبیدہ خاتون کی خدمت میں جلے کہنا ابو الحسن مر گیا  
 اُمید ہے کہ وہ تمہیں بہت کچھ دے گا۔ نہ بہت کو یہی یہ تدبیر پسند آئی۔ اور کہنے لگی تو آپ دیر  
 نہ کر۔ چنانچہ ابو الحسن فوراً چادر اور کھلیٹ گیا۔ نہ بہت نے بھی حسب ہدایت سوانگ اُتارنے  
 میں کسر نہ اٹھا رکھی۔ روتی بیٹی بال نوحی اور کپڑے پھاڑتی فوراً زبیدہ کی خدمت میں گئی۔  
 زبیدہ اسکی بہت کدائی دیکھ کر پریشان ہو گئی اور پوچھا۔ نہ بہت خیر تو ہے؟ نہ بہت نے جواب  
 دیا۔ بیگم! خیر کیا؟ میں تو لٹ گئی۔ ابو الحسن مجھے کہیں کمانہ چھوڑ کے عالم بقار کو سدھا گیا ہر  
 اسکی اطلاع حضور کی خدمت میں دینے آئی ہوں۔ زبیدہ خاتون کا دل بھر آیا۔ بہت افسوس  
 ظاہر کر کے اُسے اکھڑا رشرنی اور ایک تھان بھاری کھوپ کا دیکر ہدایت کی۔ کہ یہ چیز بھی مرنے  
 والے کا جنازہ نکالنے میں کام آئیگی۔ نہ بہت کے دل میں ٹھنڈک پڑ گئی اور وہ اشرافیاں اور  
 تھان لیکے گھرائی۔ ابو الحسن نے دوسرے ہی دیکھ لیا تھا۔ کہ وہ کامیاب آ رہی ہے فوراً حضور  
 آ کر آپ اٹھ بیٹھا اور اپنی جگہ نہ بہت کو لہا اشرافیاں اور تھان کٹارے کر خلیفہ کی خدمت میں  
 جاوہر کا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا کثرت گریہ سے اُسکا بڑا حال ہو رہا تھا خلیفہ نے  
 پوچھا۔ ابو الحسن! تمہارا یہ کیا حال ہو رہا ہے؟ خیریت تو ہے؟ ابو الحسن نے رو کر جواب دیا  
 امیر المومنین! نہ بہت مجھے ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئی۔ اُسکے مرنے کی خبر حضور میں  
 کہنے آیا ہوں خلیفہ نے بہت افسوس کیا۔ اہل دربار متاسف ہو گئے۔ آخر خلیفہ نے اُسے کھڑا  
 اشرافی اور ایک بھاری تھان بھاری کا دیکر رخصت کیا کہ فوراً جا کے تجہیز و تکفین کرو۔ ابو الحسن  
 نے فوراً گھر کو قدم اٹھایا۔ اور جب وہ محل کے اندر پہنچا۔ اسکی باہن کھل رہی تھیں۔ فوراً اُسکے  
 نہ بہت کو اٹھایا اور اشرافیاں دکھائیں۔ اور توبہ اپنے جیلے کی کامیابی پر خوش ہو رہے  
 تھے اور خلیفہ اور زبیدہ کمال رنج میں تھے۔ آخر دوبارے کام سے فراغت حاصل کر کے  
 جب خلیفہ محل میں گیا تو زبیدہ کو اندوہناک پا کر نہ بہت کی تعریف کرنے لگا۔ اور بولا۔ بی بی! ہا

سنایا کہ خلیفہ نے اب مجھے اپنا مصاحب بنالیا ہے۔ اسکی ماں بھی بڑی خوش ہوئی۔ غرض اسکا  
 سے ابوالحسن خلیفہ کی خدمت میں حاضر رہ کر اُسے اپنی بذلہ گوئی سے خوش کرتا رہا۔  
 ابیکدن خلیفہ اُسے زبیدہ کے پاس لیگیا اور اسکی کیفیت زبیدہ کو بھی سنائی۔ زبیدہ نے  
 بھی بڑی مسرت ظاہر کی۔ اسکے بعد وہ وقتاً فوقتاً خلیفہ کے ساتھ زبیدہ کی خدمت میں بھی  
 جایا کرتا تھا۔ اور اسی اثنا میں زبیدہ کی ایک خوبصورت لونڈی نزہت پر اُسکی آنکھ پڑ گئی  
 نزہت بھی اُسے محبت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ ابیکدن زبیدہ نے دونوں کو نظارہ بازی کرتے  
 دیکھ لیا۔ اور وہ خلیفہ سے کہنے لگی۔ مولودم ہوتا ہے۔ یہ دونو ایک دوسرے کو چاہتے ہیں  
 آپ کی رائے ہو تو انکا نکاح پڑا دیا جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ انہیں چھ بہتر۔ میں نے  
 ابوالحسن سے ایک دفعہ ایک خوبصورت بی بی کا وعدہ بھی کیا تھا۔ انکی آرزو پوری ہو جائیگی۔  
 اور میرا وعدہ۔ غرض ابوالحسن اور نزہت کی شادی ہو گئی۔ اور نزہت کو خلیفہ و زبیدہ دونوں  
 کی طرف سے بڑا بھاری پختہ ملا۔ کیونکہ وہ دونوں کی منظور نظر تھیں۔ اور ابوالحسن اُسے اس محل  
 میں لے آیا۔ چو اُسے خلیفہ نے عطا فرمایا تھا۔ پھر سب محل والوں کی دعوت کی۔ غرض دونو میاں  
 بی بی بڑی محبت سے رہنے سہنے لگے۔ مگر دونوں کی طبیعت میں سخاوت حد درجے کی تھی۔ ساتھ  
 ہی امیرانہ مزاج رکھتے تھے۔ اسلئے کچھ دن تک تو وہ اچھی طرح رہے۔ آخر اُنھہ خالی ہو گیا اور  
 ایک ہی سال میں افلاس نے آدیا۔ ابوالحسن نے عہد کر رکھا تھا کہ خلیفہ سے کچھ نہ مانگیگا۔  
 اور اپنی چڑی دولت ماں کو دیدی تھی۔ اسلئے کسی سے کچھ نہ مانگ سکتا تھا۔ اور نزہت  
 بھی غیرت کے سبب زبیدہ کے سامنے دست سوال و راز کرنے میں عار تصور کرتی تھی۔  
 غرض دونوں نے مل کے صلاح کی کہ آؤ اب کوئی جیلہ کریں۔ جیلے کے بغیر کام نہ چلیگا۔ ابوالحسن  
 بولا۔ مگر ہم دونوں کے کریں جبھے اسوقت ایک چال سوچھ گئی ہے جو کبھی پک نہ پڑیگی۔  
 بٹاؤ تم میری مدد کر دو گی۔ نزہت بولی۔ واہ! اور میں کس مرض کی دوا ہوں۔ تم بتاؤ تو  
 سہی وہ کیا بات ہے۔ ابوالحسن بولا وہ یہ ہے کہ ہم تم دونوں میں نزہت بولی۔ لا حول لا  
 تم سہی کیسے آدمی ہو؟ میاں تم چاہو تو شوق سے مرو۔ میں کیوں جان غریب کو مفت میں ضائع  
 کروں۔ ابوالحسن نے کہا۔ آخر تو عورت ہی نکلی نہ؟ کہ مرنے کا نام شکر ہی گھبرا گئی۔ اور مجھے

امرواقہ تھا۔ خواب نہیں تھا۔ اور محض خلیفہ کی خوش طبعی سے ہوا۔ پیر ابوالحسن اللہ اب مجھے  
تصویر ابوالحسن کی برہنہ ہو کر خواص و خواجہ سراؤں کے ہمراہ ناچتے اور گانے لگتے



معلوم ہوا کہ حضور ہی میری شخصیت اور صحبت کا باعث ہیں۔ خلیفہ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ مگر  
ابوالحسن! اطمینان رکھ۔ میں اسکی قرار واقعی لگانی کر دوں گا۔ آج سے تو میرا بھائی بنوا۔ پھر  
مسرور کو حکم دیا۔ کہ ایک خلعت پیش بہا ابوالحسن کو پہنا دے۔ جب وہ خلعت پہنا چکا۔  
ابوالحسن نے پوچھا۔ حضرت! بھلا۔ آپ کو میرے دیوانہ بنانے میں کیا لطف آیا؟ خلیفہ نے  
فرمایا۔ اب میں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ تو محض ایک اتفاق کی بات ہو گئی۔ ابوالحسن بولا۔ مگر  
آپ کی ہر باتوں مجھے دیرینہ نہ بھولینگے۔ اب میں چاہتا ہوں۔ کہ حضور مجھے ہمیشہ اپنی خدمت  
میں رہنے کی اجازت دیں۔ خلیفہ بڑا خوش ہوا۔ اور ہزارا شرفی اسکا مشاہرہ مقرر کر کے  
اپنا مصاحب خاص بنا لیا۔ پھر ایک عالیشان محل اُسکے رہنے کو عینایت کیا۔ یہ حکم دیکر  
خلیفہ دربار کو چلا گیا اور ابوالحسن اپنی ماں کے پاس آیا۔ اُسے ساری سرگزشت سنا کر مردہ

ابو الحسن کو دو توں بازوؤں سے پکڑا اٹھایا۔ اور بارہ دری کے تخت پر لیجا کے بیٹھا دیا۔  
 نور ارگ رنگ شروع ہو گیا اور کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ جبران تھا کہ  
 سچ جج میں ہوں کون؟ پھر کو کب لصیح کو اشارے سے پاس بلا یا۔ گانا بجانا موقوف ہو گیا  
 اور کو کب آگے آئی۔ ابو الحسن نے اُس سے پوچھا۔ تم ہی سچ کہو۔ میں کون ہوں۔ کو کب نے  
 جواب دیا۔ حضور ہی فرمائیں۔ کہ آپ کون ہیں؟ اگر آپ امیر المؤمنین نہیں۔ تعجب۔ آپ  
 اتنی جلدی ہم سب کو بھول گئے۔

ہم ایسے ہو گئے امد اکبر ہے تیری قدرت ہمارا نام شکر ہاتھ وہ کانوپہ دھرتے ہیں  
 پھر کئے وہ سب باتیں یاد دلوائیں جو اسدن ابو الحسن نے کی تھیں۔ اور کہا۔ کہ اب آپ  
 کٹھکے نماز پڑھ لیجئے۔ وقت تنگ ہو رہا ہے۔ دوسری لونڈیوں اور خواجہ سراؤں نے بھی  
 اُسکی تائید کی۔ ابو الحسن غصے سے چلا اٹھا۔ فرکار و اہتم سب شہیلان ہو۔ ایسا خواب دیکھ کر  
 آگے ہی میں کافی مصائب جھیل چکا ہوں۔ اگر اعتبار نہ ہو تو یہ دیکھو۔ میری پیٹھ کے داغ۔  
 جن میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ کو کب نے جواب دیا۔ حضور آپ کے دشمنوں کا چال خوب  
 میں ہوا ہو گا۔ کیونکہ رات سے تو آپ یہیں سو رہے ہیں۔ ابو الحسن اب پھر تذبذب میں پڑ گیا  
 کہ شاید یہی سچ کہتی ہو۔ اور ایک خواص کو کہا۔ کہ میرا بچن گوش کاٹے۔ تاکہ مجھے معلوم ہو۔ کہ میں  
 بیداری میں ہوں یا سو رہا ہوں۔ وہ خواص آگے بڑھی اور ایسے زور سے ابو الحسن کے بچن  
 گوش کو کاٹ کھایا۔ کہ مارے درد کے وہ چلا اٹھا۔ اُسکے چلاتے ہی پھر سب ساز بجنے لگے۔ اور  
 ایک غوغا سا مچ گیا۔ ابو الحسن نے یہ حال دیکھ اپنے کپڑے اتار پرے پھینکے۔ نقطہ ایک  
 پانچا مہر ہی پہنے رہا۔ اور اُن سب کے ساتھ شریک ہو کر ناچنے اور تالیاں بجانے لگا کبھی اُٹھا  
 جھک کر دوہرا ہوا جاتا۔ کبھی اُٹھتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ غرض کوئی حالت سحرے پن کی اُٹھانہ بھی  
 خلیفہ یہ حال دیکھ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔ آخر پکار کر بولا۔ ابو الحسن! کیا تو مجھے ہنسائے  
 ہنسائے ماسہ ہی ڈالیکا۔ نور چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ ابو الحسن اُس آواز کی طرف متوجہ  
 ہوا۔ اور دیکھا کہ خلیفہ ہارون الرشید سامنے بیٹھے ہیں۔ اور آنحضرت ہی سوداگر موصلی کے  
 لباس میں تھے۔ تب اُسے یقین آیا۔ کہ بس جاگتا ہوں سوتا نہیں۔ اور جو کچھ مجھ پر گذرا ہے۔

آئیکہ کھڑے لکر پھر اپنے تئیں وہیں پایا۔ جاں ایک ماہ قبل شراب پی تھی۔ وہ حیران رہ گیا اور گزشتہ کیفیت کو یاد کر کے کانپ اٹھا۔ کہ اب پھر وہی پنجرہ اور وہی کوڑو کی مار سہتی پڑ گئی۔ یہ موصلی سوداگر ٹیڑھا ہی شہر معلوم ہوتا ہے۔ اسدن بھی دیوانخانے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا تھا۔ اور آج پھر معلوم ہوتا ہے کہ اسے دروازہ بند کرنا یاد نہیں رہا اور شیطان اندر گھس کے جھک پھکا رہا ہے۔ یہ سوچ کر پھر آنکھیں بند کر لیں کہ تہ یانس ہو گا نہ یانشلی یا جسگی۔ چلو چپ چاپ پڑے رہو شیطان آپ ہی جھک مار کے چلا جائیگا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ مگر ان لوندیوں نے سونے نہ دیا جو پینگ کے پاس کھڑی تھیں۔ راحت جان جیسے وہ اگلی صبح میں بھی دیکھ چکا تھا اس کے قریب آ بیٹھی۔ اور بولی۔ امیر المؤمنین یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔ اٹھئے نماز پڑھئے اور دربار میں جلوس فرمائیے۔ اراکین دربار انتظار میں بیٹھے ہیں مگر ابوالحسن نے اسے بڑے غصے سے ایک گھڑکی دی۔ اے شیطان۔ دُور ہو۔ امیر المؤمنین کسے کہہ ہی ہو؟ میں امیر المؤمنین نہیں ہوں۔ راحت جان بظاہر دڑتے دڑتے بولی۔ حضور کو شاید کوئی خواب بد دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ورنہ اس قدر جلد حضور اپنی کینز کو نہ بھول جاتے۔ جناب آپ ہی امیر المؤمنین ہیں۔ نایب رسول خدا جب کا آنا ایک دنیا مان رہی ہے۔ اگر آپ اپنی آنکھیں اچھی طرح کھولیں تو آپ کا شک دُور ہو جائے گا۔ کہ کل آپ نے یہیں آرام فرمایا تھا اور اس کے بعد آپ کہیں بھی شریف نہیں لیگئے۔ غرض اسکی لولو پلو میں اگر ابوالحسن نے آئیکہ کھول دی اور بستر سے اٹھ بیٹھا۔ اتنے میں دوسری خواتین بھی پینگ کے پاس آ گئیں۔ جنہیں اسے ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا۔ راحت جان پھر بولی۔ امیر المؤمنین! نماز کا وقت اٹھ سے نکلا جا رہا ہے۔ ابوالحسن نے جواب دیا۔ پھر وہی پکواس۔ امیر المؤمنین کون ہے؟ میں تو غریب ابوالحسن ہوں۔ راحت جان بولی۔ واہ! یہی بھی ایک ایسی ہوتی۔ حضور راہم چلا ابوالحسن کو کیا جاؤں؟ آخر اسے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اور یولا۔ عجیب جادو ہے۔ وہی بارہ درسی۔ وہی سارو سامان اور وہی خواتین پیر و چہنیں پہلے ایک دفعہ دیکھ کر قفس میں قید کاٹ چکا ہوں۔ اب خدا ہی خیر رکھے۔ خلیفہ اسکی یہ باتیں سن کر بے اختیار ہو گیا۔ مگر ضبط ہو گیا۔ آخر ابوالحسن پھر لیٹ گیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔ مگر راحت جان نے اسے سونے نہ دیا۔ ایک اور خواص کو ساتھ لیکر



ہم سرہانگے خلیفہ نے اُسے پی کے خالی کر دیا۔ پھر آپ ایک گلاس بھر کے اُس میں سفوف بہیوشی المویا  
تصویر مسرور کی ابو الحسن کو کاندھ سے رکھ کر لیجانے کی اور خلیفہ بھی ہمراہ ہے



اور ابو الحسن کی طرف کر کے بولا۔ اب تم بھی مجھ سے یہ گلاس لو اور اُس پی پی کی باد میں پی جاؤ جیسے  
تم نے خواب میں دیکھا تھا۔ ابو الحسن مسکرا کر غٹا غٹ کر کے چڑھا گیا اور بیٹے ہی بے سندہ ہر کے  
گر پڑا۔ خلیفہ نے مسرور کو اشارہ کیا۔ کہ اُسے اُٹھا کے چوتھی بارہ دری میں لیچلے۔ غلام بے  
فوراً اُسے کندھے پر اُٹھا لیا۔ اور خلیفہ دیوان خانے کا دروازہ بند کر کے آگے ہو لیا۔ اور اپنی خواہش  
میں ہینچ کر خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ ابو الحسن کے کپڑے اتار کر اُسے میرے کپڑے پہنا دو۔ غرض  
رات گذر گئی۔ اور قبل اسکے کہ ابو الحسن بیدار ہو۔ خلیفہ چھپ کے وہاں ایسی جگہ آ بیٹھا جہاں سے  
اُسے ابو الحسن نہ دیکھ سکے۔ مگر وہ ابو الحسن کی ہر ایک حرکت پر نگاہ رکھ سکے۔ جب ابو الحسن بیدار ہوا

تم مجھے بھول گئے معلوم ہوتا ہے۔ اسی عرصے میں آپ کو کوئی ناگہانی صدمہ برداشت کرنا پڑا  
 ہے۔ مگر مجھے بھی تو درد دل بتاؤ۔ جو کچھ میری بساط میں ہوگا۔ تمہاری مدد سے دریغ نہ کروں گا  
 ابو الحسن نے جواب دیا۔ سو تو تم کیا کرو گے۔ ایک دفعہ تو تمہاری ہی بدولت دیوانہ بنکر مار  
 کھا چکا ہوں۔ دوسری دفعہ پھر دیدار نہ بنانے کی صلاح ہوگی۔ مگر اب میں قابو نہیں آؤں گا  
 لہر بانی کر کے چلے جاؤ۔ اور مجھے مت سناؤ۔ خلیفہ فوراً اس کے گلے لپٹ گیا۔ اور بولا۔ اس قدر خشکی جانے  
 دو۔ اب میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گا۔ میں بڑا غمناک ہوں۔ کہ دوبارہ تم سے ملاقات  
 ہوئی۔ اور میں تو آج ضرور ہی تمہاری دعوت کھاؤں گا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں۔ کہ ہم ایک دفعہ  
 پھر مل کے شراب پیئیں۔ ابو الحسن بولا۔ تمہارے سبب سے ایک دفعہ میں کافی تکلیف اٹھا چکا  
 ہوں۔ اب معاف ہی رکھو۔ خلیفہ نے اسے دوبارہ گلے لگایا اور بولا۔ ابو الحسن! میرے اچھے  
 دوست! بتاؤ۔ میرے سبب سے تمہیں کیا تکلیف پہنچی ہے۔ تاکہ میں اسکی تلافی کی کوشش  
 کروں۔ اور ہو سکے تو تمہاری مدد بھی کروں۔ ابو الحسن یہ سنکر نرم ہو گیا اور خلیفہ کو اپنے پاس بٹائے  
 آغاز سے انجام تک سب حال سنا دیا۔ چونکہ خلیفہ سب کچھ جانتا تھا اسلئے اسے بے اختیار  
 ہنسی آگئی۔ ابو الحسن بڑا غصہ ہوا۔ اور بولا۔ واہ بھئی واہ! میں سمجھتا تھا۔ تمہیں میرا حال  
 سنکر افسوس ہوگا۔ مگر تم ہو کہ اُنٹے ہنس رہے ہو۔ اگر تمہیں اختیار نہ ہو تو میری پیٹھ پر  
 گولہ لگے نشان دیکھ لو۔ یہ کہہ کر تیرے اٹھایا۔ خلیفہ نے بڑا افسوس ظاہر کیا اور ابو الحسن  
 کو تسلی دیکے پھر اسے لگایا۔ کہ اب مجھے معاف کر دو۔ تیرے میں دروازہ کھلا نہ چھوڑاؤں گا  
 ابو الحسن کو کوئی چارہ نہ رہا۔ اور چاروں ناچار وہ خلیفہ کو اپنے گھر لایا۔ اور حسب دستور دسترخوان  
 بچھا کر زمان کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر شراب پی کر ادھی رات تک باتیں کرتے رہے۔ آخر  
 خلیفہ نے پوچھا۔ ابو الحسن! تم کسی پر آج تک عاشق بھی ہوئے ہو یا نہیں؟ ابو الحسن نے  
 جواب دیا یا نکل نہیں۔ پھر خلیفہ نے پوچھا تو تمہاری طبیعت کس چیز پر رعب ہے ابو الحسن  
 بولا۔ میں دوستوں سے اختلاف کرنے اور اچھی شراب پینے کا بڑا مشتاق ہوں اور اس  
 بی بی کو عقد میں لانا چاہتا ہوں جسے خواب میں مجھے شراب پلا یا اور کھانا سنا یا تھا۔ یہ کہہ کر  
 اس نے ایک گلاس لیا اور شراب سے لبالب کر کے خلیفہ کو دیا کہ یہ آخری گلاس ہے پھر

ماں اُسکے پاس آئی اور پوچھنے لگی۔ بیٹا! اب کیا حال ہے۔ ابو الحسن کو اب پھلی باتیں فراموش ہو چکی  
 تھیں اور وہ سمجھنے لگ گیا تھا کہ ممکن ہے مجھے خواب آیا ہو۔ اسلئے اُس نے آداب عرض  
 کر کے جواب دیا۔ کہ اب میں اچھا ہوں۔ اور وہ خیال جو یک بیک و باغ میں چھا گیا تھا۔ اب  
 فراموش ہو گیا ہے۔ اب میں وہی آپ کا تاجر اور پیارا بیٹا ابو الحسن ہی ہوں۔ اُس کی  
 حالت میں نمایاں تبدیلی پا کر اُسکی ماں نے داروغہ سے اُسکے گھر لے جانے کی اجازت مانگی۔  
 جو اُسے آسانی مل گئی۔ غرض ابو الحسن گھر آیا۔ ماں نے اُسے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ  
 مسافر دہراخانے کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہو گا اور شیطان نے انڈر گھس کر ہمیں بہکا دیا  
 کیونکہ جب میں آئی تھی دہراخانے کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ یہ بات ابو الحسن کے جی میں لگی اور  
 کہنے لگا۔ فی الواقع آپ کا یہ خیال صحیح ہے۔ غرض وہ گھر میں کئی دن تک پڑا رہا۔ اور جب  
 ہوش آئی۔ حسب معمول پل پر جا بیٹھا۔ اور رات کے لئے بیٹا مسافر لا کر صبح اُسے مطلع کر دیتا  
 اتنے میں اگلے مہینے کی پہلی تاریخ آ گئی۔ آج خلیفہ پھر موصلی سو داگر کے بھیس میں آ رہا تھا  
 اور ساتھ بھی وہی غلام تھا۔ ابو الحسن نے دُور سے اُسکی شکل دیکھ کر پہچاننا کہ وہی سو داگر  
 ہے۔ اگر کجخت دہراخانے کا دروازہ نہ کھول جاتا تو مجھے اس قدر مصائب میں کیوں مبتلا ہونا  
 پڑتا۔ اسکا بدن کانپ اٹھا اور منہ دوسری طرف کر کے ایک آڑ میں ہو گیا۔ تاکہ وہ اُسے دیکھ  
 نہ لیں مگر آج خلیفہ ادھر آیا ہی ابو الحسن کی تلاش میں تھا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ جو تکلیف  
 ابو الحسن کو اٹھانی پڑی ہے اُسکی تلافی بھی ضروری ہے غرض خلیفہ نے بھی اُسے دُور سے  
 ہی دیکھ لیا اور پاس جا کھڑا ہوا۔ پھر صاحب سلامت کی نگاہ ابو الحسن نے بڑی روکھا وٹ  
 سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا۔ مجھے تم سے کوئی کام نہیں۔ اپنا راہ لو۔ اور چلے جاؤ۔ خلیفہ  
 بولا۔ کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ ابھی تو ایک مہینہ ہی گزر رہا ہے۔ جب میں نے آپ کے اُن  
 رات بھر بڑے امن چین سے کاٹی تھی۔ اور میں اب تک اُس صحبت کو یاد کرتا ہوں۔ واقعہ یہ  
 بڑے خوش مذاق آدمی ہو۔ اور میں نے تو عمر بھر میں ایسا آدمی ہرگز نہیں دیکھا۔ ابو الحسن نے  
 پھر روکھے سے جواب دیا۔ بھائی میں تمہیں نہیں جانتا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ خلیفہ نے سوچا  
 شاید وہ اپنے عہد کے سبب بے اتفاقی سے پیش آ رہا ہے۔ یہ سوچ کر بولا۔ کیا اس قدر جلد

کل اپنے غلام کے ماتھے سمجھ کر ایک ہزار اشرفی کا ایک توڑا بیچا تھا۔ تم کو ابسے وحیم آقا کے لئے دعائے تیر کرنی چاہئے۔ اب ابو الحسن کو تو پورا یقین ہو گیا۔ اسلئے کہ وزیر جعفر نے اس کے حکم سے ہزار اشرفیاں اس کی ماں کو پہنچانی تھیں۔ اور یولا۔ بوڑھی مکارہ! اب اترنے پھر مجھے اپنا بیٹا بتایا اور امیر المومنین کے خطاب نہ کیا۔ تو بایں کہنا۔ بُری طرح سے تیری خبر لو لگا۔ کیونکہ یہ سب باتیں جو تو بتا رہی ہے میرے ہی حکم سے کل انکی تعمیل ہوئی تھی۔ یہ کمزور لاشی سے اپنی ماں کو مارنے لگا۔ وہ ضعیفہ رونے چلانے لگ گئی۔ ہمسایہ اور محلہ کے لوگ دوڑے آئے۔ جنہیں دیکھ کر ابو الحسن بکھڑ گیا۔ لوگوں نے لاشی اُس کے ماتھے سے چھین لی۔ اور ابو الحسن کو ملا مت کرنے لگے۔ کہ واہ! یہ خوب سعادتمندی ہے۔ تمہیں شرم بھی نہیں آتی کہ کوئی بیٹا اپنی ماں کو بھی مارا کرتا ہے۔ ابو الحسن کی آنکھیں پھر لالی ہو گئیں اور وہ یولا۔ بے حیاء۔ ابو الحسن کون ہے۔ میں تو امیر المومنین ہوں۔ اُس کے آنکھیں لٹکتے سے سب لوگ ڈر گئے کہ کہیں ہمیں بھی نہ مار بیٹھے جیسے اپنی ماں کو مار رہا ہے اور اُسے سمجھاؤ لگے۔ کیا تو اس گھر میں جو ظالم محلے میں واقع ہے نہیں رہتا۔ اور اس بوڑھیا کا بیٹا نہیں؟ ابو الحسن نے پھر غصے سے پکارا۔ بد ذات! میں کیا جانوں تم کون بلا ہو۔ اور یہ بوڑھیا کیا چیز ہے۔ میں اس کا بیٹا نہیں بلکہ امیر المومنین ہوں۔ یہ منکر لوگوں نے سمجھ لیا کہ ابو الحسن ویران ہو گیا۔ فوراً داروغہ جیل کو اطلاع دی۔ داروغے نے آتے ہی سڑا سڑو تو تین کوٹے اسکی پیٹھ پر جما دئے۔ ابو الحسن چپ رہ گیا اور کچھ نہ یولا۔ پھر وہ اُسے جیل میں لگیا اور ایک پنجرے میں لپیٹ کر بند کر دیا۔ جہاں اُسے ہر روز پچاس کوڑے کھانے پڑتے۔ دوسری تین روز میں اسکی پیٹھ کا چمڑا ڈھڑ گیا اور اس پر جا ہونے تو سوچنے لگا۔ کہ اگر فی الواقع میں امیر المومنین بن گیا ہوتا اور وہ سب نظارہ خواب و خیال ہوتا تو صبح کے وقت جب میں جاگتا تھا اپنے تئیں اپنے قدم گھر میں کیوں پاتا۔ مگر اب سے پھر خیال آتا تھا۔ کہ دونوں کو سزا اور اپنی ماں کو ہزار اشرفیاں مینے اپنے ہوش و حواس میں بھجوائی ہیں اور میری ماں ان دونوں واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔ اب ان دونوں سے کوئی بات کریں سوچ مانو۔ غرض جب چاہی پانچ روز میں اسکا چہرہ اتر گیا اور وہ سخت خفیف ہو گیا۔ ایک دن اسکی

کیا میں تیرا بیٹا ہوں۔ یا امیر المومنین۔ بوڑھیا بولی۔ بیٹیا! خدا کے لئے ہوش کر۔ اور ایسے الفاظ  
 منہ سے نہ نکال۔ لوگ دیوانہ اور سرسری بنا کے تالیاں پیٹنے لگیں۔ ابو الحسن بولا۔ بوڑھیا تیری ہی  
 ہوش نکالتے نہیں۔ میں ہی تو نائب الرسول ہوں۔ اس کی بات کہنے لگی۔ افسوس! تیرے جوہر  
 برچا نہیں رہے یا شیطان نے تجھے حامل کر لیا ہے۔ ورنہ کوئی ناگوار خواب دیکھ کر جاگے ہو  
 کہ اب میری فرزندیت سے بھی انکاری ہو رہے ہو۔ پھر اُسے بہت سی باتیں یاد دلانے  
 کی کوشش کی۔ جنہیں سنکر ابو الحسن پھر گڑبڑ میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا یہ تو میں جانتا ہوں کہ میں  
 اسی ابو الحسن ہوں۔ مگر میرے دماغ میں خلافت کی باتیں کیوں سام ہی ہیں۔ بوڑھیا نے سوچا  
 شاید اسے دماغ کا کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ ہنسن پڑی اور پوچھا۔ رات تو نے  
 کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ ابو الحسن نے یہ سنکر ماں کو ایک ایسی گھر کی بتائی کہ بیچاری سہم گئی اور  
 دڑتے دڑتے بولی۔ برخور وار خدا کے لئے اپنی زبان بند کر۔ تو نہیں جانتا۔ کل پہلے محلے کے  
 مودن اور اُسکے چاروں مشیروں کا کیا حال ہوا جواہل محد کو دڑا یا کرتے تھے۔ کو تو ال نے مودن کو  
 چار سو دڑے اور باقی چاروں کو سو سو دڑے لگو کر پہلے شہر میں تشہیر کیا۔ پھر بڑی دولت سے  
 شہر بدر کر دیا۔ مجھے خوف ہے کہ تیرا بھی یہی حال نہ ہو۔ غریب بوڑھیا کو کیا خبر تھی کہ یہ دھمکی  
 دیوانے کے لئے ہی بن جائیگی۔ اور ابو الحسن پہلے سے بھی زیادہ جوش میں آجائیگا۔ جو نہی  
 اُسے یہ واقعہ ابو الحسن کو دڑانے کے لئے سنا یا اُسے اور بھی یقین ہو گیا کہ میں جھوٹ نہیں کہتا  
 اور بولا۔ چڑیل بوڑھیا اب تو مجھے ضرور ہی یقین کرنا ہو گا۔ کہ میں امیر المومنین ہوں۔ تیرا بیٹا ابو الحسن  
 نہیں۔ کیونکہ کل میرے ہی حکم سے مودن اور اُسکے مشیروں کو یہ سزا دی گئی تھی مگر ابو الحسن کی  
 ماں اسے کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ اور بولی۔ بیٹا! خدا تم پر رحم کرے۔ لوگ تمہاری یا قول کو سنکر کیا  
 کہنے لگے۔ پھر گرا ابو الحسن کے غصے کی کچھ اتھتا نہ رہی۔ فوراً اٹھا اور ایک لکڑی لیکر ماں کے گرد  
 ہو گیا۔ کہ سچ بتا! میں کون ہوں۔ ضعیف نے اُسے پیار کیا۔ اور کہا تو میرا بیٹا ہے۔ جسے پینے  
 بڑی شکلوں سے پال پوس کر ایتنا بڑا کیا ہے۔ اور اب وہ مجھے ہی مارنا چاہتا ہے۔ اور  
 غلطی سے اب اپنا خطاب ایتنا بجا کر لیا ہے کہ امیر المومنین بننا چاہتا ہے۔ جو خاص خطاب  
 خلیفہ مودن الرشید کا ہے جس کے ہم سب تابعدار ہیں۔ اور فرمانیر دار عایا۔ اور جس نے بھی

سانوں کے غل میں کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ اُسے دسک دیکے گانے بند کئے اور  
ایک خاص کو جو اُس کے قریب کھڑی تھی۔ بلا کے پوچھا۔ تیرا کیا نام ہے۔ اُس نے عرض کی حضور  
مجھے سلک مروارید کہتے ہیں۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ تیرے دانت سوچوں سے بدرجہا بڑھ کر میرے  
اسلئے تیرا نام بھی اُس سے اچھا ہونا چاہئے تھا۔ پھر اُس کے ہاتھ سے شراب کا ایک گلاس  
مالٹا اور چڑھا گیا۔ اُس کے بعد دوسری کو بلایا۔ وہ آگے آئی تو اُسے کچھ عرصہ دیکے اُس کا نام  
دریافت کیا۔ وہ بولی حضور مجھے کوکب الصبح کے نام سے پکارتے ہیں۔ ابو الحسن بولا۔ مگر تیری  
اسکے تصحیح کے سائے سے زیادہ روشن ہے۔ اسلئے نام بھی اچھا ہونا چاہئے تھا۔ پھر ایک  
گلاس اُسکے ہاتھ سے لیا۔ اسی طرح دوسری تیسری اور آخر ساتویں کے ہاتھ سے بھی ایک ایک  
گلاس لے کے چڑھا گیا۔ جب خوب نشہ جم گیا۔ سلک مروارید حسب الحکم خلیفہ دارون الرشید کے  
پھر آگے آئی اور عرض کیا۔ کہ میرے ہاتھ سے ایک گلاس اور لیجئے اور بس۔ پھر میں آپ کو ایک  
اور گانا سنائوں گی۔ جو میرے آج ہی تصنیف کیا تھا۔ اور ابھی تک کسی کو نہیں سنایا۔ اس گلاس  
میں اُسے محفوف بیہوشی مارا رکھا تھا۔ اور ابو الحسن بلا تاقل اُسے بھی لیکے دکار گیا۔ فوراً آنکھیں  
بند ہونے لگیں اور اُٹھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے خلیفہ فوراً نیچے اُترا۔ اور شاہی پوشاک اُسکے بدن  
سے اُترا کر اُسکے اعلیٰ کپڑے پہنوا کر سرور کو حکم دیا۔ کہ جہاں سے اُسے لائے تھے وہاں چھوڑ آؤ  
مگر دیو اُٹھنے کا دروازہ کھلا چھوڑ آنا سرور نے حکم کی تعمیل کی۔ اور اُسے اسکے بستر پر لٹا کر  
فوراً لوٹ گیا۔ پھر خلیفہ نے اپنے مشیروں سے کہا کہ یہ شخص خداے ایک دن کے لئے خلیفہ بننے  
کی دعا مانگتا تھا۔ تاکہ اپنے محلے کے موزن اور اُسکے چار مشیروں کو جسکے ہاتھ سے اُسکے محلے والے  
نالاں تھے سزاوے۔ اسلئے اُسکی آواز کو میں نے اُسکے ہی ہاتھ سے پورا کر لیا ہے۔ غرض ابو الحسن  
رات بھر بیہوش پڑا رہا۔ جب صبح ہوئی۔ اُسکی آنکھ کھلی اپنے تئیں اُسی قدیمی گھر میں دیکھ کر حیران  
رہ گیا۔ سلک مروارید اور ہتاب سب کو پکارنے لگا۔ مگر بجائے اُن سب کے اُس کی ماں ڈھکی  
آئی اور وہ متحیر ہو کر پوچھنے لگی۔ بیٹیا! یہ آج تم کو کیا ہو گیا ہے۔ ابو الحسن نے ماں کی طرف  
بڑے غور سے نگاہ کی۔ اور بولا۔ اے نیکیمت! تو کے اپنا فرزند کہہ رہی۔ پورے پورے جو ارباب  
تھے۔ اور کسے کہتا ہے۔ ابو الحسن بولا۔ نامستولی! کیا بیواں کر رہی ہے اور کیسی بے لحاظ ہے

# تصویر ابوالحسن کی محل شاہی میں مع سات توہمیں حسین کے



اور تھوڑا سا شربت اور افشودہ لیکر خود پیا۔ اور باقی کئے لئے سب کو حکم دیا کہ جے جو چیز بھی لگے وہ پی جائے۔ پھر انکے نام پوچھے اور انکے ناموں پر بھی ایک ایک لطفہ کر کے مسرور کئے ساتھ چرتے مکان میں گیا۔ اب دن ختم ہو کر شام ہو چکی تھی۔ ابوالحسن اس مکان کی آرائش کو دیکھا عجبوت بنگیا۔ بہ کرہ پہلے تینوں سے بڑھکر راستہ اور پیش قیمت اسباب سے سجا ہوا تھا۔ سات کا فوری شمعیں جل رہی تھیں۔ ساتھ ہی طائفے گانے ناچنے والوں کے تھے اور سات ہی نہایت ماحہمین خرمیں سندی تقالوں میں گرگ کا اسباب یعنی شیرینی سوسے کچے وغیرہ لئے کھڑی تھیں۔ آپ طرف سات نفرتی صراحیاں بھی نہایت نفیس شراب سے بھری رکھی تھیں جتنے پاس سات ہی بلور کے گلاس پرے دکھائی دئے۔ ابوالحسن بیان آکے سند پر بیٹھ گیا۔ اور ان ساتوں خواہوں کو پاس بلا کر چائے دکھائی دئے۔ مگر



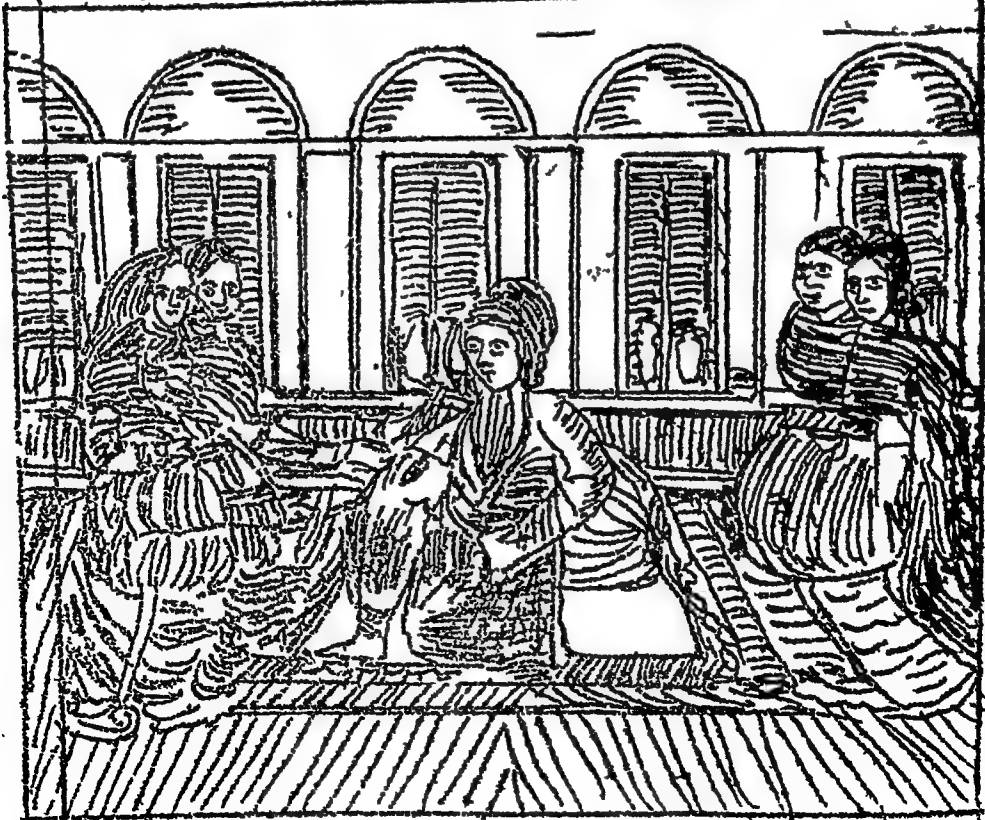
اسے پاؤں میں پہنکر پاخانے میں جا پاکرتے ہیں۔ غرض ابو الحسن پاخانے میں گیا۔ اور جب فراغت پا کر باہر نکلا۔ مسرور اُسے کھانا کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ آگے دسترخوان مرتب تھا اور اُس کے بیٹھے ہی گھسنے والیاں آگئیں۔ اور اُس نے نوازا کھلایا۔ اور ہر گانا شروع ہو گیا۔ جسے سنکر اُسکی روح وجد کرنے لگی۔ اور وہ پھر حیرت میں پڑ گیا۔ کہ آیا یہ فی الواقع بدلی ہے یا میں ابھی تک خواب میں ہوں۔ مگر آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کان سن رہے ہیں۔ خواب میں کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہاں کی ہر ایک چیز اُس کے لئے حیرت انگیز تھی۔ سات خواہیں نہایت خوبصورت جوان ہم عمر اپنے اپنے ساز لئے کمال سلیقے سے گایا جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی جھاڑ لٹک رہے تھے۔ اور ساتھ ہی انگلیٹھیاں روشن تھیں۔ جن میں طرح طرح کی خوشبو پھیلی جلائی جاتی تھیں۔ جسکی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا۔ سات اور خواہیں اُتھوں میں جڑاؤ مودھل لئے ابو الحسن کے گرد گھردی تھیں ابو الحسن اس آخری جماعت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا۔ اور مسکرا کر اُن سے بولا۔ کہ تم میں سے باری باری ایک مودھل بھلنے کے لئے گھردی رہے۔ اور باقی کی دسترخوان پر داہل یا بنیں بیٹھ جائیں اُنہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر اُس نے ہر ایک کا نام پوچھا۔ پہلی نے زمر و گردن دوسری نے مرجان لب قیسری نے کتاب چوہی نے خورشید بتایا۔ پانچویں نے نزہت العیون چھٹی نے فرحت جان اور ساتویں نے مصری اپنا اپنا نام بتایا اور ابو الحسن نے ہر ایک کے نام پر ایک ایک لطیفہ کہا۔ لطیفہ بھی اُس کی باتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ جب کھانے سے فراغت پائی۔ مانتہ اور مسرور اُسے دوسرے مکان کی طرف لے گیا۔ وہاں بھی سات قندلیں لٹک رہی تھیں اور آرائش میں پہلے مکان سے بڑھ کر تھا۔ درمیان میں دسترخوان سجھا تھا۔ چہر سات ہی سو مکی رقابوں میں مختلف قسم کے خشک و تر میوے چنے تھے۔ سات ہی گانے والیاں تھیں اور سات ہی دوسری خواہیں۔ جسکی خوبصورتی چاند کو بھی شرمندہ کرتی تھی۔ ابو الحسن نے انہیں بھی اپنے ہمراہ دسترخوان پر بٹھالیا۔ اور اُن کے نام دریافت کر کے ایک ایک لطیفہ انکے لئے بھی کہا۔ جب میوے کھا کر سیری ہو گئی مسرور کے ہمراہ پھر قیسرے مکان میں گیا۔ یہاں علاوہ اور معمولی ساز و سامان کے سات خواہیں شربت اور باقشرے لئے گھڑی پائیدار۔

ہاکی پوچھا۔ تمہیں کچھ کہنا ہے۔ اُس نے عرض کی کہ اُمراء خلافت اور سرداران لشکر کو رخصت  
 بجا لانے کے لئے کھڑے ہیں حکم ہو تو حاضر ہوں۔ ابو الحسن نے اجازت دی اور وہ اندر  
 آکر آداب بجا لائے۔ پھر اپنی اپنی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ پھر وزیر نے امور سلطنت کے  
 متعلق کاغذات پیش کرنے چاہے مگر ابو الحسن نے پہلے کو تو ال کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ  
 فلاں محلے میں جا۔ اور وہاں کے نوٹوں کو چار سو دُرے لگوا۔ چار اور آدمی اُس کے مشیر ہیں۔  
 انہیں بھی ایک ایک سو دُرے لگیں۔ اُس کے بعد انہیں اونٹوں پر سوار کر کے سارے شہر  
 میں تھہر کر کہ یہ سزا ان شخصوں کی ہے۔ جو اپنے اہل محمد کو بیعتا دیں۔ جب یہ کام ہوئے۔  
 انہیں شہر بدر کر کے فوراً جھٹھ اطلاق دے۔ عرض کو تو ال تسلیم بجا لا کر گیا اور حکم کی تعمیل  
 کی۔ خلیفہ نے بھی اسے جائز رکھا۔ اس عرصے میں وزیر نے بھی اپنے کاموں سے فراغت پائی۔  
 پھر کو تو ال حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور کے حکم کی تعمیل کر آیا ہوں۔ ابو الحسن بہت خوش  
 ہوا۔ پھر وزیر سے فرمایا۔ کہ فلاں محلے میں ایک بوڑھیا رہتی ہے۔ ابو الحسن کی والدہ وہاں  
 اُسے سب چھوٹے بڑے جانتے ہیں۔ ایکزارا شرفی اُسے بھجوائے۔ وزیر نے فوراً غلام کی  
 ایک ہزارا شرفی کا توڑا بھجوا دیا۔ اور جب غلام نے بوڑھیا کو وہ توڑا جاکے دیا۔ بڑی خوش  
 ہوئی اور دل سے کہنے لگی۔ کہ شاید خلیفہ کو میرے حال زار کا پتہ لگ گیا ہوگا۔ عرض وزیر  
 نے عرض کی کہ غلام ایکزارا شرفی ابو الحسن کی والدہ کو دے آیا ہے۔ اور وہ اُس پر  
 حضور کی شکر گزار ہے۔ ابو الحسن نے بھی خوشنودی ظاہر کی۔ عرض جب امور سلطنت سے  
 فارغ ہو لیا۔ اہل و بیار رخصت ہوئے۔ فقط وزیر جعفر خواجہ میرا اور سردار ابو الحسن دربار  
 میں رہ گئے اور ابو الحسن دو لوگ بدوسے تخت سے اتر کر محل میں آیا۔ راستے میں اُسے حاجت  
 محسوس ہوئی۔ فوراً ہترنے شاہی پانخانے کا دروازہ کھول دیا۔ جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔  
 اور جس میں بیٹش قیمت قالین کا فرش بچھ رہا تھا۔ پھر داروغہ نے زلفیت کا جوتہ پیش کیا۔  
 جسے خلیفہ پہن کر پانخانے کے اندر جایا کرتا تھا۔ مگر ابو الحسن نے بجائے اُس کے کہ ان جوتوں  
 کو پاؤں میں پہنتا۔ کڑے کی استینوں میں رکھ لیا۔ اس پر سب کو ہنسی آگئی۔ مگر خلیفہ کے  
 خوف سے سیپنی کئے۔ البتہ خلیفہ مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ مگر پھر وزیر نے عرض کی۔ کہ

اور پشت پیٹنے پر جا لگی۔ اور خلیفہ بھی اس عالم سسرت کو دیکھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ ہنس پکے  
 مگر بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ کہ کہیں ابو الحسن کے کان میں آواز نہ پہنچ جائے۔ آخر بہت دیر  
 تک ہنس ہنس کر جب چپ چاپ ہوا تو ایک حبشی بچے کو سامنے بلایا۔ اور اس سے پوچھا: سچ کہو  
 میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ امیر المومنین اور نائب الرسول ہیں۔ ابو الحسن بولا۔ تو بڑا حیران رہا  
 جیسا تیری صورت سیاہ کتے کی سی ہو گئی ہے۔ پھر وہ اس کو آگے بلایا اور پناہ دے کر بولا  
 میری آنکھ کے پار کو اپنے دانت سے کاٹنا کہ مجھے معلوم ہو کہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں  
 نے جو خلیفہ کی موجودگی سے آگاہ تھی۔ بڑی عیندگی کے ساتھ آہستہ سے اس کی آنکھ کی دانتوں میں  
 دبائی۔ ابو الحسن کو جب درد معلوم ہوا تو خود آنکھ کی کھینچ لی۔ اور بولی: اٹھا۔ کہ ایک ہی رات میں  
 اے خدا! میں خلیفہ کیسے بن گیا۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ پھر اس خواص سے پوچھا۔ تجھے خدا کی  
 قسم ہے۔ سچ سچ بتا میں کون ہوں؟ وہ جواب میں بولی۔ آپ امیر المومنین ہیں۔ اور ہم سب  
 آپ کی نوٹندی غلام ہیں۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ یہ سن کر ابو الحسن نے اس کے کاٹھن کیا۔ فوراً  
 ایک خواجہ سرہانے دوڑ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور سہارا دیکر اسے اٹھایا۔ اس کے محل میں سلام دیا  
 کی آوازوں کا نکل چکیا۔ اور ہر طرف سے یہی آواز آنے لگی۔ کہ خدا تعالیٰ یہ دن آپ کا بخت و فانی  
 بسر کرے۔ ابو الحسن کی حیرت و دم بدم بڑھ رہی تھی۔ کہ الہی! یہ کیا بات ہے۔ کل تک تو میں الجھن  
 تھا۔ میرے قیاس میں کچھ نہیں آتا کہ امجد علیہ آج خلیفہ کیسے بن گیا؟ پھر جواب سبائل سے  
 اسے پوچھا کہ پوچھنا اور سب صفیں باندھ کر دروازے تک کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد سر در  
 آگے آگے ہو لیا۔ اور ابو الحسن کو تخت کی طرف لایا۔ تخت کے پاس جا کے وہ کھڑا ہو گیا۔  
 اور دو جلیل القدر سرداروں نے اسے سہارا دیکر اوپر چڑھایا۔ اس کے تخت پر اجلاس فرماتے  
 ہی آداب و تسلیم کی آوازیں دربار میں بلند ہوئیں۔ جنہیں سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اور دیکر  
 نظر کی تو غالباً سردار دو ٹو طرف تریں سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وزیر اعظم آگے بڑھا اور عرض کیا  
 کہ آداب بجالانے کے بعد دعا دی کہ امیر المومنین پر خدا کا سایہ رہے۔ دشمن پا مال اور دشمن  
 خوشحال ہوں۔ ابو الحسن کو اب جاسے پورا یقین ہوا۔ کہ فی الواقعہ میں خلیفہ بن گیا ہوں۔ اور  
 خدا تعالیٰ نے بے محنت ہی مجھے یہ رتبہ بخش دیا ہے۔ غرض حکمرانی شروع کی پہلے درجہ سے

امیر المومنین۔ یہ وقت حضرت کی بیداری کا ہے۔ اٹھکے وضو کیجئے اور نماز پڑھ لیجئے۔ پھر دربار میں  
 بھی جانا ہو گا۔ آفتاب نکلا ہی چاہتا ہے۔ اب تو ابو الحسن غلّ نہ کر سکا اور دل ہی دل میں کہنے لگا  
 سوتا آدمی آوازیں نہیں سنا کرتا مگر یہ بیداری ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے مہر و کرم سے  
 مجھے سلطنت عطا فرمائی ہے۔ یہ سوچ کر اٹھ بیٹھا۔ اتنے میں ایک صغیر سال خواص اُسکے روبرو  
 حاضر ہو سکے نہیں پوس ہوئے اور گانے فالوں سے یا نسری بجانے سلامی دی۔ اُن یا جوں  
 کی آواز تھے ابو الحسن کو ایسا مست کر دیا کہ وہ پیر تذبذب میں پڑ گیا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر  
 غور کرتے لگا کہ یہ سب کچھ جو میں دیکھ رہا اور سن رہا ہوں خواب و خیال ہے یا امر واقعہ۔ یہ  
 سچا سچا یا شاہی مکان بیہ حسین خواجہ سرا اور اُنکے زرق برق کے لباس۔ ایسی تشکیل عرصہ میں  
 اور اُنکے دُور و لباس۔ یہ دلفریب یلبے جو میں دیکھتا اور سنتا ہوں کہاں سے آئے۔ میں  
 تو اپنے معمولی غریبانہ دلوں اُنکے میں سویا ہوا تھا۔ وہاں یہ کچھ تو نہ تھا اتنے میں خواجہ سرا مڑے  
 پھر آیا اور پولا۔ امیر المومنین آج حضور نے نماز صبح بھی نہیں پڑھی طبعیت تو صبح ہے۔  
 ارکان دولت منتظر ہیں۔ دربار میں تشریف لیجئے اور امور سلطنت کو دیکھئے۔ کیونکہ جلاس  
 کا وقت ہو چکا ہے۔ سرور کی باتوں سے ابو الحسن کو یقین ہو گیا کہ نہیں۔ میں سوتا نہیں  
 جاگ رہا ہوں۔ مگر پھر سوچنے لگا۔ ہر شخص مجھے امیر المومنین کہہ رہا ہے۔ یہ رتبہ مجھے کیسے ملا۔  
 اور پولا۔ تو نے یہ یا قبس کس سے کہیں۔ اور امیر المومنین کسے کہتا ہے میں تو مجھے نہیں پہچانتا  
 شاید کسی اور کے دھوکے سے تو مجھے بُکار رہا ہے۔ سرور نے جواب میں عرض کی۔ خداوند۔ آپ  
 یہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کیا اس سے آپ کا مقصود غلام کی آزمائش کرتا ہے۔ امیر المومنین آپ  
 کے سوا اس وقت اور کون ہو سکتا ہے آپ ہی تو نائب رسول اور مشرق سے مغرب کے مسلمانوں  
 کے یا دشاء ہیں۔ زمین سے آسمان تک آپ ہی کی برج کے راگ گائے جاتے ہیں۔ اور یہ قدوسی  
 خاص انخاص جاذب اور رسول سے اسی دولت کا خدشاں دار اور تابعدار ہے۔ وہ اپنے خداوند  
 کو کیسے بھول سکتا ہے؟ امیدوار ہوں کہ قدوسی پر مبنی یہی سی نظر عنایت ہے۔ معلوم ہوتا  
 ہے۔ حضور کے کوئی خواب پریشانی دیکھتا ہے جیسے سبب اپنے ارشاد میں ہے میں سرور  
 کی یہ قدر و رتبتا ابو الحسن ہر وقت مار کر نہیں پڑا۔ یہاں تک کہ ہنٹے ہنٹے اُسکے پیٹ میں بی بی بیٹے

لیجا کر اسے سونگھا دیا۔ ابو الحسن کو فوراً چھینکا آئی اور آنکھیں کھولنے چاہا کہ تھوڑے کے کہ ایک  
 خواص نے چاہے اسے سونیکے انگلہ ان میں یلیا۔ تاکہ فرش پر نہ گرے۔ ابو الحسن نے پھر سر ہٹکے  
 پر کہ مکان کو چاروں طرف سے دیکھا۔ اور ہنسے اجنبی پاکر نہایت متحیر ہو اُسکی آرائش اور  
 زیبائش کا کیا ہی کتنا تھا۔ پھر سنانے کھڑی ہوئیں حسین خراصوں کی طرف نظر جا پڑی۔ وہ  
 اور بھی متحیر ہوا۔ اور سوچنے لگا۔ الٰہی میں خواب میں ہوا یا بیداری میں۔ مگر شاہد رات کو  
 اُس سوداگر سے خلیفہ بننے کا ذکر کیا تھا۔ وہی خیالات داغ میں چکر لگا رہتے ہیں۔ اسی حسین  
 بھی میں پھر ہنسنے آنکھیں بند کر لیں اور سونیکا قصد کیا۔ کہ ایک خواب میرا نے آگے پڑے کے  
 عزم کی۔ امیر المومنین ابیہ سونیکا وقت نہیں ہے۔ اُس کے ناز پڑے تھے۔ آفتاب نکلنے والا  
 ہے ابو الحسن کو اور بھی حیرانی ہوئی۔ مگر اُس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ خواب میرا پھر پکا ملا۔  
 نصیر خلیفہ کے محل کی جیسو ابو الحسن کمال حیرت سے دیکھتا ہے مع تصویر جو ہونے لگے



خوش مذاق دوست پر سننا انسانیت سے بعید ہے۔ خیر! اب رات بہت گزر گئی۔ آؤ اب سو رہیں۔ ابو الحسن یولا۔ بہت اچھا۔ مگر یہ حقوڑی اسی شراب جو باقی رہ گئی ہے۔ اُسے تو ختم کر لیں۔ نیز تم جب صبح کے وقت جانے لگو تو دروازے بند کر کے جانا۔ کھانا نہ رہے۔

پھر خلیفہ نے ایک گلاس بھر کے پھلے آپ پیا اور دوسرا بھر کے اُس میں بیہوشی کی کچھ دوائی ملائی۔ اور ابو الحسن کو دیکر کہنے لگا۔ یہ آخری گلاس تم مجھ سے لو۔ ابو الحسن بلا تامل اُسے لیکر چڑنگ اور سفوف نے اس جلدی سے اتر کیا۔ کہ ابو الحسن گلاس کو بے شکل زمین پر رکھ سکا۔ اور فوراً اُسکا سر اُٹو میں جا رکا۔ خلیفہ نے فوراً مسرور کو اشارہ کیا کہ اسے اُٹھالے جاو۔ اور اس گھر کو یاد رکھو۔ جب میں کہوں۔ یہیں واپس چھوڑ جانا۔ مسرور نے فوراً ابو الحسن کو کندھے پر رکھا اور خلیفہ کے ساتھ ہولیا۔ پھر وہ دونو چور دروازے سے محل کی خوابگاہ میں پہنچے اور خواجہ سراؤں و خواصوں کو جنگی اُسوت باری تھی انتظار میں پایا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے والے شب خانی کے کپڑے پہنا کر پلنگ پر لٹا دو۔ اور خبردار! کوئی شخص اپنے فرائض سے غافل نہ ہو۔ جب یہ صبح جاگے تو جو کام اور خدمت میرے جاگنے پر بجالائے جاتے ہیں وہی اسکے جاگنے پر بجالائے جائیں۔ غرض اسے ہر طرح سے میرا قائم مقام تصور کرو اور میری طرح اسے بھی امیر المومنین کہنا۔ سب نے سر تسلیم خم کیا۔ خلیفہ یہ ہدایات دیکر باہر آیا اور وزیر جعفر کو اُمدوت بلوا کر یولا۔ کہ کل ایک شخص جو اسوقت میرے پلنگ پر سوتا ہے۔ میرا لباس پہن کر تخت سلطنت پر بیٹھئے۔ اُسے میرا قائم مقام سمجھ کر تم سب اراکین دیار آداب شاہی بجالانا اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنا۔ جو انعام کسی کو دلائے میرے خزانے سے دئے جائیں۔ مسرور کو بھی ہدایت کی۔ کہ صبح کے وقت نماز کے لئے جیسے مجھے جگا کرے ہو اُسے بھی جگانا۔ غرض مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہ تصور ہو۔ یہ ہدایات دیکر خلیفہ اور جگہ چلے سو رہا۔ اور علی الصبح ابو الحسن کے جاگنے سے پہلے آپ اُٹھ کر ایک ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے اُسے تو سب کچھ دکھائی دے رہا تھا مگر اُسے کوئی تہ دیکھ سکتا تھا۔ غرض صبح ہوئی اور فریادیں اپنے اپنے رتبے پر کھڑی ہر کسکے احکام کا انتظار کرتے لگیں۔ اتنے میں مسرور خواجہ سراؤں کے ساتھ ایک ٹکڑہ سر کے میں ڈوبا ہوا پایا۔ ابو الحسن کی ناک کے پاس

ہو ستم ہی و دواع کرونگا۔ خلیفہ نے بھی اُس کا اس الذبحے عہد پر سرت ظاہر کی۔ اور کہا سب مجھے  
 تمہاری خوش رفتاری پر رشک آتا ہے اور تم پرے خوش مذاق آدمی ہو۔ انہی باتوں میں بات  
 بہت آگئی اور خلیفہ بولا۔ میں دن بھر سفر میں رہا ہوں۔ صبح کو پھر دور تک جاتا ہے۔ راستے  
 میں اب سونا چاہتا ہوں۔ تم بھی سو رہو۔ مگر تمہارے جاگنے سے پہلے یہاں سے چلا جاؤنگا  
 اور قبل اسکے کہ ہم سو رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری اس عنایت کے عوض میں میں بھی تمہاری  
 کوئی خدمت بجالاؤں۔ کوئی آرزو ہو تو بتا دو۔ ابو الحسن نے اُس پر خلیفہ کا شکریہ ادا کیا جسے  
 وہ سوداگر موصلی سمجھتا تھا۔ کہ یہی آپ کی بڑی بندہ نوازی تھی۔ کہ میرے غریب خانہ پر آکر  
 نان و نمک جو آپ کے غلاموں کے بھی قابل نہ تھا۔ تناول کر کے مجھے سرفراز کیا۔ البتہ ایک  
 بات سے مجھے ہمیشہ تکلیف رہتی ہے۔ ہمارے محلے کا مؤذن نہایت ترش رو اور ریاکار بڑا  
 ہے۔ چارم سکے اور ساتھی ہیں۔ یہ پانچوں ہر روز باہم محلے داروں کو ایذا دینے کی نئی نئی تدبیر  
 سوچا کرتے ہیں اور سب لوگ اُنکے ہاتھ سے نالاں ہیں۔ بلکہ مجھے بھی بار بار ان کے ہاتھ سے  
 تکلیف پہنچی ہے۔ لطف یہ کہ اُنکا ڈر سب کے دل پر چھایا ہوا ہے اور کسی شخص کو اُنکی شکایت  
 کی جرأت نہیں پڑتی اور خلیفہ نے پوچھا۔ پھر تم نے اسکا علاج کیا تجویز کیا؟ ابو الحسن نے  
 جواب دیا۔ میں تو ہر وقت خدا سے دعا مانگتا رہتا ہوں۔ کہ صرف ایک دن کے لئے مجھے خلافت  
 کا تخت مل جائے۔ خلیفہ نے پوچھا بالقرض اگر ایسا ہو۔ تو تم کیا علاج کرو۔ ابو الحسن بولا۔  
 سو سو ڈرے اُن چاروں نالاں نقول کو ادھر سے چار سو صرف مؤذن کو لگو اول۔ تاکہ  
 آئندہ کے لئے اُنہیں عبرت ہو۔ خلیفہ کو یہ سنکر فوراً ایک خوش طبعی سوچھ کئی۔ اور چاہا  
 کہ ابو الحسن ہی کے ہاتھ سے یہ کام پورا کرانے۔ یہ سوچھ بولا۔ میری بھی یہی رائے ہے  
 مگر خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ اگر ایک دن کے لئے تمہیں ایسے اختیارات مل جائیں اور  
 تعجب ہی کیا ہے۔ اگر خلیفہ کو تمہاری قابلیت کا علم ہو جائے۔ اور وہی ایک دن کے لئے  
 تمہیں اپنا قائم مقام کر دے۔ پھر تم اُن مؤذنین کو حسب و نحوہ سزا دے سکو گے۔ کاش  
 میرا کچھ اختیار ہوتا تو میں اس بارے میں تمہاری مدد کرتا۔ ابو الحسن بولا۔ تم مجھ پر متسخر  
 کر رہے ہو اور مجھے شینج چاہی سمجھتے ہو گے۔ خلیفہ بولا۔ حاشا وکلا۔ ہرگز نہیں۔ تمہارے جیسے



میں بھی بچا تا تو نظر بچکے کترا جاتے اور دیکھ لینے پر مٹھرانے کی کوشش کرتا تو یہاںے بنانے لگتے اور ایسی طوطا چٹنی سے بڑا فسردہ ہوا اور دل میں پچھتانے لگا اور جن لوگوں کے لئے بیٹے اپنی ساری جائیداد تباہ کر لی یہ انکا حال ہے۔ غرض ایک دن ایجالت میں ماں کے پاس گیا۔ وہ کہنے لگی میں تو آگے سے جانتی تھی۔ کہ تیرا ایک دن یہی حال ہوگا۔ اب بتا تکلیف میں کون کام آتا ہے۔ ابو الحسن ماں سے یہ جواب پا کر اپنے چند معتد رفیقوں کے پاس گیا۔ اور اُسے کچھ روپیہ اوھار مانگا۔ مگر سب نے نہایت سیر و قی سے جواب دیا۔ ابو الحسن باپس ہر پھر ماں کے پاس آیا اور آخر عہد کیا کہ آئندہ کسی بغدادی سے راہ و رسم نہ کروں گا۔ پھر بقیہ جائیداد بیچ کر سرمایہ جمع کیا۔ کیونکہ اُسے ہمانوں کے ساتھ کھانے کی عادت ہو گئی تھی۔ اسلئے ہر روز چار گھڑی دن ہے بغداد کے پل پر چلا جاتا اور کسی تازہ وار مسافر کو گھر لے آتا۔ رات کا کھانا اُسکے ساتھ کھاتا۔ صبح اُسے دواغ کرویتا۔ اور کہدیتا کہ دہریائی کر کے پھر یہاں مت آنا۔ ایک دن حسب معمول وہ پل پر بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ مارون الرشید سے مدد بھیڑ ہوا۔ خلیفہ نے اسوقت موصلی سوداگر کا بھیس بدلا ہوا تھا اور خواجہ سرا مسرور بھی اُسی لباس میں اُسکے ساتھ تھا۔ خلیفہ کا دستور تھا کہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کی شام کو رعایا کا نیکو بد و رفت کرنے کے لئے کوئی بھیس بد لکر شہر میں نکلا کرتا تھا آج بھی وہ اس مقصد کے لئے موصلی سوداگر کے لباس میں بغداد کو آ رہا تھا۔ ابو الحسن نے سلام علیک کہی اور رات کی دعوت کا ذکر زبانی پر لایا خلیفہ نے رُو دعوت خلاف دستور سمجھ کر اسکی بات مان لی۔ غرض ابو الحسن اُن دن کو اپنے ہمراہ گھرا لیا اور دیوانہ خانے میں مستہر بٹھا کر دسترخوان سلانے لارکھا۔ ابو الحسن کی ماں اُس کی خاطر خود کھانے پکایا کرتی تھی اور بڑے لذیذ کھانے تیار کرتی تھی۔ خلیفہ نے بڑے شوق سے سیر ہوکر کھایا۔ پھر میوے آئے وہ بھی چکھے۔ آخر میں دو نوجوان اور میزبان نے ایک دوسرے کے جامع صحبت پئے اور لطف و مذاق کا دور چاہئے لگا۔ خلیفہ ابو الحسن کی باتوں سے بہت خوش ہوا اور اسکا نام محو حسب و نسب کے دریافت کیا۔ ابو الحسن نے اپنی ساری داستان سنا دی۔ اسی میں دو ستوں کی یونانی اور اپنے عہد کا بھی ذکر کیا کہ میں نے اپنی بغداد سے ملاقات ترک کر کے راحہ کیا ہر ماہ ہے کہ ہر روز ایک تازہ وار مسافر کو رات بھر کے لئے گھر میں لارکھوں گا۔ اور صبح

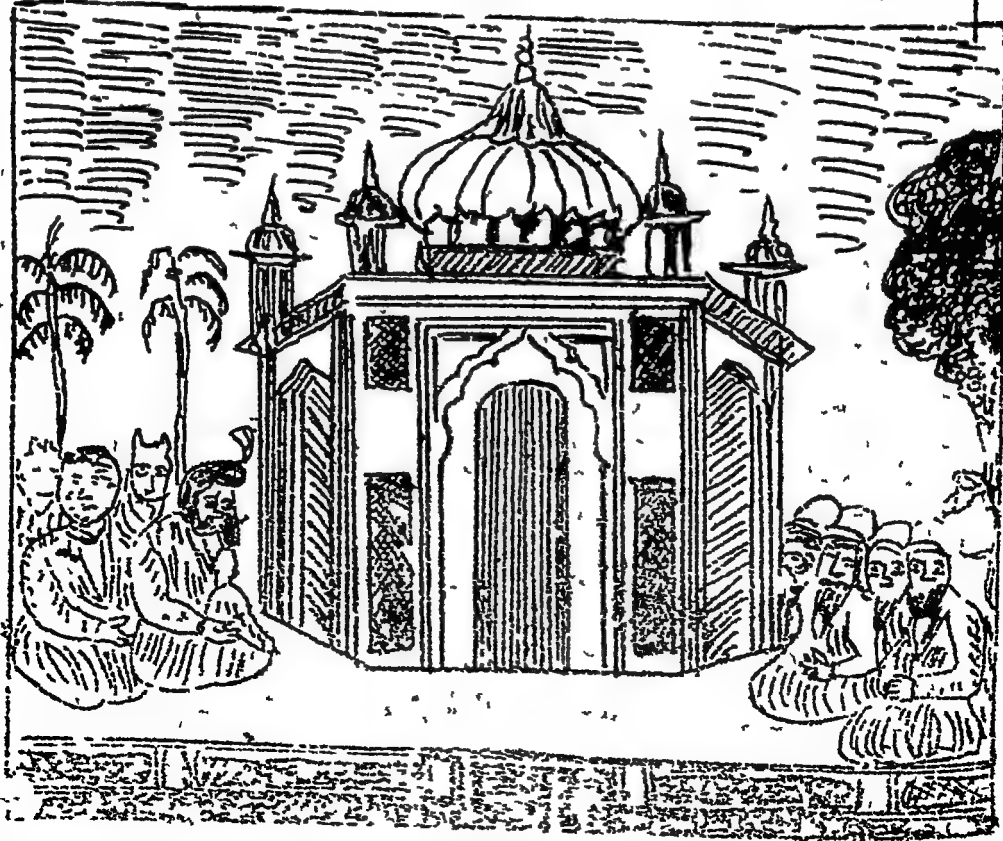
گزر رہا تھا۔ جب میں زخمی پڑا کہہ رہا تھا وہ میری آواز سن کر اندر آ گیا۔ اور مجھے زخموں سے نڈھال پا کر اپنے اونٹ پر سوار کر گھر لے گیا۔ وہاں جنگل کی لڑکیاں پیکر میرے زخموں پر چھڑا لیں۔ جن سے مجھے بہت جلد شفا ہو گئی۔ آخر میں اوہ صراہا تھا کہ راستے میں غنیم کی فوج دیکھی اور اُنکا عندیہ معلوم کر کے اپنے تئیں سب گناؤں والو پر ظاہر کر دیا۔ اور انہیں آپ کی مدد پر آکسایا۔ اور اُنسے امانت طلب کی۔ وہ بیچا بسے فوراً میرے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے اور اُنکی مدد اور آپ کے اقبال سے بیٹھے اُس غنیم کا قلع قمع کر دیا۔ یہ سن کر بادشاہ نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ جن شہزادوں نے تمہارے ساتھ ایسی بدسلوکی کی تھی۔ میں انہیں قتل کرانا چاہتا ہوں۔ خدا داد۔ نے جواب دیا۔ حضور! اگرچہ وہ اسی سرائے سزاوار ہیں۔ مگر آخر آپ کے بیٹے اور میرے بھائی ہیں۔ بیٹے انہیں دل سے معاف کیا۔ آپ بھی اب بخندیں۔ غرض بہت ہی اصرار کے بعد بادشاہ نے اُن کی جان بخشی لی اور حکم دیا۔ کہ چیل سے انہیں نہ لاجائے۔ غرض وزیر اُنہیں شہزادہ خداداد کے سامنے لایا۔ اُسے ایک ایک کی زنجیریں کڑھ کر انہیں گلے لگایا اور بڑا خوش ہوا۔ عوام اُسکا یہ سلوک سن کر بڑے خوش ہوئے۔ پھر بادشاہ نے اُسے اپنا ولیعہد مقرر کیا اور جراح کو خلعت پیش بہا اور بہت سی دولت عطا کر کے رخصت کیا۔ یہ حکایت بیان کر کے شہزادہ بولی۔ اگر آپ قصہ سوتے جاگتے کا سینٹے تو اور بھی خوش ہو گئے۔ غرض اگلے دن معمولی وقت پر دنیا زار نے اپنی بہن کو جگایا۔ اور بادشاہ نے اُنسانے کی اجازت دی اور شہزادہ بولی۔

### خلیفہ مارون الرشید اور سوتے جاگتے کی داستان

جانب من اخلیفہ مارون الرشید کے زمانے کی بات ہے کہ بغداد میں ایک بڑا سوداگر رہتا تھا اُسکے صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ ابو الحسن۔ جب وہ مر گیا۔ ابو الحسن اوسکی دولت کثیر کا مالک بنا اور کچھ بچے اُڑانے لگا۔ اپنے دوستوں کو بھی اس قدر دیا کہ وہ مالدار ہو گئے۔ مگر اسکا خزانہ بچھوٹے لگا۔ آخر اُسے باقی ماندہ دولت کے دو حصے کئے۔ ایک سے جو بیاباں اور جاہل و خیر کی اور دوسری بصورت نقد رکھ کر روزمرہ کے اخراجات اس سے کیا کرتا۔ مگر اُسکے اسراف میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ایک سال کے بعد زر نقد کی طرف سے وہ بالکل کنگال ہو گیا۔ صرف کچھ جاہل و تر رہی۔ دوستوں نے بھی جب اُصلحتی چھاؤں دیکھی تو کنارہ کر گئے۔ بلکہ اگر وہ راستے

قتل کا سب سامان تیار ہوا۔ اسی وقت خبر ملی کہ ایک غنیم شہر ہیرن کی طرف چڑھا چلا آ رہا ہے  
یادشاہ بہت گھبرایا اور افسوس کیا کہ اگر آج خدا داد ہو تا تو اس آئینہ کے کانک میں دم کرتے  
پسپا کرتا۔ بہر حال ہیرن کی فوج بھی تیار ہو کر تفصیل سے باہر نکلی اور آج بوائے لشکر کا نام کہ  
رول لیا۔ مگر ساتھ ہی بھاگ جانے کی بھی تیاری کر لی۔ الفتحہ دو نو فوجیں آئینے سامنے آگئیں  
اور میدان کا رزار گرم ہوا اور قریب تھا کہ ہیرن کی فوج تہ تیغ ہو جائے۔ اتنے میں دوسری  
طرف سے ایک فوج سواروں کی دکھائی دی۔ دو لشکروں کی لگا ہیں اور ہر اسی جم گئیں اور  
چند منٹ کے لئے اڑانی رُک گئی۔ آخر اس نئی آئینہ والی فوج نے غنیم کے لشکر پر اس جوش و خروش  
کے ساتھ حملہ کیا کہ انہیں بھاگتے راہ نہ ملی۔ اور سب کے سب وہیں ڈھیر ہوئے۔ یادشاہ ہیرن  
اس غیبی مدد پر شکر بجالایا اور قاصدوں کو سر لشکر کا نام دریافت کرنے کے لئے بھیجا معلوم  
ہوا کہ شہزادہ خدا داد اس فوج کی کمان کر رہا ہے۔ یادشاہ پھر سیدہ شکر بجالایا۔ غرض باپ  
میٹا آئینے سامنے ہوئے۔ باپ نے خدا داد کو گلے لگایا۔ منٹوں میں یہ خبر سارے لشکر اور پھر  
سارے شہر میں اُڑ گئی۔ محل میں تو خوشی کا عالم نکلیا۔ اور شہر کے باشندے کمال ہسر و نظر  
آتے تھے۔ یادشاہ کہنے لگا مجھے تمہاری تمام جوانمردیوں کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ خصوصاً  
اپنے کی سخت بھائیوں کو قید سے بھڑانے اور پھر اس کے عوض میں انہوں نے جو بدسلوکی کی۔  
شہزادی دریا پار بنے تھے سب کچھ سنا دیا تھا۔ وہ یہیں آگئی ہے اور تمہارے خون کا قصا  
لینے کو کہتی ہے۔ بلکہ آج تمہارے بھائی مارے ہی گئے ہوتے۔ اگر وہ آفت نہ آ جاتی جسے  
تم نے اپنی جوانمردی سے ٹالا ہے۔ یہ شکر شہزادہ پہلے اپنی ماں کے پاس گیا وہ بہت خوش  
ہوئی اور اسے گلے لگایا۔ پھر شہزادی کے پاس آئے بھی سیدہ شکر ادا کیا۔ یادشاہ نے غنیم  
کا سر کٹ کر سارے شہر میں پھرایا کہ لوگ دوہرے جشن منائیں۔ غرض گھر گھر رنگ رلیاں ہونے  
لگ گئیں۔ نراں بعد شہزادی اور ملکہ فیروز نے حاضر ہو کر یادشاہ کو فتح پر مبارکباد دی۔ شہزادہ  
خدا داد بھی وہیں تھا اور سب کے سب پھر گلے ملے اور دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے  
مگر شہزادی ملکہ اور یادشاہ کو کمال تعجب اس بات کا تھا کہ خدا داد جیسے سے کیسے غائب ہو گیا  
آخر استفسار پر خدا داد نے جواب دیا۔ صبح کے وقت ایک شہر تھوار دہقان میرے خیمے کے پاس

سب کے آگے آگے تھا۔ آئے۔ اور مقبرے کا تین دفعہ طواف کر کے بولے۔ اے عزیز! اگر ہماری  
 دُعا سے تمہیں کوئی مل سکے تو ہم بجان و دل حاضر ہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی چلے گئے۔ چربچاس پلو پہ  
 سفید یا یوں پر سوار چکے زین مرصع تھے سروں پر جو اہرات کی ٹوکریاں لئے ایسی طرح پھریں اور جو  
 سب سے چھوٹی تھی۔ سامنے آگے بولی اے شہزادے! اگر ہمارا حق تمام کام آئے تو ہم حاضر  
 ہیں۔ پھر یہ گردہ بھی چلا گیا۔ آخر بادشاہ اور اس کے ہمراہی تین دفعہ شہزادے کی تصویر کے گرد گھومتے  
 پھر بادشاہ آنکھوں میں آنسو پھر کے بولا! امیرے نور چشم! تیرے بغیر یہ آنکھیں بے نور ہو ہی ہیں  
 انہیں جلد روشن کر اور رو و صوئے محل کو چلے گئے۔ دروازہ مقبرے کا بند کیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ  
 نے سختے میں ایک دن وہاں جا کر ماتم کرنے کا معمول بنالیا۔ کئی عینے بسطج گذر گئے۔ ایک دن قیدی  
 شہزادوں کا خیال آگیا اور وزیر کو حکم دیا کہ خدا داد کے قصاص میں سب کے سر قلم کر دے۔ غرض ہنگامہ  
 تصویر خدا داد کے مقبرے کی اور سواروں اور فقیروں اور بادشاہ کا گریہ و ماتم کرنا



بند خانے میں لیپے کے بند کرو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ پھر بادشاہ نے ایک مہینے کے لئے دوبارہ کو بند کرنے کا حکم دیکر وزیر کو ساتھ لیا اور ملک فیروز کے محل میں آیا۔ پھر وزیر کو حکم دیا کہ تو سرے میں جا کر شہزادی دریا پار اور جراح کو عزت کیساتھ میرے پاس لے آ۔ غرض وزیر بہت سی فوج اور اُمرائے دربار کو ساتھ لیکر سرائے کی طرف چلا اور شہزادی کو ملک بادشاہ کی طرف سے سب مراعات سمجھائے۔ پھر اُسے اور جراح کو سوار کر کے بڑی عزت کے ساتھ واپس آیا۔ اسے میں لوگ شہزادی کی سواری دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے اور باہم چرمیگو بیاں کرنے لگے کہ اب شہزادہ خدا داد کا کچھ پتہ ملیگا۔ آخر سواری محل کے دروازے پر پہنچی اور شہزادی بادشاہ کو دیکھتے ہی نیچے اتر آئی۔ پھر بادشاہ کے قدموں پر ہوتی۔ بادشاہ اُسے ملک فیروز کے پاس لے گیا۔ پھر تینوں ایک دوسرے کے گلے لگ کے خوب روئے۔ جب دل ہلکے ہوئے۔ شہزادی نے عرض کی۔ اُمیدوار ہوں کہ جن لوگوں نے میرے شوہر کی بے قصور مارا ہے اُنے اُسکا عوض لیا جائے۔ بادشاہ نے اُسے تسلی دی کہ مجھے خود اس بات کا خیال ہے۔ پھر لولا۔ اگرچہ مجھے اپنے پیارے بیٹے کی لاش نہیں ملی لیکن اُسکا ایک مقبرہ بنوانا ضروری ہے۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ جلد شہزادہ خدا داد کا ایک عالیشان مقبرہ تیار کرانے۔ غرض وزیر نے شہر میں ایک اچھی جگہ منتخب کر کے وہاں پیر شہزادے کا شاندار مقبرہ تیار کرا دیا اور اُسکے اندر خدا داد کی سنگین تصویر ترشوا کے رکھی جب بادشاہ کو تیاری کی اطلاع ملی اسنے ماتم کرنے اور قرآن خوانی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ اُس دن تمام اراکین دولت عساکر سلطانیہ اور محلوں کی لوندی غلام مقبرے پر حاضر ہوں۔ غرض وہ دن آیا اور شاہی ملازموں کے علاوہ شہر کے باشندے بھی کیا مرد و کیا عورت جو جوق مقبرے پر حاضر ہوئے پہلے بادشاہ اراکین دولت کیساتھ مقبرے میں داخل ہوا اور فرش مکلف پر بیٹھ گیا۔ پھر سواروں کا ایک رسالہ آیا جنکی آنکھیں نیم باز تھیں اور سر جھکے ہوئے تھے۔ دودھ اس رسالے نے مقبرے کا طواف کیا اور تیری دفعہ سامنے آکر کھڑا ہو کر نکارتے لگا۔ اسے شہزادے اگر ہمارے قوت بازو سے تمہاری رائی ملن ہو تو ہم حاضر ہیں۔ لیکن حکم خدا سے مجبور۔ یہ کہہ کر وہ جدھر سے آئے تھے چلے گئے۔ اُنکے بعد ایک سو گشتہ نشین مردانِ ضامن میں سے ایک کے سر پر بیاری کتاب رکھی تھی اور

جراح نے سمجھایا۔ تمہارا جانا خالی از خطرات نہیں ہے۔ مکن ہے تمہاری خبر پا کر تمہارے دیور  
 مہیں مروادیں۔ پھر کیا ہوگا۔ مناسب یہ ہے کہ پہلے میں جا کے ملکہ کو خبر دیتا ہوں۔ پھر وہ آپ  
 ہی تمہارے پلوتے کا بندوبست کر دیگی۔ یہ کہہ جراح شہر کی طرف چلا گیا۔ اثناء راہ میں اُسے  
 ملکہ فیروز کی سواری ملی جو اونٹ پر سوار ایک مسجد کی طرف جا رہی تھی اور اُسکے ساتھ خرموں اور  
 سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد دل جی تھی۔ جراح کو اس اتفاق پر کمال مستر ہوئی اور ملکہ کی سواری  
 کے ساتھ مسجد تک ہو لیا۔ جب ملکہ مسجد میں پہنچی۔ پہلے اُس نے اپنے بیٹے کی سلامتی کے لئے دعا  
 مانگی۔ جب لوگ بھی دعائیں اُسکے شریک ہوئے۔ پھر اپنے ہاتھ سے غزب اور محتاجوں کو اشرافیاں  
 تقسیم کیں۔ کیونکہ بادشاہ نے نظر مانی ہوئی تھی کہ خدا داد کے آنے تک اُسکی والدہ اپنے ہاتھ سے  
 خیرات تقسیم کیا کر لگی۔ اتنے میں جراح نے ایک غلام سے کہا۔ میں ملکہ سے ایک راز کی بات کہا  
 جاتا ہوں اور وہ راز اُسکے مطالب کا ہی ہے۔ غلام نے جواب دیا۔ چپکے سے محل تک لگا چل  
 غرض وہاں سے فارغ ہو کر ملکہ محل کو روانہ ہوئی۔ جراح بھی سب کی طرح ساتھ تھا۔ اور جب  
 وہ محل میں پہنچی۔ غلام نے جھپک کر عرض کی۔ ایک اجنبی آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے  
 ملکہ نے اجازت دی اور غلام جراح کو اُسکے سامنے لیگیا۔ جراح جھپک کے آداب بجا لایا اور  
 شہزادی دریا بار کی زبانی ہوا سا حال خدا داد کا عرض کیا۔ وہ سنتے ہی غش کھٹکے گر پڑی  
 خواصوں نے گلاب چھڑکا اور نیکھایا۔ جب ہوش آیا۔ جراح سے بولی۔ اب تم جا کے شہزادی کی  
 میری اور بادشاہ کی طرف سے تسلی کرو۔ عنقریب ہم خود وہاں آتے ہیں۔ یہ کہہ جراح کو نصرت  
 کیا اور آپ بیٹے کی یاد میں رونے لگی۔ اتنے میں بادشاہ بھی آگیا اور ملکہ کو گریاں دیکھ کر سب لپچھا  
 اُس نے جو کچھ جراح کی زبانی خدا داد کے ساتھ اُسکے بھائیوں کے سلوک کی بابت سنا تھا۔ سب  
 سنا دیا۔ اور کہتے لگی کہ آپ کی بیوہ بیوہ اب سترائے ہیں اور سی کے لئے ٹھہری ہوئی ہے۔ بادشاہ  
 اپنے بیٹوں سے کہا کہ ناراض ہو اور غضب میں بھرا ہوا دربار میں آیا۔ سب لوگ ڈر گئے۔ پھر  
 وزیر اعظم کو حکم دیا کہ انچاسوں شہزادوں کو جس حالت میں ہوں گرفتار کر لائے۔ مگر خبردار کوئی  
 قتل نہ جائے۔ غرض وزیر اعظم نے فوج ایک شہزادوں کو مہمان گھیر لیا اور انہیں کشاں کشاں  
 بادشاہ کی خدمت میں لے آیا مگر بغیر اُسکے کہ بادشاہ اُنکا منہ دیکھے۔ فوراً حکم دیا کہ انہیں خونی

دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اتنی دیر کی وجہ پوچھی۔ لیکن بچکے اسکے وہ صحیح صحیح واقعہ بیان کرتے۔ انہوں نے یہی کہکرات ٹال دی کہ ان! ہم تو فورتک سپر و شکار کرتے نکل گئے تھے بادشاہ بھی چپ ہو رہا۔ اب خدا داد کا حال سنو۔ شہزادی دریا پار صبح کے وقت باگی خدا داد کو ہزاروں زخموں سے گھیل اور خون میں ڈوبا ہوا پایا۔ پہلے تو سمجھی کہ وہ مر چکا اور رونے پڑنے لگی۔ مگر پھر جب نقضوں سے ذرا دُرا سانس آئے دیکھا تو اسے اطمینان ہوا اور خدا داد کے بھائیوں کو بلانے کی آرزو کی۔ مگر وہاں کوئی ہوتا تو آتا۔ اسنے سمجھ لیا کہ سب شرارت انہی بد ذاتوں کی ہے۔ پھر خیمے کے دروازے بند کر قریب کے ایک گاؤں سے کسی جراح کو بلانے لگی اور ہزار منت جب جراح کو وہاں لائی خیمے کا دروازہ کھلا پایا۔ شہزادے کی لاش کا بھی کچھ پتہ نہ تھا وہ بے اختیار ڈاڑھیں مار مار کر روتے لگی۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ کوئی جنگلی جانور شہزادے کی لاش کو لے گیا۔ اسکا رونا سنکر جراح کو بھی رحم آ گیا اور وہ اسے دلاسا دیکر اپنے ساتھ شہر کو لے آیا۔ ایک علیحدہ مکان اسکے رہنے کو مقرر کیا اور دو لونڈیاں خدمتگاری کے لئے لادیں۔ کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوتا اور بڑی عزت سے پیش آتا۔ ایک دن پوچھنے لگا۔ بی بی! اگر آپ مجھے اپنی حالت سے اطلاع دیں تو میں آپکی رفع تکلیف کی تدبیر کروں۔ جواب میں شہزادی نے سب حال سنا دیا۔ جراح بولا۔ اگر آپ چاہیں تو آپ سے خاوند کا بدلہ لینے کے لئے بادشاہ ہیرن کے پاس واد خواہی کیجائے وہ بڑا منصف مزاج ہے۔ یقیناً تمہارا انتقام لے گا۔ شاہزادی نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر جراح نے دواؤں لئے اور شہر ہیرن پہنچ کر ایک سرائے میں اترے۔ مالک سرائے سے شہر کی تازہ خبر پوچھی۔ اسنے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ کا ایک لڑکا تھا۔ بڑا جوان و اور عاقل صاحب تدبیر۔ کئی روز سے وہ گم ہے اسکی ماں نے اسے بہتہ تلاش کیا۔ مگر کچھ پتہ نہیں ملا۔ نام اسکا شہزادہ خدا داد تھا۔ اگرچہ بادشاہ کے انجانب اسکے اور بھی ہیں مگر کوئی اسکی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ اسی سبب سے نہ صرف اسکے گم ہونے کا ماننا پکڑا ہی افسوس ہے۔ بلکہ شہر کا ہر ایک باشندہ افسوسناک چور ہے جراح نے یہ سب خبر شہزادی کو جانتائی۔ اسنے چاہا کہ خود خدا داد کی ماں کے پاس جائے۔ مگر



کئے لگا۔ قاهرہ میں میرا دوست ہے۔ اُس سے اپنے ایک کینز کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ تجھے وہاں پہل کے  
 اس دوست کی قدر کرو لگا۔ غرض جہاد کا لنگا لٹکا دیا اور چل پڑا۔ اور جلد ایک چھوٹے سے بندر  
 میں جا پہنچا۔ وہاں سے اُسے کئی اونٹ غلام اور چبے خرید کر خشکی کا راستہ اختیار کیا۔ اور کئی  
 منزل با رام چل کر آخر کل اس حبشی سے مل بیٹھ رہو گئی جس کی تلوار نے سب کو موت کے گھاٹ اتارا  
 وہ لاشیں تو اُسکا من بھانا کھانا جابنیں اور ایسا بکیت جیسے یہاں محل میں لار کھا۔ پھر مجھے کئے لگا کہ  
 کل تمکے تھے قہمت ہے سوچ سمجھ کر اپنے نہیں مجھے پھر دو کر دے۔ ورنہ پھر میں دوسری طرح سے  
 اپنا مقصد پورا کروں گا۔ غرض رات تو علیحدہ کر کے میں سو رہا۔ صبح اُٹھکے مسافروں کی تلاش  
 کے لئے دور نکل گیا اور خالی اتھ پھرا آتا تھا کہ تم لگے اور کمال جرات سے اُسے کیفر کردار کو  
 سپنچا دیا۔ جب وہ شہزادی اپنا قہقہہ ختم کر چکی۔ خداوند نے تسلی دی اور کئے لگا کہ یہ نوجوان  
 شاہ ہیرن کے شہزادے ہیں۔ تم ان میں سے جسے چاہو۔ اُسکے ساتھ شادی کر لو۔ یقین ہے  
 کہ بڑے آرام سے رہو گی اور اگر تم اُن سے راضی نہیں تو جس نے تمہیں نجات دلائی ہے اُسے  
 قبول کر لو۔ شہزادی نے خدا داد کی زوجیت پر پسندیدگی ظاہر کی اور دو تو کا خلج بڑی دھوم  
 سے وہیں پڑا گیا۔ لگے دن سب لوگ ہیرن کو روانہ ہوئے۔ اور چب شہر ایک منزل کے فاصلہ  
 پر رہ گیا سب نے ڈبرے ڈال دئے۔ رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد شراب کا دور فیذا اور نشے  
 میں خدا داد بولی اٹھا۔ بھائیو! اب تمکے بننے اپنے سینے تم سے چھپائے رکھا تھا۔ مگر اب ظاہر  
 کرو بیابانی مناسبت سمجھتا ہوں۔ میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ ملکہ فیروز کا بیٹا اور شہزادہ سمیر  
 کا پروردہ۔ یہ تمکے شہزادے بظاہر سرور ہوئے اور مبارکباد کہی۔ مگر باطن میں انہیں ایسی  
 رشیدگی ہو گئی کہ غریب خدا داد کے جانی دشمن بن گئے اور سوچنے لگے کہ بادشاہ اسے غریب الوطن  
 سمجھ کر اسکی وہ قدر کر رہا ہے کہ ہم پر اسے حکمران بننا رکھا ہے۔ تو اپنا بیٹا جان کر اسکی کیا نافرمانی  
 نہ کرے گا۔ آؤ راہ ہنسی میں اسکا چلتا دھندلا کریں۔ خدا داد اپنی شہزادی کے ساتھ خدمت میں چلا  
 گیا تھا۔ جب اُسکے ناسپاس برادران یوسف نے صدام کر لیا کہ وہ سو گیا ہے۔ خیمے میں گھس  
 گئے اور تلواروں سے اُسکے پُترے پُترے کر دئے بلکہ اپنی وراثت میں اُسے قتل کر کے  
 ہیرن کی راہ لی۔ دوسرے دن جب بادشاہ کی خدمت میں بار باریاں ہوئے۔ وہ انہیں

ہے جن کا سر شکر مرصع تاج سر پر رکھے۔ پیش قیمت لباس پہنے بڑی تمکنت سے ایک عربی گھوڑے پر سوار ہے۔ وہ ایک قریب صورت اور نوجوان شہزادہ معلوم ہوتا تھا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو ہٹا پایا۔ ایک سوار میرے پاس آ کے میرا حال پوچھنے لگا۔ مگر دوسرے سوار نے میں اسے کوئی جواب نہ دے سکی۔ آخر اُسے خود ہی لڑے ہوئے تختوں سے جو بکرواں آگئے تھے۔ اندازہ لگایا کہ کوئی جہان ٹوٹ گیا ہے اور میں اُس پر سوار تھی۔ کسی تختے پر بکریاں آگئی ہوں۔ اُسے میں باقی فہم بھی میرے پاس آگئے اور مجھے تسلی دیکر میرا حال پوچھنے لگے۔ مگر میں نے ایک ہی رونا ایسا شروع کیا کہ انہیں کچھ بھی جواب نہ دیا۔ آخر شہزادہ خود میرے پاس آیا۔ اور سب افسر ایک طرف ہو گئے۔ وہ آپ بڑی مہربانی سے میرا حال پوچھنے لگا۔ میں نے آغا دے ایک ایک اپنی کہانی سنا دی۔ اُسے بڑا افسوس کیا پھر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے اور اپنی ماں کو سوپ کر میرا حال سنا دیا۔ اُسے بھی بہت افسوس کیا اور ہر وقت میری وجوہی مد نظر رکھتی۔ شہزادہ اہل میں مجھ پر عاشق ہو گیا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں بھی اُسے محبت کرتی تھی۔ ایک دن ملکہ کے محل سے بھی اسکا ذکر کیا۔ اور میں نے گد دن جھکالی۔ ملکہ نے انھا موسیٰ نیم رخصت سمجھ کر اُسکے ساتھ میرا جہاز کر دیا۔ میری پرستش پر غور کرو کہ اُسے ابھی تک بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ بلکہ عین شادی کی رات کو یکایک ہسٹے کا ایک غنیمت میرے شوہر پر چڑھ آیا اور کشت و خون ہونے لگا۔ ہمارے بہت سے آدمی مارے گئے۔ آخر اُسے ارادہ کیا کہ ہم دونو کو پکڑے۔ مگر موقع پا کر میرا شوہر اور میں دو ایک طرف بھاگے۔ اتفاقاً وہاں ایک چھوٹی سی کشتی تھی۔ فوراً اُس پر سوار ہو اُسے کھولا اور راہ خدا پر چھوڑ دیا۔ مگر تھوڑی دور چل کر دریا کا بہاؤ اُسے بہا لے چلا۔ ہم دونو مجبور تھے۔ آخر تیس دن ایک جہاز اپنی طرف آنا دکھائی دیا۔ اور جب وہ قریب پہنچ گیا۔ اُس میں سے پانچ آدمی نکلی تو اُن میں سے ایک شخص معلوم ہوا کہ وہ بحری قزاق تھے۔ آخر انہوں نے ہمیں پکڑ لیا اور اپنے جہاز پر لے گئے۔ پھر جب میرے منہ سے برقع اٹھایا۔ سب کے سب مجھ پر عاشق ہو گئے اور ہر ایک مجھے اپنے جیتے میں لانا چاہتا تھا۔ اسی بات پر انہیں تلوار چل گئی۔ سب کے سب مارے گئے۔ صرف ایک بچ رہا۔ وہ میرے شوہر کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ یہ تیرا کیا لگتا ہے۔ میں نے کہا جاندہ ہے۔ اُس سفاک نے فوراً پچارے شہزادے کو اٹھایا اور باقی میں پھینک دیا۔ میں منع کرتی رہی۔ ناچار میں نے بھی کو دپڑنے کا ارادہ کیا۔ مگر اُس نے مجھے پکڑ لیا۔ اور

جب تک تمہارا شوہر نہ ملے تو پورا مہرہ سکوگی۔ غرض رات وہیں بسر کی اور اگلے دن فجر ہوئے ہی میرا باپ اس عورت اور بچے کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ اتنے میں اہل لشکر بھی ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہیں آگئے اور میرے والد کے ہمراہ ایک خوبصورت عورت کو دیکھ کر متحیر ہوئے۔ میرے باپ نے انہیں سارا واقعہ سنا دیا۔ یہ سن کر ایک افسر نے عورت کو اور دوسرے نے لڑکے کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور شہر کو چل پڑے۔ جب میرا باپ محل میں پہنچا تو نوکی رانی کے لئے ایک جدا محل مقرر کیا اور انہیں ہر طرح کی ضروریات بہم پہنچا دیں۔ لڑکے کی بھی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام کر دیا۔ غرض اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ آخر جب اس نے شوہر کی کوئی خبر نہ سنی تو میرے باپ پر دُور سے ڈالنے لگے اور اپنے نانہ واداکا فریفتہ کر کے اس سے نکاح پڑھوا لیا۔ چند سال بعد وہ لڑکا بھی خوبصورت جوان نکلا اور علوم و فنون میں مہارت تمامہ حاصل کر لی۔ میرے والد اور اراکین دولت سب نے اسے پسند کیا اور قرار پایا کہ میرا بیٹا اس کے ساتھ کر دیا جائے اور بادشاہ کے بعد قریبی وارث تخت و تاج بنے۔ مگر میرے باپ نے ایک شرط پیش کی کہ میری بیٹی کے سوا اور کسی سے شادی نہ کرنا۔ لیکن اس جوان نے اسے منظور نہ کیا۔ اس لئے میرا عقد ملتوی ہو گیا اور وہ جوان میرے باپ کا دشمن بن گیا۔ حتیٰ کہ ایک دن اسے غفلت میں پا کر مار دیا اور میرے مارتے کے لئے محل میں آیا۔ مگر وزیر نے ازراہ نمک حلائی مجھے فوراً وہاں سے نکال کر اپنے ایک دوست کے اٹل لار کھا اور پھر ایک جہاز میں مجھے اور میری ملازم کو سوار کر کے ایک اور بادشاہ کی طرف روانہ ہوا جو میرے باپ کا دوست تھا یا جس خیال کہ اس کی مدد سے اس ملک کو آرام سے میرے باپ کا انتقام لے۔ مگر بد قسمتی شائع حال تھی۔ راستہ میں طوفان آگیا اور طوفان بھی ایسا کہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے و زیر اور سب جہاز والے ڈوب گئے۔ صرف میں مصیبتیں دیکھنے کے لئے بچ رہی اور ایک شخص میرے ساتھ آگیا۔ جان بڑی عزیز ہوتی ہے۔ اپنے اسے بچر کیا اور کنا رے آگئی۔ جب ہوش آئی۔ اپنے نہیں کیونکہ تنہا پاکر بہت پریشان ہوئی۔ اور چاہا کہ پھر وہاں میں جا سکے ڈوب مروں کہ اتنے میں بہت سے آدمیوں اور گھوڑوں کی آواز کیا بارگی سننے میں آئی۔ دیکھوں تو ایک مسلح لشکر میری طرف آ رہا

تصویر حبشی کی اور بادشاہ کا بیڑ چلا تا اور میر کا جگر دوز ہو کر حبشی کو وصل پہنچ کر



سمبھا اور فوراً کمان میں تیر خیز کر اس زور سے چھوڑا کہ وہ حبشی گردنی کھاسے گر اور گرنے کے ساتھ ہی جان دیدی۔ جب وہ وصل جہنم ہو گیا۔ میرا باپ فوراً اندر گیا۔ اور اُس بی بی کے ہند کھو لکر اُس سے حال دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا۔ یہاں سے قریب ایک قوم غول یا یارو کی سی رہتی ہے۔ اُس کے بادشاہ سے میری شادی ہوئی تھی۔ اور یہ حبشی جسے ابھی آپ نے ہلاک کیا ہے۔ میرے شوہر کا مصاحب اور مجھ پر عاشق تھا۔ ایک دن موقعہ پا کر مجھے اور میرے بچے کو وہاں سے نکال لایا اور یہاں لا رکھا۔ ہر روز مجھ سے ارادہ ہلا کا قصد کرتا تھا۔ مگر آج تک جس طرح ہو سکا میں نے اپنے تن میں بچایا۔ آخر میوہ ہو کے جواب دیدیا تو باپوس ہو کے یہ مجھے قتل کر دینا چاہتا تھا۔ کہ خدا نے میرے بچانے کے لئے آپ کو بھیج دیا۔ میرے باپ نے اُسے قتل دی۔ اور کہا کہ صبح کو میں تمہیں اپنے شہر میں لیچوں گا۔ وہاں

سے مار ڈالا۔ میں عصمت اور حرمت بچاکے بھاگی جاتی تھی کہ راستے میں اس مرد مخمور زنگی کے  
 ابو چڑھ گئی۔ یہ سنکر سب شہزادوں نے اصرار کیا۔ کہ وہ بی بی اپنا سارا حال سنا لے اور اسے  
 سنی دی کہ بی بی! آپ تمہیں انتشار اللہ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ بتلی زکھو۔ یہ سنکر وہ بولی۔ میرے  
 حالتے ہیں دریا پار ایک مشہور شہر ہے۔ میرا باپ وہیں کا حکمران تھا۔ مگر لا ولد ہی کے سبب وہ  
 سینہ دیکر رہا کرتا تھا۔ اور خدا سے ایک فرزند کی دعا مانگتا رہا۔ آخر ایک مدت دراز کے بعد میں بچتے  
 اسکے گھر میں پیدا ہوئی۔ اور میرے باپ نے مجھے آداب سلطنت اور قوانین شہر باری میں اچھی طرح  
 سے تعلیم و تربیت دلائی۔ اسی خیال سے کہ ہوسکے بعد میں ہی اس کے تحت کی وارث بنوں گی قصداً کا  
 کیا دن وہ شکار کے لئے نکلا اور جنگل میں ایک گورنر کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ شام ہوئی مگر گورنر  
 اتھ نہ آیا اور لشکر بیت و در رہ گیا۔ آخر میرا باپ گھوڑے سے اتر ایک راہ پر چو بیٹھا۔ کہ شاید  
 آخر قحاک کہ پھر اسی طرف آجائے۔ تو اسوقت میں اسے مار لوں گا۔ اتنے میں یکایک اس کی نظر  
 ایک روشنی پر جا پڑی۔ سوچا۔ شاید آبادی قریب ہی ہے۔ رات وہیں بسر کرنا چاہئے۔ مگر کھٹکے  
 کے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ایک جھونپڑی کے درمیان سے روشنی کی شعاعیں نکل رہی  
 ہیں۔ ایک ایک دیو سیل دراز قد حبشی بیٹھا ہے۔ سامنے شراب کے مشکے بھرے ہیں۔ اور کیا ب  
 ان پر بھون بھون کے کھار رہا ہے۔ اسی جھونپڑے میں ایک طرف اسے ایک خوبصورت عورت  
 جی دکھائی دی جس کے ماتھے پاؤں رسیدوں سے جکڑے تھے اور سامنے ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا  
 ان کے منہ کی طرف تھک رہا تھا۔ میرے باپ کو بشارت حاصل ہوئی۔ اور ارا وہ کیا۔ کہ تیار سے اس  
 دیوی کا سرا ہار دے۔ مگر موقع ٹھیک نہ تھا۔ ناچار انتظار میں بیٹھا کہ حبشی کب پرست پر کے  
 آئے اور میں اسکی خبروں اتنے میں وہ سپاہ و سوار سے مشکے خالی کر کے اور کیا ب چکے گرائے  
 دیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور بولا۔ دیکھ ظالم! میں تجھ سے کقدر محبت رکھتا ہوں مگر تو میری  
 دشمنی بکھے سمجھتی ہے۔ کیوں نہیں اپنا جان کے تو بھلا مجھے پیار کرتی؟ یہ سنکر اس بی بی کا چہرہ  
 تھا اٹھا اور وہ بڑے غصے سے چلائی۔ ابے اے غول بیابانی! تو مجھ پر چاہے جقدر ظلم کرے  
 مگر تو اپنی مراد کو ہرگز نہیں پہنچ سکیگا۔ وہ دیوان باقوں سے غصے میں خبر گیا اور تلوار نکال کر  
 ہلکا تھا کہ اس مظلوم کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ میرے باپ نے وقت کو ضائع کرنا مناسب نہ

نکال کر دروازہ کھول دو اور بے کھٹکے اوپر چلے آؤ۔ غرض خدا داد نے کنبھول کا کچھا نکالا۔  
 اور دروازے کھول کر اُس والاں میں گیا۔ جہاں وہ بی بی تھی۔ خدا داد کو دیکھ کر وہ  
 استقبالیہ کے لئے دوڑی اور اپنے تئیں اُس کے قدموں پر گرا دیا مگر خدا داد نے اُسے  
 فوراً اٹھایا اور باہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ کہ یکا یک آہ و بکا کی آواز کان میں آئی۔  
 خدا داد نے پوچھا یہ کون سورہا ہے۔ اُس بی بی نے اشارے سے بتایا کہ اُس بچے  
 تہ خانہ میں بہت سے آدمی بند ہیں۔ جنہیں اس جیشی تے اپنی خوراک کے لئے ذخیرہ رکھا ہو  
 تھا۔ اس وقت وہ ہر روز اُن میں سے ایک کو نکال کر کباب بنا کے کھا جاتا تھا۔ اُس لئے  
 اُن میں غوغا مچ رہا ہے۔ کہ آج خدا جانے کس کی باری ہے۔ یہ سن کر خدا داد نے فوراً تہ خانہ  
 کا دروازہ کھولا وہ اور بھی چیخنے چلانے لگ گئے۔ مگر خدا داد نے انہیں تسلی دی کہ اب وہ  
 ملعون میرے ماتھے سے مارا گیا ہے تم اطمینان رکھو اور باہر آؤ۔ پھر دوڑنے تلکے اُن سب کی  
 رنجیری اُتاری اور انہیں باہر نکال کر ہوا میں لائے۔ روشنی میں خدا داد کی نظر اپنے گمشدہ  
 بھائیوں پر پڑ گئی۔ اور انہیں پا کر وہ بہت خوش ہوا۔ ہر ایک کو گلے لگا کے باقی قیدیوں سے  
 الگ کیا اور یہ دیکھ کر اُسے اور بھی مسرت ہوئی کہ اُن میں سے کسی کا نقصان بھی نہیں ہوا تھا  
 وہ بی بی بھی یہ حال دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ پھر خدا داد نے اُس مکان کے سامان سے سب  
 قیدیوں کی دعوت کی اور ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیکر وداع کرنے لگا۔ مگر وہ حیران تھا۔ کہ اس  
 حق و وق جنگل سے وہ پیدل کیسے نکل سکیں گے۔ لیکن سب نے کہا ہمارے ساتھ ہمارے  
 اونٹ بھی تھے۔ جو ممکن ہے کہ مصطیل میں ہونگے۔ غرض وہ مصطیل میں گئے اور سب کے اونٹوں  
 کو بچھا ملت بندھایا۔ شہزادوں کے اسچانس گھوڑے بھی وہیں موجود تھے اور ان مویشیوں  
 کی خدمت پر کسی جیشی غلام تھیں تھے۔ انہوں نے اسیروں کو جیب چھوٹا ہوا پایا۔ سمجھے کہ فرار  
 ہوا گیا۔ اس لئے ہی اونٹن کو وہ بھی جنگل کو بھاگے مگر کسی نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ اسکے بعد سب کے  
 شہزادوں کے سوا باقی سب لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اور خدا داد اُس بی بی سے مخاطب ہو کر  
 بولا۔ بتائیے۔ بتائیے۔ اب آپ کو کہاں بھیجنا چاہئے۔ اور آپ کا وطن کونسا ہے۔ اُس نے  
 جواب دیا۔ میرا وطن مصر ہے اور میرا باپ وہاں کا حکمران تھا۔ مگر بے خبری میں ایک ظالم نے

اسکی صورت دیکھ کر ڈرا اور دُعا مانگی۔ الہی! تو ہی ہے جو مجھ سے اس دیو پر فتح بخشنے۔ پھر تلوار نکال بڑی دلاوری سے حبشی کا انتظار کرنے لگا جب وہ قریب آیا۔ شہزادے کو ہتایت مضیق تصور شہزادہ خدا داد کی حبشی مرم فوار سے لڑنے اور شہزادی کی کھڑکی سے دیکھنے کی



سمجھ کر زہ پکڑ لیتا چاہتا تھا۔ کہ خدا داد نے فوراً تلوار کا ایک ماتھے دیا جو اس کی ران پر پڑا وہ بھی تلملہا اٹھا اور جواب میں تیج کا وار کیا۔ خدا داد اگر اپنی خبی سے اس وار کو خالی نہ دیتا تو گھوڑے سمیت کھیرے کی طرح چر گیا ہوتا۔ مگر اس نے بڑی بھرتی سے اس مرم فورنگی کو حیران کر آیا۔ پھر فوراً تلوار کا ایک دار اس شان سے اپنے حریف پر کیا۔ کہ تیج سمیت اس کا دہنہ ماتھے کے زمین پر جا رہا۔ شہزادے نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور دوسرے ماتھے میں اس کا سر پھیرا اور اس پر سے پھینک دیا۔ وہ بی بی کھڑکی سے یہ حال دیکھ رہی تھی۔ جب حبشی کی لاش کو زمین پر لٹے دیکھا۔ چھل پڑی اور پکار کر شایاں دی۔ پھر کہنے لگی اس مرم کو کی جیب سے نکلیاں



سے شکار کے لئے ایک دن کی چھٹی مانگی۔ وہ غریب اپنے ارادے سے واقف نہ تھا۔ اس لئے فوراً منظور کر لیا۔ اور شہزادے شہر سے باہر چلے گئے۔ تین دن گزر گئے۔ اپنے ایک کونی پتہ نہ ملا۔ خدا داد کو بڑا فکر ہوا۔ اتفاق سے بادشاہ بھی پوچھ بیٹھا۔ کہ شہزادے کئی دن سے ویسے میں نہیں آئے۔ خدا داد نے جواب دیا۔ حضور! پر سول مجھ سے ایک دن کی چھٹی لیکر شکار کھیلنے گئے تھے۔ مگر میں خود جبران ہوں کہ کیوں ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔ بادشاہ بڑا خفا ہوا۔ اور بولا۔ اگر تم اُن کے ساتھ چلے جاتے تو کیا تمہارے پاؤں کی ہندئی ترقاتی اب تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس وقت جاؤ اور جہاں سے ملیں بڑھوڑ کے لاؤ۔ خدا داد بادل غمگیں وٹاں سے نکلا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ارادہ کر کے کہ اگر شہزادے نہ ملے تو میں بھی شہر بیرن میں قدم نہ رکھوں گا۔ غرض صحرا پہنچے پھرتے پھرتے اُسکا گذر اتفاق سے ایک سبزہ زار کے قریب ہل گیا۔ جو ایک چھیل میدان کے درمیان واقع تھا۔ اُسے بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر غور سے دیکھا تو وٹاں ایک محل سنگ سیاہ کا بنا ہوا بھی پایا خدا داد اُسے بڑھک محل کے پاس گیا۔ اور محل کی ایک کھڑکی میں ایک حبیبہ کو پریشان حال دیکھ کر اور بھی حیران ہوا۔ خدا داد کو محل کے پاس کھڑا پا کر وہ حبیبہ بولی۔ اے جوان یہ جگہ نہایت خوفناک ہے۔ خدا کے لئے یہاں سے جلد بھاگ جا۔ ورنہ ابھی ایک ظالم ہاتھ تجھے شکار کر لیگا۔ مالک اس مکان کا ایک مردم خوار دیو پھیل جیسی ہے۔ جو اہل رسیدہ اُسے بجاتا ہے اُسے وہ اپنا لقمہ بنا لیتا ہے۔ یہ سن کر خدا داد بولا۔ بی بی! تم کہاں کی رہنے والی ہو اور کون ہو؟ جواب میں وہ عورت لعلی میں مصر کے ایک جلیل القدر خاندان سے ہوں۔ بغداد کو جا رہی تھی۔ اتفاقاً اور مجھے قید کر کے مجھ سے وصال کا آرزو مند ہے۔ مگر اس وقت تک نیٹے اپنے پیٹیں اس ناپاک کے ہاتھ سے بچائے رکھا ہے۔ اگر آج اُسکا کہنا نہ مانو تو غل۔ تو یقیناً مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ مگر تم تو ابھی یہاں کھڑے ہو۔ بھاگو! بھاگو! دیکھو!!! وہ ظالم آ رہا ہو گا۔ پانچ بچا لے گی۔ تو کیا فائدہ ہو گا ابھی وہ بی بی اتنی باتوں میں تھی کہ وہ جیسی بھی آئندہ ہوا وہ ایک غول بیا بانی تھا۔ نہایت جیسے اور ہتیاک صورت۔ ایک قوی ترکی گھوڑی پر سوار بھاری تینا کمر میں لٹکائے چلا آتا تھا۔ خدا داد

حتی کہ انکار ہو جس سال میں اُسے حسن و جمال اور قوت و کمال کا شہرہ چار سو میں پھیل گیا۔ ایک دن  
 اُسے سنا کہ جسکے باپ کے کئی دشمن ملک بنیرن پر حملہ آور ہو کر اُسے قبضے میں لانا چاہتے ہیں  
 فوراً اپنی ماں کے پاس گیا اور عرض کی کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو جا کر اپنے باپ کے  
 دشمنوں کا قلع قمع کروں۔ ماں نے جواب دیا۔ اگرچہ مجھے تمہاری جُدائی گوارا نہیں ہے۔  
 تاہم ایسے موقع پر تمہارا جانا ہی ضروری ہے۔ لیکن شہزادہ میسر نے اجازت نہ دی۔ تاہم  
 وہ کئی دن کے بعد شکار سے بہانے ایک عربی گھوڑا۔ جو ہر دار تلوار اور ترنگش و کمان بیکر ملک  
 ہیرن کو چل پڑا۔ اور وہاں پہنچ کر بادشاہ کی خدمت میں اپنے تئیں پیش کیا۔ بادشاہ اُس  
 کے قد و قامت اور حسن و جمال کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حسب و نسب کا حال پوچھا خدا واد  
 نے جواب دیا حضور! میرا گھر قاہرہ میں ہے۔ وہاں کے ایک امیر کبیر کا لڑکا ہوں۔ بشتقی حسیا  
 گھومتا گھومتا آپ کے شہر میں آگیا ہوں۔ اور ملازمت کا اُمیدوار ہوں۔ بادشاہ نے فوج  
 میں ایک معزز مرتبہ عطا فرمایا۔ اور شہزادے نے فوج کا چارج لیکر ہر شخص سے ایسا  
 اچھا سا لوگ کیا کہ سپاہی لوگ اُس کے گردیدہ ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ فوج کو آئین فوج  
 کی تعلیم دیکر آراستہ پیراستہ کر دیا۔ حتی کہ ارد گرد کے بادشاہ ملک ہیرن کی فوج کی تیاری  
 سن کر اپنے ارادوں سے باز رہے۔ پھر تو بادشاہ کے دل میں اُسکی عزت اور بھی بڑھ گئی۔ اور  
 اُسے سپہ سالاری کا عہدہ عطا کر کے اپنے معزز مصاحبوں میں شریک کر لیا۔ اُسکے علاوہ وہ  
 نئی سے نئی عنایت کرتا۔ حتی کہ شہزادے بھی اُس سے رشک کھانے لگ گئے۔ ایک دن بادشاہ  
 نے اُسکی قابلیت سے مسرور ہو کر شہزادوں کو تعلیم و تربیت کے لئے اُسکے سپرد کیا۔ شہزادے  
 خلد سے جلد کیا ب ہو گئے اور آپس میں صلاح کر لی کہ اس اجنبی کو یہاں سے ذیل کر کے  
 نکالو! عجب بات ہے۔ ایک نے کہا آؤ! اسے کسی دن موقع پا کر قتل کرو! لیکن دوسرا  
 بولا۔ نہیں۔ اس طرح سے ہم بادشاہ کے موردِ الزام بنینگے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک دن اس  
 سے شکار کی اجازت لیکر کسی دور دراز شہر میں جاویں اور پھر دیر تک وہاں سے نہ لوٹیں  
 بادشاہ کو جب ہماری جُدائی ناگوار گذریگی۔ وہ آپ ہی خواہو کر اسے نکال دینگا یا مروا دینگا۔  
 پھر ہم واپس آجائینگے۔ یہ سن کر سب نے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور اگلے دن اُنہوں نے خدا واد

زندگی بسر کرتا رہا۔ شہزادے نے یہ حکایت ختم کر کے دنیا زاد کے کہتے پر ضاوا اور دریا پار کی  
دوستانہ سنائی شروع کی :

## شہزادہ ضاوا اور شہزادی دریا پار کی داستان

جناب عالی! شہر ہیرن کا ایک شہر بار ملک و مال کی طرف سے مرفہ الحال مگر اولاد کی طرف سے سخت  
مایوس تھا۔ اگرچہ اُس کے محل میں پچاس بی بیائیں تھیں۔ لیکن بیٹیاں بھی کسی سے نہ ہوئی تھیں۔  
ہمیشہ دست پر عار رہتا۔ آخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی مرد بزرگ کہہ رہا ہے۔ اے بادشاہ  
پیری و عاقبول ہوئی۔ جیسا کہ کھٹکے جب نماز سے فراغت پالے۔ پائیں باغ کے مانی سے ایک انار  
منگا کے اُسکے پچاس دانے کھا لیجئے۔ انشا اللہ تو اپنے مقصد کو پہنچے گا۔ بادشاہ یہ خواب خوش  
دیکھ کے بڑا مسرور ہوا۔ اور حسب ہدایت نماز پڑھ کے ایک انار منگا یا۔ پھر گن کے پچاس دانے  
کھائے اور باری باری سے رات کو اپنی بی بیوں کے پاس جانے لگا۔ قدرت خدا سے سب  
کی سب حاملہ ہو گئیں۔ مگر ایک کو جس کا نام فیروز تھا محل کا کوئی نشان ظاہر نہ ہوا۔ بادشاہ  
کے سمجھا وہ باندھ ہے اور پرے درجہ کی منحوس۔ اسلئے اُسے قتل کر دینا چاہئے۔ مگر وزیر  
نے سمجھا سمجھا کہ بادشاہ کو اُس کے قتل سے باز رکھا۔ بادشاہ نے کہا اچھا اگر تم اُس کے قتل  
کے خلاف ہو تو کم از کم اُسے شہر سے ضرور نکال دو۔ وزیر نے رائے دی۔ اُن ایسے بھیکے ہیں  
اسے اپنے بھتیجے شہزادہ سیر کے پاس بھیج دیتے۔ بادشاہ نے وزیر کی رائے پر عمل کرتے فیروز  
کو شہزادہ سیر کے شہر میں بھیج دیا۔ اور لکھا۔ کہ جب اس کا محل ظاہر ہو جائے تو کوئی کچھ پیدا  
ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دینی۔ غرض فیروز وہاں پورے نہینوں کے بعد ایک چاند سا بیٹھا  
جئی۔ شہزادہ سیر نے فوراً بادشاہ کو مشرہ سُنا یا اور میاں رکھا کہ بیٹی۔ اس کے جواب  
میں بادشاہ نے مسرت ظاہر کی اور لکھا۔ کہ باقی بیگمات کے ماں بھی خدا تعالیٰ نے بیٹے کو  
عمایت کئے ہیں۔ تم اُس لڑکے کا نام ضاوا رکھو اور ادائیگی رسومات کے لئے جو کچھ درکار  
ہو لکھو۔ یہاں سے بھیج دیا جائے۔ غرض شہزادہ سیر نے ضاوا کی تربیت میں برل کو شش  
کی۔ اور جب وہ چلنے پھرنے لگا۔ لائق فانی استاد نوکر رکھ کر اُسے ہر علم و فن کی تعلیم دینی لائی۔

شہزادہ زین سے بولا۔ اب تم اپنے گھر کو چلے جاؤ۔ وہیں تہ خانہ میں تم نویں تصویر پاؤ گے۔ غرض  
 شہزادہ زین رخصت ہو کر بھرے ہیں آیا۔ مگر وزیر زادی کے فراق میں اُسے سب کچھ بھولا ہوا  
 تھا۔ اراکین دربار اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ماں نے بھی بلایا لیں۔ پھر اُس نے  
 ماں سے سارا قصہ سنا دیا۔ ماں نے جواب دیا۔ اب چلو اُس تہ خانہ کو دیکھیں۔ شاد جہات  
 نے جرم وعدہ کیا تھا اب یہ ہے اُسے ضرور پورا کیا ہو گا۔ شہزادہ زین اگرچہ وزیر زادی کے خیال میں  
 اُس تصویر کی یاد بھلا بیٹھا تھا مگر ماں کے کہنے سننے سے آخر اُس نے خانے میں اُترا اور نویں پہلے  
 پہلے کسی الماس کی تصویر کے اسی بی بی کو بیٹھے پایا جسے وہ شاد جہات کے پیش کر آیا تھا۔ یہ  
 بچا نکر وہ بڑا حیران ہوا۔ کہ یہ یہاں کیسے آگئی۔ وزیر زادی اُسے شہزادہ پاکر بولی معلوم ہوتا ہے  
 آپ یہاں مجھ سے کسی اچھی چیز کے پانے کیلئے آئے تھے اور اب اُسے نہ پاکر آپ حیران ہو رہے ہیں  
 شہزادہ بولا۔ خدا گواہ ہے۔ میری پیاری اہلک تمہارے فراق میں جس طرح میرے یہ دن گزرے  
 ہیں۔ میں تو ہرگز نہ چاہتا تھا کہ تمہیں شاد جہات کے پیش کروں۔ مگر میرا ساتھی مجھے دُرانا تھا  
 کہ اگر میں شاد جہات کا وعدہ پورا نہیں کروں گا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ ناچار جبراً تو ہر تمہیں  
 بادشاہ کو دے آیا۔ اب یہاں تمہیں پاکر گویا مجھے نعمت غیر مترقبہ مل گئی ہے۔ جس کے لئے  
 میں اپنے تئیں نہایت خوش پاکر حیران ہو رہا ہوں اور تم مجھے اُن جیسی ہزار تصویروں سے  
 یڑھ کر ہو۔ اتنے میں وعدہ کی سی آواز سنا لی وہی اور تہ خانہ لڑنے لگا۔ شہزادے کی والدہ دُکھی  
 لڑنے میں شاد جہات آدمی کی شکل میں آ حاضر ہوا اور ملک کو مخاطب کر کے بولا بلکہ میں تمہارے بیٹے  
 کو بہت محبت کرتا ہوں اور جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس نازنین کو محبت کرتا ہے۔ نیز یہ بھی اس پر  
 عاشق ہے اور وہ محض وعدہ ایقانی کے لئے اسے مجھے دے آیا ہے تو میں اسے یہاں پہنچا  
 سے پہلے اس بی بی کو یہاں پہنچا دیا۔ اب اب یہ بی بی اسے مبارک ہو۔ اور زین! سنو تم نے اگر  
 کوئی اور بی بی کر کے اسے آزدہ کیا۔ تو آپ جان سے ماتہ دھو گے بلکہ ہر طرح سے اس کی  
 خاطر داری منظور رکھو۔ یہ کہہ الماس کی نویں تصویر بھی اُسے عنایت کی اور جد ہرے آیا  
 تھا اور ہر ہی غائب ہو گیا۔ پھر تہ خانہ سے باہر نکلا مگر زو کو کا نکلا پڑ گیا اور سارے ملک  
 میں وزیر زادی کے ملک بھر ہونے کی سادہ کی گئی۔ یہ جو زادی پر تک عیش و عشرت میں

کر بیٹنگے تودہ کبھی آپ کا سوال رٹو نہ کرائیگا۔ غرض زین کو ساتھ لے کے موقون وزیر کے گھر گیا اور وزیر نے شہزادے کی عالی خاندانی کا حال سُنا کر اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کرنا منظور کر لیا پھر لڑکی کو اجازت دی کہ ایک دفعہ بڑھو آتا کر شہزادے کے سامنے آجائے۔ جب وزیر کی لباس فاخرہ پہنکر آئی اور شہزادے کے سامنے سے نقاب اُٹھایا۔ شاہزادہ ہزار جان سے اُس پر فریفتہ ہو گیا۔ آمینہ دکھایا۔ تو اُس میں بھی وزیر زادی کی صورت جوں کی توں دکھائی دی۔ اب تو اُسکی نیت پکڑ گئی اور دل میں ارادہ کر لیا کہ جو ہوسو ہو۔ میں اسے اپنے عقد میں لاؤنگا۔ جب ہر طرح سے تسلی ہو گئی وزیر نے قاضی اور گواہوں کو پکڑا کے دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور تین دن تک شہزادے کو اپنے گھر حمان رکھ کے بڑے تکلف سے دعوت دی اور لاکھوں کا جہیز دیکے چوتھے دن خست کیا۔ پھر مبارک نے کہا اب یہاں رہنا فضول ہے قاہرہ چلو اور حوا قرار تم شاہ جنات سے کرائے ہو اُسے پورا کرو۔ زین بولا۔ میں تو خود اس عروس پر عاشق ہوں۔ شاہ شاہ کہ کیسے دونگا۔ مبارک بولا۔ زہنا اس خیال کو بھی دل میں راہ نہ دو۔ ورنہ لینے کے دینے پڑ جائینگے۔ زین نے دل سخت کر کے کہا۔ تو پھر تم اسے میری آنکھوں سے اوجھل کر دو۔ ورنہ میں مجبور ہونگا۔ مبارک نے مناسب انتظام جوڑ پٹ کر دیا۔ اور سارا قافلہ قاہرہ کی طرف چل پڑا اور دھڑل سے راہ جزیرہ جنات کی لی۔ راستے میں وزیر زادی نے مبارک سے کہا۔ ابھی تک میرے شوہر کا ملک نہیں آیا؟ اور روز عقد کے بعد آج تک اپنے شوہر کی صورت بھی مجھے نظر نہیں آئی۔ اسکا کیا سبب ہے۔ مبارک نے اب بات کو چھپا کر کھنا جانز شبھا۔ اور جواب دیا۔ بی بی! سچ تو یہ ہے کہ شہزادے نے اپنا نکاح تہلے کے ساتھ بصرے جانے کیلئے نہیں پڑھوایا تھا۔ بلکہ وہ تمہیں شاہ جنات کے پیش کرنے کے لئے بغداد سے لایا ہے جس سے اُسے ایسا وعدہ کیا تھا۔ اور اب تم اسے کیسے نہ دیکر سو گئی۔ یہ کلام سُنا وزیر زادی بہت گھبرائی اور یولی۔ لوگو! میں بسکیں ہوں محمد پر رحم کر۔ حشر کے دن خدا کو کیا جواب دو گے۔ یہ سُنا دونوں کو رحم تو آیا۔ مگر

کون سنتا ہے فغانِ درویش و قبرِ درویش بجانِ درویش  
 اسی حالت میں وہ اُسے کشاں کشاں شاہ جنات کے پاس لیگئے۔ جسے لڑکی کو پسند کیا اور

خفیہ کو بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ تو جانتے ہو اُسکے ساتھ ہیں اور آپ کو بھی سنگسار کیا جائیگا۔ کہیوں  
 تم نے اطلاع نہیں دی تھی۔ ایسے شخص سے ہمیں بچنا چاہئے اور کو تو ال کو خبر دینی چاہئے تاکہ  
 کل کو ہم پر کوئی حرف نہ پڑ سکے۔ رہنے اُسکی رہنے کی تاکید کی۔ اور اُنہ کے گھروں کو چلے گئے۔  
 موذن بھی تھک آیا اور دل میں صلاح کیلئے اُگا کر کل خبر لو لگا۔ دیکھو دل تو سپہ جی کی سخاوت کہاں  
 چاہتی ہے۔ اتفاقاً اُس کی شام والی تقریر میں مبارک بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ مکان میں  
 آیا۔ پانچواں اشرفیاں اور کچھ نقان کپڑے کے پیکے موذن کے گھر گیا۔ دروازے پر دستک دی تو  
 موذن نے بڑی کھٹ آواز میں جواب دیا۔ یہاں تیرا کیا کام ہے؟ مبارک یولا میرا شہزادہ  
 پہلے تازہ وار و سائر ہے اور آپ کے مہل کے میں آکے ٹھہرا ہے۔ اسے آپ کی نیکی حضایل  
 کا تو کر شکر بخدا خوشی ہوئی ہے اور مجھے یہ حقیر غریب دیکھ بھیجے کہ میں آپ کی خدمت میں  
 شوق و دیار کا اظہار کر رہا ہوں۔ نہ کہ کچھ اشرفیوں کو عیال دے رہا ہوں۔ لہذا یہاں موذن کے سامنے  
 رکھ دیتے۔ موذن کی جتنے عمر بھر میں کبھی اتنا مال نہ دیکھا تھا۔ آکھیں کھلی گئیں اور نہایت  
 خوش آمد کر مبارک سے کہنے لگا۔ اپنے آقا کو میرا سلام تیار عرض کر دیکھو اور منور رہا کیجیو  
 کہ عیدیم انفرستی کے سبب میں خدمت میں نہ حاضر ہو سکنے سے شرمزہ ہوں۔ انشا اللہ  
 کل فجر کو آؤنگا۔ جب صبح ہوئی۔ مراد نے نماز پڑھا اسکے ناز یوں سے کہا کہ کل سینے میں جس شخص  
 کا حال تم سے بیان کیا تھا۔ رات بھر مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ ایک عالی شان انسان شہزادہ ہے  
 اسلئے اب اس کی کوئی شکایت تم لوگوں کو کو تو ال سے نہ کرنی چاہئے۔ یہاں لے کہا بہت اچھا  
 غرض ہر شکہ ہر لول کو شہزادہ زین کی طرف سے معاف کر کے وہ نکلا آیا اور بے تکلف لباس زیب  
 تن کر کے شہزادہ کی ملاقات کے لئے گیا۔ زین نے اُسکے بڑی خاطر واری کی کہ مراد خوش  
 رہ گیا اور پوچھے لگا آپ کا ہوا میں آئے سے خاص تعلق کیا ہے۔ شہزادہ نے جواب دیا۔  
 مجھے ایک چہرہ سالہ حسین اور صاحب عصمت لڑکی چاہئے۔ مراد نے سوچ سوچ کر جواب دیا۔  
 ایسی لڑکی کا بغداد میں ملنا اگر چہ محال ہے تاہم میں آپ کو ایک جگہ بتا دیتا ہوں۔ لڑکی کا باپ  
 پہلے وزیر تھا اب وہ گوشہ نشین ہے۔ اسے اپنی لڑکی کو دینی علوم اور فرائض کی کامل طور پر  
 تعلیم و تربیت دی ہے۔ یقیناً وہ لڑکی آپ کے صاحب زادہ ہوگی۔ اگر آپ اس کے لئے وزیر ہو تو

اور وہ یہ ہے کہ اب تم یہاں سے جاؤ اور میرے لئے ایک پندرہ سالہ صاحبِ عصمت باکرہ ازبین تلاش کر لاؤ۔ لیکن خیر وار کسکے ساتھ کوئی اور ارادہ نہ کرتا۔ زین بولا۔ اور تو فیہر انگریج کیسے معلوم کر سکیں گے کہ وہ صاحبِ عصمت بھی ہے۔ شاہ جنات مسکرا کر بولا۔ تم نے سچ کہا۔ یہ علم خدا کے پاک نے ہی آدم کو نہیں دیا۔ بلکہ ہم لوگ بھی اس سے محروم ہیں۔ تاہم میں تمہیں ایک آئینہ دیتا ہوں۔ اس میں جس لڑکی کی شکل جوں کی توں نظر آئے وہی پاک و امن ہوگی۔ غرض تم بہت آسانی کے ساتھ اس کے ذریعے سے یہ رختان کر سکو گے۔ لیکن خیال رکھنا۔ اگر تم نے وعدہ الیائی نہ کی تو جان سے جاؤ گے۔ زین نے اقرار کو تازہ کیا۔ اور شاہ جنات سے آئینہ لیکر دو نوخصمت ہوئے۔ جب مذی کے کنارے پہنچے۔ وہی ملال دکھائی دیا کہ کشتی لئے تیار کھڑا ہے۔ دو نو اسکی کشتی پر سوار ہو کر پار اتر گئے اور آگے بڑھ کر اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے قاہرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر زین نے خیر روترا ام لیا اور پھر حضرت طلب کی۔ مبارک تھے جواب دیا یہاں کیا حسین لڑکیوں کی کمی ہے۔ زین بولا۔ مگر مجھے کیا معلوم؟ کہ ایسی لڑکی کہاں سے ڈھونڈنی چاہئے۔ مبارک نے ایک بڑھیا دلالہ عتالہ کو بلوایا اور اسے چند ہی روز کے اندر پشمار پندرہ سالہ حسین و ازبین لڑکیاں حاضر کیں۔ مگر زین جسکی شکل آئینے میں سے دیکھتا۔ آئینہ نگہ نہ ہو جاتا۔ ناچار دو نو خیراد کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک محلے میں ایک عالیشان حویلی کرائے پر لیکر امیرانہ سیر کرنے لگے۔ انکا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا۔ اور محتاج و مساکین پر جو دست کا دروازہ کھلا رکھتے تھے جتنی کہ تھوڑے ہی دنوں میں بغداد بھر میں انکی سخاوت کی دھوم مچ گئی۔ اتفاقاً اس محلے میں مراد نامی ایک موٹن بھی رہتا تھا۔ جو بڑے آدمیوں اور تو نگروں کا سمت حاسد تھا۔ زین اصم کی سخاوت کا شہرہ اسے ایک آنکھ نہ بھایا۔ اور سخت تمکین ہو کر اسکی بچگینی کی تجاویز سوچنے لگا۔ ایک دن نماز مغرب کے بعد محلے کی مسجد میں بیٹھ کر محلہ داروں سے مخاطب ہوا۔ دوستو! میں نے سنا ہے۔ کہ ہمارے محلے میں ایک شخص نیا آئے۔ بسا ہے۔ جسکے چہرہ و سخاکی ہر شخص تعریف کرتا ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ ہر روز ہزاروں روپے بول ہی صرف کر دیتا ہے۔ مگر مجھے اس میں کڑو دکھائی دیتی ہے۔ ممکن ہے یہ شخص کوئی راہزن ہو۔ جو اس طرح سے اس آباد شہر میں ساکھ جا کر کسی بڑے آدمی کو لوٹنا چاہتا ہو۔ اگر



اٹھی اور چاروں طرف سے ہولناک آوازیں آنے لگیں۔ طوفان ویدم ترقی پر تھا۔ گویا قیامت  
 آنیوالی ہے۔ زمین گھیرا گیا۔ مبارک نے مسکرا کر کہا۔ شہزادے گھبراؤ نہیں۔ طلع ابھی صاف ہوتا  
 ہے۔ غرض وہ طوفان پیر گھٹنا شروع ہوا۔ جتنی کہ آسمان حق پرستوں کے دل کی طرح صاف تھا  
 دکھائی دیتے لگا۔ اور شاہ جہاں آدمی کی صورت میں نظر آیا۔ زمین نے اسکی صورت دیکھتے ہی  
 زمین پر سر جھکا دیا۔ شاہ جہاں مسکراتا ہوا اس کے برابر۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! عجیب تھا! مقصد  
 معلوم ہے بلکہ خواب میں بھی میں نے تمہیں اس ترخانہ کا پتہ بتایا تھا اور اس نویں ستون کی عبادت  
 بھی تمہارے باپ کے لکھ کر بیٹے ہی لکھوائی تھی۔ کیونکہ بیٹے تھا۔ باپ سے اقرار کیا تھا کہ نویں  
 تصویر تمہارے بیٹے کو دوں گا۔ خاطر جمع رکھو۔ تم ضرور اپنے مطلب کو پہنچو گے۔ مگر پہلے میرا آپ  
 کام کر لیا وعدہ کرو اور قسم کھاؤ۔ زمین نے جواب دیا۔ اگر وہ کام میرے بس کا ہو گا تو میں اس کے  
 کر لیا وعدہ کرتا اور قسم کھاتا ہوں۔ شاہ جہاں بلا ہاں! تم اسے آسانی انجام دے سکو گے  
 تصویر باو شاہ جہاں کی آدمی کی شکل بن کر آنے کی



کی ایک نشی آئی ہوئی دکھائی دی جس کا دیوان نیلی ساٹن کا تھا اور اس پر ایک نہایت زیب  
 شکل کا علاج سوار تھا۔ کنارے پر پہنچ کر اس ملاحت نے باری باری دونوں کو کشتی پر سوار کیا  
 اور چشم زدن میں دونوں کو پار لیجا کے اتار دیا۔ پھر کشتی غائب ہو گئی۔ مبارک یولا۔ اس وقت  
 ہم جس زمین پر کھڑے ہیں۔ یہ شاہ جنات کا جزیرہ ہے۔ اور دنیا کا کوئی قطعہ اسکی برابری  
 نہیں کر سکتا۔ زمین اضم و اں کی سیر سے نہایت محفوظ ہوا۔ آخر وہ لو چلتے چلتے ایسی جگہ  
 پہنچ گئے جہاں سے شاہ جنات کا قلعہ دکھائی دیتا تھا جو بالکل زر و کا بنا ہوا تھا اور اس کے  
 ارد گرد ایک عمیق اور وسیع خندق کھدی ہوئی تھی۔ خندق کے پیرونی کنارے پر گنجان  
 درخت کھڑے تھے اور اوپر سیپ کا ایک خوبصورت پل لگا ہوا تھا جس کے دونوں طرف  
 چوکی پرے کا خاص انتظام تھا۔ مبارک وہیں بیٹھ گیا اور زمین سے کہتے لگا۔ ارحم ذرا بھی  
 آگے بڑھیں تو یہ پیر بیدار جن فوراً ہمارا خاتمہ کر دینگے۔ لیکن ہم شاہ جنات کو یہیں کیوں نہ  
 بدالیں۔ جسکے پاس وہ تو بس تصور ہے جو تمہیں مطلوب ہے۔ یہ سنکر زمین بھی اس کے  
 پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر مبارک نے پاد بند زر و بدقت کے ایسی پھیلی سے لکھنے۔ ایک کمرش  
 لپیٹ لیا۔ اور دو سہرا پشت پر ڈال لیا اور سطح باقی کے دو زمین نے اوڑھ لئے۔ اس کے  
 بعد مبارک نے وہ چاوریں بچھائیں جس پر سنگ فرش کی جگہ قیمتی خوشبوئیاں مشک اور عنبر  
 جیسی رکھیں اور وہ تو بیٹھ گئے۔ مبارک نے زمین کو بھیجا دیا کہ شاہ جنات کو بلانے کے لئے  
 اب میں انہوں پر مٹھا شروع کروں گا۔ اگر وہ ہمارے آنے سے ناخوش ہوا تو سنت عقیناک  
 شکل میں آریگا۔ لیکن اگر تمہیں ناخوشی نہ ظاہر کی تو آدمی کی خوشنما شکل میں ظاہر ہوگا۔  
 تم اسے دیکھتے ہی تعظیم بجالا کر دیکھنا۔ چاور سے ہرگز جدا نہ ہونا۔ ورنہ فوراً مٹے  
 جاؤ گے۔ اس حالت میں دڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کی خدمت میں عرض کرتا  
 کہ بے شاہ جنات! میرا باپ جو قدیم سے آپ کا خادم تھا وہ مر گیا۔ امیدوار ہوں  
 کہ جو عنایت آپ سے کرتی۔ اب مجھ پر نازل ہو۔ وہ پوچھے گا تم کس بات کی طرف اشارہ کر رہے  
 ہو۔ تم نے فوراً کہا کہ وہ ادب تصور الماس کی جیسے عنایت ہو۔ عرض مبارک انہوں پر پڑھنے  
 لگا۔ خود اتار کی بھی گئی۔ بجلی چمکنے لگی اور بادل کی گرج اس زور سے سنائی دی کہ زمین کا پٹ

ڈرونگا۔ غرض مبارک نے اُسے ثابت قدم پا کر غلاموں کو سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ اور دوسرے دن نماز سے فراغت پا کر روانہ ہوئے۔ راستے میں عجائبات قدرت کا ملاحظہ کرتے ایک دشوار گزار راستے میں پہنچے۔ مبارک نے باقی سب ہمراہیوں کو وہیں چھوڑ کر پہاڑ کی کہار سے آنے کے منتظر ہو۔ اور زین کو ساتھ لیکے پیدل آگے قدم بڑھایا اور بولا۔ اب ہم اُس جگہ کے قریب آگئے ہیں۔ لیکن آپ کسی امر عجیب کو دیکھ کر ڈرنے لگائیں۔ استنار تصویر پرستی کی معہ ملاح عجیب کے اور مبارک اور زین کا اس پیر سوار ہوتا



میں وہ ایک دریائے کنارے آکھونچے۔ وہاں بیٹھ کر مبارک بولا۔ اب ہمارے لینے کے لئے ایک کشتی آئیگی۔ جیسے ایک عجیب و غریب شکل کا ملاح سوار ہوگا۔ تم اُسے دیکھ کر نہ ڈرو اور نہ اُس سے کوئی کلام کریو۔ ورنہ ہم دونوں سمندر میں ڈوب جائیں گے۔ زین نے کہا بہت اچھا۔ پیر مبارک نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور چند منٹ نہ گزرے ہوئے کہ دور سے مندر

ہو چکے ہیں۔ آپ کی عمر کیا ہوگی۔ زین نے جواب دیا۔ میری عمر میں سال کی ہے۔ تم نے مجھے کیسے دیکھا تھا۔ مبارک نے کہا۔ مگر مجھے کیسے یقین ہو سکے۔ جب تک کوئی خاص نشان نہ بتاؤ۔ زین نے اُسکے جواب میں اُس تہ خانہ کی حقیقت سنا دی۔ جسکی وصیت کے بموجب وہ قاہرہ میں آیا تھا۔ یہ شکر مبارک نے دوزانو ہوئے ادب سے عرض کیا اور بولا۔ فی الواقع تم شاہ بصرہ کے فرزند ہو۔ اب مجھے یقین آگیا۔ مگر قبل اسکے کہ ہم منزل مقصود کے لئے روانہ ہوں آپ چند روز یہیں آرام کریں۔ آج میرے ماں اُمرائے شہر کی دعوت تھی اور میں دعوت سے اٹھکے آیا تھا چلئے وہاں چکے پہلے کھانا کھا لیجئے۔ پھر اور باتیں ہونگی۔ یہ کہہ زین کو ہمراہ لیا اور مندر میں جا بٹھایا۔ آپ نہایت آداب سے اُسکے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ حاضرین یہ عجیب لک دیکھ کر یا ہم سرگوشیاں کرنے لگ گئے کہ یہ اجنبی نوجوان کون تھا جس کی خدمت میں مبارک خادوں کی طرح کھڑا ہے۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی۔ مبارک نے اُٹھ کر جماعت کو مخاطب کیا۔ اور بولا میری خدمتگاری پر جو اس اجنبی جوان کی نسبت مجھ سے ظاہر ہوئی ہے آپ حیران ہونگے۔ مگر جب آپ میری سرگزشت سینکے آپ کا تعجب و نور ہو جائیگا۔ یہ نوجوان شاہ بصرہ کا بیٹا ہے جسے مجھے دام دیکے خرید کیا تھا اور قبل اسکے کہ میں آزاد ہوں وہ وفات پا گیا۔ اب میری جان و مال سب اُسکی دولت ہے۔ کیونکہ یہی اُس بادشاہ عالیجاہ کا وارث ہے۔ زین اہتم اس کے جواب میں اُٹھکے بولا۔ اے مبارک! میں اس جماعت کو شاہد قرار دیکر تمہیں اب کلی تائید سے آزاد کرتا ہوں۔ اور سوائے ایک خدمت کے جو میں ٹھوڑی دیر پہنی تم پر ظاہر کر چکا ہوں۔ اور کچھ تم سے نہیں چاہتا۔ مبارک آداب بجالایا۔ پھر شراب آئی اور دور چلنے لگا۔ حتیٰ کہ شام پڑ گئی۔ مبارک نے ہر ایک ہمان کو اُسکی حیثیت کے مطابق تحائف دیکر رخصت کیا۔ اگلے دن دین نے مبارک سے کہا۔ اب میرا نکاح بالکل رخص ہو گیا ہے۔ اور میں یہاں سیر و تماشا کی غرض سے نہیں آیا۔ اسلئے آپ نہ بانی کر کے آپ مجھے منزل مقصود پر لے چلیں۔ مبارک نے جواب دیا میں حاضر ہوں لیکن وہ راستہ خطرات مہیب سے بھرا ہوا ہے جو تمہیں برداشت کرنے پڑینگے ورنہ آدھرا نکاح نام بھی نہ لو۔ زین نے جواب دیا تم اطمینان رکھو میں ہر طرح سے تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا اور خطرات سے پیش

# تصویر لویلیاؤں کی چشمہ تصویریں مکتبہ



اور فرلا۔ میں پھر ایک بیکار قاہرہ جانا چاہتا ہوں۔ اُپسید ہے کہ آپ بھی اجازت دے سکی۔ ملک نے  
 بستر تاجازت دی اور زمین اضم سمان سفر درست کر کے قاہرہ کو روانہ ہوا۔ جیسا پھریت  
 وائل پہنچ گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مبارک اولے شہر میں ہے ایک بڑا امیر ہے  
 غرض اُسکے مکان پر پہنچ کر اندر اطلاع کرائی۔ مبارک نے اندر آنے کو کہلا بھیجا۔ اور غلام  
 اُسے ساتھ لے گیا۔ زمین اضم کو دیکھتے ہی مبارک نے بڑے تپاک سے استقبالی کیا اور  
 چوکی پر بیٹھا یا اور اُسے کی وجہ پوچھی۔ زمین نے جواب دیا۔ کیا تم مجھے پہچان سکتے۔  
 میں شاہ بصرہ کا بیٹا ہوں۔ مبارک نے جواب دیا۔ بلاشبہ شاہ بصرہ نے مجھے غریب کیا تھا۔  
 اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ اُس کا کوئی بیٹا بھی تھا۔ مجھے اس سے جدا ہونے باقیس سال

جاکے فوراً پاپ کے خلو تنہا نے کو کھودنا شروع کیا۔ جب ایک گز بھر کھود چکا تھا کہ کے میٹھ گیا  
 پھر بہت کر کے اٹھا۔ اور یکا یک کدال سنگ مرو کی ایک چٹان پر جا کے لگی۔ اس نے پھر کرواں  
 سے سر کرایا۔ جس کے نیچے ایک دروازہ دکھائی دیا۔ اُسے قتل توڑ کر دروازہ کھولا تو نیچے ایک  
 رزمہ نظر پڑا۔ وہ فوراً شمع جلا کر اندر اتر گیا۔ جا کے کیا دیکھتا ہے کہ ایک وسیع دالان میں جسکی  
 دیواریں چینی کی اور چھت بلور کی بنی ہوئی ہے۔ چار سیپ کی پتیاں بھی ہیں اور ہر پتائی کے دس  
 دس خم سنگ سماق کے چٹے ہیں۔ زمین نے سمھایا۔ انہوں میں پڑائی شراب ہوگی۔ مگر جب سر توڑ  
 اٹھایا۔ اُن کو اشرفیوں سے بھرا ہوا پاکر اُسے بہت خوشی ہوئی۔ پھر ایک غم سے مٹھی بھر  
 اشرفیاں نکال لیجا کر ماں کو دکھائیں۔ وہ بھی حیران ہو کر اُس کے ساتھ آئی اور اُن غموں  
 کو اشرفیوں سے پُر دیکھ کر کہنے لگی۔ بیٹا! خدا نے یہ دولت تمہیں بہت محنت کے بعد دی ہے  
 اسلئے پہلے کی طرح ضائع نہ کمنوادینی۔ زمین نے کہا۔ آپ اطمینان رکھیں اب میں بالکل سدھر  
 گیا ہوں۔ اتنے میں ملک کی نظر ایک چھوٹے خم پر پڑی۔ وہ بھی سنگ سماق کا بنا ہوا تھا  
 دو تے جا کر اُسکا سر پوش اٹھایا۔ تو اُس میں سے ایک طلائی چابی نکلی۔ ملک نے کہا۔ مگر یہ  
 کسی اور خزانے کی ہے۔ احتیاط سے یہیں کسی دروازے کا پتہ لگاؤ۔ غرض دو نو کھودنے  
 لگے اور آخر تختہ بند کی کا ایک دروازہ مقفل پا ہی لیا۔ جب اُسے کھولا۔ ایک اور وسیع مربع  
 مکان دکھائی دیا۔ جس میں تو طلائی پیلیا کے کمرے تھے۔ آٹھ پہر تو ایک ایک تصویر انسان  
 کی ایک ایک ٹکڑے الہام سے ترشی ہوئی رکھی تھی۔ جنکی چمک سے سارا مکان روشن ہو  
 تھا۔ مگر نواں پیلیا یہ خالی تھا۔ صرف بیحد ساٹن اسپر منڈی ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا  
 کہ الہی! ایسی خوشنما اور بیش قیمت تصاویر میرے پاپ کو کہاں سے ملیں۔ اور یہ نواں پیلیا  
 کیوں خالی ہے۔ پھر اُس نے غور سے دیکھا تو اُس ساٹن پر یہ عمارت لکھی ہوئی تھی۔  
 بیٹا! یہ آٹھویں تصاویر کا چھ نایاب اور بیش قیمت ہیں۔ مگر تو ان سے ہزاروں گنا  
 خوبصورت اور بیش بہا ہے۔ اگر تو اُسے بھی لینا چاہے تو قافروں میں جا کر میرے پورے  
 غلام مبارک کا پتہ پوچھ لینا و ان اُس کے نام سے بچ بچو گاہے۔ وہ تھے میرا بیٹا جا کر  
 ایسی نگاہ لیا گیا۔ جہاں سے وہ تصویر مل سکتی ہے۔ زمین نے اپنی ماں کو یہ وصیت دکھائی

کھینچتیں رفع ہو جائیں گی جب زین الصنم جاگا۔ اس نے اپنی ماں سے خواب کا حال سنایا۔ وہ بولی۔ صرف خواب پر اعتماد کر کے میں تمہیں اتنے بڑے سفر کی راتے نہیں دے سکتی۔ خواب و خیال کا اعتنا نہ ہی کیا۔ زین نے جواب دیا۔ اکثر خواب راست بھی تو ہوتے ہیں۔ علاوہ ان میں وہ بڑا متیرک صورت معلوم ہوتا تھا۔ ہر حال مجھے یقین ہے کہ یہ خواب سچا ہوگا۔ اس لئے میں قاہرہ پہنچ کر اپنی قسمت آزمائی کرنا چاہتا ہوں۔ اسکی ماں نے بہت برا بھلا کیا۔ مگر وہ مرغ کی ایک مالک بن گئی۔ آخر سلطنت اپنی ماں کے سپرد کی کہ خود سامان سفر درست کیا اور قاہرہ کو روانہ ہوا۔ جب بہت سی وقت اٹھا کر وہاں پہنچا اور اجنبی ہونے کے سبب ایک مسجد کے دروازے پر لات بسر کرنے کے لئے سو رہا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ وہی مرد پیر پھر کچھ کہہ رہا ہے۔ سناتا تو معلوم ہوا۔ وہ کہتا ہے۔ اسے زین اب مجھے فقط تیرا امتحان مطلوب تھا۔ اب میں تم پر بہت خوش ہوں۔ تم کل ہی یہاں سے واپس ہو جاؤ۔ تمہارا مقصد تمہیں اسے دارا خلافت میں ہی حاصل ہو جائیگا اور اپنی عالی ہمت کے سبب سے تو اس قدر دولت پائیگا کہ کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ زین الصنم جب جاگا۔ اپنے دل میں کہنے لگا۔ یہ بھی عجیب بوڑھا ہے۔ اگر میرا مقصد میں حاصل ہونا تھا تو اُسے یہاں آنے کی کیوں تکلیف دی۔ خیر! پھر بھی اچھا ہوا۔ کہ مینے ماں کے سوا اور کسی کو اس حال سے آگاہ نہیں کیا۔ ورنہ لوگ میری بوقوتی پر تھے لگاتے۔ غرض وہاں سے وہ لوٹ کر سپر لبرہ میں آیا اور ماں سے قاہرہ والے خواب کا ذکر کیا۔ وہ بولی میں نہ کہتی تھی۔ مگر تم تسلی رکھو۔ اگر دولت قسمت میں ہوگی تو گھر بیٹھے ہی ملیگی۔ لیکن آگے کی طرح اُسے فضول بات میں نہ کنواؤں۔ زین نے حمد کیا کہ اب میں سنبھل کر رہوں گا۔ غرض اسی رات پھر خواب میں وہی بوڑھا دکھائی دیا۔ اب کہہ رہا تھا۔ زین! وقت آ رہا ہے کہ تو ایک بھاری خزانے کا مالک بنائے۔ اُس نے اور کل اپنے باپ کے خدمت گار کا فرش کھودا۔ وہاں تمہیں وہ خزانہ ملیگا۔ زین فوراً اُسٹھ بیٹھا اور اپنی ماں سے یہ بتایا خواب بھی سناتا دیا۔ وہ بولی بالکل ابلہ فریبی ہے۔ اور میں تو اسکی کچھ بھی اہل نہیں سمجھتی۔ مگر زین نے کہا۔ تم کچھ سمجھو۔ میں تو اسے پتھر کی گیسر سمجھتا ہوں۔ اسلئے کہ دوسرے خواب میں اُسے مجھے کہا تھا کہ میں نقطہ تیری آزمائش کیا چاہتا ہوں۔ ماں نے بہت برا بھلا کیا۔ مگر بڑا! تو اپنے تئیں وقت میں مت ڈال۔ مگر زین نے ایک۔ بھی نہ سنی اور



کا نہایت ہی علاج تھا۔ اسکی رعایا ہمیشہ دست پر عاری تھی کہ ہمارے بادشاہ کو بھی خدا تعالیٰ  
 جیتا جائے اور چشم عطا کرے۔ آخر بڑھپے میں خدا تعالیٰ نے اسے ایک بیٹا دیا جس کا نام زمین  
 رکھا گیا۔ بادشاہ نے شاہی منجوں سے اسکا زانچہ بنوایا۔ وہ سب بالاتفاق بڑے شہزادے  
 کی عمر تو بہت بڑی ہو گئی۔ صاحب جرات بھی ہو گا۔ مگر اسے خطرات ہولناک ہونے کا اندیشہ ہے۔  
 بادشاہ نے کہا کوئی پرواہ تمہیں۔ میرا بیٹا صاحب جرات ہو گا اور بادشاہوں کو خطرات اور  
 مصائب سے کب گزیر ہوتا ہے۔ غرض نجومیوں کو بہت سا انعام ملا۔ اور جب شہزادہ تعلیم پانے  
 کے قابل ہوا اس کے لئے بہت سے قابل استاد ملازم رکھے گئے اور وہ بہت چھوٹی سی عمر میں  
 ہر فن سولہ ہو گیا۔ اتفاقاً ایک دن بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ صبح کی بیماری ترقی پانے لگی اور وہ  
 قریب المرگ ہو کر زندگی سے یاروں ہو بیٹھا اور بہتر مرگ پر شہزادے کو بلا کر نصیحت کی کہ اول  
 خوشامدیوں کی خوشامد پر کان مت دینا۔ دوسرے بخشش میں اسراف سے کام نہ لینا۔ اور  
 تیسرے دور اندیش کو کبھی ماتھے نہ دینا۔ یہ کہہ کر وہ تو چل بسا اور شہزادہ اس کے ماتم میں بیٹھا  
 جب ماتم کے دن گزر گئے۔ خوشامدی صاحبوں نے آہڑا جھپٹا۔ اور زمین بھٹم کو اٹکلیو پر چڑھنے  
 لگے اور اپنے باپ کی پہلی ہی نصیحت کو بہت جلد بھول گیا۔ پھر خزانہ شاہی کے منہ کھول کر  
 ان لوگوں پر لٹا کر شروع کیا۔ اور بالکل نا عاقبت اندیش بن گیا۔ مگر اس کی ماں جو نہایت عقلمند  
 عورت تھی۔ اسے وقتاً فوقتاً سمجھاتی رہتی۔ لیکن اس پٹھر پر کوئی جو تک نہ لگتی تھی۔ آخر جب  
 ستھوڑے ہی دنوں میں شاہی خزانہ خالی ہو گیا اور اسکی برائے تظامی کا چرچا اور گرد پھیلنے لگا  
 انور سلطنت میں ضعف آنا شروع ہوا۔ فوج گھر بیٹھ گئی اور چاروں طرف قتلہ اٹھ کھڑا ہوا۔  
 تب شہزادے کی آنکھ خواب غفلت سے کھلی اور ہوشیار ہو کر جو ان مصاحبوں کی ہمنشین  
 ترک کر دی۔ انکی جگہ تجربہ کار بوڑھے ملازم رکھے۔ انہوں نے جب اسکی غلطیوں پر اسے متنبہ  
 کیا تو وہ اپنے کئے پر پڑا نا دم ہوا۔ چنانچہ درازت اسی فکر میں رہنے لگا کہ غلامی مانات کیونکر  
 کرے۔ چنانچہ ایک رات اسی غم میں اسکی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک پیر  
 جسے نصیحت کر رہا ہے۔ اسے زمین بھٹم! دنیا میں کوئی غم ایسا نہیں کہ اسے بدمسرت نہ ہو  
 اسنے اگر تو اپنے رنج و غم کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ تو فوراً قاہرہ کو جا۔ وہاں پہنچ کر تیری ساری

# قصیدہ بادشاہ اور دل شید میں غانم کی مع انجی مال و رہن کے آئینی



پارسی ستراد پتا ہوں۔ وہ ہمیشہ تھا کے ہر سچ پر رشک کیا کر گئی اور قوت القلوب کو فرمایا۔  
 تہنیں غانم کے عقد میں جانے کی اجازت ہے۔ یہ کہہ کر قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور سچہ  
 لگن میں دو نو کے عقد پڑھے گئے۔ پھر غانم کو ایک عالی شان محل رہنے کو عطا ہوا۔ اور ایک  
 بیش قرار مشاہرہ اخراجات کے لئے مقرر ہوا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ شاہی مورخ  
 اس سب داستان کو لکھ کر خوانے میں رکھیں۔ تاکہ آیندہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔ یہ حکایت نہاکر  
 شہزاد اوبلی۔ مگر یہ حکایت شہزادہ زین الحسن اور بادشاہ جن کے قصے سے زیادہ اچھی  
 نہیں ہے۔ و نیازا دے پوچھا اور وہ کیسے۔ شہزاد اوبلی ؎  
 شہزادہ زین الحسن اور ملک جن کا قصہ  
 خداوند شمت! اگلے زمانے میں بھرے گا ایک بادشاہ مال و دولت سے مستثنیٰ لیکن اولاد

میرا علاج بھی باقاعدہ کرتا رہا۔ مگر جب مایوس ہو گیا۔ مجھے یہاں بندہ میں بھیجنے کی صلاح کر کے ایک اونٹ کرائے کیا اور یہاں بھجوا دیا۔ چنانچہ ساربان کل مجھے رُی حالت میں چھوڑ گیا تھا۔ تب میں ان میں تم لوگوں کو دیکھ کر اپنے تئیں کافی صبح البدن پاتا ہوں جب غاتم اپنا حال سنا چکا۔ قوت القلوب بھی زندان میں پڑے اور پھر عجیب اتفاق سے معافی دلانے کا مال سُتایا۔ پھر سب ملکر خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ جب آہستہ آہستہ غاتم کو صحت کھلی ہو گئی۔ ایک دن یقین کر کے قوت القلوب نے قینوں کو خلیفہ کے حضور میں حاضر کرنے کی صلاح کی اور دلال کو ہزارا شرفی دیکر کہا کہ ان تینوں کے لئے شاندار امیرانہ پرشائیں سلوا لاؤ۔ جب سب کام لیس ہو چکا۔ قوت القلوب نے انکی صحت یابی کی خلیفہ کے حضور میں اطلاع دی۔ خلیفہ نے وزیر جعفر کو بہت سی سپاہ کے ساتھ دلال کے گھر بھیجا۔ کہ اعزاز و اکرام کے ساتھ غاتم اور اُن دونوں بیوں کو لیکر دربار میں حاضر کرے۔ غرض وزیر جعفر نے دلال کے گھر پہنچ کر غاتم سے معافہ کیا۔ اور فرمایا کہ امیر المؤمنین آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ چلئے یہ شکر غاتم ایک اچھے بہت عمدہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ جسکا ساز و برباق بیش بہا موٹیوں سے لکا تھا اور اُس کی ماں وہیں دو اونٹوں پر چڑھ بیٹھیں۔ وزیر جعفر غاتم کو تو شارع عام کی راہ سے دربار میں لگیا اور وہ دونوں خواہن چور دروازے سے محل میں داخل ہوئیں۔ خلیفہ اُس وقت تخت سلطنت پر جلوس فرما رہا تھا۔ غاتم نے دربار میں پہنچ کر تین دفعہ زمین خدمت کو بوسہ دیا اور پھر اٹھ کر خلیفہ کی مدح میں فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے

حاضرین اُسکی مضاحت و بلاغت کو ملاحظہ کر کے بہت خوش ہوئے۔ خلیفہ نے میسر وہ ہو کر فرمایا۔ کہ ہم تمہاری زبان سے قوت القلوب کے بچنے کا حال سنا چاہتے ہیں۔ غاتم نے نہایت ہی شستگی سے سارا حال سُنا دیا۔ خلیفہ بہت خوش ہوا اور غاتم کو ایک بیش بہا خلعت عطا فرمایا جو بڑے بڑے امراء کے لئے مخصوص تھا۔ غاتم نے شکر یہ ادا کیا اور بولا والا لا

میری آرزو ہے کہ اب بقیہ عمر حضور کے قدموں میں ہی گزار دوں۔ غرض یہاں سے فرارعت پاکر خلیفہ محل میں آیا اور قوت القلوب نے دونوں ماں بیٹیوں کو اُسکے سامنے لا حاضر کیا۔ خلیفہ نے ان کو دیکھتے ہی اُسپر عاشق ہو گیا۔ اور بولا۔ جب بیٹے تمہیں ذلیل کرایا تھا۔ اسی طرح اب تمہیں اپنے عقار میں لا کر سرفراز کرتا ہوں اور زید کو بھی جو اہل باعزت تمہاری خرابی کا ہے۔ پوری

جس کے ملنے پھر غاتم کو دیکھنے کی ساری کیفیت عرض کر دی۔ خلیفہ بہت خوش ہوا۔ اور دل میں  
 ارادہ کر لیا۔ کہ بیٹے انہیں جس طرح سے نقصان پہنچا یا۔ اسی طرح سے انہیں سرفراز کر کے  
 اس دلع کو دھو ڈالوں گا۔ اور نظر ہر لولا۔ قوت القلوب! جاؤ اور جلد اس جوان کو اور ان  
 دو نو معزز عورتوں کو میرے پاس لے آؤ۔ غرض اگلے دن قوت القلوب اس دلال کے ہاں گئی۔  
 اور غاتم کا حال پوچھا۔ اُسے جواب دیا۔ وہ اچھا ہے اور تمہارا منتظر ہے۔ یہ سکر وہ دلال  
 کے ساتھ پہلے آپ غاتم کے پاس گئی اور دونوں بیویں سے کہتی گئی۔ جب میں بلاؤں۔ تب آنا  
 قوت القلوب کو دیکھ غاتم کا کلیجہ دو ماتھ کا ہو گیا۔ اور وہ پولا۔ قوت القلوب! اسے نازنین!  
 خلیفہ نے تمہیں یہاں آنے کی کیونکر اجازت دی؟ قوت القلوب نے جواب دیا۔ میں اب آزاد  
 ہوں۔ اور خلیفہ نے وعدہ کر لیا ہے کہ مجھے تم سے بیاہ دیگا۔ بیٹے جب تمہاری بیگمنا ہی ظاہر کر دی  
 وہ بہت خوش ہوا اور اب چاہتا ہے کہ تمہارے اقربا کے ساتھ خاص سلوک کرے۔ پھر اُسکی  
 ماں اور بہن سے جو بد سلوکی ہوئی تھی اُسکا بھی حال کہہ دیا۔ وہ بہت رویا مگر قوت القلوب نے  
 کہا۔ اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم تسلی رکھو۔ تمہاری اور بہن بھی اتفاق سے یہیں ہیں۔ اور ابھی  
 تم انہیں دیکھ کر خوش ہو گے یہ کہہ کر ان دونوں بیویوں کو بلوایا۔ وہ جلدی سے آئیں اور دیر تک  
 غاتم کے گلے لگ کے مسرت کے آواز بہاتی رہیں۔ غاتم بھی رویا۔ مگر دلال نے منع کیا کہ ابھی تمہاری  
 طاقت بحال نہیں ہوئی۔ رونا تمہیں نقصان دیگا۔ یہ سکر سب نے آنکھیں پونچھ ڈالیں اور  
 غاتم بولا۔ میں گھر سے ٹھکر سارا دن چلتا رہا۔ حتیٰ کہ شام کے وقت ایک گاؤں میں جا پہنچا۔  
 بھوک سخت لگ رہی تھی اور مکان سے بدن چور چور ہوا تھا۔ مگر نہ پٹے کوئی پیہ تھا اور نہ وہاں  
 کوئی واقف تھا۔ ناچرات بھوک پیاس میں ایک مسجد کے درمیان ہی کائی بیچ کے وقت لمبے  
 قیوب کے پُر حال ہوئے تھا۔ حتیٰ کہ منہ سے بولا کہ نہ جاتا تھا۔ جب گاؤں والے نماز پڑھنے آئے  
 میری یہ حالت دیکھ کر ان میں سے ایک کو رحم آگیا۔ اُس نے مجھ سے میرا پتہ و نشان پوچھا۔  
 میں نے سوائے رونے کے کچھ جواب نہ دیا۔ اُس نے سمجھا کہ بھوک کے اسے مجھ سے بولا نہیں جاتا۔ اسلئے  
 دوڑ کر وہ گھر سے کھانا لے آیا۔ بیٹے اُسے سیر ہو کر کھایا۔ مگر پہلے دن کی لکان اور بھوک نے  
 مجھے بیمار کر دیا۔ حتیٰ کہ اُس شریف آدمی نے مجھے اپنے گھر لے جا کر بڑی خاطر سے اپنے پاس رکھا اور

تصویر غانم بیمار کی اور دلال در قوت القلوب کا حیرت سے غانم کو دیکھ کر مال بچھنا



اور نہ دوبارہ آواز سنی۔ چاروں طرف دیکھ کے بولا۔ اسے مانزین تم کہاں ہو۔ میرے سامنے کیوں نہیں آتیں۔ دلال نے جواب دیا۔ معلوم ہوا۔ کہ غانم تم ہی ہو۔ خلیفہ نے تمہارا تصور معاف کر دیا اور مساوی بھی کرا دی ہے۔ باقی حال تم قوت القلوب سے سُنو گے۔ مگر پہلے ذرا بدن میں قوت آئے۔ اور قوت القلوب غانم کی ماں کے پاس گئی اور دونوں ماں بیٹیوں کو غانم کے آئے کی خوشخبری سنائی۔ ماسے خوشی کے غانم کی ماں کو غش آگیا۔ اور نجانہ سنگھانے سے جیب پوش میں آئی۔ ارا وہ کیا کہ اپنی آنکھوں غانم کو دیکھ آئی۔ مگر دلال کی بی بی نے منع کر دیا کہ ابھی وہ بہت کمزور ہو رہا ہے۔ مبادا فرط مسرت سے شادی مرگ ہو جائے۔ پھر قوت القلوب ان کو شخصت بیک خلیفہ کے پاس گئی اور دلال نے دارا شفا سے دوائی لا کر غانم کو کھلائی۔ خلیفہ قوت القلوب کے منہ سے یہ خبر سُن کر حیران ہوا کہ اتنی جلدی تم نے ان تینوں کا پتہ کیسے نکال لیا۔ قوت القلوب نے اُس کے جواب میں دلال کو بلنے اور اُس کے گھر جانے والے اتفاق سے غانم کی ماں اور اُس کی

ہم تو ایسی مصیبت پہنچتی تھیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ یہ کہہ کر وہ دونوں عورتیں پھرتی  
 پھرتی گئیں۔ قوت القلوب نے تسلی دی اور انکی سرگزشت پر غمی۔ غام کی ماں  
 نے جواب دیا۔ بی بی! خلیفہ کی ایک معشوقہ ہے۔ قوت القلوب نامی۔ وہی ہماری مصائب کا  
 باعث ہوئی ہے۔ قوت القلوب کے کان اپنا نام سن کر کھڑے ہو گئے۔ پھر غام کی ماں نے  
 اپنا دردناک قصہ سنا دیا۔ اور آخر میں کہنے لگی۔ مگر اس سب مصیبت اور نقصان کو ہم دل سے  
 بھٹا کر غلیف کو عفو کر دیں۔ اگر ہمیں غام زندہ مل جائے۔ قوت القلوب نے پھر دیر تک اپنے  
 سین چھپاتا پسند نہ کیا اور کہنے لگی۔ بی بی! غام بیگناہ ہے اور میں وہی قوت القلوب ہوں  
 جسکی بدولت آپ کی یہ حالت ہوئی ہے۔ لیکن میرے باعث سے آپ کو جو تکلیف یا نقصان  
 پہنچا ہے۔ انشاء اللہ عنقریب اسکی کافی طور پر تلافی ہو جائیگی۔ میرے کہنے سے غام نے خلیفہ  
 کا قصہ معاف کر دیا۔ اور منتظر اسکے آنے کا ہے۔ تاکہ میری خدمت کے عوض اس کے ساتھ  
 میری شادی کرے۔ اب آپ مجھے اپنی ہوسجھیں۔ پھر وہ وہ کہنے لگی۔ قوت القلوب نے  
 کہ انشاء اللہ عنقریب غام بھی آیا چاہتا ہے۔ اتنے میں دلال بھی گھر گیا اور قوت القلوب سے  
 کہنے لگا۔ بی بی! اسی ایک ساریاں ایک بیمار نوجوان کو لیکر میرے دارالشفا کو آیا تھا۔ میں نے  
 اس نوجوان سے نام و پتہ پوچھنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صرف  
 رو دیتا تھا۔ اسکی حالت کو بہت کمزور پا کر میں یہیں لے آیا ہوں۔ اگر آپ اسے بھی دیکھنا چاہیں  
 تو چلیے۔ میں نے اس کے کپڑے بدلوا کر کچھ کھانا کھلا دیا ہے۔ قوت القلوب نے کہا۔ چلو اسے  
 بھی دیکھتی چلوں۔ غرض قوت القلوب نے اس نئے مریض کی طرف بڑے عزم سے دیکھ کر  
 معلوم کر لیا۔ کہ وہ مفقود جن کی تلاش میں اس نے سارا بغداد چھان مارا۔ یہی ہے۔ اور  
 یہ اختیار بول اٹھی۔ اے غام تیرا کیا حال ہے؟ غام جس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔ یہ  
 آواز سن کر دل اٹھا۔ پیاری قوت القلوب تم کہاں ہو؟ اور فوراً غم گھبرا کر پھر دلال اور قوت  
 القلوب نے ملکر اس پر گلاب چھڑکا اور شربت پلایا۔ جب کچھ ہوش آیا۔ دلال نے قوت القلوب سے  
 اشارہ کر دیا کہ بی بی! تم ایک طرف ہو جاؤ۔ میںا دافرطہ شربت سے اسے شادی مرگ ہو جائے  
 قوت القلوب یہ سن کر ہر دے میں ہو گئی۔ اُدھر غام نے جب آنکھ کھول کر قوت القلوب کو دیکھا

اُس سے دو چنڈا۔ اُسے انعام دیکر تیری شادی بھی اُسکے ساتھ کروں گا۔ آج سے تو اپنے  
تئیں آزاد سمجھ لے۔ قوت القلوب بہت خوش ہوئی اور غانم کے اسباب کے منہ و حق اپنی  
توبل میں کئے۔ لگے دن خلیفہ نے تمام قلمرو میں فرمان جاری کر دیا کہ غانم اب ایوب تاجر  
بہشتی کا مقصور معاف کیا گیا ہے۔ اُسے چاہئے کہ اپنے تئیں خلیفہ کے حضور میں حاضر کر کے  
اپنا اسباب بہتھالے۔ مگر اس شادی کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ نہ تو غانم کی کوئی خبر ملی اور نہ  
ہی وہ خود آیا۔ تا چار قوت القلوب نے خلیفہ سے اجازت لیکر خود اُسکے ڈھونڈنے کا قصد  
کیا اور اشرفیوں کا ٹوڑا لیکر روز خیرات کرنے کیلئے مسجدوں اور خیرات خانوں کی طرف جاتی  
ایک دن اتفاق سے اُسکا گزر جوہر لوں کے بازار میں ہوا۔ وہاں پر ایک دلال نہایت مشہور  
غریب پرور اور بخیر رہتا تھا وہ پردیسوں کی مدد اور پیاروں کی تیار داری ولی ہمدردی کے  
ساتھ کرتا تھا۔ اسی سبب سے دور دور کے محتاج اُسکے پاس آتے رہتے تھے۔ مسئول لوگ بھی  
اُسکے پاس روپیہ پیسہ بھیج دیتے اور وہ بھی دیا نڈاری کے ساتھ مستحق لوگوں پر انہیں تقسیم  
کر دیا کرتا۔ قوت القلوب نے اُس دلال کو اپنے پاس بلوایا اور ایک تیلی اشرفیوں کی اُسے  
عطا کر کے بولی۔ اس زر کو مصیبت زدوں پر تقسیم کر دیجیو۔ دلال نے قوت القلوب کے لباس  
سے انداز لگایا کہ اُسکا تعلق خلیفہ کے محل سے ہے۔ یہ سوچ کر بولا۔ بی بی! ابھی کل ہی وہ  
خستہ حال مگر شریف بی بیوں بڑی بڑی حالت میں میرے شفا خانے میں پہنچی ہیں۔ اگر یہ زر  
اپنے خود چلکے اپنے ہاتھوں سے اپنے تقسیم کر دیں تو بہت ہی اچھی بات ہوگی۔ میری بی بی نے  
آگئی خبر گیری میں اُمید ہے کہ کوئی کسر نہ رکھی ہوگی۔ مگر اُنکے نام و نشان سے ابھی کچھ مجھے  
کوئی اطلاع نہیں ملی۔ قوت القلوب نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ چلو۔ غرض دلال کا غلام  
اُسے ساتھ لیکے گھر آیا اور اپنی بی بی کو اُسکے آنے کی خبر دی۔ وہ دُور کے قدموں میں ہوتی  
قوت القلوب نے اُسکا سر اٹھا کے کہا۔ بی بی! میں تمہارے گھر آن دو شریف عورتوں کو  
دیکھتے آؤ۔ بہن۔ جو کہ یہی بہاں خستہ حالت میں آئی ہیں۔ دلال کی بی بی نے اُنکے سے  
عراپ دیا۔ وہاں حضور باہر سامنے بچھوٹوں پر پڑی ہیں۔ قوت القلوب اُدھر گئی اور  
وہ تو سے ہمدردی تھا بڑی۔ غانم کی ماں نے جواب دیا۔ بی بی خدا تمہیں جزائے خیر دے



تو نے مجھے مرنے سے بچایا۔ جسکے بدلے تو ایسی مصیبت میں پڑا۔ تیسری دولت گئی۔ گھر گیا  
 غرض خانماں پر باد ہوا۔ اور اب بھی پتہ نہیں کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ اسے خلیفہ! یہ قصور نہ  
 پڑا یا ظلم۔ کیا خوفِ خدا بھی تجھے نہیں رہا۔ ظالم! قیامت کے دن تو خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھائے  
 خلیفہ! رون الرشید بھی اپنے خیال میں چھل قدمی کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے کان کھڑے ہوئے  
 اور اس دردناک مگر آشنا آواز کو پہچان کر اس کی باتیں کان دیکے سنیں اور خوفِ خدا سے  
 کانپ اٹھا کہ فی الواقعہ مجھ سے سخت غلطی ہو گئی۔ غصے میں میں نے انصاف کا کوئی خیال نہیں کیا  
 آخر مسرور خواجہ سرا کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً قلوبِ القلوب کو آزاد کیے میرے پاس لے آ۔  
 مسرور جو قوتِ القلوب سے کمالِ اُلفت رکھتا تھا دوڑا دوڑا تہ خانہ میں گیا اور قوتِ القلوب  
 کو شردہ سنا یا۔ کہ چلو خلیفہ تمہیں یاد فرماتے ہیں۔ قوتِ القلوب اُس کے فوراً ساتھ ہوئی اور  
 خلیفہ کے صدر میں آ کے اُس کے قدموں پر گر پڑی خلیفہ نے پوچھا۔ قوتِ القلوب! تو نے مجھے  
 ظالم کیوں نہ تکرار کر لیا۔ بجا ایک میں انصاف دوست ہوں۔ قوتِ القلوب نے سمجھ لیا کہ خلیفہ نے  
 میری فریاد سن لی ہے۔ ناچار آنکھوں میں آنسو بھر کر عرض کی۔ حضور! لوندی کو خواہ مرادوں  
 یا بخشیدیں۔ مگر سچ یوں ہے کہ غانم بالکل بیگناہ ہے۔ اُس نے میری جان بچائی۔ اور کمال  
 عزت سے اپنے گھر میں پناہ دی۔ پھر پاکِ نظر کے سوا میری طرف کبھی بد نگاہی سے بھی نہیں  
 دیکھا بلکہ ہمیشہ یہی کہتا رہا۔ کہ جو چیز آقا کی ہے وہ غلام پر حرام ہے۔ خلیفہ نے فرمایا۔ بھلا!  
 جب مجھے یہاں آنے کا مل مہینہ بھر گزر گیا تھا تو نے پہلے مجھے اپنے حالات سے اطلاع کی تھی  
 نہ دی؟ قوتِ القلوب بولی حضور آپ کے آنے سے ایک ماہ پیشتر غانم یہاں سے دمشق کو  
 تجارت کیلئے چلا گیا تھا۔ میں اطلاع کیے دیکھتی تھی۔ جہن جھے آپ کے آلے کا پتہ ملا۔  
 پہنچے فوراً نورالہمار کی معرفت عرض کر دی۔ یہ سنا کہ خلیفہ اپنے کئے پر بڑا ایشمان ہوا۔ آخر  
 بولا۔ اب جو تو کہے اُسکے ساتھ سلاک کیا جاوے۔ فی الواقعہ نادانستگی میں مجھ سے بڑا ظلم ہو گیا  
 قوتِ القلوب فوراً خلیفہ کے قدموں پر گر پڑی۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ قلمرو میں سادھی کر دیو  
 کہ جتنے غانم کا قصور معاف کیا۔ خلیفہ نے خوشی اُسکی درخواست منظور کی۔ اور کہنے لگا۔  
 بہت بہتر۔ میں کل ہی سادھی کا حکم دیتا ہوں۔ نیز اُسکے اقربا کی جو دولت برباد ہوئی ہے

تھی۔ کوئی آدمی انکی مصیبت دیکھنے کے لئے شہر میں نہ تھا جتنی کہ عورتوں نے بھی گھر و نکے دروازے  
بند کر لئے کہ نہ انکی مصیبت کو دیکھیں گی اور نہ کہ عینگی تیسرے دن بھی یہی حال رہا اور چوتھے دن  
امیر محمد بن زبینی نے اعلان شائع کیا کہ کوئی شخص غانم کی ماں اور بہن کو پناہ نہ دے۔ پھر  
کو تو اں کو حکم دیا کہ انہیں شہر بدر کر دو۔ چہرہ چاہیں چلی جائیں۔ غرض دونوں ماں بیٹیاں شہر  
میں جس رشتہ دار کے ہاں بامید پناہ جائیں وہ دور بھاگتا اور نزدیک کھڑا ہونیکا روادار نہ  
ہوتا۔ ناچار دونوں نے صلاح کی۔ تھی اور شہر کو چلیں۔ یہاں ہماری کوئی دستگیری نہ کریگا۔  
ادھر قاصد نے یہ سب حال لکھ کر کبوتر کے بازو سے پاندہ آئے بغداد کی طرف اڑا دیا غلیف  
نے اسے پڑھ کے محمد بن زبینی کو پھر لکھا کہ شہر کے ارد گرد تین تین منزل تک مادی کرادو۔ کہ  
کوئی انہیں پناہ نہ دے۔ ورنہ اسکی بھی وہی حالت ہوگی۔ غرض امیر محمد بن سلیمان الزبیدی  
کے آدمیوں نے دونوں کو اپنی سرحد سے نکال تھی طوس پر ایک شہر فی انہیں دیدی کہ کسی اور شہر  
میں جا کے اسکا کھانا مول لے لینا۔ وہ دونوں نازوں کی چلی ہوئی پر دے کی بیٹھنے والیاں اب جھگڑوں  
میں پھل رہی ہیں۔ جب تھک جاتی ہیں بیٹھ کر دوس لیتی ہیں۔ ننگے گلاب کے سے پاؤں میں جب کوئی  
کانٹا چبھ جاتا ہے تو مائے کر کے بے سدھ ہو جاتی ہیں مگر خدا کی رضا پر اپنی چلی جا رہی ہیں۔ آخر  
ایک گاؤں میں پہنچیں۔ کسانوں کی عورتیں ان کے حق اور نزاکت کے ساتھ انکی دردشا کو دیکھ کر  
بڑی حیران ہوئیں اور حال سنکر رات بھر لگیں۔ پھر دونوں کو بڑی محبت کے ساتھ کھانا کھلایا  
اور ان کے بدنوں پر سے کیل اتر واکے غریبانہ کپڑے پہنوائے۔ دونوں نے ان عورتوں  
کو دے علیے خیر دی اور تھوڑی دیر آرام کے جلسہ کو روانہ ہوئیں۔ دن کو چلتیں اور رات  
کسی مسجد میں کھاٹ لیتیں یا کوئی سرے مل جاتی تو وہیں پڑھتیں۔ غرض مانگتی کھاتیں کئی دن  
کے بعد حلب میں پہنچیں اور وہاں سے براہ راست موصل آئیں۔ پھر موصل سے بغداد کو  
روانہ ہوئیں۔ مگر جہاں سے گذرتیں غانم کا پتہ ضرور پوچھ لیتیں۔ اب قوت القلوب کا حال  
سنو۔ وہ رات دن اسی تنگ و تاریک قید خانے میں پڑی رویا کرتی۔ خلیفہ بھی کبھی کبھی  
معاملات ملکی پر غور کرتے ہوئے اُدھر آ نکلتا تھا۔ ایک دن جب قوت القلوب زور و کر غانم  
کو یاد کر کے کہہ رہی تھی۔ بے بے نصیب غانم! تو کہاں ہے؟ اور تجھ پر کیا گذرتی ہے کیل

نصیر غانم کی ماں اور بن کویر نہ کہے چاکا مارنے اور کوتوال کا دو تول کو شہر میں رکھیں



دو نو ماں بیٹیاں مارے تکان اور زو کو ب کے چور چور کے پہوش ہو رہی تھیں آتے ہی لوٹنے لگیں  
 بے گلاب چھوڑ کے شربت پلایا او ما چھے اچھے کھانے سامنے لار کھے کہ ساری مالک آپ کے  
 حال پر بہت متاثر ہے۔ بادشاہ کو بھی اسکا بڑا افسوس ہے مگر وہ خلیفہ کے حکم سے مجبور ہے  
 غانم کی ماں نے ایک نوڈی سے پوچھا۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے۔ وہ بولی تمہارا سبب جیسے غلام  
 پر خلیفہ کی ایک خواص کو بہکانے کا الزام لگایا گیا ہے۔ جس کے سبب سے تم پر بھی یہ سزا  
 مسدیت گذری۔ یہ سنکر دو نو ماں بیٹیاں جو غانم کو مردہ سمجھ چکی تھیں بول اٹھیں کاشا  
 غانم زندہ ہو۔ تو کہنے لگیں جو کچھ آفت جھیل ہے اسے بھرا دوینگی۔ مگر یہ ہمیں یقین ہے کہ سزا  
 سے ایسا قصور کبھی بھی سرزد نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل بیگناہ ہے۔ غرض انہوں نے  
 خواصوں کے کہنے سے دو نو چار چار تولے زہر مار کئے اور وہیں چٹائی پر پڑ  
 رہیں۔ اگلے دن چہرے نہیں اسی طرح تشہیر لگتا تھا مگر آج سارے شہر میں ہڑتال مچی

کی ماں اور بہن فتنہ غانم کے ماتم میں بیٹھی تھیں۔ کیونکہ انہیں ویر سے غانم کی کوئی خبر نہ ملنے کے سبب سے یقین ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر چکا ہے۔ جب امیر محمد نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک لڑکی نکلی۔ امیر نے غانم کا پتہ پوچھا۔ لڑکی نے جواب دیا حضور! اُسے تو وفات پائے ایک مدت گزر چکی ہے اور اس کی ماں اور بہن کے ماتم میں ہیں۔ مگر امیر نے سرداروں کو حکم دیا کہ اندر گھس کے اُسے ڈھونڈیں۔ سردار دراتے ہوئے اندر گھس گئے۔ یہ خود بھی اُنکے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ آگے غانم کی ماں اور فتنہ کو ہاتھی لیا س میں دیکھ کر پوچھا۔ نیک بی بی! ہتھارامیہا کہاں ہے۔ غانم کی ماں نے جواب دیا۔ حضور! اُسے تو مدت ہوئی مر گیا۔ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ امیر کو بھی رحم آگیا۔ مگر وہ شاہی حکم سے مجبور تھا۔ اتنے میں سارے گھر کی تلاشی لیکر دوسرے سردار بھی وہیں آگئے اور عرض کی غانم نہیں ملا۔ یہ سنکر امیر محمد بن سلیمان الزین دونوں ہاں میٹوں سے کہا۔ بی بیو اب تم اس مکان سے باہر نکل جاؤ۔ جب وہ بیچاریاں حیران و ہراس ہو کر باہر نکلے پھر اگھر چھوڑے باہر نکل آئیں۔ امیر نے عوام کو حکم دیا کہ اس گھر کو لوٹ لو۔ بادشاہ کے یہ کہنے کی دیر تھی۔ جو چیز جن کے ماتم میں آئی ہو سکے باپ دادا کا مال تھا۔ جب یوں مصفا یا ہو چکا اُن مکان کو بنیادوں سے بکھڑا کر دیا۔ پھر دو نو مظلوم عورتوں کو اپنے محل میں لے آیا اور خلیفہ کے حکم سے بکراہ کیا۔ اگلے دن حکم دیا کہ دونوں کو بنگا کے سامنے شہر میں پھرائیں جلاؤ دہشتا کوڑے لگاتا جائے اور بناؤ آگے آگے آواز دیتا جائے کہ میرے اس شخص کی ہے جو لڑائی کو بہکائے۔ مگر جب اُنکے کپڑے اتروائے گئے۔ اُنکے گلاب کے سے نازک بدنوں کو دیکھ کر سب کو رحم آگیا۔ اسلئے دونوں کو ایک ایک موٹا کیل پینا دیا گیا اور بال کھول کر شانوں پر بکھیر دئے۔ عرض خلیفہ کے حکم کی تعمیل شروع ہوئی۔ رعایا اُن کی مظلوموں پر ایسی سختی ہونے دیکھ کر کانپ اُٹھی۔ عورتیں اور مرد دیکھ کر ماتھل سے تھکے گئے کسی کی مجال نہ تھی کہ انہیں اس مصیبت سے خلعی دلا سکے۔ عرض انہیں سارا دن شہر میں پھرانے شام کو محل میں واپس لائے۔ بلکہ دمشق کو اُنکا حال معلوم کر کے بہت آنکھوں ہوا اور اپنی خواہشوں کو فحشی طرز پر قید خانے میں بھیجا کہ جانکے دونوں کی خدمت کریں۔ جب وہ آئیں

والا کبھی اسے غائب نہ کر سکتا تھا۔ غرض اس جیل سے وہ بسہولت گھر سے نکل گیا اور کسی نے اسے راستے میں نہ ٹوکا۔ یہ سمجھا کہ یہ کوئی تانیائی ہے۔ اور ہر بار کا دروازہ کھلتے ہی وزیر جعفر مکان کے اندر گھس آیا۔ اور قوت القلوب کے سامنے زمین بوس ہو کر بولا۔ مجھے غائب کی گرفتاری اور آپ کو حاضر و زبیر کا حکم ہوا ہے۔ میں میرا کچھ قصور نہیں۔ بلکہ صرف آقا کے حکم کی تعمیل کے لئے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ قوت القلوب نے جواب دیا کہ غائب کو تو بیہوش تجارت و مشق کو گئے دو بیٹے ہو گئے ہیں۔ اور جاتے ہوئے یہ سب اسباب میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔ اسکے علاوہ مجھے اسکی نسبت اور کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ سو اگر مجھے دربار میں لیجانے کا حکم ہے تو اسکی اسباب کو بھی حفاظت کے ساتھ وہیں لیجاؤ۔ جب وہ آئیگا اسکے لئے لیگا۔ وزیر نے غلاموں کو اسباب سپرد کر کے اور قوت القلوب کو عزت کے ساتھ ہمراہ لیکر مکان کو گھوڑے زمین کے برابر کر دینے کا حکم دیا۔ اور خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلد کیفیت کو شکر اکر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ قوت القلوب کو قلاں تنگ و تاریک تہ خانہ میں بند کیا جائے۔ اور ایک برصیا اسکی خدمتگاری کے لئے ویجاے کیونکہ اسے قوت القلوب پر غائب کی محبت کا گمان تھا۔ پھر امیر محمد بن سلیمان الزین کو جو دمشق کا گورنر تھا خط لکھا۔ جسکا مضمون یہ تھا کہ اس خط کے ملتے ہی غائب بن ابوب نامی تاجر کو اسیر کر کے میرے پاس بھیج دو۔ اگر اسکے متعلقین میں سے عورت ہو یا مرد ہو اسے نکال کر کے تمام شہر میں تین و تنگ تشہیر کرنا۔ اور کوتوالی کا پیادہ ہر گلی کو چپے ہیں انہیں کوڑے مار کر بچا رہتا جائے کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو بادشاہ کی لونڈی کو بھگا کر لے جائے اور ماہل شہر سے جو کوئی اس کی حمایت کرے اسکی بھی یہی سزا ہے۔ پھر خط کو لٹانے میں بند کیا اور اسپر شاہی فہرچاپ کر قاصد کو دے تاکہ کی کہ فوراً روانہ ہو جائے۔ اور اپنے ساتھ ایک نامہ بر کبوتر بھی لیتا جا۔ امیر محمد سے رسید لیکر اسکے بازو سے بازو بغداد کی طرف اڑا دینا۔ تاکہ مجھے بھی اطینان پہنچائے۔ غرض قاصد ہوا کی طرح اڑا۔ اور ہفتوں کا قاصدہ نوں میں طے کر کے دمشق پہنچ کر خلیفہ کا خط امیر محمد بن زین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امیر نے اسے لیتے ہی تعظیم کے لئے سر پر رکھا اور خط کو مطالعہ کیا۔ پھر اپنے سرداروں کو ہمارے غائب کے گھر بھیجا۔ کہ غائب

جب انہوں نے دیکھا کہ خلیفہ سو گیا ہے۔ مگر وہ ابھی جاگ رہا تھا اور سر اٹھانے والی تھی جبکہ انام  
نور الہمار بقا۔ پائینتی والی سے کہا۔ اسے خیر ناں! تو نے بھی کچھ سنا؟ خیر ناں نے جواب دیا۔ کیا  
نور الہمار نے کہا ہمارے آقا کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ مقبرے میں سوئے نکلوی کے ایک پتیلے کے جسے  
کپڑے پہنا کر مردہ بنایا ہوا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ خیر ناں نے پوچھا۔ اور قوت القلوب کیا ہوئی؟ نور الہمار  
بولی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ زبیدہ خاتون نے ایک لوندی کی معرفت اسے کوئی خواب آور دوائی پلوا  
دی تھی۔ جب بیچاری بیہوش ہو گئی۔ اسے ایک صندوق میں بند کر کے اپنے غلاموں کے ہاتھ کی قید کرنا  
میں وقف کر دیا۔ مگر وہاں سے اسے غاتم نامی ایک تاجر نو جوان نکال کے اپنے ہاں لے گیا۔ اور  
قوت القلوب اسے پاس لے گیا کہ زندہ و سلامت موجود ہے۔ اس امر کو چار ماہ گزر چکے ہیں اور  
ہمارے آقا کے حشمت قوت القلوب کو مردہ خیال کرتے ہیں۔ اس کے فراق میں راتیں جاگتے کا سمیتے  
ہیں۔ بجا لیک وہ زندہ و سلامت موجود ہے۔ خلیفہ نے جب انکی گفتگو سنی اور سمجھ لیا کہ مقبرہ زرا  
فریب ہے۔ نیز قوت القلوب غاتم کے پاس چار ماہ سے رہتی ہے۔ اسے سخت غصہ اور غیرت آتی  
تو پہلو پیل کے اٹھا اور ارکان دولت کو بلا یا۔ جب اہلکار و بار میں آگئے۔ خلیفہ نے وزیر جعفر کو  
حکم دیا کہ فوراً سپاہیوں کی ایک کپنی لے کر غاتم نامی ایک سووا کر کے رکنا پڑ جاؤ۔ اور اسے گھیر کر  
غاتم کے ساتھ ہماری لوندی قوت القلوب کو بھی گرفتار کر لاؤ۔ وزیر سر تسلیم جھکا کر سپاہیوں کو  
ساتھ لئے روانہ ہوا اور پوچھ کچھ کر غاتم کا گھر گھیر لیا۔ اتفاق سے غاتم اس وقت بازار سے گوشت  
خریدنے لایا تھا۔ قوت القلوب نے سمجھ لیا کہ خلیفہ کو میرے بیان ہو چکی خبر مل گئی ہے۔ اس لئے  
غاتم سے بولی۔ تم اب اندر رہنے کی کوشش نہ کرو۔ اور فوراً باہر چلے جاؤ۔ امید ہے کہ غاتم  
میں نہیں معافی و لاؤنگی۔ غاتم نے بھی جب سپاہیوں کو مکان کا احاطہ کئے دیکھا۔ اس نے  
اسکا مطلب بہت جلد سمجھ لیا مگر اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ اور بولا ایسی حالت میں  
جبکہ سپاہیوں نے چاروں طرف مکان کو گھیر رکھا ہے۔ میں یا ہر کیسے نکل سکتا ہوں نیز  
میری ساری جان بچاؤں ہے۔ قوت القلوب نے تسلی دی۔ کہ مال و اسباب کا فکر نہ کرو  
اور اپنے قیمتی کپڑے اتار کر باورچی کا لباس پہن لو۔ پھر قاب میں گوشت روٹیاں سالن  
اور کھن رکتھ کے اس کے سر پر رکھ دے گی۔ جس سے وہ نمانیا کی معلوم ہوتا تھا اور آجنان دیکھنے

بڑھیا کی تدبیر پسند آئی۔ اسے ایک بیٹے قیمت خلعت عطا کر کے حکم دیا۔ کہ تم ہی اس سب سامان کو تیار کرالو۔ اور حیدر خراج کی ضرورت نہو لیجاؤ۔ یہ حکم اسے بہت سامان دیا۔ بڑھیا بھاپا فوراً مڑکھان کے پاس گئی اور اس سے بکری کا ایک پتلہ بڑا کر لئے پاؤں زبیدہ کے پاس لوٹ آئی۔ پھر دونوں نے ملکر اس پتلے کو کفن پہنایا۔ اور تابوت میں بند کر کے شاہی قبرستان میں بھیج دیا۔ غلاموں نے بیگم کے حسب احکام تابوت کو وٹن کر دیا۔ اور لونڈی غلاموں کو وہ بٹی بٹھا دی جو راجپوت تھے اسے پروائی تھی۔ اور جس لونڈی کی معرفت قوت القلوب کو سیویش کرایا تھا۔ اسے خاص طور پر بلا کر کہا۔ کہ جب کوئی پوچھے تو کہہ دیا۔ کہ بیٹے صبح کے وقت قوت القلوب کو مردہ حالت میں پایا۔ غرض سارے محل میں قوت القلوب کی موت کی خبر پھیل گئی۔ اس بڑھیا زبیدہ اور ایک لونڈی کے سوا محل میں کوئی امر واقعہ کو نہ جانتا تھا۔ پھر زبیدہ نے بہت جلد اس قبر پر ایسا نثار مقبرہ تعمیر کرائے اس میں شمعیں جلوائیں اور قاری ختم قرآن کے لئے وٹن بٹھا دئے۔ ایک مدت کی غیر فاضری کے بعد جب خلیفہ دارالخلافہ میں داخل ہوا۔ محل کے لونڈی غلاموں کو سیاہ پوش دیکھا اس کا ہاتھ ٹھٹھا اور سیدنا زبیدہ کے محل میں چلا آیا۔ اسے بھی سیاہ پوش دیکھ کر حیرانی سے دیکھ پوچھی۔ جواب ملا۔ آپ کی غیبت میں قوت القلوب جل بسی۔ ہمارا یہ حال اسی کے نامہ میں مہر رہا ہے۔ خلیفہ پر یہ سن کر غشی سی طاری ہو گئی۔ جب اتفاق ہوا۔ قوت القلوب کے مقبرے کا پتہ پوچھا۔ زبیدہ بولی۔ بیٹے قوت القلوب بڑی عزت سے شاہی قبرستان میں دفن کرا دیا ہے اور اس کی قبر پر ایک شاندار مزار بھی بنوا دیا گیا ہے۔ خلیفہ فوراً ٹھٹھا قوت القلوب کے مقبرے کو زیارت کے لئے روانہ ہوا اور قبرستان میں پہنچ کر مقبرے کو سارو سامان سے آراستہ پاسکے زبیدہ کا شکریہ ادا کیا۔ مگر وہ متفکر ہوا کہ زبیدہ نے ایک موت کے لئے اس قدر تردد کیوں کیا ہوا۔ میں نے کھلا کالاکالا تو نہیں۔ آخر سوج سوچ کر قبر کو کھدوا ہی دیا۔ جب تابوت پر کدال پڑی۔ پھر کچھ تال کے ملہار کو آگے کھودنے سے بند کر دیا۔ اور قبر پر اینٹیں چوڑے شہر کے دوسرے فقہاء اور قاریوں کو بلا کر وٹن ختم قرآن کا حکم دیا۔ آپ بھی پورا ایک ماہ مقبرے میں رہیں تا تم منہ کیلئے کا اڑکیو تک قوت القلوب کو وہ بدرجہا عاقبت محبت کرتا تھا غرض جب ایام ماتم گذر گئے بلکہ بل لیاں کے بعد وہ محل میں آیا اور اس کے چنگ پر چڑ گیا۔ اتفاقاً وہیں دو لونڈیاں بھی کٹیدہ کاڑھ رہی تھیں۔



آجائیکی۔ اُسے جواب دیا۔ تم طینان رکھو مگر احتیاط ضرور ہے۔ تمہیں میں یا ہر کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ دیکھئے تو وہ ناسبائی ہے۔ جو کھانا مقرری لایا کرتا ہے۔ اُس سے مقال لیا اور قوت القلوب کے سامنے لا رکھا۔ اُسے پیر ہو کر کھایا۔ اور غاتم کا شکریہ ادا کیا۔ قوت القلوب کو کھانا کھلا کر غاتم پھر بار کو چلا گیا۔ اور خوش وضع نوذی قوت القلوب کی خدمت گزار کی کے لئے خرید لایا جس سے قوت القلوب بڑی مسرور اور مشکور ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ اگر خدا نے کبھی میرے دن پھیرے تو میں بھی اُسکا عوصق دوں گی۔ جب رات بہت آئی دو نو جد اجد مکانوں میں سو رہے۔ غرض اسی طرح رہتے رہتے پورے تین مہینے گزرتے گئے اگرچہ اُن دونوں کو آپس میں کمال درجے کی محبت ہو گئی تھی مگر غاتم سمجھتا تھا کہ جو چیز آفاکی ہے وہ غلام کے لئے بمنزلہ حرام ہے۔ اب زبیدہ کا حال بھی ستور۔ جب اُسے اپنی طرف سے قوت القلوب کو زندہ درگور کرا دیا۔ سوچنے لگی کہ جب خلیفہ آئیگا اُسے کیا جواب دوں گی۔ کیونکہ وہ پوچھے گا ضرور۔ اسی فکر میں اُسے ایک بڑھیا کو بلایا جس نے حال سنا کر جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی بخار کھڑی جا رہی ہوں۔ اور اُس سے ایک لکڑی کا پتلا بنوا لائی ہوں۔ آپ اُسے کہئے پنا کر شاہی قبرستان میں دفن کرا دیں۔ اور حکم دیدیں کہ بہت جلد اُس پر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرا دیا جائے۔ اور مقبرے میں چراغ جلائے جائیں۔ نیز تمام محل میں سیاہ پوشی ہو نیک فرمان جاری کر دیں۔ اور تمام نوذی غلاموں کو سمجھا دیں۔ کہ جو وقت خلیفہ محل میں قدم رکھے۔ اُن کے نشانات ظاہر کریں اور جب وہ ویدہ پڑھے تو جواب دیں کہ قوت القلوب وفات پا گئی ہے یہ اُسی کا ماتم ہے اور ہماری بیگم نے بڑی شان و شوکت سے اُسکا جنازہ نکال کر اُسے ایک شاندار مقبرے میں دفن کیا ہے۔ خلیفہ کو۔ ونا آئیگا۔ اور وہ فتنہ کے مرنے کا یقین لے لے گا۔ لیکن بالافضح اگر وہ تم پر کسی طرح کا شبہ کرے اور قبہ کھدوا کے مرنے کو دیکھنا چاہے تو تم طینان رکھو مرنے کا قہر کھود کر نکالنا شرعاً ممنوع ہے۔ تم اُسے اس خلاف شرع کام سے روک دینا۔ اُسکے علاوہ وہ ایک نوذی کے لئے اس قدر دردمن بھی نہیں کر رہا۔ غرض جب اُسے تصدیق ہو جائیگی۔ کہ قوت القلوب مر چکی ہے تو تمہارا شکریہ ادا کرے۔ واپس لوٹ آئیگا کہ تم نے اُسکی معشتہ کو یا غراز دفن کیا۔ میرے خیال میں اسی طرح سے تمہیں غرضی مل سکتی ہے۔ زبیدہ کو

غرض دونوں نے صندوق کا ٹھاکر خچہ بٹا دیا۔ اور چاروں طرف سے ہانڈھ کر شہر کو روانہ ہوئے۔  
 مگر غاتم کو راستہ بھر فکر لگا رہا۔ کہ اگر راز کھل گیا تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لیکن خدا خدا کر کے وہ غیرت  
 کمر باندھ ہی گیا اور صندوق اندر لاکر باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر صندوق کو کھول کر اس بی بی کو  
 باہر نکالا۔ اور وہ مکان کو غالب شان پاکر بہت خوش ہوا۔ پھر چاروں طرف نظر کر کے اُسے  
 سلام کر لیا۔ کہ آسکا محسن ایک تاجر آدمی ہے۔ اور خوبصورت و جوان ہے۔ ہسکے دلیں ایک  
 خیال سا پیدا ہو گیا۔ اور غاتم کے دل میں بھی اُس بی بی نے جگہ کر لی۔ پھر اُس بی بی نے کچھ کھانے  
 کو مانگا۔ غاتم فوراً بازار گیا اور رکھت کھانا آٹھوا لایا۔ پھر دونوں نے ایک جگہ بیٹھ کر شکم بڑی کی  
 تھے۔ غاتم کی نظر اُس بی بی کے برقعہ پر پڑ گئی۔ اس پر غریب زبان میں لکھا تھا۔ میں تیر ہی ہوں۔  
 اور تو میرا ہے۔ اے نعم بنی کے بیٹے۔ نعم بنی کے بیٹے سے مراد خلیفہ مارون الرشید تھی۔ یہ  
 پڑھ کر غاتم پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ بولا۔ بی بی! خدا کیلئے مجھے جلد اطلاع دو۔ کہ تم کون  
 اور کس سے علاقہ رکھتی ہو؟ اُس بی بی نے جواب دیا۔ میرا نام قوت القلوب ہے اور بغداد میں مجھے  
 پہچانتے جانتے ہیں۔ خلیفہ مارون الرشید کی میں محبوبہ خاص ہوں۔ میں سپین سے محل ہی میں آتی  
 ہوں۔ اور وہیں بیٹے پرورش پائی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ میری لیاقت اور میرے حق و مال کو ملاحظہ  
 فرما کر مجھے اپنے دل سے چاہنے لگ گیا۔ اور اب مجھ کو ایک خاص محل عطا کر رکھا ہے۔ نیز دس  
 لاکھ دریاں خدمت کو دی ہوئی ہیں۔ میرے قریبی مجھے خلیفہ ہی نے عطا فرمایا ہے جو خاص محبت کا  
 نشان ہے۔ زبیدہ خاتون میرے رتبہ سے چلنے لگی۔ حتیٰ کہ جملہ ان تم نے مجھے قمر سے نکالا ہے  
 اسنے موقعہ پاکر جبکہ خلیفہ باہر شکار کو گیا ہوا تھا۔ پھر واپس کر دیا۔ میری کسی لوندی کو انعام و  
 آرام کا لالچ دیکر گناہ لیا جس نے اہل شب کے وقت میرے شربت میں کوئی خواب آور دیا  
 ملا دی۔ اور میں بیہوش ہو گئی۔ آخر مجھے صندوق میں بند کر کے تین غلاموں کے ساتھ قبرستان میں  
 چھوڑ دیا۔ اسکے بعد کا حال تم خود جانتے ہی ہو۔ میں تو مر ہی چکی تھی۔ مگر تم نے میری جان بچائی ہے  
 میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ بلکہ اپنے گھرا کے بے آرام رہ رہا ہوں۔ اور مجھے وہ جسامت  
 کیا ہے کہ ہمیشہ تک یاد رہے۔ یہ ہے میری سرگذشت۔ مگر خیال رکھو میری بات باہر نہ نکلے  
 جائے۔ ورنہ خلیفہ تمہیں ضرور مروا دیگا۔ غاتم بہت گھبرایا اور بولا کہ بی بی! تم تو کہیں شہر میرا

صندوق کو تمہیں رکھ دو۔ اور چلو والیں چلیں۔ مگر ان دو نوٹے جواب دیا کہ ہمیں قبرستان کے  
 اندر اس صندوق کو گاڑنے کی ہدایت ہے۔ یہاں کیسے رکھ چلیں۔ غرض وہ صندوق کو زمین  
 پر رکھ کے خود دیوار بچا کر اندر لے گئے اور دروازہ کھول کر صندوق اندر لارکھا۔ قبرستان کا دروازہ  
 بند کر دیا۔ مگر وہ اس قدر شکے ہوئے تھے کہ اپنے تئیں انہوں نے گڑا کھودنے کے قائل نہیں پایا  
 اسلئے وہیں بیٹھ گئے۔ اور دو تین گھنٹیاں آرام کر کے اُٹھے۔ پھر درخت کے نیچے گڑا کھود کر صندوق  
 کو وہاں گاڑ دیا۔ جب اس کام سے فراغت پائی۔ پھر سے اُٹھے اور ہر سی چلے گئے۔ جب  
 نظر سے غائب ہو گئے تو درخت پر سے اُترا اور سوچنے لگا کہ ایسے بوقت صندوق کا یہاں دفن  
 کرنا کچھ سنے رکھتا ہے۔ تاروں کی چھاؤں تھی اسلئے اُس نے فوراً گڑھے کی مٹی سرکاری شروع  
 کی۔ اور صندوق نکال کر کھولا۔ اندر دیکھا تو ایک خوبصورت بی بی بیوی پڑی تھی۔ چلنے لباس  
 اور زیورات سے کسی بڑے امیر کی عورت دکھائی دیتی۔ غرض اُسکی خوبصورتی پر فریفتہ ہو گیا۔  
 اور معلوم کیا کہ وہ ابھی مری نہیں۔ اسلئے اُسے صندوق سے باہر نکال کے ہوا میں رکھا جب  
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی۔ فوراً آنکھ کھول کے اُسے بیٹھی اور پکاری۔ اری زہرہ بستان آگیا۔ شجرہ اہد  
 نور اہدی۔ نجمۃ الصبح تم کہاں ہو۔ مگر جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو حیران ہو کر مل جل کے آنکھیں  
 دیکھنے لگی اور اپنے تئیں ایک قبرستان میں پا کر اور بھی حیرت زدہ ہو گئی۔ یولی یا الی میں خواب  
 میں ہوں یا واقعی قیامت کا دن آ پہنچا۔ غرض اب سہلے آگیا۔ اور جواب دیا۔ میں ایک اجنبی  
 آدمی ہوں۔ اور قضاء قدر مجھے فقط آپ کی زندگی کے لئے ہی بیاں لایا ہے۔ جو ارشاد تعویذ  
 کے لئے حاضر ہوں۔ یہ سکر وہ عورت یولی۔ بیاں کیجئے آئی۔ غرض نے تیوں خواجہ سراؤں کی کیفیت  
 بیان کر دی۔ اُس عورت نے جواب دیا۔ میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔ مگر اب وں چلنے کو ہے۔  
 ایک کام کرو مجھے یہی طرح صندوق میں بند کر دو اور شہر میں جا کے ایک چھوڑا یہ پر لے آؤ۔ پھر  
 مجھے صندوق سمیت لا کر اپنے گھر کے چٹنا۔ وہاں چلے کہیں اپنی کیفیت سناؤنگی۔ امید ہے کہ  
 خدا تعالیٰ تمہیں اس نیکی کا عوض ضرور دیگا۔ غرض جب غرض وہاں سے نکلا۔ دن بھل آیا تھا  
 ہستہ شہر میں آ کے ایک چھڑ کر لے کر لیا اور اسی قبرستان میں آیا۔ یہ کہہ کر کہ میں ایک صندوق  
 شہر کو لار تھا۔ راستے میں قلی اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تم اُسے میرے گھر تک پہنچا دو

جب ہم عشا کے وقت یہاں آئے تھے اور وارزہ کھلا چھوڑ گئے تھے قیسرا جس نے مشعل اٹھائی ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔ تم نہیں جانتے۔ بعض بڑوں شہری جب سیر کے لئے شام کے وقت باہر نکلے ہیں اور راستے میں انہیں دیر ہو جاتی ہے۔ تو قبرستان میں آکر چھپ رہتے ہیں۔ تاکہ ہمارے تہا کے عیساکوئی جھٹی انہیں پکڑ کے جھون کے کھاتے۔ سہنے اسکی رائے کی تائید کی۔ اور غلام قصور غلام کی درخت پر چھیکر بیٹھنے اور غلاموں کے صندوق قبرستان میں لائی



کوڑھی ہنسی آئی۔ مگر ضبط کر گیا۔ لیکن جب اس غلام نے کہا۔ کہ جب تک تم میرے کسی شخص کو اپنی آنکھوں نہ دیکھ لو گے۔ اعتبار نہ کرو گے۔ اور میں تمہیں دکھا دوں گا کہ جب وہ شخص وحشی کو دیکھتا تو درخت پر چڑھنے کیلئے دوڑے گا۔ غلام کو براؤف آیا کہ کہیں مجھے دیکھ نہ لیں۔ پھر وہ دوڑا اور چلا۔ جنوں نے صندوق اٹھایا ہوا تھا اپنے تیسرے ساتھی سے کہنے لگا کہ کوڑو اور چڑھا۔ حکم نہ دیا۔ اور وارزہ کھلا۔ کہہ کر سے۔ مگر اسے جواب دیا کہ جی اے خوف آتا ہے۔ میں اندر نہیں جاؤں گا۔

لاکھ لاکھ لیکے۔ غرض سال بھر تک وہ اپنے مال کو بیس طرح بیچتا رہا اور حسبِ درخواہ فائدہ اٹھایا۔  
 دوسرے سال کے آغاز میں ایک دن جب وہ حسبِ معمول بازار میں آیا تو سب سوداگر دیکھی دوچار  
 بندہ پا کر حیران ہوا۔ ایک آدمی سے اس کا سبب پوچھا۔ جواب ملا۔ آج فلاں سوداگر مر گیا ہے۔  
 اسلئے باقی سب اس کے جنازے کے ساتھ جا بنوالے ہیں۔ اگر آپ بھی ساتھ جانا چاہیں تو چل سکتے  
 ہیں۔ غلام نے متوفی کے گھر کا پتہ پوچھا اور صحر کا راستہ لیا آگے جنازہ تیار رکھا تھا۔ جب وہ وہاں  
 پہنچا و صحر کے نماز جنازہ ادا کی اور سب کے ساتھ قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ جو شہر سے  
 بہت دور واقع تھا۔ آگے قبرستان میں خیمے کھڑے تھے۔ اور میت کے لئے سنگین مقبرہ  
 تیار تھا۔ غرض میت کو مقبرے میں رکھا۔ اور خیمے میں قرآن خواں قرآن پڑھتے لگے۔ میت کو  
 دفن کرنے کے بعد سب اقرباے میت اور دوسرے تاجر بھی ایک خیمے میں جمع ہو کر فاتحہ خوانی  
 کرتے لگے۔ اتنے میں رات بھی آگئی۔ اور حسبِ دستور بعد از شام کا کھانا دیا گیا۔ غلام  
 نے سمجھا۔ کہ رات یہ لوگ یہیں رہینگے۔ وہ سوچنے لگا۔ کہ میں اجنبی ہوں۔ اگر رات ان کے  
 ساتھ رہا۔ تو اندیشہ ہے کہ شب کو چور میرا اثاثہ البیت سب لوٹے نہ لیجا میں۔ یہ خیال لگے  
 اقبول سے قضائے حاجت کا بنانا کرنے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جب شہر میں پہنچا۔  
 رات آدمی کے قریب گذر چکی تھی۔ شہر کے دروازے سب بند تھے۔ ہوائے کتول اور گدڑوں  
 کے اور کوئی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ رات کو لیسر کرنے کے لئے کوئی ٹکنا مار ڈھونڈتے لگا  
 بہت ہی تلاش کرنے کے بعد ایک گورستان کا دروازہ کھلا ہوا پایا جس کے چاروں طرف بلند چار  
 دیواری تھی۔ اور اندر ایک بڑا سانا میل کا درخت کھڑا تھا۔ وہ فوراً اندر گھس گیا اور دروازہ بند  
 کر کے لیسنے کا قصد کر رہا تھا کہ اچانک اسے سخت خوف آیا۔ وہ اٹھ بیٹھا۔ اور دروازہ کھوکھڑاں  
 سے نکل جاتا چاہتا تھا کہ دور سے اپنی طرف آتی ہوئی ایک روشنی دکھائی دی۔ اسے فوراً دروازہ  
 بند کر لیا۔ اور سانا میل کے درخت پر چڑھ کر پتوں میں چھپ گیا۔ روشنی دیکھ کر قریب آ رہی تھی۔ کہ  
 عین دروازے پر آ کر ٹھہری۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ تین خواجہ سرا ہیں۔ وہ نے راکھ منڈی  
 اٹھایا ہے اور قبیرے کے: تختہ میں مشعل پکڑی ہوئی ہے۔ جب انہوں نے دروازہ بند  
 دیکھا۔ ایک نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ کیا ہوا۔ دوسرے نے جواب دیا۔ حیرت کا موجب ہے۔

کے دن بسر کرنے لگے۔ یہ حکایت شہزادہ نے دنیا زاد سے کہا۔ اگر کل بادشاہ نے جان بخشی کی تو اس سے ابھی کہانی غائم اور قوت القلوب کی سناؤنگی بچے شہزادہ امید ہے کہ تم بہت خوش ہوگی عارف بادشاہ نے اس دن بھی اسے کچھ نہ کہا۔ رات آئی اور گز رہی گئی صبح کا قیام کے وقت حسب معمول دنیا زاد نے شہزادہ کو جگایا۔ اور وہ بادشاہ کو مخاطب کر کے بولی :

**الف لیلہ جلد دوم تمام ہوئی**

**الف لیلہ جلد سوم**

**غائم اور قوت القلوب کی داستان**

حضور اوزار! اگلے زمانے کی بات ہے کہ دمشق میں ایوب نامی ایک خرموگر بڑا صاحب دولت و مال تھا۔ خدا نے اسے دو خوبصورت بچے بھی عطا کئے تھے۔ ایک لڑکا جس کا نام غائم تھا اور دوسری لڑکی جسے فتمہ کہتے تھے۔ ایک دفعہ ایوب نے بغداد کا ارادہ کیا اور مال نقیس کی سونگھ بنیان بند ہوا اس کے گودام میں رکھیں۔ مگر وہ تیار یوں نہیں ہی تھا کہ اصل آگئی۔ ان گھنٹوں کے علاوہ اور بھی بہت سارے مال چھوڑا۔ اس کے مرنے کے بعد جب غائم ہو شیار ہوا تو اس نے باپ کے ارادے کو پورا کرنا چاہا۔ اور وہ مال لیکر ایک قافلہ کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوا اس وقت بغداد کا تلخ خلافت خلیفہ ہارون الرشید کے سرور تھا۔ وہاں پہنچ کر ایک اعلیٰ درجے کا مکان کرائے پر لیا۔ اور اسے فرش و فرش سے آراستہ و پیراستہ کر کے سارا مال اسیں رکھ دیا۔ جب سفر کی ماندگی دور ہوئی۔ کچھ تھان کھواب اور گھمدن کے لیکر بازار کو گیا اور چوہدری کی دوکان پر گیا بیٹھا۔ سودا گروں نے اُن تھانوں کو نہایت پسند کیا اور انھوں

جادو کا تخت بنچشہ یا۔ اور شہر کے مسلمان باشندوں کو جمع کر کے انہیں شیخ عبداللہ کی اطاعت کی ہدایت کی۔ سب نے سر تسلیم جھکایا۔ اُسکے بعد اُن لوگوں کو بھی جو ملک لاب کے جادو سے جو پائے اور پرندے بنے ہوئے تھے اصلی قالب بنچشہر ملک۔ بدر اور ملک صلاح اپنے اقارب اور اقوج سمیت شیخ سے وصال ہو کر اپنے گھر آئے۔ ایران کے باشندوں کو دوبارہ اپنے بادشاہ کے پانے سے خوشی ہوئی اور دار الخلافہ میں برابر تین روز تک عیش و عشرت کا ساں بندہ رہا۔ اُسکے بعد ملک گلنا را اور ملک صلاح کی صلاح سے بدر کی شادی کے لئے مختلف شہروں کی طرف جاسوس روانہ کئے گئے تاکہ وہ کسی خوبصورت شہزادی کی تلاش کریں جو بدر کی شان کے قابل ہو۔ مگر بدر نے ایک ہی انکار کر دیا کہ میں شہزادی جواہر کے سوا اور کسی کے ساتھ شادی نہ کر سکتا ہوں۔ مگر بدر نے ایک ہی انکار کر دیا کہ میں شہزادی جواہر کے سوا اور کسی کے ساتھ شادی نہ کر سکتا ہوں۔ مگر بدر نے ایک ہی انکار کر دیا کہ میں شہزادی جواہر کے سوا اور کسی کے ساتھ شادی نہ کر سکتا ہوں۔

بدر کو بلانے کے لئے بھی آدمی بھیجا۔ اور جب وہ آیا۔ اُسے ملک سمندال کے آنے کی خبر دی گئی۔ وہ فوراً سمندال کے پاس آکر ادب بجالایا۔ سمندال اسے دیکھ کر بڑا خوش ہوا اُسکے لگا یا۔ پھر بدر نے شہزادی جواہر کے لئے درخواست کی جسے ملک سمندال نے بکمال فرخندہ پیشانی قبول فرمایا۔ اور اپنے صاحبزادے کو بھی شہزادی جواہر کے لائے کا حکم دیا۔ وہ فوراً اُڑے اور جاکر شہزادی کو بھی وہیں لے آئے اُس نے دیکھتے ہی ملک سمندال اٹھا اور اُسے گلے لگا کر یولا۔ بیٹی بیٹے تمہاری سنگینی بیٹے ملک بدر کے ساتھ کر دی ہے۔ تمہاری اس میں کیا رائے ہے۔ میرے خیال میں وہ بچہ لائق لڑکا ہے اور تمہارے قابل ہے نیز تم اسکے قابل ہو۔ شہزادی جواہر نے جواب دیا۔ مجھے آپ کے حکم سے سربازی کرنے کی کیا مجال ہے۔ مگر ملک بدر میرا قصور سنا کر دے جو غصہ میں مجھ سے سرزد ہو گیا تھا۔ یہ سنکر سب کے دل مسرت سے بھر گئے۔ بدر نے شہزادی جواہر کو معاف کر دیا فوراً قاضی اور شاہ حاضر ہوئے اور دونوں کا نکاح شہد لگن میں پڑا گیا۔ گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں۔ شہر چراغاں ہو گیا۔ بادشاہ نے اس خوشی میں قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا بہت انعام یتامیٰ اور بیوگان پر دل کھول کر بخشش کی۔ غرض شہر میں دس دن تک خوب جلسے ہوتے رہے۔ پھر بدر شہزادی جواہر سمیت ملک سمندال کے ماں گیا اور اُسکے اقارب سے ملنا گھروا لیا۔ ملک صلاح نے اُسے اُسکا تخت بھی بنچشہ یا غرض سب کے سب بڑی خوشی اور اطمینان سے زندگی



پایا۔ اُسے بھول گیا۔ ویکہ تو اب سچہ سے اور تیرے بڑھ سے چسپور میں بیسپار احسان کر چکی ہوں اور  
 اسکا عوض یہ اُسے دیا ہے۔ کس طرح پیش آتی ہوں۔ یہ کہہ کر تھوڑا سا پانی لیا اور ہر پر چھڑک کر  
 کہا کہ ایک جینج اور بوشال پر نرا بیجا۔ ملک کے یہ کہتے ہی بدر کی صورت بدل گئی۔ پھر ملک نے لونڈیوں کو  
 حکم دیا کہ اُسے ایک پیچرے میں بند کر دو اور کھانا پانی کچھ نہ دو تاکہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائے  
 مگر ایک لونڈی کو رحم آگیا اور وہ ملک کی آنکھ بچا کر اُسے کچھ کھلا پلا دیتی۔ ایک دن ملک غافل سو رہی تھی  
 لونڈی نے موقع پا کر شیخ عبداللہ کی دوکان کی راہ لی اور جا کر اُس سے کہنے لگی۔ بڑے مہیاں! ملک آپ  
 کے بیٹے کو ہلاک کرنے کے درپے ہو رہی ہے۔ اسکا کچھ انتظام کر لیجئے۔ شیخ نے اُسکا شکریہ ادا کیا  
 اور بولا۔ ملک کا ظلم اب حد سے بڑھ چاہے۔ اسلئے میں اسکا عوض لئے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ کہہ  
 زور سے چلا یا۔ فوراً ایک مہیب جن آگیا جسکے چار بالوتھے اور حکم کا طلب گار ہوا۔ شیخ نے اشارہ  
 کیا کہ اس لونڈی کو ملک گلنار کے محل خراسان میں لیجا دو ہی اسے اس ملک کی خبر لیگی۔ لونڈی کو  
 بھی سمجھا دیا کہ ملک گلنار سے کہہ دینا کہ تمہارا لڑکا بدر ملک لآب کی قید میں پھنسا ہے۔ فوراً آکر  
 اسکی مجلسی کراؤ ورنہ مارا جائیگا۔ غرض وہ جن آرا اور خیمہ زدوں میں لونڈی کو ملک گلنار کے محل میں  
 آتا رہا۔ لونڈی فوراً ملک گلنار کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور آداب عرض کر کے بدر کی حالت سنا دی  
 کہ بیچارہ ملک لآب کی قید میں ہے اور قریب ہے کہ مارا جائے۔ گلنار نے اسکا شکریہ ادا کر کے  
 سارے شہر میں بدر کے بل جیلنے کی منادی کرا دی۔ جب اراکین و دربار۔ ملک صلح اور اُس کے  
 اہل و عیال آ جمع ہوئے۔ تو سب نے شہر جاو کی طرف کوچ بول دیا۔ اور بہت جلد وہاں پہنچے۔  
 وہ لونڈی بھی ساتھ تھی جو خیر کیر گئی تھی۔ تو انکی سپاہ نے جاتے ہی کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔  
 اور وہاں سے تمام آتش پر خنوں کو لوٹ لیا۔ ملک لآب بھی ماری گئی۔ ملک گلنار نے لونڈی سے پوچھا  
 کہ میرا بیٹا کہاں ہے۔ وہ فوراً ایک پیچرے لے آئی اور ملک کے سامنے رکھ کر کہنے لگی۔ یہ لیجئے  
 ملک نے تھوڑا سا پانی لیا اور اُسپر کچھ پڑھ کر پیچرے میں جالور پر چھڑک دیا۔ اور کہنے لگی۔ پیچرے  
 حکم سے یہ صورت چھوڑ کر اپنی اصلی صورت میں آ جا۔ وہ بہند فوراً اپنی اصلی صورت میں آگیا اور  
 اپنے متعاقبین کے گلے لگا۔ جب ادھر سے فراغت ہوئی۔ ملک گلنار نے پیغام بھیجا کہ شیخ عبداللہ  
 کو بلایا اور اُسکا شکریہ ادا کیا۔ پھر اُس لونڈی کے ساتھ شیخ عبداللہ کا نکاح پڑھوا کر اُسے شہر

دنیار قیامت طلب کی ہے۔ جسے بڑھیا نے گن کے تہارے سامنے ڈھیری کر دیا ہے۔ اب تم انکار کرتے ہو۔ لیکن اس شہر کا قانون نہیں جانتے کہ یہاں جو شخص جھوٹ بولتا ہے جان سے ہاتھ دھو کر بے گناہ رہتا ہے۔ یہ سنکر بد ر خور آج سے استرا آیا۔ بڑھیلے فوراً اسکی نگاہ مار لی۔ اور نذر سے حقور اپانی با عقیبیں لپیٹ کر اسپر چھپرک دیا اور کچھ کلام بڑھکر بولی! بیٹی! اس خچر کی بصورت چھوڑ کر بسے کلام کے اثر سے اپنی اصلی شکل اختیار کر لے۔ وہ خچر فوراً ملکہ لاب بنٹئی اور اپنی ماں کے گلے ملی۔ بد ر کو جب معلوم ہوا کہ وہ بڑھیا ملکہ لاب کی ماں ہے اور ملکہ لاب اپنی اصلی صورت میں آگئی۔ خوف کے لمبے اُسکے ہوش اڑ گئے۔ فوراً وہاں سے بھاگنے کا قصد کیا۔ مگر وہ بڑھا چلا یا اور وہاں فوراً ایک جن آگیا جو دوسرے کا لپھاڑ دکھائی دیتا تھا۔ اُسے دیکھکر بد ر کے بدن پر رعشہ پڑ گیا۔ پھر وہ جن ملکہ لاب اور اُس کی ماں اور بد ر کو لپیٹا اڑا۔ اور ملکہ لاب کے محل میں آکر کھڑا ہوا۔ ملکہ لاب تصویر جن سیدیت ناک کے پیدا ہونے اور بد ر کو مع ملکہ لاب اور ضعیفہ کے اڑا لیا یہی



تخت پر بیٹھ کر بڑھے غصے میں پھر گئی اور بد ر سے مخاطب ہو کر بولی۔ ملعون! تو نے یہاں آکر جو رام

اور بوڑھے کے پیچھے ہو لیا۔ اثنائے راہ میں انہیں ایک عورت ملی۔ اُسے دیکھ کر خچر کے آگے  
 بنے لگ گئے۔ عورت بولی میرے بیٹے کی ایک خچر مر گئی تھی۔ اس خچر کی شکل اس سے بالکل  
 ملتی ہے۔ میرے اچھے صاحب! کیا آپ اسے بیچ سکیں گے۔ پورے جواب دیا نہیں۔ میں اسے  
 بیچ نہیں سکتا۔ کیونکہ مجھے اسکی ضرورت ہے۔ عورت کہنے لگی۔ خدا کیلئے اونیک مسافر!  
 میرا سوال رد نہ کریں ورنہ میرا بیٹا مر جائیگا۔ یہ سن کر پورے نے دل میں سوچا۔ اس سے سچا چھڑاؤ اور یہی  
 تصویر پندر کا گھوڑی پر سوار ہو کر جانے اور راہ میں ایک شخص ضعیف کا بلا قاتل کر کے  
 بذر کو باتوں میں لگانے پھر ضعیف کے آنے اور گھوڑی مول لینے کی



قیمت کم دو جسے وہ ادا نہ کر سکے۔ یہ سوچ کر کہنے لگا۔ بوڑھیا۔ تو اسے نہ خرید سکیگی۔ اسکی  
 قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ یہ سن کر بوڑھیا نے فوراً بغل سے پتلی نکالی۔ اور ایک ہزار  
 گرن کے سامنے رکھ دئے۔ پھر حیران رہ گیا۔ اور بولا۔ بوڑھیا! میں تو تم سے مذاقی کر رہا  
 تھا۔ مجھے یہ خچر کسی قیمت پر بیچنا منظور نہیں ہے۔ وہ بوڑھیا اپنے ہر کورات بیو کے لئے  
 سنان بنا یا تھا۔ پور۔ بھیا! تم اس شہر میں جھوٹ نہیں بولی سکتے۔ تم نے میرے سامنے ایک ہزار

میں کچھ دیر بیٹھی ہو گئی تھی۔ اُن نے کھانا پکوا رکھا تھا مگر بیٹے نہیں کھایا۔ صرف ایک لذیذ کھانچہ اُٹھا لایا ہوں۔ کیا آپ تھوڑا سا لینگی۔ ملکہ نے جواب دیا۔ کیوں نہیں۔ تمہارا چچا میرا عزیز دوست ہے مگر تمہارے بعد بیٹے اپنے ماتھے سے تمہارے لئے ایک لذیذ کھانچہ تیار کیا ہے پہلے تم اُسے چکھ لو۔ پھر میں بھی تمہارے کھانچے کو کھا لوں گی۔ یہ کہہ کر ملکہ نے وہ اپنا کھانچہ نکالا اور بدر کو دیا۔ بدر نے نظر سچا کر اُسے تو جیب میں ڈال لیا اور اپنا کھانچہ کھانے لگا۔ ملکہ نے جب دیکھا کہ بدر تے کھانچے کھا لیا تھوڑا سا پانی لیکر اُس کے مُنہ پر چھڑکا۔ اور بولی۔ تم یہ شکل چھوڑ کر فلاں جانور کی شکل اختیار کر لو مگر یہاں کچھ کچھ گویاں نہ بنی تھیں۔ کچھ بھی نہ بنا۔ ملکہ شرمندہ سی ہو گئی اور بدر کو گلے لگا کر بولی۔ کہ میں تم سے ہنسی کرتی تھی۔ آپ خفا نہ ہوں۔ بدر نے جواب دیا۔ خدا کی قسم مجھے تو اس کا کچھ بھی خیال نہیں اور خفگی ہوئی ہی کیوں تھی۔ ملکہ مجھے تو پورا یقین ہے کہ آپ مجھ سے پوری محبت کرتی ہیں اب آپ میرے کھانچے کا ذائقہ چکھئے۔ کیسا لذیذ ہے۔ ملکہ نے بدر سے کھانچے لیا اور فوراً کھا گئی۔ بدر نے موقع غنیمت سمجھ کر فوراً کہا۔ اے بیٹیا! فوراً اس انسانی صورت کو چھوڑ کر خچر بن جا۔ اُسکے پکڑنے کی دیر تھی۔ کہ ملکہ لاپ فوراً خچر بن گئی۔ اُسکی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ اور بدر کے پاؤں پر سر مل رہی تھی گویا معافی مانگتی ہے۔ بدر نے لگام تلاش کی۔ مگر محل میں اُسے کوئی ایسی لگام نہ مل سکی جو اس خچر کو پوری آتی۔ ناچار اُسے وہیں بند کر کے وہ شیخ عبداللہ کے پاس گیا۔ اور اُسے بساط ماجرا کہہ سنایا۔ شیخ نے بدر کو اندر سے ایک لگام نکال دی جسے لیکر وہ فوراً محل میں پہنچا۔ ملکہ لاپ جو اب خچر بن گئی تھی اُسکے بڑھی۔ اور لگام چھبک ہو گئی تھی۔ بدر اُس پر سوار ہو کر شیخ عبداللہ کے پاس پہنچا۔ شیخ نے بڑے غصہ سے ملکہ کو دیکھا اور بولا۔ اے ملعونہ! تیرے اعمال کی یہ سزا ہے۔ پھر شیخ بدر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ بیٹیا! اب تم فوراً اس پر سوار ہو جاؤ اور جہاز چاہتے ہو چلے جاؤ۔ یہاں رہنے میں خرابی متصور ہے۔ مگر خیال رکھنا۔ لگام کسی اور کے ماتھے میں نہ چائے پائے۔ بدر نے سلام عرض کی اور بوڑھے شیخ سے وداع ہو کر ایک سمت کو روڑا ہوا۔ اور تین روز کے بعد ایک بڑی آبادی کے قریب سے گذرا۔ اتنے میں سامنے سے ایک بوڑھا آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ پوچھنے لگا۔ بیٹا تم کہاں سے آ رہے ہو۔ بدر بولا۔ شہر چادو سے بوڑھے ملے کہا۔ اچھا تو آج رات تم میرے دھان ہو۔ بدر نے اُسکی دعوت قبول کی

کر کے پر کو اس قدر شراب پلایا جس سے وہ ظاہر مدہوش نظر آنے لگا۔ جب ملکہ نے اس کا یہ حال دیکھا  
 بوجھا۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیکر یہ جیتی ہوں کہ مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تم نے کل رات مجھے باغ میں غیر چڑیا  
 بنے ہر گے دیکھا تھا۔ بدر نے جواب دیا۔ اہں! یہ سنکر ملکہ نے اپنا اور اس پرندے کا سارا واقعہ بتا دیا  
 جسے رکشج جذائ کے پہلے سن چکا تھا۔ اور کہنے لگی۔ باوصف اس کی محبت کے مجھے مارا اور نور کی قسم  
 ہے کہ میں تمہیں دل سے چاہتی ہوں اور تم مجھ پر خفا ہو۔ بدر بحالت نشہ بولا۔ میرا غم نہ محض اس وجہ  
 سے تھا۔ یہ سنکر ملکہ نے پھر اسے گلے لگایا اور محبت ظاہر کی۔ پھر پہلو پہ پہلو سو رہے۔ جب رات  
 اوجھی گزر گئی۔ ملکہ اٹھی اُس نے سمجھا۔ کہ در سو رہا ہے۔ مگر وہ بظاہر سوتا اور اندر سے جاکتا تھا اور  
 دیکھ رہا تھا کہ ملکہ کیا کرنے لگی ہے۔ غرض پہلے ملکہ نے ایک سرخ بھیلی لٹکا کر اُس میں سے ایک سسج  
 لئے نکالی اور اسے زمین میں گاڑ دیا۔ فوراً وہاں ایک چشمہ نکل آیا۔ پھر چند دنوں کے بعد وہیں بوسج  
 پھر اُس جیسے کا پانی اور پڑا۔ فوراً جو آگ کر اپنے خوشے میں لگ آئے۔ پھر انہیں سے دنوں کا لکڑی  
 لئے اور اُس پانی سے آگ کو نہ ہکا کچھ دوا میں ملائیں۔ اور آگ ہم پہنچا کر ایک کلچہ نکلا۔ جب اس کام  
 سے فراغت پا چکی۔ کلچہ کو کہیں احتیاط سے رکھ دیا اور بھیلی منہ والی۔ پانی کا چشمہ بھی غائب ہو گیا  
 اور وہ بدستور بدستور پہلو میں آگے سر ہی رہا۔ جب صبح ہوئی پھر فوراً اُس کا کھنکھارہ آواز کے پاس گیا۔  
 اور اسے رات کا سارا واقعہ بتا دیا۔ شیخ نے کہا فکر نہ کرو۔ خدا تعالیٰ بہتری ہی کرے گا۔ یہ کہنا ایک  
 کلچہ اسے اپنے پاس سے دیا اور کہا کہ اسے جیب میں رکھ لو۔ آج رات کو جب ملکہ لایا نہیں وہ  
 کلچہ کھانے کو دے تو تم غفلت چاکے اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اُس پر سے کلچے کا ٹکڑا اترے گا لیتا  
 جب وہ تمہیں کلچہ کھائے ہوئے دیکھیں گی۔ تم ہر پانی چھوٹ کر کہنے لگی کہ اپنی یہ صورت چھوڑ کر غلام  
 شکل اختیار کر لو۔ مگر تم پر سے کلچہ اترنے ہو گا اور وہ بھل ہو جائیگی۔ پھر وہ کہنے لگی کہ میں تم  
 سے ہنسی کرتی ہوں۔ اس کے بعد تم نے موقع پا کر اس کا کلچہ اُسے ہی کھلا دیا۔ جب کھانے کو تم نے  
 غفلت اس کا پانی لیکر اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ پھر جس خاصہ کی شکل کا لڑوہا۔ وہ کہنے لگا کہ فوراً وہی  
 جانور میں بدلتی اور تمہارے قابو آجائے گی۔ غرض یہ سخت دیر نہ گزری کہ وہ شہاب کے قتلہ و بلیس  
 ہوا۔ یہ آواز میں ملکہ کے پاس آئی وہ اسے دیکھ کر بظاہر ہنسٹا ہنسٹا ہوئی اور کہنے لگی  
 میں تمہارے لئے پوری مقرر ہو رہی تھی۔ پھر اسے جواب دیا۔ وہاں چاہے ساتھ باتوں باتوں

لیکن ملکہ کو وہاں نہ پایا۔ البتہ کئی قسم کے پرندے اور دھڑکھڑکے رہے تھے اور ایک سفید رنگ  
کی ایک خوبصورت چڑیا ہنر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ درخت سے ایک سیاہ  
پرندہ اتر آیا اور اس سفید چڑیا سے جھتی کرنے لگا وہ ایسی جگہ کھڑا ہوا کہ پرندے نہ دیکھ سکتے تھے  
اسکے بعد وہ کالا پرندہ اتر گیا اور سفید چڑیا ایک عورت بن گئی۔ پرندے غور سے دیکھتا تو وہی ملکہ تھی۔  
اسے سوچ لیا کہ یہ کالا پرندہ بھی کوئی آدمی ہوگا جو ملکہ کے سحر کا شکار ہو چکا ہے۔ مگر جبکہ ملکہ  
اس سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے بڑی غیرت آئی۔ اور غصہ میں بھاڑا آکر بستر پر آکر لیٹ گیا  
گھڑی بھر بیٹھے ملکہ بھی آگئی اور اسے چومنے چاہنے لگی مگر اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ اس لئے  
پرندے کچھ جواب نہ دیا۔ ملکہ نے سمجھ لیا۔ کہ اس نے میری آجکی کرتوت دیکھ لی ہے۔ مگر وہ کچھ بولی  
اور اپنے ارادے کو دل ہی میں رکھا۔ جب صبح ہوئی پرندے کہا۔ ملکہ! آج میرا دل بڑھ چھا  
مے دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ دیر سے اٹھیں نہیں دیکھا وہ بھی کیا کہتا ہوگا۔ ملکہ نے اجازت  
دی اور کہا کہ جلدی آنا مجھے انتظار نہ کرنا پڑے۔ پر شیخ عبد اللہ کی دوکان پر آیا اور سلام کر کے  
رات کا واقعہ سنایا۔ شیخ نے جواب دیا۔ یہ سب بطور بھی کبھی انسان تھے۔ اور یہ کالا پرندہ ملکہ کا  
ایک غلام تھا۔ جس پر وہ عاشق تھی۔ مگر وہ ایک لوندی پر عاشق تھا۔ اس لئے ملکہ نے لوندی کو تو  
ہروا ڈالا اور اس غلام کو کالا پرندہ بنا دیا۔ اب بھی جس وقت چاہتی ہے اس سے منہ کالا  
کر لیتی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تبار کے دیکھنے کا اسے بھی پتہ لگ گیا ہے اور اس کے  
دل میں پرانی بیٹھ گئی ہے جو شکل سے صاف ہوگی۔ مگر تم اطمینان رکھو کہ میں تمہاری  
حفاظت رکھوں گا۔ میں ایک مسلمان آدمی ہوں اور سحر بھی جانتا ہوں۔ آج مجھے برابر  
ایک بھی ساحر نہیں۔ مگر میں خاص موقع پر اپنے علم کو استعمال کرتا ہوں۔ ورنہ یہاں  
کے سب مسحوں کو سخاوت و ادب اور دیکھے کسی کی بھی پرواہ نہیں۔ لیکن ایسا تم جاؤ۔ اور  
کل صبح مجھے آگے اپنے حال سے خبر دینی۔ کیونکہ آج رات سحر سہلے بر خلاف کوشش  
کر گئی۔ میں نہیں تجویز بنا دوں گا جس سے تمہیں گرفتار نہ کرنی پڑے۔ آپ ہی قالو آجائے گی  
یہ کہہ کر کو دراج کیا۔ وہ فوراً محل میں آیا۔ اسے ملکہ اس کے انتظار میں تھی۔ جب وہ اندر  
آ گیا بڑی خوش ہوئی اور اس کے اسے گلے لگا لیا۔ پھر کھانا کھایا اور شراب پیئے۔ گئے

جس کے امیر اپنے لباس سے میتم ہونے کا یقین ہوتا تھا۔ جب یہ جماعت بھی میاں بڑھے کی دوکان کے سامنے آئی۔ سب نے سلام کیا اور آگے بڑھ گئیں۔ پھر ملکہ کی سواری آئی۔ جس کا نام ملکہ لاپ تھا۔ اور ایک بڑے لشکر کو رکاب میں لئے تھی۔ بدر کے حسن و جمال کو دیکھ کر ملکہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ فوراً گھوڑے سے اتر سی اور بوڑھے میاں کی دوکان پر آ کے اُسے سلام کہہ کر بچھنے لگی۔ یہ خوبصورت نوجوان کون ہے؟ بوڑھے میاں نے جسے لوگ عبداللہ شیخ کہتے تھے جواب دیا۔ یہ نوجوان میرا بھتیجا ہے اور مقورے ہی دن سے یہاں آیا ہے۔ ملکہ نے کہا کیا تم اسے آج رات میرے پاس رہنے کی اجازت دو گے۔ شیخ عبداللہ نے کہا مگر ایک شرط ہے کہ آپ اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں اور نہ اسے سحر کے نیچے میں جکڑیں۔ ملکہ نے اقرار کیا اور حلف اٹھایا کہ میں تمہارے بھتیجے کو کسی قسم کی تکلیف نہ دوں گی۔ تم اطمینان رکھو۔ جب شیخ نے حاجی بھری۔ ملکہ نے بدر کی سواری کے لئے ایک پیش بیا اور ساز و سامان سے آراستہ گھوڑا موگایا اور عبداللہ کو ہزار دینار کی تعمیل انعام میں دیکر چلی گئی۔ راستے میں لوگ ملکہ کے ساتھ بدر کو جاتا دیکھ کر تاسف کرتے اور ماتھے مل کر کہتے۔ خدا کی قسم یہ نوجوان اس ملعونہ کے جادو کا شکار ہونے کے قابل نہیں ہے۔ بدر سب کی باتیں سنتا تھا اور خدا پر پھروسہ رکھ کر علا جا تھا۔ آخر ملکہ کی سواری محل میں پہنچی اور ساری فوج اور سردار رخصت ہوئے۔ بدر ملکہ کے محل کی کھائے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی دیواریں سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ پیچیں ایک پائیں یاغ تھا جس میں ہر چل ہی تھی اور درختوں پر انوار و قسام کے پرندے چہچہاتے تھے پھر ملکہ اور بدر ایک پارہ دری میں ماسحتی دانت کے تخت پر بیٹھ گئے جس پر بیٹھتے امیر الی قالیوں پہنھا تھا۔ ملکہ نے بدر کو گلے سے لگایا اور پھر دسترخوان چھنے کا حکم دیا۔ جب کھانا کھا چکے شراب کا دُور چلنے لگا۔ اسکے بعد گائینیں آئیں اور انہوں نے وہ رنگ باندھا کہ قصر شاہی بھی ناچتا دکھائی دیتا تھا۔ بدر کو ساری غریب بھول گئی۔ آدھی رات کے بعد دو نو سو رہے۔ جب صبح ہوئی۔ ملکہ نے پہلے سے بھی زیادہ محبت کا اظہار کیا۔ غرض یہ طبع عیش و عشرت میں چالیس دن گزر گئے جب چالیسویں رات تھی۔ بیکار آدھی رات کے بعد بدر کو جاگ آئی۔ اُس نے دیکھا تو ملکہ اُسکے پہلو میں نہ تھی۔ دل میں کہنک گئی کہ دل میں کچھ کا لازم ہے۔ اٹھا اور ملکہ کی تلاش میں یاغ میں پہنچا



مگر بے سیرت شیطان خصلت شہزادی ہے جو جادو میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ شہر سے باہر چو جاؤر  
 تمہیں اندر آئیے روکتے تھے۔ وہ اس ملعونہ کے جادو کے شکار ہیں۔ اور کسی دن وہ بھی  
 ہماری تمہاری طرح چلتے پھرتے تھے۔ اُس بد ذات کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت نوجوان  
 اس شہر میں وارد ہوتا ہے تو شہزادی اُسے اپنے پاس بلوائے چالیس دن رکھتی ہے۔  
 اور اکتالیسویں روز جادو کے زور سے کوئی جانور بنا کر گھر سے نکال دیتی ہے۔ یہی طرح اس نے  
 شہر کے تمام باشندوں کو جادو سے جانور بنا دیا ہے جو نو واردوں کو اشاروں سے منع کرتے  
 ہیں۔ کہ اس شہر میں نہ جاؤ۔ ورنہ تمہاری بھی یہی کیفیت ہوگی۔ بدیر یہ حال سنکر بہت گھبرایا اور  
 سوچنے لگا۔

ایک مصیبت سے تو مر کر کے ہوا تھا جینا پڑ گئی اور یہ کیسی میرے اللہ رے نئی  
 پھر بڑھے کو اپنے مصائب کا حال سُنا کر مدد چاہی۔ اُسے جواب دیا۔ اگرچہ یہاں کا حال ایسا ہے۔  
 جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا۔ مگر تم اطمینان رکھو اور مجھ سے یہاں رہو۔ اُن اس امر کا خیال ہے  
 کہ یہاں کے کسی باشندے سے سروکار نہ رکھنا۔ اگرچہ ملک اور تمام شہر کے باشندے مجھ سے محبت  
 رکھتے ہیں۔ بلکہ اُنکے دل میں میرا خوف بھی ہے مگر میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ غرض بدیر دوکان پر  
 بیٹھ گیا۔ اتنے میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جو آتا بدیر سے بدیر کی بابت پوچھتا پڑا جواب دیتا  
 یہ میرا بھتیجا ہے۔ بیٹے سنا ہے کہ میرا بھائی مر گیا۔ اسلئے اسے اپنے پاس بلوا لیا ہے۔ ہر ایک یہ  
 سنکر افسوس ظاہر کرتا۔ کاش! ملک کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔ ورنہ اس کا بھی وہی حال ہوگا جو اوٹل  
 کا ہوا۔ کیونکہ ملک کو ایسے جوان بہت پسند آتے ہیں۔ مگر بڑھا اکتا۔ اطمینان رکھو۔ ملک جب یہ  
 سنیکر کر یہ نوجوان یتیم بھتیجا ہے تو وہ اپنے ارادے سے باز آ جائیگی۔ غرض بدیر نے بڑھے میان  
 کی دوکان پر ایک مہینہ بڑھے امن چین سے کام لیا۔ لیکن وہ حسب معمول بیٹھا تھا کہ ایک ہزار جوان  
 جنگی تلواریں لئے گھوڑوں پر سوار ایک طرف سے چلے آتے ہیں۔ جب وہ بڑھے میان کی دوکان  
 کے پاس پہنچے سب نے پوڑھے کو سلام کیا اور اُسے بڑھے۔ اُنکے بعد ہزار ہی نوٹڈیاں نظر آئیں  
 جکے چہرے چاند کو شرمندہ کرتے تھے۔ انہوں نے بیش قیمت لباس اور جواہرات پہنے ہوئے  
 تھے اور انہوں میں نیزے لئے تھے۔ اُنکے حلقہ میں ایک عورت عربی گھوڑے پر سوار آرہی تھی

شہر میں کسی آدمی کو نہ پایا یہاں ایک دیکھتے ہیں وہ بہت ہی خوبصورت تھا اور پاکیزہ نظر آتا تھا۔  
 سمجھا کہ اس میں ضرور کچھ بات ہے۔ غرض وہ گھومنے لگے گھومتے بڑی دیر کے بعد ایک سبزی  
 فروش پڑھے کی دوکان پر پہنچا۔ جو مختلف قسم کی سبزیاں اور میوے بچے بیٹھا تھا۔ علیک سلیک  
 کے بعد پڑھے میاں نے جب بزرگوں کو ایک خوبصورت نوجوان پایا۔ بڑا حیران ہو گیا اور پوچھنے لگا  
 تصویر یہ کی شہر کی طرف جانے اور گاؤں بھیتوں اور سیلوں خیموں وغیرہ کے مائع نمکی



بیان تم میاں کیسے آگئے؟ اور کیا شہر سے یاہر تمہیں کوئی نیا واقعہ پیش نہیں آیا۔ یا پھر  
 دیکھا تو تمہیں۔ پھر نے ساری سرگدشت سنا دی اور یو لائیں اس شہر کو سنسان پا کر بڑا حیران  
 ہوا۔ مہوں۔ پڑھے نے جواب دیا تم فوراً اندر آ جاؤ۔ میاں کسی اور نصیبت میں گرفتار ہو جاؤ  
 غرض بدر دوکان کے اندر چلا گیا۔ پھر پڑھے نے اسے بھوکا دیکھ کر کھانا کھلایا۔ چپ بدر سیر ہو  
 پڑھے لگا پڑھے میاں! اس شہر کا کیا نام ہے؟ اور آپ نے مجھے کیوں اسکے باشندوں سے  
 خوف دلایا ہے۔ پڑھے نے جواب دیا۔ اسے شہر جادو کہتے ہیں اور حاکم یہاں کی ایک خوبصورت

میں پانی کا پیالہ لیکر اس کمرے میں گئی جہاں وہ چڑیا تھی اور پانی پر کچھ کلام پڑھ کر جسے کوئی نہ سمجھ سکا اس چڑیا پر چھڑک کر کہنے لگی۔ اسے چڑیا اس پانی کی تاثیر سے تو اس لباس کو چھوڑ کر اپنے اصلی لباس میں آ جا۔ پانی کے پٹنے اور ملک کے یہ الفاظ ظلمت کی دیر تھی کہ وہ چڑیا فوراً وہی خوبصورت بد رنگیہا۔ جوشہرہ زادی جو اہر کو ملنے سے پہلے تھا۔ بادشاہ اسکی وجہ یہ صورت کو دیکھ کر بے اختیار سبحان اللہ کہہ اٹھا۔ غرض بدر نے بادشاہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ملک کا شکریہ ادا کیا۔ جسے اسے ایک ناقابل پروا شت قبیلہ سے نکالت دی تھی۔ پھر بادشاہ تھے اس سے ساری سرگزشت دریافت کی۔ بدر نے جو کچھ راستہ سب کچھ من و عن کہہ سنایا۔ یہ سنکر بادشاہ سے پوچھا۔ تو اب تمہاری کیا صلاح ہے۔ یہاں رہنے چاہتے ہو یا اپنے ملک کو جاؤ گے۔ بدر نے جواب دیا۔ میں آپ کے احسانات کو کبھی نہ بھول سکوں گا اور اسلئے آپ کے قدموں سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا۔ لیکن اگر مجھے میرے وطن میں پہنچائیں تو بڑی ہی عنایت ہوگی۔ کیونکہ میری ماں میرے لئے سخت مرہم رہی ہوگی۔ کہہ عجب نہیں اگر مر جائے۔ اور میرے ماموں کو بھی میرا سخت انتظار ہوگا۔ اسلئے کہ انہیں میرے میری کچھ خبر نہیں ملی ہوگی۔ غرض بادشاہ نے بدر کے لئے ایک چاد تیار کر لیا۔ چہرہ ضرورت کی ہر ایک چیز رکھ دی اور اپنے ملازمین کی ایک جماعت ہمراہ دی جو اسے خراسان میں چھوڑ آئیں۔ غرض بدر نے بادشاہ سے اجازت لی اور جہاز پر سوار ہوا۔ ہوا موافق تھی۔ اسلئے وہیں روز تک چاد بڑی سلامت روی سے چلتا رہا۔ مگر گیارہویں دن لیکا یک ہوئے تھکا ایک ایسا بھونکا آیا کہ راستہ سے دور جا پڑا اور ڈگمگانے لگا۔ بلکہ ہوا سننے وہ زور باندھ کر کھاتھا۔ کہ کپتان بھی بے اختیار ہو گیا۔ آخر کار جہاز ایک سمندری چٹان سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو کر ڈوب گیا۔ بدر نے بھی ایک آدھ ڈبکی کھالی ہو گئی۔ مگر لیکا یک ایک تھکے اسلئے اٹھ گیا اور وہ اسلئے سہانے بہتا ہوا چوتھے دن کنارے پر آ لگا۔ کنارہ کچھ اونچا تھا اور اسے بھوک پیاس نے قریباً مرگ کر رکھا تھا۔ تیز سامنے سے ایک خوبصورت شہر دکھائی دیتا تھا۔ اسلئے بدر نے جس طرح ہو سکا اپنے تئیں خشکی پر پہنچایا اور چاہتا تھا کہ شہر کو جائے۔ لیکا یک گھوڑے۔ گائیں۔ بچھریں اور بیل وغیرہ چاروں طرف سے دوڑے اور شور و غل جھارے آگے بڑھنے سے مانع ہوئے لیکن جس طرح ہو سکا وہ چھپ چھپا کر شہر میں جا رہی پہنچا۔ اسکی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اسے

شہزادی علیہ لیکر دعائیں دیتا چلا گیا۔ اور غلام نے اس پر نصیب چڑیا کو ایک اور خوبصورت پتھر  
 میں رکھ کر محل میں لٹکا دیا۔ اور پاس ہی اسکے لئے ہر طرح کی خوراک بھی رکھ دی۔ جب شام کو بادشاہ  
 گھر آیا۔ غلام سے کہا وہ چڑیا کہاں ہے؟ اُسے یہاں لے آؤ۔ میں اُسے دیکھوں گا۔ خدائے  
 دیہا میں کیا کیا عجائبات پیدا کئے ہیں۔ غلام پتھر لے آیا اور بادشاہ کے سامنے رکھ دیا کہ  
 غلام نے اُسکے کھانیکے لئے جو کچھ پتھر سے میں رکھا تھا۔ اُسے چڑیا نے منہ بھی نہ لگایا۔ وہ  
 حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے؟ پھر حکم دیا کہ دسترخوان چُنا جائے۔ نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل  
 کی۔ چڑیا نے دسترخوان پر شانہ کھانے دیکھ کر خوش ہو کر اُڑا اور بادشاہ نے اُسے پتھر سے  
 لٹکا کر دسترخوان پر چھوڑ دیا۔ چڑیا فوراً بڑی احتیاط سے پتھر کو کھدک کر ہر ایک رقبہ سے اچھے  
 اچھے کھانے کھانے لگی۔ بادشاہ اور حاضرین اُسکے اس کرتب سے بڑے حیران ہوئے۔ پھر بادشاہ  
 نے ایک غلام کو فرمایا میں نے عمر بھر میں پرندوں کو اس طرح کھانا کھاتے نہیں دیکھا۔ تم جا کے ذرا بیگم کو  
 بلاؤ تو وہ بھی اس نظارے کو دیکھے۔ غلام فوراً بیگم کی خدمت میں گیا اور عرض کی حضور کو  
 بادشاہ سلامت یاد فرماتے ہیں۔ آج انہوں نے جو پرندہ خرید لیا تھا وہ عجائبات زمین میں سے ہے  
 نہایت ہی خوش وضع اور خوبصورت ہے۔ اسکے علاوہ جب اسے دسترخوان پر لائے فوراً پتھر  
 کو کھا کر خیر با بیٹھا اور ایسے عجیب طریق سے کھا رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بیگم یہ پیغام سن کر فوراً  
 وصال پہنچی جہاں بادشاہ کھانا کھا رہا تھا مگر بیگم نے اُس چڑیا کو دیکھتے ہی فوراً منہ ڈھانپ لیا۔  
 اور واپس ہو گئی۔ بادشاہ آگے بڑھا اور پوچھا۔ کیوں خیر تو ہے۔ یہاں تمہارے نوکروں اور لونڈیوں  
 کے سوا اور کون ہے کہ تم اس طرح ہنر چھپا کر لوٹ چلی ہو۔ بیگم نے جواب دیا۔ یہ ہنر جسے آپ چڑیا  
 کو دے رہے ہیں چڑیا نہیں بلکہ ہماری ہتھاری طرح کا ایک آدمزاد ہے۔ بادشاہ شاہزاد کا بیٹا  
 بردار ہے خراسان ہے۔ اسکی ماں کا نام گلنار ہے اور شہزادی جاہر نے اسے سحر سے ایسا بنا دیا  
 ہے۔ پھر اُنکا سارا واقعہ شروع سے آخر تک سُنا دیا۔ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی اور بیگم سے کہنے  
 لگا۔ میری اچھی بیگم! تمہیں میری ہی قسم ہے۔ اسے مکار جواہر کے کمر سے چھوڑاؤ اور جس طرح چاہو  
 اُسے اسکا اصلی جامہ پہناؤ۔ بیگم نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ آپ اسے کہنے کہ اس سلسلے ولے کمرہ  
 میں چلا جائے۔ بادشاہ نے اشارہ کیا اور بد فوراً اُس کمرے میں چلا گیا۔ پھر بیگم نے برقع پہنا اور

کی خبر دی۔ کیونکہ اگر ان لوگوں کو خبر بھی ہو گئی تو اندیشہ ہے کہ ملک میں فساد نہ مچ جائے۔ اسلئے میں بد کے واپس آنے تک خود حکومت کر دینگے۔ مگر آپ کو بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ بد کی زندگی سے ہی میری تربیت ہے۔ خدا نخواستہ وہ اگر ہلاک ہو گیا تو یقیناً میں بھی نہ جیوگی۔ ماں نے جواب دیا۔ بیٹی! تم نے ہمارے کلیجے کو چیر نہیں دیکھا۔ ورنہ بد کی جذباتی کا صدمہ میں تم سے بھی بڑھ کر کسے تم لہجیان سے جاؤ میں پھر کھوج لگاؤنگی۔ پھر اسکی ماں نے اور مخبروں کو بد کی تلاش کے لئے روانہ کیا۔ اور گلزار باؤل گریاں اپنے گھر کو واپس آئی۔ اب بد کا حال سنو۔ جب لونڈی اپنی شہزادی کے خلاف مٹھا اُسے ایک آباد جزیرے میں پھوڑ آئی وہ اپنی صورت پر حیران تھا۔ جب بیوک لگتی وہاں سے درختوں کے پھل کھا لیتا اور چشموں کے پانی سے پیاس بجھاتا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں کئی دن گزر گئے۔ مگر وہ اڑنا بھی نہ جانتا تھا۔ اور نہ ہی اُسے معلوم تھا کہ کہاں جائے۔ چند روز کے بعد اتفاق سے وہاں ایک شکاری آگیا۔ بد کو ایک عجیب و غریب خوبصورت چڑیا پا کر اُسے بڑی حیرانی ہوئی اور اُسے ارادہ کیا کہ جس طرح سے چڑیا سے پکڑ کر کسی اچھے آدمی کے پیش کرے جو اُسے دل کھو کر انعام دے گا۔ غرض اُسے دانہ بکھیر کر جال بچھایا۔ بچارہ ناجو یہ کار پرندہ جال کے پھندہ میں فوراً پھنسا۔

بہناں تھا دام ایک قریب اشیاں کے چاڑھنے نہ پائے تھے اگر فتار سم ہوئے صیاد نے نہایت مسرت سے اُسے پکڑا اور شہر کو لے چلا۔ راستے میں کئی ایک آدمیوں سے اُسے قیمت پر بھی صیاد لے لیا۔ تم اُسے کیا کرو گے۔ وہ شخص بولا۔ میں اسے بیچ کر کے پکاؤنگا مگر شکاری بلا۔ تم زیادہ سے زیادہ اسکی قیمت ایک درم دیکو گے اور بیسے خوبصورت چاند کو ہلاک کر دو گے۔ اب سا پرندہ اپنے عمر بھر میں نہیں دیکھا۔ حالانکہ سحر و بر میں شکار کرتے میری عمر بھی صرف ہوا چکی ہے۔ میں اسے بادشاہ کو ہدیہ دوں گا۔ جو مجھے بچا انعام دے گا اور اسے بھی بدور نش رکھنا۔ غرض وہ اُسے لیکر شاہی دربار کی طرف آیا۔ بادشاہ اُسے دوسرے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور ایک غلام کو بھیجا کہ اُسے فرید نائے۔ غلام شکاری کے پاس آیا اور پوچھا کہ تو اسے بیچ گیا۔ صیاد نے جواب دیا نہیں بلکہ میں اسے بادشاہ کی نذر کیلئے لایا ہوں۔ غلام نے اُسے ساتھ لے لیا اور پتھر بادشاہ کے سامنے رکھ کر صیاد کا پیغام عرض کر دیا۔ بادشاہ نے فرمایا اور حکم دیا کہ صیاد کو دس دینار دئے جائیں صیاد

سپاہ کو بھگا دیا۔ محل میں شہزادی جو اہر کی تلاش کرانی۔ مگر جب شہزادی نہ ملی تو اپنے گھر آیا اور والدہ سے بد کی بابت پوچھا۔ اس کی والدہ کہنے لگی وہ تو اس وقت سے غائب ہے۔ جب سے تمہاری روانی کی خبر سنی گئی ہے۔ ملک صالح نے جب یہ بات سنی بجا متفکر ہو گیا اور والدہ سے کہنے لگا۔ یہ سبک نہیں ہوا۔ اندیشہ ہے کہ کہیں مارا نہ جائے۔ اگر سنداں کے کسی سپاہی کے قابو چڑھ گیا۔ یا اسکی روانی شہزادی جو اہر نے اسے پالیا۔ کیونکہ وہ اپنا کینہ ٹھکانے بغیر رہنے والے نہیں ہیں مجھے کٹھن سے بڑی شرمندگی اٹھانی پڑیگی۔ اسلئے کہ میں اسے بغیر اجازت اپنے ساتھ لایا ہوا ہوں۔ غرض سوچ سوچکر ملک صالح نے چاروں طرف جا سوس اور گوشہ جون کو روانہ کیا کہ بدر جہاں سے ملے دھونڈ کے لائیں۔ مخبروں نے چپے چپے چھان مارا۔ لیکن بدر ہو تو اسکا پتہ لگے۔ وہ تو ایک خوبصورت چڑیا کی شکل میں اس جزیرے میں بیٹے کھانا تھا۔ آخر پیکار سے ناکام آئے۔ اور ملک صالح کا فکر ایک سے ہزار گنا بڑھ گیا۔ اُدھر ملک گلنار نے جب بدر اپنے ماموں کے ہمراہ چلا آیا تھا۔ بیٹے کا بڑا انتظار کیا۔ حتیٰ کہ کئی دن تک بدر کی اسے خبر نہ ملی۔ سنا چار آپ تلاش کے لئے نکلی۔ اور اپنے میکے میں آئی۔ اس کی ماں نے اسے گلے لگایا اور خیریت دریافت کی۔ ملک گلنار نے جواب دیا۔ سب کچھ بدر کا پتہ بتاؤ۔ پھر اور باتیں ہو گئی۔ میں کئی دن سے اسے نہ پا کر بیقرار ہو رہی ہوں۔ گلنار کی ماں نے جواب دیا۔ بیٹی اب در آیا تو تھا اور تھما اب بھائی ہی اسے ساتھ لایا تھا۔ کیونکہ بدر شہزادی جو اہر کا شتاق تھا۔ پھر تجربے بھائی نے بہت سے جواہرات ساتھ لئے اور سبک سنداں کے پاس گیا۔ وہ بڑی ترش روئی سے پیش آیا بلکہ کچھ سختی بھی کہا۔ بیٹے اسکے رواۃ ہونے کے بعد ہی ایک دراجان بھیجے تھے۔ تاکہ وقت پر کام آسکیں۔ سو وہی ہوا۔ ملک صالح نے ایک ایک انکے ساتھ ملک سنداں پر حملہ کر دیا۔ آخر ملک سنداں قید ہو گیا اور اسکی قوت بھاگ گئی۔ کھماری گئی۔ اس مجاہد کے کاحال سنکر بدر خدا جانے جیسے اطلاع دے بغیر کہاں چلا گیا ہے۔ مخبروں نے چپے چپے چھان مارا۔ اگر کچھ پتہ نہیں لگا۔ کہ بدر گیا کہاں چلا گیا۔ پتہ پوچھا اور بیانی باب کہاں ہیں۔ اسکی ماں نے فرمائی۔ وہ آج سنداں کے تخت پر بیٹھا حکمرانی کر رہا ہے۔ گھنٹا کو بیانی پر سخت غصہ تھا۔ کیونکہ وہی بدر کو چاہا تو کھر سے آتا تھا۔ مگر اسے اس خیالی کو ظاہر نہ کیا۔ اور اس سے کہنے لگی۔ تو میں اب جانیں پاتی ہوں۔ بیٹے کی ایک شہزادی بدر کو پکڑ کر کے کھوئے جانے

یورش کردی اور اُسے گرفتار کر لیا۔ مگر تعجب خیز اتفاق یہ ہے کہ ہم دونوں وہاں آجسج ہوئے ہیں۔ پس یہاں آپ پیچھے اتر آئے۔ تاکہ آپ کے باپ کے محل کو چلیں۔ اور میں ماموں سے کہنا آپ کے والد کو چھوڑاؤں۔ اے میری پیاری شہزادی! اپنے محض آپ۔ لئے اپنا ملک ہی چھوڑ دیا ہوا ہے۔ یہ سنکر شہزادی چواہر جو پہلے بدر سے کچھ محبت کرنے لگ گئی تھی سخت ناراض ہوئی۔ اور سوچنے لگی۔ کہ جس کے سبب سے ہم پر ایسی مصیبت پڑی۔ اُس سے بدلہ لئے بغیر نہ رہنا چاہئے۔ پھر بڑی میٹھی آواز سے جواب دیا۔ کیا آپ ہی ملکہ گلنار کے فرزند ہیں۔ جواب دیا ہاں۔ میری پیاری۔ شہزادی جو اہر لولی۔ میرا باپ بڑا ہی بوقوف ہے۔ جسے آپکو دیکھے بغیر ہی الکار کر دیا۔ یہ نہیں جانتا۔ آپ سے بڑھ کر حسین شہزادہ کہاں سے ملے گا؟ مگر امید ہے کہ آپ اُسے معذور سمجھیں گے۔ کیونکہ جو محبت آپ کو میرے ساتھ تھی اس سے بدرجہا بڑھ کر تھی آپ کے ساتھ ہے۔ پھر وہ درخت پر سے اتر آئی اور بدر کو آکر گلے لگا لیا۔ یہ دیکھکر بدر کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ مگر اتنے میں شہزادی مُنہ میں کوئی کلام پڑھنے لگی جسے بدر ہرگز نہ سمجھتا تھا۔ جب وہ کلام ختم کر چلی تو بدر کے مُنہ پر تھوکا۔ اور بولی اے ملعون! اچا! یہ صورت چھوڑ کر سفید پروں والی سُرخ منقار والی اور سُرخ ہی پنجوں والی خوبصورت چڑیا بن جا۔ شہزادی کے یہ کہتے ہی بدر کی صورت منتقل ہو گئی وہ اب آدمی سے ایک خوبصورت چڑیا بن گیا تھا اور زمین پر بیٹھ کر شہزادی کی طرف ہلک رہا تھا۔ شہزادی کے ساتھ ایک نوٹھی بھی تھی۔ سرسینہ نامی شہزادی اس کی طرف مخاطب ہوئی اور اُسے حکم دیا۔ اے سرسینہ! اگر میرا باپ اس کے ماموں کا اسیر نہ ہوتا تو یقیناً میں اسے قتل کر دالتی۔ کیونکہ سب فتنہ اسی کا برپا کیا ہوا ہے۔ لیکن اب خوفِ آتما سے اسلئے تم اسے میچاؤ اور غلامِ جبر سے میں جا کر چھوڑاؤ۔ جہاں خود بخود بھوک پیاس سے مر جائیگا سرسینہ اُلٹی اور اُس چڑیا کو اٹھا کر جہاں شہزادی جو اہر نے کہا تھا لے چلی۔ جب وہاں پہونچی اور اُسے چھوڑ کر آنا چاہتی تھی کہ اس کے دل میں رحم آگیا۔ سوچنے لگی۔ ایسے شخص کو جسے ناز و نعم میں پرورش پائی ہو۔ اس طرح سے مارنا سخت بیرحمی ہے۔ نیز شہزادی نے اس وقت تو غصے سے مجھے یہ حکم دیا ہے۔ بعد کو ضرور پشیمان ہوگی۔ یہ سوچکر اُسے ایک اور سرسبز اور تر و تازہ جزییرے میں جا کے چھوڑ آئی۔ جہاں درخت لہلہا رہتے تھے۔ نہر بنی جارہی تھیں۔ اور میوؤں کا کچھ شمار نہ تھا۔ آسمانی شہزادی سے رپوڑٹ دینی کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کر آئی ہوں اور ہر ملک صالح نے جب سندان کو تہذیب کر کے اس کی



اٹھا اور شہزادی کے پاس جا کر بولا۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آنا ہوا۔ اور یہاں کیوں تشریف لے گئی ہیں۔ اگر میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں تو بلا تامل ارشاد فرمائیے۔ شہزادی جو اس نے جب نظر اٹھا کر مدد کو دیکھا تو اسے اس کے مردانہ حسن و جمال کو دیکھ کر معلوم ہوا۔ گویا آنکھوں کے سامنے بجلی کووند گئی اور نظر پیچ کر کے بولی۔ میں ملک سندھال کی بیٹی جو اہرہوں۔ ملک صاحب اور میرے باپ کے درمیان کسی بات پر تکرار ہو چکی تھی۔ ملک صاحب نے میرے باپ کو قید کر لیا اور اس کے سپاہیوں کو نصیر شہزادی جو اہرہ کی موخاں ویرانے میں چھپنے کی اور شہزادہ پادشاہ کے سر کو لٹکا کر



بے لگا دیا۔ میں بھی اس کے خوف سے اپنے تئیں بچا کر یہاں لائی ہوں۔ اور جب سے آئی ہوں۔ نہیں معلوم میرے باپ کی کیا حالت ہے۔ پھر کو اس قابو پر بڑی حیرانی اور مسرت ہوئی۔ اور دلیلیں کہنے لگا۔

جذب دل زور آزمایا چھوڑ دے + پائے نازک کا ستا نا چھوڑ دے

پھر شہزادی جو اہرہ سے مخاطب ہوا۔ کہ اسے میری آنکھوں کے نور ایہ لڑائی محض میرے لئے ہوئی تھی۔ ملک صاحب میرا ماں ہے۔ اس نے آپ کے والد کو میرے لئے سگائی کا بیجا دم دیا تھا۔ آپ کے والد نے سخت خفگی کا اظہار کر کے ملک صاحب کو قتل کر دینا چاہا۔ اس لئے ملک صاحب نے

بڑھ کر نہیں ہو۔ پھر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کا سر کاٹ کر پھینک دو۔ ملک سمندا ل کے  
 ٹوکر ملواریں کھینچ کر دوڑے کہ ملک صالح کی بونی بونی کر ڈالیں۔ مگر ملک صالح دوڑ کر باہر نکل چکا تھا  
 جب وہ دروازہ پر پہنچا تو دیکھا کہ اس کی فوج کے ایک ہزار جراحان لوہے میں ڈوبے کھڑے ہیں۔  
 ملک صالح کی یہ حالت دیکھ کر وہ لرے۔ کیوں کیا خبر ہے؟ ملک صالح نے اُنکے جواب میں اپنی  
 سرگذشت سنا دی۔ اور اُن جوانوں کو ملک صالح کی والدہ نے اُسکی مدد کیلئے بھیجا تھا۔ کہ ملک  
 صالح اکیلے ہی قابو نہ آجائے۔ غرض وہ جوان ملک صالح کی کہانی سن کر بڑے برہم ہوئے اور ملواریں  
 کھینچ کھینچ کر اندر گھس پڑے۔ ملک سمندا ل کی فوج غافل پڑی تھی اور وہ کرسی پر غصہ میں بھرا ہوا بیٹھا  
 ہوا تھا۔ حملہ آوروں کو دیکھ کر حلا یا کہ ان سب کی گرد بنیں مارو۔ مگر وہاں کسی نے فرصت ہی نہ لینے دی  
 اور ایک ہی گھنٹے میں ملک سمندا ل کی قوم بھاگ گئی۔ ملک صالح نے اُسکے ملک پر قبضہ کر لیا اور اُسے  
 گرفتار کر لیا۔ جب شہزادی جواہر کو اپنے باپ کی گرفتاری اور اپنے اقارب کے قتل کی خبر ملی۔ تو فوراً  
 محل سے نکل کر ایک جزیے کو چل بسی۔ اور وہاں جا کر اپنے تئیں درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپا لیا۔  
 جب یہ مقابلہ ہو رہا تھا ملک سمندا ل کے کچھ آدمی بھیگے ہوئے ہر کو بھی بلگئے جو ملک صالح کے ملک  
 میں تھا اور انہوں نے اُسے خبر دی۔ کہ ملک صالح گرفتار ہو گیا ہے۔ بدریہ وحشت ازخبر سن کر بڑا  
 افسوسناک ہوا کہ یہ سب میرے ہی قدموں کی شومی سمجھی جائیگی اور ملک صالح کی ماں مجھ ہی اُس کا  
 مصلحت بنائیگی۔ لہذا یہاں سے چل نکلتا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ بھی محل سے نکل کھڑا ہوا۔ مگر اسے  
 معلوم نہ تھا کہ اب کدھر سے اپنے ملک کو جاؤں۔ لہذا جھڑت اٹھا وہ اوہری کو چل پڑا۔ اتفاق ہی  
 جس جزیے میں شہزادی جواہر نے اپنے تئیں چھپا لیا تھا اُسکا بھی وہیں گذر ہو گیا۔ اور ایک  
 درخت کے نیچے تھا کہ بیٹھ گیا تاکہ تھوڑا سا آرام کرے۔ بیٹھے بیٹھے درخت کے اوپر کی طرف  
 نگاہ جا پڑی۔ دیکھا کہ ایک حبینہ لڑکی اپنے تئیں پتوں میں چھپائے بیٹھی ہے۔ گویا بادل میں  
 چاند چھپا ہوا ہے۔ سو چاہی شہزادی جواہر نہ ہو۔ جسکے لئے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ شاید لڑائی  
 کا ڈر سن کر گھر سے بھاگ آئی ہوگی اور کسی خوف کے سبب سے اپنے تئیں یہاں چھپا رکھا ہے اگر  
 یہ شہزادی جواہر نہیں ہے۔ یقیناً یہ شہزادی سے خوبصورت ہے۔ آؤ ذرا اس سے پوچھوں تو  
 سہی۔ اگر یہ شہزادی ہوئی تو میری غرض آسانی سے حاصل ہو جائیگی۔ غرض یہ خیال کر کے ہر

میں پہنچے۔ ملک صالح نے انڈر آنیکی اجازت مانگی جو باسانی مانگی۔ دو تو ملک سمدال کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالائے۔ ملک سمدال ملک صالح کو دیکھ کر آٹھ کھڑا ہوا اور اپنے پاس بیٹھایا۔ جب بیٹھ گئے ملک سمدال نے آنیکی وجہ پوچھی۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ حضور! میں آپ کی خدمت میں ایک حاجت لایا ہوں۔ ابید ہے کہ اپنی قدیم عادت جو دو سنا کے بوجہ میں نہیں کر سکتے۔ یہ کہہ کر وہ اسی دو تو تمبلیاں سامنے لار کھیں اور بولا پہلے انہیں قبول فرما کر مجھے شکور کریں۔ ملک سمدال نے پوچھا آخر فرما میں تو سہی آپ کی وہ کوئی حاجت ہے۔ جسے میں پورا کر سکتا ہوں۔ اگر میرے بس میں ہو گی تو مجھے کچھ غدر نہ ہو گا۔ لیکن اگر میرے اختیار سے باہر ہوئی تو پھر بتائیے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر ملک صالح اٹھا اور تین یا دو زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض کی۔ میری حاجت بالکل آپ ہی کے بس میں ہے بلکہ آپ ہی اسکے مالک ہیں۔ ملک سمدال نے جواب دیا۔ آخر آپ ظاہر تو کریں۔ ملک صالح نے عرض کی۔ میں آپ سے شہزادی جو اہر کی سنگائی مانگنے آیا ہوں۔ ملک سمدال یہ سننے ہی تھقہ مار کر سننے لگا اور بولا کہ اسے ملک صالح! میں تمہیں بڑا عقلمند سمجھا کرتا تھا۔ اور یہ خیال تھا کہ تم کبھی غفلت کو شش نہیں کرتے ہو۔ نہ ہی بیہودہ گو ہو۔ مگر اب معلوم ہوا کہ تمہاری عقل بھیک نہیں رہی۔ ورنہ یہ بات کچھ سوچ کر منہ سے نکالنے کے باوجود اہل کی بیٹیاں طلب کرنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ کیا فی الواقع تمہاری وقعت اس درجہ تک بڑھ گئی ہے کہ میرے سامنے ایسی باتیں کر سکتے ہو۔ ملک صالح بولا۔ بادشاہ سلامت آپ خفا نہ ہوں۔ میں یہ سنگائی آپ کے لئے نہیں مانگتا۔ اگر اپنے لئے مانگتا تو آپ کی عقلی بجا بھی تھی۔ بلکہ میں تو شہزادی جو اہر کا ناطہ اپنے بھانجے بدر کے لئے مانگتا ہوں۔ جو رے زمین کا ایک صاحب شوکت و حشمت بادشاہ ہے۔ اسکے باپ شہزاد کو ابید ہے کہ آپ بھی جانتے ہونگے۔ اسکے علاوہ بدر خوب صورتی میں بھی شہزادی جو اہر سے کچھ کم نہیں ہے۔ وہ شجاع اور بہادر لڑکا ہو جو اہر کی شادی تو آخر آپ نے کرنی ہی ہے۔ کیونکہ لڑکیاں کوئی شخص گھر نہیں بٹھا سکتا تو کیوں آپ اسکا عقد دیر ہی سے کر دیکھئے؟ جو ہر طرح سے شہزادی کا جوڑ ہے۔ جب ملک سمدال نے یہ باتیں سنیں۔ اسکے غضب کے ترامیٹر کا پارہ اکیسویں درجے پر جا پہنچا اور بولا اے ملعون! تو نے مجھے پہلے سے گواہ ہر ہر گالی دی ہے۔ تو کون بلا ہے۔ اور تیری ہمشیرہ کیا چیز ہے تیرے بھانجے اور اس کے باپ کو میں کیا سمجھتا ہوں۔ تم سب میری لڑکی کے مقابلہ میں کنٹوں سے

پر چھ کر تہیں بھی اپنے ساتھ لیچلوں۔ اور ملک ہندال کو تمہارے لئے شہزادی کا جواہر کا پیغام  
 دوں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں تمہیں بلا اجازت بیگیا تو گلزار بھیر پڑھتا ہوگی۔ اس لئے  
 کہ ملک کے خالی رہنے سے اُسکے چلتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ بدرستہ جب ماموں کا پیغام سنا  
 کہنے لگا۔ میں ہرگز ماں سے اجازت لینے نہ چاؤنگا۔ کیونکہ مجھے اُمید نہیں وہ ماننے پہلے نہیں  
 ہیں آپکے ساتھ چاؤنگا اور رونے لگ گیا۔ جب ملک صالح نے دیکھا کہ بدرستی طرح نہیں مانتا تو  
 ایک انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر بدر کو دی اور کہنے لگا اسے پہن ہمارے تمہارے ساتھ باسانی  
 پانی میں چل پھر سکے اور بحری جانوروں سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچ سکے۔ بدر نے انگوٹھی لیکر پہن  
 لی۔ پھر دونوں پانی میں غوطہ لگا گئے۔ حقوڑی ویر بعد ملک صالح کے محل میں جا پہنچے۔ گلزار کی ماں  
 اپنے اقارب بہت ملک صالح کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اسکے ساتھ بدر کو پا کر اُسے بہت خوشی ہوئی  
 برنے اپنی نانی اور ماسیوں کو سلام کیا اور اُسکی نانی نے اُسے گلزار لیا۔ پھر گلزار کی خیریت پوچھی  
 برنے کہا۔ اماں ابھی تھی اور آپ کو سلام کہتی تھی۔ اسکے بعد ملک صالح نے والدہ کو علیحدہ لیجا کر بدر  
 کے ساتھ آنے کی وجہ سنائی۔ بوڑھی بیاری خفا ہوئی اور بولی۔ تم نے یہ سخت طاقت کی ہے کہ شہزادی  
 جواہر کاؤ کر دیا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ ملک ہندال کیسا بیوہ آدمی ہے۔ خصوصاً جواہر کیلئے  
 تو حد درجے کا بخیل ہے۔ سائے ہی بحری بادشاہ اسکے لئے پیغام بھیجکا مَن کی کھا چکے ہیں۔ اگر میں  
 بھی اسی اوروں والا جواب ملا تو بتاؤ ہماری زندگی رہیاسیگی۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ اب تو جو کچھ چکا  
 ہو چکا۔ اب تو پیغام بھیجنا ہی پڑیگا۔ کیونکہ بدر کی جان سے بھی نہیں بچیں۔ گو ہماری ساری جائیداد  
 بھی ضائع ہو جائے۔ مگر اماں آپ اطمینان رکھیں۔ بدر شہزادی جواہر سے کم خوبصورت نہیں ہے  
 اور نہ ہی اُسکے باپ سے کم زہرہ ہے۔ بلکہ وہ خوشکلی کا ایک شہنشاہ ہے۔ اُسکا باپ بھی شہنشاہ تھا  
 یقیناً تو یہ ہے کہ وہ اُسکے پیغام کو تو نہ کرے گا۔ ملک صالح کی ماں نے جواب دیا۔ اپنی رائے کے تم  
 آپ ایک ہر جو مرضی ہو کرو۔ لیکن اگر ملک ہندال نے کچھ بکواس کی تو تم ہی اُسکے ذمہ دار ہو۔  
 کیونکہ وہ شخص بُرا ہی کہ عقلاً آدمی ہے اور کسی کے رتبے کی اُسے قدر نہیں۔ ملک صالح نے  
 جواب دیا۔ اماں جان: آپ دیکھتی تو جانیں۔ یہ کہکڑ و تھیلیاں بیش قیمت جواہرات سے بھری  
 ہوئی لیں اور غلاموں کے سر پر اُٹھوا کر دونوں ملک ہندال کی ولایت کو چل پڑے جیہذا انرفت

عاشق ہو کر اپنے نہیں آؤں کہ کر لگا۔ وجہ یہ کہ اس لڑکی کا حاصل کرنا مشکل امر ہے۔ ممکن ہے اسکا باپ  
انکار کر دے۔ گلنار نے پوچھا تم لڑکی کا نام تو بتاؤ۔ میں بھی تو سنوں۔ کیونکہ مجھے تو اور کوئی بھری  
شہزادی بدر کے قابل نہیں نظر پڑتی۔ لیکن اگر ہو تو خواہ مجھے اپنی ساری جائداد بھی کیوں نہ صرف کر دینی  
پڑے۔ میں اپنے بیٹے کا بیاہ اسی سے کرونگی۔ بدر سو رہا ہے۔ تم ذرا توقف نہ کرو۔ ملک صالح نے پھر  
کہا کہ ذرا غور سے دیکھ لو۔ بدر جاگتا نہ ہو۔ ورنہ بعد میں لینے کے دینے پر مجاہدیں گے۔ گلنار بولی۔  
جہاں تم فکر نہ کرو۔ بدر دیر سے سو رہا ہے۔ آخر ملک صالح بولا۔ میری رائے میں شہزادی جواہر ملک  
سندال کی لڑکی سے بڑھ کر اچھی شہزادی شایرہ نہیں پر کیلئے کہیں سے بھی نہ ملیگی۔ گلنار نے  
جواب دیا۔ البتہ! اسکے میں بھی مانتی ہوں۔ شہزادی جواہر نے الواقع بدر کا ہی جوڑ ہے۔ کیونکہ میں خود  
اُسے کئی وقتہ دیکھ چکی ہوں۔ جب وہ چھوٹی سی بچی تھی اب تو ماشاء اللہ! اس صورت کی پرستش کے  
قابل ہوگی۔ بدر لپٹے ماموں اور ماں کی باتیں سن کر شہزادی جواہر سے غائبانہ عاشق ہو گیا اور اسکے دل  
میں عشق کی چمکاڑی ساکھ اُٹھی۔ مگر اُسے کوشش کی۔ کسی کو اُسکے جاگتے ہر یکا پتہ نہ لگ جائے تاکہ  
صالح بولا مگر اسکا باپ بھری بادشاہوں میں سے پرے درجہ کا آجید شخص ہے۔ نیز وہ مجھ سے طاقتور  
ہی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اُسے بدر کیلئے پیغام بھیجوں۔ اگر اُس نے مان لیا تو بہتر۔ ورنہ کسی اور  
بلکہ کوشش کیجا بیگی۔ لیکن تم نے بدر سے اسکا ذکر تک نہ کرنا۔ گلنار نے کہا۔ بہت اچھا۔ پھر وہ دونوں  
کھانے فراغت پا کر اپنے اپنے بستر و نہر چالیئے۔ لیکن بدر کیلئے وہ رات بڑی مصیبت کی رات بن گئی۔ چاہے  
اُسے بستر پر پہلو دیتے ہی کافی۔ جب صبح اُٹتی۔ ماموں بھانجہ دونوں حمام گئے اور تہا دھو کر کھانا  
کھایا۔ مگر بدر نے برائے نام چند ہی نوالے زہر مار کئے۔ غرض کھانے سے فراغت پا کر ملک صالح نے  
جلنے کی اجازت مانگی۔ اور بولا۔ میں عنقریب اپنی پھر تمہیں ملوں گا۔ مگر بدر نے اُسے کہا کہ میں آج کا  
دن تمہیں نہیں جلنے دوں گا۔ ملک صالح نے بھانجے کی فرمائش پر انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اور ٹھہر  
گیا جیسا تیسرا پہر ہوا۔ بدر اُسے باغ کی بہر کیلئے لگیا اور ایک درخت کے نیچے تختہ پر بیٹھ گئے۔ بدر  
کے بیٹے ہی آنسو نکل گئے اور عاشقانہ دردناک اشعار پڑھنے لگا۔ ملک صالح بدر کی یہ کیفیت ملاحظہ  
کئے اُٹھ لئے لگا اور پوچھا بدر! کیا تم نے وہ گفتگو سن لی ہے جو میرے اہر گیتا ریکے درمیان ہوئی تھی  
اور تمہاراں! بلکہ میرا دل اب اوپر ہی کا ہو رہا ہے۔ ملک صالح بولا۔ تو آؤ تمہاری ماں سے

گوشہ نشینی اختیار کی۔ ملک صالح بھی اپنے متعلقین کے ساتھ آکر ماتم میں شامل ہوا۔ اور گلنار کو تسلی دی کہ تمہارا بیٹا لائق فائق ہے۔ امید ہے کہ اپنے باپ کا بہتر جانشین ثابت ہوگا۔ اب مرنیو نامہ لکھا۔ تم اپنے تئیں سیول رور وکر ہلاک کرتی ہو۔ غرض جب ماتم کا مہینہ گزر گیا۔ اراکین دولت پندرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجالائے اور عرض کی کہ سلطنت کے کام آپ کے پیغمبر کے پرنسپل ہیں۔ چلکر رہا رہیں قدر منجہ فرماویں۔ مرحوم کی موت کا افسوس ہر شخص کو ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ مرنیو اول کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ غرض اسی طرح تسلی و تسخیر کی بہت سی باتیں کر کے اسے صاف کر لیا۔ اور ملج شہنشاہی پہنا کر تخت پر بٹھایا۔ غرض بدر بڑی تندرہ ہی کے ساتھ رعایا کا انصاف و نیکی لگا۔ اور مملکتوں کی دادرسی کر نیکو۔ حتیٰ کہ ایک سال کے عرصے میں سب کے دل سنبھلیں کر لئے۔

اب بدر سترہ سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا کہ ایک دن شام کے وقت ملک صالح اپنی بہن اور بھتیجے کو ملنے آیا۔ گلنار نے ماں بہنوں کی خیریت پوچھی۔ ملک صالح نے جواب دیا۔ سب اچھے ہیں مگر سب کا خیال تمہاری ہی طرف ہے۔ اتنے میں رات کا کھانا آ گیا اور دونوں بہن بھائی بیٹھ کر کھانے لگے۔ بدر وقت لیٹا ہوا تھا۔ اثنائے گفتگو میں بدر کے حسن جوانی اور عقل و تدبیر کی بھی بات چل پڑی۔ گلنار نے اپنے بیٹے کی بہت تعریف کی۔ اوپر بدر نے اپنا ذکر سنکر اپنے تئیں باطل سوتا ہوا اپنا لیا۔ کہ دیکھو اس میری بابت کیا باتیں کرتے ہیں۔ بدر کو سوتا پا کر ملک صالح لولا بہ شیر فدا بدر سترہ سال کا ہو گیا ہے۔ لیکن تمہیں اسکے بیاہ کا بھی کچھ فکر ہے۔ میری رائے ہے۔ کہ کسی بھری شہزادی سے جو اسکے قابل ہو۔ اسکی شادی کی جائے۔ گلنار نے پوچھا۔ بھائی تم نے بھی آگے سوچا ہوا ہے کسی شہزادی کا نام لو۔ تو میں تمہیں اپنی رائے بتاؤں۔ ملک صالح نے کسی لڑکیوں کے نام لئے۔ مگر گلنار نے ان میں کوئی نہ کوئی نکال کر پسندیدگی ظاہر کی۔ آخر ملک صالح نے پوچھا۔ میں جب تمام نام جانتا تھا سب گن و گئے۔ جو تم کو کوئی پسند ہی نہیں آیا۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ گلنار نے جواب دیا۔ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟ ملک صالح نے جواب دیا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ تم سے ایکہ اور لڑکی کا ذکر کر دوں۔ اور مجھے خوف ہے کہ اسیں اسکا ذکر پر نہ سنیں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اس پر غائب

غرض بادشاہ نے اجازت دی اور وہ سب کے سب دریا میں کود کر نظروں سے غائب ہو گئے۔  
 مکہ گناہ کو اپنی جذباتی کاسخت صدمہ تھا۔ مگر بادشاہ کی اُلفت نے بھلا دیا۔ بادشاہ نے بدر کی  
 پرورش کے لئے بہت اچھا انتظام کرایا اور وہ دن بدن نئے چاند کی طرح بڑھنے لگا۔ اس عمر میں  
 وقتاً فوقتاً اسکے ماموں۔ نانی اور ماسیاں آتیں۔ اور مہینہ مہینہ دو دو مہینے واپس رہتیں۔ غرض  
 پندرہ سال کی عمر میں بدر نے نہ صرف ظاہری حسن و جمال اور ذوق و نما میں ترقی کی بلکہ اس عرصے میں اس  
 نے فوجی ہنر ہر قسم کے فنون اور علوم میں بھی کمالات حاصل کر لی۔ اور خراسان کا کوئی مرد۔ عورت ایسا  
 نہ تھا جو بدر کو اسکی ظاہری۔ باطنی خوبیوں کے باعث محبت نہ کرتا ہو۔ بادشاہ کی محبت بھی اسکے شہ  
 بدر کے کمال تھی۔ سچی کہ جب بدر نے سب علوم و فنون میں کمال ہمارت حاصل کر لی۔ تو اراکین و دربار  
 کی صلاح سے بادشاہ نے اسے تاج و تخت سلطنت سپرد کیا اور آپ گوشہ گزری ہو گیا۔ امراء و وزرا  
 نے بھی بڑی خوشی سے اسکی اطاعت کا اقرار کیا۔ کیونکہ سب کے سب اسکی نیک خصلت کے گرد بڑھے  
 بدر نے تخت سلطنت پر جلوس فرما کر ایسی قابلیت ظاہر کی کہ گویا وہ بڑا تجربہ کار آدمی ہے۔ عہد  
 کا انصاف کیا۔ ظالم اہلکاروں کو موقوف کر کے انکی جگہ عادل کارکن ملازم رکھے۔ اور مجرموں کو سزا  
 دی۔ غرض سہ ہر کے وقت جب گھبرا یا تو گھنار نے اسے گلے لگایا۔ بادشاہ نے بھی اس کی کارگزاری  
 شکر بہت مسترت ظاہر کی اور دوائے ترقی و درجات و بیکر گناہ کو مبارکباد دی۔ پھل جس سے نکلے فوجیا  
 کا معائنہ کیا۔ اراکین سلطنت دست بستہ ہر اہ تھے۔ غرض وہ ہر روز ایک نئے سے عذر و غرض سے  
 ملاحظہ کر کے مناسب انتظام کرتا اور مقورے ہی عرصے میں اس سلطنت میں ایسا ماہر ہو گیا کہ دلچسپ  
 شمار کیا جانے لگا۔ اسے تخت سلطنت پر جلوس کے ایک برس ہو چکا تھا کہ یکایک شہزادان بیار پڑ گیا  
 اور بیار بھی ایسا۔ کہ دن بدن بیار ترقی ہی کرتی گئی مگر چارویں زندگی سے بایں ہو چکا۔ دوبارہ  
 ارادہ و عزائم کو طلب کر کے ان سے بدر کی اطاعت کا حلف لیا اور بیٹے کو رعایا کے انصاف کی نصیحت  
 کی۔ گناہ کی خاطر داری کے لئے بھی تاکید کی۔ مرض دم بدم ترقی پر تھا۔ آخر چند روز کے بعد جان بچا  
 آفرین کے سپرد کی۔ پورا اور گناہ کو اس کی موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ اراکین و دربار و اہل کار و کسب  
 جب دل کے بھار نکل گئے۔ لاش کو بڑی ستان و شوکت کے ساتھ ایک عالیشان مقبرے میں دفن کیا  
 گیا۔ اور تمام ملک میں ایک ماہ تک ماتم منانے کی منادی کی گئی۔ بدر نے بھی حسب دستور ایک موقوفہ



پڑی۔ ملک صلح کرنے بادشاہ سے پوچھا جب میں دریا میں کودا ہوں آپ مڑ تو کیسے ہرنگے۔ بادشاہ نے جواب دیا کچھ نہ پوچھو۔ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ ملک یولا۔ نہیں اندیشے کی کوئی بات نہ تھی میرے ایک سُرمدہ اسکی آنکھوں میں ڈال دیا تھا اور اسم اعظم پڑھ لیا تھا۔ ہمارے اہل جب کوئی بچہ جانتا ہے تو اس سے ایسا ہی عمل کیا جاتا ہے تاکہ اپنی آئندہ زندگی میں وہ بخوف و خطر پانی میں آجاسکے۔ اب اسے عمر بھر ڈوبنے کیلئے اندیشہ نہیں ہے۔ وہ کہیں چلا جائے پھر اپنی من سے ایک منہ و تچ نکالا اور اس میں سے بہت سی لڑیاں جواہرات و یاقوت کی تین سو دانے زمرود کے اور تین سو ہی بڑے بڑے جواہرات جو بیضہ شتر مرغ کے برابر تھے اور جنکی روشنی چاند اور سورج کی ضیا کو پر سے رکھتی تھی۔ لگا لگا بادشاہ کی خدمت میں ہریتہ پیش کئے اور کتے لگا میں شرمندہ ہوں کہ اس سے پہلے آپ کو کوئی نذر پیش نہیں کر سکا اسلئے کہ ہمیں پہلے گلنار کے قیام کا پتہ نہ تھا مگر آپ کی عنایت سے ہم نہایت ہی مشکور ہیں۔ جو آپ نے ہماری ہمشیرہ پر مہذبوں کی ہیں اور ہم اسکا کچھ معاوضہ نہیں دے سکتے۔ یہ صرف اعتراف کے طور پر ہے۔ امید ہے کہ چند دن کے چند عدد ایسے ہی اور جواہرات حاضر کروں گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ہمارے اہل کثرت پائی جاتی ہیں اور زمین پر بیش بہا سمجھی جاتی ہیں۔

بادشاہ نے گلنار کی طرف دیکھا۔ کہ تمہارا بھائی مجھے ایسا قیمتی ہریہ دیکر جس کا ایک جوہر میری ساری سلطنت سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ شرمندہ کرنا چاہتا ہے۔ گلنار نے بھائی کا شکریہ ادا کیا۔ ملک صالح کہنے لگا بادشاہ سلامت! یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اور یہ آپ کا حق ہے آپ نے ہماری بہن پر جو مہربانیاں کی ہیں۔ ہم اسکا معاوضہ ہزار برس میں بھی نہیں دے سکتے پھر بادشاہ نے شکریہ ادا کر کے وہ سب جواہرات ملک صالح سے لے لئے۔ عرض ملک صالح اور اس کے ہمراہ والیاں چالیں روز تک وہاں ہنسی خوشی رہے۔ آخر ایک دن ملک صالح نے بادشاہ سے عرض کی۔ اب وہ اپنے وطن کو دیکھنے کی خواہشمند ہے۔ آپ کی شفقت اجازت تو نہیں دیتی کہ آپ سے جدا ہوں۔ مگر کیا کریں ہم بحری آدمی خشکی پر دیر تک رہنے سے ملال ہو جاتے ہیں۔ امید ہے کہ اب آپ ہمیں وطن کو لوٹنے کی اجازت عطا فرمائیں گے۔ مگر ہم آپکو یقین دلائے ہیں کہ آپ کے دیدار سے جلدی مستفیض ہوا کریں گے۔

کے دیکھنے سے مسرت ہوئی۔ پھر ملک صالح نے اپنے بھانجہ کو گود میں لیا اور اس کا نام بدر تجوڑ  
 رکھا۔ بدر واقعی اسم بامستی نام تھا اس لئے بادشاہ کو بھی برا پسند آیا۔ نام تجوڑ کر چکنے کے  
 بعد ملک صالح بچے کو گود میں لیکر ایک کمرے میں ٹھہرنے لگا اور پھر فوراً دریا میں کود کر غروب  
 ہو گیا۔ ریا و شاہ نے جب یہ ہیبت ناک نظارہ دیکھا سر پٹنے لگ گیا۔ کیونکہ بدر کے زندہ  
 رہنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ مگر گلنار نے تسلی دی۔ آپ کیوں گھبراتے ہیں؟ ملک صالح  
 تصویر ملک صالح کی بدر کو لیکر دریا میں کودنے اور شاہ ایران کے مضطرب ہونے کی



ابھی آپ کے بچے کو لے آتا ہے آپ ذرا فکر نہ کریں۔ ہمارے ماں ایسی ہی رسم ہے کہ مولود  
 کے پیدا ہوتے ہی اسے اندرون دریا کی سیر کرائی جاتی ہے۔ تاکہ خشکی و تری اس کے  
 لئے کیجا ہو جائے۔ علاوہ انہیں بچے کیادہ سچے پیارا نہیں۔ اگر کوئی اندیشہ کی جگہ ہوتی تو  
 میرا بھائی کبھی بھی ایسا فعل نہ کرتا وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں سمندر میں کرکڑ ہوتے  
 لگی۔ اور ملک صالح بچے کو صبح و سالم لئے پانی میں سے ٹھکڑ زچہ خانے میں آکھڑا ہوا  
 بچہ ملک صالح کے استخوان میں چپ چاپ پڑا تھا۔ گویا اس نے ذرا سی تکلیف بھی نہیں اٹھائی

اختیار کی بات ہے۔ گلنا لولی! بعد اٹھے یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے۔ گلنار کے منہ سے یہ کلمات سنکر ملک شہزبان کی باچھیں کھل گئیں اور اُسکا سارا فکر کا فور ہو گیا۔ وکو تسلی ہوئی بعد اٹھا شکریہ ادا کیا اور گلنار پر پچھلے سے زیادہ جان دینے لگا۔ یہ سمجھ کر وہ بھی اس سے ولی اُلفت کہتی ہے۔ اُدھر گلنار نے لونڈیوں کو دسترخوان چھینے کا حکم دیا۔ توڑ نفیس اور لذیذ کھانسنے آگئے اور سب نے کھانا شروع کیا۔ اسی اثنا میں ملک صالح نے کہا۔ اے گلنار! صاحب خاند کہاں ہیں؟ ابھی تک یہیں اسکا ویدار نہیں ہوا۔ اگر ہم اس مکان میں بے اجازت ہی گھس آئے اور اُسکا کھانا بھی کھایا نیز تجھے اس کی عنایات کے لئے مشکور پاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہم نے اُسے دیکھا اور نہ اُنسمیں۔ یہ امر اخلاق سے سخت بعید ہے۔ اگر تو اُسے بلا لاتی تو بیجا بیٹھ کر کھانا ہی کھاتے۔ یہ کہہ کر سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور ہنکے منہ اور تھنوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ گلنار فوراً اُٹھی اور اُس کمرہ کی طرف گئی۔ جہاں شہزبان چھپا بیٹھا تھا۔ وہ بیچارہ گلنار کے تکیہ بننے کے ناک منہ سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھ کر خائف ہوا اُٹھا۔ مگر گلنار نے اُسکو تسلی دی اور کہا کہ چلو یاد کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہونگے۔ کیونکہ میں نے اُنکے سامنے آپ کی اس قدر تعریف کی ہے کہ وہ آپ کو دل سے محبت کرنے لگ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ جب یہ کہہ کر وہ آپ سے ملاقات نہ کر سکیے یہاں سے نہیں جائینگے۔ یہ سنکر بادشاہ اُٹھا اور گلنار کے ساتھ ہو لیا۔ جب اُس کمرے میں داخل ہوا سب کے سب تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپس میں عیدیک سلیک کے بعد دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ جب سیر ہو چکے سلسلہ کلام شروع ہوا۔ سب نے بادشاہ کا ان عنایات کے لئے شکریہ ادا کیا جو اُن نے گلنار پر کی تھیں۔

غرض تین دن تک وہ جماعت اسجگہ قیام پذیر رہی۔ چوتھے دن رخصت ہو گئے۔ اُنکے چلے جانے کے بعد ملک کے وضع محل کا دن آگیا اور خدانے ایک چاند سا بیٹا دیا۔ بادشاہ کو جننے عمر بھر بچے کا منہ نہ دیکھا تھا نہایت خوشی ہوئی۔ ساری ملک میں ولیعهد کی پیدائش سے گھر گھر خوشیاں ہونے لگیں اور سات و ترات عیش و نشاط کے جلسوں کا تماشہ بند اُڑا۔ امیر جب تک صلاح کو گلنار کے ہاں بیٹھا ہونے کی خبر ملی تو وہ اپنی ماں اور چچا زاد بہنوں کو ہمراہ لیکر فوراً اپنی بہن کے پاس آیا۔ بادشاہ نے بڑی عزت سے اُنکا استقبال کیا اور سب کو مولود

انہیں دیکھا تو انکی تعظیم کے لئے اُسکھروارے تک گئی اور سُرَت کے ساتھ اندر آئی وہ بے  
 کے سب باری باری سے گلے لگے۔ اور خوشی کا رونا روئے پھر بڑھیا اور اُس تو جوان نے پوچھا۔  
 گستاخ تو چار سال تک کہاں رہی اور ہمیں کیوں چھوڑ دیا۔ یہ زانہ ہم پر ایسی سختی کا گذرا۔ کہ کچھ نہ پوچھو۔  
 نہ کھانا چھا لگتا ہے نہ پینا بھاتا تھا۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے۔ کہ ہم تمہارے قیام کا بھی تو  
 پتا نہ تھا۔ پھر وہ اس سے مختلف حالات دریافت کرتے رہے۔ آخر میں گلزار نے اپنے وطن سے  
 نکلنے اور خراسان میں پہنچنے کا حال مفصل بیان کر کے کہا۔ بادشاہ نے اس تاجر سے خرید کر مجھے  
 اپنی ملکہ بنایا۔ اور باقی سب بیبیوں سے دست بردار ہو کر مجھ سے نہایت محبت رکھتا ہے۔ گلزار  
 کا بھائی جیسے وہ تو جوان پولا۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہم سب کو بچھڑا دیا۔ مگر گلزار! میری رائے ہے  
 کہ اب تو ہمارے ساتھ واپس گھر کو چل۔ بادشاہ نے جب ملک صالح کی یہ بات سنی تو اُس کے ہوش  
 اڑ گئے۔ کہ اگر گلزار نے اپنے بھائی کی بات مان لی تو میں کہیں کا نہ رہا۔ مگر گلزار نے جواب دیا۔  
 بھائی جان جس آدمی نے مجھے خریدا ہے وہ اس مملکت کا شہنشاہ ہے۔ برا اثر لطف الطبع اور صاحب  
 جو دو کرم۔ جب سے میں یہاں آئی ہوں۔ مجھ سے کمال مہربانی برتا ہے۔ بلکہ آج تک اُسکے منہ سے مینے  
 ایک بھی سخت بات نہیں سنی۔ ہمیشہ مجھ سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور کوئی بات میرے مشورہ کے بغیر  
 نہیں کرتا۔ بلکہ مجھ سے گھر لاکر بھی جہ نہیں ہونا چاہتا۔ اگر میں اسے اکیلا چھوڑ جاؤں۔ یقیناً وہ اپنے  
 تئیں ہلاک کر دینگا۔ کیونکہ اُسے مجھ سے ایک لڑکے کی امید ہے اور بیچ تو یہ ہے۔ کہ اب مجھ سے بھی  
 اسکی جداگانہ برداشت نہ ہو سکیگی۔ اسلئے کہ مجھ اسکے احسانات حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اگر آج  
 میرا باپ زندہ ہوتا تو بھی میرا اس قدر مرتبہ نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں میں اس سے حاملہ بھی ہوں۔ اور اللہ  
 کہ خدا نے مجھے ایک سحری بادشاہ کی بیٹی اور بڑی بادشاہ کی ملکہ بنایا۔ اب میں نہیں چاہتی کہ یہ رشتہ  
 منقطع ہو۔ میری بھی خواہش ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے ایک چاند سا بیٹا عنایت کرے جو اس سلطنت کا  
 وارث بنے۔ کیونکہ بادشاہ کا اور کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے اور مال و املاک سید ہے۔ ملک صالح  
 اور گلزار کی بہنوں نے یہ سُند آنگھیں ڈبڈبائیں اور بولے۔ اے گلزار! تمہاری محبت جو قدر ہمارے  
 دلوں میں ہے تم جانتی ہو۔ اگر تمہیں یہاں کسی طرح کی بھی تکلیف ہو۔ تو ابھی ہمارے ساتھ چلو اور  
 اگر تم یہاں غمت و آرام سے رہتی ہو اور ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو یہ تمہارے اپنے

زمین پر ماتہ آسکتی ہے اس سے بہت زیادہ سندر میں حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہ کو ان باتوں سے حیرت ہوتی تھی۔ آخر کینز نے اپنی صند و فچی میں سے صندل کی کچھ ٹکڑیاں نکالیں اور انکیشی میں آگ سدکا کر اسپروالدیں۔ جب دھواں نکلنے لگا۔ اُس نے ایک بڑھنا شروع کیا جسے بادشاہ نہ سمجھ سکتا تھا۔ اور بادشاہ سے کہنے لگی۔ آپ ذرا یہاں سے اُٹھ کر کسی اور جگہ ہو جائیں۔ جہاں سے آپ کو یہاں کا سب کچھ نظر آسکے۔ مگر اندر دالے آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ بیٹے اپنی ماں۔ بھائی اور کئیے والوں کو بلایا ہے وہ آرہے ہو جنکے۔ جب وہ آجائینگے۔ پھر آپ سے بھی ملاقات کراؤنگی یہ سنکر بادشاہ اُٹھ کے دوسرے کمرہ میں جا بیٹھا اور دروازے کی دروازوں کے پاس آٹکیں لگا کر دیکھنے لگا۔ مقوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہے کہ دریا میں بل چل چکی اور جھاگ چھا گئی۔ پھر پانی بہت آگیا اور اُس میں سے ایک خوبصورت نوجوان جسکا چہرہ بدرشیر کی طرح چمکتا تھا۔ اور بال سنہری تھے۔ برآمد ہوا اُسکے بعد ایک بڑھیا۔ اور سب کے پیچھے پانچ خوبصورت لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ ان سب کی وضع قطع گلنار سے بہت ہی مشابہ تھی۔ پانی سے نکلا وہ سب سطح زمین پر چلنے لگے۔ اور اُس مکان کے قریب آگئے جہاں گلنار بیٹھی۔ جب گلنار نے اپنے کمرے میں قدم رکھتے تصویر ملکہ گلنار کے افسوں پر بٹھنے اور ملک صالح کی مع ہر امر ہوئے دیا سے نکلنے کی



تھار مجھے اپنے عقد میں لائے۔ مگر فیغے اُسے نصیحت دی کہ ورنہ تک یاد رکھو گا۔ اسکا سر چٹ گیا۔  
 اور اُس نے بچہ تنگ کر اسن سوداگر کے ماتھ فروخت کیا جس سے آپ نے مجھے خریدا تھا۔ یہ تاجر بڑا  
 شریف الطبع آدمی تھا۔ اُسے بالکل امانت میں خیانت کرنے کی کوشش نہیں کی۔  
 اسے بادشاہ! اگر آپ میرے ساتھ ایسی نکت کا اظہار نہ کرتے جیسا کہ آپ نے لوندیوں۔  
 خواہوں اور بیبیوں کو چھوڑ دینے سے کیا ہے تو بخدا میں کبھی ایک گھڑی بھی آپ کے پاس نہ ٹھہرتی  
 اور نہ یہاں میں کو دکر اپنے کنبے کے پاس پہنچ جاتی۔ لیکن اب میں آپ سے حاملہ ہوں۔ اس نے  
 مجھے اندیشہ ہے کہ میرے کنبے والے مجھ پر شک کریں گے۔ اگرچہ میں انہیں قسم کھا کر یہی بتاؤں  
 شہزادان گلنار کی یہ بات سنا کر اسکا بڑا مشکور ہوا۔ اور بولاسے میری آنکھ کی نیل! اگر  
 تو چلی جاتی تو میں فوراً اپنی جان دیر تیا۔ جب یہ باتیں ہو چکیں۔ گلنار بولی۔ قبلہ عالم یہ میرا  
 وضع محل زمانہ قریب آرہا ہے۔ اس موقع پر مجھے اپنے بچے کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے  
 کہ خشکی کے رہنے والی دایاں سیر کے رہنے والیوں کے طریق ولادت سے نا بلد ہوتی ہیں۔ اور بحر  
 کی رہنے والیاں خشکی کے رہنے والیوں کے طریق ولادت سے محض اسباب اور جب وہ آب تک تھے  
 انکے ساتھ دریا میں جانا پڑا۔ پھر میں کوٹ آؤنگی وہ بھی ساتھ ہی آئیگی۔ بادشاہ نے بڑی حیرانی سے  
 پوچھا۔ تم دریا میں کیسے چل سکتے ہو؟ وہ ب کیوں نہیں جاتے؟ گلنار نے جواب دیا جیسے آپ لوگ ہوا  
 میں چلتے ہیں اور مرنے نہیں جاتے اسی طرح ہم بھی اسم اعظم کی برکت سے پانی میں آسانی چل چر سکتے  
 ہیں۔ اسے بادشاہ! جب میرے کنبے والے آئیگی تو میں اُسے آپ کی عنایات کا بھی ذکر کرونگی۔ اور  
 کہو گی کہ آپ نے مجھے دستار دینار سے فرمایا تھا۔ آپ کو بھی میرے بیانات کی تصدیق کرنی ہوگی۔ وہ  
 آپ کو اپنی آنکھوں دیکھیں گے اور جب محام کرینگے کہ آپ بھی ملک ابن ملک ہیں تو بڑے خوش ہونگے  
 شہزادان نے جواب دیا۔ دے لکہ! جیسی آپ کی مرضی ہو مجھے اُس میں کیا عذر ہو سکتا ہے گلنار  
 نے پھر بھی کہ باتیں سنائی شروع کیں۔ کہ لے بادشاہ جب ہم سمندر میں چلتے ہیں تو ہماری تکیاں کھلی ہوتی  
 ہیں اور ہم سورج چاند۔ ستاروں اور آسمان کو جوں کا تول دیکھ سکتے۔ جیسا کہ زمین پر سے آنہیں دیکھا  
 جا سکتا ہے اور پانی ہمارے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔ نیز سطح زمین کی طرح ہوا بھی مختلف  
 رنگ اور آنگ انگ شکلیں پائی جاتی ہیں۔ ہر قسم کی اجسام ہیں۔ مگر غرض کہ ہر ایک چیز جو

اور خواہوں کہ خصمت کرو پایے۔ مگر برابر ایک سال گزر گیا۔ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتا چاہتی۔ اگر خدا  
 سنو اتنے تو گونگی ہے تو اشارے سے بتا دے۔ مجھے تجھ سے فقط ایک لڑکے کی آرزو ہے۔ اگر خدا  
 تعالیٰ پوری کر دے اور میرے بعد میرے تخت کا وارث بنے۔ خدا کیلئے اگر تو مجھے مثبت کرتی ہے تو  
 خاموش نہ رہو۔ اور مجھ سے کھانک باتیں کر۔ کینز نے یہ سنکر پہلے تو سر جھکا لیا۔ پھر یکایک بادشاہ کی  
 طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ شہزمان کو معلوم ہوا گو یا سارے مکان میں بجلی پھر گئی ہے۔ اور یولی  
 اسے نیک بادشاہ افسانے آپ کی دعا سن لی۔ اور میں تم سے عالم ہوں۔ وضع کے دن بھی قریب  
 ہی ہیں۔ مگر یہ مجھے معلوم نہیں کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ اگر نہیں عالم نہ ہونی تو چند اہم سے ہرگز نہ  
 بولتی۔ بادشاہ کی خوشی کا کوئی شمار نہ تھا۔ کبھی وہ اسکا سر جوڑتا اور کبھی اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا  
 آخر کتنے لگا۔ آج خدا نے میری وہ آرزو میں پوری کیں۔ ایک تو تم نے مجھ سے بات کی اور دوسرے  
 حل کی خوشخبری سنائی یہ کہ نوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خوشی خوشی تخت سلطنت پر جلوس فرما کر  
 وزرا کو حکم دیا۔ کہ ایک لاکھ و ہزار۔ بیواؤں۔ یتیموں اور فقیروں اور مساکین پر حیرات کرو۔ خدا تعالیٰ  
 نے بڑی مشکلوں سے یہ دن دکھایا ہے۔ وزرا جب حکم کی تعمیل کر چکے۔ بادشاہ فوراً اٹھ کینز کے  
 پاس آیا اور اُسے گلے لگا کر پوچھا۔ اے پیاری۔ یہ ایک برس عوتم تجھ سے چپ چاپ رہیں اس سے  
 تمہارا کیا مقصد تھا؟ کینز نے جواب دیا۔ قبلہ عالم اسکین غریب الوطن شکستہ خاطر اور ماں باپ  
 بھین بھائیوں سے دور افتادہ ہوں۔ بادشاہ نے فوراً ٹوک دیا۔ کہ مسکین تمہارے دشمن ہوں۔ یہ  
 ملک و دولت تمہارا ہے۔ بلکہ میں تمہارا ہوں۔ تو مسکین کیسے ہو سکتی ہے۔ اور دنیا پ بھین بھائی  
 کی کہو۔ تو انکا پتہ بتاؤ۔ میں انہیں تمہارے پاس بجاو دیتا ہوں۔ کینز نے جواب دیا۔ میرا نام گلزار  
 بھری ہے۔ اور میرا باپ سمندر می ملکیت کا بادشاہ تھا۔ جب وہ مر گیا۔ میرا بھائی ملک صلح اُس کا  
 خانشین مقرر ہوا۔ میری ماں بھی بھری ماں ہے۔ اپنے باپ سے بعد ہم تینوں خوشی خوشی دن گزارتے  
 لگے۔ کہ ایک دفعہ کسی ہمسایہ بادشاہ نے ہم پر چڑائی کی۔ اور ہمارے ملک پر قابض ہو گیا۔ پھر میری  
 اور میرے بھائی کی لڑائی ہو چڑی اور بیٹے حلف اٹھایا کہ میں اپنی شادی کسی خشکی کے رہنے والے  
 سے کر دوں گی۔ یہ سوچکر میں بھری سے نکلی۔ اور ایک جزیرے کی راہ لی۔ جسے جزیرہ قمر کہتے ہیں۔  
 وہاں میں بیٹھ گئی۔ عورتوں پر بعد وہاں سے ایک آدمی بھاگتا ہوا۔ اور وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ چاہتا



اور تھلا دھلا کر لپٹا کر وزیر پر نہائیں۔ اُس کے رہنے کیلئے بھی ایک بلیمہ محل مقرر ہوا۔ جہاں سے  
 اور لڑکیاں خدمت کو اور خواجہ سرا چوکی پرے مقرر ہوئے۔ اور جس چیز کی ضرورت تھی۔ نوکروں کے  
 ماتہ و ماں پہنچا دی۔ شہزمان کا دارالخلافہ کتنا دریلے شور سے واقع تھا۔ اور وہ محل عین کنارِ سجود  
 تھا۔ جو اس کنیز کی رہائش کے لئے قرار پایا غرض جب شام ہوئی۔ بادشاہ بیدار ہوا اس لڑکی سے  
 پاس آیا۔ مگر نہ تو وہ تعظیم کے لئے اٹھی۔ اور نہ ہی اُسے بادشاہ کی طرف کچھ ٹوٹہ کی۔ شہزمان نے  
 خیال کیا۔ شاید وہ ایسی قوم میں سے ہو۔ جسے قواعدِ آداب سے واقفیت نہیں۔ خیر! جوں جوں  
 کھلیگی آپ ہی سمجھ جائیگی۔ اس کے بعد اس سے اخلاط کی باتیں کرنے لگا۔ مگر وہ ایسی صم بکلم ہوئی  
 کہ ایک بات کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر دسترخوان پھینے کا وقت آیا۔ لڑکیوں نے انواع و اقسام کے  
 لذیذ اور شہانہ کھاتے سامنے لا کر رکھے۔ بادشاہ محبت کے مارے اپنے ماتہ سے اچھے اچھے کھاؤں  
 کے لئے اُسے دیتا جاتا اور وہ کھاتی جاتی۔ حتیٰ کہ سیر ہو گئی۔ لیکن سرزمین کی طرف تھا۔ اور نہ بند۔  
 غرض بادشاہ نے ہمت کو شش کی۔ کہ وہ بونے۔ اور اپنا نام بتائے۔ مگر اُسے اپنی سہمی میں ناکامی  
 ہوئی۔ تاہم اُسے غصہ نہ آیا۔ اسلئے کہ لڑکی کا حسنِ بلا کا تھا اور وہ اُسے آرماتا تھا۔ بادشاہ سوچتا  
 تھا کہ اس کمالِ حسن کے ساتھ اگر وہ ہنس کر گفتگو بھی کرتی تو بھلیاں ہی گرا دیتی۔ پھر لڑکیوں سے  
 پوچھا۔ تم نے اسے بولتا سنا ہے؟ سب نے کانوں پر ماتہ رکھے۔ کہ حضرت! جب سے آئی ہے  
 ہمارے کافوں میں تو اسکی آواز نہیں پڑی۔ حکم ہوا کہ گاؤ بجاؤ۔ اور اسکے سامنے کھیل تماشے کرو  
 شاہی اسکا دل پہلے اور بول اُٹھے۔ لڑکیاں نے فوراً گانا بجاتا اور کھیلنا کوونا شروع کیا۔ بلکہ القلم  
 کہیں۔ کہ سب کے ساتھ بادشاہ کو بھی ہنسی آگئی۔ مگر وہ کنیز خاصوش اُنکے منہ کی طرف تاکتی رہی۔ بولتا  
 تو درکنار ہنسی تک کا نشان نہ ظاہر کیا۔ شہزمان بڑا تنگ ہوا۔ اور لڑکیوں کو خلوت کا حکم دیا۔ سب  
 چپ چاپ چلی گئیں۔ اور ایک منٹ میں ہوا کا عالم ہو گیا۔ رات وہیں آرام کیا صبح کے وقت جب اسکے  
 کمرے سے نکلا تو ایسا مسرور تھا۔ کہ اگلے دن سب بی بیوں اور خواہوں کو بہت سا مال و اسباب و دیگر  
 ریخت فراہم کیا اور اجازت دی کہ جہاں جی چاہے جا کر نکاح کر لے۔ صرف چند کمسن خواہوں کو اسکی خدمتگاری  
 کے لئے رکھ لیا غرض پورا ایک سال گزر گیا۔ مگر کنیز نہ بولی پر نہ بولی۔ ایک دن بادشاہ نے کمالِ محبت  
 ظاہر کی اور کہنے لگا۔ میری جان! دیکھ میں تجھے اس قدر محبت کرتا ہوں تیری خاطر جینے اپنی سب بی بیوں

مرجاتہ اسعد کو ہمراہ لیکر اپنے دارالحکومت کو روانہ ہوئی۔ اور سب نے اسعد کو تاکید کی کہ سلسلہ خط و کتابت کو قطع نہ ہونے دیتا۔ پھر قمر الزمان سب کو ہمراہ لیکر خراج آئینوس میں آیا۔ اور اپنے سسر کو اس عجیب ملاقات کی خبر دی اُس نے اُسے دونوں لڑکوں کی سلامتی پر مبارکباد دی۔ پھر گورنر ارمانوس سے ملاقات کی اور پورا ایک ماہ وہاں رہا۔ اور جلتے وقت وہ اپنی لڑکی اور شہزادہ امجد کو ہمراہ لے گیا۔ اور بعد کو جانشین مقرر کر کے آپ کو شہ گزین ہو گیا۔ قمر الزمان نے سسر کی اجازت سے اسعد کو بلا کر اپنی حکمرانی پر بٹھایا۔ اور آپ اپنے باپ کے ساتھ عازم خاللات ہوا۔ جب شہر میں پہنچے رعایا کو بڑی خوشی ہوئی ساری مملکت میں شادیاں بننے لگیں اور برابر ایک ماہ تک جشن ہوتے رہے۔

دنیا زاد و شہر یار یہ حکایت سنکر بڑے خوش ہوئے۔ مگر شہزاد نے کہا۔ اگر کل حضور میری جان بخشی فرمائیں تو میں اس سے بھی دلچسپ قصہ یدر بادشاہ ایران اور جواہر شہزادی بادشاہ ہندال کے عشق کی سناؤں گی جسے سنکر اُمید ہے۔ کہ تمہیں بڑی خوشی ہوگی۔ غرض جب جب معمول اگلی رات ختم ہو کر صبح کا دوب کا وقت آیا۔ دنیا زاد نے اُنھ کو شہزاد کو بگایا۔ کہ جس قصے کا کل وعدہ کیا تھا وہ سناؤ شہر ابھی سننے کے لئے اُنھ بیٹھا اور ملک شہزاد بولی۔

## یدر بادشاہ ایران اور جواہر شہزادی ملک ہندال کے عشق کی داستان

جانِ عالم! زمانہ قدیم میں ایران کے ایک بادشاہ شہزمان کے ماں جبکا دار الخلافہ خراسان تھا۔ کچھ نی بیابان تھیں مگر ساری عمر میں اُسکے کوئی بیٹا یا بیٹی نہ ہوا۔ ایک دن وہ اپنی لاولدی پراسوس کو کہہ تھا کہ ایک خواجہ سرائے عرض کی۔ قید عالم! دروازہ پر ایک تاجر ایک خوبصورت لونڈی لئے کھڑا ہے۔ حکم ہوا دونوں کو اندر لے آؤ۔ غرض تاجر لونڈی کو لیکر حاضر ہوا اور اُسکے منہ سے برقعہ اُٹھا دیا۔ بادشاہ لونڈی کی صورت دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور پوچھا۔ بڑے سیال! اسکی کیا قیمت ہے؟ تاجر بولا! حضور! میں نے اسے دو ہزار دینار سے خریدا تھا۔ تین سال ہوئے ہیں اس عرصے میں اتنے ہی دینار میں اسکی پرورش پر صرف کر چکا ہوں۔ اب تذکرہ ہے بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ تاجر کو دس ہزار دینار اور ایک طاقت فخر عطا کیا جائے۔ تاجر نے بادشاہ کے عہدے کو بڑے شکر سے قبول کیا اور چلے آیا۔ بادشاہ نے مشاطوں کو حکم دیا کہ لونڈی کو لپیٹا

اس شہر کی انیٹ سے انیٹ بجا دیکھا۔ قمر الزمان ایلیچی کا بیٹا مہم شکر غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش  
 آیا اپنے دونوں لڑکوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ بیٹو! یہ تمہارا دادا جان ہے۔ تم ایلیچی کے ہمراہ  
 اس کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ آپ کا فرزند صبح و سلامت ہے۔ اطمینان رکھیں۔ پھر  
 سب کے سب ملکر ملک شاہنہرمان کی خدمت میں آئے۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کو پہچان کر گلے لگایا  
 اور دونوں دیر تک روتے رہے۔ اس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی سرگزشت بیان کی اور  
 قمر الزمان نے اپنے دونوں لڑکوں کو ملک شاہنہرمان سے ملا یا۔ شہنہرمان نے اپنے پوتوں کو بھی گلے  
 لگا کر بہت پیار کیا اور سب حکمران آپس میں ملکر بہت خوش ہوئے۔ غرض تین دن تک وہ شکر  
 آتش بہستوں کے شہ نہیں خیمہ زن رہے۔ اس عرصے میں ملکہ مرجانہ کی شادی احمد سے ہو گئی

تصویر باہم ملاقات شہزادہ اچھا وراسعد اور قمر الزمان اور شاہ چین اور  
 شاہنہرمان والی جزائر خالہات وغیرہ کی مع ملکہ مرجانہ کے ملک جو جس میں



اور تبتان امجد کے نکل میں آئی جو دونوں بھائیوں کی ملاقات کا باعث ہوئی تھی۔ چوتھے دن ملکہ

واما قمر الزمان اور اپنی بیٹی کی تلاش میں یہاں تک آیا ہوں۔ تمہیں کچھ خبر ہے تو بتا دو۔ اچھے  
 سمجھ لیا کہ وہ اسکا نانا ہے مگر آداب سچا لاکر عرض کی کہ وہ دونو بخیریت ہیں۔ اور خراج آئوگر  
 میں حکمران ہیں۔ اور میں انکا لڑکا اور آپ کا نواسا ہوں۔ شہنشاہ چین نے اپنے نواسے کو  
 گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ اور دونوں کے مصائب کا حال سنکے تے لگا۔ میں تم کو قمر الزمان کے  
 لیچلوں گا اور تمہاری صلاح کرادوں گا۔ پھر اچھ کو خلعت فاخرہ عطا کیا۔ اور اس نے خوش و خرم  
 اپنے بادشاہ کی خدمت میں آکر شہنشاہ کا مقصد ظاہر کیا۔ بادشاہ کو پورا تعجب ہوا اور دونوں  
 لشکروں کے سامان ضیافت ارسال کرکے شہنشاہ گور کی خدمت میں جانا چاہا۔ مگر تیسری طرف سے  
 ایک اور لشکر کے آنے کی خبر ملی۔ بادشاہ نے دونوں بھائیوں سے فرمایا کہ اس تیسرے لشکر کی  
 بھی خبر لاؤ۔ جو پہلے دونوں سے بہت بڑا ہے۔ دونوں بھائی شہر کے دروازے کھلوا کر جو بادشاہ  
 نے آئیو لے لشکروں کے خوف سے بند کرادئے تھے باہر نکلے۔ اور جب اس تیسرے لشکر نے  
 قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسکا سپہ سالار جزائر آبنوس کا حکمران قمر الزمان انکا باپ ہے۔  
 دونوں کے آگے بڑھکر باپ کے قدم چومے۔ قمر الزمان دونوں بیٹوں کو صبح و سلامت پا کر  
 نہایت ہی مسرور ہوا اور بے اختیار آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا دیا۔ امجد و اسعد دونوں نے  
 اسے ملک گور کے آئینے خردی اور وہ فوراً دونوں بیٹوں کے ساتھ بادشاہ گور کی خدمت میں حاضر  
 ہوا۔ سب کے سب اچھے عیب اتفاق سے فوش ہوئے۔ مدنیۃ الجوس کے بادشاہ کو بھی جب اسکی  
 خبر ہوئی تو وہ بہت حیران ہوا اور اس تیسرے لشکر کی دعوت کے انتظام میں مصروف تھا کہ  
 معیروں نے ایک چوتھے لشکر کے نمودار ہونے کی اطلاع دی۔ اہل شہر کو بڑا فکر کہ خدا جانے یہ بھی  
 دوست ہے یا دشمن؟ مگر ملک مرطانیہ۔ قمر الزمان اور شہنشاہ گور نے انہیں تسلی دی کہ اگر  
 نبیا آئیو الا دشمن ہوا تو وہ تینوں اہل شہر کی مدد کرینگے۔ وہ سب انہی باتوں میں تھے کہ اس  
 نئے لشکر میں سے ایک ایلیچی آگے بڑھا۔ اور جہاں یہ سب حکمران جمع تھے وہاں آکر آداب بجالایا۔  
 امجد نے سر لشکر کا نام اور آئینے غرض پوچھی۔ ایلیچی بولا۔ یہ لشکر بادشاہ شاہ زمان کا ہے۔ جو  
 جزائر خالوات کا حکمران ہے۔ مدت ہوئی اسکا اکلیا بیٹا قمر الزمان گم ہو گیا تھا۔ اب وہ اسکی  
 تلاش میں پھر رہا ہے اگر تم اسکا پتہ بتاؤ تو وہ تمہیں کچھ فدا مان نہیں پہنچا دینگا ورنہ حکمران کے

تبارم دہاں پہنچا دو لگا۔ دونوں شہزادہ اسپر راضی ہوئے اور بادشاہ سے اجازت مانگی بادشاہ نے  
 خوشی منظر کیا۔ جب جہاز اہر سب سامان سفر تیار ہو گیا۔ دونوں شہزادے بادشاہ سے خیمت  
 ہوئے گئے۔ بادشاہ نے وہ نول کو گلے لگا کر شہزادہ جواہر اور سازو سامان عطا کیا اور چاہتا تھا  
 کہ ساعلی تک سارہو کر ساتھ چائے کہ مغبروں نے خجندی۔ قلاں سمت سے ایک بڑی پیدل فوج  
 چلی آ رہی ہے۔ نہیں معلوم اُنکا کیا ارادہ ہے۔ بادشاہ نے وزیر امجد اور اُسکے بھائی اسعد کو  
 یہی اطلاع دی۔ امجد بولا۔ میں ابھی جاتا ہوں۔ اور خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ادھر روانہ ہوا۔ جب فوج  
 کے قریب پہنچا۔ انہوں نے سمجھا کہ شہزادے پرستان کے بادشاہ کا قاصد ہے۔ اسلئے وہ اُسے اپنے  
 بادشاہ کے پاس لینگے۔ امجد کیا دیکھتا ہے کہ وہ عورت ہے اور مردانہ لباس میں فوج کی کمان  
 کر رہی ہے۔ اُسے زمین بوسی کے لئے سر جھکا یا اور اپنے بادشاہ کی طرف سے تشریف آوری کا  
 سبب پوچھا۔ ملکہ بولی تمہارے شہر میں ایک غلام ہے اگر اُسے تلاش کر کے بھجوادو تو بڑی ہزانی  
 ہے۔ ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ قلم ادر لگے گی۔ امجد نے غلام کا نام اور حلیہ دریافت کیا۔ ملکہ بولی اُسکا  
 نام اسعد ہے اور میں ملکہ مرجانہ ہوں پھر امجد کو اسعد کے پائے اور کھوئے جانے کی حکایت سن کر  
 کہنے لگی۔ میں نہیں جانتی۔ پھر امجد نے اُسے کیسے چھالیا اور کس طرح سے یہاں لے آیا۔ امجد نے سمجھ  
 لیا کہ وہ اسی کے بھائی کا ذکر کر رہی ہے۔ بولا۔ ملکہ۔ وہ میرا ہی بھائی ہے اور خیریت سے ہے  
 پھر اُسے سامان قصہ سنایا جس سے ملکہ کو بڑا تعجب ہوا۔ اور امجد کو ایک بیش بہا خلعت عطا فرمایا  
 پھر امجد اجازت لیکر بادشاہ کی خدمت میں آیا اور ملکہ مرجانہ کے مقصد سے اطلاع دی بادشاہ  
 یہ سن کر دونوں بھائیوں کو ہمراہ لیکر ملکہ مرجانہ کی خدمت میں پہنچا۔ اور سب کے سب آپس میں ملکہ  
 بڑے خوش ہوئے۔ اوہراؤدہر کی باتیں ہونے لگیں۔ ابھی وہ اتنی باتوں میں تھے کہ سامنے  
 سے غبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اور گھوڑی ویر بعد ہر کا سے نے خجندی کو ایک اور صلح لشکر  
 جواز چلا آتا ہے۔ بادشاہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ کہ اب یہ کون غنیمت مجھ پر چڑھ آیا۔ ناچار اچھر  
 اپنی فوج لیکر آئینا لی پاہ کا حال دریافت کرنے گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ لشکر شہنشاہ چین کا ہے  
 امجد شہنشاہ مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور تشریف لائیکا سبب پوچھا۔ شہنشاہ نے  
 جواب دیا۔ رات گذری تھی اپنا بیٹی بدرالہمدور کی خیریت سے اطلاع نہیں ملی۔ اب اپنے

کر دیں۔ نستان نے اسرار سے مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اسعد نے اسے بکری شہادت پر لے کر مسلمان کر لیا۔ غرض نستان نے عذاب کی جگہ اسعد کی بہت سی خدمتگاری کی اور روز اسے مقوی اور لطیفانہذہن بنا دیا کرتی جس سے اسکی صحت بہت جلد عود کر آئی۔ اور دونوں بلکہ اسلام کے فرائض ادا کرتے۔ ایک دن نستان گھر میں بیٹھی تھی کہ سناو کی آواز کان میں آئی۔ وہ فوراً دروازے پر پہنچی اور سنا کہ سناو کہہ رہا ہے۔ وزیر کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص فلاں محلے کے ایک نوجوان کا پتہ بتا دے گا تو اسے وزیر صاحب بشمار مالی و مثال عطا فرمائینگے۔ لیکن جو شخص اسے چھپا رکھیگا۔ اسکا گھر کھود کر زمین کے برابر کر دیا جائیگا اور اس کے گنے والوں کو پھانسی ہوگی۔ اسعد نے نستان کو اپنا سارا حال پہلے ہی بتا رکھا تھا۔ یہ سناو کی شکرت سے خیال کیا۔ یقیناً یہی وہ نوجوان ہے جسکا اسعد کے پاس گئی اور اسے خبر دیکر وزیر کے گھر کو روانہ ہوئی۔ جب وزیر کو دیکھا۔ سوچنے لگی۔ یہ تو فی الواقع اسعد ہی کا بھائی ہے۔ غرض نستان وزیر کو اپنے ہمراہ گھر لائی۔ جہاں اسعد قید تھا۔ امجد اپنے بھائی کو ایسی حالت میں دیکھ کر رو پڑا اور پھر دونوں گلے مل کر خوب روئے۔ اسکے بعد امجد اسے ساتھ لیکر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور اسے بھائی کے بلنے کی خبر سنائی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ بہرام کا گھر کھود کر زمین کے برابر کر دیا جائے۔ وزیر نے بیلہ اردل کو روانہ کیا کہ بادشاہ کے فرمان کی تعمیل کرے۔ اور بہرام کی لڑکی کو میرے پاس حاضر کیا جائے۔ غرض بیلہ اردل نے بہرام کے گھر میں ہل پھیر دیا اور نستان کو وزیر کی خدمت میں لائے۔ اسعد نے امجد کو اپنے عذاب اور نستان کی ہر باتوں کی تفصیل سنائی۔ وزیر نے نستان کی بہت عزت کی۔ پھر امجد نے اپنے بھانسی سے بچنے اور وزارت کے بلنے کا حق اسعد سے بیان کیا۔ اور بادشاہ نے بہرام اور اسکا بھائی کو بھانسی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ اور جب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معافیاں مانگتے اور منتیں کرنے لگے اور قدموں پر سر کر کے شفاعت چاہی۔ مگر بادشاہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے بغیر تمہارا چڑھکارا نہ ہوگا۔ غرض وہ سب اسے بوقت اسلام لائے۔ امجد نے یہ دیکھ کر بہرام کا جوتھر نقصان ہوا تھا اسے دو گنا انجام دیا۔ بہرام نے امجد کی سیر حشی دیکھ کر عرض کیا۔ کہ میں اگلے برس جتنا سناو بنوں گا۔ وہیں آپ کے والد قمر الزمان کو آپ کے فراق میں نہایت منہموم پایا۔ محب نہیں اگر وہ تمہارے علم میں اپنے تئیں ہلاک کرے۔ مناسب ہے کہ آپ تم وہاں جا کر اپنے باپ کی خبر لے میں آپ کو اپنے جہاز پر سوار کر کے

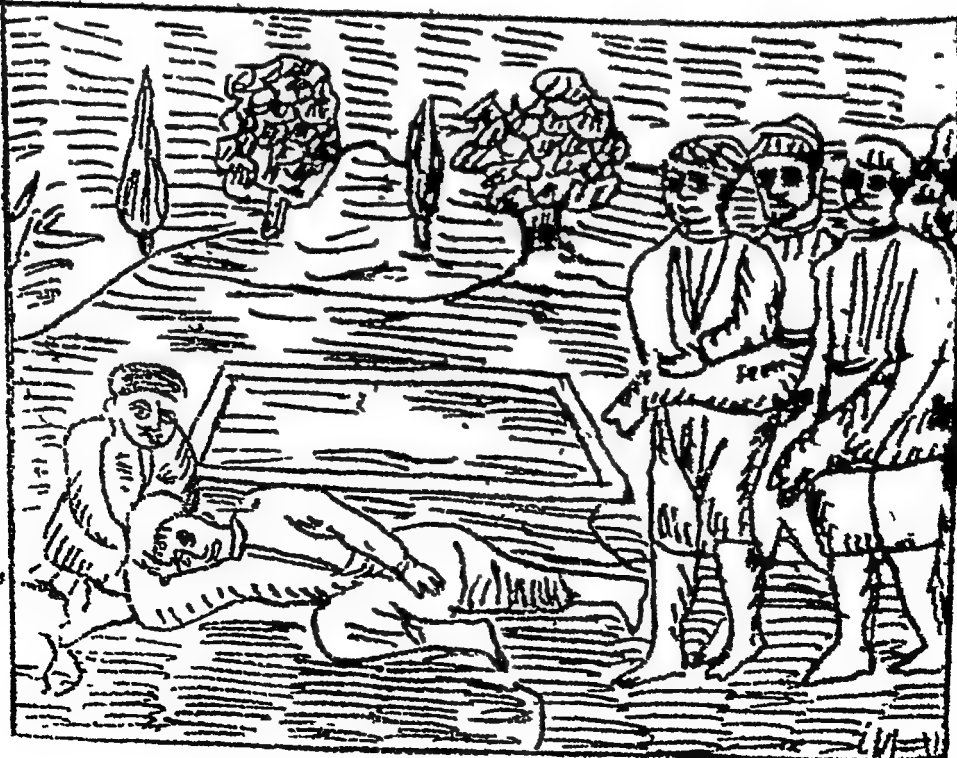
جنگی جہازوں کے حملہ آور ہونے کی خبر ملی۔ اُسے اسعد پر دانت پیسے کہ بد بختی یہ سب تیری ہی بدولت ہے۔ پھر خلاصیوں کو حکم دیا۔ کہ اس کے ماتھے پاؤں پانڈھ کر سمندر میں پھینک دو۔ خلاصیوں نے فوراً اسعد کو رستے سے مضبوط جاکر سمندر میں پھینک دیا۔ پانی نے اُسے وہ رکھے اُسے کون مار سکتا ہے۔ جب خلاصیوں نے اسعد کو سمندر میں پھینکا۔ پانی نے اُسے دور سے اُبھارا اور اُسکے ماتھے پاؤں کھل گئے۔ جس سے وہ باسائی تیر سکے۔ ایک زبردست موج نے اُسے اٹھا کر خشکی پر ڈال دیا۔ اسعد نے اپنے بچنے کا شکریہ ادا کیا اور کہنا رے پر ہینچ کر کپڑے اُتارے اور انہیں شجرہ کر دھوپ میں پھیلا دیا۔ جب سوکھ گئے۔ انہیں ہینچ کر قدم آگے کو اٹھایا۔ مگر اُسے نہیں معلوم تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ جب بھوک لگتی۔ پھل پھول کھا کے پیٹ بھر لیتا۔ اور چشموں کے پانی سے پیاس بجھا لیتا۔ غرض کئی دینکے بعد وہ رات کی وقت ایک شہر میں جا پہنچا۔ اور جب غور سے دیکھا تو وہی مینۃ الجوس تھا جس میں وہ ایک سال تک قید رہ چکا تھا۔ شہر کے دروازے بند تھے اسلئے قدم قبرستان کی طرف بڑھایا اور ایک مقبرہ کا کھلا دروازہ پا کر اندر چلے سو ڈھا۔ اور صریح ملکہ مرچانہ بہرام جو سی کے جہاز پر چڑھ آئی اُسے باتوں میں اُسے رام کر لیا۔ اور جہاز دکھا دیا۔ کہ اسعد کو میں نہیں ملایا۔ ناچار وہ بیچاری واپس لوٹ گئی۔ اور بہرام اس سے واپس آگیا۔ اتفاق کی بات دیکھو کہ وہ بھی اُسی رات شہر میں پہنچا جبکہ اسعد آیا تھا اور شہر کے دروازے بند پائے اُسے بھی اُسی قبرستان کا رخ کیا۔ بلکہ اُسی مقبرے میں آگیا۔ جہاں اسعد پڑا ہوا تھا۔ چاند کی چاندنی میں بہرام نے اسعد کو سوتا پا کر حیرت سے دیکھا اور بولا۔ بد بخت تو ابھی تک جیتا ہے۔ پھر اُسے پکڑ لیا اور اپنے گھر لایا۔ اُسکے گھر میں بھی ایک تہ خانہ تھا۔ اسعد کو وہیں قید کر کے چابی اپنی لڑکی رستان کو دیدی۔ اور بچھا دیا۔ کہ ہر روز فلاں قیدی کو اسقدر عذاب دیا کرو۔ کہ وہ مر جائے۔ رستان حسب احکم تہ خانے میں اسعد کو مارنے کیلئے لگی۔ مگر اُسے صہبن اور خوش وضع نوجوان پا کر اُسکے دل میں اسعد کی محبت پیدا ہو گئی۔ پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ جواب ملا۔ اسعد۔ رستان بولی۔ مبارک ہو۔ اب اچھے دن آٹھویں ولے ہیں مجھے تمہاری مظلومیت پر بڑا ہی رحم آیا ہے۔ اسکے بعد اُس سے اور بھی محبت آمیز باتیں کیں۔ اور دین اسلام کے ارکان دریافت کئے۔ اسعد نے اسلام کے بارے میں جو کچھ اُسے معلوم تھا۔ سب باتیں بیان



واقعہ تھا۔ اُس نے کپڑے اتارے ہوئے تھے۔ اور ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی۔ کنارِ حوض پر بیٹ گیا اور لیٹے لیٹے وہیں سو گیا۔ حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی۔ اور ہیرا رام نے خلاصیوں کو حکم دیا کہ لشکر اٹھا دیا جاوے۔ مگر جواب ملا۔ جہاز میں پینے کا پانی نہیں ہے پہلے پانی کے آئیں۔ کپتان نے کہا شاہی باغ قریب ہی ہے۔ وہاں آب شیریں کا ایک حوض ہے۔ جاؤ۔ وہاں سے مشکیزے بھراؤ۔ غرض خلاصی آدھی رات کے وقت شاہی باغ کی دیواریں بھاڑ کر اندر داخل ہوئے اور کنارے حوض پر اسعد کو سوتے پایا۔ پہلے آہستہ سے تمام مشکیزیں بھر لیں اور پھر اسعد کو اٹھا کے چدرہ سے آئے تھے۔ اُسی رات جہاز کو چلے گئے۔ اور ہیرا رام کو مبارکباد دی۔ کہ ملکہ مرجانہ آپ کے جس غلام کو چھین کے لے گئی تھی۔ وہ حاضر ہے۔ اور اتفاق سے میں مل گیا ہ تھا۔ ہیرا رام کو اسعد کے دیکھنے سے بڑا اطمینان ہوا۔ اُس نے حکم دیا۔ کہ فوراً لشکر اٹھاؤ اب کے اُس کے حکم کی تعمیل میں فدا دیر نہ ہونی اور جہاز ساحل پر چل پڑا۔

اب ملکہ کا حال سنو۔ وہ اسعد کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ جب وہ ویر تک واپس نہ وُٹا اُسے بڑا فکر ہوا۔ تو لونڈیوں کو حکم ہوا۔ کہ اسعد کی تلاش کی جائے۔ لونڈیاں مشعلیں جلا کر ہر طرف تلاش کرنے لگیں۔ آخر انہیں باغ کا دروازہ کھلا ملا۔ اندر گئیں تو اسعد کا چوتائی حوض کے کنارے پڑا پایا۔ مگر اسعد کی کچھ خبر نہ تھی۔ ملکہ کو (اطلاعدی)۔ ملکہ نے ایک سوار کو ساحل پر دوڑایا کہ ہیرا رام جو سی کے جہاز کا پتہ لائے۔ سوار نے اُٹے پاؤں آ کے جواب دیا کہ جہاز کو روانہ ہونے دیر ہو گئی ہے۔ ملکہ نے معلوم کر لیا کہ اسعد اُنکے قابو چڑھ گیا حکم دیا دس جنگی جہاز فوراً تیار ہوں۔ حکم کی دیر تھی۔ فوراً بحری فوج تیار ہو گئی۔ اور جہاز نہ لیں ہو کر روانگی کے حکم کے منتظر تھے۔ ملکہ خود بھی مسلح ہو کر آئی۔ اور کپتان کو حکم دیا۔ ہیرا رام جو سی کے جہاز کا پیچھا کرو۔ اگر اُسے پکڑیں تو تمہیں خاطر خواہ انعام ملیگا۔ ورنہ سب کے سب مارے جاؤ گے۔ ملاحوں کو اپنی جان کا فکر پڑ گیا۔ اسلئے پوری رفتار سے جہاز سمت میں دوڑانے لگے۔ حتیٰ کہ چوتھے دن ہیرا رام کے جہاز کو جا گھیرا۔ ہیرا رام اس وقت اسعد کو مٹھائے رہا تھا۔ اور وہ بیچارہ چلا چلا کر اپنے بچاؤ کے لئے پکار رہا تھا مگر جب کسی نے اُسے نہ پکایا تو وہ بیچارہ بہوش ہو کر گر پڑا۔ اُسکے بدن کا چوڑا اُدھر گیا۔ ہتھ میں ہیرا رام کو دس

بھی پیچیدہ تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ ملکہ نے جواب دیا۔ مگر تجھے اسے لینا ضرور ہے۔ مولیٰ نے  
دور رفت دید و بہرام نے کہا۔ میں کسی طرح بھی نہیں دے سکتا۔ یہ سنکر ملکہ مر جانے غصہ میں چڑھی  
اسعد کو ہمراہ لیا اور قلعے میں چلی گئی۔ جاتے ہوئے کہہ گئی۔ کہ رات بیکہ ہمارے ساحل سے نکل جاؤ  
ورنہ تمہارا سب مال ضبط کر کے جہاز کو ڈبو پھوڑ دیا جائیگا۔ بہرام کو برا افسوس ہوا کہ کسی اچھے تلے  
گھر سے چلے گئے۔ غرض سامان سفر درست کر کے وہ رات کے انتظار میں بیٹھے۔ تاکہ ملکہ اٹھا  
دیا جاوے۔ اُدھر ملکہ مر جانہ اسعد کو ہمراہ بیکہ جیب تلے میں پہنچی۔ لونڈیوں کو دسترخوان چنے کا  
حکم دیا اور اسعد کو ہمراہ اپنے بٹھا کر کھانا کھلایا۔ پھر شراب آئی۔ اور اپنے ہاتھ سے پیالے جھڑپ  
کے اُسے دیتی تھی۔ غرض اسعد کی محبت نے اُسکے دل میں گھر کر لیا۔ جب دو لو شراب سے مست  
ہو گئے۔ اسعد کو حاجت محسوس ہوئی اور وہ قصائے حاجت کے لئے محل سے اُترا اور شاہی باغ  
کا دروازہ کھلایا کر اندر چلا گیا۔ جب فراغت حاصل کر لی۔ محض پر ہاتھ دھوئے چرباغ کے اندر



اسکی تماشے کے حکم دیا کہ اسباب نیچے اتار دیا جائے۔ خلاصہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ اور امجد نے آپ اُدھر جا کے کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کہیں اُسکا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ غرض وہاں سے بھی ناکام ہو کر وہ محل میں آیا اور بھائی کی یاد میں ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگا۔ دوسرے ہرام جو وہی نے حکم دیا کہ فوراً لشکر اٹھا دیا جائے۔ غرض چادر روانہ ہوا اور ہو اکی موافقت کے سبب بہت جلد جل النار کے قریب جا پہنچا۔ مگر وہاں پہنچا۔ یکایک طوفان آگیا اور باد و مخالف کے پھیرے جاز کو گمراہ کر کے ایک ایسی جگہ ٹپکے۔ جو جل النار سے بہت دُور تھی اور وہاں ایک مسلمان عورت حکمران تھی جسے ملکہ مرعانا کہتے تھے۔ کپتان نے ہرام سے کہا۔ صاحب! ہم منزل مقصود سے بہت دُور آچکے ہیں۔ اب آرام کے لئے یہاں ٹھہرنا بھی ضروری ہے آپ کی کیا صلاح ہے۔ ہرام نے جواب دیا۔ تم مختار ہو جس طرح تمہاری رائے ہو کر ویکٹا لے پڑ چھا کہ اگر ملکہ نے اُس مسلمان کی بابت پوچھا؟ ہرام نے کہا میں کہہ دوں گا۔ کہ میں غلاموں کی تجارت کیا کرتا ہوں۔ اور اب یہ ایک ہی غلام رہ گیا ہے۔ ذرا تم اسے غلاموں کے لپٹے پہنوادو۔ اسنی باتوں میں جاز ساحل پر آگیا۔ لنگہ گرا یا گیا اتنے میں ملکہ مرعانا بھی وہیں لشکر سمیت آگئی اور کپتان کو بلوایا۔ کپتان نے آکے آداب عرض کیا۔ ملکہ نے پوچھا تیرے جہاز میں کیا مال ہے۔ کپتان نے جواب دیا۔ حضور! ایک شخص غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہے وہی اسپر سوار ہے۔ حکم ہوا کہ اُسے بلاؤ۔ غرض ہرام مجوسی یا ہر آیا اسعد بھی اُسکے ساتھ تھا اور اُسنے غلاموں کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ہرام نے آکے زمین خدمت کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ ہرام بولا۔ ملکہ! میں غلاموں کی خرید و فروخت کیا کرتا ہوں۔ پھر ملکہ نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے۔ اسعد نے روکے جواب دیا مجھے اسعد کہتے ہیں ملکہ کا دل بھر آیا اور پوچھنے لگی۔ تم کچھ لکھ پڑھ بھی سکتے ہو۔ اسعد نے کہا ہاں۔ ملکہ نے کاغذ اور قلم دعوات پیش کی۔ اسعد نے یہ شعر لکھا۔

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بول عروء جو کچھ کہوں سو ہوں غرض آفت رسید ہوں  
ملکہ نے جیسا اس شعر کو پڑھا۔ اسپر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ ہرام سے کہنے لگی۔ کیا تم اس غلام کو بیچو گے۔ ہرام نے کہا۔ نہیں حضور! صرف یہی ایک باقی رہ گیا ہے۔ اگر اسے

اور بادشاہ نے ڈپٹ کر لپچھا۔ تو اسی طرح ہماری رعایا کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دیتا ہوگا۔ مگر  
 بہادر نے جب کچھ جواب نہ دیا۔ تو حکم دیا کہ شہر میں منادی کیجئے کہ آج دوپہر کے وقت بہادر کو پھانسی  
 پر چڑھایا جائیگا جسے دیکھنا ہو مقتل میں جا کے دیکھ سکتا ہے۔ اور ہر محلہ انتظار میں بیٹھا تھا جب  
 دن بھی نکل آیا اور بہادر نہ لڑا تو اُسے سخت فکر ہو گیا۔ اتنے میں منادی کی آواز بھی کان میں آئی  
 کہ دوپہر کے وقت بہادر کو پھانسی پر چڑھایا جائیگا۔ جسے دیکھنا منظور ہو مقتل میں چلا جائے۔ بہادر  
 کے قتل کی خبر سنکر امجد کو بڑا افسوس ہوا۔ کہ قاتل میں ہوں اور وہ غریب بیگناہ مارا جاتا ہے۔  
 یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچکر اُسے مکان کا دروازہ بند کیا اور اپنے تئیں قاضی کی خدمت میں  
 پہنچا کر عرض کی۔ حضور! بہادر بالکل بیگناہ ہے اور اُس عورت کا قاتل میں ہوں۔ قاضی نے  
 یہ سنکر دوڑ کر ہمراہ لیا اور بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا بات ہے۔ قاضی نے  
 جو کچھ امجد سے سنا تھا۔ سنا دیا۔ پھر بادشاہ امجد کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ کہا تم نے ہی اُس عورت  
 کو قتل کیا تھا؟ اور کہوں۔ سچ سچ بیان کرو۔ امجد نے اس کے جواب میں جزائر آبنوس سے وعادہ چوڑے  
 بھائی کے بچھڑنے دینے الجوس میں پھونپنے۔ درزی کی شاگردی کرنے۔ اس عورت کے ملنے۔ بہا  
 کی بہادری اور عورت کے قتل کی مکمل داستان ایسے دردناک طریق سے بیان کی کہ بادشاہ کا  
 دل سپیچ گیا۔ اور کہتے لگا۔ مجھے معلوم ہوا۔ بہادر بیگناہ ہے اور تم معذور ہو۔ لیکن کیا تم  
 میری وزارت کو پسند کرتے ہو۔ امجد نے سر تسلیم جھکا دیا اور بادشاہ نے اُسے خلعت بھاری  
 عطا فرما کر رہنے کے لئے ایک عالیشان محل عطا فرمایا۔ جو نوکروں۔ چاکروں۔ جاہ و شہرت کی ضرورت  
 سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ بہادر کو بھی ایک پیش بہا خلعت ملا۔ اور بڑی عزت سے اُسے رخصت کیا  
 بادشاہ نے امجد کو اپنے بھائی کے تلامش کرنے کی بھی اجازت دی۔ امجد شہر کی ہر روز گلیوں اور  
 بازاروں میں منادی کرتا کہ جو شخص اُس کے بھائی کا پتہ دیکھا۔ اُسے بہت سا انعام دیا جائیگا  
 مگر ایک مدت تک اُسے کامیابی کچھ نہ ہوئی۔ اور ہر اسعد کو اُن مجوسیوں کے گھر میں سخت قلیف  
 مچی۔ رات دن عذاب دیا جاتا۔ حتیٰ کہ اُنکی عید آگئی اور ہر ام مجوسی کا ہاڑا آتش پرستوں کے بڑے  
 معبد جبل النار کو جانے کے لئے تیار ہوا۔ اسعد کو بھی ایک صندوق میں مقفل کر کے اُسی ہاڑ  
 بندیا کر کیا گیا۔ وزیر امجد کو اس ہاڑ کی روانگی کی خبر ہوئی اور سمجھ سپاہی ہمراہ لیکر ہاڑ پر آنا۔ تاکہ

مچرتے سوچا جس شخص نے ہمارے ساتھ نیکی کی اور اپنے تئیں غلامی کی خدمت پر مامور کیا اس سے ایسا سلوک کرنا جائز ہے۔ یہ خیال کر کے پولا۔ لاؤ۔ یہ تلوار مجھے دو۔ میں ہی اسے قتل کروں گا اور تلوار اس کے اٹھ سے لیکر اسی ڈان کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ جب مقتولہ کا سرٹ کر بہاؤر تصویر امجد کی عورت کو قتل کرنے اور سر مقتولہ کے بیٹہ کو پھاختہ پر لڑائی



پر گرا تو وہ ایک بیکٹا اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھا تو امجد خون آلود تلوار لئے کھڑا ہے اور وہ عورت قتل ہوئی پڑی ہے۔ امجد سے اس کا سبب پوچھا۔ اُسے جواب دیا۔ یہ تمہیں قتل کیا چاہتی تھی سائل نے اُسے اُسکے کیفر کردار کو پہنچا دیا ہے۔ بہادر نے امجد کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کاش! تو اسے موت کر دیتا۔ مگر اب جس طرح ہو اس لاش کو گھر سے نکالنا ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ صبح نکلے۔ یہ کہہ کر اُسے ایک چادر میں باندھا اور امجد سے کہنے لگا۔ اگر میں سورج نکلنے سے پہلے آگیا تو کوئی فکر نہیں۔ ورنہ سمجھ لینا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اس لئے اس مکان کو اسبابِ بہت میں تمہارے نام پر بے کرتا ہوں اور کہہ کس کر گھنٹی سر پر اٹھا کتا رو دریا کی طرف روانہ ہوا۔ جب قریب جا پہنچا۔ روز کے سپاہیہ اُسے گھیر لیا۔ اور گھنٹی کھلا کے دیکھا۔ تو اُس میں ایک عورت کی لاش پکر بہاؤ کو گرفتار کر کے تھامے لیگئے اور صبح کے وقت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بہادر نے سر جھکا لیا

کر دی ہے۔ اور کوئی عذر نہ مان کر مارنے سے بھی دریغ نہ کرنا۔ اگر آپ نے کچھ بھی گزری کی تو آپ بھر  
 میرے دیندار کھڑے۔ اب جائے اور آرام سے بیٹھئے۔ مجھ سے جو کچھ مانگئے گا میں اُسے حاضر  
 کروں گا۔ رات بھی آپ شوق سے جس طرح چاہیں بسر کر سکتے ہیں صبح جہاں مرضی ہوگی چلے  
 جائے گا۔ امجد کو بہادر کی باتوں سے تسلی ہوئی۔ اور وہ اطمینان سے اندر آئے۔ اُس عورت  
 سے محبت و الفت کی باتیں کر نید گا۔ وہ بولی۔ شک ہے کہ آپ نے بھی مجھ سے کلام کیا۔ امجد نے  
 جواب دیا۔ بات یہ ہے کہ میں جو اہرات کے ایک بالائی ٹکڑ میں تھا۔ جسکا ایک ایک دانہ دس سہار  
 دینار کا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میرا غلام بہادر اُسے لیکر نکلیں گا۔ مگر آپ نے دیکھا تو وہ انہی نگہ  
 پر ہی پڑا ہے۔ اسلئے اب مجھے جبرانی ہے کہ اُسے آج اس قدر دیر کہاں لگا دی۔ فلا آلیتا ہے  
 تو پوچھتا ہوں۔ غرض انہی باتوں میں منہ بکا وقت آگیا اور بہادر غلاموں کا لباس پہنے اندر آیا  
 اور ماتھے بازو کر سر جھکا کے امجد کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امجد نے پوچھا۔ بد ذات! تو اس وقت تک  
 آج کہاں تھا؟ بہادر نے جواب دیا۔ حضور! آج نہانے اور کپڑے دھونے میں دیر ہو گئی ہے  
 لیکن مجھے خبر نہ تھی کہ آپ ایسی جلدی تشریف لے آئیے۔ بلکہ میں سمجھتا تھا کہ آپ حسب معمول  
 شام کے وقت آئیے۔ امجد نے اُس پر دکھاٹے کیلئے آنکھیں لالی کر لیں اور لکڑی لیکے اُسے دو  
 تین چڑویں گزرنی سے۔ اُس عورت کو اُس پر اطمینان نہ ہوا۔ اور اُسے لائیں لیکے اس زور سے  
 بہادر کی ضرب لینی شروع کی کہ سچ مچ بچا لیکے آنسو نکل آئے۔ گوا امجد منع بھی کرتا رہا کہ اب اسے  
 معاف کر دو مگر اُسے ایک نہ سہی۔ آخر اُنکے امجد نے اُس سے لائیں پھین لی اور بہادر کو چھڑایا۔  
 بیپا نے آنسو پونچھے اور اُنکی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔ اب شام ہو گئی تھی۔ چراغ روشن کئے  
 اور دسترخوان بچھا کر شام کا کھانا پکھا اور آدھی رات تک اُنکی خدمتگاری میں لگا رہا۔ آخر کھانے  
 کے وہیں پر گیا۔ وہ عورت اس وقت شراب میں پھر ہو رہی تھی۔ امجد سے بولی۔ صاحب! تلوار لیکر  
 اس بے چارے کا سر اُتار دو۔ ورنہ میں اُنھی ہوں۔ امجد نے پوچھا۔ کیوں اُسے بھتا رہا کیا  
 لگا رہا ہے۔ عورت بولی قتل کے بغیر پورا عطف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تم نہیں آتے  
 تو میں اُسے قتل کر دیتی ہوں۔ امجد نے کہا تمہیں خدا کی قسم ہے۔ میرے غلام سے اس طرح  
 مت پیش آؤ۔ مگر اُس دن اُس نے کچھ پرواہ نہ کی اور تلوار کھینچ کر چلا آئی تھی کہ بہادر کا سر اُٹا دے

وہ عورت بھی اُسکے پہلو میں بیٹھ گئی۔ مگر دونوں میں بڑا فرق تھا۔ امجد کے دل میں طرح طرح کو خدشا پھر رہے تھے۔ وہ سوچتا تھا۔ کہ اگر مالک مکان آگیا تو جان کا بیچنا محال ہے۔ مگر وہ عورت پر اتنا شاقہ لگاتی تھی۔ گو با کچھ بڑا پالیا ہے۔ غرض امجد نے دسترخوان سے ایک نالی بھی نہ اٹھایا۔ مگر نہ اُس کی نظر واز سے پر لگی ہوئی تھی۔ اور عورت کا کھاتے کھاتے پیٹ بھر گیا۔ اس نے اُسے دسترخوان اٹھا دیا اور میوؤں کی طشتریاں لے آئی۔ جب خوب میر ہو چکی تو شراب کے کمر اٹھائے اور گلاس بھر کے امجد کے پیش کیا۔ اُس نے لولیا مگر زہر کے گھونٹ معلوم ہوتے تھے اور ابھی اُسے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا۔ کہ دروازے پر صاحب خانہ کی شکل نظر آئی۔ رسکا رنگ فاق ہو گیا۔ اور گلاس ہاتھ سے رکھ دیا۔ بیشخص شہر کے کسی بڑے امیر کا ملازم تھا اور اس مکان کو اُسے محض چند گھنٹوں کی فرحت و اقبساط کی خاطر بنوار کھا تھا بلکہ آج بھی یہیں ایک دوست کی دعوت تھی اور یہ سب سامان اُسی کی خاطر لایا کر کے رکھا گیا تھا۔ نام اُس شخص کا بھادر تھا۔ اور شہر میں اُسکے جو دوست اکی دھوم مچتی۔ غرض جب وہ مکتا پڑا یا کہ اپنے دوست کا انتظار کر کے باہر کا دروازہ کھلا پا کر متحیر پڑا۔ اور آہستہ آہستہ اندر گیا۔ جہاں امجد اور وہ عورت دسترخوان پر بیٹھے تھے اُسے دیکھ کر امجد کا خون خشک ہو گیا۔ بہادر نے بھی اس تبدیلی و رنگت کو محسوس کیا اور انگلی پٹ پٹ کر رکھ کے اشارہ کیا۔ کہ بولومت۔ پھر اُسے اشارے سے باہر بلایا۔ امجد نے گلاس کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور اُسکے باہر چلا۔ عورت نے پوچھا۔ کہاں جاتے ہو؟ امجد نے جواب دیا۔ ذرا پیشاب کر آؤں۔ غرض اس جیلے سے وہ باہر نکلا اور بہادر کے ہاتھوں کو پوس دیکر پولا۔ قبل اسکے کہ آپ مجھے متراویں۔ میری سرگذشت سن لیں اور اُسے بدلے اپ تک اپنی ساری رام کہانی سنا کر پولا۔ کہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا۔ بلکہ اس عورت نے قفل ٹوڑ دیا تھا۔ اور مجھے بھی اندر لے آئی۔ بہادر نے جب امجد کی سرگذشت سنی اور معلوم کیا کہ وہ شہزادہ ہے تو اُسے پڑا رحم آیا۔ بولا۔ شہزادے آپ اب اندر جا کے بیٹھئے اور فراغت اسے کھانا کھا اور مجھے بھی اپنا ایک ادنیٰ غلام تصور فرمائیے۔ میری بڑی خوش قسمت ہے کہ اپنے اس غریب خلع کو قدم رنجہ فرما کر عزت بخشی۔ میرا نام بہادر ہے اور میں بھی تھوڑی دیر کے بعد غلاموں کا لباس پہن کر حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ اپنے بلا آملی مجھ پر غصے کا اظہار کرنا کہ اس قدر رو کر کیا



دانتے ہاتھ ایک عالیشان خوبصورت جوہلی مقفل دکھائی دی۔ امجد وہیں ایک چوڑے پر پیٹھ گیا۔ وہ  
 عورت بھی دوسری طرف بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ صاحب! آپ اب کس کا انتظار کرتے ہیں۔ امجد نے  
 سر جھک کا لیا اور پولا۔ چاچی نوکر کے پاس ہے میں اسے کہہ گیا تھا۔ کہ کھانا اور شراب بازار سے  
 لا رکھے۔ شاید کہیں بیٹے گیا ہوگا۔ جب بہت دیر ہو گئی۔ وہ عورت بولی۔ خدا جانے آپ کا غلام  
 کب آئیگا۔ ہمیں گلی میں بیٹھے دیکھ کر لوگ کیا کہتے ہونگے۔ اینٹ بیکے قفل کیوں نہیں توڑ دیتے  
 امجد نے جواب دیا۔ جلدی نہ کرو۔ ابھی آتا ہی ہوگا۔ مگر اس عورت نے کچھ نہ سنا اور پھر اٹھا کے  
 قفل کو دو ٹکڑے کر دیا۔ امجد نے پوچھا۔ تمہیں کسی سے ڈر نہ لگتا تھا۔ کہ تھے قفل توڑ دیا عورت  
 نے جواب دیا۔ کیا یہ مکان آپ کا نہیں؟ امجد نے کہا۔ کیوں نہیں۔ مگر قفل کو توڑنے کی کیا ضرورت  
 تھی۔ عورت نے اسکی طرف کچھ توجہ نہ کی اور فوراً دروازہ کھول کے اندر گھس گئی۔ امجد بیچارہ حیران  
 تھا کہ کیا کرے۔ اگر کوئی مالک مکان آگیا تو کیا ہوگا۔ جب وہ اندر نہ گیا تو عورت نے پکارا صاحب  
 تم اندر کیوں نہیں آتے۔ امجد نے جواب دیا۔ میں غلام کا انتظار کرتا ہوں۔ خدا جانے وہ کیوں  
 ابھی تک نہیں آیا۔ یہ کھمک چارو ناچار اٹھ کے اندر گیا۔ مگر مالک مکان کا خوف اس کے گھملا رہا  
 تھا اندر جا کے ایک خوبصورت محل دیکھا۔ جسکے چاروں طرف چار وسیع والان ہر ایک قسم کے فرش  
 فرش اور شیشہ آلات سے آراستہ تھے۔ اور مال میں ایک جگہ ظروف و مختلف اقسام کے معام  
 و ستر خوان پر سلیقے سے چنے ہوئے تھے۔ دوسری جگہ چینی کی طشتیوں میں خشک و تر میوے کمال  
 نفاست سے پڑے تھے۔ وہیں شراب کا سامان اور سیخدار کباب بھی رکھے پائے۔ مکان کے چاروں  
 طرف بتریب کرکیاں چنی تھیں۔ چنبیر پڑوں کی ایک ایک گھمڑی اور ایک ایک تھیلی دیناروں کی  
 رکھی تھی۔ اور سارے مکان کا فرش سنگ مرمر کا تھا جس سے مالک مکان کی اارت ٹپک رہی تھی  
 امجد بڑا مسترد ہوا۔ مگر عورت کو کمال فرحت ہوئی اور کہنے لگی۔ صاحب! اب کے غلام کا کوئی قصور  
 نہیں۔ وہ سب کچھ تیار کر کے رکھ گیا ہے۔ الحمد للہ کہ میں بھیگ و قہر پر آئی۔ لیکن انہ نے اسکی  
 طرف کچھ توجہ نہ کی کیونکہ اسے اور ہی فکر پڑ رہا تھا۔ یہ بے رخی پا عورت نے پوچھا۔ آپا ایسے  
 آدمی کیوں ہو کھائی دیتے ہیں۔ کیا آج کسی اور سے وعدہ تھا۔ اگر یہی بات ہے تو آپ اطمینان  
 رکھیں۔ میں اسکی خدمت گذاری کر دوں گی۔ امجد ہر خند ہنسی سے سنس پڑا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا

ساتھ ایک ایک پیالہ شوربانی کا غرض وہ بہت تنگ ہوا۔ وہ لوگ آتش پرست تھے اور اس حد کو مسلمان  
 جانکر اس لئے رکھا تھا کہ جب عید آئیگی تو اپنے معبود کے سامنے اسے قربانی دینگے۔ اور ہر امجد بچہ چارہ  
 اپنے بھائی کی انتظار میں دوپہر تک بیٹھا۔ جب دن ڈھلنے لگا اسکا دل بھی پیٹھنے لگا۔ کہ خدا خیر  
 کرے۔ بھائی کو صحیح و سلامت دیکھوں۔ مگر جب تبہرے پہر تک کوئی خبر نہ ملی تو رونے لگ گیا  
 آخر مجبور ہو کر اٹھا اور آپ بھی شہر کو روانہ ہوا۔ بازار میں جا کے لوگوں سے شہر کا نام پوچھا۔ جواب ملا  
 اسے آتش پرستوں کا شہر کہتے ہیں۔ پھر جزائر آجوس کا فاصلہ دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہاڑ  
 خشکی سے پورے ایک برس کی راہ پر ہے۔ پہلے ازمانوس کی حکومت تھی۔ اب اسکا داماد تھرازان  
 بڑا عادل اور صاحب جرباد و شاہ حکمران ہے اپنے باپ کا ذکر خیر سنکر امجد کی آنکھوں میں پانی  
 بھر آیا۔ پھر اُسے ایک دوکان سے کچھ کھانا خرید ا اور چند نوالے زہرار کر کے بھائی کی یاد میں  
 آنسو بہانے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ شام کے وقت ایک ددزی کی دوکان پر جا پہنچا جو مسلمان تھا  
 وہاں بیٹھکے اپنی سرگذشت سنائی اور بھائی کی تلاش کرنے کی تدبیر پوچھی۔ ددزی نے جواب دیا اگر  
 وہ کسی آتش پرست کے ہاتھ پر لگیا ہے تو اسکا مدنا مشکل امر ہے۔ مگر خدا کی قدرت سے دونوں  
 مگر تمہیں تمہارا بھائی ملے۔ پھر ددزی نے کہا۔ اگر تم میرے پاس ہی ٹھہرو تو کیا مرج ہے؟ امجد  
 نے منظور کیا اور رات وہیں بسر کی۔ بلکہ اگلے دن ددزی کا شاگرد بن گیا۔ اور چند ہی روز میں  
 پوری جہالت حاصل کر لی۔ انکھن وہ حمام کر کے اچھے کپڑے پہنے بازار میں چلا آ رہا تھا کہ ایک  
 برقعہ پوش عورت نے اُسکے حُسن کو دیکھ کر قرقعہ منہ سے ہٹا دیا۔ اور بولی۔ صاحب باتم کون ہو۔ کہاں  
 چلتے ہو ذرا ٹھہر جاؤ۔ امجد نے جواب دیا۔ مرد عورتوں کو اپنے گھر کو لیا جا کرتے ہیں یا عورتیں مرد کو  
 امجد نے سوچا۔ کہ میرا کوئی گھر نہیں اور اسے ددزی کے گھر لیا نا سخت بیٹھری ہے۔ دوسرا کوئی  
 مکان یہ نہیں جانتا۔ پھر اسے کہاں بجاؤں۔ اس خیال سے ہی درگزر کرنا چاہئے۔ یہ سوچ کر  
 اندم بڑھایا۔ مگر وہ عورت سایہ کی طرح ساتھ ساتھ ہوئی۔ جد ہر امجد جاتا وہ بھی ساتھ ہی جاتی  
 جب بہت سے گلی کوچے طے کرتے کرتے عورت تھک گئی تو بولی۔ صاحب! آپ کا مکان کہیں دور  
 ہے۔ میری تو ٹانگیں بھی رہ چکیں۔ امجد نے جواب دیا۔ ابھی آ یا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک تنگ کوچے  
 میں گھس گیا۔ اتفاق سے وہ گلی آگے سے چند مٹی۔ امجد بڑا حیران ہوا۔ مگر ادھر ادھر دیکھا۔ تو

خبر لاتا ہوں۔ کہ یہ کون شہر ہے اور یہاں کے باشندوں کا کیا حال ہے۔ اسعد نے جواب دیا  
 براور عزیزم یا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کہ تمہیں اکیلا جانے دوں۔ البتہ تم بٹھ جاؤ۔ اور میں  
 شہر کو جاتا ہوں۔ انچہر پولا۔ چھانو تم ہی جاؤ۔ مگر ویر نہ کرو۔ غرض اسعد اپنے ساتھ چند دیار یکے روانہ ہوا  
 راستے میں اسے ایک سفید ریش مشبہ آدمی ملا جو اپنے لباس سے مغز شخص معلوم ہوتا تھا۔ اسعد نے اسے  
 بزرگ جانکر اسلام علیک کہی۔ اور پوچھا کہ ہمارا کون سا رستہ جائیگا۔ بوڑھا مسکرایا اور پولا معلوم ہوتا  
 ہے کہ تم اس شہر میں نوراود ہو۔ اسعد نے جواب دیا۔ ہاں! میں ابھی ابھی آ رہا ہوں۔ اس نے بڑھے  
 نے پوچھا۔ بیڈا بازار کو تم کیوں پوچھتے ہو۔ اسعد نے جواب دیا۔ میرا ایک بھائی ہے اسے میں اس  
 سامنے والے پہاڑ پر چھوڑ آیا ہوں۔ ہمیں گھر سے چلے تین ماہ ہو گئے ہیں۔ آج اس آبادی کو پہلی  
 مرتبہ دیکھ رہا ہے۔ بھوک لگی ہوئی تھی اسلئے کچھ کھانا خریدنے کا ارادہ ہے۔ بڑھے نے جواب دیا۔ آج میرے  
 ہاں دعوت ہے اور بہت سے دھان جمع ہیں۔ اگر تم وہاں تک چل سکو تو حقد ر تمہاری خواہش ہو اپنے  
 اور اپنے بھائی کے لئے کھانا لے آ سکتے ہو۔ قیمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ میں تمہیں اس شہر کا  
 بہت سا حال بتاؤنگا۔ بیڈا زیادہ تر شک اس بات کا ہے کہ پہلے تم کسی اور آدمی سے نہیں ملے۔  
 اسعد نے جواب دیا آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ مگر باہر ہر بانی ذرا جلدی کریں۔ کیونکہ میرے بھائی کو  
 بھوک لگی ہوگی اور میرا انتظار کھینچ رہا ہوگا۔ یہ سنکر بڑھے نے اسکا ہاتھ پکڑا اور مسکرا کر کہنے لگا۔ اچھا ہوا  
 پہلے تم کسی اور آدمی سے نہیں ملے اور جلدی جلدی قدم اٹھا کر ایک تنگ گلی میں گھس گیا۔ پھر  
 دو تو ایک وسیع میدان میں داخل ہوئے جسکے اندر ایک خوبصورت کمرے میں ویسے ہی چالیس  
 پتھروں کی ایک جماعت آگ کے گرد حلقہ مارے بیٹھی تھی اور بظاہر وہ آتش پرست دکھائی دیتے  
 تھے۔ اسعد انہیں دیکھ کر کانٹ اٹھا۔ اور بڑھا اپنے ساتھیوں سے پولا۔ دوستو آجکا دن بہت  
 مبارک تھا کہ ایسا ٹھکانہ ملے۔ پھر غضبان نامی ایک غلام کو آواز دی۔ فوراً ایک بد شکل حبشی آگیا  
 اسے حکم دیا کہ اس مسلمان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر فلاں نہ خانہ میں لیجا۔ اور لونڈیوں کو حکم دے  
 دیکھو کہ اسے خوب عذاب دیں۔ غضبان نے حکم کی تعمیل کی۔ اور لونڈیوں کو آقا کا حکم سمجھا دیا۔  
 پیچا رہ اسعد بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ بھائی کا خیال ایک طرف اور اپنی قد فرنگ دوسری طرف  
 پھر ان لونڈیوں کا عذاب۔ روز غریب کو بڑی بے دردی سے مارا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ کھال اڑھ گئی اور

تھے کہ آپ نے بلا تحقیق ہی انہیں مروادیا۔ قمر الزمان نے فوراً سر جھکا لیا کہ بات تو صحیح ہے مگر ان کے کوٹ کھونکرائی جیبوں کی تلاشی لی۔ دونوں جیبوں سے بدرالبدور اور حیات النفوس کے وہ قلعے نکلتے جن کی بدولت یہ سب قضیہ برپا ہوا تھا۔ ان رفقوں کو پڑھ کر بادشاہ کی آنکھوں میں نہایت ہنسی چھ گئی۔ وہ رونے چلانے لگا کہ انھوں نے اپنے بچوں کو بیگناہ مروادیا۔ جب روپیٹ کر خوب ہلکا ہو چکا۔ حکم دیا کہ اُنکے دو مقبرے بنائے جائیں۔ پھر یاری یاری وہ اُن مقبروں میں جاتا اور بیٹوں کا ماتم کرتا۔ گھر کا آنا جانا بالکل چھوڑ دیا۔ ادھر امجد اور اسعد جنگل میں پیدل چلے آئے تھے۔ جب بھوک لگتی جڑی بوٹیاں کھا کے پیٹ بھر لیتے اور مینہ کا پانی پی کے پیاس بجھا لیتے۔ برابر ایک ماہ کے بعد اُنکا گذر ایک کالے پہاڑ کے پاس ہوا۔ جہاں سے دورا تے ہو گئے تھے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کہاں جانا چاہئے۔ مگر جو راستہ پہاڑ کے اوپر گیا تھا۔ اُنہوں نے اُسی کو منتخب کیا اور پورے پچاس دن چلتے رہے۔ مگر جب اُسکی کوئی انتہا نہ ملی سخت مضحل اور پورے ہو کر لٹے اور اُس دوسرے راستے پر چلنا شروع کیا۔ جسے وہ پہلے چھوڑ گئے تھے۔ دن گذر گیا رات آگئی۔ مگر وہ راستہ ابھی ختم ہونے میں نہ آیا۔ اسعد اب بہت تھک گیا تھا حتیٰ کہ تکان سے جو رہو کے پائیں گر پڑا۔ اور امجد سے کہنے لگا۔ بھائی جان اب مجھ سے آگے نہیں جایا جائیگا یہ سنکر امجد نے اُسے اٹھا لیا اور آگے قدم بڑھایا۔ جب تھک جاتا اُسے زمین پر بٹھا کر دم لے لیٹا اور پھر آگے کو چل دیتا۔ حتیٰ کہ رات گذر گئی اور دُکلی روشنی چمکی۔ اور دو تو پہاڑ کی ایک چوٹی پر کھڑے ہو گئے۔ جہاں آبِ شیریں کا ایک چشمہ بہ رہا تھا۔ اور انار کا ایک درخت نیچے اناروں سے لدا ہوا کھڑا تھا۔ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔ پہلے نہ مانگے دھوئے پھر کچھ انار کھا کے سو گئے۔ اُنٹے میں سورج نکل آیا۔ اور جب وہ جاگے دُھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر چشمے میں غسل کیا اور کچھ انار اور کھانے لیٹ گئے۔ شام کے وقت جب اُنکے کھلی۔ وائل سے چلنے کا ارادہ کیا مگر اسعد کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ اسلئے انہیں وائل تین دن تک بٹھنا پڑا۔ جب خوب سستائے آگے قدم بڑھایا کئی دن کے بعد دُور سے انہیں دامن کوہ میں ایک شہر رستا دکھائی دیا۔ دو لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی کہ ایک رستہ کے بعد انہیں آبادی کے نشان دکھائی دئے ہیں۔ وہ پہاڑ سے اُتر آئے اور جب شہر بھٹوڑی دور پر پہنچا۔ امجد کہنے لگا۔ بھائی اسعد! تم نہیں بٹھنا چاہو۔ امد میں چلے

تصویر شیر کی خازندار کو دبا لینے اور امجد کی شیر کو قتل کر نیکی



غرض انہی باتوں میں وہ تینوں بیٹے سے یا ہر گئے اور دونوں بھائی خازندار سے بولے۔ یہ آپا ہمارے والد کے حکم کی تعمیل کریں ہم حاضر ہیں۔ سردار خازندار بولا۔ خدا کی قسم میں ہرگز ہرگز اس حکم کی تعمیل نہیں کروں گا۔ مان! تم کسی اور ملک کو بھل جاؤ۔ اور مجھے اپنے کوٹا اتار کے دید و میں آپا اسی شیر کے خون میں ڈبو کر نشانی کے طور پر تمہارے باپ کے پاس لیجاؤں گا۔ اگرچہ میں تم سے جدا ہوتا نہیں چاہتا۔ پھر وہ دونے کوٹا اتار دئے۔ اور خازندار انہیں شیر کے خون میں ڈبو کر شہر کو روانہ ہوا جب قمر الزمان کی خدمت میں پہنچا شیر کے بچاؤ نے سے اُسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ قمر الزمان نے سمجھا کہ وہ نوشہزادوں کے قتل سے اُسکا یہ حال ہو رہا ہے۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اور بولا۔ تم اپنا کام پورا کر آئے۔ خازندار نے جواب دیا۔ ہاں حضور! یہ کہہ کر وہ دونوں کی گھڑی بادشاہ کے سامنے رکھ دی۔ قمر الزمان نے پوچھا۔ مرتے وقت انکی کیا حالت تھی۔ اور وہ کیا کہتے تھے۔ خازندار نے جواب دیا وہ مرتے دم تک صابر رہے۔ اور آپ کو بیٹا مہیشی

پاپ کو چاہے کہہ دینا کہ اُسے ہمیں بیگناہ مرواؤ اُسے کا حکم دیر یا۔ اور کوئی تحقیقات نہیں کی۔ جس سے ہماری گتہ کاری بابے گتہ ہی ثابت ہوئی۔ ناں! اُسے عورتوں کے کمر کا پیچھے پٹا لگیگا یہ کہہ دو تو کہے اُسے نکل گئے اور خازن دار کی آنکھیں اس سے بھی دریاب نہ نکلا۔ پھر خازن دار نے منہ پوچھا اور تلوار کھینچ کر چڑھتا تھا کہ ایک ہی ہاتھ میں دو لو کا کام تمام کر کے کیا دیکھتا ہے۔ کہ خچر جنگل کو بھاگ نکلا۔ اُسکی تمیت اُسے ایک ہزار دینی پڑی تھی۔ علاوہ انہیں اُسکا سارو سامان نہایت بیش قیمت تھا۔ اسلئے تلوار پھینک دی اور خچر کے پیچھے بھاگا کہ پہلے اُسے پکڑ لیاؤں۔ پھر انہیں بھی دیکھ لو لگا۔ مگر خچر اتنے نہ آیا وہ پہنچتا تھا بھاگا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک خطرناک بیٹھے میں گھر گیا جہاں ایک میب شیر رہتا تھا۔ خازن دار کی نگاہ شیر پر اور شیر کی خازن دار پر پڑ گئی۔ اب اُسے بھاگنے کے لئے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ دل میں سوچا۔ یہ مصیبت مجھ پر محض امجد اور اسعد کی بیگناہی کے سبب سے پڑی ہے۔ اور جب خازن دار کو گئے دیر ہو گئی سگر می سے امجد و اسعد کو پیاس نے ستانا شروع کیا۔ انہوں نے بہترین آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تا چاہے کہنے لگے کہ اگر اتنے ہی جاتے تو ہتھکڑیاں لگائی نہ ہوتی۔ ساتھ ہی انہیں یہ فکر بھی تھا کہ بڑھے سردار پر کوئی آفت نہ آ پڑی ہو۔ یہ سوچ کر دو ٹوٹے رسی کھول ڈالی۔ اور امجد نے خازن دار کی تلوار لے لی۔ پھر وہ دوڑے اور کائرخ کیا۔ جب خازن دار گیا تھا اور وہ بھی اُسی بیٹھے میں جا پہنچے۔ اسعد بولا۔ یقیناً سردار خازن دار اس جگہ سے آگے نہیں بڑھا۔ تم ذرا یہیں بٹھ جاؤ۔ اور میں اندر جا کے خبر لاتا ہوں۔ امجد نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا میں بھی ساتھ ہی چلوں گا۔ مرنے کے لئے تو اکٹھے اور جینے کے لئے تو اکٹھے۔ غرض دونوں بیٹھے میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک ہیستناک شیر نے خازن دار کو پھانسا ہوا ہے اور قریب ہے کہ کام تمام ہو جائے۔ امجد نے وقت کو کھوتا پسند نہ کر کے تلوار کا ایک ہی تلمبا ہوتا تھا ایسا بیا کر شیر کی گردن کٹ کے پرے جا پڑی۔ سردار کو پڑی خوشی ہوئی۔ وہ اُٹھکے امجد کے پاؤں پر گر پڑا اور بولا۔ اچھا ہوا بیٹے آکر قتل نہیں کیا۔ اور اب میں آپ کے رویوں کو بھی میلانہ ہونے لگا بلکہ اپنی جان سپرے قربان کر دوں گا۔ مرنے میں اسعد بھی سردار کے پھر کو پکڑ لایا۔ سردار نے دیکھا بھی شکریہ ادا کیا اور پوچھنے لگا۔ تم یہاں کیسے آ گئے۔ دونوں نے جواب دیا۔ ہمیں سخت پیاس لگ آئی تھی۔ لیکن جب آپ دیر تک نہ آئے تو ہمیں اور فکر پڑ گیا۔ یہاں آ کے اور ہی نظر نہ دیکھا۔

کے لئے گھر سے نکلا۔ دلیز سے باہر آئے ہی ملک ارمانوس سے بھینٹ ہو گئی۔ اسے قمر الزمان کو خوشخواری کی حالت میں دیکھ کر سبب پوچھا۔ قمر الزمان نے جو سنا تھا سنا دیا۔ ملک ارمانوس نے جواب دیا۔ غصہ تو نالائقوں پر مجھے بھی آیا ہے۔ مگر میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم انہیں اپنے ہاتھ سے جہنم وصل کرو۔ آخر بچے ہیں۔ تمہیں پیچھے کھٹاوا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی سردار کو حکم دو اور اس طرح ستمیاری نظروں سے اوجھل کام ہوگا تو تمہیں زیادہ افسوس نہ ہوگا۔ قمر الزمان نے اس رائے کو تسلیم کیا۔ اور تلوار میان میں کر کے تخت پر جلوس فرمایا۔ اور ایک سردار کو حکم کیا کہ امجد اور اسعد کی مشکلیں باندھ کر دھند و قوں میں بند کر کے جنگل میں بیجاؤ اور وہاں ان کے ٹکڑے کر کے انکے خون میں دوڑ کے کوٹ نشانی کے لئے بھگولاؤ۔ وہ سردار بادشاہ کا بلور کھاٹا ہتھار تھا۔ بادشاہ کا حکم پا کر اسے سر اطاعت جھکایا اور اس وقت دو نوشتہ اداوں کی طرف روانہ ہوا۔ امجد اور اسعد دو نو اس وقت گھر سے ٹھکر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کیلئے آپ سے کہتے کہ خازن دار نے راستے ہی میں انہیں جالیا۔ اور بولا۔ بیٹو! میں حکم کا بندہ ہوں۔ اور بادشاہ نے تمہارے لئے مجھے ایک حکم دیا ہے۔ کیا تم اس کی اطاعت کرو گے۔ دو نو نے جواب دیا۔ دل و جان سے خازن دار نے فوراً ان کی مشکلیں کس لیں۔ اور علیحدہ علیحدہ دو صندوق میں بند کر کے فخر پر لا دیا اور جنگل کی طرف قدم اٹھایا۔ طہر کے وقت وہ ایک سنان اور لقی و ق جنگل میں پہنچے جہاں بنی آدم کے قدم پہلے کبھی نہ پہنچے ہونگے۔ خازن دار نے غر سے اتر کر دھند و قوں کو اتارا۔ پیر امجد و اسعد کو باہر نکال کر بے اختیار رو پڑا۔ اور تلوار کھینچ کر اسی سے کہنے لگا۔ بیٹو! میں نہیں چاہتا۔ کہ ایسے قتل قبیح کا قریب ہوں۔ مگر کیا کروں۔ سخت مجبور ہوں۔ بادشاہ کا ایسا ہی حکم ہے۔ اسکے جواب میں دو نو کہنے لگے۔ اے سردار۔ تمہیں ہمارا خون میل ہے اور ہم اپنی قسمت پر صابر و شاکر ہیں۔ اسکے بعد دو نو گلے ملے اور آپس میں بحث کرنے لگ گئے کہ خازن دار کی تلوار سے کون پہلے مرے۔ اسعد کہتا تھا میں مروز گا۔ اور امجد پہلا قدم موت کی طرف آپ اٹھاتا چاہتا تھا۔ آخر قرار پایا کہ دو نو گلے ملیں اور خازن دار کی بارگی ہی دو نو کی گردنیں اڑائے۔ غرض خازن دار نے انہیں رسی سے خوب مضبوط طور پر باندھ لیا اور پھینچنے لگا۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو مجھے بتاؤ یا کسی کو کوئی پیغام دینا ہو تو میں پہنچا دوں گا۔ وہ بولے ہماری کوئی حاجت نہیں ہے مگر آپ



جلی بھتی جھانکائے پڑھی تھی۔ اسعد کو بڑا غصہ آیا اور وہ ماں کو کالیاں دیتا ہوا باہر نکل آیا۔ باہر آکے بھائی امجد سے ملاقات ہوئی اور اُسے آج کی ساری سرگذشت سنا کے کہنے لگا۔ میں نے رتھ لائے والی پڑھیا کو مار ڈالا ہے۔ اور اگر مجھے تمہارا خیال نہ ہوتا تو محل میں داخل ہو کے تمہاری خدمت بھی قتل کر دیتا۔ امجد نے جواب دیا اور کل ایسا ہی واقعہ مجھ سے بھی گذر چکا ہے۔ پھر اُس نے حیات نفوس اسکی ماں کی کروت سے آگاہ کیا اور بولا اگر مجھے بھی تمہارا خیال نہ ہوتا تو یقیناً کل میں بھی اُسے قتل کئے بغیر نہ رہتا۔ پھر دو نو نے باقی رات عورتوں کے ناقص العقل اور خائن ہونیکے متعلق باتیں کرنے میں بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو شہزادان بھی شکار سے واپس آگیا۔ امرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور وہ محل میں آیا۔ محل میں داخل ہوتے ہی اُس نے دو نو بیگیوں کو بھانگ لے پڑے دیکھا اور حیران ہو کر انکی خاموشی اور غمگینی کا سبب پوچھنے لگا۔ دو نو ریکارڈس نے اصل میں امجد اور اسعد کی کارروائی سے چکر اُتار تمام لینے کے لئے یہ سوانگ رچا تھا۔ جب بادشاہ نے سبب پوچھا۔ تو دو نو نے آداب بجا لاکر عرض کی کہ بادشاہ سلامت! آپ کے دو نو شہزادے جنہیں آپ نے بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا اب کچھ جل نکلے ہیں۔ اور آپ کی امانت پر خیانت کرنے کے ورپے ہیں۔ قمر الزمان کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے انکھیں لال کر کے امر واقعہ کی وجہ پوچھی۔ بلکہ بدالہ دور نہ جواب دیا۔ آپ کے نور چشم اسعد کی لگا ہوں میں وجہ سے برگشتہ دیکھ رہی ہوں۔ مگر کل جبکہ آپ یہاں نہیں تھے تو مینخت شراب پیئے تلوار کھینچے میرے گھر میں گھس آیا میں نے اُسے اس کی بدنگاہی پر بارہ ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔ اسلئے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اتنی تیر کے عوض یہ مجھے نہ مار ڈالے۔ جب اُسے میری لونڈی نے اس حالت میں اندر آنے سے روکا تو اسعد نے اُس کے دو ٹکڑے کر ڈالے اور اندر گھس کے مجھے چھپنے لگا۔ خداوند! اگر آپ نہیں سے میری اس ہتک کا بدلہ نہیں لیتے تو مجھے ہی اپنے ماتھے سے قتل کر دیجئے۔ میں اب اس رو سیاہی کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتی۔ حیات النفوس نے بھی امجد کی ایسی ہی شکایت کی اور بولی۔ اگر آپ میرا عوض امجد سے نہیں لے سکتے تو میرے باپ کو اطلاع دیجئے۔ اسکے بعد وہ دو نو کٹیاں رونے اور چلانے لگ گئیں جس سے قمر الزمان کو اتنی سستی پر یقین ہو گیا اور وہ اور بھی لال پیلا ہو گیا۔ تلوار کھینچ لی اور دو نو شہزادوں کو اپنے ماتھے سے قتل کرنے

بھی دل سے بیچ کر گئی۔ کچھ مدت کے بعد خدا نے اُن دو نوشہراؤں سے دو اور نئے عطا فرمائے  
 برے کا نام جو ہر الہ و رب کے پیٹ سے تھا امجد رکھا گیا۔ اور چھ۔ اُس کو جسے شہزادی حیات النور  
 نے جہاں اس کے نام سے لپکا کرنے لگے۔ گو دو نو لڑکے چنڈ سے آفتاب و چنڈ سے مانتا ہوا تھے پھر  
 بھی امجد امجد سے حسین تھا۔ غرض دو نو پر سے ناز و نعمت ہیں پرورش پائے گئے۔ سترہ سال  
 کی عمر میں دو نو نے مختلف علوم میں کمال حاصل کر لیا اور اُن کے سن میں اس قدر ترقی ہوئی کہ عمر بتر  
 اور مردانہ نہیں دیکھ کر پروانہ وار قربان ہوتے تھے اُن دو نو لڑکیوں میں محبت بھی اس بلا  
 کی بڑھی کہ ایک دوسرے سے چنڈ نہا کے لئے بھی قربان ہو سکتا تھا۔ قمر الزمان بھی اپنے نظر عنایت  
 رکھتا تھا۔ جب وہ بالغ ہو گئے تو قمر الزمان نے سلطنت کا کام سنبھالنا شروع کیا۔ بیٹی جب کبھی وہ  
 دور سے پر یا بیرون سفر کے لئے جاتا باری باری دو نو تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا کہ سلطنت کو  
 انجام دیتے۔ خدا کا کرنا کیا ہو کہ کچھ مدت کے بعد اس کی محبت ہر الہ و رب کے دل میں اور امجد کی الفت  
 حیات النور سے دل میں جڑ پکڑ گئی اور ہر ایک اپنی موت کے لئے کو آنگھوں کے سامنے رکھتا تھا  
 گویا اس کی قربانی اُسے سخت ناگوار معلوم ہوتی۔ ایک دفعہ قمر الزمان میر و شکار کیلئے باہر گیا اور جب معمول  
 دو نو لڑکوں کو حکم دیا کہ باری باری امجد سلطنت کو سراپا نام دیا کہیں پہلے دن امجد کی باری تھی  
 اور وہ تخت سلطنت پر ٹھکن تھا کہ اُسے شہزادی حیات النور کا ایک عاشقانہ رقعہ ملا جس میں اس  
 کے کمال اشتیاق سے اُس کے وصال کی آمد و غلا ہر کی تھی۔ امجد کو اس کے رقعہ کے مطالعہ سے موت  
 ہوا اور بڑا غصہ آیا۔ حتیٰ کہ رقعہ چھپ میں ڈالا۔ اور تلوار کھینچ کر اُس کے لئے دلے کے دو ٹکڑے  
 کر ڈالے اور چکنہ میں آیا کہہ دیا۔ جب حیات النور اُس کی خبر ملی۔ امجد کو گالیاں دیکھ کر اور  
 کہو اس کو کہ چپ ہو رہی۔ مگر امجد نے وہ رات بڑی بے چینی سے قتل کی۔ اگلے دن آدھ کی باری  
 تھی وہ حسب معمول امجد سلطنت کے انفصال میں منہمک تھا کہ شہزادی ہر الہ و رب کی آپ بڑھیا لڑکی  
 رقعہ لئے اُس کے پاس پہنچی۔ امجد نے اُسے اُسے ادب سے لیا۔ مگر جنہی اُس کے معنوں کا مطالعہ کیا  
 اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ رقعہ کو چھپ میں رکھا اور فوراً تلوار نکال کر بڑھیا کے دو ٹکڑے  
 کر کے پھینک دیئے۔ ہر الہ و رب کے رقعے کا معنوں میں حیات النور کے رقعے والا ہی تھا۔ پھر وہ  
 دربار سے اُن کے اپنی ماں حیات النور کے پاس گیا۔ آگے وہ امجد کی کل والی کارروائی سے

دراہدور کو پہچان نہ تھا۔ اس لئے وہ غلط سمجھ کر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بولوا! خداوند! اس کے خوار و خستہ  
 بُرے ہیں۔ اسی کے سبب سے میں غم میں پڑ کر اپنی محبوبہ بی بی سے جدا ہوا تھا۔ اور آج تک وقت  
 کے صدمے اٹھا رہا ہوں۔ یہ غلط سمجھی میری اُسی بی بی کا ہے۔ اگر آپ میرا قصہ سنیں گے تو آپ کو مجھ پر  
 بڑا رحم آئیگا۔ بدراہدور نے جواہر دیا۔ ذرا کھڑکھاؤ۔ میں دوسرے وقت تمہاری سرگزشت سنو گا  
 یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور مردانہ لباس اتار زانے کپڑے پہن کے سامنے آگئی۔ قمر الزمان  
 ہکا بکا رہ گیا۔ اور بولا ایسے بادشاہ کے فرمان میں کی بدولت مجھے اپنی محبوبہ کا دیدار نصیب ہوا پھر  
 دو تو بچھڑے گلے ملے اور رات بھر وہیں بسر کی۔ صبح ہوئے ہی بدراہدور نے ملک ارانوس کو براہِ بیجا  
 جب وہ آیا تو بدراہدور کو زانہ لباس میں پا کر حیران ہوا اور پوچھنے لگا۔ یہ بی بی کون ہے؟ ملکہ نے  
 اپنی ساری سرگزشت سنا کے عرض کیا۔ ہمارے مذہب میں چار بی بیوں تک جایز ہیں۔ اور اب  
 میں دل سے اجازت دیتی ہوں کہ شہزادی حیات النفوس کی شادی میرے خاوند قمر الزمان سے  
 کر دیا جائے۔ بادشاہ بڑے متعجب ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس قصے کو سونے کے پانی سے لکھ کر خزانے میں  
 رکھا جائے۔ پھر قمر الزمان کی طرف مخاطب ہوا۔ اور بولا بیٹیا! اب تم تباؤ و تہماری کیا اصلاح ہے  
 یہ چاہتا ہوں کہ حیات النفوس کو تم عقد میں لاؤ۔ قمر الزمان سوچنے لگ گیا۔ مگر بدراہدور نے کہا مجھ  
 پر انکے احسان بے شمار ہیں۔ کہ باپ کی مہربانیاں بھی بھول گئی ہیں۔ اس قمر الزمان نے بادشاہ کے  
 فرمان کے سامنے سر خم کیا دیا۔ ملک ارانوس کو بڑی خوشی ہوئی۔ اور اسے سب اراکین دربار کو  
 بلوا کر بدراہدور اور قمر الزمان کی سرگزشت سنائی۔ اور کہا کہ اب قمر الزمان حیات النفوس سے شادی  
 کرنے میں راضی ہے اور اسکی بھی یہی خواہش ہے کہ اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر کے اسے اپنا  
 جانشین کرے۔ سب نے یک زبان ہر جواب دیا۔ ہمیں آپ کے فرمان سے بدل اتفاق ہے اور  
 پہلے بھی ہم نے حضور کے حکم سے قمر الزمان ہی کو اپنا بادشاہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اب بھی ہمیں سرتابی  
 کی مجال نہیں ہے۔ یہ شکر ارانوس کو بہت مسرت ہوئی اور اس نے سب کے سامنے قاضی کو بلا کر  
 قمر الزمان سے حیات النفوس کا عقد پڑھوا دیا۔ پھر سب اہل دربار کو خلعت اور انعام ملے  
 مساکین میں خیرات تقسیم ہوئی۔ قیدیوں کو چھوڑا گیا۔ اور ساری مملکت میں قمر الزمان کی سلطنت  
 کی سزاؤں کی گئی۔ قمر الزمان یہاں پر عیش و عشرت سے دن بسر کرتے لگا۔ حتیٰ کہ باپ کی یاد

خدمت کو چڑھا۔ بدرالبدور نے فوراً پوچھا۔ تم نے اس روغن کے مالک کو کہاں پر چھوڑا تھا؟ کپتان نے  
 جواب برا آتش پرستوں کے شہر میں اور وہ آج کل ایک باغ کا مال ہے۔ بلکہ نے عام دیا جیسا کہ تم اسے  
 ہمارے دربار میں حاضر نہ کرو گے اپنے تئیں محفوظ نہ سمجھو۔ پھر تجارت کے مال پر شاہی نہر اور پھر  
 لگا دینے کا حکم دیا۔ اور بولی۔ اس روغن کا مالک ہمارا مقروض ہے اگر وہ حاضر نہ ہو تو یقیناً تم سب  
 کی جان جانیگی۔ تمام سودا گروں نے کپتان سے درخواست کی۔ کہ اپنی اجرت لو اور ایک دفعہ پھر ہمیں  
 ملے اس شخص کو گرفتار کر لاؤ اور ہمیں اس مصیبت سے آزاد کرو۔ غرض کپتان نے لنگر اٹھایا۔ اور  
 بہت جلد وہاں سے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس شہر میں جہاں قمر الزمان رہتا تھا رات کے وقت جا پہنچا  
 اسیرقت ایک لاکھ بوٹ پر سوار ہو کے باغ کے دروازے پر آیا۔ قمر الزمان اس وقت بدرالبدور کی  
 یاد میں آخر شہری کر رہا تھا جب دروازہ کے کھٹکھٹانے کی آواز سنی۔ حیران ہو کر دروازہ کھولنے گیا۔  
 کپتان کے آدمیوں نے اسے فوراً ہاتھوں پر اٹھا لیا اور اسی لاکھ بوٹ پر سوار کر کے جہاز پر لیگے  
 اور فوراً لنگر اٹھا دیا۔ بیچارہ قمر الزمان حیران تھا اور ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ میرا گناہ کیا ہے اور  
 تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔ کپتان نے جواب دیا۔ تو شاہ ارمانوس کے داماد کا جو اس وقت جزائر  
 آبنوس کا حکمران ہے مقروض ہے۔ قمر الزمان نے حیرانی سے انکار کیا کہ میں نے تو عمر بھر میں اس  
 ملک کو کسی دیکھا ہے اور نہ اس بادشاہ کو جانتا ہوں۔ غرض جہاز بہت جلد جزائر آبنوس پر لگا  
 اور کپتان قمر الزمان کو آپ بیکے دربار میں حاضر ہوا۔ بدرالبدور کو اس کے دیکھنے اور پہچاننے سے نہایت  
 خوشی ہوئی۔ مگر اپنے تئیں سنبھالا۔ سب تاجروں کا اسباب و اگزار کر دیا۔ اور کپتان کو دستار دینا  
 کا خلعت عطا فرما کر رخصت کیا۔ حیات النفوس کو بھی اطلاع دیدی۔ مگر اسے تاکید کر دی۔ کہ ابھی  
 اس بات کو اپنے دل میں ہی رکھو۔ عنقریب عقدہ کشائی ہوئی چاہتی ہے۔ پھر ایک سردار کو حکم دیا  
 کہ قمر الزمان کو حاکم کر کے اور امیرانہ پوشاک پہنا کر فلاں محل میں عزت سے رکھے۔ سردار نے  
 فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اگلے دن قمر الزمان کو خزانے کا چارج اور حاضر باشی کی خدمت عطا ہوئی۔  
 کئی دن اسی حال میں گزر گئے۔ اور بدرالبدور قمر الزمان پر روز افزوں پیش از پیش عنایات کرتی  
 آخر ایک روز رات کے وقت خلوت میں بدرالبدور نے وہ طلسم دیا۔ اور بولی۔ بہت دن ہوئے  
 ایک سوچتی سے طلسم ماتہ آیا تھا۔ اگر تم اس کے خواص بتا سکو تو بیان کرو۔ قمر الزمان نے ابھی تک

دن گزرنے لگے۔ اُدھر جہاز کا حال سُنو۔ ہوا سوانحی تھی۔ اسلئے وہ بہت جلد بحرِ بیت ساحلِ جزائر  
 ابنوس پر پہنچ گیا۔ اتفاق سے مکہ بدرالید وراپٹی بارہ دری میں بیٹھی مندر کی طرف دیکھ رہی تھی۔  
 جب اُس نے جہاز کو لنگر انداز ہوتے دیکھا۔ فوراً گھوڑے پر سوار پہنچی۔ اور جہاز پر چڑھ کر کپتان  
 سے پوچھنے لگی۔ کہ تمہارے جہاز میں کیا کچھ بار ہے۔ کپتان جو اُسے بادشاہ ارمانوس کا داماد اور  
 جزائر ارمانوس کا فرمانروا سمجھتا تھا۔ بولا حضور! بہت کچھ اسبابِ تجارت لدا ہوا ہے مگر روغن  
 زیتون جو اُدھر بالکل نہیں ہوتا۔ ایک سوداگر نے وہ بھی لار کیا تھا۔ مکہ نے پوچھا۔ تمہارے جہاز  
 پر کقدر روغن زیتون ہوگا۔ کپتان نے جواب دیا۔ پچاس کپتے ہیں۔ مگر اُنکا مالک کسی خاص سبب  
 سے جہاز پر نہیں سوار ہو سکا۔ تاہم حضور کو جب قدر درکار ہو سکتے ہیں۔ مکہ نے جواب دیا۔ تو  
 جہاز سے نیچے اُتار دو۔ میں اُسے دیکھوں گا۔ غرض پچاسوں کپتے نیچے اُتارے گئے۔ مکہ نے  
 ایک کپتے کو کھلا کر روغن پسند کیا۔ اور کہا۔ ہم یہ پچاسوں کپتے لینگے۔ انکی قیمت کیا ہے کپتان  
 بولا۔ اگرچہ اُدھر یہ چیز بیش قیمت سمجھی جاتی ہے لیکن ان کپٹوں کا مالک ایک غریب آدمی  
 ہے۔ آپ ایک ہزار درہم دلا دیجئے۔ وہ اُمید ہے کہ اسی قیمت پر خوش ہو جائیگا۔ بدرالید و  
 نے منظور کیا۔ اور ہزار درہم کپتان کو دیکے تو کروں کو حکم دیا کہ کپٹوں کو محل میں لیجا لیں۔ جب  
 رات ہوئی اپنے سامنے ایک کپتے کو کھلوا دیا۔ حیات النفوس بھی پاس بیٹھی تھی اور لیک بترن  
 میں روغن اُلٹا چاٹا۔ روغن کے ساتھ ہی دھک دھک کرتی زرخ کی ریت بھی تھوڑی سی  
 برتن میں جا پڑی۔ بدرالید و اور حیات النفوس کو بڑی حیرت ہوئی۔ پھر تو انہوں نے سب  
 کپٹوں کو کھولا اور سب کا یہی حال پایا۔ بلکہ ایک کپتے میں وہ لعل کی تختی بھی مل گئی جسکے سبب  
 سے وہ قمر الزمان کی فرقت برداشت کر رہی تھی اُسے پہچان کر وہ غش کھا کے گر پڑی۔ مگر پھر  
 دیکھو تسلی وی۔ کہ یہی کیفیت ہمارے فراق کا باعث ہوئی تھی۔ اب اُسکے ملنے سے اُمید پکڑنی  
 ہے۔ کہ جلد پچھڑوں کا ملاپ ہوگا۔ حیات النفوس کو بھی غزوہ سنایا کہ اب وہ اپنے پیارے  
 سے ملنے والی ہے غرض جوں توں کر کے رات بسر ہوئی۔ صبح کے ہوتے ہی جب بدرالید و  
 نے تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اُس جہاد کے کپتان کو حاضر کر نیکا حکم دیا۔ جس سے اُس  
 نے کل روغن زیتون کے پچاس کپتے خرید کئے تھے۔ جب کپتان نے حاضر ہو کے زمین

میں وہ لعل کی تختی بھی رکھ دی۔ جو ان ساری خرابیوں کا موجب ہوئی تھی اور جہان کی روانگی کا منتظر دل میں بیٹھا سوچتا تھا کہ اب بہت جلد پھڑوں کے دیدار سے محفوظ رہوں گا۔ مگر قسمت کچھ اور سوچ رہی تھی۔ پھر بڑھے مالی کو اُس تختی کے لئے کا بھی واقعہ سنایا۔ جس سے میاں مالی کو بہت تعجب آیا۔ اب رات بہت بھینگ آئی تھی۔ دو نو اپنے اپنے بستروں پر پڑ گئے۔ جب صبح ہوئی۔ بوڑھے میاں کی طبیعت کس قدر عدیل ہوئی۔ قمر الزمان نے اُسکی تیار داری میں کوئی دقیقہ اٹھانے رکھا۔ مگر شام تک بیچارہ بہت کمزور ہو گیا۔ تیسرے دن صوف اور بھی بڑھ گیا حتیٰ کہ قمر الزمان کو اُسکی زندگی کا فکر پڑ گیا۔ اتنے میں اُس جہاز کا کیتان بھی وہیں آ گیا جس نے بڑھے مالی نے شہزادہ قمر الزمان کو لیجانے کے لئے فیصلہ کیا تھا۔ اُسے آتے ہی بڑھے مالی سے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جو ہمارے ساتھ جائیگا۔ مالی نے قمر الزمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ قمر الزمان نے روضہ زیتون کی پچاسوں کپیاں دکھائیں کہ انہیں جہاز پر رکھو لیجئے۔ کیتان نے غلامیوں کو حکم دیا اور وہ اُتھول مائے انہیں جہاز پر لیگئے۔ کیتان جاتے وقت قمر الزمان کو تاکید کرتا گیا کہ ہوا موافق ہے اسلئے جہاز بہت جلد جھوٹ جائیگا۔ تم نے ویر نہ کرنا۔ اور جہاز پہ پہنچنے کی کوشش کرنا۔ قمر الزمان اسباب کو جہاز پر رکھو اگر مالی میاں سے اجازت لینے گیا۔ اُسے نزع کی حالت میں پایا۔ اسی حالت میں اُسے اکیلے چھوڑنا اُسے آدمیت سے بعید سمجھا۔ اسلئے اُسکے سر ہانے بیٹھ گیا۔ غریب بڑھے نے ہتھوڑی دیر کے بعد جان کو جہاں آفرین کے سپرد کیا۔ قمر الزمان نے اُسے غسل دیا اور کفن پہنا کر وہیں دفن کر دیا۔ پھر ساحل کی طرف قدم اٹھا یا۔ مگر دیر ہو جانے کے سبب جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ قمر الزمان نے بڑی حسرت سے اُسکی طرف نگاہ کی اور جب جہاز لنگا ہوئی سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر باغ کو لوٹا۔ اُس وقت اُسکی حالت سخت غمناک ہو رہی تھی سیاح میں پہنچ کر اُسے مالک سے ایک سال کے لئے پھر ٹھیکہ لے لیا۔ اُسے دریافت سے معلوم ہوا کہ جزائر آبنوس کی طرف چار سال کے آخر میں صرف ایک دفعہ ہی جایا کرتا ہے۔ اس لئے اُسے پچاس کپے اور لیکے اُن سب کے نیچے وہ بقیہ زنجیر اور اوپر روضہ زیتون ڈال کر زندہ کر کے سال کے اختتام کی امید میں بیٹھا۔ وہ لعل کی تختی اب پھر اُسکے ماتھے سے نکل چکی تھی اسلئے اُسے پھر بڑا افسوس ہوا کہ اب کیا ہو گا۔ غرض اس گروہ کی حالت میں

جب وہ رات تک نہ آیا تو وہیں لیٹا رہا۔ صبح اُٹھ کر رتی سے کمر باندھی اور کھڑائی کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس نے ایک پرانے اور خشک سے درخت کو کاٹنا تھا۔ جب کھڑا درخت کی چڑھوں پر مارا۔ اور مٹی ہی دور ہٹائی تو اسے ایک دروازہ نظر آیا۔ فوراً دروازے کو کھولا اور زینے کے رستے نیچے اتر گیا۔ اندر جا کے کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک بڑا وسیع محل ہے جو بہت پرانے وقتوں کا بنا ہوا ہے اور اس میں ہر طرف زربسج کی اینٹوں کے بنی خیم بھرے ہیں۔ اس کا سبب و ثقب مسرت سے تبدیل ہو گیا۔ پھر وہ باہر نکلا اور دروازے کو جو کھلے گا توں بند کر کے اپنے کام میں لگا گیا۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ پھر عمارت کی بھی آگیا۔ اور اسے مزاحمت و ظن کے لئے مبارکباد دیکھنے لگا۔ خوش ہو۔ جہاز جزائر آہنوس کے لئے تیار ہے اور تین دن کے بعد روانہ ہو گا۔ وہاں پہنچے تم ہسانی جزائر خالوات میں پہنچ سکو گے۔ مگر الزمان نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور بولا۔ بڑے مہیاں! جیسے آپ نے مجھے مبارکباد دی ہے۔ میں بھی آپ کو ایک غزوہ سنا چاہتا ہوں۔ یہ کہ کرمالی کو اس نے خاتمے کا واقعہ سنا جو دن میں اس کے ساتھ گذر تھا مالی کو بڑی خوشی ہوئی۔ مگر اس نے جواب دیا۔ بیٹا! مجھے یہاں رہتے پرے انٹی سال ہو چکے ہیں لیکن اس عرصے میں مجھے یہاں سے کچھ نہ ملا۔ اور تم کو کہ ابھی ایک ہی سال یہاں آئے ہو۔ اس قدر خزانہ مل گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتمے تمہارے ہی لئے اسے آج تک محفوظ رکھا تھا۔ اس لئے میں تمہیں دلی مسرت کے ساتھ اس کے لینے کی اجازت دیتا ہوں۔ یہ تمہیں اپنے متعلقین کے پاس پہنچانے میں مددگار ثابت ہو گا۔ مگر الزمان نے جواب دیا۔ نہیں صاحب! کم سے کم آپ کو نصف حصہ ضرور لینا پڑے گا۔ یہ کہ کرمالی بڑے مہیاں کو ساتھ لیا اور اس نے خاتمے کا دروازہ کھولے اندر لیکھا دیاں ہیں دیکھیں زربخالص کی ریت سے بھری پڑی ٹھلیں دس تو اس کے حصے میں آئیں اور دس مالی کے لئے وہیں رہنے دیں۔ بڑے مالی نے رائے دی کہ بیٹا! اس طرح سے بھیکہ تم ہو گا۔ تم روغن زیتون لے لو اور اس کے نیچے اس زر کو چھپا لو۔ روغن یہاں سے تو تمہیں بہت مل جائے گا۔ کیونکہ عہد وراز کے سوداگر یہیں سے روغن زیتون لیجاتے ہیں۔ مگر الزمان کو یہ رائے پسند نہ آئی اس نے پچاس کپے خرید لئے جنکے نیچے ان دس دیکوں کے زربسج کو بھرا اور دھیر روغن زیتون ڈال کر منہ بند کر دیا۔ ایک بڑے کپے





یہ مجبوری تھ کہ اپنا حال ظاہر کرتا ہوں۔ صاف کرو۔ یا قتل۔ مجھے کچھ بھی عذر نہیں ہو گا یہ کہہ کر  
 اپنا سینہ کھولا اور اُسے دکھا کر کہنے لگی۔ میں گنتھاری طرح سے شہزادی ملک چین کی ہوں۔ پھر  
 اُسے ساری سرگزشت سنا دی اور کہنے لگی۔ میں تم سے سوال کرتی ہوں کہ میرے ہی راز کو اپنے  
 ہی دل میں پوشیدہ رکھو۔ حتیٰ کہ شہزادہ قمر الزمان آپ آجائے۔ اس وقت میں تمہاری لونڈی بننے  
 رہوں گی۔ حیات النفوس کو جب بدراہم دور کے حال پر آگاہی ہوئی وہ حیران رہ گئی اور اُسے  
 بدراہم دور پر پڑا رحم آیا۔ اور کہنے لگی۔ بہن مت ڈرو اور اطمینان رکھو۔ پیرا راز اُس وقت تک  
 میرے صندوقِ سینہ میں محفوظ رہے گا۔ جب تک کہ تمہارا محبوب نہ آجائے۔ راز بعد و لو شہزادہ  
 گلے مل کے سو رہیں۔ جب رات ایک پہرہ گئی۔ حیات النفوس اُٹھی اور ایک چوڑا بیکر فروج کیا۔ اور  
 اُسکے لمبے تہ بند کو آلودہ کر لیا۔ جس سے دیکھنے والوں کو اطمینان ہو جائے۔ کہ آج رات وہ پہلے کی  
 طرح ناکام نہیں رہی۔ جب صبح ہوئی اُسکی ماں آئی اور رات کا حال پوچھا۔ شہزادی نے غرض سے  
 سر جھکا لیا۔ اس اشارے کو پا کر یگیم سرست میں ہوئی۔ بادشاہ بھی یہ خبر سن کر مطمئن ہوا۔ بدراہم دور  
 نے حاکم کر کے صبح کی نماز پڑھی اور بظاہر اطمینان دلی کے ساتھ مہات سلطنت میں معروف ہوئی۔  
 اور اسی طرح قمر الزمان کی اُمید میں دن بسر کرنے لگے۔ اب بادشاہ شاہنشان کا حال سنو جب قمر الزمان  
 جب وعدہ اگلے دن گھر نہ پہونچا تو بادشاہ کو فکر لگ گیا۔ حتیٰ کہ رات بھی آگئی۔ مگر میرے آئینے کوئی  
 خبر نہ ملی۔ غرض وہ رات اُسے مایہ کی طرح تڑپتے تڑپتے بسر کی۔ صبح ہوئی دن چڑھا دوپہر بھی  
 آگئی۔ مگر اب تک قمر الزمان کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ناچار حکم دیا کہ لشکر تیار ہو۔ اور شہزادے کی تلاش  
 کی جائے۔ آپ بھی ساتھ نکلا اور ہر طرف آدمیوں کو روانہ کر کے حکم دیا کہ کل صبح فلاں چوراہے میں  
 آکے اکٹھے ہو جاؤ۔ غرض اہل لشکر چھ حصوں میں ہو کر ہر طرف شہزادے کی تلاش کے لئے نکلے۔  
 اور بقیہ دن اور ساری رات تلاش میں لگے رہے۔ مگر شہزادے کا کوئی کھوج نہ چلا۔ اگلے دن جب  
 قرار دیا جب چوراہے میں جمع ہوئے۔ بادشاہ کی نگاہ پھٹے ہوئے خون آلود کپڑوں پر پڑ گئی۔ بادشاہ  
 محوشت کے ٹکڑے اُسکے ہاتھوں میں بھی نظر آئیں۔ اُسے کپڑوں کو پہچانا اور بے اختیار آہ کے گر پڑا۔ اُسے یقین  
 ہو گیا کہ شہزادے کو کسی درندے نے مار ڈالا۔ اور مرزبان خوف کے مایہ بھاگ گیا ہے۔ جب ہوش  
 آئی۔ کپڑے پھاڑوئے اور منہ پیٹ لیا لشکر میں بھی پیس پڑ گئی۔ جب رو رو کے ہنگام پر چکے تو شہزادہ اُس

کی یاد میں خرقہ اشعار پڑھ کر پڑھ کے آنسو بہانے لگی۔ پھر اٹھی اور آنسو پونچھ کر وضو کیا۔ اور نماز پڑھ لی۔  
 ہو گئی۔ حتیٰ کہ بیچاری حیات النفوس خواب خرگوش میں خزانے بھرنے لگی۔ بدرالبدور بھی مصلے سے  
 اٹھی۔ اور حیات النفوس کی طرف پیٹھ کر کے اُسکے پہلو میں لیٹ گئی جب صبح ہوئی اُسکے کے کنارے پر بھی اور  
 دربار میں جا کر امور سلطنت میں مصروف ہوئی۔ اُسکے جانے کے بعد ملک اراکانوس اور بگیم بھی آگئے اور  
 اُسکے اپنی لڑائی سے رات کی سرگزشت پوچھنے لگی حیات النفوس نے آج بھی وہی یاس و ایزد و ایلدیا  
 جسے سنکر بادشاہ کو بڑا سنج ہوا۔ اور وہ بولا۔ اچھا آج کی رات اور دیکھ لو۔ اگر قمر الزمان تم سے ترح بھی  
 دیسی اسی رکھاؤ کبہا تھے پشیم آتے تو میں اُسے توڑ دیتا۔ پھر رکاؤ نکلا۔ جب رات آئی بدرالبدور حسب  
 معمول محل میں آئی۔ اور حیات النفوس کا انتظار میں پکار اُسے قمر الزمان کی یاد دینے بیچین کر دیا۔  
 آنسو اُسکے رخساروں سے بہنے لگے۔ مگر بہت جلد بندھ کر اُسے وضو کیا اور نماز کے لئے کھڑا ہونے کو تھا کہ  
 حیات النفوس کا دامن پکڑ لیا اور بولی۔ کیا آپ کو میرے باپ کا بھی خوف نہیں ہے۔ انہوں نے آپ سے  
 نکل کی۔ اور آپ مجھ سے ایسی بے توجہی کرتے ہیں۔ اُسکی وجہ سے کوئی معلوم نہیں ہوئی۔ بدرالبدور  
 یہ سنکر وہیں بیٹھ گئی۔ اور بولی آپ کیا کہتی ہیں۔ حیات النفوس نے جواب دیا۔ میں آپ سے بڑھ کر  
 کسی کو خود پسند نہیں دیکھا۔ مگر کیا ہر شخص جو حق بصورت ہوتا ہے۔ ایسا ہی مغرور ہوتا ہے۔ میں یہ آپ کو  
 اپنی ترغیب دلانے کیلئے نہیں کہتی۔ بلکہ مجھے خوف ہے۔ تو اپنے باپ کے غصے سے ہے اُسے  
 جو مجھ کو لداؤ کر لیا ہے۔ کہ اگر آپ آجکے دن بھی مجھ سے ویسی ہی بے توجہی کے ساتھ پیش آئے تو وہ آپ کو  
 یہاں سے نکلوا دیتا۔ بلکہ عجب نہیں۔ اگر غضب میں آکر قتل بھی کر اُسے۔ یہ سنکر بدرالبدور کے  
 پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ جسے سر جھٹکا لیا۔ اور حیران ہو کے اپنی حالت پر غور کرنے لگی۔ کہ اگر میں  
 چپ رہوں تو معاملہ اُسطح بگڑتا ہے۔ اگر اپنا آپ ظاہر کر دیتی ہوں تو رسوائی کا خوف ہے اور قوت  
 میں ایک ایسی جگہ میں حکمران ہوں۔ جو ان سے مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہونیکا پورا یقین ہے  
 کیونکہ شہزادہ قمر الزمان کے لئے جزائر آبنوس کے سوا اور کوئی راستہ گھر جانے کو نہیں ہے یہ سوچ کر  
 فیصلہ کر لیا۔ کہ جو ہو دیکھ جائیگا۔ اس وقت شہزادی حیات النفوس پر اپنے تئیں ظاہر کر دینا ہی مناسب  
 ہے یہ خیال آتے ہی سر اٹھایا اور بولی۔ اسے ناز میں شہزادی اچو بننا چھو۔ وہ میں اُسکا بندوا  
 ہوں۔ اور تم سے عفو کی امید رکھتا ہوں۔ اب میری عزت اور جان تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔

بدیر الیہ ذر نے سر جھکا لیا اور اس کی پیشانی پر عرق آ گیا۔ سوچنے لگی۔ میں بھی تو اسی جنس سے ہوں پھر  
 اس کی لڑکی سے بیاہ کیسے ہو سکیگا۔ پھر خیال آیا کہ اگر بیٹے انکار کیا۔ تو کیا مجھ سے اگر یہ بادشاہ مجھے  
 لوٹ لے۔ نہ آگے جانے کے قابل رہ سکوں اور نہ پیچھے لوٹ سکوں۔ مگر یہ بھی تو فکر ہے کہ اگر میں  
 اسکی بات مان لوں۔ تو خواہ مخواہ میں رسوائی ہو۔ میرے شوہر کی بھی مجھے کوئی خبر نہیں ملی ورنہ کوئی  
 اور تجویز سوچی جاتی۔ سچ اب نہ ملے گا۔ مگر یہ ہے نہ تمام فتن۔ اتنے میں اسے ایک تجویز ہو  
 گئی اور یہ خیال کر کے کہ جو ہو سو ہو۔ سراو پر اٹھایا اور بادشاہ کو چاہا۔ یہ مجھے حضور کی ارشاد کی بجا آوری  
 میں کیا غدر ہو سکتا ہے۔ بادشاہ کو اس جواب سے نہایت متحیرت ہوئی اور ساری مملکت میں خوشیاں  
 منانے کا حکم دیا۔ اہل دار و زر۔ صوبہ دار لوہا قاضی و مجرب سب کے سب دربار میں جمع ہوئے۔ اور  
 بادشاہ نے سب کے سامنے تاج سلطنت مصنوعی قمر الزمان کے سر پر رکھ کر حکم دیا۔ کہ آئندہ سے وہ میری  
 جگہ جزائر آبنوس کا سلطان سمجھا جائے۔ مصنوعی قمر الزمان تخت پر بیٹھا سلطنت کی فادہ دینے لگا۔ مگر کسی کو  
 یہ شبہ نہ گذرا۔ کہ وہ عورت ہے مرد نہیں۔ مصنوعی قمر الزمان کی تخت نشینی کی رسومات سے فراغت پا کر  
 ارماتوس نے اپنی لڑکی کی شادی کی تیاری شروع کی۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ حیات النفوس کا ضلع  
 پر لگایا۔ جب شب زفاف کا وقت آیا۔ مکان کو چراغاں کیا گیا۔ اور لہریاں مصنوعی قمر الزمان کو حیات  
 النفوس کے پاس چھوڑ کر دروازہ بند کر گئیں۔ شہزادی بدالہ در حیات النفوس کے پاس جا بیٹھی۔ اور  
 اسے پیار کر کے فراتیا شہار پڑھے۔ پھر وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گئی۔ اسکی نماز ہفتہ رطل ہو گئی  
 کہ شہزادی حیات النفوس کو نیند نے آگھرا۔ جب بدالہ ورنے دیکھا کہ حیات النفوس اب سو چکی ہے  
 تو وہ بھی چپکے سے اُسکے پہلو میں جا کر لیٹ رہی اور نہ دوسری طرف کر لیا۔ جب صبح ہوئی۔ ملکہ راتوس  
 اور اسکی بیگم اپنی لڑکی کی خبر پوچھنے آئے۔ بیگم نے حیات النفوس سے رات کی کیفیت دریافت کی۔  
 حیات النفوس نے سر جھکا لیا اور جو گزرا تھا سنا دیا۔ ادھر بدالہ ورن بادشاہ اور بیگم کے آئینے پیشتر دربار  
 کو چلی گئی۔ اراکین دربار حاضر ہو کر آداب بجالائے اور دوام دولت کی دعا کی بدالہ ورن نے کسی کو خلعت  
 عطا کیا۔ کسی کے مرتبے میں زیادتی کی۔ کسی کو جاگیر دی اور کسی کو انعام بخشا۔ غرض سب کے سب اُسکے  
 نیک سلوک سے نہایت ہی خوش ہوئے۔ سارا دن وہ ملک کے انتظام میں لگی رہی۔ جب شام ہوئی  
 محل میں واپس آئی اور وہاں حیات النفوس کو انتظار میں پایا۔ اُسکے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور قمر الزمان

نہیں کہ اس میں کیا طلسم پوشیدہ ہے۔ مگر مجھے تعجب اس امر کا ہے کہ وہ کیا کہاں۔ کیونکہ وہ تو مجھ سے  
ایک گھڑی بھی جدا ہوا نہیں چاہتا تھا۔ اس سختی کو لعنت ہے۔ اور لعنت ہے اس گھڑی کو  
جس نے مجھے سختی میرے پاس آئی تھی۔ غرض وہ سخت بیقرار تھی۔ تاہم رشتہ عقل کو ماتہ سے نہ دیا اور  
سوچنے لگی کہ اگر اہل سپاہ کو شہزادہ کی کم ہو جائیگی خبر ہو گئی تو ممکن ہے کہ طمع سے نکل کر امی کا قصد کریں  
اس لئے اس معاملے کی ہوا بھی باہر نہ نکلنے دی جی چاہئے غرض نوٹڈیوں کو سمجھا کہ حکم دیر پا کہ خبردار!  
کوئی اس معاملے کا کسی سے نہ کر نہ کرے۔ آپ قمر الزمان کا لباس پہن لیا۔ اور اپنی جگہ ایک نوٹڈی  
کو بٹھا کر خیمے سے باہر نکلی۔ غلاموں کو گھوڑا لانے کیلئے پکارا۔ وہ گھوڑا لے آئے۔ بدرالہمد در سار  
ہوئی۔ اور کوچ کا حکم دیا۔ نوکروں نے اسباب لاوا۔ اور وہاں سے چل پڑے۔ چونکہ شہزادہ اور قمر الزمان  
کی صورت میں کامل مشابہت تھی۔ اس لئے کسی کو شبہ نہ ہوا کہ وہ عورت ہے۔ چلتے چلتے یہ قافلہ ایک  
پڑ روٹی آبادی کے قریب پہنچا۔ جو دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ حکم دیا کہ شہزادہ کے باہر  
ای ڈیرے ڈال دو۔ چنانچہ خدام نے حکم کی تعمیل کی اور جھٹ پٹا خیمے ڈیرے لگ گئے۔ معلوم ہوا  
کہ آبادی کا نام رنبہ آئوس ہے اور وہاں اراٹوس نامی بادشاہ حکمران ہے جسکی اکلوتی لڑکی بنام  
حیات المنوس نہایت ہی حسین ہے۔ جب سب قافلہ اتر چکا۔ اراٹوس کو بھی خبر ہوئی۔ اور اس  
نے ایک خاص قاصد قافلہ سالار کے پاس بھیجا۔ کہ جا کے خبر لائے۔ شہزادہ نے جو قمر الزمان کے  
بھیس میں تھی جواب دیا۔ میں جبار خاندان کا ولیعهد ہوں۔ جبار چین سے آ رہا ہوں۔ یہاں آرام لینے  
کے لئے ٹھہر گیا ہوں اور اب اپنے ملک کو جاؤنگا۔ قاصد نے واپس آ کے جو سنا تھا کہہ دیا۔ اراٹوس  
ارکان دولت کو ہمراہ لیکر شہزادے کی ملاقات کیلئے روانہ ہوا۔ اور جب غیموں کے قریب پہنچا گھوڑی  
سے اتر لیا اور شہزادہ بھی بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر استقبال کے لئے باہر نکلی۔ تاہم سلام علیک  
کے بعد بادشاہ نے مصنوعی قمر الزمان کو ہمراہ لیا اور محل میں لایا۔ شاہانہ کھانے کھلانے اور تین دن  
تک وہیں رہا۔ پھر تیس دن بدرالہد و حرام کو گئی اور جب باہر نکلی۔ اسکا چہرہ مایوس نام کی طرح چمک  
رہا تھا۔ ملک اراٹوس اس کے حسن کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! میں بوڑھا ہو گیا ہوں  
اور خدا نے مجھے کوئی بیٹا عنایت نہیں کیا۔ صرف ایک لڑکی ہے جو کہ تمہارے ہی لائق ہے میں  
چاہتا ہوں تم اسے اپنی زوجیت میں قبول کرو۔ اور میرے بعد میری سلطنت کے وارث بنو۔

اُسے بڑی حیرانی ہوئی کہ مجھ کو چھوڑا۔ ساتھیوں سے جدا ہوا۔ سب و تعب اٹھایا۔ مگر پھر بھی لا پس  
ہونا پڑا اٹھا جانے اس میں کیا راز مخفی ہے۔ یہ سوچ کر دلوں سے لٹی پڑی اور وہیں ایک نہر کے کنارے  
جھک کر تھک رہا تھا۔ درختوں سے میوے توڑ کے کھائے اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا گھر  
بھروسے بعد اٹھ کر شہر کے دروازے میں داخل ہوا۔ مگر اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ آخر  
دوسرے دروازے سے جو سندر کی طرف واقع تھا۔ نکل گیا۔ مگر اس اثناء میں اُسے وہاں کوئی  
بھی آدمی نظر نہ آیا۔ شہر سے نکل کر وہ بیدھا باغوں کی قطار میں جا پہنچا اور ایک باغ کے دروازے  
پر کھڑا ہو گیا۔ اندر سے ایک مالی نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے اُسے سلام کہی۔ پھر مبارکباد دی  
اور کہا۔ شک ہے تم اس شہر کے باشندوں کے ہاتھ سے صحیح سلامت بچ کے آگئے ہو۔ مگر اب بیان  
مست مٹھو۔ بہت جلد اندر آ جاؤ قبل اسکے کہ کوئی تمہیں دیکھ پائے۔ قمر الزمان اندر چلا گیا۔  
باغ کی فضا اُسے بہت بھائی اور مالی سے پوچھنے لگا۔ برے میاں! یہاں کے رہنے والوں کی بات  
آپ نے کیا کہا تھا؟ مالی نے جواب دیا۔ بیٹا! یہ لوگ سب کے سب تجوس (آتش پرست) ہیں۔  
اسلئے مجھے حیرانی ہے کہ تم یہاں کیونکر آئے۔ صحیح و سالم کیسے پہنچے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تو یہ لوگ  
جانی دشمن ہوتے ہیں۔ قمر الزمان نے بوڑھے میاں کو سارا ماجرا سنا دیا۔ تو وہ بہت حیران ہوا  
جواب میں بوڑھے میاں کہنے لگے۔ اسلام اور مالک یہاں سے دور دراز فاصلے پر ہیں۔ تری کی راہ  
چار میل کا فاصلہ ہے اور خشکی میں پورے سال کا۔ لیکن ہر سال یہاں سے ایک جہاز جزائر آندہ  
جو پانچ گزاتے اور وہاں سے جزائرِ خدادات کو؟ جہاں بادشاہ شاہزمان حکمران ہیں قمر الزمان حیران  
رہا کہ بڑی مشکل تھی۔ یہ پوچھا شاید اُسے باغ میں ٹھہرنے سے یا نہ۔ تاہم اُسے دریافت کر لینا  
اسی مناسب سمجھا۔ بوڑھے میاں نے جواب دیا۔ بیٹا! تم یہاں تب تک چاہو۔ رہ سکتے ہو۔ اپنا گھر  
سمجھو۔ اور جب کوئی جہاز آوھر پڑے لاہوگا۔ میں تمہیں اسپر سوار بھی کر دوں گا۔ عرض قمر الزمان کو  
باغ میں پانی دینے اور گھاس کاٹنے کی خدمت علی حسہ دے تھیں۔ اور آکر تا اور اپنی جگہ سے  
خراق میں آتھو بتا رہتا۔ آوھر برابر آوھر کا حال سکو جب وہ چلا گیا۔ قمر الزمان کو یاد آیا۔ مگر وہ نہ  
لا۔ بلکہ اگر نہ کھلا ہوا پڑا تھا۔ اور اُسکے پیچ کی تختی مفقود تھی۔ سوچنے لگی۔ خداوند! یہ کیا بات  
ہے۔ اور میرا شوہر کہاں گیا ہے۔ ابیہانہ ہو کہ میری اس سختی کو لکھ لیا ہو۔ اور اُسے کچھ بھی معلوم

مزدور لوٹ آتا۔ غرض تیاریاں ہونے لگیں۔ اور بادشاہ نے اپنی بی بی کو بھی کھوکھو کر چیر دیا۔ کسی نمرال  
تک لاؤشکر سمیت خود بھی انکے ساتھ وداع کرنے آیا۔ اور آخر تک تائید کرتا آیا۔ کہ ایک سال کے  
بعد ضرور ہی لوٹ آتا۔ پھر قمر الزمان نے اپنا راستہ لیا اور گراپٹے در انداخت کو چلا گیا۔ قمر الزمان کا  
قافلہ پورا مہینہ بھر بعد ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ جہاں سبزہ زار کی فضا دل کو بے اختیار کر رہی  
تھی۔ حکم ہوا کہ آج دن یہیں ڈیرے لگیا میں۔ غرض خیمے قناتیں لگ گئیں اور سب کے سب  
قافلے والے رستے کے لئے وڈاں اتر پڑے۔ شہزادی بدرالبدور کو بھی راہ کی تنکان اور ہوا کی  
خوشگوار کی سبب نیند آگئی۔ جب قمر الزمان اُسکے خیمے میں آیا تو وہ سو رہی تھی۔ قمر الزمان کی نگاہ  
اُسکے کمر بند پر جا پڑی۔ جس میں قیمتی جواہرات جرے تھے۔ اور اُسکے ساتھ ایک نذریت کا ہوا انگاس  
راستا۔ شہزادے نے سوچا تو اُس میں کوئی سخت سی چیز معلوم ہوئی اُسبے کو کھولا۔ تو اُس میں سے  
ایک صل کی چھوٹی سی تختی نکلی جس پر دو سطریں کسی ایسے خط میں لکھی تھیں جسے وہ پڑھ نہ سکا۔ اسے بڑی  
حیرت ہوئی۔ کہ یہ کیا ایسی چیز ہے جسے شہزادی اپنے سے ہرگز مخدہ نہیں کرتی۔ اسی خیال میں وہ اُسے  
خیمے سے باہر لے آیا تاکہ غور سے دیکھ سکے۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ادھر سے کسی پرندے نے چھپٹا مارا اور  
اُس تختی کو لیکے دُور جا بیٹھا۔ قمر الزمان کو بڑا فکر ہوا۔ کہ مجھ سے اپنی محبوبہ کی ایک قیمتی چیز یوں کھو گئی  
اسلئے اُس نے اُس پرندے کا پیچھا کیا مگر وہ اُتھ نہ آسکا۔ حتیٰ کہ ڈیرے سے بہت دُور نکل گیا  
اور رات آگئی۔ اُس پرندے نے ایک اونچے درخت پر جا ڈیرا کیا۔ قمر الزمان نے واپس جا کر اُردہ کیا  
مگر تاریکی کے سبب وہ راستے کا کھوج نہ نکال سکا۔ اس لئے مجبوراً اُسی درخت کے شیعے وہ بھی پڑنا  
صبح ہوئی۔ اُسکی آنکھ کھلی۔ اوپر پرند بھی ہوشیار ہو کے اُڑا۔ قمر الزمان بھی اُسکے تعاقب میں چل پڑا۔  
وہ بھوک پیاس اور سفر کے سبب سے بڑا تھک رہا تھا۔ اسلئے اُس سے کل کی طرح جلدی جلدی نہ  
چلا کرتا تھا مگر اُسے جبراً ہی تھی کہ پرند نے بھی اپنی رفتار کو بہت ہلکا کر دیا تھا۔ قمر الزمان کو خیال آیا کہ  
یہ بات کیلئے۔ اسلئے اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ مروں یا جیوں۔ میں اس پرندے کے پیچھے  
جاؤنگا۔ غرض برابر دس دن تک وہ جنگلوں میں ہی اُسکا تعاقب کرتا رہا۔ بھوک لگتی تو تباہات پر گذر  
کرتا رہتا اور دریاؤں سے پانی کی پیاس بجھا لیتا۔ گیا رہوں دن وہ ایک آباد شہر کے قریب پہنچا  
ایک ایک وہ پرند اُسکی نظروں سے غائب ہو گیا۔ جسکے تعاقب میں اُسکے دس دن گزر گئے تھے



جائیگی۔ یہ سنکر قمر الزمان نے کاغذ اور قلم و دوات طلب کی۔ غلام نے میز کرسی لگا دی۔ اور لکھنے کا سامان لا حاضر کیا۔ قمر الزمان نے اُس رات کا جس میں شہزادی اُسکے ساتھ سوئی تھی لکھ کے شہزادی کی آنکھ کھلی اُس میں بے خوف کی۔ اور ہنسنے لگا کہ غلام کو دیا کہ جا کے یہ ہنسنے شہزادی کو دے آئیے۔ خادم نے جبرانی سے اُس لفافے کو لیا اور پردہ اٹھا کے اندر چلا گیا۔ شہزادی نے جو کئی کاغذ کو پڑھا اور اپنی آنکھ کھلی کو پہچانا۔ وہ بے اختیار ہو گئی نہ سنجیدگی میں توڑ خالیں اور زبردستی سے ہر لکھ کر قمر الزمان کو گلے لگا لیا۔ وہ بار بار پوچھتی تھی۔ خدا یا! میں خواب میں ہوں یا بیداری میں۔ غلام یہ حالت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور دوڑتا ہوا بادشاہ کی خدمت میں پہنچا عرض کی حضور! یہ منجم کو بڑا کامل آدمی ثابت ہوا ہے اور بے دیکھے ہاں سے ہی اسے شہزادی کو بھلا چکا کر دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تم سچ کہہ رہے ہو؟ غلام نے عرض کی۔ حضور خدو نقص نہیں تشریف لیجئے کہ دیکھ لیں کہ شہزادی نے زنجیریں توڑ ڈالی ہیں اور باہر نکل کے نوجوان منجم کو گلے لگا رہی ہے۔ بادشاہ فوراً اٹھا اور بدرالبدور کے پاس آیا۔ اُسکے سر اور پیشانی پر بوسے دئے اور بہت پیار کیا۔ پھر قمر الزمان سے بہلا طفت پیش کر لیا چھنے لگا۔ نوجوان منجم اُنہماں کے باشندے ہو؟ اُسکے جواب میں قمر الزمان نے اپنی ساری سرگذشت سنا دی اور بتا دیا کہ وہ بھی بادشاہ شاہنشان کا ولیعہد ہے۔ بادشاہ گوریا جبران ہوا۔ اور کہنے لگا تمہارا قصہ اب سب سے کہ تاریخوں میں لکھا جائے۔ پھر قاضی اور شاہد حاضر ہوئے اور اسی وقت دونوں کا نخل چڑھا گیا۔ تمام شہر میں برابر سات روز تک دوہرے جشن ہوتے رہے۔ اور سب کا خرچ شاہی خزانوں سے دیا گیا۔ دولہا و دلہن بڑی محبت و پیار سے رہنے لگے۔ غرض ایک ماہ بڑی مسرت سے گذر گیا۔ ایک رات قمر الزمان نے خواب میں والد کو دیکھا کہ رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے بیٹا! کیا میں تمہاری طرف سے اسی سلوک کا مستحق تھا؟ قمر الزمان کی آنکھ کھل گئی اور والد کی یاد نے اُسے بمقام اور خیرین کر دیا۔ بد البدور سے بھی اپنے خواب کا حال بیان کیا اور کہا کہ اب میں اپنے باپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم شہنشاہ سے اجازت لے دو۔ غرض دونوں بادشاہ کے پاس گئے اور قمر الزمان نے اپنی بیتیاری کا حال بیان کر کے اجازت طلب کی۔ بدرالبدور نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ ہی جاؤنگی۔ گورنے ایک سال کی اجازت دی۔ اور تاکید کی کہ اس سے پہلے

تو سلامت رہے ہزار برس ۴ ہزار برس کے ہوں دن پچاس ہزار  
بادشاہ نے قمر الزمان کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور جب وہ بیٹھ گیا۔ تو شاہ نے فرمایا  
بیٹا! تم اس پیمبر میں نہ پڑو۔ ابھی تم نے دنیا کا کیا دیکھا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ  
میں نے جو شراذل شہزادی کے اچھا کرنے کے لئے مقرر کر رکھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم اُسے اچھا  
نہیں کر سکو گے اور مہلت میں جان گنو آؤ گے۔ قمر الزمان نے جواب دیا۔ میں سب شراذل اُس کا  
ہوں۔ مگر مجھے سب کچھ منظور ہے ۵

جمعین لی تیج یا ہوئے تر تیج ۶ جا لیٹتے ہیں آج قاتل سے  
بادشاہ نے قاضی کو شاہد بنایا اور غلام کو حکم دیا کہ قمر الزمان کو شہزادی کے پاس لیچے  
قمر الزمان غلام سے آگے آگے رہنے کی کوشش کرتا رہتا اور غلام کہتا جاتا تھا۔ بھائی تم عجیب  
آدمی ہو جو موت کی طرف دوڑے دوڑے جانا چاہتے ہو۔ غرض وہ دونوں ایک برآمدے  
میں جو شہزادی کے کمرے کے سامنے تھا جا کھڑے۔ دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا قمر الزمان  
وہیں ٹھہر گیا اور غلام سے پوچھنے لگا۔ اب بتاؤ۔ یہیں سے تمہاری اُس شہزادی کو تدرست  
کروں یا اندر چلے گے۔ غلام بولا۔ یہاں سے کوئی تدبیر کرو تو تمہاری کمائیت اور سب مستند بھی  
تقدیر قمر الزمان کی جو بخوبی کے بھیس میں تھا



چاہتے ہیں آسانی پہنچ سکیں۔ قمر الزمان نے مرزبان کی دورانیشی کو سراہا۔ اور دونوں نے آگے قدم  
پڑھایا۔ حتیٰ کہ وہ شہنشاہ گور کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اس ملک میں قدم رکھتے ہی قمر الزمان کی  
وہ حالت ہو گئی۔ جو کسی نے یوں بیان کی ہے۔

وعدہ وصل چوں شود نزد یک + آتش فوق تیز تر گردد

مرزبان بھی اپنی محنت سے کچھ بھل ہونے پر پھولانہ سماتا تھا۔ غرض دونوں شہر میں داخل ہوئے اور خدا  
تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔ مرزبان نے قمر الزمان کو ایک سرے میں اتارا اور تین دن تک آرام دلا کے  
حمام کرایا۔ منجھویوں کے کپڑے پہنوائے۔ اس کے بعد سوتے کا اضطراب اور سونے کی ریل کی  
تغیبات بنوا لیا۔ اور کہنے لگا۔ اب آپ محل شاہی کے ارد گرد چلے آواز دیجئے کہ میں جو تھی ہوں  
کوئی زانچہ قسمت دکھائے۔ بادشاہ جب تمہاری آواز نہیگا۔ تمہیں پلائیگا اور اپنی بیٹی کے علاج  
کی درخواست کریگا۔ جو تمہاری محبوبہ ہے اور وہ لڑکی جب ہی تمہیں دیکھیں گی اسکا جنون فوراً جانا ریگا  
بادشاہ تم پر بہت خوش ہوگا اور تمہاری شادی اس کے ساتھ کر دیگا۔ نیز ادھی سلطنت بھی تمہیں  
باجت دیگا۔ کیونکہ شہزادی کو تندرست کرنے والے کیلئے یہی انعام مقرر ہیں۔ قمر الزمان نے جواب  
انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر وہ سرے سے نکلا اور شاہی محل کے نیچے جا کر اسی طرح آواز دینے  
لگا۔ جیسے کہ مرزبان نے اسے سمجھا یا تھا۔ لوگ جو دیر سے کسی خوبی کی شکل کو ترس رہے تھے اسے  
دیکھتے ہی آجست ہوئے۔ اور اسکی جوانی و خوبصورتی کو دیکھ دیکھ کر اسے سمجھانے لگے۔ تم کیوں اپنی  
جان کے لاگوین رہے ہو۔ شادی کے بیاہ اور نصف سلطنت کا لالچ چھوڑ دو۔ اپنے جن و جوانی کی  
طرف دھیان کرو۔ اور ان سروں کو دیکھو جو شہزادی کے محل کے دروازے پر ٹپک رہے ہیں۔ یہ  
بھی تمہاری ہی طرح شہزادی کے علاج کے لئے آئے تھے۔ مگر یہ ناکام ہے تو آخر انکا یہ حشر  
ہو گیا۔ مگر قمر الزمان نے کسی کی بات پر دھیان نہ دیا اور اپنی ہی ناک ٹپک لگائے گیا۔ لوگوں نے پھر پھل  
کر اسے نوجوان، کیوں اپنی حماقت سے جان کھوتا ہے اب بھی باز آ جا۔ مگر قمر الزمان نے پھر وہی  
صدا بلند کی۔ لوگوں کے شور و غوغا اور قمر الزمان کی صداؤں کی بھٹک شہنشاہ گور کے کانوں میں  
بھی جا پہنچی۔ وزیر کو حکم دیا کہ فوراً جا کے اس سچم کو بلا لاؤ۔ وزیر محل سے اُترا اور قمر الزمان کو  
بادشاہ کی خدمت میں لیگیا۔ قمر الزمان نے زمین خدشت کو بوسہ دیکر عرض کیا ہے

سے کہا۔ کہ میں جس غرض سے سفر اختیار کیا تھا وہ تو حاصل ہو گئی۔ اب مجھے اپنی شہزادی کو قیدِ غم سے نجات دلانا ہے اور یہ جی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اُسے ویدارد میں چمکے لئے نہیں کوئی جیل کرنا پڑے گا۔ کہونکہ آپ کے والد بزرگوار کثرتِ محبت کے سبب آپ کو حیدر ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اسلئے آپ کل اپنے والد کے پاس چلیے اور ایک دن رات شکار کیلئے گھر سے باہر رہنے کی اجازت مانگئے۔ امید ہے کہ آپ کی فرحت کے خیال سے وہ انکار نہیں کریں گے۔ جب اجازت مل گئی اپنے ساتھ کافی زادِ راہ اور دو کتل گھڑے لیکر چل نکلے۔ رات کے وقت لشکر کو قوت سے میں ہی چھوڑ دیا جا چکا اور ہم با فراغت آگے نکل جائیں گے۔ قمر الزمان کو بہ رائے پسند آئی۔ فوراً باپ کے پاس گیا اور شکار کے لئے اجازت مانگی شہزاد نے اجازت تو دیدی مگر تاکید کی۔ کہ ایک دن رات سے باہر زیادہ نہ رہنا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تیرے بغیر مجھے دنیا میں اور کسی کا سہارا نہیں۔ قمر الزمان نے باپ کے فرمان کو منظور کیا۔ اور اپنے محل میں بکے تیاری کا حکم دیا۔ دو گھوڑے سواری کے لئے۔ دو چرخیں زرو مال کے واسطے اور دو اونٹ آپ و وانہ کی خاطر تیار کر لئے۔ اور لگے دن علی الصبح بادشاہ سے وداع ہونے گیا۔ شہزاد نے اُسے گلے لگائے پھر بھی تاکید کی۔ کہ بیٹا! اگر تم نے ایک رات کی بھی دیر کر دی تو میری پند حرائم ہو جائیں گی۔ غرض مرزبان اور قمر الزمان گھوڑوں پر سوار ہو کے روانہ ہوئے اور شام تک چلتے رہے۔ جب اندھیرے کی چادر نے راستوں کا نشان دھندلا کر دیا۔ ایک جنگل میں ڈیرا ڈال دیا۔ خرچی سے روٹیاں نکال کے کھائیں اور سواری و بار سواری کے پیشانیوں کو چرنے کے لئے جنگل میں چھوڑ دیا۔ وہ ایک گھڑی آرام کیے پھر وہاں سے چل پڑے۔ جتنی کہ چہتے دن ایک بڑے میدان میں پہنچے۔ مرزبان نے ماں پہنچ ایک کوٹے میں ایک خجراؤ ایک اونٹ کو ذبح کیا اور قمر الزمان کے کپڑے لیکر اُنکے خون میں ڈبو دئے۔ اور بچاؤ کر چورستے میں پھینک دئے۔ قمر الزمان نے اُسکی وجہ پوچھی تو مرزبان بولا۔ آپ کے والد صاحب جب شب و عہد آپ کو دوسری رات کے وقت گھر نہ پائیں گے تو ضرور ہی آپ کی تلاش میں نکلیں گے۔ مگر یہاں پہنچ کر جیسا آپ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کو انہوں نے تو خیاں کر چکے تھے کسی جنگلی جانور نے آپ کو ہانک کر قتل کر دیا۔ یہ سن کر قمر الزمان نے ہاتھ پر لڑائی اور اس چلے سے ہم جہاں

اسی ملک بالعماء و...  
 ۴۷۰۹  
 حیدر دوم  
 میں جا حاضر ہوئے۔ مرزبان پہلے آداب بجا لایا۔ پھر آگے بڑھ کر قمر الزمان کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔  
 وزیر کے خوشی اڑ گئے۔ مگر مرزبان قمر الزمان کی صورت دیکھ کر بے اختیار لہہ اٹھایا وہی ہے  
 وہی ہے۔ اسی کا سا قد ہے۔ رنگ و رخ بھی جیسے ویسا ہی ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب اتفاق  
 ہے۔ شہزادے کے کان میں بھی یہ انوکھی آواز جاہو پچی ہونے لگی۔ فوراً آنکھ کھول دی اور باپ سے  
 اشارہ کیا کہ اس اجنبی کو میرے پاس بٹھا دو۔ شہزبان جو پہلے غصے میں پھر گیا تھا بیٹے کی آنکھ  
 کھولتے اور اشارہ کرتے ہی خوشی سے سب کچھ بھول گیا اور اٹھ کے مرزبان کو قمر الزمان کے  
 پاس بٹھا دیا اور پوچھنے لگا۔ بیٹا! تم کہاں سے آئے ہو۔ مرزبان نے جواب دیا۔ حضور میں بادشاہ  
 گور کی رعایا ہوں۔ جو چین کا شہنشاہ ہے۔ شہزبان بولا۔ خدا تعالیٰ تمہارا آنا مبارک کرے کہ  
 میرا بیٹا تندرست ہو جائے۔ یہ سن کر مرزبان آگے بڑھا۔ اور قمر الزمان کے کان میں کہا۔ مبارک ہو  
 جسکے سبب سے تمہارا یہ حال ہو رہا ہے۔ میں اسی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اور وہ بھی تمہاری  
 جہانی میں بالکل اسی حالت کو پہنچ گئی ہے مگر تم دو نوکی دو اب انشا اللہ میرے ہاتھ میں ہے  
 قمر الزمان کے بدن میں یہ سن کر گویا جان پڑ گئی۔ باپ سے اشارہ کیا کہ مجھے اٹھا کے بٹھا دو۔  
 امیر وزیر دوڑ کے آگے بڑھے۔ اور شہزادے کو تکیہ لگا کر بٹھا دیا۔ بادشاہ کی خوشی کی اب کوئی  
 انتہا نہ رہی۔ حکم دیا کہ شہر کو چراغاں کیا جائے اور مرزبان سے یوں کہتمہارا آنا بہت ہی مبارک  
 ہے۔ پھر کھانا آیا۔ اور مرزبان و قمر الزمان نے ملکر کھانا کھایا۔ رات کو یہی مرزبان قمر الزمان  
 کے پاس ہی سویا اور دونوں میں مطلب کی باتیں ہوتی رہیں۔ مرزبان نے بتا دیا کہ تمہاری معشرہ جو کما  
 نام پورا البدور ہے۔ اور وہ شہنشاہ گور کی لڑکی ہے نیز تمہاری اور اسکی سرگذشت بالکل  
 یکساں ہے اسلئے اب تم اپنے تئیں تسلی دو۔ تاکہ تمہاری طاقت جلد ہی عود کر آئے۔ پھر میں  
 تمہیں اپنے ساتھ لیچلوں گا تاکہ تم اپنی محبوبہ کو مل سکو۔ قمر الزمان نے مرزبان کی نصیحت کو قبول  
 کیا اور اغذیہ مقوی کھانے سے دن بدن اُسکی طاقت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ جب وہ بالکل تندرست  
 دکھائی دینے لگا۔ تو ایک دن کام کا ارادہ کیا۔ شہزبان نے اپنے بیٹے سے غسل صحت کی خوشی میں  
 شہر کی آرائشی کا حکم دیا۔ بہت سے قیدیوں کو غلصی دی۔ اور خیرات کے لئے خزانوں کے  
 منہ کھول دیے۔ جب کئی دن اسی حالت میں گزر گئے۔ ایک روز مرزبان نے موقع پا کر قمر الزمان

اور بادشاہ شہزادان کی توجہ قرار مان کے چہرے پر لگی ہوئی تھی۔ اسلئے کہ وہ ان سے کچھ نہ کھایا یا پیو۔  
 تھا اور نہ ہی کوئی بات چیت کی تھی۔ جہاں قرار مان کا پانگ بچھا تھا وہاں سے سمنہ رکھا نظر رہے جو بی  
 دکھائی دیتا تھا۔ وزیر نے مرزبان کو سمنہ رکی لہروں کے ساتھ جدوجہد کرتے دیکھ لیا۔ اسوقت وہ ایسا  
 تھک رہا تھا کہ اگر اسے چلہ ہی ہر دن پہنچتی تو چند ہی منٹ میں ڈوب کے رہ جاتا۔ وزیر نے بادشاہ سے  
 عرض کی کہ حکم ہو تو اس آدمی کو قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے۔ پیچارے کی جان بچ جائے اور شاید  
 خدا تعالیٰ اسکی بدولت شہزادے کو بھی شفا بخشنے۔ بادشاہ نے اجازت دی۔ مگر تاکید کر دی کہ اس شخص کو  
 شہزادے کی حالت کی خبر نہ ہو جائے ورنہ تنہا ری گردن مار دوں گا۔ اسلئے کہ تم ہی میرے لڑکے کی اس  
 حالت کے ذمہ دار ہو۔ وزیر یہ سنکر اٹھا اور قلعے کا دروازہ کھول ایک کشتی میں سوار ہو کر مرزبان کے پاس  
 پہنچا۔ پانی اسکے پیٹ میں جار رہا تھا اور وہ ڈوب جانے کے قریب تھا کہ وزیر نے چلہ سے اسکے بالوں  
 کو پکڑ لیا اور اٹھا کے کشتی میں بٹھالیا۔ پھر کنارے پر لا کر پیٹ سے پانی نکالا اور اگلے کپڑے اتروا کے  
 دوسرے پہنوائے۔ جب مرزبان کے جسم میں کچھ طاقت آئی اسنے وزیر کا شکریہ ادا کیا۔ وزیر بولا۔  
 میں نے تمہیں ہلاکت سے بچایا ہے مگر اب تم نے میری گردن نہ اڑا دیتا۔ مرزبان نے پوچھا آخر وہ کیوں  
 میں ایسا ہی ناحق شناس ہوں؟ وزیر بولا۔ نہیں۔ قلعے میں اراکین دربار خاموش بیٹھے ہیں۔ اسلئے  
 کہ شہزادہ قرار مان کی حالت یاس انگیز ہو رہی ہے۔ تم نے اگر وہاں جا کے کچھ بات چیت کی۔ تو بادشاہ  
 جو اسے ہی بھرا بیٹھا ہے مجھ پر خفا ہو گا۔ اور غوری سے کہ مجھے مرواؤ اے۔ قرار مان کا نام شکر مرزبان  
 کے کان بکھرے ہو گئے۔ بولا۔ قرار مان کون ہے؟ وزیر نے جواب دیا۔ بادشاہ شہزادان کا اکو نام بیٹا ہے  
 مرزبان نے پوچھا اسے شکایت کیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ اے بیچارے کو جنوں لاحق ہو رہا ہے۔ عدت  
 ہوئی بادشاہ نے اس سے ازدواج کے لئے اصرار کیا تھا۔ مگر وہ مانسانہ تھا۔ آخر اسے میری رائے  
 سے جیل میں ڈالوا دیا۔ اگلے دن وہ سوتے سے اٹھ پانچوں کی سی باتیں کرنے لگا کہ رات بھرے پہلے کیا  
 لڑکی سوئی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے انگشتری بھی برلی تھی۔ اب میرا اس سے ہی شادی کر دوں گا۔  
 اسوقت سے آج تک غریب کا بڑا حال ہو رہا ہے۔ مرزبان قرار مان اور شہزادی کی سرگذشت کو  
 مطابق پاکر بڑا خوش ہوا۔ وزیر نے پھر کہا۔ میں تمہیں پھر تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میرے ساتھ چلو  
 تو دربار میں جا کے شہزادے کی طرف متا دیکھنا۔ یہ کہہ کر اسے ساتھ لیا اور دروازہ بادشاہ کی خدمت

ماں کے گھر میں بسر کی اور صبح ہوتے ہی اسباب سفر تیار کر کے شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ پورا ایک مہینہ شہر، شہر اور جزیرہ یہ جزیرہ گھومتا پھرا۔ جہاں جاتا بدرالدور کے جنوں کی ہی خبریں سنتا۔ مگر جب ایک مہینے کے بعد شہر طبر میں پہنچا تو اور ہی بھنک کان میں آئی۔ یعنی جب وہ طبر کے باشندوں سے ملا تو انہوں نے شہزادہ قمر الزمان کے جنوں کی خبر سنائی۔ اسے فوراً خیال آیا ہونہ ہو یہی وہ جوان ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ یہ سوچ کر لوگوں سے قمر الزمان کا پتہ پوچھا۔ جواب ملا۔ اسکا دارالسلطنت اور مقام سکونت جزائر خلدات ہیں۔ جو یہاں سے سمندر کی راہ پورے ایک ماہ کا فاصلہ ہے۔ اور خشکی سے چھ ماہ کا۔ مرزبان نے بحری سفر کو ترجیح دیکر ایک جہاز کا جو اوہر ہی جانیو الا تھا لٹے لیا۔ ہوا موافق تھی۔ اسلئے اسکا جہاز پورے ایک ماہ بعد بآرام جزائر خلدات کے کنارے جا رگا۔ لیکن مسافر ابھی اترے نہ تھے کہ سمندر میں طوفان آگیا۔ جہاز الٹ گیا اور سب کو نفسی نفسی کی پڑ گئی۔ مرزبان پیرا کی میں خوب ماہر تھا جب وہ سمندر میں گرا تو ڈبکی لگا کے اوپر آگیا اور پھر پھرتا ہوا شاہی قلعے کی دیوار کے عین نیچے باپنچا۔ جہاں قمر الزمان کو رکھا گیا تھا۔ اتفاق سے وہ دن دربار عام کا تھا۔ امراء و وزرا بیٹھے تھے۔

لصویر مرزبان کی دریا میں دوڑنے کی





اپنی لڑکی کو دیکھ کے چاچکا تھا۔ پرہ دار نے کہا۔ بڑھیا تم اپنی لڑکی کو لیکے اندر چلی جاؤ مگر خیال رکھنا  
 ویرنہ لگ جائے۔ بڑھیا فوراً اپنے لڑکے کو لیکے اندر گئی۔ مرزبان نے اندر جاتے ہی زمانہ لباس  
 اتار دیا اور شہزادی کو سلام کہی۔ بدرالہدور نے اسے پہچان کر پوچھا۔ بھائی مرزبان تم اتنی بدلت  
 کہاں رہے۔ مرزبان نے جواب دیا یہ دن سیر و سیاحت ہی میں گئے ہیں۔ اور بشرطِ خیریت پھر ایک  
 لمبے سفر کا ارادہ تھا مگر آپ کی حالت سُکرا سے تبدیل کرنا پڑا ہے۔ جو وقت میں نے سنا ہے کہ خدا  
 شواستہ آپ کو جنوں کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے میرا دل جل اُٹھا تھا۔ اب میں آیا ہوں۔ کہ آپ کا  
 مرض دیکھ کر علاج کروں۔ انشائے اللہ آپ کو میرے ہاتھ سے بہت جلد شفا ہو جائیگی۔ شہزادی  
 نے جواب دیا۔ بھائی! ابی باتم میری حالت کو دیکھ کر بھی خیال کر سکتے ہو کہ مجھے جنوں ہے۔  
 اکھیاں دیوچہ بہ سیم بس رہیا \* لوگ آکھن اکھیں آکیاں  
 دوکھی دیہڑا آئے دشمن ماپے \* جیڑے بھر بھر دین سلاکیاں  
 مرزبان کو یقین ہو گیا۔ کہ شہزادی کسی پر عاشق ہے۔ پوچھا۔ میں نے سب کچھ سمجھ لیا اب آپ ساری  
 حقیقت مجھے باقسط سناویں۔ شاید کوئی تہ پیر نکل آئے۔ کہ آپ کی مُراد بر آئے۔ شہزادی نے  
 جواب میں اُس رات کی سرگزشت سُنا دی۔ جبکہ مہرازان کے ساتھ دہشت نے اُسے لاسلایا تھا  
 اور کہنے لگی کہ اُس وقت میرا خیال تھا کہ میرا والد مجھے اس طرح سے ازاد راج کے لئے ترغیب دلاتا  
 چاہتا ہے۔ کیونکہ میں نے ازاد راج سے انکار کر دیا تھا۔ اسی لئے میں نے اُس جوان کو چکانا پسند کیا۔ یہ  
 دیکھو وہ جوان اپنی انگوٹھی بھی بدلے دیکھا ہے اور میں اُس وقت سے اس پر عاشق زار ہوں۔ بھائی!  
 اب تم نے میری پیاری کا حال سن لیا۔ اُس وقت سے مجھے نہ کھانا سوچتا ہے اور نہ سوتا سوائے روٹیکے  
 اور مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ تم میری پیاری کا کیا علاج کرتے ہو۔  
 مرزبان نے سر جھٹکا لیا اور وہ حیران تھا۔ کہ کیا کرے۔ گھڑی بھر کے بعد سر اٹھایا اور کہنے لگا۔  
 تمہاری سرگزشت بالکل صحیح ہے۔ مگر اُس جوان کے ذکر سے میرے فکر کو پریشان کر دیا ہے۔  
 تاہم میں مختلف شہروں اور ملکوں میں گھوم کے اسکی تلاش کروں گا۔ مگر آپ اب صبر کریں سگھیرانے کی  
 ضرورت نہیں۔ انشائے اللہ مجھے اُمید ہے کہ میں اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوؤں گا۔ اس کے بعد  
 شہزادی سے اجازت لی اور زمانہ لباس پہن سلام کر کے شہزادی کے محل سے نکل گیا۔ رات اپنی

اور سترشہزادی کے محل کے دروازے پر لٹکایا جائیگا۔ اس زمان کے بموجب جو شخص آتا اور شہزادی کو تندرست نہ کر سکتا۔ فوراً اسکا سر کاٹ کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا۔ حتیٰ کہ چالیس سر اسٹھے ہو گئے۔ اور شہزادی کے جنون میں کچھ بھی فرق نہ پڑا بلکہ وہ دن بدن بدتر حالت کو پہنچ گئی۔ پھر تمام مملکت کے حکماء اطباء اور جوتشیوں کو جمع کیا۔ مگر سب نے اُسکی دوا کرنے سے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر بار تین سال گزر گئے مگر شہزادی کا جنون بڑھتا ہی تھا۔ اور وہ دن رات فراقیہ اشعار پڑھ پڑھ کے روتی اور آفسوہاتی رہتی۔ اس عرصے میں اُس کے علاوہ اور کوئی نیا واقعہ نہ گذرا شہزادی کا ایک رضاعی بھائی بھی تھا جس کا نام مرزبان تھا۔ اُسے بچپن سے ہی نجوم وغیرہ علم کا شوق تھا۔ جن میں اُس نے اپنی کمالیت ہم پہنچائی تھی۔ وہ شہزادی سے بہت الفت رکھتا تھا۔ مگر اس مدت میں وہ اپنے وطن سے غیر حاضر تھا۔ جب تین سال کے بعد اپنے گھر آیا آئے ہی اپنی والدہ سے سہل کیا۔ کہ شہزادی کا کیا حال ہے۔ اُسکی ماں نے جو شہزادی کی دانی اور محافظ تھی۔ بڑے افسوس سے بیٹے کو جواب دیا۔ کہ وہ بیچاری تو تین سال سے جنون میں مبتلا ہے اور اسلئے قید میں پڑی ہوئی ہے۔ طبیب اور حکیم سب کے سب اُس کے علاج سے ٹک گئے ہیں۔ مرزبان یہ سنکر کہنے لگا اچھے ابھی وہاں لیچلو۔ میں اُسے دیکھوں گا۔ اور اُسکا علاج کر دوں گا۔ ماں نے جواب دیا۔ اب میں شک نہیں کہ تمہیں ضرور چلے اُسے دیکھنا اور اُسکا علاج کرنا چاہئے۔ مگر تم ابھی تو سفر سے آرہے ہو۔ آج آرام کرو۔ کل میں کوئی حیلہ بنا کر تمہیں وہاں لیچلوں گی۔ پھر مرزبان کی ماں شہزادی کے محل میں گئی اور دروازے کے پرہ دار کی سمجھی گرم کر کے اُسے گانٹھ لیا۔ کہ میری ایک بیٹی جس نے شہزادی کے ساتھ ہی پرورش پائی تھی۔ اسوقت وہ بیاہی ہوئی ہے اور آج اپنے مسرالے شہزادی کے جنون کی خبر سننے آئی ہے۔ اور اُسے دیکھنا چاہتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں کل اُسے ساتھ لے آؤں اور شہزادی سے جو اُسکی رضاعی بہن ہے ملا کے فوراً واپس لیجاؤں۔ کسی کو کانوں کا زخم بھی نہ ہوگی۔ پرہ دار نے جواب دیا۔ دن کے وقت یہ سخت محال ہے۔ البتہ رات کو تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ جب بادشاہ اپنی لڑکی کو دیکھ کر چلا جائے اسوقت تم اپنی لڑکی کو لیکر آجانا۔ پورے خیال سے سپاہی کا شکریہ ادا کیا اور گھر چلی گئی۔ جب رات بھیگ گئی فوراً اُس نے اپنے لڑکے کو جو راتوں کے کپڑے پہنائے اور محل کی طرف روانہ ہوئی۔ جب پرہ دار کے پاس پہنچی تو بادشاہ

لیکے۔ بادشاہ بھی ہنستے ہیں دو دفعہ وہاں دربار عام لگایا کرتا اور اس میں ہر شخص کو حاضر ہونی کی اجازت تھی۔ مگر قمر الزمان کی حالت فراق کے سبب دن بدن خراب ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ شاہ زمان کو ایک فکر سا لگ گیا اور دروزات اُسے بیٹے کے سرانے ہی بیٹھنا پڑا۔ اوپر بدرالبدور کا حال بھی سنو جن وقت دہشت اور کسکس نے اُسے اٹھاکے اُسکی خواگاہ میں جاسلایا۔ تین گھڑی رات باقی تھی۔ جب دن نکلا وہ جاگی اور اٹھکے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کسی کو نہ پا کر سخت حیران ہوئی۔ پھر ایسے زور سے چلائی کہ نندیاں دوڑ کے اندر آ گئیں اور ایک بڑھیا نے آگے بڑھ کے چلا کر شروع کیا۔ وجہ پوچھی۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اری نخوس! وہ جوان کہاں ہے۔ جو رات میرے پاس سویا ہوا تھا۔ بڑھیا حیران رہ گئی اور دڑتے دڑتے بولی۔ شہزادی! یہ کیا وہی بات گفتگو ہے۔ بدرالبدور نے جواب دیا۔ اری بچا بچا میں پوچھ رہی ہوں۔ میرا پیارا کہاں ہے۔ وہ جو رات میرے پاس اسی خواگاہ میں سویا تھا۔ اور صبح تک سوتا رہا۔ بوڑھیا اور بھی حیران ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ خدا کی قسم میں نے تو کسی جوان کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ اور کسی مرد کی کیا طاقت ہے کہ یہاں قدم بھی رکھ سکے۔ خدا کے لئے آپ ہم سے ایسا نسخہ کریں۔ ہماری جان جاتی ہے کہ اگر شہنشاہ کو اسکی خبر لگے گی تو ہمارا بچنا محال ہے۔ یہ سنکر بدرالبدور کو اور بھی غصہ آیا کہ اری چڑیل تو سچ نہیں بتاتی۔ بڑھیا بولی۔ خدا آپ کو صبح و سلامت رکھے۔ میں سچ کہتی ہوں۔ یہاں کسی مرد کا سکنا ناممکن ہے۔ شہزادی نے انگشتی کی طرف دیکھا تو وہ فی الواقعہ بلی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر اُسے سر ہانے سے تلوار لی۔ اور بڑھیا کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ حال دیکھ کر سب کی سب نندیاں وہاں سے بھاگیں اور شاہ گور کو جا کے خبر دی۔ وہ بیچارہ فوراً دوڑا آیا اور پوچھنے لگا۔ بیٹی کیا خبر ہے؟ شہزادی نے جواب دیا وہ جوان کہاں ہے؟ جو رات میرے پاس سویا ہوا تھا۔ اور وہ اوپر اوپر دیکھنے لگ گئی۔ بادشاہ کو اسکی حالت دیکھ کر اڑا اڑا ہوا۔ اور نندیلیوں کو حکم دیا کہ اُسے زنجیر پہنا کے محل کی بارہ دریں میں قید کر دیں۔ مگر دنیا اسکی آنکھوں میں اندھیرا ہو رہی تھی۔ اسلئے کہ وہ اپنی بیٹی کو دل سے چاہتا تھا۔ پھر وہ صبا کی طرف آیا اور جوتھیوں اور حکیموں کو بلا کے کہا کہ جو شخص میری لڑکی کو تندرست کر لے گا۔ میں اُسکی شادی اُس سے کروں گا اور چہیز میں آدھی سلطنت دوں گا۔ مگر جو شخص نہ میرے کرنے کے بعد شہزادی کو اچھا نہ کر سکا اُس کی گردن اری جانیگی۔

دیکھتے ہوئے۔ اسلئے جہانم رہی اور پیٹے اُسے نہ چکا یا۔ کیونکہ اب میں نے سمجھا تھا کہ آپ میرا  
استحسان لیا جاتے ہیں۔ اور مجھے از دوج کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ پھر میں سو گیا۔ جب جاگا تو  
پہلو میں کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے نوکر سے پوچھا تو اُس نے بھی کچھ نہ بتایا۔ اسلئے میں نے اُسے مارا بھی۔  
پھر ویر کی سرگزشت بھی آپ نے سن لی ہے۔ تو یہ واقعہ جیوٹ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ  
انگشتری میری انگلی میں صحیح و سالم موجود ہے اگر انگشتری نہ ہوتی تو بھی میں خیال کر لیتا۔ کہ  
مجھے رات کو خواب آیا ہوگا۔ مگر اب تو آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں رائی کی دکھا کر دیکھئے یہ ہے وہ  
انگشتری۔ اندازہ کیجئے۔ کہ قدر قیمت کی ہوگی۔ پھر انگوٹھی کو انگلی سے اُتار شہزاد کے حوالے  
کر دی۔ بادشاہ اُسے الٹ پٹ کر دیکھنے لگا۔ پھر بیٹے کی طرف مخاطب ہوا کہ اسکی قیمت بہت  
ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ وہ لڑکی تمہارے پاس آئی کہاں سے۔ کیونکہ اُسکے بارے میں  
کوئی بھی مجھے علم نہیں ہے۔ تاہم تم صبر کرو۔ میں کوشش کروں گا شاید خداوند تمہاری مراد پوری کرے  
اور تمہیں اس مشکل سے روائی بخشنے۔ لیکن مجھے بھیکے بھیکے بتا دو کہ تمہیں جنون کی ڈکسر نہیں ہے  
قرآن مان لو۔ جناب! اُس لڑکی کو جلدی تلاش کر کے میرے پاس لائیے ورنہ میں مرجاؤنگا۔  
اُسکے بعد وہ دوپٹا اور آشوا سکے خزانہ پر ہنس پڑے تھے۔ بادشاہ کا دل بھی پھر آیا اور وہ  
اپنے بیٹے کی حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ جب اسی حالت میں دیر ہو گئی۔ وزیر یولا۔ خداوند! آپکو  
گھر سے آنے دیر ہو گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپکی غیر حاضری محروم کو اشتباہ میں ڈال کر کسی بڑے  
فساد کی باعث ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اب واپس چلئے اور شہزادے کے علاج معالجے کا فکر کیجئے۔  
میری رائے میں تو شہزادے کو دریا کے کنارے والے محل میں لیجا رکھنا زیادہ مناسب ہوگا  
اور اگر وہاں ہفتے میں دو دفعہ بخشنے اور دو شنبے کو دیوان عام بھی لگا کرے تو اور بھی بہتر ہے  
اس سے شہزادے کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل جائیگی۔ بادشاہ کو وزیر کی صلاح پسند آئی اور  
اس اندیشے سے کہ ملک میں فساد برپا ہو جائے۔ فوراً شہزادے کو دریا کے کنارے والے  
محل میں لیجا کر حکم دیکر آپ وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور دربار کی طرف روانہ ہوا۔ وہ  
محل ایک چلنے کے اندر واقع تھا۔ جو دریا میں میں گز تک اندر کو چلا گیا تھا اور محل کی بارہ دریوں  
کے دروازے عین لب دریا پر واقع تھے۔ غرض وہ بہت فضا کی جگہ تھی۔ قرآن زمان کو وہاں

معلوم ہوتا ہے؟ تمہیں جنون ہو گیا ہے۔ اور تم اپنا الزام میرے بیٹے کے گلے مٹھنا چاہتے  
 ہو۔ وزیر نے چاہا کہ جواب دے۔ مگر پھر کچھ سوچ کر چپ رہ گیا کہ تھوڑی دیر اور دیکھ لو کہ کیا ہوتا  
 ہے۔ اسکے بعد پھر بیٹے نے بادشاہ سے پوچھا۔ برغور دار! وہ کیا بات ہے۔ جو تم نے لو کر  
 سے کسی لڑکی کے یہاں آنے اور تمہارے پاس سونے کی بابت بیان کی تھی۔ قمر الزمان یہ سوال  
 شکریے اختیار کھیل کھلا کر سنس پڑا۔ اور کہنے لگا۔ جناب من! سنئے۔ اب مجھے لوگوں کا تسخر  
 سننے کی طاقت نہیں رہی۔ ہر بانی کر کے اب مجھے زیادہ تنگ نہ کیجئے۔ میں نکاح کرنے پر  
 راضی ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس لڑکی سے بیاہ کر دوں گا۔ جرات میرے پاس سوئی ہوئی تھی  
 اور مجھے تحقیق طور پر معلوم ہوا ہے کہ آپ ہی نے اسے میرے پاس بھیجا ہے۔ اسلئے کہ میرا  
 استیاق بڑھ جائے۔ پھر جب مسج ہوئی آپ نے اسے واپس بلا لیا۔ بادشاہ نے کہا لا حول ولا  
 قوۃ۔ بیاہوش کرو۔ تم کیسے سمجھتے ہو کہ میں تمہارے پاس اس لڑکی کو بھیجا تھا۔ خدا کی قسم۔  
 برغور دار! مجھے تو اس معاملے کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شام کو تم ازواج کے  
 خیال میں رہے ہو اور اسکی وجہ سے تمہیں کوئی خواب آیا ہے یا کھانا نہ ہضم ہونیکے سبب  
 تمہاری قوت مخمکہ ہو چکی نہیں رہی اور کوئی بات نہیں ہے۔ قمر الزمان بولا۔ جناب! اب مجھ کو  
 ایسی باتیں نہ کیجئے۔ اور قسم کیجئے کہ آپ کو کوئی خبر اس لڑکی کی نہیں ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا  
 مجھے فاقہ ارض و سما کی قسم ہے کہ مجھے اس معاملے کی نسبت کچھ بھی خبر نہیں اور یقیناً تمہیں خواب ہی  
 آیا ہو گا۔ قمر الزمان بولا۔ اچھا آپ بتائیے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ جنگ میں شہوتو  
 قتل کر رہا ہے اور جب جاگے تو اسے سرائے خود آلود تلواریں رکھی ہو۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ  
 بھی خواب و خیال ہی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ قمر الزمان بولا  
 اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو میرا واقعہ بھی ہرگز خواب و خیالی نہیں کہا جا سکتا۔ میں آپ کو ساری  
 کیفیت سنائے دیتا ہوں۔ میں آج آدھی رات کے وقت بیدار ہوا تھا۔ چلنے ہی اپنے پہلو  
 میں ایک تازہ کردن حسین لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شکل و قدر میں میرے ہی جیسی تھی۔  
 میں نے اسے گئے رگایا تھا اور اسے اپنی انگلی میں ڈال لی اور اپنی آنکھوں  
 پر ڈال دی۔ میرا خیال تھا کہ آپ نے اسے میرے پاس بھیجا ہے اور آپ کہاں چھپ سکے

نکاح کرنے پر راضی ہوں۔ میرے باپ سے جا کے کہہ دو کہ میں اس لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ اور اُسے بچھا دو۔ کہ آج ہی میرا نکاح پڑا دیا جائے۔ اس کے لئے بہت جلدی میرے پاس آنا وزیر نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور وہاں سے کہنے کی گئی۔ حتیٰ کہ بیچ سے نکلا کر بھاگا۔ اور بادشاہ کے پاس جا دم لیا۔ شاہزادان وزیر کی حالت اضطراب کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھنے لگا کیونکر خبر تو ہے؟ وزیر نے جواب دیا۔ میں آپ کے پاس ایک مشرودہ لایا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ مشرودہ کیا ہے؟ وزیر بولا آپ کے صاحبزادے کو جنون نے آکھیر لیا ہے۔ بادشاہ کی آنکھوں میں یہ سن کر دوبا اندھیر ہو گئی۔ مگر اُسے استقلال رکھ کے پوچھا۔ آخر بات تو بتاؤ۔ وزیر نے جواب میں اپنی ساری سرگذشت سنا دی۔ بادشاہ بولا۔ اچھا۔ اس بے صبری کے صلے میں تمہیں بھی پھر انعام ملنا چاہئے اور وہ اس سے اچھا نہیں ہو سکتا کہ تمہاری گردن ماری جائے۔ اس لئے کہ میرے بیٹے کو جنون محض تمہاری ہی رائے کی وجہ سے عارض ہوا ہے۔ یہ کہہ کر شاہزادان اٹھ کھڑا ہوا اور وزیر کو لیکر بیچ کی طرف قدم پڑھایا۔ جب وہ نو بیچ میں داخل ہوئے اور قمر الزمان نے بھی انہیں دیکھا فوراً اٹھ کر باپ کی تکفیم کے لئے آگے بڑھا۔ اور ہاتھ باندھ کر سر جھکا کے باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے اور وہ رورو کے مہذرت کر رہا تھا کہ بچے حاضر رکے حق میں جو بچے ادب کی اس کے لئے تہ دل سے معافی کا خواہاں ہوں اور اپنی ضد کو تو بہ کرتا ہوں۔ بادشاہ کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی اور آگے بڑھ کر اُسے قمر الزمان کو گلے لگا لیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ پھر وزیر پر ہزاروں نگاہ ڈالی کہ اب کدے گدھے؟ تو نے تو مجھے اب بھی بیٹھ ہی سنا کہ وہ مرادیا تھا۔ اس کے بعد قمر الزمان کی طرف مخاطب ہوا کہ بیٹا آج کو کتنا دن ہے۔ قمر الزمان بولا۔ آج ہفتہ ہے۔ کل اتوار ہو گا۔ پرسوں پیر۔ چوتھے روز منگل پھر بدھ۔ اُس کے بعد جمعرات اور پھر جمعہ آگیا۔ شاہزادان نے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ میرا بیٹا صحیح و سلامت ہے۔ پھر پوچھا بیٹا! کیا تم اس بیٹے کا نام بتا سکتے ہو۔ قمر الزمان نے کہا۔ اس ماہ کا نام ذوی القعدہ ہے اور اس کے بعد بالترتیب ذوی الحجہ۔ محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الثانی۔ جمادی الاول۔ جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان اور شوال کے مہینے آئیں گے۔ بادشاہ کو یہ سن کر اور بھی خوشی ہوئی۔ اور وزیر سے بولا کہ بخت بڑے مہم نے مجھے کیسے تشکر بنا دیا تھا

مینے گلے بھی لگا یا تھا۔ وزیر کو شہزادے کی باتوں سے بڑا تعجب ہوا۔ اور وہ پوچھنے لگا۔ کیا آپ  
 نے بیداری میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟ شہزادہ بولا۔ اسے بڑے متعجبانہ لہجے میں کہا تھا۔ یقین  
 ہے کہ میں نے اسے کانوں سے دیکھا تھا؟ نہیں مینے اسے انہی آنکھوں سے بیداری کی حالت  
 میں دیکھا تھا۔ اور یوں کہ اس کے حُسن کا نظارہ کرتا رہا۔ اسے چکانے کی بھی مینے بہت کوشش  
 کی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے سکھا رکھا تھا کہ وہ مجھ سے کلام نہ کرے۔ تا چار میں بھی  
 اس کے پہلو میں پڑ رہا اور صبح تک سو یا رہا۔ جب جاگا اسے نہیں پایا۔ وزیر بولا۔ صاحب ایشیا  
 آپ کو خواب آیا ہے! کھانا ہضم نہیں ہوا۔ اور وعدے سے بخارات نے اٹھ کر آپ کی قوت مغلیہ پر  
 اثر کیا ہے۔ نہیں تو شیطان لایم نے آپ کو بہکا دیا۔ اور کوئی بات نہیں۔ شہزادہ گرجا۔ ابے  
 بڑے! اگر خواب و خیال ہوتا تو وہ بے حیا مجھے کیوں کہے جاتا۔ کہ میں بھی آکے آپ کو اس  
 لڑکی کی حکایت سناتا ہوں۔ یہ کہہ فوراً اٹھا اور وزیر کی دائرہ کی پکڑ لی۔ بیچارے کی دائرہ  
 بدست سے بہت لمبی تھی۔ قمر الزمان نے اسے اٹھ پر لپیٹ لیا اور تخت سے کھینچ کر زمین پر  
 سے مارا۔ دائرہ کھینچنے اور زمین پر پڑنے سے بڑے وزیر کو بہت تکلیف ہوئی مگر قمر الزمان نے  
 اس پر بس نہیں کیا۔ لگوں اور لاؤں سے بھی اس کی خبر لینے لگ گیا۔ قریب تھا کہ غریب کا کام  
 تمام ہو جائے۔ مگر اس نے سوچا۔ کہ جیسے نوکرنے اپنا چھٹکارا کر آیا ہے۔ وہی چال اب مجھے  
 بھی چاہی ہوگی۔ ورنہ زندہ بچنا بھی محال ہے۔ یہ سوچ کر بولا۔ حضور! مجھے باو شاہ نے قسم ہے  
 رکھی تھی۔ کہ میں آپ سے اس لڑکی کی بابت کچھ نہ کہوں۔ اسلئے مینے حقیقت حال کی اب تک  
 چھپا رکھی ہے۔ اب میں زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکتا۔ اسلئے میں آپ کو سب کچھ بتا  
 دیتا ہوں۔ مگر مجھے چھوڑ دیجئے۔ قمر الزمان نے فوراً اٹھ کر روک لیا اور کہنے لگا۔ سچ ہے۔  
 لاؤں کے بھڑت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔ یہی اگر پہلے بتا دیتے تو کیا بات تھی۔ نہ مار پڑتی  
 اور نہ ہتک ہوتی۔ خیر! ابے بڑے جی! اب بتاؤ۔ وہ لڑکی کہاں ہے۔ وزیر بولا۔ آپ  
 اسی خوبصورت وجیہ و ملیح سی لڑکی کی نسبت ہی پوچھتے ہیں نہ؟ قمر الزمان بولا۔ اٹ! اٹ!  
 اسی کی نسبت بتاؤ۔ جسے کون میرے پاس لاکے نہ لایا گیا تھا۔ اور اب وہ کہاں ہے۔ تاکہ  
 میں اس کے پاس جاؤں۔ اور اگر میرے والد نے میرا امتحان لینا چاہا ہے۔ وزیر اس سے



خداوند شہزادہ تو سودائی ہو گیا ہے۔ اور اسی جنون کی حالت میں میری یہ گت بنائی ہے۔ کہتا ہے رات میرے پاس ایک لڑکی سوئی تھی۔ وہ منہ می میرے پاس سے کیسے اٹھ کر چلی گئی۔ حالانکہ مجھے کسی لڑکی کی بابت کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ نیز دروازہ مقفل تھا اور میں عین بیچوں بیچ میں سو رہا تھا۔ بادشاہ کو یہ سن کر بڑا رنج ہوا اور وہ وزیر پر خفا ہو گیا۔ کہ تو ہی اس سب آفت کا موجب ہے۔ فوراً جا۔ اور جا کے شہزادے کی خبر لا۔ وزیر بادشاہ کے خوف سے کہنے لگا۔ اور فوراً اٹھ کر بچ کو لایا۔ جہاں شہزادہ نظر بند تھا۔ اب سورج نکل آیا تھا۔ وہ فوراً اندر گیا۔ اور جا کے دیکھا کہ شہزادہ تلاوت قرآن میں مصروف ہو پہلے جا کے سلام کی اور پھر ایک طرف بیٹھ گیا جب شہزادے نے تلاوت سے فراغت پائی۔ وزیر نے پوچھا۔ صاحب من! اس بد ذات کو کرنے جا کے سب کو پریشان کر دیا ہے بادشاہ بھی غضبناک بیٹھا ہے قمر الزمان نے پوچھا۔ بھلا تو کرنے کیا کہا تھا۔ وزیر بولا۔ جبری بڑی حالت میں یہ دربار میں آیا تھا اور جا کے آپ کے بارے میں پٹری اینڈی اینڈی سناتے لگا۔ جبکہ آپ سے ڈر کر تا بھی سو بے ادبی میں داخل ہے۔ قمر الزمان نے پوچھا آخر وہ کیا باتیں تھیں۔ وزیر نے جواب دیا۔ بد بخت کہتے لگا نصیب دشمنان آپ کو جنون لاحق ہو گیا ہے اور آپ اسے کہتے ہیں کہ گزشتہ شب آپ کے پاس کوئی لڑکی آئی تھی۔ کیا آپ نے کوئی ایسی بات اس سے فرمائی تھی۔ یہ کلام سن کر قمر الزمان کو جوش آگیا اور وہ گرج کر وزیر سے بولا۔ اچھا۔ تم بتاؤ کہ تم نے خادم کو کچھ سنا کر کھا ہے جس سے اس نے مجھ سے ایسی چالاکی کیسے کی جرات کی ہے اور کیا تم نے ہی اسے منع کر رکھا ہے کہ مجھے اس لڑکی کی بابت کچھ نہ بتائے جو رات میرے پاس ہوئی ہوئی تھی۔ وزیر صاحب! میں جانتا ہوں آپ خادم سے بہت عقلمند ہیں۔ اس لئے آپ مجھے ضرور بتا سکیں گے کہ وہ لڑکی پھر کیا ہوئی اور کیا آپ نے ہی اسے رات میری خواب گاہ میں بھیجا تھا جو رات میرے پاس ہوئی رہی۔ صبح کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو وہ غائب تھی۔ وزیر بولا مجھے اللہ کی قسم ہے۔ ہم نے تو آپ کے پاس کسی لڑکی کو نہیں بھیجا۔ اور اسے شہزادے۔ آپ رات کو اکیلے سوئے تھے۔ دروازہ مقفل تھا۔ تو کہیں جہانم نے دروازے کے سوا یا ہوا تھا۔ پھر کیسے کوئی اندر آ سکتا ہے۔ آپ ہوش و حواس لگائے کر کے سوچیں کہ آپ کو خواب تو نہیں آیا۔ قمر الزمان پھر غصے میں بھر گیا۔ اور کہنے لگا۔ اچی! وہ میری مستحق ہے اس کے حسن کی تعریف نہیں کر سکتا اور میں اسے دل سے محبت کرتا ہوں۔ بلکہ لوگ اسے

بیچ سویا ہوا تھا اور دروازہ بھی مقفل تھا۔ پھر کوئی مرد یا عورت کیسے اندر داخل ہو سکتا ہے  
 قمر الزمان خفا ہو کر بولا۔ ابے اؤ کسے پٹھے! کیوں جھوٹ بکتا ہے اور قریب سے مجھے  
 بے خبر رکھنا چاہتا ہے کہ وہ کہاں گئی۔ نوکرنے کانپتے کانپتے عرض کی۔ حضور انور اجداد کی  
 قسم میں رات یہاں کسی لڑکی یا لڑکے کو نہیں پایا۔ آپ کو خواب آیا ہوگا۔ قمر الزمان خادم کے  
 منہ سے یہ کلام سنکے سخت طیش میں آیا اور بولا۔ بدخوات! ذرا آگے تو آؤ۔ وہ غریب جب آگے  
 گیا۔ شہزادے نے ایک ٹکڑی اٹھکے اسے ایسی بُری طرح مارنا شروع کیا کہ بیچارہ دم نہ  
 ہرے گر پڑا۔ پھر اُس کی ٹھوکروں سے غریبی۔ اور آخر کوئیوں میں لٹکا دیا۔ سخت سردی کے  
 دن تھے۔ لوگ رونے پیٹنے اور چٹانے لگا۔ مگر قمر الزمان مضر تھا کہ جب تک تپھے یہ نہ بتایا گیا  
 کہ جب میں سویا ہوا تھا تو کون میرے پہلو سے اُس لڑکی کو نکال لیگیا۔ میں تجھے ہرگز ہرگز  
 جنوں سے نہیں نکالوں گا۔ خادم نے دیکھا کہ وہ کسی طرح ملتے میں نہیں آتا۔ ممکن ہے  
 اسے جنون لاحق ہو گیا ہو۔ تو آواز دی۔ اچھا مجھے باہر نکالے۔ میں آپ کو بچکھ من و عن بتا  
 دیتا ہوں۔ قمر الزمان نے یہ سنکے اُسے باہر بھیج لیا۔ لوگ اسے زد و کوب اور پانی میں غوطے  
 کھانے پر ابھڑ رہا تھا اور اس کے دانت سے دانت بج رہے تھے۔ جب کہ یہ قدر اس ٹکٹکے  
 ہوئے اور اپنے تئیں سطح زمین پر پایا عرض کی۔ اگر مجھے اجازت ہو تو یہ بھیجے ہوئے  
 کپڑے اُتار کے دھوپ میں رکھ آؤں۔ اور نئے کپڑے پہن آؤں۔ اسے ساری حکایت  
 عرض کر دوں گا۔ شہزادہ بولا۔ اگر تم نہ آئے تو اپنے تئیں زندہ نہ سمجھو۔ لوگ نے اتنی ہی  
 اطاعت کو عینیت سمجھا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کی خدمت میں جا دیم لیا۔  
 وزیر بھی اُس وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور قریب ہی کی باتیں ہو رہی تھیں  
 تاکہ بادشاہ وزیر سے کہہ سکا ہے۔ بہ سبب کثرتِ محبت کے جو مجھے اپنے لڑکے کے ساتھ  
 ہے رات بھر میری آنکھ نہیں لگی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ بروج میں اُسے کچھ اور عارضہ نہ لاحق  
 ہو جائے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ تم نے اُسے قید کرنے میں کیا مصالحت مد نظر رکھی ہے  
 وزیر نے جواب دیا۔ حضور اطمینان رکھیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ وہ انہی باتوں میں  
 تھے کہ وہ لوگ بھی ہیئت کذا کی حالت میں جا پہنچا۔ اور زمین خدمت کو لائے دیکر عرض کر لیا

مارے محبت کی وہ بے اختیار ہو گئی۔ اور کہنے لگی۔ اگر پہلے سے مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میری شادی اس جوان کے ساتھ قرار پائی ہے۔ تو میں کبھی بھی انکار نہ کرتی۔ پھر شہزادی قمر الزمان کو ہانا ہوا کہ محبت سے کہنے لگی کہ میری جان میری آنکھوں کے نور۔ جاگنے اور اپنی اپنی بیٹی باتوں سے مجھے مسرور فرمائیے۔ مگر شہزادہ میمونہ کے جادو سے ایسا غافل ہو گیا تھا کہ پیر الہدور کی سعی اکارت ہو گئی نہ تو جاگتا اور نہ ہی کچھ جواب دیکھا۔ پیر الہدور بولی۔ میرے پیارے کو کیوں غلامو شہزادہ ہے۔ کیا میرے باپ نے تجھے میرے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا ہے یا کوئی اور بات ہے؟ مگر جب پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ تو شہزادے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ اُسکی انگوٹھی شہزادے کی انگوٹھی میں پڑی ہے۔ اور اُسکے ہاتھ میں شہزادے کی انگوٹھی ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ جب میں سو رہی تھی۔ شہزادے نے محبت کے سبب انگوٹھیاں بدل لی ہوں گی۔ پھر تو اُسے بہت خوشی ہوئی۔ کہ شہزادہ اس سے محبت رکھتا ہے۔ اسلئے اُس نے شہزادے کو خوب سا پیار کیا اور اُسکے بعد اپنی جگہ پر لیٹ کر غافل ہو گئی۔ میمونہ نے اب وہ پیش کو خوب جھانک دیا تھا۔ کہ دیکھ میرے شہزادے نے جس طرح سے اظہارِ اُلفت کیا تھا۔ وہ کیسا پاک تھا۔ مگر میری شہزادی تو بالکل بے اختیار ہو گئی۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ یہی نہ کہ میرا شہزادہ زیادہ حسین ہے مگر جانتے چھوڑ دیا۔ اب کسکس کے ساتھ شہزادی کو اُسکے مکان میں چھوڑ آ۔ کیونکہ دن نکلنے کو ہے۔ اور اگر دن نکل آیا تو میرا مطلب فوت ہو جائیگا۔ دو نو نے سر تسلیم خم کیا اور میمونہ کو آداب بجا لاکر شہزادی کا ہینک اٹھایا اور اُسکے مکان میں لیجا رکھا۔ میمونہ آپ اپنے راستے پر چلی گئی۔ جب دن چڑھا۔ قمر الزمان کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ چاروں طرف دیکھنے لگا نگہرات والی حسینہ سے پہلو کو خالی پا کر سخت گھبرا یا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ شاید میرے باپ نے اُسے واپس لایا۔ اور اب میرے ساتھ اُسکی شادی کر دیگا۔ اُسکے بعد نوکر کو آواز دی۔ وہ وضو کا سامان لیکے حاضر ہوا۔ شہزادے نے حوائج ضروریہ سے فراغت پانکے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ پھر تلاوت اور تسبیح کے بعد نوکر سے پوچھنے لگا۔ سچ بتا۔ وہ بی بی جورات کو یہاں تھی۔ اب کہاں گئی۔ اور اُسے کون لیک گیا ہے۔ خادم نے عرض کی۔ حضور کی بی بی؟ قمر الزمان نے کہا۔ جورات میرے پاس سوئی تھی۔ نوکر حیرت میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور! میں دروازے کے عین بیچوں

رہ گیا جس نے یہ پڑشما اشرار پر دھڑا ہوا کہتے تھے وہ دیکھتے ہی اسپر مفتون ہو گیا۔ اور اس سے محبت و الفت کا اظہار کرنے لگا۔ بے اختیار ہی میں پسے دیتا کسی دفعہ اسے شانوں سے ہار کر جیکنے کی بھی کوشش کی۔ مگر دہنش کے احنوں کے سبب وہ شہزادی ایسی غافل سو رہی تھی کہ اسے کچھ خبر نہ ہوئی۔ آخر وہ سوچنے لگا کہ اگر میرا حیا ل غلط نہیں۔ تو یہ وہی لڑکی ہے جسکے ساتھ میرا والد میری شادی کرنا چاہتا تھا۔ اور میں اپنی پرتوئی کے سبب برابر تین سال سے انکار کر رہا ہوں۔ خیر! گذشتہ آنچہ گذشتہ اب صبح ہوئے اور میں اپنے والد سے کہو لگا کہ فوراً میری شادی اس سے کر دیجائے۔ اب میں ایک دن بھی ضائع نہیں کروں گا۔ کاش! مجھے پہلے یہ صورت دکھائی جاتی۔ تو میں کیوں اپنا پیش چھوڑ کے اس زنداں میں پڑتا۔ زنا بحد وہ شہزادی کا بوسہ لینے کے لئے جھکا۔ یہ دیکھ کر میمونہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔ مگر دہنش کی بن آئی لیکن کچھ سوچ کر ازل زمان متنبہل گیا۔ اور دہنش کہنے لگا۔ ابھی صبر کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کہ میرا باپ ہی اسے یہاں لایا ہو۔ اور اسے حکم دیا ہو کہ میرے پہلو میں سو رہے۔ اور جب میں جگاؤں نہ جا سکے۔ اور آپ کہیں یہیں چھپا رہا ہو۔ تاکہ میرا امتحان کرے۔ اُسے اگر میرے افعال کو دیکھ لیا تو کل مجھے ضرور شرمندہ کر لگا۔ کہ تو تو شادی کے نام سے نفرت کر رہا تھا۔ اور اب اس راز کی کھ لگا کے اس کے بوسے لئے۔ اس لئے مجھے فی اکال سمجھ کر رہنا چاہئے۔ البتہ کوئی نشانی اسکی ضرور پاس رکھ لوں گا۔ جس سے مجھے یاد رکھ سکے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی انگلی سے انگشتی آتار کر شہزادی کی انگلی میں پہنا دی۔ اور شہزادی کی انگشتی آتار کے اپنی انگلی میں پہن لی۔ اور پہلو میں چپ چاپ لیٹ گیا۔ میمونہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ کسکس (دہنش) سے بولی۔ تم نے بھی دیکھ لیا میرا شہزادہ کہ قدر عفت ماب ہے کہ سوئے انگشتی بد لئے اُسے اس شہزادی کو اتنے تک نہیں لگا یا۔ اور یہ اس کے کمال حسن پر دل ہے۔ وہ دونے جواب دیا۔ تم نے دیکھا اب تم شہزادی کو جگاؤ۔ میمونہ فوراً چھڑ گئی اور بدرا لہو کے کپڑوں میں گھسکر اسکی نینڈلی پر زور سے کاٹ کھایا۔ بدرا لہو فوراً آٹھ بیٹھی اور اپنے پہلو میں ایک اجنبی نوجوان کو جسکے حسن کی شاعیں چھوٹ پھوٹ کر نکلی رہی تھیں دیکھ کر متعجب ہوئی۔ قرار زمان کو دیکھ کر شہزادی کے دل میں بھی محبت کی کوئیل بھڑک آئی۔ مگر وہ سوچنے لگی۔ کیسے شہزاد کی بات ہے کہ یہ اجنبی جوان جسے میں جانتی بھی نہیں میرے پہلو میں آئے سو رہا ہے یا ہم

اُسکے ماتھے بھیر ٹیپے کے سے اور ناخن شیر جیسے دکھائی دیتے تھے۔ پاؤں باغی کے پاؤں کی طرح اور اُن میں سُم گدھے کے سُم کی مانند نظر آتے تھے۔ آتے ہی اُسے میمونہ کے پاؤں پر پوسہ دیا۔ اور کہنے لگا۔ اے شہزادی! آپ نے مجھے کس غرض سے طلب فرمایا ہے؟ میمونہ بولی۔ اے قشقش (کسکس) ہمارا فیصلہ کر دے یہ بلعون اُس شہزادی کو حسین بتاتا ہے۔ اور میں اس شہزادے کے جمیل ہونے پر مصر ہوں۔ یہ سنا کر کسکس نے قمر الزمان اور بدر البدو پر غائر نگاہ ڈالی۔ مگر کچھ فیصلہ نہ کر سکا کہ زیادہ حسین کون ہے آخر چری اور جن دونوں کو مخاطب ہو کر بولا۔ سچ تو یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا جواب ہیں تصویر کسکس جن کی جو کھڑا لنگڑا کا نا اور چھ سیلنگ سر پر رکھتا تھا



اور میں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قاصر ہوں۔ البتہ اگر یہ دونوں یاری سے اور دوسرے کے علم کے بغیر بیدار ہو کر ایک دوسرے کو دیکھیں اور محبت کا اظہار کریں تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کس کا حسن زیادہ ہے میمونہ اور دیش دونوں کے کسکس کی نشوونما کو پسند کیا۔ اور دھنش کے چھڑ بن کے قمر الزمان کی گردن پر اُس زور سے چبکی لی کہ وہ کھیل کے اٹھ بیٹھا۔ اور اپنے پہلو میں ایک تارک بدن حسینہ کو پا کر حیران

یسا ہوا تھا پہلے تو غور سے اُسکی طرف دیکھتے رہے۔ پھر پری نے کپڑا قمر الزمان کے منہ سے  
 سرکایا اور دہنش کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھ حسن و جمال اسے کہتے ہیں۔ دہنش نے بھی غور سے  
 قمر الزمان کے چہرے کو دیکھا اور بولا۔ شہزادی آپ معذوریں۔ مگر ایک بات ہے کہ عورتوں کا  
 حال مردوں سے کیقدر مختلف ہوتا ہے۔ آپ کا شہزادہ بلاشبہ حسین ہے مگر میری شہزادی  
 بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ دونو ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں۔  
 میمونہ کو یہ سنکر بڑا غصہ آیا اور اُس نے جھٹ دھڑکھینچ مارا جس کے مدد سے قریب تھا کہ  
 دہنش گر پڑے۔ مگر وہ سنبھل گیا۔ میمونہ کہنے لگی۔ تجھے نور پاک کی قسم ہے اسوقت جا اور اپنی  
 شہزادی کو اٹھا لا۔ دونو کو ایک جالہ کے دیکھنے کے دو نو میں سے کون زیادہ حسین ہے۔ اگر  
 تو نے فوراً میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو اپنی خیر نہ سمجھو۔ چلا کے خاک کر دوں گی۔ دہنش نے جواب دیا  
 آپکا فرمان سراسر انکھوں پر۔ مگر یہ میں کہے بغیر نہ رہوں گا۔ کہ میری شہزادی بدرجہا بڑھکے ہے۔ یہ  
 لکھ غور آرا۔ اور ملک چین کا رخ کیا۔ میمونہ بھی حفاظت کے لئے اُسکے ساتھ ہوئی۔ ایک گھڑی  
 بعد دونو وصال سے غائب رہے۔ اُسکے بعد وہ اُس شہزادی کو اٹھا لائے جس کے حسن و جمال  
 کی تعریف میں دہنش مبالغہ کر رہا تھا۔ اُسکے گلے میں سنہری جھینٹ کی قمیض تھی۔ اور کمر میں  
 پھولدار بن بند بندھا تھا۔ دونوں نے اُسے لاکے شہزادے کے پہلو میں لٹا دیا اور دونوں کے  
 منہ سے کپڑے سرکا دئے۔ فی الواقع دونوں کے حُن میں تیز تر نامشکل تھا۔ مگر دہنش اور میمونہ  
 میں جھگڑا ہونے لگا۔ دہنش کہتا تھا۔ شہزادی خوبصورت ہے۔ اور میمونہ قمر الزمان کو حسین  
 بتاتی تھی۔ پھر دونوں نے اپنے اپنے محبوبوں کی تعریف میں اشعار پڑھے۔ اور جب دیر تک کچھ  
 فیصلہ بھی نہ ہو سکا تو میمونہ سخت غصہ میں بھر گئی۔ اور ارادہ کیا کہ دہنش کو بچھاڑ دے۔  
 وہ بولا۔ شہزادی آپا خفا نہ ہوں۔ اس طرح سے فیصلہ نہیں ہو گا۔ اسلئے کہ ہم دونو اپنے اپنے  
 محبوب کو حسین بتاتے ہی رہیں گے۔ ایسے۔ ان باتوں کو ختم کر دیں اور کوئی اور فیصلہ کریں۔  
 آپ کسی ایسے مشہر شخص کو بلائیں۔ جو ہمارا انصاف کرے۔ میمونہ نے بھی اس رائے کو پسند  
 کیا۔ پھر زمین پر گھٹو کر ماری۔ فوراً ایک کانٹا اور کبراجن نکل آیا۔ جس کی آنکھیں چہرے  
 میں گھسی ہوئی تھیں۔ سر پر چھ سینگ تھے اور بالوں کی چار لٹیں لٹک رہی تھیں۔

قلم قینوں کا پرہ بھی اُس محل کے دروازے پر لگا دیا۔ جہاں شہزادی نظر بند تھی۔ اور سب بادشاہوں کو لکھ دیا کہ شہزادی کو جہن ہو گیا ہے۔ کمال ایک سال ہوا ہے۔ وہ بیچاری قید میں پڑی ہے۔ میں ہر روز اُسے دیکھتا ہوں۔ اور افسوس کرتا ہوں۔ بلکہ مجھے تو اُس سے ایک قسم کی محبت ہو گئی ہے۔ شاہزادی صاحبہ اگر آپ بھی میرے ساتھ تشریف لیجیں تو آپ خود اسکو حسن و جمال کا بخوبی اندازہ کر سکیں گی۔ میری طاقت سے باہر ہے کہ اُسکے حُسن کا نقشہ آپ کے ذہن نشین کر سکوں۔ میمونہ نے یہ سنکر دہنش کو ایک دھچک جڑو دیا۔ اور غصے سے بولی۔ یہ کیا فضول گفتگو ہے۔ نالایت ایک چھڑی سی لڑکی کو خواہ مخواہ آسمان پر چڑھا رہا ہے۔ تو نے میرے شہزادے کو تو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ سب کچھ بھول جاتے۔ دہنش نے پوچھا۔ وہ ہے کون۔ جس کا آپ ذکر کر رہی ہیں۔ میمونہ نے کہا۔ اُسکی کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اُسکے باپ نے بھی شہزادی کے بارے میں کئی دفعہ اُس سے اصرار کیا تھا۔ مگر جب اسے ایک ہی انکار سچڑھ لیا۔ تو اُس کے باپ کو سخت غصہ آیا۔ حتیٰ کہ آج اسے اُس بُرج میں قید کر دیا ہے۔ جہاں میں رہتی ہوں میں اُسے ابھی دیکھے آ رہی ہوں۔ دہنش نے جواب دیا۔ شہزادی! اور مجھے بھی اُسکا دیدار کراویں تاکہ میں اندازہ کر سکوں۔ کہ میری شہزادی خوبصورت ہے یا آپ کا شہزادہ۔ کیونکہ میرے خیال میں شہزادی بدرالہدور اپنے زمانے میں کوئی بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ پری بولی۔ ارے یہ قوت تو جوٹ بکتا ہے۔ جب میں نے تحقیق کر لیا ہے کہ اُس ولایت میں میرے شہزادے سے زیادہ خوبصورت کوئی نہیں ہے۔ تو کیا تو مجھوں نہیں ہے جو اپنی شہزادی کو میرے شہزادے سے بڑھ کر حسین بتا رہے۔ دہنش نے عرض کی۔ شہزادی آپ کو خدا کی قسم ہے کہ میرے ساتھ تشریف لیجئے اور اپنی آنکھوں دیکھ آئیے۔ میں بھی آپ کے شہزادے کو اُنکھوں دیکھوں گا۔ پھر فیصلہ ہو گا۔ میمونہ نے جواب دیا۔ پہلے کچھ شرط باندھ لو کہ اگر تمہاری شہزادی سے میرا شہزادہ اچھا ہوا تو میں جیتی ورنہ بانی تمہارے ماتم رہیگی۔ دہنش نے اسے منظور کیا۔ اور کہنے لگا۔ آئیے میں شہزادہ گور کے اُل آپ کو اپنے چلتا ہوں۔ میمونہ نے کہا تمہاری شہزادی کا مکان بہت دور ہے۔ اور میرا شہزادہ یہیں نیچے رہتا ہے۔ پہلے اُسے دیکھ لو۔ پھر اُدھر چلیے۔ دہنش نے کہا بہت اچھا۔ اور دو نو نیچے اتر آئے۔ اور محل میں جا کے تخت کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ چپقلہ قرآن مانا



جہاں قدانے پیدا کئے ہیں جنہیں دیکھنے سے طبیعت سیر ہونے میں بھی نہیں آتی۔ اُسکے دل میں اس امر کا بھی تعجب تھا کہ باوجود ایسے حسین و جمیل ہونیکے قمر الزبان کے گھر والوں نے اُسے کیوں ایسے غراب اور غیر آیا و محل میں رکھنا پسند کیا ہے۔ اُسکے بعد میمونہ نے اُسکی پیشانی پر ہونہ دیا۔ اور نرنہ کو کپڑے سے ڈانک کر باہر نکل آئی۔ پھر پھر پھلا کر آسان کی طرف اڑ گئی اور کسی کے ہاتھ میں پڑنے کے پھر پھر لٹنے کی آواز سنی۔ فوراً اُدھر کا قصد کیا۔ جب نزدیک گئی دیکھا تو وہ دلکش مائی جن تھا۔ وہ نرنہ میمونہ کو دیکھ کر کانپ اٹھا اور گر گرا کر کہنے لگا۔ معاف کیجئے۔ مجھے آپ کا ہونہ نہ تھا۔ ورنہ میں خود حاضر ہو سکے آداب سجالا تا۔ پر میں نے جواب دیا۔ کوئی فکر نہ کرو سبک مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس وقت کہاں سے رہے ہو۔ اور آج رات کونسا عجیب واقعہ دیکھا۔ وہ نرنہ بولا شہزادی! میں اس وقت ملک چین کی سرحد سے چلا آتا ہوں۔ وہاں کے بادشاہ کا نام گور ہے۔ اُسکی ایک لڑکی ہے جس کے حسن کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ گور نے اس قدر محبت کرتا ہے کہ اُسکے لئے سیاری دُنیا کے خزانے ٹوٹ کر اُسے سات محل بنوا رکھے ہیں جن میں سے ایک بلور کا ہے دوسرا سنگ مرمر کا تیسرا فولاد کا۔ چوتھا سرب کا۔ پانچواں چاندی کا۔ چھٹا سونے کا۔ اور ساتویں پرچہ اہرات ہی جو اہرات چٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر محل بنا بھر کے عجائبات کا ایک مجموعہ ہے۔ بادشاہ نے اپنی لڑکی کو جس کا نام شہزادی بدرا لیدور ہے حکم دے رکھا تھا۔ کہ وہ ہر محل میں باری باری سے ایک ایک سال بسر کرے۔ مگر اُسکے حُسن کا شہرہ جب دُنیا کے دُور واز ملکوں تک چا پوٹھا اور ہر طرف سے پیغام آنے شروع ہوئے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ تم پیغام بھیجنے والوں میں سے کسے پسند کرتی ہو۔ تو وہ اس قدر حقا ہوئی کہ اد۔ او بادشاہ کو صاف صاف سنا کر کہہ پایا۔ کہ اگر آپ نے میرے اردو دل کی کوشش کی۔ تو میں پیٹ میں چھری کھکے مر جاؤنگی رہیں شہزادی ہوں۔ اور دُنیا پر حکومت کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہوں کسی کی حکومت اٹھانے سے میری طبیعت سخت متنفر ہے۔ یہ کلام سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہو گئی اُسے اندیشہ ہو گیا کہ لڑکی کہاں سے سچ جج ہی جائز نہ کہیل جائے۔ جن بادشاہوں نے پیغام بھیجے تھے انکا بھی اُسے خیال تھا۔ آخر ناچار ہو کر حکم دیا کہ شہزادی بدرا لیدور گھر سے باہر نہ نکلے۔ اور نہ ہی ایک محل سے دوسرے میں جا سکے۔ دس پوٹہ بھی

میں ہوتی۔ کہ والدہ کی بے ادبی کے جرم میں جیل کی سختیاں جھیلتا۔ انہی تفکرات میں اُس کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسو پھر نکلے۔ دل جلنے لگا اور اپنے کئے پر سخت پھپھتا تا تھا۔ پھر اُٹھ دھو کے آرام کیا۔ آہستے میں عشا کا وقت آ گیا۔ وضو کر کے نماز پڑھی اور قرآن مجید کی تلاوت کر کے وہ سنت پر سو گیا۔ سگے میں نہیں تھی اور سر پر آسمانی رنگ کا پٹکا زیب دے رہا تھا۔ سوتے سوتے رات ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب گزر گئی۔ اتفاق سے وہ بچ اور محل بہت ہی پرانے تھے اور محل کے اندر ایک بہت گہرا کنواں واقع تھا۔ جس میں رات سے خالی پٹے رہنے کے باعث میمون نام کی ایک پری رہتی تھی جو جنوں کے مشہور بادشاہ دریا ط کی بیٹی تھی۔ جب ڈیڑھ گھنٹہ پر رات آ چکی تو وہ حسب معمول عالم بالا کی سیڑ کے لئے کنوئیں سے باہر نکلی اور محل کے ایک کمرے میں روشنی کو دیکھ کر متحیر ہوئی۔ کہ آج خلاف معمول یہاں کیا ہوا ہے۔ جو روشنی ہو رہی ہے۔ یہ سوچ کر قدم اُس کمرے کی طرف بڑھایا۔ تصویر میمونہ پری کی قمر الزمان کے خواب میں بوسہ لینے کی



جہاں تخت پر قمر الزمان سو رہا تھا۔ اُس کا آدھا رنگا اور آدھا ڈھکا ہوا چہرہ اُس وقت چودھویں کے چاند سا دکھائی دے رہا تھا۔ پری آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ قمر الزمان کے منہ پر سے کبڑا سر کا با اور اُسکی نورانی صورت دیکھ کر کھڑکی کی کھڑکی پر لگی۔ اور با بگڑی میمونہ اُسکے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ قمر الزمان کے حسن و جمال کو دیکھ کر اسے حیرانی ہو رہی تھی کہ بنی آدم میں بھی ایسے ایسے صاحب



آزادی کو کھوتا نہیں چاہتا۔ آپنا ٹھکانا ہوں یا راستی میں شادی کرتے سے مر جاؤں گے بڑھ کر سمجھتا ہوں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کی فرمانبرداری میری عین سعادت ہے۔ مگر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری شادی آپ پر فرض نہیں ٹھہرایا۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں پھر کبھی شادی کرونگا۔ نہیں میں عمر بھر اس قبیح فعل کے نزدیک بھی نہ جاؤں گا۔ کیونکہ میں کتابوں میں اُن مصیبتوں کا حال بہ تفصیل پڑھ چکا ہوں۔ جو ان پرستوں کی بدولت علامہ اُنکے دہر کو پہنچ چکی ہیں۔

اگر نیک بوسے سرانجام زن زمان را مزان نام یوحی سے نہ زن بیٹھی کی یہ تقریر شہزادہ نے قمر الزمان کو تو دودل کیا۔ اور وزیر کو خلوت میں بلا کر سارا واقعہ سنایا کہ قمر الزمان یوں ماتھے سے جا رہا ہے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے؟ وزیر نے جواب دیا۔ میری رائے میں آپ اُسے ایک سال تک اور سچا دل خود چھوڑیں۔ زان بعد خلوت میں نہ بلائیں۔ بلکہ بھرے دربار میں بلا کر اُس سے شادی کی بابت دریافت کریں۔ جبکہ سارے اراکین دولت موجود ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پھر وہ مخالفت نہ کریگا۔ شہزادہ وزیر کی صلاح سے اس قدر خوش ہوا۔ کہ اُسے ایک بیٹھیا خلعت انعام میں عطا فرمایا۔ اور ایک برس کے لئے قمر الزمان کو پھر آزاد چھوڑ دیا۔ جو کن دن گزرتے تھے۔ قمر الزمان کی جوانی اور خوبصورتی ترقی پر تھی۔ اور باپ کا پیار بھی اُس سے بڑھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ سال بھی گزر گیا اور محبس شاہی منعقد ہوئی۔ اراکین دربار اُسکے اپنے اپنے مرتبوں پر بیٹھ گئے اور فوج پرے باندھ کر دربار کے ارد گرد گھمائی ہو گئی۔ شہزادہ نے تخت شاہی پر جلوہ فرما کر نقیب کو حکم دیا۔ کہ شہزادہ قمر الزمان کو بلا لائے۔ چنانچہ نقیب شہزادے کو بڑی عزت سے دربار میں لایا۔ قمر الزمان نے بھی باپ کے سامنے آ کر تین مرتبہ خدمت کی زمین چومی اور ماتہ باندھ کر سامنے ٹھہرا ہو گیا۔ باپ نے بڑے پیار سے پھر وہی سوال کیا۔ جو اکیس سال پیشتر خلوت میں پوچھا تھا۔ قمر الزمان نے باپ کا فرمان سن کر پہلے تو سر کو جھکا لیا۔ پھر یکایک ایسے جوش میں آ گیا کہ اُسے جنون لاحق ہو گیا ہے۔ اور بولا ابا جان! میں جبران ہوں آپ کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ جبکہ دوبار آپ قبل ازیں مجھے یہی سوال کر چکے ہیں اور میں آپ کو جواب دے چکا ہوں۔ کہ اگرچہ میرا سر بھی اتار دیا جائے۔ مگر میں ہرگز ہرگز شادی نہیں

کرنا چاہتا تھا۔ البتہ وزیر اعظم سے مشورت کی۔ کہ عمر کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اسلئے میں جاہتا  
ہوں۔ کہ شہزادے کی شادی کر دیجائے۔ اب وہ جوان ہو گیا ہے اور سمجھدار ہے۔ دوسرے  
میرے بھی آخری دن ہیں۔ زندگی میں اس فرض سے جیسے بنے سبکدش ہو جاتا ہی مناسب  
ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ آپ کا خیال بہت اچھا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ قمر الزمان کو حاضر  
کیا جائے۔ وہ آیا اور باپ کے سامنے سر جھکا کے کھڑا ہو گیا۔ شہزمان نے کہا بیٹا! میں  
چاہتا ہوں۔ کہ میرے جیتے جی ہی تمہاری شادی ہو جائے۔ تاکہ دلیں حسرت یکے نہ مروں  
تمہاری کبار لکے ہے۔ قمر الزمان بولا۔ جناب عالی! میں کچھ عرض تو نہیں کر سکتا تاہم جب آپ  
پوچھتے ہی ہیں۔ تو اتنا س ہے کہ مجھے جب آپ پوچھتے ہی ہیں۔ تو اتنا س ہے کہ مجھے ان رنجیروں  
سے معاف ہی رکھا جائے۔ اسلئے کہ میں بالطبع عورتوں کے نام سے متفر ہوں۔ بیٹے اس جماعت  
کے مکر اس قدر پڑھے ہیں کہ میرا جی کھٹا ہو گیا ہے۔ اس واسطے کہ اب پاک میں کئی آیات اس  
بارے میں پائی جاتی ہیں۔ شہزمان کے دل پر بیٹے کی ویدہ دلیری سے ایک بھلی سی گر پڑی اور  
دُنیا آنکھوں میں تار پک دکھائی دینے لگی لیکن وہ سب سنج والہ کو اندر ہی اندر بی گیا۔ نہ کچھ بولا  
اور نہ ہی غصے کا اظہار کیا۔ بلکہ بیٹے پر پہلے سے بھی بڑھ کر لطف و کرم کرنے لگا۔ تاکہ کسی طرح  
اسکا دل سپرے۔ مگر قمر الزمان ایک ہی کئے گیا۔ کہ مر جا نا شادی کرنے کی نسبت بہت اچھا ہے  
وہاں ہیں سخت باتیں یاں اسیر آنسو پائو ہر تماشا ہے ادھر موتی ادھر ہتھیر سے ہیں  
عرض انہی باتوں میں پورا ایک سال گذر گیا۔ قمر الزمان نے قد و قامت اور علم و فضل میں بھی  
کافی ترقی کر لی۔ شہزمان کے پھر اسے طلب کیا۔ اور کہنے لگا۔ بیٹا! کیا تو میری بات نہیں مانے گا  
قمر الزمان نے سر جھکا کے خدمت کی زمین چرخی اور بڑی انکساری سے بولا۔ خدا نخواستہ آپ کی  
نافرمانی کرنے سے پہلے ہی میں دُنیا سے اٹھ جاؤں۔ میں آپ کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں شہزمان  
کہنے لگا تو پھر تم میری آرزو کو کیوں پورا نہیں ہونے دیتے۔ بر غور وار! میں بڑا ہی مشتاق ہوں  
کہ تمہیں دُلہن بیاہ لائے دیکھوں اور اپنے سامنے اپنا قائم مقام بنا کے سلطنت کرتے پاؤں  
قمر الزمان باپ کی عنایات کا بہ دل مشکور تھا۔ مگر وہ سوچنے لگا کہ کیا جواب دوں گا۔ حق تو یہی ہے  
سر جھکا کے خاموش کھڑا رہا۔ آخر وہ دل اٹھا۔ حضور اور! خود یہ نافرمانی ہی ہے تاہم میں اپنی

اور لوگوں نے شہزادے کی لاش کو مٹی کے سپرد کر کے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ جو ہری جب تک زندہ رہا۔ شہزادے اور شمس الہنار کے مقبروں کی زیارت کرتا رہا۔ جب سے عاشق صادق سمجھ کر لوگ دُور و دُور سے وہاں آتے۔ اور ان کے مقبروں کی زیارت کر کے مستفید ہوتے رہتے۔ جب ملکہ شہزادے اس داستان کو ختم کر لیا۔ تو دنیا ناو نے اُسکی بہت تعریف کی۔ اور دوسری حکایت کی فرمایش کی۔ شہزادے کہا۔ اگر کل جان بخشی ہوئی تو قمر الزمان بن شہزمان کی حکایت سناؤنگی جو بہت ہی دلچسپ ہے۔ شہزادہ یہ سنکر چپ چاپ دربار کو چلا گیا اور آج بھی قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اگلی صبح حسب معمول گھڑی کے تروکے دنیا زاد نے شہزاد کو جگا کر کہا کہ اب حسب عہد شاہزادہ قمر الزمان بن شہزمان کی حکایت سناؤ مجھے اُسکے سننے کا بڑا شوق ہے۔ شہزاد بولی

یاد شاہ شہزمان کے بیٹے قمر الزمان کی حکایت

اگلے زمانے میں ایک بادشاہ شہزمان نامی بڑا نامی اور عظیم الشان بادشاہ گذرا ہے جسکے پاس خزانوں اور لشکروں کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر خزانے بڑے بڑے تک بھی اُسے کوئی لڑکا عطا نہ فرمایا۔ یہ کہنا اُس کے دل میں ہمیشہ بُری طرح کھٹکتا تھا۔ اسلئے وہ بارہا وزیروں سے شکایت کر چکا تھا کہ اگر میں مر گیا تو تمام ملک و املاک ضائع جائیگی۔ جب کوئی اُسے سنبھالنے والا نہ ہوا۔ وزیر اعظم ابکہن یہی شکایت سنکر بولا۔ والا جاہ! اُس بے نیاز کی درگاہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے میری رائے ہے کہ آپ ملک کے عابدوں۔ زاہدوں اور فقرا سے اسلئے میں استمداد کریں۔ اور خدا کی راہ پر بہت سی خیرات دیں۔ کیا عجب ہے کہ کسی مستجاب الدعوات کا بزرگوار بنے۔ بادشاہ کو وزیر کی رائے بہت پسند آئی اور خیرات کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ خدا کا کنا بادشاہ بیگم کو محل کھڑ گیا اور پورے ۱۰ ماہ کے بعد وہ ایک چاند سا بیٹا جنی۔ پاپ نے پیارے بیٹے کا نام قمر الزمان رکھا۔ اور خوشی سے بھولا نہ سمانا تھا۔ حکم دیا کہ سات دن تک شہر میں راکھ رنگ ہوتا ہے اور خرچ شاہی خرانے سے دلوایا جائے۔ علاوہ ازیں اس موقع پر بھی بخشش کی۔ کہ کنگال ابھر گئے۔ قمر الزمان کی تربیت کا انتظام بھی بڑی خوشی سے کیا گیا۔ غرض اُسکے لئے بڑے از و نعمت میں پرورش پائی۔ حتیٰ کہ پندرہ سال کا ہو گیا۔ وہ سچ مچ چودھویں کا چاند دکھائی دیتا تھا۔ اور یاپ کا ابسا پیارا تھا۔ کہ شہزمان ایک دم بھی آنکھوں سے اوجھل نہیں

دیکھ لیا اور رو پڑا۔ اور اپنے گھر لایا۔ لونڈی نے پوچھا سناؤ شہزادے کا کیا حال ہے۔ اُس نے جواب دیا وہ غریب الوطنی میں ہی چل رہا۔ اور مرتے دم تک شمس النہار کو نہیں بھولا۔ لونڈی نے کہا۔ اور یہی حال شمس النہار کا بھی ہوا ہے۔ سچ منج دو نو شہیدہ واقعے۔ جب دو نو لونڈیوں نے شکایت کی۔ خلیفہ نے کسی کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اور شمس النہار پر پہلے سے بھی بڑھ کر عنایت کا اظہار کیا۔ اور ایک اور عظیم الشان محل اُس کے رہنے کو عطا فرمایا۔ ایک دن شمس النہار حسب عادت بیٹھی تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ اور مغنیات گانہ ہی تھیں۔ خلیفہ بھی تشریف رکھتے تھے اور ایک مغنیہ نے یہ شعر پڑے وردے گایا۔

تو ہی اے بیکی منہ لے دیا روٹھی جاتی ہیں حسرتیں دل سے

شمس النہار فوراً غش کھا کے گر پڑی۔ خلیفہ نے گود میں اٹھالیا۔ دیکھا تو قفسِ غصہ کی خالی پڑا تھا۔ اور یہ واقعہ بیک اسبوت وقوع میں آیا۔ جب شہزادے نے شمس النہار کے فراق میں دم توڑا۔ خلیفہ کو شمس النہار کی موت کا بڑا رنج ہوا۔ اور اُسے حکم دیا۔ کہ سب ساز طرب توڑ ڈالو۔ غرض وہ عشرتکدہ ایک دم میں ماتم کہہ بن گیا۔ اور خلیفہ رات بھر شمس النہار کے سر کو اپنی گود میں اٹھائے بیٹھا رہا۔ دن چڑھا۔ اسکی تجویز و تکفین کا حکم دیا۔ مگر کسی سے اُس کی موت کی وجہ نہ پوچھی۔ پھر اُسے شاہی قبرستان میں ایک عالیشان مقبرے میں دفن کیا گیا۔ بیوی بچے جڑی سے کہتے لگی۔ جس وقت تم شہزادہ علی بن بکار کا جنازہ لاؤ۔ تو مجھے اطلاع دینا۔ میں چاہتی ہوں۔ کہ اگر دو نو عاشق و معشوق اپنی زندگی میں ایک دوسرے کو سیر ہو کر گلے نہیں لگا سکے تو عمر کر تو ہمارے پاس رہیں۔ جو ہری بولا۔ مگر خلیفہ کی اجازت کے بغیر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لونڈی نے جواب دیا اس طرف سے تم طلبیان رکھو۔ خلیفہ نے شمس النہار کی سب لونڈیوں کی تنخواہ مقرر کر کے اُس کے مقبرے میں تعین کر دیا ہے اور مجھے اُن سب پر امن رہنا رکھا ہے۔ پھر جو ہری اُس کے ساتھ شمس النہار کے مقبرے پر گیا اور جا کے چار آنسو بہائے۔ پھر واپس آ کے شہزادے کی ماں کے ساتھ اپنے دوست کا جنازہ لینے گیا۔ غرض جب شہزادے کا جنازہ بغداد میں پہنچا تو اُس کے ساتھ ہفتہ خلقت جمع ہو گئی۔ کہ کہیں کسی جنازے کے ساتھ اس قدر آدمی نہ اکٹھے ہوئے تھے۔ وہ لونڈی بھی عورتوں میں بین و بکا کر رہی تھی۔ غرض اُسی دھوم دھام سے جنازہ قبرستان میں پہنچا



بھر کر اک آہ سرد گری گری کے مر گئی  
 شہزادے کے دل پر اس قدر چوٹ لگی کہ وہ سہار نہ سکا۔ فوراً غش کیسے گریڑا۔ اور دم توڑ دیا۔  
 رَاثًا یُفِدُو اَنَا الیہ راجعون

لاش پر عبرت یہ کہتی تھی امیر آئے تھے دنیا میں راسد ن کیلئے  
 جو ہری یہ حال دیکھ کر بُت بنگیا۔ مگر اُسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ آخر وہ اس  
 زکھٹے کے صاحب خانہ سے کہنے لگا۔ میرا ساتھی جل بسا۔ اب میں بغداد کو جاتا ہوں۔ تاکہ  
 مرنے والے کی وصیت کو پورا کروں۔ میرے ہر بانی میرے آنے تک مرنے کی خبر گیری کرنا۔ یہ  
 کہہ کر بدل گریاں وہاں سے قدم اٹھا با۔ اور بغداد پہنچا پہلے اپنے گھر گیا۔ وہاں سے کچرے  
 بہ لکر شہزادے کے مکان پر گیا۔ شہزادے کے نوکر چاکر اُسے دیکھ کر اٹھ پڑے اور اپنے آقا کا حال  
 بد چھپھٹ گئے۔ جو ہری نے کہا۔ شہزادے کی والدہ کو میرے آنے کی خبر کر دو۔ میں اُسے بلانا چاہتا  
 ہوں۔ اُنہوں نے فوراً اطلاع دی اور جو ہری سے کہا۔ کہ آپ کو بلایا گیا ہے۔ اُسے جا کے سلام  
 کی اور کہنے لگا۔ تقدیر سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اسلئے آدمی کو مرنے والوں پر صبر ہی کرنا پڑتا  
 ہے۔ کیونکہ ہر شخص ایک نہ ایک دن ضرور مرے گا۔ شہزادے کی ماں کا ماتھا ٹھنکا۔ اور وہ بولی۔ میرا  
 بیٹا تو خیر ہے تم نے بڑی عجیب تمہارے شروع کی ہے جس سے میرا دل بلیوں اُچھلنے لگا ہے  
 خدا کے لئے جلدی اطلاع دو۔ جو ہری کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور بے اختیار رونے لگ گیا۔ اسکی  
 یہ حالت ملاحظہ کر کے شہزادے کی والدہ نے بھی چھاتی پیٹ لی۔ اور اُسے بیٹا! اے بیٹا! کہہ کے  
 رونے لگ گئی۔ گھر بھر میں کد ام بچ گیا۔ نوکر چاکر بھی ڈاڑھیں مار مار کر رورہے تھے آخر اُسکی والدہ  
 دل پر جبر کر کے جو ہری سے پوچھنے لگی۔ میرے مسافر بیٹے نے آخری وقت تمہیں کوئی وصیت بھی کی  
 تھی۔ جو ہری نے شہزادے کی وصیت لفظ بلفظ سنا دی۔ پھر جو ہری نے آغاز سے انتہا تک شہزادے  
 کی ساری کہانی اُسکی والدہ کو سنا کر کہا۔ اب آپ میرے ساتھ شریف لیجلیں اور غریب الوطن کی  
 ہش کو اُٹھو اسکے تجیز و تکفین کریں۔ یہ سنکر اُسے غش آگیا۔ مگر پھر حواس ٹکاتے کر کے سفر کی  
 تیاری کرنے لگی۔ جو ہری اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ راستے میں شمس التمار کی وہی خواص ملی۔ جو  
 شہزادے کے لئے پیغام لایا کرتی تھی۔ مگر اب اُسکا چہرہ نہایت اُتلا ہوا تھا۔ جو ہری نے اُسے

تصویر جوہری اور شہزادیکے مسجد میں بیٹھنے کی اور واسطے نماز کے ایک شخص اجنبی کا آنا



چلے چلو۔ یہ سنکر شہزادے نے جوہری کی طرف نگاہ کی۔ جوہری نے کہا۔ یہاں ہمارا کوئی واقف نہیں ہے کہ  
 پاس ہم جا بیٹھیں۔ دوسرے یہ اندیشہ بھی لگا ہوا ہے کہ کوئی آدمی آئے کہ ہمیں پہچان لے مبادا پکڑے جائیں  
 شہزادے نے کہا بہت اچھا۔ پھر اس شخص نے گھر سے انہیں چادریں لاکے دیں۔ رجنہیں اور دھکے  
 وہ اس کے ساتھ ہو لئے۔ گھر لیجا کے اس خدا کے بندے نے دو ٹوک نہ لایا۔ اور نئے کپڑے نکال کر  
 دئے۔ پھر کھانا کھلایا۔ اور اس کا حال و بدم متعیر ہونے لگا۔ آخر جینے سے مایوس ہو کر جوہری سو  
 بولا۔ اب میں کوئی دم کا لمان ہوں۔ اور آپ کو دوست صادق بہرہ دہیت کرتا ہوں کہ جس وقت  
 میں مر جاؤں۔ فوراً بعد اوجا کے میری ماں کو یہاں سے آئیو۔ تاکہ میرا جنازہ لیجا کے اور بعد ا دیں  
 لیجا کے دفن کرے کہ رونے دھونے سے کچھ نہ بنے گا۔ بلکہ صبر کرے۔ اور میرے لئے دعائے خیر  
 مانگے۔ اور تم شاہد رہنا۔ کہ میں آخری دم تک شمس النہار کو نہیں بھولا۔ اتنے میں دوسرے کسی  
 عورت کے گاتے کی آواز آئی۔ جو نہایت درد سے یہ شعر گارہی تھی۔

پہلے ساتھ تھیں۔ پھر اسکی تنبیہ کے لئے بھی حکم کیا۔ وہ مار کھا کے محل سے نکل گئی اور غوا چھ  
 سراؤں سے چلنے کے سب کچھ جڑ دیا۔ آج صبح دوسری لوتڑی بھی ایسے دُور کے مہالک کرفلیفہ کے  
 محل میں چلی گئی اور غنا چلنے والے جا کے کیا کچھ سکھا دیا کہ خلیفہ نے جس خواجہ سرا بھیجی تھی اسکی  
 کو کچڑا مانگا ہے۔ یہی حال دیکھ کر ہماری طرف دوڑی آئی ہوں کہ تمہیں بھی خبر دے دوں۔  
 چہ ہری کے ہوش اُڑ گئے اور روتا ہوا شہزادے کے پاس گیا۔ شہزادے نے اسقدر جلد بوث  
 آئے کی وجہ پوچھی۔ اور جب جو ہری نے تافہ واقعہ گوشتکدہ اڑ کیا۔ تو اسے رنج کے شہزادے  
 کو غش آگیا۔ مگر جو ہری کی تدا بیر سے جلدی ہوش میں آکر دیکھنے لگا تو اپنا تمہاری کیا حال ہے  
 جو ہری نے کہا۔ بہاں سے جلد نکل چلو۔ ورنہ بڑی بھیڑتی سے ہاں دینی پڑے گی۔ غرض تیاری  
 کر کے دو تو نکل کھڑے ہوئے۔ شہزادے سے نیکم والوں کو وصیت بھی کر دی۔ اشرقیات خجروں  
 پر لاد لیں اور کچھ خادم و سپاہی ساتھ بھی لے لئے۔ تمام دن اور رات یہ قافلہ بھاگ بھاگ  
 چلتا رہا اور بغداد سے بہت دُور جا پہنچا۔ رات قریب الاحتماء تھی کہ کہان کے ماتے بند آنے لگی  
 شہزادے نے ڈبے ڈالنے کا حکم دیدیا۔ غرض اسباب اُتار گیا اور گھوڑے خجروں و اونٹوں کو  
 باندھ دیا۔ اور سب کے سب سو گئے۔ چونکہ سارے دن اور رات کی محنت کے سبب انکے جسم چُر  
 ہو چکے تھے۔ اسلئے بڑے ہی ایسے بے خبر ہو کر سو گئے کہ پہرے کا بھی خیال نہ رہا۔ اتنے میں چوڑل  
 نے آگیا اور جب ہالی و اسباب نے لگا تو اُنھی جاگ کھلی۔ تلواریں بیکر چل پڑے مگر تداویں کم ہونے  
 کے سبب شہزادے کے سب سپاہی اور غلام مارے گئے۔ صرف شہزادہ اور جو ہری کی ہی جان بچی  
 پھر ہزارشت اور خوشامد سے انہوں نے چوڑلوں سے اپنا پیچھا چھوڑا یا اور بھوکے پیاسے تنگ  
 و دھڑنگ وٹال سے چل پڑے۔ صبح ہونے تک دو نو ایک شہر کے قریب ویران ہی میں جا پہنچے  
 سارا دن وہیں گزارا۔ رات آئی تو بھی وہی سوئے۔ اور دو نو بھوک پیاس سے بیتاب ہو رہے  
 تھے۔ خدا خدا کر کے دن نکلا اور اتفاق سے ایک مرد غنا وٹال آگیا۔ پہلے تو اسے نماز پڑھی پھر  
 اُن نطلووں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ دو نو نے جواب دیا  
 ہاں صاحب! چوڑلوں نے سب کچھ لوٹ لیا بلکہ کپڑے بھی اُتار لئے۔ اور بے نیمبر ہو کے اپنے تئیں  
 یہاں چھپایا۔ اور کل صبح سے بے آب و خانہ ہیں پڑے ہیں۔ وہ آدمی کہنے لگا تو ہم میرے گھر



ہے۔ آپ کے دشمن تو کل ایسی بُری حالت میں تھے۔ کہ میں نابالوس ہو چکی تھی۔ بیگم نے جواب دیا شکر ہے کہ خزانے اپنا فضل کیا۔ ورنہ میری ہڈیاں گستاخیں شام ہی کیا تھا۔ بلکہ جو کچھ میرا خاں ہوا ہے وہ موت سے بھی بدتر سمجھنا چاہئے۔ ڈاکوؤں نے جب ہم دونوں کو مکان سے نکالا تو میرا نام اور پتہ پوچھنے لگے۔ میں نے کہا۔ کہ میں ایک معمولی مغنہ لڑکھین ہوں۔ پھر شہزادے سے اُس کا حال دریافت کیا۔ اُس نے جی کہا۔ کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ یہ سنکر وہ ڈاکو ہم دونوں کو اپنے مکان کی طرف لیچے۔ مگر راستے میں غوف سے ہمارا خون خشک ہوا جاتا تھا۔ جب اُنکا مکان آگیا اور گھونڈوں نے سب سامان کو لٹکانے لگا کر باہر کا دروازہ بند کر لیا۔ ہم سے پوچھنے لگے۔ ایسے گرا نقد رجا ہر شاہ اور زیورات معمولی مغنہ ہرگز نہیں پہن سکتی۔ جو تم نے پہن رکھے ہیں۔ ضرور تمہارا تعلق کسی بڑے خاندان سے ہے۔ مگر جب کوئی جواب نہ دیا اور سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ قتل کئے بغیر نہیں چھوڑینگے پھر شہزادے سے بھی ایسا ہی سوال کیا۔ کہ تمہارے بسترے سے جو شان ٹپکا رہی ہے وہ تمہیں معمولی آدمیوں سے بالاتر بناتی ہے۔ مگر شہزادہ بھی خاموش ہوا۔ فی الواقعہ میں خوف تھا۔ کہ ہمارا راز آشکارا نہ ہو جائے۔ اسلئے اپنی وہ حالت دیکھ کر بھائے آنسو نکل گئے۔ ڈاکوؤں کو بھی رحم آگیا۔ اور پوچھنے لگے۔ تمہارے اُس مکان کے مالک کا کیا نام ہے۔ ہم نے جوہری کا نام بتا دیا اتفاقاً ایک آن میں سے اُس جوہری کو جانتا تھا۔ وہ یوں اٹھا۔ اُن میں جانتا ہوں۔ وہ ایک اور اور مکان میں رہتا ہے۔ مگر ٹھہرو۔ میں ابھی اُسے تمہارے پاس لاتا ہوں۔ اسکے بعد مشورت کر کے اُنہوں نے ہم دونوں کو خیراجدار مکانوں میں بٹھرایا۔ اور بڑے آرام سے رکھا۔ یہ کہہ کر جب تک کہ ہمارا حال نہ معلوم ہو۔ تم یہیں بے خوف ہو کر آرام کرو۔ اگلے دن شام کو وہ ڈاکو جوہری کو بھرا لیکر آگیا۔ اور ہمیں غصہ ہی لی۔ پھر وہ ہمیں دریا کے کنارے پر چھوڑ گئے۔ اتنے میں پولیس کی روند آگئی۔ اُنہوں نے ہمارا نام اور پتہ پوچھا۔ پتہ پتہ سے اپنا پتہ بتا کے کہا۔ کہ آج میں شراب پی کر اپنی ایک سہیلی کے اُل چلی گئی تھی کہ ڈاکوؤں نے راستے میں آ کے مجھے پکڑ لیا اور یہاں لے آئے اسلئے میں تم پہنچ گئی اور وہ بھاگ گئے۔ ہر بانی کر کے مجھے محل تک پہنچا دو۔ تمہیں بہت کچھ اقامت ملے گا۔ آخر روند نے یہ سنکر بڑی غرت سے مجھے کشتی پر سوار کرایا۔ آگے تم چل گئیں۔ مگر اُن دونوں غریبوں کے لئے حضور صفا جوہری کے لئے میرا چکر لگا رہا ہے۔ جس غریب کا ہماری بدولت

گزر رہی مگر سخت تکان کے سبب اگلے دو دن وہ گھر سے نہ نکل سکا تیسرے دن جب کچھ ہوش آئی۔ اسے شک ہو ادا گیا۔ کہ چلو خدا نے جان بچائی۔ یہی غنیمت ہے۔ پھر سیر کا ارادہ کیا۔ اور گھر سے نکلا ہی تھا کہ سٹیشن ٹھہرا کر گئی۔ لڑکی آگئی۔ اسے اشارے سے اپنی طرف بلا کر اپنے پرستار کی طرف قدم اٹھایا پھر چوہری بھی پیچھے پیچھے چولیا۔ مگر اسے خوف لگ رہا تھا۔ کہ کوئی اچھا خبر سنائے۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے۔ چوہری سے کہنے لگی۔ اہل بیتان کھو بیہوش سے ایک بات کہنے آئی ہوں۔ چوہری اندر گیا۔ لڑکی بھی ساتھ ہی داخل ہوئی۔ پھر چوہری نے نماز پڑھی اور شمس الہمار کا حال پوچھا۔ لڑکی نے کہا۔ پہلے شہزادے کی خبر سننا۔ چوہری نے جو کچھ سرگزشت تھی کہہ دی۔ لڑکی بولی۔ جب گھر میں چور آئے ہیں بیٹے سمجھا کہ خلیفہ کو خبر ہو گئی اور اسے چارے گرفتار کرنے کیلئے سپاہی بھیجے ہیں۔ اسلئے میں تو ان دو لونڈیوں سمیت مار سے خوف کے چھٹ پر چڑھ گئی اور کونٹوں کونٹوں ہوتی ہوئی ایک شریف آدمی کے مکان سے اتر کر محل میں جا پہنچی۔ مگر اپنی بی بی کا حال بیٹے پر شدید رکھا اور سارا دن مجھے فکر نگار رہا کہ خدا جانتے وہ کیا ہوا۔ حتیٰ کہ رات آگئی۔ اور مجھے اسکی کوئی خبر نہ ملی۔ ناچار سندر کی طرف کا دروازہ کھول کر بیٹے ملاح سے کہا کہ بیگم شام سے سیر کرتے گئی ہوئی ہیں۔ اب تک نہیں آئیں۔ خدا جانے کیا بات ہوئی۔ مجھے کشتی پر بٹھا کے در اور یا میں تو لچل لچک اُنہیں تل شر کیا جائے۔ یہ شک ملاح نے مجھے کشتی پر بٹھا لیا۔ آدھی رات تک ہم وہیں گھومتے رہے مگر کوئی پتہ نہ لگا۔ رستے میں مجھے دُور سے ایک کشتی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ جب قریب آئی دیکھا۔ کہ اُس میں ایک مرد اور ایک عورت بیٹھے ہیں۔ اور ایک ملاح کھینچ رہا ہے۔ جب غور کیا۔ تو وہ شمس الہمار تھی۔ سینے اُسے نور اُجی کشتی پر لیا اور گھرائی۔ اندر آ کے شمس الہمار نے مجھے حکم دیا کہ ایک ہزار دینار کا توڑا اُس آدمی کو دے آؤ جو اب کشتی پر بیٹھا ہے۔ میں حسب اس حکم ایک توڑا ملا سونے کے ٹکڑے کے لی گئی۔ اور اُسے جا دیا۔ وہ رات بیگم نے بڑی خراب حالت میں گزاری جب صبح ہوئی بیٹے سب کو منع کر دیا کہ کوئی پاس نہ جائے۔ بیگم بیمار ہیں۔ اگلے دن جب کچھ افاقہ آیا۔ تو دیکھا کہ اُس کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ میں غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے اور کھانا کھا کے ٹھوڑی سی شہزاد بھیج دی۔ جب بدن میں کچھ بہت آئی تو بیٹے پوچھا۔ بیگم صاحبہ آجیے کیا حال

میں سے ہیں۔ کل رات ہمارے گھر میں ڈاکہ پڑا تھا اور وہ جو کشتی کھینچے جا رہے ہیں یہی ڈاکٹ  
 ہیں۔ یہ ہم کو بھی گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ آج بہ ہزار وقت ان سے جو سکارا ہوا ہے۔ ہنر  
 روز نے جوہری کو تو چھوڑ دیا اور اب شہزادے کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ ہلکے  
 شمس النہار نے آگے بڑھ کر افسر کے کان میں کوئی بات کہی جس سے وہ فوراً گھوڑے پر سے  
 اتر آیا اور چھپکے آواب بچا لیا۔ پھر شمس النہار کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور شہزادے و  
 جوہری کو دوسروں سے وہ گھوڑے دوائے۔ اور تینوں کو کشتیوں کے تین پر لے آیا۔ وہاں  
 فوراً دو کشتیاں تیار کر لیں۔ ایک پر اپنے ساتھ شمس النہار کو سوار کرایا۔ اور ایک پر اپنے  
 سمیت جوہری اور شہزادے کو بیٹھا دیا۔ ملاح حسب احکام کشتیوں کو دار الخلافہ کی طرف ہی  
 لیچے۔ مگر شہزادے اور جوہری کا دل خوف کے مارے بیٹھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ محل شاہی قریب  
 آگیا۔ اور شمس النہار اڑنا نہ چلی گئی۔ پھر ملاح نے جوہری اور شہزادے کو ایسی جگہ اتارا۔  
 جہاں سے وہ یہ سہولت اپنے گھر پہنچ سکیں۔ ہنر روز کے حکم سے چند سپاہی بھی اُنکے ساتھ  
 گئے جو انہیں جا کے شہزادے کے گھر پہنچوڑ آئے۔ اس وقت وہ دونوں ایسے بُرے حال میں  
 تھے کہ تن بدن کی بھی ہوش نہ تھی۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ جوہری اپنے گھر گیا جب دن ہوا  
 شہزادہ اسے سب و الم کے بیوش ہو کے گر پڑا۔ اُس کے گھر والے رہنے بیٹھے لگ گئے۔  
 اور ایک آدمی کو جوہری کے گھر کو دوڑا یا۔ کہ شہزادے کو کیا ہو گیا ہے۔ کچھ پتہ ہو تو اطلاع دے  
 جوہری آیا اور کہتے لگا۔ اطمینان رکھو۔ ابھی شہزادے کو آفاقہ ہوا چاہتا ہے اور وہی اپنا حال  
 سنا بیگا۔ پھر جوہری کو اپنے پاس لے گئے۔ جوہری کی آواز سن کر اُسے آنکھیں کھول دیں۔ اور  
 اس کے سے حال پوچھا۔ اُس کے متعلقین خوش ہوئے۔ اور جوہری سے باہر ارکستے لگے۔ کہ تم  
 عتقوڑی دیر اس کے پاس ہی تھرو۔ غرض وہ آدھی رات تک وہاں رہا۔ پھر شہزادے کے دو غلام  
 کو ہراہ لے گئے گھر آیا۔ جوہری کے رشتہ دار اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حقیقت حال  
 دریافت کرنے لگے۔ جوہری نے کہا پہلے بتاؤ۔ کوئی شخص میرا سبب بھی چھوڑ گیا ہے  
 اُس کے گھر والوں نے جواب دیا۔ ہاں! ایک آدمی آیا تو تھا۔ مگر میں نے اس کا منہ نہیں دیکھا اور  
 وہ صحن میں اسباب رکھ کے یہ جاوہ جا ہو گیا۔ یہ سن کر جوہری کو تسلی ہوئی اور بقیہ رات آرام



اہتوں نے کچھ اپنا پتہ نہیں بتایا اور نہ ہی ہم نے انکو اکٹھا کرنے دیا ہے۔ یہیں انکا خالی پوچھو  
 کی بھی جرأت نہیں پڑی۔ اسلئے کہ اُنکے چہروں سے ایک رعب صاف نکل رہا ہے اور یہی عیش  
 اُن کے سچاؤ کا بھی ثبوت ہے۔ ورنہ کب کے قتل ہو گئے ہوتے۔ اب ہم تم سے اُن کا حال دریافت  
 کیا چاہتے ہیں۔ اور تم اطمینان رکھو۔ کسی کو ذرا ایذا پہنچے گی۔ یہ سنکر جوہری کے کاڈ تو لٹو  
 نہیں۔ بدن میں عیش والی حالت ہو گئی اور کہنے لگا۔ گذرا ہوا وقت اتنا نہیں ۳۲۔ اس لئے  
 میں اُنکا راز ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ مگر امید ہے کہ وہ تھامے دلوں میں میری ہی  
 طرح محفوظ رہے گا۔ پھر علی بن بکار اور شمس الہنار کے تفتیش کا سارا حال کہنا پڑا۔ وہ بڑے  
 حیران ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔ کہ اگر ہمیں اُنکے رتبوں کا علم ہوتا تو ہرگز ایسی گستاخی  
 ہم سے سرزد نہ ہوتی۔ پھر وہ ایک ایک کر کے دونوں کے قدموں پر گئے اور عذر تقصیر کیا۔  
 پھر جوہری سے یوں ہم کمال نادم ہیں کہ آپ کا تمام اسباب واپس کرنا ناممکن ہے اسلئے  
 کہ اس میں بہت کچھ ہمارے ساتھی لپکتے ہیں۔ پھر باقی ماندہ اسباب جوہری کو دیدیا۔ اور  
 وعدہ کیا کہ اسے ہم تھامے مگر پہنچا آئیے۔ اور جب باقی کا بیگ وہ بھی واپس کر دیئے۔  
 پھر اُنکی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک شاہزادے کے ساتھ ہوئی اور دوسری جوہری کے  
 ہمراہ اور تینوں سے وعدہ لے لیا۔ کہ اُن کا راز کسی پر ظاہر نہ کیا جائیگا۔ اس کے بعد  
 جوہری شاہزادے شمس الہنار اور اسباب کو لبیک دریا کے وجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جوہری  
 لے شہزادے سے راستے میں دریافت کیا کہ شمس الہنار کی فونڈی اور تھامے نوکر کہاں گئے  
 اُنکا بھی کچھ پتہ ہے۔ مگر دو تو نے لا علمی ظاہر کی۔ اتنے میں یہ ساری جماعت اسجگہ پہنچ گئی  
 جہاں کشتی کھڑی تھی۔ جوہری نے دیکھا تو یہ وہی کشتی تھی۔ جسپر وہ کل آیا تھا۔ سب کے سب  
 اسپر بیٹھ گئے۔ ملاح نے زور زور سے کہینچکر بہت جلد اُسے پار لگا دیا اور سب کے سب  
 کشتی پر سے اسپر بیٹھ گئے۔ ملاح نے زور زور سے کہینچکر بہت جلد اُسے پار لگا دیا اور  
 سب کے سب کشتی پر سے اتر آئے۔ اتنے میں روند کے سپاہیوں کے گھوڑوں کے ٹاپوں  
 کی آواز آئی اور وہ ڈاکو دوڑ کر کشتی پر سوار ہو گئے اور شاہزادہ شمس الہنار و جوہری کو لپیٹ  
 والوں نے گرفتار کر لیا۔ پہلے وہ تینوں وٹھے۔ پھر جوہری لولا۔ صاحب! ہم شہر کے شرقا

دروازے پر کھڑے ہر نیکی طلوع دی۔ کہ میں اُسے نہیں پہچانتا اور وہ آپ کو ماننا چاہتا ہے۔  
جوہری یا ہر گیا۔ مگر بہتر اسوچا۔ اُسے پہچان نہ سکا۔ تاہم اُسے اندر لے آیا۔ جوہری نے پوچھا  
آؤ۔ کس طرح آئے؟ جواب ملا۔ مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے۔ مگر اپنے گھر کو چلو۔ جوہری بولا  
کیا تمہیں میرے دوسرے گھر کا بھی پتہ ہے۔ اجنبی نے کہا۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور میں  
تم کو ایک ایسی خبر بھی سناؤں گا جو تمہارے سب غم والہ کو دور کر دیگی۔ یہ سنکر جوہری اُسکے ساتھ  
ہو گیا اور وہ اُسے اُس مکان میں ایسی راہ سے لے گیا۔ جس کا جوہری کو بھی علم نہ تھا۔ پھر بولا۔  
یہاں کوئی دربان نہیں۔ اسلئے اسجگہ بھڑنا خطرناک ہے۔ چلو کہیں اور جگہ چلیں۔ جوہری  
بھی ساتھ ہو گیا۔ اور پیچ و پیچ گلیوں سے گذر کر دریا کے کنارے جا پہنچے۔ اب رات کی  
اندھیاری بھی چھا چلی تھی۔ کنارے پر پہنچ کر اجنبی نے سیٹی دی۔ اور فوراً ایک کشتی آ حاضر ہوئی  
ملائے دو نو کو اُسپر چڑھا لیا اور کشتی کو کھینچ کر بہت جلد دوسرے کنارے پر جا آتا رہا۔ پھر اجنبی  
نے جوہری کا ہاتھ پکڑا اور ایک ایسی غیر معروف گلی میں لے گیا جسے جوہری نے عمر بھر میں کبھی نہ دیکھا  
تھا۔ اور ایک دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا اور جیب دو نو داخل ہو لئے۔  
پھر بند کر کے مقفل کر دیا گیا۔ اجنبی جوہری کو ایک کمرے میں لے گیا۔ جہاں دس آدمی اور بھی  
بیٹھے تھے۔ جو ظاہری برتاؤ سے آپس میں بھائی بھائی معلوم ہوتے تھے۔ جوہری اور اُس کے  
ساتھ بیٹھے سب کو سلام کیا۔ انہوں نے بھی جواب سلام کا دیکر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جوہری بیٹھ  
گیا۔ مگر کثرت سفر سے بہت خفق گیا تھا۔ انہوں نے عزت سے جوہری پر نگاہ جھڑکا۔  
اتنے میں کھانا بھی آگیا۔ جب فراغت ہو چکی تو سب کے سب ایک اور کمرے میں آ بیٹھے۔ پھر  
وہ جوہری سے پوچھنے لگے کیا تم یہیں پہچانتے ہو۔ جوہری نے انکار کیا۔ وہ بولے۔ مگر میں  
تمہارا سب حال معلوم ہے اور اب تمہاری زبان سے بھی سننا چاہتے ہیں لیکن جھوٹ بولنے  
کو یاد رکھنا۔ جوہری نے کہا۔ میرا حال بڑا عجیب ہے۔ مگر پہلے تم بیان کرو۔ کہ تم میری بہت  
کیا جانتے ہو۔ وہ بولے۔ کل ہم نے تمہارا گھر لوٹا تھا۔ اور تمہارے گھانوں کو اپنے ہارہ لے  
آئے تھے۔ یہ سنکر جوہری کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی ڈاکو ہیں۔ اور بیتاب ہو کر پوچھا تو اب وہ  
میرے گھان کہاں ہیں۔ انہوں نے اشارے سے بتایا۔ کہ وہاں آرام کر رہے ہیں۔ مگر

# تصویر قرآن مسیح کی



پھر بھائی ہو۔ اب مجھے مشورت دو۔ کہ کیا کروں۔ اسباب کے لیے تو میں اپنے دوستوں سے مشورت کر رہی ہوں۔ اور جب وہ تجویز سن لیں گے کہ میرے گھر میں ڈاکہ چڑھے تو آپ ہی مجھے مشورہ سمجھیں گے۔ مگر اپنے ہمانوں کو اب کہاں سے ڈھونڈوں۔ ہمسایہ نے جواب دیا۔ تم اب چپ چاپ گھر جا بیٹھو۔ انہی ڈاکوؤں نے خلیفہ کے محل میں بھی چند روز پہلے ڈاکہ ڈالا تھا اور قاضی کا گھر بھی انہوں نے ہی لٹا تھا۔ اب شاہی گارد کے سپاہی ہر طرف آنکلی غاش میں ہیں کیا تعجب ہے۔ کہ وہ جلد تر پکڑے جائیں اور تمہارا مقصد خود بخود حاصل ہو جائے۔ جو ہر ہی تیسارے کا مشورہ سن کر گھر جا بیٹھا اور سوچنے لگا۔ ابو الحسن نے بہت عقل مندی کی کہ بصرے کو چار گایا مگر اپنی بیوقوفی سے میں خود پلا میں بھٹنا۔ دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے۔ اتنے میں اسے گھر سے لوٹے جاتے کی غرما سے ملہر میں مشہور ہو گئی۔ لوگ ہر طرف سے انٹاراشوس کے لئے آئے لگے۔ وہ دوڑتا تھا اور وہ کچھ کھاتا تھا نہ پیتا تھا۔ کٹھڑی دیر کے بعد غلام نے ایک آدمی کے

گھر کی کایا کو پٹا ہوا دیکھ کر حیران ہوئی۔ پھر کہا کہ میں بی بی کو لاتی ہوں۔ تم اب شہزادے کو بلا لاؤ۔ جوہری نے کہا شہزادے کو بھی تم ہی لاؤ۔ وہ گئی اور بڑی احتیاط سے شہزادے کو وہاں لائی۔ بیٹے عزت کیساتھ اُسے مسند پر بٹھایا اور اُسکے سامنے کچھ کھاتے کو رکھا۔ نوڈھی گھر کو چلی گئی اور شام کے وقت جب اندھیرے نے دنیا پر اپنی چادر بھیلائی۔ بی بی کو ساتھ لئے ہوئے آئی۔ شہزادہ شمس النہار کی شکل دیکھتے ہی اٹھا۔ مگر جویش اشتیاق میں غش کھائے گر پڑا۔ جب فدا ہوش آئی دو نو گھلے اور مسند پر بیٹھ کر راز و نیاز اور پیار و محبت کی باتیں کرنے لگے۔ جوہری کی مہربانی کا بھی شکریہ ادا کرتے جاتے تھے۔ پھر دو نو نے بل کے کھانا کھایا اور شراب پییا۔ جب فراغت پا چکے شمس النہار نے جوہری سے کہا۔ میں آپ کی کمال مہربانی کی کمال مستون ہوں۔ لیکن اگر کوئی ساز ہو تو لا دیجئے۔ میں سچاے درود دل ظاہر کروں گی۔ جوہری نے ایک ستار لا کے سامنے رکھ دیا جیسے بھسک کر کے شمس النہار نے سبانا شروع کیا۔ اور ابسی جا بکدستی دکھائی کہ حسین باندھ دیا۔ اور جب اس شعر پر پہنچی اُسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

خواہم کہ برال سینہ نغم سینہ خور  
تادل تو گوید غم دیر یہ خود را  
غرض جب گانا ہو چکا تو جوہری آنکو وہیں چھوڑ کر اپنے سکونت مکان میں چلا گیا۔ رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی۔ نماز پڑھ کے اور قہوہ پی کر چاہتا تھا کہ شہزادے اور شمس النہار کی خبر لے کہ اتنے میں اُسکا ہمسایہ آ گیا۔ اُسکے چہرے پر ہوا یاں اُڑ رہی تھیں۔ اور وہ کھڑا کانپ رہا تھا اور کہتے لگا۔ کل رات تمہارے دوسرے گھر میں جو واقعہ گذرا اُس سے تمہیں کچھ نقصان تو نہیں پہنچا۔ بیٹے کہا مجھے تو کسی وقعہ کی خبر نہیں۔ اُسے جواب دیا۔ تو اُمنوس ہے۔ کل شام کو بیٹے تمہیں دوسرے گھر میں اسباب بیجا تے دیکھا تھا۔ رات وہاں جو رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ سب سامان لیکے اور تمہارے مکان کو بھی قتل کر گئے جوہری کی آنکھوں میں اندھیرا اچھا گیا۔ وہ فوراً اٹھا۔ اور اُس مکان کو گیا مگر چر وہاں کچھ چھوڑ گئے ہوتے تو نظر آتا۔ ناچار سر پیٹ کے بیٹھ گیا۔ مال و اسباب کے جانیکا اُسے فکر تھا ہی کہ دوستوں سے مستعار لیا تھا۔ اب اُنکو کیا منہ دکھائوں گا۔ مگر شہزادے اور شمس النہار کے گم ہونے نے تو اُسکے اُتھوں کے طوطے اُڑا دیے۔ پھر اُسی ہمسائے سے پوچھنے لگا۔ تم

اور شہزادہ علی بن بیک کی طرف یہ خوشخبری سننے کے لئے روانہ ہوا۔ جب اُسکے مکان پر پہنچا غلام  
اُسے شہزادے کے پاس لیگئے۔ دیکھا کہ غریب صاحب فراموش ہو رہا ہے۔ آواز دی۔ شہزادے  
کیا حال ہے۔ علی بن بیک نے جواب دیا۔ تپِ فرقت میں مریا ہوں اور کیا حال تھاؤں۔ جو ہری نے  
جواب دیا جب سے میں تم سے جدا ہوا ہوں۔ اس فکر میں میری بھی آنکھ نہیں لگی کل لوڈی ٹہل رہا  
کو میرے مکان پر آئی تھی۔ رستہ رکھو۔ اب کوئی نہ کوئی تدبیر تمہاری ملاقات کی بھی نکل ہی آئیگی  
اور مجھے یقین ہے کہ شربتِ دیدار کے بغیر تمہارا تپ نہیں اتر سکتا۔ میرے سکونتی مکان کے جنوب  
میں میرا ایک اور فراخ مکان بھی ہے۔ وہیں بیٹے باہم ملنے کی تجویز کی ہے۔ شہزادے نے  
خوش ہو کر اُسکا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ تم مالک ہو جس طرح چاہو کرو۔ اب مجھے یقین ہوا ہے کہ  
میں اپنی مراد کو پہنچ جاؤں گا۔ جو ہری نے رات وہیں بسر کی۔ اور صبح کی نماز پڑھ کے اپنے گھر آیا۔  
مٹھوڑی دیر کے بعد وہ لوڈی بھی آگئی۔ جو ہری نے اُسے شہزادے کی حالت زار سننے کے کہا جس  
طرح ہو سکے خدا کے لئے اپنی بی بی کو یہاں لاؤ۔ لوڈی بولی۔ تم کہتے تو سچ ہو۔ میری بی بی بھی  
شہزادے کے لئے تڑپ رہی ہے۔ مگر تمہارا مکان اُسکے قابل نہیں ہے۔ جو ہری نے کہا۔ میرا  
ایک مکان اور بھی تو ہے۔ جس میں صرف وقتاً فوقتاً میرے دوست ہی اکٹھے ہوا کرتے ہیں۔ وہ چار  
کی رائیٹ کے قابل ہے۔ تم چل کے اُسے دیکھ ہی نہ لو۔ پھر دو نو اُس دوسرے گھر میں گئے۔  
جسکا ذکر جو ہری نے شہزادے سے بھی کیا تھا۔ لوڈی نے اُسے پسند کیا۔ اور کہا۔ اب میں اپنی  
بی بی کے پاس جاتی ہوں۔ اور جو تم نے کہا ہے اُسے جاگتی ہوں۔ یہ کہہ اُل سے شش الہنا  
کے پاس آئی۔ شش الہنا نے بھی اُسے پسند کیا اور اشرافیوں کی ایک پتیلی جو ہری کو بھیجی کہ اس سے  
سامانِ ضیافت تیار کر رکھا۔ لوڈی نے شش الہنا کا حکم سن کر جب پتیلی پیش کی تو جو ہری نے  
اُسکے لینے سے انکار کیا اور کہا۔ کہ ان کا دیا یہاں بہت کچھ ہے۔ لوڈی نے یہ سن کر اشرافیاں اُس  
لیگئی اور بی بی کے سامنے جا کے رکھ دیں کہ وہ انہیں نہیں لیتا اور لوڈی لگی اور اُدھر  
جو ہری نے دوستوں سے سامانِ آرائش عاریتہ لیکر مکان کو آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا  
نہ رکھا۔ بجائے۔ قاتوس شیش گری۔ ظروف نفرتی و سنہری ریشہ قابلین انواع و اقسام کے  
کھانے شراب اور میوے مغرض ہر چیز نہایت قرینے سے لگائی گئی۔ لوڈی پھر آئی۔ اور خدا جلد

ہاں! اگر تمہاری بی بی صاحبہ مجھے دیکھنا چاہتی رہی ہیں تو انہیں جانکے سمجھا دو کہ مجھ سے کسی ایسی جگہ  
 ملیں جو شاہی محل سے دور ہو۔ میں وہاں نہیں جاسکتا۔ لونڈی نے بہتیری دلیری دلائی چاہی  
 مگر جوہری نے ایک بھی نہ سنی۔ آخر لونڈی سمجھ گیا۔ اچھا! اگر تم وہاں نہیں چل سکتے تو ہمیں ٹھہرو  
 میں اپنی بیگم کو ہمیں لئے ہوں یہ کہہ کر ہر نکل گئی اور نقوڑی دیر بعد آگے پوچھنے لگی۔ تمہاری  
 لونڈیاں غلام کہاں ہیں؟ جوہری نے جواب دیا۔ کہ میرے ہاں ایک ہی بڑھیا کالی بچھنگا لونڈی ہے  
 جو میری خدمت کرتا رہے اور کوئی نہیں۔ لونڈی نے یہ سنکر ہر طرف کا دروازہ مقفل کر دیا جہاں  
 وہ بوڑھی لونڈی رہتی تھی اور سب غلاموں کو باہر نکال دیا۔ یہ سب انتظام کر کے آپ بھی وہاں سے  
 نکل گئی اور نقوڑے عرصہ کے بعد ایک پردہ دار عورت کو ہمراہ لئے اندر آئی۔ اس کے اندر قدم رکھنے ہی  
 سارا مکان جھک اٹھا۔ جوہری تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور بیٹھنے کے لئے کرسی آگے۔ وہ بی بی  
 نقوڑی دیر تک چپ رہی۔ پھر آرام کر کے نقاب اتار دیا۔ جوہری نے اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر  
 خیال کیا کہ اس کے مکان میں سورج نکل آیا ہے۔ پردہ بی بی اپنی لونڈی سے مخاطب ہوئی۔ جس کا  
 بڑا آنے کا مجھ سے کیا تھا۔ لونڈی نے کہا۔ اں حضور؟ یہ شکر وہ بی بی جوہری کی طرف مخاطب  
 ہوئی کہ آپ کا کیا حال ہے۔ جوہری نے دعاوی اور عرض کیا کہ خدا کا فضل ہے۔ پھر بال سچل  
 کی خیریت پوچھی اور کہا جس مقصد کے لئے ہیں یہاں آئی ہوں یقیناً اس سے نہیں آگا، ہی  
 ہوگی۔ جوہری نے شک یہ ادا کر کے سب حال کہہ سنایا کہ کیونکر ان دونوں کے درمیان توفیق کا راز  
 اسپر لکھا۔ وہ بی بی ابوالحسن کے چلے جانے پر انفس ظاہر کرنے لگی کہ دنیا بڑی خود غرض ہے اور  
 باتوں میں مال دینا چاہتی ہے مگر کوئی رات بھٹی کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ خراب ہماری عزت  
 اور ہمارا پردہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ میری لونڈی محرم راز ہے اسی لئے میں اسے سب  
 سے غریب سمجھتی ہوں اور خاص کا نام اسی کے پسر ذکر رکھے ہیں۔ آپ بھی اسے نہایت معتبر پائیں گے  
 کوئی بات ہمارے متعلق ہو بلا تامل اسے کہہ دیجئے۔ یہی شہزادہ کے لئے میرا پیغام ہے کہ آپ  
 اسے پاس آیا کر لیں۔ اور پھر آپ کو وسیلہ بنتا ہوگا۔ زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ تم خود ہی  
 دانا ہو۔ یہ کہہ کر اٹھی۔ جوہری بھی دروازے تک وداع کرتے اور جب واپس آئے اپنی سند پر  
 بیٹھا تو مسکے حسن و جمال کو یاد کر کے کہنے لگا۔ شہزادہ کیوں نہ ایسا ہی قرار ہو۔ پھر کھانا کھایا

شہزادے کے عشق کی داستان سن و عن سنا دی۔ جوہری بولا تو نے سچ کہا۔ مجھے بھی یہ سب ایسا ہی معلوم ہے جیسا کہ تم کو۔ پھر جوہری نے شہزادہ علی ابن یکا سے ملنے۔ اسکا دل لینے اور لونڈی کے اعتراض کی ساری کیفیت بیان کی۔ جسے سنکر لونڈی کو اطمینان ہوا۔ اور جوہری سے رقعہ لیکر شہزادے کی طرف چلی۔ پھر رقعہ دیتے سے پہلے جوہری نے وعدہ کیا تھا کہ شہزادہ جو کچھ جواب دینگے مجھے بھی دکھائی جائیو۔ غرض وہاں سے جلد لوٹ آئی اور جو جواب لائی تھی۔ جوہری کو بھی دکھا دیا۔ جوہری کو شہزادے کے خط کا مضمون پڑھکر بڑا رحم آیا۔ پھر لونڈی نے کہا۔ کل تم گھر میں ہی ٹھہریو۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی بیگم سے بھی تمہارا تعارف کرا دوں۔ اور تمہاری نسبت اُن سے میں نے جو کچھ پہلے ناواقفی کی حالت میں غلط بیان کیا تھا۔ اس کی غلطی کروں نیز وہ میری سخت منتظر ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ تو جلدی اور جوہری کو رات بھر تشویش کے مارے بننے نہ آئی۔ جب صبح ہوئی نیاز سے فراغت پا کر اسکا منتظر بیٹھا۔ اتنے میں وہ بھی آگئی اور اب اس کے چہرے سے فرحت چمک رہی تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی جوہری نے پوچھا۔ کہو کیا خبر ہے؟ لونڈی بولی۔ جب میں تمہارے پاس سے گئی۔ رقعہ جانتے پیش کر دیا۔ اُسے پڑھ کے بیگم تفکر ہو گئی۔ شہزادے نے لکھا تھا کہ ابو الحسن ابصرے کو چلا گیا ہے۔ مگر میں نے سمجھا دیا۔ کہ بیگم صاحبہ! آپ سخت ہیں۔ بیٹے ابو الحسن کا نعم البدل پالیا ہے۔ جو رازداری اور لدا میں ابو الحسن سے زیادہ مفید ہوگا۔ بلکہ بیٹے تمہارے اور ابو الحسن کے درمیان جو تعلق تھا وہ بھی ظاہر کر دیا اور بھی بتا دیا کہ تم کو نہ شہزادے تک پہنچے۔ اور مجھ سے تمہاری کیونکر واقفیت ہوئی۔ مجھ سے رقعے کا گرنا اسکا راہ سے پانا۔ اور ہمارے مابین جو قرارداد ہوئی تھی۔ وہ سب بیٹے اپنی مالک کے گوشہ گزار کردی اور اب وہ تمہیں دیکھ کر تمہارے منہ سے یہ سب باتیں سُنتا چاہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس بلے میں تالید کرے۔ پس اب تم میرے ساتھ محل کی طرف چلو جوہری لونڈی کی آخری بات سنکر سوچنے لگا کہ میرا محل میں چلنا سخت خطرناک ہے۔ اس لئے لونڈی سے بولا۔ تمہاری بی بی مجھے ابن طاہر کی طرح محل میں بٹاتی ہیں۔ لیکن کیا انہیں معلوم نہیں کہ ابن طاہر کو دارالخلافت میں سب چھوٹے بڑے جانتے تھے اور پہچانتے تھے۔ میں ابو الحسن نہیں ہوں۔ محل میں اجنبی محض ہوں۔ اس لئے میرا وہاں جانا سخت نامناسب ہے۔



شکر یہ ادا کر کے ساری کیفیت گوش گزار کر دی۔ پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ گویا اس امر کا فیصلہ دل ہی دل میں کر رہا ہے۔ آخر کہنے لگا کیا تم چلتے ہو کہ اُس لونڈی نے تمہاری بات مجھ سے کیا کہا تھا۔ جوہری بولا۔ خدا کی قسم مجھے بھی علم نہیں ہے۔ شہزادے نے جواب دیا مجھ سے کتنی تھی۔ کہ اس شخص نے ابوالحسن کو بھرے کی طرف چلے جانے کی صلاح دی ہے بیٹے اسے سمجھایا بھی کہ یہ خیال غلط ہے۔ مگر اُنے ایک نہ مانی۔ اور وہ تم سے سخت بدگمان ہے۔ اب بتاؤ کہ اس امر خاص میں تمہیں کیونکر واسطہ بنایا جائے۔ جوہری بولا۔ بیٹے آپ کا مقصد مجھ لیا بگرا طبعان رکھیں۔ انشاء اللہ کوئی نہ کوئی تدبیر ہو ہی جائیگی۔ کہ میں آپ کو حصول مراد کیلئے جو دی پوری مدد دوں گا۔ شہزادے نے کہا۔ مگر جب وہ تم سے اس قدر نفرت رکھتی ہے تو تم تدبیر کیا کرو گے۔ جوہری نے جواب دیا۔ دیکھتے جائیے۔ پردہ عیب سے کیا طور میں آتا ہے۔ کوئی تدبیر اس سے راہ و رسم بڑانے کی کروں گا ہی۔ جس سے سانپ بھی مر جائے اور لالچی کو بھی اندازہ نہ پئے مگر آپ بالکل بے فکر رہئے۔ آپ کا راز میری جان کے ساتھ ہے۔ پھر گھر جانے کی اجازت مانگی۔ شہزادہ رو پڑا اور المیہ کی۔ کہ اب ابوالحسن کی جگہ تم ہی میرے نموار ہو۔ دیکھنا بھول نہ جانا۔ غرض جوہری وہاں سے گھر کو روانہ ہوا اور رستے میں سوچتا آتا تھا کہ اس بارے میں اب کیا کرنا چاہئے۔ بڑی مشکل بن گئی ہے کہ اتنے میں اُسکی نظر کا غدر پڑ گئی۔ اُٹھایا اور پڑھا تو وہ ایک رقعہ تھا جس کا مضمون راز و نیاز سے بھرا تھا۔ جوہری ابھی اُسے ختم نہ کر چکا تھا۔ کہ ایک لونڈی اوپر آدھر کچھ تلاش کرتی وہاں آگئی اور جوہری کے اُتارے میں رقعہ دکھاکر بولی۔ صاحب یہ رقعہ مجھ سے گر پڑا ہے۔ اگر عنایت ہو جائے تو دہرائی ہوگی۔ مگر جوہری نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور چپ چاپ گھر کو قدم اُٹھایا۔ لونڈی بھی پیچھے پیچھے ہوئی جتنی کہ دو ٹوکھر میں جا پہنچے۔ اور لونڈی نے پھر وہی بات کہی۔ جوہری بولا۔ بہت دُور ہو گیا مجھے سچ سچ سارا حال بتا دو۔ اور میں تمہیں حلف اُٹھا کے یقین دلاتا ہوں۔ کہ مجھ سے تمہاری ہیکم کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ میرے ہاتھ سے تم کی مشکلات سہل ہو جائیں۔ لونڈی یہ باتیں سن کر کچھ سہم سی گئی۔ مگر پھر بولی۔ مجھے اطمینان ہے کہ آپ نے اس راز کی کماحقہ حفاظت کی ہے۔ میں اب آپ سے راضی ہوں اور آپ کو سب سنا دیتی ہوں۔ لیکن آپ مجھے یہ رقعہ دیدیں۔ پھر جوہری کو شمس الہمار اور

پھر شہزادے نے سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم کو آواز دی۔ اور فرمایا۔ کہ ذرا ابوالحسن کے گھر تک توجاؤ۔ اور پوچھ آؤ۔ کہ وہ یہیں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اگر کہیں گھر میں کو چلا گیا ہوا ہے تو یہ بھی پوچھ آنا۔ کہ کہاں گیا ہے۔ سو کہ ابوالحسن کے گھر کو روانہ ہوا۔ اور تھوڑی دیر بعد کے جواب دیا۔ کہ وہ تو بصرہ کو چل دیا۔ لیکن اُسکے دروازے پر بیٹھے ایک لڑکی کو کھڑا پایا جس نے مجھ پہچان لیا۔ مگر میں نے اُسے ہرگز نہیں پہچانا۔ کہتے لگی کہ وہ آپا کے لئے کسی عزیز کا بیٹا نہیں آئی ہے۔ اسلئے میں اُسے ساتھ لایا ہوں اور اب دروازے پر کھڑی ہے۔ حکم ہو تو اندر آؤں۔ شہزادے نے جواب دیا۔ بہت جلد بلاؤ۔ غلام یا ہر گیا۔ اور لڑکی کو ساتھ لے آیا۔ جو ہری نے اُسے خوب غور سے دیکھا۔ پھر لڑکی اندر آگئی اور شہزادے کو سلام کر کے بیٹھ گئی۔ جو ہری باہر چلا گیا۔ پھر خدمت میں لڑکی نے شمس النہار کا پیغام سن کر شہزادے کو قسم دی۔ کہ جو ہری سے ہرگز اس معاملہ کا ذکر نہ کرے۔ یہ لڑکی لڑکی تو چلی گئی۔ جو ہری اندر آیا اور وقت کو غنیمت سمجھ کر سلسلہ کلام یوں ہلایا۔ اس لڑکی کے آنے سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ بلاشبہ آپ کا خلیفہ کے محل سے کچھ تعلق ہے۔ شہزادے نے پوچھا۔ تمہیں کس نے بتایا۔ جو ہری نے جواب دیا۔ میں اس لڑکی کو پہچانتا ہوں یہ شمس النہار کی راز دار لڑکی ہے اور بار ہا میرے پاس جاہرات لینے کے واسطے رقعے لایا کرتی ہے۔ میں اسے معتبر تصور کر کے بیش قیمت جاہرات دیدیا کرتا تھا۔ علی بن یحییٰ یہ سُن کر گھبراہٹ میں پڑ گیا اور دُرا۔ کہ معاملہ ہی نہ بگڑ جائے۔ پھر اس پر جا کر کے جو ہری سے پوچھا۔ دوست! سچ بتاؤ۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ جو ہری نے جواب دیا۔ آپ اتنا صبر رکھیں کہتے ہیں۔ شہزادہ علی بولا۔ نہیں۔ یہ تو میں پوچھ کے ہی رہوں گا۔ جو ہری نے جواب دیا۔ کہ میں ایک شرط سے بتاؤں گا اور وہ یہ ہے۔ کہ مجھے حقیقت حال اور اپنی مرض سے بھیک بھیک طور پر آگاہ کر دو۔ پھر میں بھی تمہیں کچھ بتاؤں گا۔ شہزادے نے جواب دیا۔ میں دُرتا ہوں کہ کسی سے بھی نہ ظاہر ہو جائے۔ جو ہری بولا۔ جب میں محض تمہاری بے غرضی محبت کے لئے یہاں آیا ہوں۔ تو تم مجھے خیال کر سکتے ہو کہ میں تمہارا دُعا کا راز نہ بتاؤں گا۔ اور میرا آنا ہی محض اس غرض سے کہ ابن ہار جیسی تھواری اور ضد منگداری بجا لاؤں۔ شہزادے کو یہ سُن کر بہت تسلی ہوئی۔ اور جو ہری کا

کوچ بول دیا۔ تیسرے دن جب وہ جوہری ابو الحسن کی دکان پر سے گذرا دکان کو بند پا کر رخصت  
ہوا۔ اُسکے ہمسایوں سے پوچھا۔ جواب ملا۔ اُسے تو آج تین دن بھرے کو گئے ہوئے ہو گئے ہیں  
وہاں اُسکے کچھ قرضدار تھے۔ اُن سے قرضہ وصول کرنا تھا۔ اُمید ہے کہ جلدی ہی آجاریگا۔ پھر  
وہ سوچنے لگا۔ کہ عاشق و معشوق کا اب کیا حال ہوگا۔ اُس غریب الوطن کا اس شہر میں ابو الحسن  
کے سوا اور کوئی واقف بھی نہ تھا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا۔ کہ ابو الحسن کی جگہ شہزادہ کو میں مدد  
دوں گا۔ اور ایک حیلہ سے شہزادے کے دروازہ پر جادو تک دی۔ غلام نے نام اور کام پوچھا  
جواب ملا۔ اُسے تو آج تین دن بھرے کو گئے ہوئے ہو گئے ہیں۔ وہاں اُسکے کچھ قرضدار  
تھے اُن سے قرضہ وصول کرنا تھا۔ اُمید ہے کہ جلدی ہی آجاریگا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ عاشق  
و معشوق کا اب کیا حال ہوگا۔ اُس غریب الوطن کا اس شہر میں ابو الحسن کے سوا اور کوئی واقف  
بھی نہ تھا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ ابو الحسن کی جگہ شہزادہ کو میں مدد دوں گا۔ اور ایک حیلہ سے  
شہزادے کے دروازے پر جادو تک دی۔ غلام نے نام اور کام پوچھا۔ جوہری نے جواب دیا  
اپنے آقا سے میرا سلام کہو۔ اور عرض کرو۔ کہ ایک آدمی نیاز حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔  
غلام فوراً واپس آگیا۔ اور آقا سے اجازت لیکر جوہری کو اندر لے گیا۔ سلام دے کے بعد ویرس  
حاضر خدمت نہ ہو سکنے کی معذرت کی اور کہنے لگا۔ ابو الحسن میرا عزیز دوست ہے جیسی کہ  
میں اُسکے راز جانتا ہوں اور وہ میرے اسرار سے آگاہ ہے۔ ہم ایک دم بھی آپس میں جدا  
نہ ہوتے تھے۔ تھوڑے دن ہونے میں چند دوستوں کے ساتھ یا ہر چلا گیا تھا۔ جب  
واپس آیا۔ ابو الحسن کی دکان کو بند پایا۔ ہمسایوں سے پوچھا تو وہ کہنے لگے۔ کہ ابو الحسن  
بھرے کو چلا گیا ہے اور میں اُسکے کسی ایسے دوست کو نہیں جانتا۔ جو آپ سے بڑھ کر  
کہا آپ براہ ہرانی مجھے کچھ ابو الحسن کی بابت بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ بھرے کو کیوں گیا ہے  
علی بن بکا کارنگ یہ سن کر زرد ہو گیا۔ اور غلطی کے نشان اُس پر ظاہر ہونے لگے۔ بولا۔  
میں تو ابھی تک یہ بھی نہیں سنا۔ کہ وہ کہیں کو چلا گیا ہے۔ اور جب سے آپ نے یہ خبر  
سنائی ہے۔ میرا جی بیتاب ہو رہا ہے۔ آہ! یہ  
سیاہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا، کہ تاریکی میں سایہ بھی حصار تھا ہر نہاں سے

اپنے مجبور کے پیغامبر کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا۔ اور صفحہ کے سبب اسٹائے سے شمس الہنار کی چھریٹ  
 دریافت کی۔ لوندی نے کہا۔ خیریت ہے پھر ابو الحسن نے اپنے آنیکا سبب بتایا اور لوندی نے  
 رقم پیش کر دیا۔ رقم کو لیکر پہلے تو جانا۔ پھر سر پر رکھا اور پڑھتا اس قدر سرور ہو کہ لوندی مان  
 گئی۔ پھر جواب لکھا۔ اور لوندی کو دیکر کہا۔ بیگم کو بے سلام کہیو۔ اور انہیں میرا حال بھی بتا دیجو  
 اور عرض کیجیو کہ تمہاری محبت میں مر رہا ہوں۔ اس دریلے ہلاکت سے سوائے تمہارے اور  
 مجھے کوئی نہیں نکال سکتا۔ اسلئے مجھ پر رحم کرو۔ پھر دوڑا۔ لوندی بھی متاثر ہو کر آنکھوں میں  
 آنسو پھیر لائی۔ پھر دواغ چاہی اور خدمت ہو کر ابو الحسن کے ساتھ شہر لے کے مکان سے نکل  
 تھوڑی دور جا کر لوندی تو محل کو چلی گئی اور ابو الحسن وہ کانپڑ آیا۔ دوکان پر آ کر ابو الحسن نے اپنی  
 طبیعت کو بہت خراب پایا۔ اسکا سینہ تنگ ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا۔ کہ یہ بات کیا ہے۔ محل میں  
 اسے فکر لگ گیا تھا کہ دو بکا حال بہتر ہوتا جا تا ہے۔ کینز کا ہر روز میرے پاس آنا۔ اور میرا  
 شہر لے کے پاس جان مناسب نہیں۔ اگر یہ راز خلیفہ کے کانوں تک پہنچ گیا تو بڑی سبے گئی  
 جان و مال پر ہی بٹاؤ ٹھیکگی۔ اہل و عیال بھی قابو آ جائیگے۔ اور عزت پر مفت میں پاتی پھر با بیٹھا۔  
 اسلئے بہتر یہ ہے کہ میں اس شہر ہی کو چھوڑ جاؤں۔ لیکن انہی اذکار میں بیٹھا تھا کہ اسکا ایک  
 دلی دوست جو جوہری کا پیشہ کرتا تھا اسے ملنے کے لئے آیا۔ اسے شمس الہنار کی کینز کو دیکر بار  
 اسلئے پاس آتا دیکھا تھا۔ اب اسے تشکر پا کر اندازہ کیا کہ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ آخر  
 وہ ابن ظاہر سے پوچھ ہی بیٹھا۔ کہ مے یار! شمس الہنار کی کینز تمہارے پاس بار بار کیوں آتی ہے  
 ابو الحسن نے جواب دیا۔ اپنے ہی کام کے لئے آتی ہوگی۔ جوہری بولا۔ اگر وہ کام کیا ہے۔ مجھے بھی  
 تو آگاہ کرو۔ جب ابو الحسن کو یقین ہو گیا کہ وہ امر واقعی سے اطلاع پائے بغیر نہ ملتے گا تو اس  
 سے راز داری کا وہرہ لیکر سچا چٹھا کھول دیا۔ اور آخر میں کہنے لگا۔ میرے تشکر کرنے کا بھی یہی  
 سبب ہے۔ کہ میں ڈرتا ہوں۔ اگر خلیفہ تمہارے راز پہنچ گیا تو زندگی محال ہے۔ اسلئے اب ارادہ ہو  
 کہ ابھرے کو چلا جائیں تاکہ میری بھی عزت کی سبے اور وہ بھی بے نام نہ ہوں۔ جوہری نے جواب دیا  
 تم نے واقعی ایسے کام پر اتر کر رکھا ہے جو بہت ہی خطرناک ہے۔ اور یہاں سے چلنے پانے  
 کی رائے بھی غلط نہیں۔ یہ سنا کر ابو الحسن گھر کو چلا اور شہر کی تیاری کرنے لگا۔ تین دن کے بعد وہاں سے

معت میں اپنے تئیں ہلاک کرنے لگی ہیں۔ اپنے محبوب کی خاطر صبر کیجئے۔ اتنے میں کسی نے ایک شعر پڑھا۔  
 کہ فراق کے پیر صبر کا اب کیا کام ہے۔ انہیں پھر غش آگیا۔ خلیفہ نے شمس الہمار کی حالت جب پھر  
 متغیر پائی۔ دوڑا آیا۔ اور حکم دیا کہ شراب وہاں سے اٹھالی جائے اور سپ لوڑیاں اپنے اپنے  
 محلوں کو چلی جائیں۔ باقی رات خلیفہ نے وہیں گزار دی۔ جب صبح ہوئی طیب آکھٹے ہوئے۔ مگر وہ  
 بیماری کی تشخیص نہ کر سکے۔ خیر! تھوڑے دن چڑھے تک غریب کو کچھ ہوش آئی۔ اور جب بیٹے  
 معلوم کیا کہ اب وہ پہلے سے اچھی ہے۔ تو اور لونڈیوں کو وہاں بھجور کر اب ہمارے خبر لینے آئی ہوں  
 ابو الحسن نے کہا اب تم جاری جاؤ اور میری طرف سے اپنی بیگم کو سلام عرض کر کے تسلی دیں۔ اور کہنا کہ  
 خدا کے لئے راز کو چھپانے کی کوشش کریں۔ اس طرح سے تو راز نہ چھپے گا۔ اور کہنا کہ میں ہوش میں ہوں  
 خدا جو کرے گا اچھا ہی کرے گا۔ مگر کچھ ہوتے بہت مشکل ہیں۔ پھر وہ لونڈی چلی گئی اور ابو الحسن شام تک دوکان  
 پر ہی بیٹھا رہا جب اندھیرا چھا گیا۔ دوکان بند کر کے شہزادے کے گھر کو روانہ ہوا۔ دروازے پر  
 پہنچ کر دستک دی۔ اندر سے ایک غلام آیا اور شہزادے کے پاس ہی لیگیا۔ شہزادے نے شکایت  
 کی کہ آج آپ نے بڑی دیر کر دی۔ مینے تو بڑا ہی انتظار کھینچا ہے۔ خدا کے لئے اس قدر نہ ترسایا کرو۔  
 ابو الحسن بولا۔ اب ان باتوں کو نہ کر رکھیں اور مطلب کی بات سن لیں۔ آج لونڈی آئی تھی۔ پھر کتے  
 شمس الہمار کا جو حال سنا تھا علی ابن بکا کو بھی سنا دیا۔ شہزادہ رو پڑا۔ اور بولا۔ خدا کے لئے اب کوئی  
 جلد حیلہ نکالو۔ اور ہمیں اس مصیبت سے نکالو۔ پانی اب حد سے گزر گیا ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا  
 میں سوچ ہی رہا ہوں۔ انتشار اللہ جلد کوئی مدد کوئی تدبیر نکل ہی آئے گی پھر دواع ہو نیک گاہ شہزادہ  
 نے التجا کی۔ کہ آج رات اگر یہیں قدم نہ فرماؤ تو پھر پرا حسان کرو گے۔ ابو الحسن نے مان لیا اور  
 دونوں باتوں میں مشغول ہوئے۔ حتیٰ کہ باتوں ہی باتوں میں پھر شہزادے پر جوش اشتیاق غالب  
 آگیا اور وہ غش میں جا پڑا۔ صبح تک یہی حالت رہی۔ جب دن نکلا۔ کچھ ہوش آئی تو ابو الحسن جا رہے  
 لیکن دوکان کو گیا۔ اتنے میں پھر وہی لونڈی آگئی اور اسے سلام کیا۔ پھر بولی۔ میری بی بی نے  
 شہزادے کا حال پوچھا ہے اور ایک رقمہ دیا ہے۔ اسکے جواب کی ضرورت ہے۔ کیا تم جلدی کرے  
 میرے ساتھ شہزادے تک چل سکو گے۔ ابو الحسن نے کہا کیوں نہیں۔ اور فوراً دوکان بند کر کے  
 ساتھ ہوا۔ کئی گلیاں اور کوچے طے کرتے دو شہزادے کے مکان میں جا ڈھل ہوئے۔ شہزادہ

بجائی ابو الحسن میں کیا بتاؤں۔ کیا میں اپنے اختیار میں ہوں؟ میں تو کتنی مصیبت کے منہ میں  
 پھنس گیا ہوں۔ جہاں سے سوائے موت کے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔  
 میرے پار ایسی بے اختیاری بھی کیا۔ تم صبر کرو۔ دیکھو تو مصیب الاسباب کیا کچھ اسباب پیدا  
 کروٹیا ہے۔ ذرا اٹھو۔ بیٹھو۔ دھیان کسی اور طرف لگاؤ۔ علاوہ ازیں اور بہت تسکین کی باتیں  
 لہک رہا۔ اب میں دوکان کو جاتا ہوں۔ شاید کوئی خبر وہاں سے آئی ہو۔ پھر آؤ لگا۔ شہزادے  
 نے اجازت دی۔ اور ابو الحسن دوکان کو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شمس الہمار کی لونڈی آگئی۔ مگر  
 بڑی پریشان سی معلوم ہوتی تھی۔ تسکین اُس نے شہزادے کا حال پوچھا۔ ابو الحسن بولا۔ پہلے تم  
 شمس الہمار کی حالت بتاؤ۔ لونڈی نے کہا میں بھی سنا دیتی ہوں۔ پہلے تم مجھے شہزادے کے  
 حال سے خبر دو۔ ابو الحسن نے آغاز سے انجام تک سب من و عن سنا دیا۔ لونڈی نے بڑا ہنس کیا  
 اور حیران ہوئی۔ پھر بولی۔ ہماری بیگم کا حال اُس سے بھی عجیب اور بدتر ہے۔ جب میں آپ سے  
 جھاموئی تو مجھے پڑا خوف لگا ہوا تھا کہ تم لوگ کسی طرح سے اپنے لگانے جا پہنچو مگر جب میں الیر  
 محل میں پہنچی۔ تو بیگم کو بارہوری میں بیہوش پڑا دیکھ کر مجھے سخت رنج ہوا۔ وہ نہ بولتی تھی اور نہ ہی  
 کسی کی بات کا جواب دیتی تھی۔ امیر المومنین سرانے بیٹھے تھے مگر کسی نے انہیں اصلی حقیقت سے  
 اطلاع نہ دی۔ بیچاری بیگم آدھی رات تک یونہی پڑی رہی۔ جب کبھی در افاقہ ہوا۔ امیر المومنین  
 نے پوچھا۔ شمس الہمار کیا حال ہے؟ اور یہ آج تمہیں کیا کیا ہو گیا تھا۔ شمس الہمار نے خلیفہ  
 کا یہ فرمان شکر قدم چومنے اور کہنے لگی۔ میں حضور پر خدا جاؤں۔ میں خود نہیں جانتی۔ کیا ایک بدن  
 میں ایسا معاملہ ہوا۔ گویا آگ کا ایک شعلہ سا بھڑک اٹھا ہے۔ اور میں غش کھا کے گر پڑی۔ اسکے  
 بعد کا حال مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اور میں حضور سے معافی کی خواہاں ہوں۔ کہ آج آپ نے  
 میرے ہاں قدم رنجہ فرما کے مجھے شرف بخشا۔ مگر میں آپ کی کوئی خدمت ادا نہ کر سکی۔ بلکہ الہی آپ کا  
 سنت تکلیف ہوئی۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ یہ کہہ کر آپ واپس سے چلے گئے اور  
 بیگم نے مجھ سے تہاوارا حال پوچھا۔ میں نے سب کچھ سنا دیا اور وقت رخصت شہزادے نے جو شہر چڑھا تھا  
 وہ بھی گوش گزار کر دیا۔ اس شہر کو شکر غریب کو پھر غش آگیا۔ میں نے ہاتھوں اور پاؤں کی تھیلیاں  
 اپنی شروع کیں۔ گلاباکی چھڑکا۔ جب فدا خدا کر کے خوش آیا میں نے عرض کیا۔ بیگم صاحبہ! آپ کی

وہاں سے چل پڑے۔ اور شہر کی طرف آئے۔ ابو الحسن شہزادے کو قسم دیکے اپنے گھر لے آیا اور اکلادان  
 اُسے بڑی عزت سے اپنے اُن رکھا مگر وہ فراق محبوب میں مڑ پڑا تھا۔ جب شام ہوئی مضافات  
 حاضر ہوئیں۔ اور راگ و رنگ شروع ہوا۔ شہزادے کی حالت متغیر ہونے لگی۔ حتیٰ کہ جب ایک  
 مضافہ اس شہر پر پہنچی

ہر چیز تو منع ہے ہمیں عشق میں طبعیب آخر پڑے جو نصف نوحہ بھی نہ کھائیں ہم  
 وہ نورِ عشق کھاکے جا پڑا۔ جھل راگ و رنگ مجلس ماتم جلجلی ابو الحسن گھر آگیا اور جب صبح ہو گیا  
 اُسے کچھ ہوش نہ آئی۔ تو وہ بالوں ہو چلا تھا۔ مگر جب دن چڑھا تھا۔ شہزادے کو ہوش آگئی اور اپنی  
 گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ ابو الحسن کو بھی اطمینان ہوا۔ اور اُسے نہ روکا۔ اس خوف سے کہ  
 سب ادا اس کی حالت اور متغیر نہ ہو جائے۔ اُسے کہ غلام چھ لائے اور سوار کر کے گھر کو لیگئے ابو الحسن  
 بھی ساتھ گیا۔ اور شہزادے کو گھر پہنچا کر ہزار شکر کیا۔ اور خدا نے ایک بڑی بلا کے مُنہ سے بچایا۔ پھر  
 شہزادے کو تسلی و دیکر رخصت مانگی۔ وقت رخصت شہزادے نے التجا کی کہ مجھے بھول نہ جانا۔ اور  
 شش الہمار کی خبر باقاعدہ پہنچاتے رہنا۔ ابو الحسن نے منظور کیا۔ اور اپنی دوکان پر آکر شش الہمار کے  
 پیغام کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اُس دن کوئی خبر نہ ملی۔ رات وہ اپنے گھر پر ہی سویا۔ صبح ہوتے ہی  
 شہزادے کے گھر پر گیا۔ جا کے کیا دیکھتا ہے کہ علی بن یحیٰ صاحب فراموش ہو رہا ہے۔ دوست اور حکیم  
 مگر دیکھتے ہیں اور شہزادے کی بیماری پر جو بیگونیائی ہو رہی ہیں۔ مگر کسی کو کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ابو الحسن کو  
 دیکھتے ہی شہزادہ کھل گیا اور خلوت کا حکم دیا۔ سب کے سب نکلی گئے۔ ابو الحسن نے پوچھا بھئی کیا حال  
 بنا رکھا ہے۔ شہزادے نے جواب دیا۔ میری بیماری کی خبر نہ کر یہ لوگ آج ہوئے ہیں۔ اور میرا تو  
 یہ حال ہو گیا ہے کہ اٹھنے اور چلنے کی طاقت بھی نہیں رہی۔ یہ بھڑ پڑا رہتا ہوں۔ لوگ میرے  
 دیکھنے کیلئے آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ نہ کہ پہنچے یہ بتائیں کہ وہاں سے کوئی خبر بھی آئی تھی اور کو  
 بولا۔ جیسے ہم آئیں کوئی خبر نہیں ملی۔ شہزادہ کو یا بھرا بیٹھا تھا۔ یہ نہ کہ پھوٹے پھوٹے  
 رونے لگا۔ ابو الحسن نے سمجھا یا۔ خدا کے لئے ہوش کرو۔ کیونکہ رسوا ہو رہے ہو۔ اور مجھے بھی  
 ذلیل کرتے ہو۔ شہزادہ بولا ہے

دلِ نادان کو سمجھانے چلا ہے کوئی ناصح کی نادانی تو دیکھو



دورنہ سب کے سب تہ تیغ ہو چکے۔ ابو الحسن نے جواب دیا یا ہر کیسے چلیں میرے ساتھی کا حال تو دیکھو لوڈی  
 غوراً نگاہ لائی اور شہزادے کے منہ پر چھوڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تو ابو الحسن  
 نے لوڈی کا پیغام دہرایا۔ لوڈی نے جیب سے چابی نکال کر چور دروازہ کھولا اور دو دو کو محل سے  
 نکال دریا کے کنارے پرے آئی۔ پھر تالی بجائی۔ فوراً ایک کشتی جس پر ایک ہی ملاح تھا فوراً آ  
 حاضر ہوئی۔ لوڈی آپ بھی بیٹھ گئی۔ اور دو دو کو سوار کر کے ملاح سے کہا کہ جتھر چلے ہو سکے۔  
 انہیں پار پہنچا دو۔ ملاح بھاگا بھاگا کشتی کو لیچلا اور شہزادے نے اپنی محبوبہ کے مکان کو حسرت  
 سے الوداع کہی۔

دو دو پار پہ حسرت سے نگاہ کرتے ہیں رخصت لے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں  
 جب دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ملاح نے دو دو دوستوں کو کنارے پر اتار دیا۔ اور لوڈی نے  
 سعادت کی کہ میں آپ سے جدا ہونا تو نہیں چاہتی۔ مگر مجھ پر یہ ہے کہ مجھ کو اس سے آگے  
 جانے کی ممانعت ہے۔ یہ کہتا اُس نے تو ملاح کو ٹھننے کا حکم دیا اور ابو الحسن شہزادے کو لیکر  
 آہستہ آہستہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اگرچہ شہزادہ نہایت ہی ضعیف ہو رہا تھا اور چلتا تھا کہ دیر  
 پڑا ہے مگر ابو الحسن نے سمجھا یا کہ یہاں ہم اس سے نہیں رہ سکتے۔ یہ جگہ بڑی غیر محفوظ ہے۔  
 چور ولی اور دو دو کوں کا سخت خطرہ ہے۔ اتفاق سے ابو الحسن کے ایک دوست کا بھی مکان تھا  
 دو دو نے یہ سیدھا ادھر ہی کا رخ کر لیا اور دو دو نے پرہیز کے اُسے کھٹکھٹایا۔ ابو الحسن کا دوست  
 دو دو تھا ہوا آیا۔ اور اندر لیجے اُن کو ایک اچھی جگہ بٹھایا۔ پھر ایسے بوقت آئے کی وجہ دریافت  
 کی۔ ابو الحسن نے کہا۔ ادھر میرا ایک قرضدار ہے۔ میں نے بتا تھا کہ وہ مفور ہو گیا ہے۔ اسلئے  
 آج آدھر گیا تھا۔ یہ میرے دوست ہیں۔ شہزادہ علی بن یحٰیٰ انکا اسم شریف ہے۔ آپ میرے  
 ساتھ ہو لئے تھے۔ مگر کئی وجہ سے ہم بیٹھک وقت پر نہ پہنچ سکے۔ اسلئے اپنے اُس قرضدار  
 کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ اور ناکام لوٹ آئے۔ کیونکہ آج ہی لوڈی بھی ضرور ہی تھا۔ اسلئے  
 میں رات زیادہ آگئی۔ اور یہ صاحب کیدھر علیل ہو گئے۔ اسلئے ہم آپ کو مشفق دہان  
 بقدر کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور رات یہاں ہی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اُس نے بہت  
 خاطر داری کی۔ اور بڑی عزت سے دو دو کو اپنے اہل بٹھرایا۔ غرض صبح کے وقت وہ دو دو

کے بعد خلیفہ کا جلوس بھی آگیا۔ آگے آگے ایک سونگلا مٹنگی تلواریں علم کے چلے آتے تھے اور ان کے پیچھے میں حسین لوٹڑیوں کے حلقے میں جن کے چہرے چاند سے اور جن کے سروں پر مرصع تاج لٹکے تھے خلیفہ خراماں خراماں آ رہا تھا۔ خواجہ سرا سرور، ضیف و ضیف بھی ساتھ ہی تھے حتیٰ کہ شمس الہنار کے مکان میں سارا جلوس جا پہنچا۔ وہ اپنے ہمراہیوں سمیت تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور دروازہ باغ تک ہتھ پائی کے لئے آئی۔ جب خلیفہ کی صورت نظر آئی سب کی سب زہیں بوس ہو گئیں۔ خلیفہ نے اٹھنے کا حکم دیا۔ اور شمس الہنار کو ہمراہ لیکر اندر گیا۔ اندر جا کر ہمراہی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور شمس الہنار خلیفہ کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہوئی۔ آپس میں نثر و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔ ابو الحسن اور شہزادہ علی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر انہیں کوئی تہ دیکھ سکتا تھا۔ پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ پارہ درہی کا دروازہ کھولا جائے۔ چنانچہ خدام نے اس کا دروازہ کھول دیا۔ اور وہاں سے آلات طب نکال کے خواصوں نے گانا شروع کیا شہزادہ علی بن یحیٰ اور ابو الحسن وہاں کے ساز و سامان کی پیش پیشی پر چومیں گونیاں کرنے لگے مگر شہزادے کی نگاہ زیادہ تر شمس الہنار پر ہی لگی ہوئی تھی۔ آخر ابو الحسن سے بولا مجھے خوف ہے کہ خلیفہ کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ تو بس فیصلہ ہو چکا۔ لیکن میں تو آگے بھی عشق کا کشتہ ہوں اسی۔ میری بدولت آپ بھی ناحق بلا میں پھنسیں گے۔ وہاں سے کہ اس وقت خدا تعالیٰ ہمیں جان سے بچاتے ہیں تاکہ تم پر میری بدولت کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ یہ دونوں نہیں باتوں میں تھے کہ ادھر خلیفہ نے ایک لوٹڑی کو کچھ سننے کی فراہم کی۔ اس نے سر تسلیم خم ہو کر اسے سنا دیا۔

اتنے میں لی۔ اور یہ غول شروع کی

خدا کسی سے کسی کا غرض حبیبانہ ہو

اس شعر کے پڑھتے ہی شمس الہنار غش کھل گئی۔ اور جب شہزادہ علی نے یہ کیفیت

ملاحظہ کی تو وہ بھی بیہوش ہو گیا۔ ابو الحسن کو اب ایک اور فکر نے آگیرا۔ اور وہ سوچنے لگا کہ اب اسکی

جان کیسے بچو گی۔ پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے اسے ہوش میں لایا جائے۔ اتنے میں

اسی لوٹڑی نے اس کے دروازہ کھول دیا۔ جو انہیں بیان بتا کر گئی تھی اور اسے کہتے گئی۔ ابو الحسن

نہیں۔ اچھی کر لیکے باہر چلے جاؤ۔ ہم پر نیا تنگ ہو رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہمارا راز آشکارا نہ ہو جائے

الفٹ کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی چون پھڑکا دو طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی  
شہزادہ پھوٹ گیا اور اس نے بھی کچھ سنانے کی فرمائش کی۔ سارا شمس النہار نے لے لی اور استاد  
اقبال کی یہ غزل عجب جوش شہتیاق سے گانے لگا۔

ہم موت مانگتے ہیں وہ گمراہ جاتے ہیں سبھے کسی نے اور بھی معنے وصال کے  
انوقت ایک عجیب سناں بندھا ہوا تھا کہ راستے میں ایک لونڈی مانچتی ہوئی آئی اور بولی بگم  
عقنب ہو گیا۔ امیر المومنین یہیں تشریف لارہے ہیں مسرور محل کے دروازے پر اطلاع کیلئے  
ہے۔ لونڈی کا پیغام سنا سب کے بدن پر مائے خوف کے رعشہ پڑ گیا۔ مگر شمس النہار شمس پڑی  
اور بولی۔ ست دروازہ ہیں ابھی سبھے لیتی ہوں۔ تم والیں جاؤ۔ اور اسے تھوڑی دیر میں باتوں میں  
لگانے لگا۔ پھر حکم دیا۔ کہ بارہ درجی کا دروازہ بند کیا جائے اور پرشے گرا دیے جائیں۔  
شہزادہ اور اس طاہر بھی اندر ہی رہیں۔ اور آپ پائین باغ کو نکل گئی۔ سخت پر ہنچکا پاؤں لپٹا  
لگی اور باقی سوجیوں کو اپنے اپنے مکانوں میں چلے جانے کی اجازت دی۔ اور کہا۔ کہ اس طرف  
کا دروازہ کھلا ہے۔ تاکہ امیر المومنین اندر چلے آئیں۔ اتنے میں مسرور دس خواجہ سراؤں کے  
ساتھ جیکے ماتحتوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اندر آیا۔ شمس النہار نے اندر آنے کا سبب پوچھا  
مسرور پر لا۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ آج ہم تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہو تو ہم یہاں  
آج ہیں۔ ورنہ تم تکلیف کرو۔ شمس النہار نے خلیفہ کا حکم سر آٹکھوں پر لیا۔ پھر خادموں اور  
لونڈیوں کو حکم دیا۔ کہ جلد فرش فروش کر کے مکان کو آراستہ کرو۔ اور کچھ خادموں کو خلیفہ کی خدمت  
میں بھیجا کہ تھوڑی دیر وہیں ٹھہر جائیں۔ فرش فروش و ماں تیار ہو رہا ہے اور آپ بارہ درجی  
میں شہزادے کے پاس جا کر معذرت کرنے لگی۔ پھر اسے گلے لگا یا کہ مجھے بھول نہ جانا۔ میں مجبوراً  
آپ سے جدا ہونے لگی ہوں۔ اگرچہ جی نہیں مانتا۔ شہزادے نے بھی مناسب جواب دیا۔ ابھی ان کا  
سلسلہ کلام ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک لونڈی نے اسے عرض کی۔ امیر المومنین کا خادم آیا ہے  
یہ شمس النہار کھڑی ہو گئی۔ فوراً لونڈی کو ہدایت کی کہ ان دو لوگوں کو باغ کے غماں مکان میں  
لیجائے باہر قفل لگا دے اور جب خوب تاریکی چھا جائے۔ یہ حفاظت وہاں سے نکال باہر کر دینا۔  
لونڈی نے حکم کی تعمیل کر کے اپنا راستہ لیا اور وہ دو تو باغ کی طرف دیکھتے۔ گئے۔ تھوڑے ہی

شمس النہار اب تخت پر جلوہ گر ہو گئی تھی اس نے شہزادے کو اور شہزادی نے شمس النہار کو محبت بھری  
لگا ہوا سے دیکھا۔ پھر لڑکیوں کو حکم ہوا کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں اور گانا شروع کریں۔ غرض  
خواتین باری باری سے گانے لگیں۔ پہلی خواص نے حضرت ذوق کی یہ غزل شروع کی۔ تو  
شمس النہار پر ایک کیفیت سی طاری ہو گئی۔

یاں کے آئینا مقرر قاصدا وہ دن کرے جو تو مانگی گام ہی دو نگاہ ادا وہ دن کرے  
اور اس کیفیت کے اثر کو شہزادہ علی نے بھی محسوس کیا۔ پھر دوسری خواص اُٹھی اور اُسے کسی استاد  
کی یہ غزل شروع کی۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھرائے بیٹھے بیٹھے ہیں کیا جانے کیا یاد آیا  
یہ شعر سنکر شہزادہ علی تو بالکل بے اختیار ہی ہو گیا اور اُسکی آنکھوں سے پُپ پُپ آنسو گرنے  
لگے۔ شمس النہار بھی اُسکی یہ حالت دیکھ کر رونے لگی۔ غرض راگ کی ہوائ نے عشق کے شعلے کو  
ایسا بھڑکایا کہ دونوں نے اختیار ہو گئے۔ پھر شمس النہار تخت سے اُٹھی اور بارہ دری کی طرف چلی۔  
شہزادہ بھی وہیں پہنچا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے چمٹ گئے۔ دیر تک دونوں کی یہ حالت رہی  
آخر عشق کھا کے دروازے پر بھی گر پڑے۔ لڑکیاں دوڑی آئیں اور انہیں اٹھا کے اندر لے گئیں  
گلاب وغیرہ پھونکا۔ جب ہوش آئی ابو الحسن کو نہ پا کر دوپریشان ہو گئے۔ وہ تخت کے پاس ہی بیٹھا  
تھا۔ غرض اُسے بلا کر شمس النہار نے شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ اگر خدا تعالیٰ مجھے توفیق بخشے تو میر  
تمہاری نیکی کا عوض ضرور دوں گی۔ پھر عاشق و معشوق کی آنکھوں سے یہ سبب کہاں اُلفت کے  
آنسوؤں کے دریا بہ نکلے۔ مگر ابو الحسن نے سمجھایا۔ یہ رونے کا کون موقع ہے۔ شکر کرو کہ خدا نے  
تمہیں یہ مبارک موقع عطا کیا اور اسے غنیمت سمجھ کر منے سے کاٹو۔ شمس النہار نے یہ سنکر لڑکیوں  
کو اشارہ کیا کہ دسترخوان چٹا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور شمس النہار شہزادہ علی والو احسن قیوں  
نے ملکر کھانا کھایا۔ جب فراغت پا چکے۔ راگ دنگ ہو گیا اور شراب کا شور مچا دیا شروع ہوا شمس النہار  
اپنے اُمتوں سے پیالے پھر پھر کے شہزادے کو دیتی جاتی تھی اور شہزادہ اُسے بھی دو نو ابو الحسن  
بھی ہرانی کرتے۔ جب سرور جم گئے تو شمس النہار نے آپ ستارہ مانتہ میں لی اور اُس کے ساتھ  
یہ غزل نہایت درد سے گائی۔

شمس الہمار کی سواری تھی جسے خلیفہ مارون الرشید دل سے چاہتا تھا۔ اُسکے حسن کی آب و تاب اور اُسکے در و چاہر کی شان و شوکت اس قدر تھی کہ باقی سب کا حُسن پیکار پر گیا گو یا وہ سورج تھا۔ جسکے نکلنے ہی چاند اور ستاروں کی روشنی اند پر جاتی ہے۔ شہزادہ علی بن ابیہاشم الہمار کو دیکھتے ہی آپستہ سے بولا سہ۔

زلزلے کے جھوٹے خدائی کے قاتل غریبوں کی حالت سے یہ خبر و غافل  
ستم میں کتل عیاری میں کال اڑا دل کو آنکھیں چرانے پہ مائل  
یہی میں جو گردن جھکا نہ ہوئے ہیں

ابو الحسن سے کہنے لگا۔ کیا اچھا ہو گا۔ اگر تم یہاں آئیے پہلے مجھے اس کیفیت سے مطلع کر دیتے تاکہ میں اپنے دکتو مسلمان رکھ سکتا۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ بھائی جان! جتنے کوئی بُرائی نہیں کی اگر آپ کو پہلے اطلاع نہیں دی۔ اسلئے کہ مجھے خوف تھا۔ کہ اگر آپ صبر نہ کر سکتے تو دیدار سے محروم رہینگے۔ شہزادے نے پوچھا۔ اچھا تو اس حبیہ کا نام کیا ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ اسے شمس الہمار کہتے ہیں۔ اور وہ خلیفہ کی بہت ہی محبوبہ خواص ہے۔ یہ مکان بھی محلِ شہزادی ہے۔

تصویر جلوس شمس الہمار کی



روکا۔ اور کہنے لگی۔ صاحبِ اہیثمہ جاییے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ ہم آئیں اور آپ جلد میں  
شہزادے نے بے اختیار ہو کر جواب دیا۔

سن شمعِ جاں گدازم تو صبحِ دلکشائی  
نزدیکتِ ایں چندیم دورِ آنچنماں لگ گفتم

یہ شکر وہ بی بی ہنس رہی۔ اور ابو الحسن سے پوچھا۔ یہ جوان کون ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا۔ ایک میر  
کا بیٹا جو ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اور شہزادہ علی بن یحیٰ کے نام سے مشہور  
ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ اچھا! جس وقت میری لونڈی آپ کے پاس آئے۔ اسے ساتھ ہی لیتے آئیگا۔

ابو الحسن نے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ پھر اپنے مطلب کی کچھ بات چیت کر کے وہ بی بی بہت جلد وہاں سے  
چلی گئی۔ اور شہزادہ علی دیکھتا ہی رہ گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی۔ کہ ایک لونڈی ابو الحسن کے  
پاس آ کر کہنے لگی۔ ہماری بیگم صاحبہ آپ کو اور آپ کے دوست کو یاد کر رہی ہیں۔ ابو الحسن تو رُ  
اٹھا اور شہزادے کو ہمراہ لیکر لونڈی کے ساتھ خلیفہ کے محل کو روانہ ہوا۔ وہ دونوں کو اندر لے گئی

اور ایک لچھے کمرے میں بٹھا دیا۔ اتنے میں ابو الحسن اور شہزادے کے سامنے دسترخوان چنے گئے  
اور دونوں نے سیر ہو کر کھانا کھا یا۔ پھر شراب آئی۔ جب وہ بھی پی لی تو حکم ہوا کہ وہیں ٹھہریں اور آرام  
کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی لونڈی انہیں دوسرے کمرے میں لے گئی۔ جسکی آرائش باغِ جنان  
کو شرمندہ کر رہی تھی۔ شہزادہ علی اس کمرے پر عجائبات سے حیران رہ گیا۔ اور ایک ایک چیز کو

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا۔ اتنے میں سامنے سے دس لونڈیاں پر باندھے آکھڑی ہوئیں  
گویا وہ اندر کے اکھاڑے کی پردیاں تھیں۔ اُنکے چاند سے چہروں کو دیکھ دیکھ کر خیران تھے اور  
ابھی نظر بھر کے دیکھ نہ چکے تھے کہ دس حسین لونڈیوں کی اور ایک جماعت آگئی جس کے ہاتھوں میں لگ

رنگ کے آلات تھے۔ آتے ہی انہوں نے دونوں ہانوں کو سلام کیا اور گانے بجاتے لگیں۔ اُنکے  
مقابل سے دس ہی لونڈیاں اور آگئیں۔ جسکی کالی آنکھیں اور لالی خدے حوروں پر چمک کرنے  
کیلئے تیار تھے۔ وہ بھی اُسکے اور صفِ باندھے کھڑی ہو گئیں۔ زماں بعد انہیں سے خوبصورت اور  
حسنِ طریق دس لونڈیوں کی ایک جماعت اور آئی جسکے حسن کی تاب سہاری نہ جاتی تھی۔ ان سب کے  
بعد میں لونڈیاں جسے بہت خوب و چندے ماہتاب ایک سورج کو حلقے میں لئے آوروں ہوئیں۔ یہ

د اصل کرو۔ مسرور فوراً تلوار لیکے آگے آیا اور ایک ہی لمحہ میں محین کی گردن کاٹ کے پرے پھینک دی۔  
 پھر انیس کو بلایا گیا اور اُسے نور الدین کے سپر کر کے بولا۔ میں تمہاری جو انمروی پر بہت خوش ہوں  
 یہ لو۔ اپنی امانت ساتھ ہی مینے بھرے کا حکمران مقرر کر دیا ہے۔ تم وہاں جاؤ اور رعیت کی داد دو  
 نور الدین نے عرض کی۔ خداوند اقدوسی آپ کے قدموں میں ہی باقی زندگی بسر کر دیتا چاہتا ہے  
 اسلئے مجھے بھرے کے تخت سے معاف رکھا جائے۔ خلیفہ اُس کا یہ کلام سنکر بہت خوش ہوا اور  
 اُسے ایک محل عنایت کر کے بہت سی دولت بھی انعام دی۔ اور ایک کثیر مشاہرہ مقرر کر کے اپنا  
 مصاحب بنا دیا اور بھرے کی حکومت بہ شفاعت وزیر اعظم سلطان محمد بن زبیدی کے پاس ہی  
 رہنے دے۔ غرض نور الدین اور انیس نے باقی عمر بغداد میں ہی بڑی عشرت سے بسر کی۔ دنیا زاد  
 یہ قصہ سنکر دوسرے قصہ کی طالب ہوئی۔ اور شہر زادے شہر یار کی منظوری سے دوسرے قصہ  
 یوں کہنا شروع کیا :-

### شہزادہ علی بن بکا اور شمس التہار کی داستان

حضور والا خلیفہ ہارون الرشید کے عہد مہد میں بغداد کے درمیان ایک صاحب دولت عطار  
 ابو الحسن علی بن ظاہر نامی رہا کرتا تھا۔ جس کے حسن صورت اور حسن سیرت کو ہر شخص پسند کرتا تھی۔ خلیفہ کے  
 محلوں میں آنے جانے کی بھی عام اجازت اُسے تھی اور خلیفہ کی فوصیں اور لونڈیاں بھی اُسے اپنا غریب سمجھتی  
 تھیں۔ بلکہ شاہی محلوں میں جو خرید و فروخت ہوتی۔ وہ سب ابو الحسن ہی کی معرفت ہوا کرتی تھی۔ ابو الحسن کے  
 دوستوں کا بھی کچھ شمار نہ تھا۔ مگر ایک نوجوان شاہزادہ علی بن بکا نامی ابو الحسن سے کمال الفت رکھتا  
 تھا۔ یہ شہزادہ ایران کے شاہی خاندان میں سے تھا۔ اور ظاہری خوبیوں کے علاوہ اُسکی باطنی  
 خوبیاں صد و شمار سے زیادہ تھیں۔ ابو الحسن بھی اُس شہزادے کو بڑا عزیز سمجھتا۔ ایک دن اتفاقاً  
 دو نوکان پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ دس خوب صورت لونڈیاں ایک بی بی کو جو خچر پر سوار تھی گھیرے  
 ہوئے وال آگئیں۔ اُس بی بی نے جو ظاہری شان و شوکت سے بڑے امیر کی بیگم دکھائی دیتی تھی  
 خچر کو ابو الحسن کی دوکان کے سامنے ٹھہرایا۔ اور اتر کر اندر آگئی۔ ابو الحسن نے اُسے جھپک کر سلام  
 کیا اور اُس بی بی نے بھی سلام کا جواب بڑی عزت سے دیا۔ پھر کرسی پر بیٹھ گئی اور نقاب اُلٹ دیا  
 شہزادہ علی اُسے بے نقاب سا دیکھ کر صوبت سا بتگیا اور چاہتا تھا کہ اُسٹھا چلا جائے۔ مگر اُس بی بی نے



خیریت کی آج تک مجھے کوئی خبر نہیں ملی معلوم ہوتا ہے۔ سلطان محمد نے اُسے مرواؤ والا۔ تم فوراً فوج  
لیک کر بصرے جاؤ۔ اور خیر لاؤ۔ اگر نور الدین کا بال بھی بیٹھا ہوا دیکھو۔ تو فوراً اُس شخص کو قتل کر دو  
جس نے نور الدین کو کچھ بھی ایذا پہنچائی ہو۔ اگرچہ وہ کیسا ہی معزز اور میرا پیارا بھی کیوں نہ ہو۔  
دوسری حالت میں نور الدین اور سلطان محمد کی خبر لاؤ۔ وزیر جعفر اسی حکم کی تعمیل کے لئے بھاگا  
بھاگ بصرے میں آ رہا تھا۔ غرض ہر کام سے دوڑے گئے اور آ کے سلطان محمد کو خبر دی کہ وزیر  
جعفر اس تیزی سے آ رہا تھا کہ بادشاہ کو سوچنے کی بھی فرصت نہ دی۔ اور فوراً سر پر آ پہنچا۔  
لوگوں کو قصر شاہی کے پاس مقصد میں کھڑے دیکھ کر اثر دام کا سبب پوچھا۔ اور جب اُسے معلوم  
ہوا کہ نور الدین ہی مقتل میں قتل ہو گیا ہے جس کے لئے وہ دوڑا دوڑا آ رہا ہے تو فوراً بادشاہ  
کے پاس گیا اور حقیقت حال سے بالتفصیل اطلاع دیکر نور الدین کو سامنے حاضر کر نیک حکم دیا۔  
معین کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور عوام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وزیر جعفر نے معین بن  
ساوی کو قید کر لیا۔ جو نور الدین کو تنگ کرتا تھا اور نور الدین کو محمد زبیدی کی جگہ بصرے کے تخت پر  
بٹھا دیا۔ غرض سب کاموں سے فراغت پا کر چوتھے دن وزیر جعفر نے بغداد کا عزم کیا۔ نور الدین  
بڑے اشتیاق سے بولا۔ حضور کے درشن کا خواہشمند ہوں۔ اگر ساتھ لیجاؤ تو بڑی مہربانی ہوگی۔  
وزیر جعفر نے اُسکی آرزو کو منظور کیا۔ بصرے کا انتظام اراکین دربار کے سپرد کر کے معین کو قید  
میں اور سلطان محمد و نور الدین کو ہمراہ لیکر بغداد کی طرف کوچ بول دیا۔ جب خلیفہ کے حضور میں حاضر  
ہوئے اور نور الدین کی سرگزشت سنائی۔ خلیفہ غضب میں آ گیا۔ اور نور الدین سے کہا۔ کہ تلواریں  
نکال کے میرے سامنے اس بد ذات وزیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال۔ نور الدین نے تلوار نکالی اور  
چاہتا تھا کہ معین پر وار کرے کہ اُسے گڑگڑا کر عرض کی

نیش کروم نہ از پیے کین است      مقتضائے طبیعتش این است

عزیز نور الدین! میں نے تمہارے ساتھ جو بد سلوکی کی تھی وہ میری طبیعت کا تقاضا تھا اور اب تم اپنی  
طبیعت کے اقتضا کے بموجب میرے ساتھ برتاؤ کرو۔ یہ سن کر نور الدین کے اٹھتے سے تلوار گر پڑی  
اور اُس نے خلیفہ کی طرف منہ کر کے عرض کیا۔ حضور! اسے اب معاف کر دیا جائے۔ میں اس کے  
خونے اتھ نہیں لگتا چاہتا۔ خلیفہ نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ۔ اور سرور با تم اُس کے اس ملعون کو جہنم

تصویر نور الدین کے قتل کریشکی اور بادشاہ کا جلاؤ کو کھڑکی سے منع کرنا معجوم خلوت کے



قتل سے منع کر دیا۔ یہ غبار فی الواقعہ وزیر جعفر اور اُسکے ساتھیوں کا تھا۔ اور اُسکے آنے کی یہ وجہ تھی کہ خلیفہ اپنے کاموں میں ایسا مشغول ہو کہ نور الدین کی بات بھول گیا۔ برابر تیس دن تک اسے کسی نے بھی غریب کی یاد نہ دلائی۔ اکتیسویں دن اتفاق سے وہ اُس محل کے دروازے پر سے گذرا جس میں انیس رہتی تھی۔ سنا کہ انیس دور ہی ہے۔ اور نور الدین کے فراق میں جان کھو رہی ہے۔ اس کی گریہ و زاری دیکھ کر پھر رہی تھی۔ خلیفہ اندر گھس گیا تاکہ رونے کی وجہ پرچھے۔ انیس خلیفہ کو بکا بکا اپنے سانسے دیکھ کر اپنے تئیں اُسکے قدموں پر ڈال دیا۔ اور اُس رات کا وعدہ یاد دلایا۔ جبکہ نور الدین نے ماہی گب کے لباس میں خلیفہ کو انیس کے شیش سجندہ یا ہتھا۔ اور کہا جس دن سے آپ نے اُسے پھر سے کی طرف بھیجا ہے۔ خون چکر پیئے اور سخت جگر کھانے کے سوا قسم ہے جو میرا سنا تک کھیل اڑ تک بھی گئی ہو۔ پندرہ ام ہو گئی ہے اور چہن خواب۔ آج تیس دن سے اُس غریب کی خبر کا نہ ملتا میری پریشانی کو بردبار رہے۔ حضور! اگر آپ بچھر کر کم کریں۔ تو پینا سے نور الدین کی خبر ملے گا۔ خلیفہ ماروں رشید نے پرا افسوس کیا اور فوراً وزیر جعفر کو بلا کر حکم دیا کہ نور الدین کی

ہوئے اور وارھیں مار مار کر مرنے لگے حتیٰ کہ سگولوں کے بچے اور نہ کوکانہ از تک دریا کے یاس و  
 حسرت میں ڈوبا گئے۔ اور جب غریب نور الدین کے قتل کا وقت آیا لوگ جوق در جوق مقتل میں  
 جا اٹھے ہوئے۔ وزیر بھی دس مسلح غلام لئے وہیں پہنچا۔ اور داروغہ جیل کو حکم دیا کہ نور الدین  
 کو وہاں حاضر کیا جائے۔ نور الدین اس وقت جیل میں بیٹھا اس ہاسگیر کو کوس رہا تھا۔ جس سے  
 اُسے خواہ مخواہ آفت کے منہ میں پھنسا دیا اور انقلاب زمانہ کو یاد کر کے حیران تھا کہ اُسے میں از غ  
 جیل بھی آگیا اور اُسے وزیر کے حکم سے اطلاع دی۔ اُسکے اچھے کپڑے اتار ڈالے اور قیدیوں کی  
 ٹاٹ پہننے کے قتل میں لپیلا۔ نور الدین کے چہرے پر خوف کا نشان تک نہ دکھائی دیتا تھا۔ مگر  
 اس سبکی کی حالت میں دیکھ کر معین کے سوا سب دوست و دشمن کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے  
 نور الدین نے وزیر معین کی طرف جو اُسکے خون کا پیا سا تھا۔ عجب انداز سے دیکھا۔ اور بولا اٹھے  
 قتل کر کے کیا تم آخرت کے پورے لپیٹو گے؟ وزیر نے جواب دیا۔ نور الدین! کیا تو مجھے ان باتوں  
 سے خائف کر اگر پہنچا چاہتا ہے تو تیرا یہ خیال غلط ہے۔ یہاں وہ نشے نہیں چہ نہیں خوشی اتارے  
 بہتیری نصیحتیں مجھے بھی یاد ہیں۔ لیکن آج میں تمام اہل بصرہ کی خلاف مرضی تمہیں قتل کر کے ضرور  
 ہی اپنا جی ٹھنڈا کر ڈلگا۔ تم کیوں مفت میں دوسری کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر دلا دکی طرف اشارہ کیا کہ اپنا  
 کام ختم کرو۔ جلاؤ گے آیا اور نور الدین کو سلام کر کے بولا۔ حضور! آپ کو معلوم ہی ہے۔ میں حکم کا  
 بندہ ہوں اسلئے یہ قصور ہوں۔ آپ کی کوئی حاجت ہو تو مجھے اطلاع فرمائیں۔ تاکہ اُسے پورا کیا جاوے  
 کیونکہ اب آپ کی عمر میں صرف چند ہی منٹ رہ گئے ہیں۔ نور الدین نے یہ سن کر چاروں طرف غور فرمایا  
 اور سب ناظرین کو سلام کیا اور وداع چاہی۔ اور بانی کا پیالہ طلب کیا یہ دیکھ کر عوام نے حیرت  
 ہو گئے اور چاروں طرف سے روئے چلانے کی آوازیں آتے لگیں۔ جلاؤ دے بانی دیا۔ وزیر  
 اپنی جگہ سے اٹھا اور نور الدین سے پیالہ چھین کر کھوٹ دیا اور جلاؤ پر خفا ہونے لگا کہ تم نے اسقدر  
 دیر کیوں لگا رکھی ہے۔ وزیر کی یہ حرکت دیکھ کر لوگوں کو بڑا جوش آیا اور ایک گھسان مجھے کو تھا  
 کہ دُور سے ایک غبار اُڑتا ہوا دکھائی دیا جس کی چوٹی آسمان سے لگی ہوئی نظر آتی تھی سیاہ شاہ کو  
 بھی خبر دی گئی۔ اُسے بھی محل سے منہ نکالا اور غور سے دیکھنے لگا۔ جب کئی منٹ تک۔ چہ نہ چلا۔ تو  
 ہر کاروں کو حکم دیا کہ ہٹا ہو جائیں اور دُور کے خبر لائیں کہ یہ غبار کیسا ہے؟ اور جلاؤ کو نور الدین کے

بادشاہ سے بولا۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ تو جلی رقعہ ہے۔ نہ ہی اسپر کسی کے دستخط ہیں اور نہ ہی لائے والے کیساتھ کوئی اراکین دربار میں سے سے معلوم ہوتا ہے۔ خلیفہ کا خط کہہ کر سے اُسکے لائے والے نے دیکھ لیا ہے۔ اور اُسکی طرز تحریر اُڑا کر آپ کی طرف یہ رقعہ لکھ لایا ہے۔ تو آپ کیوں دھوکے میں آکر سخت سے اترتے ہیں۔ سلطان محمد زبئی نے جواب دیا۔ اب اس کا فیصلہ کیسے ہو؟ معین نے جواب دیا۔ کاغذ پر دستخط کا نہ ہونا تو آپ خود بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مگر باقی کے لئے ایک آدمی کو بغداد کی طرف بھیج دیا جائیگا۔ وہ جا کے پتہ لے آئیگا۔ جب تک اسکا حامل میری قید میں ہے۔ اگر آپ کو خلیفہ نے ٹھیک یہی حکم دیا ہوگا تو تصدیق ہو جائیگی اُتر وقت آپ اس کی تمہیل بشوق کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ جلی ثابت ہوا تو آپ مجھے اس سے اپنا انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائیے گا۔ سلطان محمد بن زبئی نے وزیر کا یہ کلام سنکر نوز الدین کو قید میں رکھنے کا حکم دیا اور سپاہیوں نے اُسے قید خانہ میں لیجا کر وزیر کے اشارہ سے اسقدر مارا کہ پچھا ادھ مڑا ہو گیا۔ مگر داروغہ جیل بالذات شریف الطبع تھا اور وہ نوز الدین سے محبت بھی رکھتا تھا۔ اسلئے وزیر کے چلنے جانیکے بعد اُس نے نوز الدین کو جیل میں بہت کچھ راحت سے رکھا۔ مگر وزیر ہر روز اُسکے داروغہ کو ہدایت دے جاتا۔ کہ نوز الدین کو مارو۔ اور داروغہ ہاں کر کے بات ٹال دیا کرتا۔ غرض چالیس دن اسی حال میں گزر گئے اکتا لبیوبن دن خلیفہ کی طرف سے دربار میں ہدیہ آیا۔ سلطان نے ارکان دربار کو بلا کر مشورت کی کہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہدیہ خلیفہ نے نئے سلطان کے لئے بھیجا ہے۔ اب تم صلاح بناؤ۔ کیا کیا جائے۔ وزیر معین نے رائے دی مینے تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ اُسے قتل کر کے فیصلہ کر دیا جائے۔ سلطان نے فرمایا اب کیا ہو گیا ہے۔ سراج ہی کجست کی گردن مارو۔ معین نے سراطاعت جھکا کر شکریہ ادا کیا۔ اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں۔ پہلے شہر میں منادی کیجائے۔ کہ جو شخص نوز الدین کی گردن زنی کا تماشہ دیکھنا چاہے قتل میں آجائے۔ بدخات نے بر سر عام میری جو ہشک کی تھی میں بھی عوام کے رویہ اور اسکا انتقام لیا چاہتا ہوں۔ سلطان محمد بن زبئی نے فرمایا۔ جو تمہاری مرضی ہو کرو۔ وزیر معین نے یہ سنکر زمین فرست کر کوہسہا اور شہر بصرہ میں منادی کرادی۔ کہ کل نوز الدین وزیر فضل بن خاتمان پر جو غم کو قتل کیا جائیگا۔ جو شخص چاہے اُسے مقتل میں یہ تماشہ دیکھ سکنا ہے۔ لوگ اس سنیہا تک خیر کو سنکر سخت پریشان

کیا طاقت ہے کہ یہ سب کچھ لیجائے۔ دینا میری طرف کرے۔ اور میں تجھے مچھلیوں کی قیمت دے دیتا ہوں۔  
 مگر لڑائی کو تو تو ہرگز یہاں سے نہیں لیجا سکتا خلیفہ بولا۔ دینا تو تو بیشک لے سکتا ہے۔  
 مگر لڑائی تو میں یہاں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ یہ سن کر شیخ کو برا غصہ آیا۔ اور ایک چینی کی رکابی  
 پکڑ کر خلیفہ کی طرف چینی کی۔ مگر وہ ہرے ہٹ گیا تھا۔ اسلئے رکابی دیوار سے لگ کر چور چور ہو گئی  
 شیخ ابراہیم اور بھی برسم ہوا۔ اور ایک لمبے اٹھارے یا ہرے سے لکڑی ڈھونڈنے گیا۔ تاکہ اس کے  
 خلیفہ کو جسے وہ کریم ماسیکر سمجھتا تھا سزا دے۔ خلیفہ نے وزیر جعفر اور خواجہ سراسر و کو آواز دی  
 وزیر نے اسی عرصہ میں محل سے خلیفہ کے لئے شاہی لباس بھی منگا لیا۔ وہ آئے۔ خلیفہ نے جھٹ  
 پٹ کپڑے بدل لئے اور تخت پر بیٹھ گیا۔ وزیر جعفر اور خواجہ سراسر و تخت کے دونوں پہلوؤں  
 میں بڑے ادب سے کھڑے ہو گئے۔ جب شیخ لکڑی لایا تو وہاں اور ہی رنگ دیکھا۔ سارا نشہ  
 ہارن ہو گیا اور سوچنے لگا۔ میں سوتا ہوں یا جاگتا۔ خلیفہ نے پوچھا۔ شیخ ابراہیم تو کسے ڈھونڈتا  
 ہے۔ یہ سن کر کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ جھٹ خلیفہ کے قدموں پر گر پڑا اور گرو گرو کر اپنے  
 گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔ خلیفہ نے اسے معاف کر دیا۔ انیس چلیس یہ سین دیکھ کر حیران ہوئی  
 تھی۔ اب خلیفہ اسکی طرف منی طلب ہو کر بولا۔ انیس اتم اطمینان رکھو۔ نور الدین جیسا جو امزد  
 بینے دنیا بھر میں دوسرا نہیں پایا جس نے ذرا سی بات پر اپنی پیاری محنت کو بخش دینے میں  
 بھی تامل نہیں کیا۔ اسکے عوض میں اُسے بھرے کا بادشاہ بنا کے بھیجا ہے۔ تھوڑے دنوں  
 کے بعد وزیر کو خلعت دیکھے بھی بھیج دیا جائیگا اور تمہیں بھی ساتھ ہی روانہ کروں گا۔ جب تک تم  
 محل شاہی میں جا کر رہو۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ انیس کو عزت کے ساتھ شاہی محل میں لیجا یا  
 جائے۔ اب پیچھے نور الدین کی طرف بھی چلنا چاہئے کہ اُسکا کیا حال ہوا کئی دنوں کی مسافت  
 کے بعد جب وہ بھرے میں پہنچ کر شاہی دربار میں باریاں ہوا۔ اور وہ رقعہ سلطان محمد بن زبیدی کے  
 ماتھے میں دبیر یا سلطان اسکا عنوان پر حکم تعلیم کے لئے تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُسے تین  
 بار مجرم کے پڑھنے لگا۔ جب پڑھ چکا تخت سے اُتر گیا اور اہلکاران کو بل کر تخت سے علیحدہ ہونا  
 چاہتا تھا کہ اتنے میں وزیر معین بن ساوی بھی آ گیا۔ سلطان نے اُسے وہ رقعہ دیا۔ کہ پڑھو  
 رقعہ پڑھ کر معین کی تانی مر گئی۔ مگر اُسے چالاکی سے خلیفہ کے دستخط والا حصہ پھاڑ کر نکل گیا اور

تو جاؤ۔ نیسے تمہیں یہی۔ لڑائی نہ بندی۔ اب اٹھو۔ اور جہاں چاہو۔ اسے ساتھ لے جاؤ۔ یہ کہہ کر دھیمی  
 اٹھ کھڑا ہوا۔ اور وہاں سے چلے نیسے کا ارادہ کیا۔ انہیں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ نور الدین  
 کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔ کیا آپ مجھے بغیر دواع کئے ہی چلے جائیگے نور الدین  
 یہ سن کر ہنسنے لگا اور اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ خلیفہ اس دردناک حسین کو دیکھ کر برداشت  
 نہ کر سکا۔ پوچھا۔ صاحبِ معلوم ہوا۔ یہ آپ کی بڑی پیاری لڑائی ہے اور آپ اسکے آقا ہیں۔  
 نور الدین نے جواب دیا۔ ہاں! مگر اسے ہاسپیگر اسم دونوں کی سرگذشت بڑی عجیب ہے۔ خلیفہ نے  
 پوچھا۔ کیا آپ مجھے اپنی سرگذشت سنا کر متاثر کرئیگیے۔ کیا عجیب ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کی مشکلات میں  
 ہی مانتے سے حل کرا دے۔ یہ سن کر نور الدین نے کچھ ایسے درد سے اپنی کہانی سنائی۔ جو خلیفہ کے  
 بھی آنسو نکل پڑے۔ خلیفہ نے پوچھا۔ تو اب تم کہاں جاؤ گے۔ نور الدین نے جواب دیا۔ ملکِ خدا  
 سنگ نیست۔ آپ کے گدا لنگ نیست۔ خلیفہ نے کہا تو میں آپ کو ایک رقعہ لکھ دیتا ہوں۔ اسے  
 سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں لے جاؤ۔ وہ تمہیں کچھ نہ کیگا۔ نور الدین بولا۔ دنیا میں یہ بھی کبھی  
 پہلے ہے۔ کہ ایک ہاسپیگر ایک بادشاہ جلیل القدر کو سفارشی رقعہ لکھے۔ خلیفہ نے کہا یہ تمہیں کہ ہے۔  
 لیکن وجہ بھی تو سن لو۔ ہم دونوں ایک ہی کتب میں لکھے پڑھتے رہے ہیں اور ہم میں پرے دور کی  
 محبت تھی۔ لیکن قسمت سے وہ تو بادشاہ بن گیا اور میں ابھی گیری کا پیشہ اختیار کر لیا مگر وہ میری بات  
 ابھی تک ویسے ہی مانتا ہے۔ اگر میں اسے ہزار حاجتیں بھی لکھ دوں تو وہ یقیناً انہیں پورا کرے گا۔  
 نور الدین یہ سن کر بولا۔ لکھ دو۔ بہت اچھا۔ پھر خلیفہ نے قلم و دوات لی اور کاغذ لیکر لکھا۔ بھائی محمود غزنوی  
 حامی رقعہ نور الدین بن وزیر فضل بن قاتان حاضر ہوتا ہے جس وقت یہ رقعہ آپ کے لئے فوراً تحت  
 نے ہاتھ کر لے اور پڑھا دیا۔ تساہل ہرگز نہ ہو۔ میں اسے اپنی طرف سے بھرے کا حاکم مقرر کر کے  
 بھیجتا ہوں۔ موصوفی خلیفہ مارون الرشید۔ پھر لفافہ بند کر کے نور الدین کو وہ رقعہ دیدیا اور نور الدین  
 اسے جیب میں رکھ فوراً وہاں سے چل پڑا۔ اب پیچھے کی حالت سنئے شیخ ابراہیم نے خلیفہ کو اب  
 کہ نہ پوچھا تھا۔ اور وہ اسے کریم ہاسپیگر ہی سمجھتا تھا۔ اسلئے نور الدین کے چلے جانے کے بعد  
 اسی طرف مخاطب ہوا۔ ابے کریم۔ تو وہ پھیلیاں لایا جنکی قیمت زیادہ سے زیادہ دس و سہم ہوتے  
 ہیں مگر تے تین دینار لیکے جیب میں ڈال لئے۔ اور لڑائی بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہے تیری

تمہاری مچھلیاں گھسی ہیں۔ خلیفہ آگے گیا اور انیس کے سامنے جا کے ٹوکار رکھ دیا۔ انیس نے مچھلیاں  
کو پسند کیا۔ شیخ نے بھی تائید کی۔ اب خلیفہ کو حکم ملا کہ اچھا انہیں صاف کر کے بیون بھی تم لاؤ۔  
خلیفہ نے پوچھا۔ مصلح کہاں سے لوں۔ جواب ملا۔ ہمارے باورچی خانہ میں سب کچھ پڑا ہے۔  
وہاں سے لے لو۔ خلیفہ نے کہا حضور بہت اچھا۔ پھر ٹوکار اٹھا کر وزیر کے پاس آیا۔ کہ جاؤ۔  
اور باورچی خانے میں جا کر انہیں نہایت سلیقہ سے صاف کر کے بیون لاؤ۔ وزیر نے مچھلیاں لے لیں  
اور سرور کو ساتھ لے کر باورچی خانے میں چلا گیا اور بڑے شوق سے انہیں لپکا کر کھانے کے پتے  
پر رکھ خلیفہ کے سامنے لے آیا۔ خلیفہ نے باغ سے بیون توڑے اور ساتھ ہی رکھ کر بارہوی  
پر لے گیا۔ نور الدین۔ انیس اور شیخ مچھلی لے کر کھانے کے بہت خوش ہوئے۔ اور نور الدین بولا۔ ہاشم  
آج رات تم نے ہم کو بہت خوش کیا ہے یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور تین دینار نکال کے  
خلیفہ کو دے دیے۔ پھر معذرت کی۔ کہ اس وقت میری یہی طاقت ہے۔ اگر کسی وقت ملتے جی میری  
کچھ استطاعت بھی تھی تو تم کو امیر بنا دیتا۔ خلیفہ نے وہ تینوں دینار لے لئے اور انہیں چوم کر  
جیب میں ڈال دیا۔ مگر خلیفہ کی اصل غرض انیس کا گانا سننے کی تھی۔ اور وہ مچھلی کھانے کے  
میں بھی آئی ہوئی تھی۔ اس لئے خلیفہ نے نور الدین کی تعریف کی۔ کہ میں نے آپ کو ساری زمین  
پر نہیں دیکھا۔ لیکن بہری ایک تمنا ہے۔ نور الدین نے پوچھا۔ کیا؟ خلیفہ نے جواب دیا۔  
میں سامنے ایک ستار دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے یہ بی بی اُسے بجا سکتی ہے۔ اور  
چونکہ میں گانا سننے کا بڑا مشتاق ہوں۔ اس لئے اگر آپ فرمائیں تو یہ بی بی ذرا ستار بجائے۔  
تاکہ میں آپ کو دعا دیتا ہوں اجاؤں۔ نور الدین نے حکم دیا۔ انیس۔ اس ہاشمیکر کو کوئی اچھا گانا  
گانا ستار کے ساتھ گائے سناؤ۔ کیونکہ یہ تمہارا گانا سننے کا بڑا ہی مشتاق ہے۔ بیچارہ کیا  
یاد کر لیا۔ انیس نے جب اپنے آقا کا حکم سنا۔ ستار اٹھائی۔ اور ایسے پریم سے ایک گیت گایا  
کہ درختوں تک وجد میں آکر جھومنے لگے۔ خلیفہ تو اس کا گانا سن کر بے اختیار ہوا جاتا تھا  
اور سبحان اللہ۔ جزاک اللہ کے کلمے منہ سے نکال رہا تھا۔ نور الدین اُسکی یہ حالت دیکھ کر  
بولا۔ کریم! کیا تجھے انیس کا گانا بجانا معلوم ہوتا ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم  
جیسے آج تک ایسا گانا نہ سنا۔ والا دینا بھر میں کوئی دیکھا ہی نہیں۔ یہ سن کر نور الدین بولا۔



تعمیل کی۔ اتنے میں خلیفہ نے بھی اپنا شاہی لباس اتار دیا اور کریم کو اشارہ کیا۔ کہ تم ہاے  
 کپڑے پہن لو اور ہم تمہارے پہن لیتے ہیں۔ جب لباس تبدیل کر لئے کریم کو حکم دیا کہ اب تو  
 اپنا کھانسا کئے جا۔ کریم نے خلیفہ کے پاؤں چوم لئے اور جان بخشی کا شکریہ ادا کیا۔ اتنے میں  
 خلیفہ کو جو میں کاٹنے لگیں جو اس ماسیگر کے کپڑوں میں بے انتہا تھیں۔ خلیفہ نے اُسے کہا  
 کریم تمہارے کپڑوں میں جو میں بہت ہیں۔ اُس نے جواب دیا حضور! اس وقت تو آپ کو تکلیف  
 ضرور ہوگی مگر ایک جمعہ گزر جانے دیجئے۔ پھر آپ کو محسوس بھی نہ ہوگی۔ خلیفہ ہنس پڑا اور  
 پوچھنے لگا۔ بھلا میں ان کپڑوں میں کیسا نظر آتا ہوں۔ کریم نے از روئے مسخر جواب دیا۔  
 حضور مجھے امیر المومنین کی ہیبت سے خوف آتا ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ ورنہ نہیں۔ جو میں ہر  
 صاف صاف کہہ دو۔ کریم نے جواب دیا۔ حضور! سچ تو یہ ہے کہ آپ اس وقت پورے ماہی گیر  
 معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سنکر خلیفہ ہنس پڑا۔ پھر ماسیگر نے تو اپنا راستہ لیا اور خلیفہ مچھلیوں  
 کی ڈکری پر ٹھوڑا سا گھاس ڈالکر وزیر جعفر کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وزیر نے سمجھا کہ کریم ماہی گیر  
 انعام لینے کے لئے آیا ہے۔ کہا۔ کریم! جلدی یہاں سے نکل جاؤ۔ کیونکہ خود بدولت میں  
 ہیں۔ سب ادا دیکھ کر خفا ہوں۔ خلیفہ یہ سنکر ماہی گیر کے مینا ب ہو گیا۔ وزیر جعفر نے بھی سمجھ لیا  
 کہ دھوکا ہوا۔ شرمندہ سا ہو کر بولا۔ یہ تو خود حضور ہیں۔ میں نے کریم ماہی گیر سمجھا تھا۔ خلیفہ نے  
 جواب دیا جب تم ہوش و حواس میں ہو کر مجھے نہیں پہچان سکتے تو شیخ ابراہیم مخوری کی حالت  
 میں کس طرح مجھے پہچان لیگا۔ اب تم کہیں ادھر ادھر ہو جاؤ۔ اور میں بھی ابھی آتا ہوں وزیر  
 اور مسرور یہ سنکر وہیں حبس ہے اور خلیفہ نے اوپر جا کے دروازہ کھٹکھٹایا۔ شیخ بولا۔ کون  
 ہے۔ جواب ملا میں ہوں۔ شیخ ہلایا۔ ابے تو کون ہے۔ نام بھی بتا ریگا یا ٹرٹری کیا جا ریگا  
 خلیفہ نے جواب دیا۔ حضور میں کریم ماہی گیر ہوں۔ میں نے سنا تھا۔ کہ آج آپ کے ہاں نہان کے  
 ہوئے ہیں۔ اس لئے میں حضور کی خدمت میں کچھ پھیلی لیکے آیا ہوں۔ نور الدین اور انیس مچھلیوں  
 کے پرے قریب کے مشتاق تھے۔ جب اس کا نام سنا۔ فوراً شیخ سے کہنے لگے۔ جناب! اُس کے  
 ماسیگر کو دروازہ کھول دئے۔ تاکہ وہ اندر آسکے ہمیں اپنی مچھلیاں دکھائے۔ شیخ نے اُس کے  
 دروازہ کھول دیا۔ خلیفہ نے سلام کہی اور شیخ نے جواب دیا۔ آؤ میرے آج رات کے چور و بچل

تو جعفر نے جواب دیا۔ اس لئے کہ اگر اُس نے ستار اچھی سجائی تو میں مارا جاؤں گا ورنہ سب کے سب کٹھن  
 تو جان دیجئے۔ یہ سن کر خلیفہ ہنس پڑا اور ہر انیس نے شیخ کے ہاتھ سے ستار لیدر پہلے اُس کی تاریں  
 کھینک کیں۔ پھر مضروب انگلی پر چڑھ کر ستار سجائے اور ایک دکنش گیت گانے لگی جس سے پتھر بھی  
 پانی ہو گئے۔ خلیفہ اور اُس کے ساتھی بھی محو حیرت ہو گئے۔ جب انیس نے گانا ختم کیا خلیفہ وزیر  
 سے مخاطب ہوا کہ اے جعفر! میں نے عمر میری ایسا سنجیا اور گویا کوئی نہیں دیکھا۔ وزیر نے پوچھا  
 کیا اس سے آپ کا غصہ جاتا رہا ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا۔ بلاشبہ۔ پھر وہ نیچے اتر آئے اور خلیفہ  
 نے فرمایا۔ میں اوپر جا کے اُن کے پاس بیٹھتا چاہتا ہوں اور خواہش ہے کہ سامنے بیٹھا کے  
 اس حسینہ کا گانا سنوں۔ وزیر نے جواب دیا۔ انکساریہ ان لوگوں کو شاق گذرے گا اور شیخ ابراہیم  
 تو یقیناً مارے خوف کے مر ہی جائیگا۔ خلیفہ نے فرمایا۔ پھر کوئی اور جلد سوچا جائے جس سے  
 میں اندر رہتے رہوں اور اُن لوگوں کو بھی شاق نہ گذرے۔ اس فکر میں وہ دجلہ کے کنارے  
 پہنچا کھڑے ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ کہ ایک ماہی گیر مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔ خلیفہ نے اُس جگہ  
 سے ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کر دی ہوئی تھی۔ مگر شیخ ابراہیم کی غفلت سے  
 کریم نامی ماہی گیر نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس لئے وہ باغ کا دروازہ کھلا پا کر گھر سے جال لے آیا  
 اور اب دجلہ سے مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ خلیفہ نے جعفر اور مسرود کو ڈوہیں چھوڑا اور آپ  
 نظر بچا کے کریم کے سر پہ جا کھڑا ہوا۔ کریم نے دریا میں جال ڈالا ہوا تھا اور اپنی مقلی پر  
 افسوس ظاہر کر کے زمانے کی گردش کا شکوہ کر رہا تھا۔ جب خاموش ہوا خلیفہ کو اپنے سر پہ کھڑا  
 پایا۔ بیچا سے کی بوٹی بوٹی کانپنے لگی۔ اور سوچنے لگا۔ واہ قسمت! کہاں لاپھٹنایا۔ جہاں سے  
 سچات ہی نہیں ملے گی۔ میں خیال کیا تھا۔ شیخ ابراہیم غافل ہے۔ مگر یہ تو خود بدولت آہنچے۔  
 خلیفہ اُسے خاموش دیکھ کر پوچھنے لگا۔ اے کریم! کیا بات ہے۔ چپ کیوں رہ گیا۔ کریم نے  
 جواب دیا۔ حضور! کیا عرض کروں۔ جبکہ میں نے حضور کی چوہی پر آمادہ کیا تھا۔ مگر قسمت ظالم ہے اب  
 جان بچتی نظر نہیں آتی۔ خلیفہ نے تسلی دی۔ کہ اطمینان ہے اپنا کام کئے جا یہ سن کر کریم کو کچھ ہوش  
 آئی۔ اتنے میں جال بھی بچھل دکھائی دیا۔ اور جب اُسے باہر کھینچا۔ اچھی اچھی مچھلیاں نکلیں۔  
 یہ دیکھ کر خلیفہ کو خوشی ہوئی۔ اور فرمایا۔ اے کریم! جلد تر اپنے کپڑے اتار دے۔ کریم نے حکم کی

تصویر انیس صلیب و نور الدین شیخ ابراہیم کے لئے نوشی کی خلیفہ وزیر خرم و سر کا چھپکے دکھانا



سامنے چاہئے اٹھو۔ کوئی بات نہیں آئی۔ خلیفہ بلا خدا جانے انہیں یہاں کون لے آیا ہے مگر میں نے  
 آج تک اس نوجوان اور اس عورت کے برابر خوبصورتی میں کسی کو نہیں پایا۔ انہیں معلوم یہ میں کون  
 وزیر جو جعفر نے عرض کی۔ حکم ہو تو دریافت کر آؤں۔ خلیفہ نے کہا انہیں۔ ہم اُس سامنے والی شکل  
 پر بیٹھ کر کہیں سے ان سب کا تماشہ دیکھینگے۔ سامنے جانے میں وہ جھجک جائیگے۔ غرض وہ تینوں  
 اُس درخت پر چڑھ گئے۔ اور جھپٹ کے ایسی جگہ عیش گئے کہ وہ تو بارہ درہی کے اندر والوں کو  
 بخوبی دیکھ سکیں۔ مگر انہیں کسی کی نظر نہ پڑ سکے اور دیکھا کہ شیخ ابراہیم انہیں سے کہہ رہے شراب پلا کر  
 وقار تو تم نے کھو دیا۔ اب اگر کچھ گاکے سناؤ۔ تو مزہ ہے۔ انہیں نے جواب دیا اے شیخ ابراہیم  
 گانے کا مزہ جب ہے کہ کوئی ساز بھی ہو۔ بغیر ساز کے گانا بچھا اچھا نہیں لگتا۔ شیخ یہ سنکر فوراً  
 اٹھا اور بارہ درہی کے کمرے سے ایک تار اٹھا لایا۔ خلیفہ نے غور کیا تو وہ اسحاق کی تار تھی۔  
 یہ دیکھ کر کہنے لگا۔ اگر اس عورت نے تار کو میرے دلپسند سیایا تو خدا کی قسم میں ان تینوں کا  
 گناہ معاف کر دوں گا اور تمہیں بچانسی پر لٹکواؤں گا اور نہ تینوں کے ساتھ تمہاری بھی جان لٹکے  
 جعفر یہ سنکر بول اٹھا۔ یا خدا! یہ عورت تار کو آپ کے دلپسند نہ بجائے۔ خلیفہ نے وجہ پوچھی

مدد کی۔ اور نہ ہی مجھے خبر دی۔ وزیر نے معذرت کی حضور میں بھول گیا۔ اسلئے معافی مانگتا ہوں۔  
 خلیفہ نے فرمایا۔ خیر! لیکن میں اب آخری شب و ہیں شیخ کے پاس ہی بسر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ  
 ایک مرد صلح ہے اور اُسکے پاس سالک اور فقیر لوگ ہر وقت جمع رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آج  
 بھی سب لوگ وہاں جمع ہونگے تو ہمیں بھی وہاں ضروری چلنا چاہئے۔ شاید ان میں سے کوئی میر  
 بھی عنایت کی نظر اُلکے جس سے ہماری دنیا اور عاقبت سدھر جائے۔ اور یہ بھی ممکن ہے  
 کہ یہاں سے اُسے اور اُسکے دوستوں کو مسرت ہو۔ وزیر بولا حضور اب تو بہت رات  
 آچکی ہے۔ اب تو اُسکا جلسہ قریب الاختتام ہوگا۔ اس وقت آپ وہاں جا کے کیا کریگے خلیفہ نے  
 جواب دیا۔ نہیں ہم ضرور چلیں گے۔ خلیفہ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وزیر بھی ساتھ ہولیا۔ اور خواجہ ہرا  
 مسرور کو بھی ساتھ لے لیا اور تینوں چلتے چلتے دروازہ باغ پر پہنچے۔ دروازے کو کھلا پا کر  
 خلیفہ نے کہا یہ بھی شیخ کی عادات سے بعید تر ہے۔ وہ اسوقت تک کبھی شاہی باغ کے دروازے  
 کو کھلا نہیں رکھتا۔ پھر وہ آگے بڑھے اور اُس بارہ دری کے نیچے جا کھڑے ہوئے جو اسوقت  
 چاغاں ہو رہی تھی۔ خلیفہ نے فرمایا۔ اے جعفر! قبل اسکے کہ ہم آگے بڑھیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں  
 کہ شیخ کیا کر رہا ہے اور اُسکے ساتھی کس مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر وہ ادھر ادھر دیکھ کر وہ ایک  
 درخت پر چڑھ گیا جو بارہ دری کے قریب واقع تھا۔ اور شاخ در شاخ ہو کر ایک تختی پر جا  
 بیٹھا۔ جہاں سے بارہ دری کے اوپر کی منزل کا اندرونی حصہ من و عن و دکھائی دے رہا تھا  
 اور اندر کا نظارہ دیکھ کر اُسکے تن بدن میں غصے کی آگ لگ گئی۔ دیکھا چاند سورج کی ایک  
 جوڑی بیٹھی تھی اور پڑا ابرہیم انہیں شراب کے پیالے بھر بھر کے دے رہا تھا اور اب بھی اُنکے  
 ہاتھ سے نیکے جھوم جھوم کر پی رہا تھا اور کہہ رہا تھا

لطف سے رتھ سے کیا کہوں زاہد  
 اُنکے کبخت اُٹنے پی ہی نہیں  
 خلیفہ یہ دیکھ کر اُتر آیا اور وزیر سے کہنے لگا۔ اے جعفر! بیٹے جو کرامات آج دیکھی ہے اس سے  
 پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ اس درخت پر چڑھ کے تو بھی دیکھ لے جعفر یہ کلام سن کر حیران  
 رہا ہو گیا۔ اور درخت پر چڑھ کر بڑھے کی سفید داڑھی پر خدا کی عطا کردہ عینک تن بدن کا ہوش  
 نہ رہا۔ یقین ہو گیا کہ اب خلیفہ زندہ نہ چھوڑے گا۔ ناچار درخت سے اُتر سر نیچے کئے خلیفہ کے

اجازت چاہی۔ مگر شیخ نے صرف ایک ہی کے جلانے کی اجازت دی۔ مگر نور الدین نے اُسکی بات پر دھبیان نہ دھر کر سب کے سب چراغ چلا دئے اور اب بارہ دری چراغاں دکھائی دیتے لگی شیخ ابراہیم بھی جو اسوقت محو ہوتا تھا اُٹھا۔ اور بارہ دری کے سب دروازے کھول دیے جب ان کاموں سے فراغت ہو چکی تو بڑھے ابراہیم نے ایش سے گانیکی فرمایش کی۔ اور اُس نے سرور میں آکر کچھ ایسا راگ گایا کہ سننے والوں کو وجد آگیا۔ خلیفہ اتفاق سے اسوقت اپنے محل پر جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا اردگرد کی مسیر دیکھ رہا تھا۔ وہاں سے وہ باغ اور بارہ دری بھی من و عن دکھائی دیتے تھے۔ جب اُدھر نظر گئی۔ بارہ دری میں چراغاں دیکھ کے حیران ہوا کہ میں تو یہاں آیا ہوں۔ اور مینے کوئی حکم بھی نہیں دیا۔ یہ آج کیا بات ہے؟ باغ میں روشنی خالی از غلت نہیں۔ حکم دیا کہ وزیر جعفر کو بلا کر نوکر دوڑے گئے اور وزیر جعفر کو بلا لائے۔ وزیر نے اگر خدمت کی زمین چوٹی۔ اور بلانے کی وجہ پوچھی خلیفہ غصہ سے چلا یا۔ تم وزارت کیا خاک کرتے ہو۔ جب تمہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ بغداد میں کیا ہو رہا ہے وزیر نے دُڑتے دُڑتے عرض کی۔ یا امیر المومنین آخبات کیا ہے؟ خلیفہ نے فرمایا آگے آؤ۔ اور اُدھر شاہی باغ کی طرف دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے تم اب ہماری پرواہ ہی نہیں کرتے اور آپ خلافت کرنا چاہتے ہو۔ وزیر جعفر نے کاشتے ہوئے باغ کی طرف دیکھا اور بے قہر و پا کر حیران ہوا۔ خلیفہ بولا اب تو تم نے دیکھ لیا۔ بتاؤ۔ یہ کیا بات ہے؟ اور کسے قدرت ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر باغ کو چراغاں کرے۔ وزیر نے چاہا کہ کوئی سیانہ کر کے خلیفہ کو ہال سے دھکیلے وہ بولا۔ مجھے اب یاد آیا۔ معافی کا طلبگار ہوں۔ پچھلے جو شیخ ابراہیم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ کی اور خلیفہ کی زندگی میں اپنی اولاد کی شادی دیکھنا چاہتا ہوں۔ بیٹے پوچھا اس سے تہننا کیا مقصد ہے۔ وہ بولا میں چاہتا ہوں کہ اس خوشی میں شاہی باغ کے درمیان جلسہ کروں اگر آپ خلیفہ سے اجازت حاصل کر دیں تو بہت ہر بات ہوگی۔ بیٹے جواب دیا کہ تو جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ میں خلیفہ سے عرض کر دوں گا۔ یہ سن کر وہ چلا گیا۔ اور مجھے حضور سے عرض کرنے کا خیال نہ رہا۔ خلیفہ نے فرمایا اے جعفر! پہلے تم نے ایک خطا کی تھی اور اب دوسرے ذمہ دار بنتے ہو۔ مجھے پہلی وجہ تو یہ ہے پاس اسلئے آیا تھا کہ مجھ کو طلب کرے۔ مگر تم نے نہ خود اسکی

اسے پی جا بیٹے شیخ نے کہا۔ بیٹا۔ میں آپ سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں اسے ترک کر چکا ہوں ماب  
کیسے اتھ لگا سکتا ہوں۔ جبکہ شریعت میں یہ چیز حرام شمار کی گئی۔ یہ جواب سنکر نور الدین اس گلاس  
کو غصا غٹ چڑھا گیا۔ اور فوگڑ وہیں پر دراز ہو رہا۔ جس سے معام ہو کہ سو رہا ہے۔ اور اسپرٹ  
غالب آگیا ہے۔ اس وقت انیس نے اس زبردختک کی طرف کچھ ایسی نظر سے دیکھا۔ کہ بڑھے کو منکر  
اشریعت کی یاد دہی بھول گئی۔ پھر بولی جناب سن! ایں حضرت کا حال دیکھئے۔ جب میرے ساتھ شراب  
پیتے بیٹھے وہ ایک گلاس میں ہی ایسے مغمور ہو جاتے ہیں کہ دین و دنیا کی بھی ہوش نہیں رہتی۔  
اور مجھے اکیلے رہنا پڑتا ہے۔ کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ جبکہ ساتھ لطف اٹھا سکوں۔ آپ ہی  
گلاس بھرتی ہوں اور آپ ہی پی لیتی ہوں۔ پھر جب سرور میں آکر گاتی ہوں تو کوئی بھی سنتے ولا  
نہیں ہوتا۔ اب بتائیے! مجھے رنج آئے یا نہ آئے۔ آج بھی جناب پر وہی کیفیت طاری ہو گئی  
ہے اور اب صبح سے پہلے ہوش آنا انہیں محال ہے۔ کیا آج آپ میرے ہم جلس بن سکتے ہیں  
یہ سنکر بڑھے کے منہ میں پانی بھرا یا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر انیس نظروں سے مار گئی۔ کہ  
اگر گلاس پیش کیا تو انکار نہیں ہوگا۔ یہ سمجھ کر گلاس بھرا اور پیش کر کے بولی۔ یہ لیجئے۔ انکار کیا  
تو نہیں کر رہے ہے کیجئے گا۔ ایک پری پیکر کے اتھ سے گلاس تیکر پینے میں جبکہ وہ التجا بھی  
کر رہی ہو۔ بڑھے نے کوئی ہرج نہ دیکھا اور یہ کہکج اگر یار منے پلانے تو پھر کیوں نہ پیجئے  
گلاس لیا اور غصا غٹ چڑھا گیا۔ اسکے بعد ایک گلاس خود بھرا اور انیس کے پیش کیا۔ انیس  
لیکے پی گئی۔ پھر انیس نے دوبارہ شیخ کو ایک گلاس دیا۔ بوڑھے نے وہ بھی لے لیا اور چھٹ  
خالی کر کے رکھ دیا۔ نور الدین فوراً اٹھ بیٹھا اور شیخ سے مخاطب ہوا۔ کہیں حضرت بتائیے۔ وہ  
آپ کے مسئلے کیا ہوئے؟ شیخ شرمندہ ہو گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میرا کوئی گناہ نہیں ہے  
اس لی پی نے مجھے جبراً پلا دیا ہے۔ نور الدین انہیں پڑا۔ پھر تینوں بیٹھ گئے اور دوڑ چلنے  
لگا۔ حتیٰ کہ اس شغل میں ڈیڑھ پر رات چلی گئی اس وقت شیخ انیس کی طرف مخاطب ہوئی کہ اگر  
اجازت ہو۔ تو یہ چند فانوس روشن کر دوں۔ شیخ نے جواب دیا۔ ایک سے زیادہ فانوس نہ جلاؤ  
اس کا خیال ہے۔ مگر وہاں کون سنتا تھا۔ انیس نے ایک سرے سے دوسرے سرے  
تک تمام فانوس روشن کر دیے۔ اب نور الدین کی باری آئی۔ اس نے بھی چند شمعیں روشن کر لیں

رہے تھے۔ شیخ ابراہیم نے بارہ درہی کے اوپر ایسی جگہ بٹھا دیا۔ جہاں سے سارے باغ کی سیر بخوبی  
 ہو سکتی تھی۔ بارہ درہی کی خوشنوائی اور اُس کے عجائبات کا ذخیرہ ملاحظہ کر کے نور الدین اور اُن  
 بڑے خوش ہوئے۔ اور شیخ سے اُسکی تعریف کر کے کہنے لگے۔ صاحب آپ نے تو باغ کو رشکِ جنت  
 بنا رکھا ہے۔ والد اسے دیکھ کر میری سب تکلیفیں رفع ہو گئی ہیں۔ پھر شیخ کھانا لایا جسے دونوں نے  
 خوب سیر ہو کر کھایا اور ہاتھ دھو کر پھر باغ کی سیر کرنے لگا۔ اتنے میں شیخ بھی اپنے کاموں سے  
 فراغت حاصل کر اُنکے پاس آگیا۔ نور الدین بولا۔ کیوں جناب؟ آپ کے پاس شراب بھی ہوگی۔ وہ  
 غریب کھنڈا پانی لے آئے۔ نور الدین نے کہا میرا مطلب دوسری شراب سے ہے۔ جو آدمی کھانا کھا  
 کے بے پیما کرتے ہیں۔ ابراہیم نے پوچھا۔ آپ کا مطلب خمر سے ہے۔ نور الدین نے جواب دیا ہاں!  
 جو خمر ہی چاہئے؟ شیخ نے کہا خود بائند۔ مجھے تیرہ سال ہو گئے ہیں اسے کبھی ہاتھ نہیں لگایا  
 اسلئے کہ ہمارے نبی صلعم نے کہا ہے کہ شراب کا پینے والا نکالنے والا اور کھانا پینوں کی لعنتی  
 ہیں۔ نور الدین بولا آپ میری بات تو سنئے یہ دو دینار لیجئے اور یہاں بیٹے ایک گدا بھی چڑھائو  
 دیکھا تھا۔ اُسے کمال کی دوکان پر لیجائیے۔ وہ دینار جاکے ہاتھ پر اُسکے رکھ دیں۔ وہ آپ ہی اسپر دو  
 بوتلیں رکھ رکھا۔ پھر ایک کر گدھے کو یہاں لے آئے۔ ہم خود بوتلیں اتار لیگیں۔ تم نے ہاتھ نہ لگانا  
 شیخ نے اسے منظور کیا اور ہنسا ہوا دینار لیکر گدھے کو اُنکا شکر پرف لیچا اور تھوڑی دیر میں دو  
 بوتلیں لئے واپس آگیا۔ مگر آتے ہوئے باغ کا دروازہ بند کرنا بھول گیا۔ نور الدین نے گدھے سے بوتلیں  
 اتار دیں۔ اور شیخ نے انہیں سونے چاندی کے برتن لافٹے۔ جو خلیفہ کے استعمال کیلئے واپس پڑھے  
 ہوئے تھے۔ غرض دُور چلتے لگا۔ بڑا ابراہیم اُنکے سامنے پرے ہو کے بیٹھ گیا۔ نور الدین نے اُسے  
 دُور بیٹھا دیکھ کر کہنے لگا۔ بزرگوار سن! آپ ایسے دُور ہوئے کیوں بیٹھے ہیں۔ آپ نے ہم پر بہت  
 بُری مہربانی کی ہے جس کا شکریہ ہم سے اد ا نہیں ہو سکتا۔ وہ بولا نہیں میں بول ہی چکا ہوں  
 تم اپنا کام کئے جاؤ پھر اُنکے واپس سے مل گیا۔ انہیں پوچھنے لگی۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں  
 اس بوڑھے کو راہ پر لے آؤں۔ مگر پہلے تم کوشش کرنا۔ اور اگر نہ مانے تو وہی گلاس خود پنی کے لیٹ  
 جانا۔ پھر میں آپ ہی دیکھ لوں گی۔ یہ صلح کرنے نور الدین نے شیخ کو آواز دی۔ وہ دوڑا آیا۔  
 اور نور الدین نے گلاس پیو کے بُری خوشامد سے پیش کیا۔ کہ آپ کو ہماری ہی جان کی قسم ہے

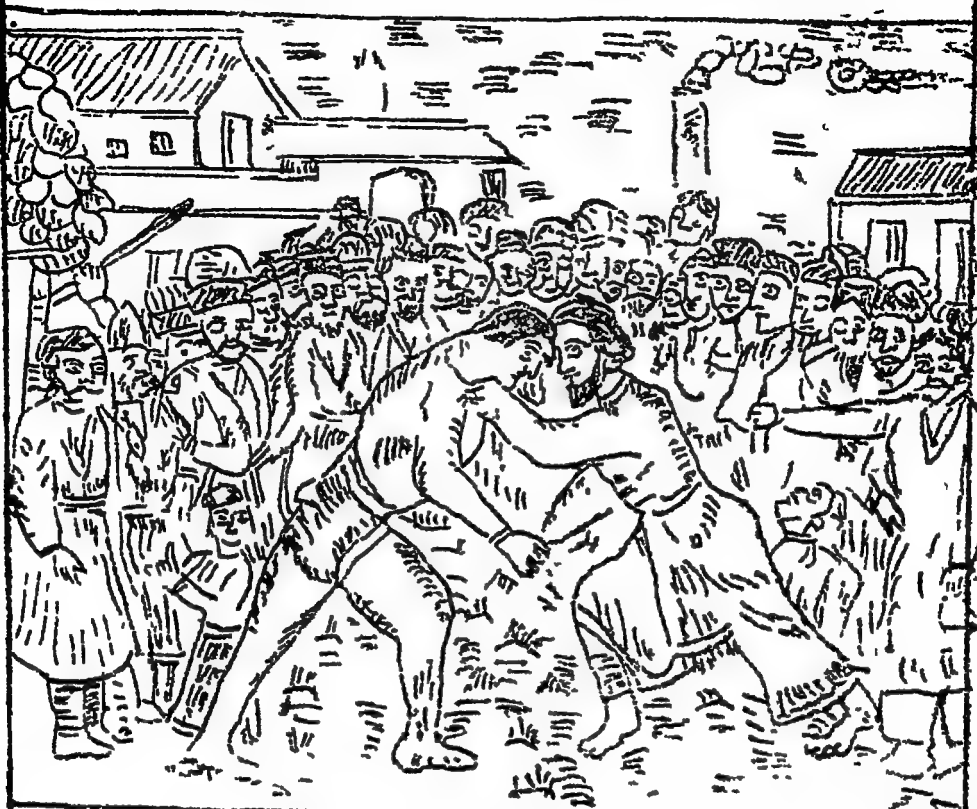


ایک خانوس لٹکا ہوا تھا۔ عین بیچ میں بھی ایک بہت بڑا سنہری جھاڑ کا پھوٹا تھا۔ جب خلیفہ  
وہاں آتا رہ جھاڑ اور خانوس روشن ہو جاتے۔ رنگ و رنگ ہوتا اور خلیفہ خطا کھایا کرتا۔ اس  
بلخ کا مالی ایک بوڑھا مفتی شیخ ابراہیم نامی تھا۔ شیخ ابراہیم اس دن اتفاقاً کسی ضرورت سے کھوستا  
کھوستا اُدھر بھی آگیا۔ جہاں نور الدین اور انیس جلیس بھی تھے پڑے سو رہے تھے۔ اسے سخت غصہ  
آیا۔ کہ یہ کہاں کے نواب ہیں۔ جو بادشاہی بلخ میں اس بھیکاری سے آکے پڑے ہیں۔ شیخ کو خلیفہ نے  
حکم دے رکھا تھا۔ کہ بلخ میں جس اجنبی کو پائے۔ اس سے جیسا چاہے سلوک کرے۔ اس لئے  
سوچنے لگا۔ کہ اگر میں انہیں قتل کر دوں۔ تو بھڑے باز پڑسی نہ ہوگی۔ کیونکہ خلیفہ نے ایسے لوگوں  
کی قسمت میرے ماتھے میں دیدی ہوئی ہے مگر میں انہیں مار دوں گا نہیں صرف جگا دوں گا اور تھوڑی  
ڈانٹ بتا کر نکال دوں گا۔ تاکہ آئندہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔ یہ سوچ کر درخت کی ایک شاخ ٹوڑ لایا۔  
اس لئے کہ انہیں ہلکی سی سزا دے۔ مگر پھر خیال آیا۔ کہ خدا جانے کون ہیں۔ غریب الوطن ہیں مسافر ہیں  
یا کیا ہیں؟ ابراہیم تو انہیں بے جانے بوجھے کیوں مارتا ہے۔ پہلے ان سے انکا حال دریافت کر لے  
یہ سوچ کر سمجھ گیا۔ اور ان کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور چادر کے نیچے جب چاند سورج کی جوڑی بھی ہوئی  
نظر آئی تو کہنے لگا۔ اگر میں مار بھی دیتا۔ تو بڑا گنہگار ہوتا۔ خدا جانے کون ظالم ہیں۔ اس لئے  
بعد نور الدین کی طرف آکر اس کے شانے کو ہلانے لگا۔ یہاں تک کہ اسے آنکھ کھول دی اور اپنے سامنے  
ایک بوڑھے بزرگوار کو پا کر شرمندہ ہو گیا۔ پھر اٹھ کے بوڑھے کے قدم لئے شیخ نے پوچھا۔ بیٹا! تم کون  
ہو۔ نور الدین نے جواب دیا۔ جناب! ہم غریب الوطن مسافر ہیں۔ اور اسکی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ یہ  
دیکھ کر شیخ سہج گیا اور بولا۔ بیٹا! اطمینان رکھو۔ ہمارے پیغمبر نے مسافروں کی امداد فرض بھرائی ہے  
پس بے بیٹا! کیا تم میرے ساتھ اندر چلکے سیر کر سکتے ہو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکیگا۔ تمہاری مدد بھی  
کر دوں گا۔ نور الدین نے پوچھا۔ جناب! یہ بلخ کس کا ہے۔ ابراہیم نے جواب دیا۔ کہ مجھے یہی بزرگوں  
سے درستہ میں پتا ہوتا ہے۔ شیخ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اندر چل سکے۔ غرض  
نور الدین نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور انیس کو جگا کر دو نوشخ کے ساتھ ہولے۔ بوڑھا آگے آگے اور وہ  
جوڑی پیچھے پیچھے اس بلخ کی بہار دیکھتی جا رہی تھی جس میں دنیا بھر کے عجیب و غریب میوہ دار  
درخت میووں سے لیے ہوئے نہایت میلے معلوم ہوتے تھے نہریں جاری تھیں اور نچوڑے چھوٹ

نکل جائیے۔ نور الدین نے وجہ پوچھی تو سب نے کہا۔ کہ معین بن ساوی نے تمہارے دربار میں بہت  
 ہی شکایت کی اور تمہارے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ ابھی چالیس سپاہی آگے تمہارا گھر کھودوا  
 ڈالینگے اور تم دو نو کو پکڑ کے لیجا بیٹگے۔ اسلئے اُنکے پہنچنے سے پہلے تم اس گھر کو چھوڑ دو۔ یہ کہہ  
 علم الدین نے اپنی حبیب میں ہاتھ ڈالا اور چالیس دیوار نور الدین کے سامنے رکھ دئے۔ کہ جب  
 پاس اس وقت یہی سمجھ تھا۔ ورنہ میں جو کچھ ہو سکتا۔ حضور کی مدد کرتا۔ یس اب دیر نہ کریں۔ نور الدین  
 نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور اندر جاتیں کو ساتھ لے غور شہر سے یا ہر نکل گیا اور رضا کا نام لیکر  
 ایک طرف کا رخ کر لیا۔ جب سمندر کے کنارے پر پہنچے وہاں جہاز کو تیار پایا۔ کہتان کہتا تھا  
 کہ کسی کا کچھ رہ گیا ہو یا کوئی حاجت ہو۔ تو ابھی وقت ہے۔ سب نے کہا ہمارے کوئی ضرورت باقی نہیں  
 اتنے میں نور الدین بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُسے التجا کی۔ کہ میں بھی بٹھالیجئے۔ ہم بغداد کو جائینگے۔ کہتان نے  
 دو نو کو جہاز پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور جب وہ بیٹھ گئے۔ جہاز کا ٹنگا اٹھا دیا گیا۔ پھر اسوقت ہی  
 جہاز اُٹھ گیا اور اُن چالیس ہتھیار بند سپاہیوں کی سوار ہوئے۔ نور الدین کی گرفتار  
 کا حکم ملا تھا۔ جب وہ مکان پر پہنچے۔ دروازہ بند پا کر اُسے توڑ ڈالا اور اندر گھس گئے اور ہر کونہ گوش  
 کو دھونڈ مارا۔ مگر نور الدین ہوتے ملے۔ ناچار جب دو نوں سے کوئی نہ ملا تو گھر کو کھدوا کر سطح زمین کے  
 برابر کر دیا۔ اور بادشاہ کو خبر دی۔ موزینی کو اُنکے نہ ملنے سے بڑا غصہ آیا۔ حکم دیا کہ سارے  
 شہر میں دھونڈو۔ جہاں ملیں پکڑ کے لاؤ۔ غرض مناوی کی گیلی۔ مگر کسی کو نور الدین کی گرد کا بھی پتہ نہ لگا  
 معین کے یاوشاہ نے خلعت و بکرا شکر شونی کر دی۔ اور کہا کہ میں تمہارا بدلہ لیکر رہوں گا  
 وہ بھی دعائیں دیتا گھر آیا۔ ادھر نور الدین اور انہیں سبیت بغداد میں پہنچ گئے۔ کہتان کو  
 پانچ دیوار دئے اور آپ ساحل مرا پر اتر کر شہر کی طرف روانہ ہوئے مگر ناواقفیت کے  
 سبب شاہی باغ کی طرف جائے۔ بہار کا موسم تھا اور درختوں پر جون چھارہا تھا۔ وہ فضا  
 نور الدین کو بہت بھائی۔ اسلئے وہ آگے بڑھ کر دروازے کی راہ اندر جا بیٹھے۔ اور چشمہ کے  
 کنارے بیٹھ کر نہ ہاتھ دھویا۔ پھر پانی پی کے وہیں لیٹ گئے۔ یہ باغ خلیفہ مارون الرشید  
 کا تھا اور اُس میں خلیفہ کی ایک بارہ درسی تھی، جب مرصی ہوتی خلیفہ اُس باغ میں آکر سیر  
 سیاحت سے دل بہلا یا کرتا۔ اس بارہ درسی کے اسی دروازے سے اور ہر دروازے میں ایک

اور بھی حیران ہوا اور پوچھنے لگا۔ اے یحییٰ! تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے یحییٰ نے جواب دیا حضور! میں آج بازار میں جاؤں گا تھا۔ کہ خاص میں ایک لونڈی کے نیلام ہونے کی آواز کان میں آئی۔ چونکہ تجھ جی کھانا پکانے کیلئے ایک لونڈی کی ضرورت تھی۔ اسلئے میں آگے بڑھا تاکہ میرے کام کی ہو تو اسے خرید لیا لیکن جب میری نظر اسپر پڑی۔ میں حیران رہ گیا۔ کیونکہ وہی خوبصورت اور خوش چلتہ لونڈی بیٹے عمر بھر میں کبھی نہیں دیکھی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ اسے حضور کی خدمت گزاری کے لئے خرید کر لوں غرض بیٹے اسکی قیمت وغیرہ کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ لونڈی نور الدین کی ہے جو آپ کے سابق وزیر کا لڑکا ہے اور وہ بچوں کو لڑتا ہے بازار میں بیچنے لایا ہے۔ بیٹے بھی نیلام ہو گیا۔ یہ دیکھ کر نور الدین تو غضب میں ہی بھر گیا۔ اور مجھے برسر بازار عام لوگوں کے رو بہ گھوڑے سے اتار کر زمین پر بچھا ڈیا۔ بلکہ بیٹے آپ کا نام بھی لیا کہ یہ لونڈی میں حضور کیلئے خریدتا ہوں۔ مگر وہ اور بھی تیز ہوتا گیا۔ اور حضور انور! میرا یہ حال جو دیکھتے ہیں۔ محض آپ ہی کے لئے ہوا ہے حضور والا! نیز مجھے معلوم ہوا۔ کہ حضور انور نے اسکے باپ کو جو دستہ راز شرفیاں ایک خوبصورت اور خوبصورت لونڈی خریدنے کیلئے عطا فرمائی تھیں۔ اُن سے اُس نے یہ لونڈی خرید کر اپنے بیٹے کو دیدی تھی۔ اور اب بیٹے نے باپ کے مرنے کے بعد سب جائداد تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ یہاں تک کہ اب لونڈی بیچنے پر توبہ پہنچ گئی ہے۔ یہ کہ وزیر زمین پر گر پڑا اور دائیں مار مار کر روٹنے لگا۔ کہ حضور! اس شخص نے مجھ بڑے کو ایسی بُری طرح سے مارا ہے۔ کہ اُڑی پیلیاں سیا ٹوٹ رہی ہیں۔ وزیر کا یہ حال اور باتیں سنکر موزیتی کا چہرہ مارے غیظ و غضب کے لال انگارہ ہو گیا۔ اور پکارا کوئی ہے۔ فوراً چالیس مسلح سوار حاضر ہوئے۔ انہیں حکم دیا کہ فوراً جاؤ۔ اور نور الدین کا گھر گرا کے مٹی میں ملا دو۔ اور لونڈی بیت نور الدین کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹ لاؤ۔ سوار سر تسلیم خم کر کے روانہ ہوئے۔ اب دوسری طرف کی بھی سنو۔ بادشاہ کے پاس ایک دربان تھا۔ علم الدین بخرنا می۔ وہ وزیر فضل بن خاقان کا پروردہ تھا۔ جب اُس نے اپنے آقا زادے کی نسبت ایسا قہارانہ حکم سنا۔ فوراً دوڑا اور اُن سواروں سے پیشتر اپنے تئیں نور الدین کے ماں پہنچایا۔ نور الدین آگے بھڑکی سے بھاگا ہوا تھا۔ جب علم الدین نے دروازے پر دیکھا کہ دستک دی وہ باہر نکل آیا اور بیچان کر خیر و عافیت پوچھنے لگا۔ سب لوگ جناب یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔ اپنی جان کو لیکے جلد صبر نہ آگھتا ہے۔

# تصویر نور الدین بن فضل بن طاقان اور وزیر معین بن ساوی کی کشمی اور طاقت کا پہچان



چالیس مسلح سوار بھی تھے۔ جب انہوں نے نور الدین کو اپنے آقا پر حملہ کرتے پایا۔ میانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور چاہتے تھے کہ ٹوٹ کر نور الدین کی بوٹی بوٹی کر ڈالیں۔ مگر عوام نے جو اس تماشے کو دیکھی سے دیکھ رہے تھے انہیں سمجھا بھگا کر باز رکھا کہ وہ وزیر اور یہ وزیر زادہ انہیں لڑنے دو۔ تم کیوں پیچیں پڑتے ہو۔ کل کو اگر انکی مسلح ہو جاتے تو تمہاری تو شامت آجائیگی۔ غرض جب نور الدین وزیر معین کو خوب رو تڑھکا تو لوگوں نے بیچ پر کر بچاؤ کر دیا۔ نور الدین نے انیس کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی راہ لی۔ مگر معین چلا بھٹنا پڑے پھاڑ گھوڑے پر سوار ہو شہابی دربار کی طرف گیا۔ بادشاہ ابھی محل سے نہ نکلا تھا کہ معین بن ساوی نے محل کے نیچے کھڑے ہو کر پکارا۔ اے بادشاہ! تو ہی ایک مظہر کی فریاد رسی کر۔ بادشاہ نے آواز نہ کر سکے۔ کہ دروازے پر کون فریاد کر رہا ہے۔ اُسے اندر لے آؤ۔ نصیبوں نے وزیر معین کی یہ حالت دیکھ کر حیرانی ظاہر کی۔ اور اسے عزت کیساتھ اندر لے گئے۔ بادشاہ اپنے وزیر کا یہ حال دیکھ کر

کہ قیمت ہرگز نہیں دیا کرتا۔ اب کو ایک رقمہ لکھ دیکھا کہ مکان پر اسے قیمت لیجا تا۔ پھر آپ کو کئی بار طلبہ کے لئے جانا پڑ گیا۔ آخر آپ جب تنگ آجائیں گے تو کیگا۔ میرا رقمہ کہاں ہے؟ جب آپ رقمہ دینگے تو اسے پھاڑ کے پھینک دیکھا۔ اور انکار کر دیکھا۔ چلو بس چھی ہوئی۔ کہاں کا دینا اور کہاں کا لینا اور آپ میں اتنی طاقت نہیں دیکھتا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ کسی چیلے سے آپ انیس کو اس وقت واپس لیجائیں۔ نور الدین نے پوچھا۔ وہ کیسے ہو۔ دلال نے جواب دیا۔ میں آؤ ہر جاتا ہوں۔ اور معین کہ کھد ونگا۔ کہ قیمت لاؤ۔ اور لونڈی لیجاؤ۔ لیکن تم بھی میرے پیچھے ہی چلے آنا اور لونڈی کو کچلکے دو چار چلنے جڑ دینا۔ کہ چل اب گھر کو اب کوئی اربا نفل مست کرنا۔ جس سے میں تجھے بیچنے پر مجبور ہو جاؤں۔ اب کے تو اتنی ہی سزا کافی ہے اور میری قسم اس سے ہی پوری ہو جائیگی کہ یہ تجھے بیچنے کے لئے بازار میں لاکھڑا کیا۔ اس چیلے سے بازار کے لوگ بھی سمجھ لینگے کہ آپ نے فقط اس لونڈی کو اس لئے بازار میں لاکھڑا کیا تھا۔ کہ قسم کھائی تھی ورنہ آپ اُسے بیچنا نہیں چاہتے۔ یہ سمجھا کر دلال نور الدین سے جدا ہو گیا۔ مگر نور الدین بھی اُسکے پیچھے ہی پہنچا اور لونڈی کا ماتھے پر شے جھٹ دو چار چانٹے جڑ دئے۔ نیز دلال نے جو کچھ پٹی پڑائی تھی اُسے بھی پوری خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ کہ مجھے تیری قیمت کی حاجت نہیں۔ میں تو فقط اپنی قسم پوری کیا چاہتا تھا۔ سو پوری ہو گئی۔ بازار میں دلال نے تیرے لئے بولی دیدی۔ اب گھر کو چل۔ اور آئندہ کے لئے کسی مجھے غیظ میں لانیو الا کام نہ کیجیو۔ معین کو یہ دیکھ کر دودھ آ گیا۔ اور بولا کہ بھلے مانس اب تیرے پاس اور رہا ہی کیا ہے۔ جس سے تجھے اس کی قیمت کی حاجت نہیں رہی۔ نور الدین اس سلی بات کو سہارہ نہ سکا اور تاجروں کی طرف مخاطب ہوا۔ کہ تم نے شاہد رہنا۔ یہ شخص کس قدر زیادتی کر رہا ہے۔ معین بولا۔ زیادتی کی بھی ایک ہی تھی۔ میں تو تجھے جیتا نہ چھوڑتا۔ مگر جانگی خاطر سے چھوڑ دیا۔ یہ سنا کر نور الدین کو اشارہ کیا۔ کہ کیا دیکھ رہا ہے۔ پکڑے۔ ہم تیری مدد کرینگے۔ اور ہمیں خوشی ہوگی۔ اگر تو آج اسے ہر بازار سے پھاڑو کھا لے۔ نور الدین یہ سنہ پا کر آگے بڑھا اور معین پر ہادی کو کھینچا کہ رُسے سے آنا لیا۔ کہاں وہ پڑھا اور کہاں یہ چولم پانٹھا۔ ہر سے طاچوں اور نکوں کے بجائے معین نے شمشیر نکھڑے۔ پھر اُسے اٹھا کے زمین پر دسے مارا۔ اور اسکی چھاتی پر چڑھ کر وہ گھسے دئے کہ بچہ کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا معین کے

نور الدین نے کہا۔ ماں اتو اب تم ہی اسے فروخت بھی کرو۔ دلال یہ سنکر بازار کی طرف گیا اور پہلے چلے  
 سوا کھٹا کر کے کہنے لگا۔ دوستو! ہر سفید چیز چوٹی نہیں ہوتی۔ نہ ہی ہر سنہ رنگ شے کو شست ہوتی  
 ہے۔ آج میں ایک لوگوں کے سامنے دو قیمتی پیش کرتا ہوں جس کی قیمت کا اندازہ چاندی یا سونے  
 کے ٹکڑوں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک لونڈی ہے جسے تم بظاہر و باطن ڈر بے بھاپاؤ گے۔ اب میں  
 اسے نیلام کے لئے پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے جو شخص بڑھکر بولی دے۔ قیمت ادا کر کے اسے لے لیا سکتا  
 ہے۔ یہ سنکر ایک تاجر نے سارے چار ہزار دینار رکھ دیے۔ اتفاقاً وزیر معین بن سادی بھی اسی دن ہر سو  
 دربار کو جا رہا تھا۔ نور الدین کو بازار میں کھڑا دیکھ کر سوچنے لگا کہ آج اس کے یہاں کھڑے ہو نہ کیا گیا ہوا  
 ہے۔ ضرور کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ پھر آگے بڑھ کر جب ایک ماہ پارہ لونڈی کو نیلام ہوتے دیکھا  
 تو سمجھ لیا کہ ہوتے ہو۔ نور الدین ہی اسے بازار میں بیچنے کو لایا ہے۔ کھانے کو کچھ نہ رہا ہو گا۔ اور کوئی  
 بات نہیں۔ یہ سوچ کر سودا گروں سے پوچھا۔ کہ اب تک بولی کہاں تک پہنچی ہے۔ جواب ملا کہ فلاں  
 سودا گرنے سارے چار ہزار دینار کہے ہیں۔ وزیر معین نے سب تاجروں کو اشارہ کر دیا کہ خبردار  
 اب اس سے زیادہ ایک درہم بھی کوئی شخص نہ کہے۔ معین کے منہ میں اس لونڈی کو دیکھ کر پانی پھر  
 آیا تھا۔ اور وہ اسے خرید کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے اصل واقعہ مزید بتائے کہ گوشت لہر لہا چاہتا  
 ہے تاکہ وزیر فضل بن خاقان مرحوم کے بغل بیٹھے سے اپنی عداوت کا دبا لے۔ تاجروں نے وزیر کا  
 اشارہ پا کر دال سے دامن کترایا۔ کیونکہ وہ اس کے ظلم و ستم کو خوب جانتے اور اس سے ڈرتے تھے اور  
 کوئی شخص سارے چار ہزار سے نہ بڑھا۔ اس کے بعد وزیر معین نے دلال کی طرف نگاہ کی۔ کہ اب تم کس مقدار  
 میں ہو۔ مالک کو پوچھ کر قیمت لو۔ اور لونڈی میرے چھانے کرے۔ دلال یہ سنکر نور الدین کی طرف گیا۔ اور  
 اسے جا کے کہنے لگا۔ صاحب! لونڈی فوت جا رہی ہے۔ میں نیلام کرتے لگا تھا۔ اور ایک تاجر نے  
 سارے چار ہزار سے بولی شروع کی تھی۔ کہ قیمت معین بن سادی بھی آگیا۔ اب اس نے سب کو منع کر دیا  
 ہے کہ کوئی شخص اس سے ایک درہم بھی نہ بڑھے اور تاجر اس کے ظلم سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے سب  
 خاموش ہو کر علیحدہ جا بیٹھے ہیں۔ اب تمہاری کیا صلاح ہے۔ مگر میں تو آپ کو رائے نہیں دے سکتا  
 اس قیمت پر اس شخص کے ہاتھ آپ انیس عیس کو فروخت کریں۔ نور الدین نے جواب دیا۔ میں تو  
 تمہیں کہی ایسی اجازت نہیں دے سکتا۔ دلال بولا۔ اس کے علاوہ اس قیمت میں بڑا ہماری نفس یہ ہر

ہنا بت بخشنا کہ ہو کر یا ہر جگہ - مگر پھر دیکھو تسلی ہوئی کہ مکمل ہے یہ حرازادہ طوطا چشم ہو چکے کسی دوسرے کے اہل جانا چاہئے یہ سوچو دوسرے رفیق کے دروازہ پر گیا۔ وہاں سے بھی لٹکا سا جواب پا کر تیسرے کے گھر کا راستہ لیا۔ غرض پہلے سب دوستوں کے اہل گیا۔ اور سب نے ہی منہ میں کھانڈ دی۔ آخر ان لوگوں کے اس قدر جلد منہ پھیر لینے سے وہ سخت شکستہ خاطر ہو کر اپنے گھر لوٹا اور انہیں سارا کے ساری سہ گزشت سنائی۔ اس وقت وہ دل ہی دل میں بیچ رہا تھا کہ کیا ہو گا۔ انہیں نے جواب دیا صاحب من! اپنے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ اپنے دوستوں کا خیال بھی دلیمن لائیں۔ وہ بھی وقت تک آپ کے دوست تھے۔ جب تک آپ سے انہیں کھانے کو ملتا تھا۔ تو والدین بولا۔ مجھے میرانی تو اس اس سے ہے کہ وہ میرا منہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ انہیں نے کہا میرے بھوے آقا وہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپ کے سامنے آئیں تو انہیں کچھ دینا نہ پڑ جائے۔ مگر خیر خدا تعالیٰ نے آپ کو جلدی ہی تجویز کر دیا کہ وہ دینا میں ہر شخص مطلب کا سامتی ہوتا ہے۔ بے غرض دوست کا رہتا بہت ہی محال ہے۔ آپ اب فکر نہ کیجئے۔ اب بھی آپ کے پاس بہت کچھ باقی ہے۔ اس کا انتظام فرمائیے۔ اور اس میں سے تھوڑی تھوڑی جاداد بیکر بیکر کیجئے۔ تو والدین نے بھی اس بات کی تائید کی اور یہ قیامتہ جاداد میں سے تھوڑی تھوڑی بیچ بیچ کر گزارہ کرنے لگا۔ حتیٰ کہ جب تھوڑی ہی مدت میں اثاثہ اہلیت کا بھی فیصلہ ہو گیا تو پھر انہیں کی طرف دیکھا۔ وہ بولی۔ اب میں حاضر ہوں۔ آپ کو بھی یاد ہو گا کہ آپ کے والد نے مجھے دس ہزار دینار سے خرید لیا تھا۔ مجھے بازار میں لیجئے اور بیچ ڈالئے۔ شاید کوئی خریدار نکل آئے اور تمہاری مشکل حل ہو جائے۔ جب خدا آپ کو قدرت دیگا۔ ہم پھر اکٹھے ہو جائیں گے۔ تو والدین بولا۔ اے انہیں! آئندہ کے لئے خیال رکھو کہ مجھے یہ بات ہرگز نہ کہنا۔ میں تمہاری ایک لمحہ کی جڈانی بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر انہیں نے کہا کہ انہیں ضرورت کے وقت سب کچھ دے دیتا ہوں۔ تم کچھ فکر بھی نہ کرو۔ مسکلاں سیاب پھر ہمیں کیجی کر لیا۔ غرض جب انہیں نے بہت اصرار کیا۔ تو والدین اس سے لیکر خاس کو لیا۔ اور اسی دال سے جانا جس سے انہیں کو والدین کے والد نے خریدا تھا۔ دال نے بڑی غصت سے اسکا استقبال کیا اور تشریف آوری کی وجہ پوچھی تو والدین انہیں کی فروخت کا معاملہ درمیان لایا۔ دال نے کہا۔ مجھے خوب یاد ہے آپ کے والد نے انہیں کو مجھ سے ہی دس ہزار دینار سے خریدا تھا۔



اُس سے کہنے لگا۔ میں آج اجازت چاہتا ہوں۔ نور الدین بولا۔ کیوں خیر تو ہے؟ کہتے ہو ابراہیم آج  
 میری بی بی کے لڑکا لڑکی ہو چکا ہے۔ اور میرا وائ رہنا ضروری ہے۔ نور الدین نے ہنسے جانے  
 کی اجازت دی۔ اتنے میں دوسرا بھی آگے آیا۔ اور کہنے لگا۔ صاحب! مجھے بھی آج معاف لیجئے  
 کہ میں یہاں دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔ نور الدین نے پوچھا۔ کیوں۔ وہ آدمی کہنے لگا۔ آج میرے  
 بھتیجے کا عقیقہ ہے۔ اور میرا وائ حاضر رہنا ضروری ہے۔ نور الدین نے اُسے بھی اجازت دی۔  
 غرض سب کے سب کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے نور الدین سے رخصت ہو گئے۔ جب یہاں صاحب اکیلے  
 رہ گئے تو انیس کو بلایا۔ اور اُس سے مشورہ طلب کیا کہ دیوان یہ سنا ہے۔ اور دوستوں نے  
 وہ لڑکھاؤ دکھائی ہے۔ انیس نے کہا۔ میرے آقا! میں نرت سے سوچ رہی تھی کہ آپ کو  
 دور اندیشی کی طرف توجہ دلاؤں۔ مگر اتفاق ہی ایسا ہوا کہ میں آپ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ تاہم میں آپ کو  
 الزام نہیں دیتی۔ تقدیر ہی ایسی تھی۔ اب بھی مستقبل جاؤ تو کچھ نہیں گیا۔ نور الدین نے جواب دیا۔  
 انیس! تو جانتی ہے۔ کہ میں نے اپنی ساری دولت اپنے دوستوں کی خاطر داری میں صرف کر ڈالی ہے  
 اس لئے مجھے یقین ہے۔ کہ وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتے اور میری اس حالت میں پوری مدد کرینگے۔ انیس  
 نے جواب دیا اسکا تو خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ دنیا مطلب کی بڑی ہے۔ اب جبکہ اُن لاگوں کو معلوم  
 ہو گیا ہے کہ آپ کا ماتہ خالی ہے۔ میں کہتی ہوں دیکھ لیجئے گا۔ کہ رہ آپ کو دیکھنے کے بھی روا دار  
 نہ ہونگے۔ نور الدین کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے؟ میں یہی جانتا ہوں۔ اور اُن سے کچھ نہ کچھ اتنا ہوں  
 میں نے انکو اس قدر دولت دی۔ اور وہ ایسے طوطا چشم ہو جلیں گے کہ میری کچھ بھی مدد نہ کرینگے غرض اسیدم  
 اٹھا۔ اور اُس محلے کی طرف گیا۔ جہاں اُس کے رفیق بود و باش رکھتے تھے۔ سب سے پہلے اُس نے  
 اُس دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جبہ اسے بہت بڑا بھروسہ تھا اور جس نے بار بار رفاقت کی تاثیر  
 چھائی تھیں۔ اندر سے لونڈی نکلی اور پوچھنے لگی۔ کیوں صاحب! آپ کیا چاہتے ہیں نور الدین نے جواب  
 دیا۔ اپنے آقا سے جا کے کہہ دو کہ نور الدین دروازہ پر کھڑا ہے اور تمہیں بلانا چاہتا ہے۔ لونڈی فوراً  
 اندر گئی۔ اور اپنے آقا سے جا کے کہہ دو کہ نور الدین کا پیغام کہہ دیا۔ وہ بھلا مانس چلا یا کر نالایق جا کے ابھی کہہ  
 کہ میرا آقا گھر میں نہیں ہے۔ لونڈی حیران ہو کر باہر آئی۔ اور نور الدین سے آگے کہہ دیا کہ میرا آقا  
 گھر میں نہیں ہے۔ نور الدین نے اپنے کان سے بھی اپنے رفیق کے الفاظ سن لئے تھے۔ اس لئے

جلدی اسی تلاش بچتا ہے۔ مگر آپ نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا۔ کہ آمدنی کیا ہے۔ اور آپ  
 بخشش کب قدر فرما دیتی ہے کر رہے ہیں۔ اسکا نتیجہ کیا ہوگا؟ نور الدین یہ سنکر ہلکا۔ ہر بانی کرنے  
 آپ اپنے دفتر کو تہ کر رکھئے۔ مجھے ان باتوں کے سننے کی فکر نہیں ہے۔ دیوان نے جب دیکھا کہ  
 کوئی نصیحت کارگزار نہ ہوگی۔ تو وہ کہنے لگا کہ اچھا حضور! آپ اپنا حساب دیکھ لیجئے۔ اور بندہ خدمت  
 ہوتا ہے۔ یہ کہ وہ تو چلا گیا۔ اور نور الدین کو پھر اسی جہنم ال چوڑی نے آگیرا۔ اُسکے ہم جلیوں میں  
 جو شخص کہتا کہ حضور! آپ کے پاس فلاں چیز کیسی خوب صورت ہے۔ تو وہ جھٹک کر دیتا۔ کہ اچھا۔  
 اب وہ تمہاری ہوئی۔ یہ عادت معلوم کر کے تماشا بہ نشین روز کوئی نہ کوئی چیز تار کر اُسکی تعریف کر دیتی  
 اور وہی چیز جھٹک اُنہیں انعام میں مل جاتی۔ کسی نے کہا آپ کا فلاں مکان بہت خوشنما بنا ہوا ہے۔  
 تو جواب ملا۔ اچھا مل سے تم آجیں جا رہو۔ کوئی کہتے لگا کہ جناب آپ کا فلاں باغ نہایت ہی پر فضاقم  
 ہوا ہے تو یہاں سے شمع کو حکم ہوا کہ اُسکا قبیلہ آپ کو لکھ دے۔ غرض دنوں میں اتنی بڑی جامد ادا  
 بالکل صفایا بول گیا اور یہ رنگ رلیاں جو دو کرم ہر ایک سال تک جاری ہے۔ ایک دن نور الدین  
 کسی خیال میں بیٹھا تھا کہ کسی کے گانے کی آواز کان میں آئی۔ جسکا مطلب یہ تھا کہ فراموشی میں ہر شخص نہایت  
 کی دیکھیں مارا کرتا ہے۔ مگر تنگی میں کوئی نہیں پوچھتا۔ اسے ناعان! تو اس رکارڈ پیر پیر و سر کر کے  
 کیوں دھوکا کھاتا ہے؟ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ کھلتے کے چند منٹ بعد اُسکا  
 دیوان اندر آیا۔ نور الدین نے پوچھا۔ کہو کیا بات ہے؟ اُسے جواب دیا۔ حضور جس بات کا مجھے خوف  
 تھا وہی پیش آئی۔ نور الدین نے پوچھا۔ ذرا تفصیل سے بیان کرو۔ دیوان نے جواب دیا ہوقت  
 آپ اپنے رہنے والے گھر کے سوا شہر میں اور کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہے آپکی  
 مضبوطی کا۔ نور الدین نے یہ سنکر سر جھجکا لیا۔ دیوان کے قہقہے نور الدین کا ایک صاحب بھی چپ چاپ  
 انکی باتیں سننے کے لئے چلا آیا تھا۔ جب اُس نے یہ سنا۔ کہ نور الدین مجلس ہو گیا ہے۔ جھٹک جاکے  
 ہستے باقی ساتھیوں کو خبر دی۔ کہ اب کیوں بیٹھے ہو۔ نور الدین کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی باقی نہیں  
 رہی۔ دیوان کی غم اندوز کہانی سنکر نور الدین اپنے فرضی دوستوں کے پاس آیا جو ڈیڑھ میں  
 بیٹھے اسکا انتظار بھیج رہے تھے۔ اُسکے آتے ہی سمجھو نکلی پیشانیوں پر شکن پڑ گئے۔ گویا ہر ایک کسی  
 بیماری غم کو برداشت کر رہا ہے۔ نور الدین نے ماں آ کے قدم رکھا ہی تھا کہ ایک شخص اُٹھا اور

طرح خیر پہنچائی اور وہ مرنے کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ کہو نہ وزیر فضل بن خاقان کو بادشاہ کے دربار میں  
ایسی قربت حاصل تھی کہ میں کا کیا یہ غیبت کھانے پر حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ جب ایک سال اس بات کو  
گزر گیا۔ اتفاقاً ایک دن وزیر فضل بن خاقان حمام سے جلدی جلدی نکل آیا اور پسینہ ابھی تک خشک نہ  
ہوا تھا۔ باہر آئے ہی مساموں میں ہوا سرایت کر گئی۔ اور وہ بیمار ہو گیا۔ بیمار بھی ایسا کہ نصف دن بدن  
زور برتی تھا۔ جب چینی کی اُبد نہ رہی۔ نور الدین کو سامنے بلایا اور کہتے لگا۔ بیٹا زندگی کا کوئی بھروسہ  
نہیں۔ اس لئے میں تمہیں دعا ایک باتیں کہہ دیتا ماسیہ سمجھتا ہوں۔ مگر قبول نہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ سے  
دوڑتے رہو۔ اور ہر کام دُور اندیشی سے کر لو۔ آمین۔ چلیں بڑی شائستہ اور عقلمند لڑکھائی ہے۔ خبردار  
اس سے کسی طرح کی بدسلوکی نہ ہونے پائے۔ نور الدین نے سر تسلیم خم کے ماتھے چھاتی پر رکھا۔ گویا  
باپ کی وصیت پر دل و جان سے عمل کر رہی قسم کھائی جب یہ باتیں ہو چکیں دو تین ہچکیاں آئیں۔ اور  
وزیر فضل بن خاقان کا دم رگ گیا۔ محل میں کدھم چکیاں اور سپش پڑ گئی۔ وزیر کی وفات کی خبر لیکر ایک  
سائے شہنشاہ مشہور ہو گئی اور امرا و وزراء کے ساتھ عوام شہر بھی جوق در جوق نماز جنازہ میں شریک  
ہو چکے تھے۔ نور الدین کو باپ کے مرنیکا بڑا سرج ہوا۔ اور باپ کا جنازہ کمال دھوم دھبام  
کیساتھ اپنے خانہ اتالی قبرستان میں دفن کیا۔ کھلیں و تدفین سے فراغت پا کر نور الدین نے برابر چالیس  
روز تک اپنے والد کا ماتم کیا۔ اور اس عرصہ میں اندوہ کثیر کے سبب کسی کو گھر میں آشیکی اجازت نہ دی  
جینا چالیس دن ہو چکا۔ ایک دن اسکے باپ کے دوستوں میں سے ایک شخص آیا اور سمجھانے لگا کہ میرے  
ہر ایک کو ایک دن اختیار کر لے۔ پھر غم و الم سے کیا مٹا ہے۔ اب تم بیت الخزن سے نکل کر اپنے کاروبار  
کی خبر لو اور غم سے زندگی بسر کرو۔ نور الدین کو اسکی بات دل لگی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں بیت الخزن  
کو شادی خانہ بنا۔ پھر آہستہ آہستہ پر پڑنے لگے بھی نکالنے شروع کرتے۔ شراب و کباب کی مجلسیں لگنے  
لگیں۔ راگ و رنگ ہونے لگے۔ اور وہ لوگ ارد گرد آج جمع ہوئے۔ جو ان موقعوں کی تلاش میں پھرا  
کر آئے تھے۔ کہ کوئی امیر مرے اور اسکے ناجر بے کار بچوں کو بٹھے چڑھا کر اپنے مرے آرائیں۔ حتیٰ کہ چند  
دنوں میں ہی باپ کی پید کردہ وسیع جائداد خال میں مل گئی۔ جو آدمی جس چیز کی ترقی کرنا ہو اسے  
مے ڈالتا۔ اسکی یہ حالت دیکھ کر ایک دن دیوان روزنامہ لکھنے لگا۔ آپ اپنا  
حساب تو دیکھئے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو شخص خرچہ لکے جائے اور اسکا حساب نہیں رکھا وہ

اس نے کیفیت رشتہ کی ہوئی۔ اب نور الدین کی باتیں سن کر وہ دن پھر باتوں اور چٹکوں میں پھر تارشا  
 جب رات کا پچھلا پیرہ ہوتا تو چھپکے محل میں آ کر اپنی ماں کے کمرے میں دور تھا۔ اور صبح سے پہلے ہی  
 نکلتا تھا۔ تاکہ وزیر نہ دیکھ لے۔ پورا ایک مہینہ اسی حالت میں گزر گیا۔ جب نور الدین کی ماں نے بیٹے  
 کی یہ کیفیت ملاحظہ کی تو اکیس دن اپنے خوند سے گنہ گلی کر کیا تم اپنے بیٹے کو مار ہی ڈالو گے۔ وزیر نے  
 جواب دیا کیوں؟ تمہارا اس سے کیا مقصد ہے۔ وہ بولی تمہارا ایک ہی تو لڑکا ہے۔ اور پھر وہ  
 ملے خوف کے نہ دن کو گھر میں آتا ہے اور غریب رات کو بھی آرام نہیں پاتا ہے۔ پچھلا پیرہ ہوتا  
 ہے کہ چھپکے خدا جانے کہاں سے آتا ہے۔ اور صبح سے پہلے ہی نکلتا ہے۔ اس طرح سے تو وہ بیمار  
 ہو جائیگا۔ خدا کے لئے اس کی خبر لو۔ آپ کا ذرا معمولی سے پھر نکد دینا ہی کافی ہوگا۔ وزیر نے پوچھا تو  
 اس کی بی بی نے جواب دیا۔ آج رات فلا جگتے رہئے۔ اور جس وقت گھر میں گئے آپ نے ہستے پکڑ لیا اور  
 دھکی دینا۔ پھر میں سفارش کرونگی تو چور ڈیکھے گا یہی بنیہ میرے خیال میں کافی ہوگی پھر اسے نوٹری  
 بھی بخش دیجئے گا۔ کیونکہ وہ اسے چاہتا ہے اور نوٹری بھی اسی سے محبت رکھتی ہے۔ یہ تو آپ کو قیمت  
 دے کر دو گئی۔ وزیر نے اس رائے کو پسند کیا اور اس رات خلاصہ معمول نور الدین کے انتظام میں جاگھڑا  
 جب وہ اندر آیا اسے پکڑ لیا۔ اور چاہتا تھا کہ اسے ذبح کر دے۔ ہتھکڑی نور الدین کی دالہ بھی  
 آہٹھی۔ اور پوچھنے لگی۔ دیکھو صاحب کیا کرتے ہو؟ وزیر نے جواب دیا۔ تم سامنے سے رہے جاؤ۔ میں  
 اس نشہ کی کو حلال کئے بغیر چھوڑوں گا۔ یہ سنکر نور الدین کے آنسو نکل آئے اور گڑگڑا کر معافی مانگی  
 ماں کی سفارش اور بیٹے کی رقت سے وزیر نے اسے چھوڑ دیا۔ اور اس پر رحم کی نظر کی۔ نور الدین نے  
 اسے ہی قیمت سمجھا اور چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ وزیر بولا نور الدین! تم نے یہ ایسی نالائقی دکھائی ہے  
 کہ میں تمہیں کبھی جیتا نہ چھوڑتا۔ لیکن جا ب تجھے چھوڑ دیا اور وہ نوٹری بھی بخش دی۔ کیونکہ جینے رشتہ  
 ہے نہ تم دو تو اسے قیمت رکھتے ہو۔ لیکن ایک شرط بھی ہے کہ انیس عیس کو بیاہنیانی کو بھیج دو اور اس کے  
 بیٹے کا بھی قصہ نہ بھجیو۔ نور الدین یہ سنکر کھل گیا اور بولا۔ جناب عالی۔ میں آپ کے سامنے طاعت  
 اٹھاتا ہوں۔ کہ جسے آپ کے دو نوشر اطمینان ہو رہی اور میں کبھی اس کے معاملے میں انصاف کو ماتہ  
 سے نہ دوں گا۔ اس کے بعد نور الدین اور انیس عیس دو نوشرے عیش سے بسر کرتے تھے۔ چھٹی کر ایک  
 سال گزر گیا اور بادشاہ کو نوٹری کی یاد فراموش ہو گئی۔ مگر عیس بن ساوی دو پیرے وزیر کو بھیجی

پڑھنے پر چھا۔ بی بی اجیر تو ہے؟ وزیر کی بی بی نے کہا۔ اچھا! ابھی تک خیر ہی پوچھتی ہے۔ کیا نور الدین  
 یہاں آیا تھا؟ اس نے جواب دیا۔ نور الدین کو تو میں نہیں جانتی۔ میں بی بی سخی کہ ایک خوبصورت نوجوان میرے  
 پاس آیا تھا اور پوچھتے لگا کیا تمہیں ہی میرے باپ نے خریدیا ہے۔ میں نے کہا ہاں! پھر وہ بولا۔ کہ اب  
 اٹھا اور وہ بل گیا۔ وہ مجھے بادشاہ کو نہیں دینگے۔ بلکہ انہوں نے مجھے میرے نہیں بخش دیا ہے اور  
 میں تمہیں یہ خوشخبری سنائے آیا ہوں۔ وزیر کی بی بی بولی ابیائے تک تو خیر ہے۔ اس نے مجھے کچھ کہا تو  
 نہیں۔ انیس نے جواب دیا۔ جب اس نے مجھے یہ خبر دی تو میں اسے اپنے نہیں کیونکہ بچا سکتی تھی۔ علاوہ  
 انیس سے بھی اسے دل سے چاہتی ہوں۔ یہ سنکر وزیر کی بی بی رونے لگی اور منہ پیٹنے لگی اور  
 سب پر خوف چھا گیا۔ نور الدین کو اس کا باپ زندہ چھوڑ دینا۔ وہ اسی حال میں تھیں کہ وزیر بھی آگیا۔ اور  
 رونے پیٹنے کی وجہ پوچھی۔ اس کی بی بی نے کہا آپ پہلے وعدہ کریں کہ محل کریں گے۔ وزیر نے کہا بہت اچھا۔  
 اسکے بعد اس کی بی بی نے نور الدین کی سب کر توت کھول کے سنا دی۔ وزیر کے ہوش اڑ گئے اور مائے  
 خوف و غم کے وہ کپڑے پہنائے لگا۔ اس کی بی بی نے کہا آپ اب فکر کیوں کرتے ہیں۔ دستار انشرافی  
 آپ کو دیتی ہوں۔ اس سے آپ اور لونڈی لیکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔ وزیر بولا۔  
 دستار انشرافی کی تو کوئی بات نہیں۔ مجھے معین بن ساوی کی عداوت سے خوف آتا ہے۔ اور دُرتا  
 ہوں کہ کہیں جان و مال بھی تباہ نہ ہو جائیں۔ وہ کہتے اس ماجرے کو سنیکھا فوراً بادشاہ کی خدمت  
 میں جا کر شکایت کر دینا۔ کہ جس وزیر کو آپ اس قدر محبت کرتے تھے۔ اس نے آپ سے دستار انشرافی  
 لیکر آپ کے لئے لونڈی خریدی تھی۔ اور اپنے بیٹے کو دے ڈالی۔ اور ابھی تک وہ اسکے لڑکے کو پاس  
 ہے۔ بادشاہ اسے جھٹلا دینا۔ مگر وہ کہہ گا۔ کہ مجھے حکم ہو تو وزیر کا گھر گھر کر ابھی اس لونڈی کو حاضر  
 کروں۔ مجھے یقین ہے کہ بادشاہ فوراً اسے ایسی اجازت دیدینگا۔ کہتے معین بن ساوی ایسا  
 ظالم ہے کہ وہ میرے گھر سے اس لونڈی کو لیکر ہی جا دینگا۔ اور بادشاہ کے سامنے انکار کرنے کی  
 طاقت کسی میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مارا جاؤں گا۔ اور گھر بار بھی ضبط ہو رہے گا۔ اب کیا کیا جائے  
 اس کی بی بی بولی ابھی تک اس معاملہ کی خبر کسی کو نہیں ہے اور معین کو کیسے معلوم ہو سیکے گا۔ آپ  
 اطمینان رکھیں۔ اس معاملہ کو قدرت پر ہی رہنے دیں۔ جب بادشاہ پوچھیکا۔ تو کہہ دیں کہ ایک لونڈی  
 حضور کیلئے لی تو تھی۔ مگر امتحان سے آپ کے قابل نہ نکلی۔ بادشاہ آپ ہی چپ ہو رہے گا۔ وزیر کی

ایشائے کتبائوں میں دونوں کی اُلفت جو شترن ہونے لگی۔ نور الدین کی ماں نے ابکہن دو تو کو دیکھ لیا  
 اور ترچھی نگاہوں سے وال میں کالا کالا تاڑ لگی۔ سسلے اپنے بیٹے کو درپردہ سمجھاتے لگی۔ کہ بیٹا!  
 اب تم خیر سے جوان ہو۔ زمانے میں بار بار تہ آیا جایا کرو۔ دو چار دن کے بعد وزیر کی عورت نے  
 نونڈیوں کو حمام گرم کرنے کا حکم دیا اور خواصوں کے ساتھ اُس نونڈی کو بھیجا کہ جا کے حمام کرائے۔  
 خواصوں نے اُسے خوب مل و لکر نہلا دیا اور لباس فاخرہ پہنا کر اپنی مالکہ کے پاس لے آئیں۔ اُس نے  
 نے جی کا نام انیس جلیس تھا آگے وزیر کی بی بی کو سلام کیا اور اُسکے ہاتھوں پر بوسہ دیکے شکریہ ادا  
 کرنے لگی۔ وزیر کی بی بی نے پوچھا۔ اے انیس جلیس! کیا حال ہے؟ آج تو تم پہچانی نہیں جاتی۔ کہ یہ حمام  
 تیرے ہمارے جن کو چار چاند لگا دے۔ انیس جلیس نے کہا۔ آپ کی خواصوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ وزیر  
 کی بی بی نے پوچھا۔ حمام کا کیا حال ہے۔ اگر گرم ہو تو میں بھی نہا آؤں۔ انیس جلیس نے جواب دیا۔ بی بی!  
 حمام خوب مرنے میں ہے آپ بھی نہا آئیے۔ وزیر کی بی بی دی دولڑکیوں کو بلا کے انیس جلیس کے کمرے  
 کے دروازے پر بٹھا دیا۔ اور تاکید کی کہ میرے واپس آنے تک یہاں ٹھہریو اور خیال رکھیو کہ نور الدین  
 اندر نہ آجائے۔ اتفاقاً اُدھر وہ حمام کو گئی۔ اور اُدھر اُسکا بیٹا نور الدین ماں کو پوچھتا پوچھتا اندر آ گیا  
 اور اُن دونوں کیوں سے بھی دریافت کیا کہ اہاں جان کہاں ہیں؟ جواب ملا کہ وہ حمام کرتے گئی ہیں  
 انیس جلیس نے بھی نور الدین کی آواز سن لی اور دلیس کہنے لگی۔ میں بھی تو دیکھوں۔ وزیر زادہ  
 کیسا ہے جس سے جبار بنے کو وزیر نے کہا تھا۔ یہ سوچ کر سند سے اٹھی اور دروازے تک آئی اور  
 نور الدین کو دیکھ کر تھک لی۔ اُدھر وزیر زادے کا دل بھی تیز نظر آ رہا ہو گیا۔ ماں کی غیر حاضری میں  
 وقت کو غنیمت سمجھا۔ اور زور سے اُن دونوں کیوں کو جو انیس کے دروازے پر حفاظت کے  
 لئے کھڑی تھیں دُنا۔ اُسکی گرج سن کر غریب لڑکیاں بھاگ گئیں۔ اور دُور جا کر دیکھنے لگیں کہ وہ  
 کہا کرتا ہے۔ نور الدین کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اور انیس سے پوچھنے لگا۔ کیا تم ہی وہ  
 نونڈی ہو جسے میرے لئے میرے باپ نے فرمایا ہے۔ انیس بولی۔ ہاں! وہ میں ہی ہوں یہ  
 جتنک نور الدین آگے بڑھا اور اُسوقت وہ شراب سے مست ہو رہا تھا۔ فوراً دروازہ بند کر لیا۔ اور  
 وہ دونوں لڑکیاں روتی ہوئیں حمام کی طرف گئیں۔ وزیر کی بی بی یہ سن کر بھاگی ہوئی آئی۔ مگر نور الدین  
 شیریں کام جو کے کب کا جا چکا تھا۔ انیس وزیر کی بی بی کو مضطرب دیکھ کر تجسّر ہوئی اور آگے

نے جیسی لونڈی طلب کی تھی۔ حاضر چہ حکم ہو تو لاؤں۔ وزیر جو دربار شاہی کی طرف جانے کو تیار  
 گیا۔ اور کہنے لگا۔ جلد لاؤ۔ دلال اُسے پاؤں لوٹا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لونڈی  
 کو ساتھ لئے آ پہنچا۔ جس کی تناسب القاسمی اور خوبصورتی کو دیکھ کر اسے کہیا کہ  
 جیتنا موزنی بھی اسے چاند نہ ہو لگا۔ پھر اسکا ہر طرح سے امتحان کیا اور بادشاہ کی فرمودہ منشا  
 سے اس میں بہت کچھ زیادہ پایا۔ پھر اس سے اُسکی قیمت دریافت کی۔ جواب ملا کہ ایک دس ہزار دینار  
 سے ایک کوڑی کم نہیں لینا چاہتا۔ وزیر نے فوراً رقم مطلوبہ گنوا کے اُسکے سامنے ڈھیر کر دی۔ اور کہہ  
 کر یہ بیٹہ بادشاہ کو ہدیہ دینے کے لئے لی رہے۔ دلال لڑا۔ اگر یہ بات ہے تو تھوڑے دن آ پیا اور  
 لکھ جائیے۔ وجہ یہ کہ لونڈی سفر کی تنگی اندی ہے دس دن اسے اپنے مال بھر لے کر اور جب  
 دربار سے لے تو عام کرا کے اسے بادشاہ کی خدمت میں لے جایا۔ آپا بچے گا کہ اسکا حق کفارت  
 ترقی کرتا ہے۔ وزیر نے دلال کی بات کو صحیح سمجھا۔ اور لونڈی کو اپنے محل پر لے گیا۔ ایک ایک عید کو اسکی  
 رہنے کیلئے مقرر کر دیا۔ اور ہر طرح کے آسائش کے سامان دیا کرتے تاکہ وہ بخوبی طور پر آرام لے  
 اور اپنی عورت کو بھی تنہی کر دی کہ اس پر سے خبردار رہے۔ وزیر کا ایک نوجوان لڑکا بھی تھا جس کے  
 صن میرت کے سامنے ہانڈ کر بھی لپیٹا آجاتا اسے اس لونڈی کی نسبت کچھ غیرت تھی۔ اس لئے اس نے  
 لونڈی کو بچہ نہ پانے تک بادشاہ کے لئے سول لیا ہے۔ تھوڑے دن میں اس لکھ کر سفر کی مانند کی  
 ہو کر۔ پھر تین درگاہ سلطانی میں پیش کرونگا۔ مگر اس عرصے میں احتیاط سے رہے۔ اور جیسے  
 لڑکے سے جو اپنی دل کے پاس ہی رہتا ہے اپنے تئیں بچاؤ اور خیال رکھو کہ وہ تمہارا منہ نہ دیکھ  
 سکے۔ نہ ہی تمہاری آواز سن سکے۔ بادشاہ کے مال تمہاری بڑی توقیر ہوگی۔ لونڈی نے جو اذیت  
 جاتا۔ بہت بہتر۔ میں ان سے ہر بات کو ملحوظ رکھوں گی۔ یہ سکر وزیر دربار کی طرف چلا گیا۔ اتفاق کی  
 بات ہے کہ وزیر کے بچے پر سخت ہی اسکا لڑکا نوالہ دین کہ حسین اور طہار جو ان تھا۔ گھر میں کھانا  
 کھانے آیا۔ اور اسکی نظر لونڈی پر پڑ گئی۔ لونڈی نے بھی اُسے دیکھ لیا اور دونوں کے دل میں محبت  
 پیدا ہو گئی۔ نور الدین نے دعا مانگی کہ الہی! یہ لونڈی مجھے ہی ملے۔ اور لونڈی نے چاہا کہ خدا یا  
 میں بادشاہ کے پاس نہ جاؤں اور وہی جوان کے پاس رہوں۔ اس کے بعد نور الدین کا معمول بھر گیا  
 کہ روز گئی یا بھر میں آتا۔ اور نظر بچے کے لونڈی کو دیکھ لیتا۔ لونڈی بھی اُسکو دیکھ لیا کرتی۔ اور اس طرح



ہندی۔ فرنگی۔ ٹبرے اور حجام بنی سے ہر ایک کو خلعت فاخرہ عطا فرمانے کا حکم دیا اور حجام کو بیت  
 کچھ انعام دیکر اسکا کچھ وظیفہ بھی مقرر کر کے فرمایا کہ ہمیشہ ہماری خدمت میں حاضر رہا کرو۔ شہزاد جب  
 یہ داستان ختم کر چکی تو دنیا زاد نے اسکی دلچسپی کی بہت تعریف کی۔ شہزاد بھی کہنے لگا کہ فی الواقع بیت  
 ہندی و گشت حکایت تھی۔ شہزاد نے جواب دیا کہ اگر کل جان بخشی ہوئی تو میں اس سے بھی زیادہ و محبت  
 قصہ سناؤ گی۔ عرض صبح ہوئی۔ اور شہزاد چپ چاپ اٹھ کر دربار میں چلا گیا۔ لیکن وہ چپا قصہ سننے  
 کے لالچ سے آج بھی شہزاد کی جان لینے سے درگزر۔ اگلے دن جب معمول وقت مقرر ہوا  
 شہزاد نے بیان کرنا شروع کیا :

### دو وزیروں کی حکایت جن میں انیس چلیس کا بھی ذکر ہے

خاندان شہر بھر کے کا ایک حاکم موزینی نام نہایت ہی رعایا پرور اور فقیر دوست آدمی تھا۔  
 اسکے دو وزیر تھے۔ ایک کا نام معین بن سادی تھا اور دوسرے کو فضل بن خاقان کہتے تھے فضل بن  
 خاقان کو سب لوگ داد و پیش اور حسن اخلاق کے باعث بہت ہی عزیز رکھتے۔ مگر معین بن سادی اپنے  
 درجے کا تعجب اور برا اخلاق ہونے کے سبب لوگوں کی نگاہوں میں نہایت متعیر شمار کیا جاتا تھا۔ اس  
 لئے وہ فضل بن خاقان سے خاص عنایت رکھتا تھا۔ ایک دن موزینی تخت سلطنت پر ٹھکانے تھا  
 اور کمان دولت اپنے اپنے رُخوں پر بیٹھے تھے کہ اس نے وزیر بن خاقان سے ایک خوبصورت  
 لونڈی کی فرمائش کی۔ جو ہر گن پوری ہو۔ اور گانے بجانے میں بھی کیتاے زمانہ بھی جائے حاضرین  
 و بار نے عرض کی کہ ایسی لونڈی دوسرا دربار سے کم نہ ملے گی۔ سلطان نے خزانچی کو حکم دیا کہ دس ہزار  
 اشرفی آج ہی وزیر فضل بن خاقان کے گھر پہنچا دو۔ جب دربار برخاست ہوا اور فضل بن خاقان  
 گھر آیا۔ بادشاہی خواہجہ نے بھی سلطان کے حکم کی تعمیل کی۔ وزیر کو بادشاہ کی فرمائش کا خاص حال  
 ہو گیا۔ اور صبح ہوتے ہی وہ بازار کی طرف گیا۔ تاکہ تناس میں دلالوں سے کسی ایسی لونڈی کا  
 پتہ پا چھو جو بادشاہ کی فرمائش کے مطابق ہو۔ مگر وہاں اسے کوئی ایسی لونڈی نہ مل سکی۔ تا محراب کو  
 تاکید کر دی۔ کہ وہ لوگ بہت علیل کوئی بندوبست کریں۔ عرض وہ ہر روز بلاناغہ صبح سے وقت بازار  
 جاتا۔ اور تناس کے دلالوں کو تاکید کرتا۔ کہی دن تک کو کسی نے اس کی۔ مگر ایک دن ایک دلال  
 وزیر کے گھر پر ہی چلا آیا اور آکر عرض کی کہ بڑی مشکل سے حضور کی فرمائش پوری ہوئی ہے اور حجاب

کیا تھ اُس کبڑے مُردہ کے یہاں دربار میں آئینی وجہ سے مطلع فرمایا جاوے۔ اسکے بعد میں کچھ عرض کرونگا۔ بادشاہ نے فرمایا پھر اس سوال سے کیا مطلب ہے؟ حجام بولا حضور! میرے سوال کا یہ مقصد ہے۔ تاکہ آپ جان لیں کہ میں یہودہ آدمی نہیں ہوں۔ اور میں کوئی کام نہیں کرتا جس کا مقصد مجھے معلوم نہ ہو۔ اور میں کثیر الکلامی سے بھاگتا ہوں۔ اس واسطے مجھے صامت (مُتخلف) کے نام سے خطاب کرتے ہیں بادشاہ نے فرمایا کہ اس حجام کو سارے حال سے آگاہ کیا جاوے ہیکار نے کبڑے اور اُن چاروں لڑموں کی ساری سرگزشت حجام کو سنادی۔ حجام نے اُسکے سننے ہی سر ہلایا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم۔ تم نے مجھے آج بہت عجیب کیفیت سنائی۔ یہ کہ کبڑے کی لاش کے سر لٹنے بیچے گیا۔ اور اُسکے منہ سے کپڑا ہٹا کے بغور دیکھتے لگا۔ پھر کیا ایک قلعہ مارا اس نے ور سے ہنسنا کہ نشت کے بل دربار شاہی میں گر پڑا۔ اور آداب شاہی کا بھی خیال نہ کیا۔ پھر بولا ہر موت کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ مگر اس کبڑے کا قصہ نہایت ہی عجیب ہے۔ بلکہ ایسا ہے کہ لوگ تاریخوں میں لکھ رکھیں۔ اہل دربار حیران ہو ہو کر اُسکے منہ کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ کر کیا رہا ہے۔ بادشاہ بھی متحیر ہوا۔ اور پوچھنے لگا۔ اے بڑے تو اپنے سننے کی وجہ سے تو ہیں آگاہ کر۔ اور تو کیا کر رہا ہے۔ کہ اس کبڑے کا قصہ تاریخوں میں داخل ہونے کے لائق ہے۔ یہ بڑھا حجام بولا۔ بادشاہ سلامت! آپ کے حق تک ہی کی قسم ہے کہ کبڑا مر نہیں ابھی تاکہ زندہ ہے۔ پھر ایک پیشی نکالی۔ جس میں کوئی تیل تھا۔ جسے کبڑے کی گرد چرلا۔ حتیٰ کہ اُسے پسینہ آگیا۔ پھر اُسکا منہ کھول کر مویچا اُسکے حلق میں لیگیا۔ اور فوراً پھیلی کا کاسٹا نکال کے رکھ دیا۔ جسے سب حاضرین نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔ کبڑا بھی چہینک مار کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل کر کھولنے لگا تا م لوگ حیران ہو گئے اور بڑے حجام کی دانائی پر عرش عرش کرنے لگے۔ بادشاہ بولا۔ خدا کی قسم یہ قصہ نہایت ہی عجیب ہے۔ اس سے پوچھا جیتے آج تک کوئی قصہ نہیں سنا۔ حاضرین! کیا تم نے بھی آج تک ایسی دیکھا ہے کہ کوئی شخص زخمی آٹھا ہو۔ یقیناً اگر آج یہ حجام نہ آتا تو یہ ہمارا کبڑا تو مری چکا تھا۔ سب لوگ یک زبان ہو کر پوئے۔ فی الواقع یہ نہایت ہی عجیب ماجرا ہے۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس سب سرگزشت کو لکھ کر حفاظت سے خزانہ شاہی میں رکھیں۔ پھر دندی حکیم

ایک دن سنا کہ وہ خلیفہ ہو گیا۔ اور دوسرے نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ میں وہاں آ گیا اور اُس نوجوان  
 کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ اس کی خدمت میں بھی بیسی ہو سکی لی۔ بلکہ اس کی جان تک بچا دی۔ وہ نہ یہ بھروسہ  
 وہاں قتل ہو جاتا۔ اور یہ جوان مجھے باوہ گئی اور بواغضولی کی نعمت لگا رہا ہے۔ جو سر اسر باطل  
 ہے۔ یہاں پہنچ کر ذری شاہ چین کی طرف منہ طلب ہوا۔ یا حضرت جس وقت ہم نے حجام کا قتل کیا  
 اور اُسکی باوہ گئی پھر واضح ہوئی تو ہم نے گردنی دیکر اُسے ایک مکان میں بند کر دیا۔ اور آئے عورت  
 کھانے لگے۔ مغرور ہو کر کھانا کھائے اور باتوں میں ہی گذر گیا۔ جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔  
 میں گھرا آیا۔ آگے اپنی عورت کو منہ پھلایا۔ بیٹھے دیکھا۔ وہ بولی تم تو دن بھر دعوت کے عزے اُڑا کر  
 آئے ہو اور میں بیٹھی تمہارا سنتہ دیکھ رہی ہوں۔ اس کے کہلے ہوئے ہیں؟ سنو۔ اگر باقی کا دن مجھے بھی  
 سیر کے لئے نہ بھیج دو گے تو آج سے میری تمہاری ہو چکی یہ سنکر مینے اُسے ساتھ لیا اور یاہر  
 لے آیا۔ شام تک سیر کرتے رہے۔ وہاں آتے ہوئے یہ کبڑا بیٹھا ملا۔ کہ کھانے میں مشغول تھا۔ مینے  
 اس کے آگے کی کہ اسے اپنے گھر بھیج دیں۔ چنانچہ مینے بھی اس کی بات مان لی۔ پھر مینے پھل خریدی اور گھر لائے  
 میری عورت نے کھانا کھا لیا۔ اُنہیں پھل لایا۔ کھڑے اور بولی کا ایک لکڑی کا آئی کبر سے کہ غصہ میں  
 تھوٹس و یا جس سے فوراً بیہوش ہو سکے گر پڑا۔ مینے خیال کیا کہ اب یہ مر گیا۔ اسلئے اپنے گھر سے  
 بلا آتا رہے کچھ اطباء اسے اس طبیب کے مکان پر چھوڑ آیا۔ اور طبیب نے حید کر کے مودی کے ہاں پناہ دیا  
 اور مودی نے بازائیں اُس فرنگی سوداگر کے راتے میں جا کھڑا کیا۔ میری کل کی سرگزشت یہ ہے۔  
 اور کیا یہ کھرے کی حکایت سے عجیب تر نہیں؟ بادشاہ یہ حکایت سنکر بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ  
 سب کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اُس حجام کا ماحر کرنا ضروری ہے جو ان سب کی قلعی کا سبب ہوا ایمان  
 و تری تم سپاہیوں کو ساتھ لیاؤ اور اُس حجام کو ساتھ لیکے آؤ۔ میں اُسے ضرور دیکھوں گا اور اُس کی  
 باتیں سنوں گا۔ پھر اُس پورے کو قتل کیا جائیگا جو کل سے مر چکا ہے اور اس قدر حکایات اُسکی ہرولت  
 سن لی ہیں و تری سپاہیوں کو ہر ایک کے اُس مکان کی طرف لگیا جہاں اُن سب نے حجام کو قید کیا تھا  
 اور وہاں سے چلے نکال لایا اور بادشاہ کی خدمت میں لا کھڑا کیا۔ بادشاہ اُسکی عجیب و غریب  
 شکل کو دیکھ کر ہنس اُڑا۔ اور بولا۔ اسے چپ شاہ! میں چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی کوئی حکایت اپنی زبان  
 سے سنائے۔ حجام بولا۔ حضور آپ پہلے مجھے اُس جوتری۔ اُس بیووی۔ اُس مسلمان اور اُس فرنگی

جب صبح ہوئی صاحب خانہ نے میرے بھائی سے پھر ویسی ہی محبت باتیں شروع کیں۔ اور کہے بھائی  
 لہکر کیا کرتا تھا۔ عرض اسی مڑے میں پورے دس سال گزر گئے۔ اس عرصہ میں میرے بھائی نے  
 اس طعن ثانی کی رفاقت کر ایک دن بھی ترک نہ کیا۔ دس سال کے بعد وہ یکا یک بیمار پڑ کے مر گیا۔  
 اور اسکی جائداد بارگاہِ سلطانی میں ضبط ہو گئی۔ ناچار میرے بھائی کو بھی داں سے ٹھٹھا پڑا اور بھگا  
 جاگ کسی دوسرے شہر کو چلا جاتا تھا کہ راستے میں عرب لٹیروں کے قابو چڑھ گیا۔ جس عرب نے اسے  
 پکڑ کر اپنا غلام بنالیا تھا وہ اسے سخت عذاب دیا کرتا کہ تو اپنے عوض اس قدر روپیہ ادا کر کے آزاد  
 ہو جا۔ نہیں تو تجھے مار ڈالوں گا۔ میرا بھائی روتا اور کہتا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں اتنا سے  
 ہی پاس رہوں گا اور جو تمہاری مرضی ہو کر دے۔ ایک دن وہ عرب میرے بھائی کا یہ جواب سنکر سخت غصے  
 میں آیا اور بیان سے پھیری نکال میرے بھائی کے دونوں ہونٹ کاٹ ڈالے۔ اور اس سے سخت  
 محنت لیا کرتا۔ اس بدوی کی عورت نہایت ہی حسین تھی۔ اور جب وہ یاہر جاتا۔ میرے بھائی کو  
 گھر چھوڑ جاتا۔ اسکی غیر حاضری میں وہ عورت میرے بھائی کی محبت خاطر کرتی۔ اور ہنس ہنس کے  
 شامے کندھے کرتی۔ چنانچہ ایک دفعہ اسے معلوم ہوا کہ یہ عورت مجھے چاہتی ہے۔ لیکن وہ خدا  
 اور بدوی کے خوف سے اپنے تئیں بچاتا۔ اتفاقاً ایک دن اس عورت نے حسب معمول اپنے خاوند  
 کے روبرو منہ بولے سے وہی حرکت کر دی جس سے اس بدوی کو سخت فتنہ آیا۔ اور خیال کیا کہ شاید  
 یہ دونوں میرے پیچھے ابھی ہی باتیں کرتے ہوں گے۔ اس نے میرے بھائی کو پکڑا اور داؤٹ پر چڑھا کر پھاڑ  
 کی سب سے اونچی چوٹی پر بٹھا آیا کہ وہاں آپ ہی بے آب و دانہ مر جاؤ گے۔ مگر اتفاق سے وہاں سے  
 بعد اذ کو راہ گئی تھی۔ جو کہ اُدھر سے گذر تے وہ ازراہ تراحم میرے بھائی کو کچھ نہ کچھ کھانے کو دیکھا  
 جس سے اسکا پیٹ پاتا رہا۔ ایک دن کسی نے بھی مجھ سے اسکی حالت بیان کر دی۔ میں فوراً اُدھر روانہ  
 ہوا اور اس پچھلے الماس کو بھی جسکے ہمراہ لے آیا۔ اپنے گھر میں رکھا اور اب ہر طرح سے اسکی مدد کرتا  
 ہوں۔ لے امیر المومنین بہ حالات ہیں ان میرے چھ بھائیوں کے مجھے خوف تھا کہ انکا حال سننے  
 کے قبل ہی یہاں سے نہ چلا جاؤں۔ غلیف ہنس اور کہنے لگا۔ اے چپ شاہ! تو سچا ہے تو بہت ہی  
 کم گو ہے۔ یاد دہو کہ تو تجھے چھو تک بھی نہیں گئی۔ مگر اب تو یہاں سے چلا جا۔ اور پھر نچا دو میں کبھی  
 نہ آؤں۔ یہ لہکر مجھے پندارو سے بھی نکلا دیا۔ میں مختلف شہروں اور ملکوں میں پھرتا رہا۔ حتیٰ کہ

پہلے انہیں تے لوندے کو آواز دی۔ اپنے لڑکے! اب میوے حاضر کرو اور کھاتوں کی قابیں اٹھاؤ فوراً خیال میں ہی تمام قابیں اٹھ گئیں اور میوے حاضر ہو گئے۔ صاحب خانہ میوے بھائی سے کہتے لگا یہ بادام بالکل تازہ توڑے گئے ہیں۔ ان کا مزہ تو چکھو۔ اور اس کے بعد دو تو بالدام توڑ توڑ کر چھلکے پھینکے اور مغز کھاتے لگے۔ پھر وہ کہتے لگا۔ اچھا۔ اب یہ ٹھوڑا تازہ پستہ تو چکھ کے دیکھو غرض اسی طرح بیسٹا میووں کے نام بھی گنا دئے۔ میرا بھائی بولا جھنور! کیسے لذیذ میوے ہیں۔ کہ کھاتے کھاتے گلابی مدو کرنے لگا۔ اور جی سیر ہونے میں تھیں آتا۔ اسکے بعد صاحب خانہ نے مسکاکر خیالی شراب کا پیالہ میرے بھائی کے پیش کیا۔ اور خود بھی ایک غٹ غٹ کر کے چڑا گیا۔ میرا بھائی پہلے انکار کرتے لگا کہ شراب ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ لیکن صاحب خانہ کے ہرار پر اُسے بھی لبیکر چڑھ گیا۔ اور متوالوں کی سی حرکات کرنے لگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُسے نشہ چڑھ گیا ہے۔ اور دو تین دھڑ صاحب خانہ کے سر پر فے مارے۔ صاحب خانہ نے فوراً اُسکے ماتھے پر کڑ لٹے۔ اور بولا تو دیوانہ ہو گیا ہے؛ میرے بھائی نے ہنوش میں آکر جواب دیا۔ بڑی بی ادبی ہوئی نگستاخی ہوئی ہو۔ مگر میں بالکل بے اختیار ہو گیا تھا۔ اپنے بڑی مریانی سے مجھے طرح طرح کے کھانے کھلائے اور تازہ بتازہ میوے میرے سامنے رکھے۔ آخر شراب بھی بزور مجھے پلوادیا۔ جو ہمارے ماں حرام تصور کیا جاتا ہے۔ اسکے نشہ میں میں بالکل بے خبر سا ہو گیا تھا۔ ابید ہے کہ آپ اس کا کچھ خیال نہ فرما دیجئے۔ صاحب خانہ یہ سنکر سنس پڑا۔ اور بولا۔ میں ایک مدت سے تیرے ہی جیسے آدمی کی تلاش میں تھا۔ میں تیرے تصور کو معاف کر دوں گا۔ مگر ایک شرط ہے۔ کہ تو میری ہر اسی نہ چھوئے اور میرے ہی ماں ہے۔ میں تجھ سے محبت کروں گا اور اب ہم سچ بچ کا کھانا منگاتے ہیں۔ یہ کہہ کر دستک دی۔ فوراً سپاہِ خدمت گار دوڑے آئے۔ اور انہیں حکم دیا۔ کہ دسترخوان بچاؤ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور جو کھانے پہلے خیالی طور پر میرے بھائی کو کھلائے تھے اب فی الواقع وہی کھانے سامنے چنوا دئے۔ میرے بھائی نے خوب سیر ہو کر انہیں کھایا۔ جب کھانوں سے فراغت ہو چکی تو شراب کا دور چلنے لگا۔ اسکے بعد گائینیں حاضر ہوئیں۔ جنکے کھوٹے چاند کے ٹکڑے کھائی دیتے تھے انہوں نے بڑی خوش الحانی سے اچھے اچھے گیت سنائے۔ جب سرور چھے اور نشہ گھٹ گئے تو صاحب خانہ شہزادے بھائی کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا۔ اسی رنگ و رنگ میں رات ختم ہو گئی

رہتے تھے تھوڑے نظر آؤ میں آپ صبر نہیں کر سکتا اور اب میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ تم کبھی نہ بھولو گے۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب آج بیٹے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اور مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔ یہ سن کر اُس نے غلام کو پکارا۔ اے لڑکے! سیلا بیج اور آفتابہ جلد لا۔ اور ہمارے آفتابہ و قلمو اجاڑ پھر میرے بھائی سے کہنے لگا۔ آج آپ ہمارے نہان ہیں۔ آگے آگے آپ بھی آفتابہ و قلمو پھر وہ جھوٹ موٹ آفتابہ و قلمو لگا۔ میرے بھائی نے اس کی تقلید کی۔ پھر آواز دی کہ اے غلام! دسترخوان بھی لے آ۔ اور جھوٹ آفتابہ و قلمو کی طرف لیگیا۔ گویا قلمو کھاتا ہے۔ میرے بھائی نے سمجھا اس کے مزاج میں خوش طبعی بہت ہے اس لئے ہنسے بھی بناؤں سے اس بیچ آفتابہ و قلمو کی طرف لے جانا شروع کیا۔ اور قلمو چبانے لگا۔ جیسے کہ کوئی کھانا کھاتا ہے۔ وہ کہتا جاتا تھا۔ بھائی! شرم نہ کرو اور بے تکلف ہو کے کھانا کھاؤ میں جانتا ہوں تمہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔ یہ نہان لو۔ اور اس کی سفیدی کو ملاحظہ کرو۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب بیٹے کو آج تک اس سے خوش ذالک نہ سمجھا تھا کبھی نہیں کھایا۔ اور نہ اس سے سفید نہان ہی دیکھا ہے۔ واہ کیا مزے کا نہان ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اسے میری نوٹری سن کر پکا پکا ہے۔ جسے بیٹے پاتو وینار سے مول لیا تھا۔ پھر چلایا۔ اے لڑکے! ہمارے شیر مال بھی دو۔ چرباؤ شاہوں کے کھانوں میں بھی نہیں پالی جاتی۔ پھر میرے بھائی سے بولا۔ دوست تم بے تکلفی سے کھاؤ۔ کیونکہ تم صبح سے بھر کے ہر۔ میرا بھائی بھی اسی طرح دسترخوان پر آفتابہ و قلمو کھاتا تھا۔ جس طرح مالک مکان کو دیکھتا تھا۔ اور نوالہ چبا کے اس بیچ لگتا جاتا تھا۔ گویا کھانا کھاتا ہے۔ اور صاحب خانہ مختلف کھانوں کے نام لیتا جاتا تھا اگر دھانی کچھ بھی نہ دیتا تھا۔ پھر پکارا۔ اے لڑکے! اب حلوان کی دم پخت کی قاب لاؤ۔ اور میرے بھائی سے کہنے لگا۔ تم نے ایسا لذیذ و ترپخت جگر پھر میں نہیں دیکھا ہو گا۔ ذرا چکھو تو۔ میرا بھائی بولا۔ صاحب! یہ نوٹری سے کھا۔ فی الواقع نہایت ہی لذیذ ہے۔ پھر صاحب خانہ آپ لقمے اٹھا اٹھا کر میرے بھائی کے منہ میں ڈال دیا۔ لگا۔ گویا بیچ آس کے منہ میں لقمے ڈالے۔ لیکن آدھ بھوک سے اس کی آستریاں ڈھکی ڈھکی ہو گئیں۔ پھر آدھ قسم کا دم پخت آیا۔ صاحب خانہ بولا۔ شرم نہ میں یہ بھی کچھ نہیں میرا بھائی بولا۔ سبحان! شرم نہ کہنے کی کیا بات ہے۔ ہمیں سے تو ہرگز خوشبو آ رہی ہے۔ صاحب خانہ کہنے لگا۔ دیکھا۔ تم خوب سیر ہو کر اسے کھاؤ۔ جب اس طرح کھانوں کے نام گزرتے جا چکے تو اس

جبنا واپس آیا۔ اسے کھلا پایا اور نہ کوئی نظر آئی۔ نہ ہی توڑے نہ پھاٹیاں۔ البتہ بہت مختصر اور ماہر  
 دکھائی دیا۔ سوچا کہ کبھی نہ دھوکا دیا۔ مگر غیر چلے گئے کہ کوئی ہی نہیں۔ سارا سامان اکٹھا کیا اور  
 رات آرام سے وہیں سویا۔ جب صبح ہوئی یا نہ دروازے پر دس سپاہی آکھڑے ہوئے اور میرے بھائی کو  
 پکڑ لیا۔ کہ چلو تم کو قاضی شہر لانا ہے۔ میرا بھائی وہاں حاضر ہوا تو قاضی نے پوچھا۔ یہ مال کس کا ہے  
 تم نے کہاں سے لیا۔ میرے بھائی نے یہ حقیقت شرف سے آخر تک اس کے گوش گزار کر دی اور کہا  
 کہ اگر آپ بھی چاہیں تو ہمیں سے حسیہ و خواہ لے سکتے ہیں۔ غرض قاضی نے اس مال میں سے حسیہ لینا  
 بہت کچھ لے لیا۔ اور اس دے کہ مراد اصفہر کو خبر نہ ہو جائے۔ حکم دیا کہ یہاں سے نکل جاؤ  
 ورنہ میں بری طرح سے پیش آؤنگا۔ یہ سنکر میرے بھائی نے جھجک کر سلام کیا اور شہر سے نکل کھڑا  
 ہوا۔ راستے میں چوروں نے اس کے پاس جو کچھ بھانسی لوٹ لیا۔ اور غریب کے دوکان کاٹ  
 لئے اور پھر چور دیا۔ مجھے بھی اس کی خبر مل گئی۔ اور بڑی تاش سے بعد میں غرضی طور پر اسے بھی لے کر  
 لے آیا۔ بلکہ ابھی تک میرے ہی پاس ہے اور ہر طرح سے میں ہی اس کی خبر گیری کرتا ہوں۔ امیر المؤمنین  
 اب ایک ہی بھائی کی سرگزشت رہ گئی ہے۔ ابید ہے کہ آیا اسے بھی سن ہی لیجئے۔ اس کے وہ وہ  
 ہونٹ سامنے سے لئے ہوئے ہیں۔ ایک سو درہم جو اسے ترکہ پر رسی سے ملے تھے انہیں اس نے  
 بہت جلد صرف کر ڈالا۔ اور فقیری کا پیشہ اختیار کر لیا۔ مگر اس کا وعدہ تھا کہ بھائیوں اور بھائیوں  
 کو رشوت دیکر برے برے آدمیوں کے خیرات مانگتا۔ ایک دن وہ بازار گیا کہ راستے میں ایک بڑا عابد  
 اور خوبصورت محل دکھائی رہا جس کا دروازہ بہت کشادہ اور بلند بنا ہوا تھا اور ڈوڑھی میں لوہا چاکر  
 بیٹھتے۔ اس نے کسی اپنے واقعہ کار سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ جو اب ملا کہ وہ وہی  
 کسی شہزادی کا ہے۔ یہ سنکر اس نے خدنگاروں سے سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر چاکر سوال کر  
 جو مانگتا پائیگا۔ یہ سنکر میرے بھائی نے اندر قدم بڑھایا اور تھوڑی دیر پر ایک نہایت خوشنما بارہوی  
 پائی چیکے اور گرد پاؤں باغ اپنی ہار دکھار ہوا تھا اور زمین پر رنگ مرمر کا فرش ہو رہا تھا۔ وہ نہ جانتا  
 تھا کہ کہہ رہا ہے۔ لیکن اتنے میں اس کی نظر صدر کی طرف جا پڑی۔ جہاں اسے ایک نہایت خوبصورت  
 اور زرخیز اور وجہ شخص کو بیٹھتے پایا جسے سلام کرتے میرے بھائی نے عرض حال کیا۔ وہ  
 شخص یہ سنکر نہایت انوس نما ہوئے اور کہنے لگا۔ کہ یہ کونسی بات ہے۔ میرا یہاں



ساتھ ہی چلتے ہوں۔ بڑھیا اسی مکان کی طرف چلی جہیں میرا بھائی پہلے لوٹا گیا تھا۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُس لوٹڑی نے اندر سے دروازہ کھولا جس نے پہلے کھولا تھا۔ اور میرے بھائی کو دیکھ کر مسکراتی رہی بڑھیا برلی آج میں تمہارے لئے مونا سا نثر کار لائی ہوں۔ لوٹڑی نے یہ سن کر میرے بھائی کا ماتم پکڑ لیا اور وڑیں لیگی جہاں پہلے جا بیٹھا تھا۔ اتنے میں مالک بھی آگئی اور تھوڑی دیر پاس بیٹھ کر لیوی۔ یہیں بٹھرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ حسب معمول وہی غلام تنگی تلوار لئے آ موجود تھا اور کہنے لگا۔ اسے بد بخت اٹھ اور میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ میرے بھائی نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور موقع کو غنیمت سمجھ کر ماتم تلوار کی طرف بڑا یا پھر بڑی پھرتی سے اُسے میان سے نکال اُس جی کا سر بٹھا سا اٹا دیا اور لاش کو پاؤں سے پکڑ اسی تہ خانہ میں پھینک دیا۔ پھر لوٹڑی کو آواز دی۔ وہ نمکدان میں سرک لیکر حاضر ہوئی۔ لیکن جب میرے بھائی کو تنگی تلوار ماتم میں لئے دیکھا۔ پکھلے پاؤں بھاگی۔ مگر دوڑ کے کہاں جاسکتی تھی۔ اسکا سر بھی میرے بھائی نے اٹا دیا۔ پھر بڑھیا کو آواز دی۔ اور جب وہ آئی تو اسے دیکھ کر کانپنے لگی۔ میرے بھائی نے پوچھا۔ تم مجھے جانتی ہے۔ بڑھیا بولی میرے صاحب! ہرگز نہیں۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ میں وہی ہوں دیناروں والا۔ جکے گھر میں تو نے صندوق کے ناز پر بھی تھی اور پھر دھوکے سے مجھے یہاں لاپھنسا یا تھا۔ یہ سن کر وہ عیارہ کر گر لانے لگی۔ مگر میرے بھائی نے جھٹ تلوار سے اسکا سر اڑا کر پھینک دیا۔ اور اب اُس مالک مکان کی تلاش میں نکلا۔ اُس بی بی نے میرے بھائی کو خون آلود تنگی تلوار ماتم میں لئے دیکھا اُسکے ہوش اڑ گئے اور میرے بھائی سے امان مانگنے لگی۔ اُسے امان دیکھی۔ پھر میرے بھائی نے اُس سے پوچھا۔ تو یہاں اس کس بخت کے ماتم کیسے چڑھ گئی۔ وہ بولی۔ میں ایک تاج کی عورت ہوں۔ یہ پوڑھیا کبھی بھی ہمارے اہل جایا آ کر کرتی تھی۔ اب کن شادی کے بہانے مجھے اپنے گھر لے آئی۔ میں زور پر کپڑے پہن کر اور دو دینار کی پھیلی لیکر اُسکے ساتھ یہاں چلی آئی۔ جب اندر داخل ہوئی۔ اُس جی نے مجھے پکڑ لیا اور تین سال ہوتے۔ جب سے یہیں ہوں۔ میرے بھائی نے پوچھا اس گھر میں کچھ ہے بھی۔ وہ بولی۔ دولت کا کچھ شمار نہیں۔ پھر اُس نے صندوق کھول کے دکھائے جو ہمایوں اور تونوں سے رٹے ہوئے تھے۔ میرا بھائی حیران رہ گیا۔ وہ بولی میں یہاں بٹھرتی ہوں اور تم آدمیوں کو بلا لاؤ۔ جو یہاں سے مال واسباب اٹھا لے چلیں۔ میرا بھائی باہر گیا اور دس آدمی مزدور کر کے کوئے۔ لیکن

کھنے لگی۔ نہیں پہچو میں ابھی آئی ہوں۔ ایک گھڑی کے بعد بجائے اس خوبصورت بی بی کے میرے  
 بھائی کے پاس ایک بیٹا کا کلا کلا تا غلام آیا۔ اس کے ہاتھ میں تنگی تلوار تھی جس کی چمک سہ  
 آنکھیں بھی چندھیا تی تھیں اور میرے بھائی سے کہنے لگا۔ ابے پو قوف! بستیہ یہاں کون  
 لایا ہے۔ اور میرے بھائی سے اسکا جواب نہ دیا جاسکا۔ کیونکہ وہ تلوار دیکھ کر کانپنے لگ گیا تھا  
 غلام نے اس کے کپڑے اتار دئے اور اس کے تنگے بدن کو تلوار سے زخمی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ  
 بھولا بھالا شیخ چلی بہت بڑی طرح زخمی ہو کر گر پڑا۔ جیسی غلام نے جانا کہ وہ زخمی ہو کر گر گیا  
 اس نے لوٹ کر آواز دی۔ وہ ایک برتن میں تنگ پسیکرے آئی۔ جو اس کا بے سمجھ فو میرے  
 بھائی کے زخموں پر چھڑک دیا۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔ بالکل مردہ بنا پڑا۔ لوٹ کر چلی گئی اور اس جیسی  
 نے بڑھیا کو بلایا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اور دو نوٹے بل کے میرے بھائی کو ایک تہ خانہ میں  
 پھینک دیا۔ جہاں آگے بھی کئی لاشیں پڑی ستر ہی تھیں۔ اور یہاں ہی اپنے قبضے میں کی میرا  
 بھائی اس گڑھے میں برابر دو دن تک پڑا رہا۔ اگرچہ زخموں پر تک کا ملتا غضب کا تھا۔ تاہم وہی  
 میرے بھائی کی زندگی کا باعث ہوا۔ اسلئے کہ زخموں سے خون نہ بہنے پایا تیسرے دن جب  
 اسے ذرا ہوش آئی۔ اور اسے بدن میں کچھ سکت پائی۔ تہ خانہ کی دیوار میں سے ٹوٹ کر ایک دروازہ  
 کھول لیا اور اس بدن سے نکل کر باہر کے دروازے کے پاس چھپ کے بیٹھ گیا۔ جب دن نکلا۔  
 اور بڑھیا نے شکار کی تلاش کے لئے ستر کو روانہ ہوئی۔ میرا بھائی بھی اس کے پیچھے ہی ہو لیا لیکن  
 اسکی بڑھیا کو مطلع نہ تھی۔ آخر وہ میرے پاس آگیا اور اپنا علاج کراتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے بالکل  
 آرام ہو گیا۔ پھر چلا گیا کہ اس بڑھیا سے اپنا بدلہ لے۔ اسلئے اسے ایک لمبی سی ہیا تی سلوا لی۔  
 جس میں ٹوسو اشرفیاں تک سما سکیں اور اسے اشرفیوں کی جگہ شیشے کے ٹکڑوں سے بھر کر میں  
 باندھ لیا۔ ایک تلوار بھی کپڑوں میں چھپالی اور عجی کا بھیس بدل کر اس ملعونہ کی تلاش کرنے لگا حتیٰ کہ  
 ایک کوہے میں اسے پالیا۔ اور اس سے التجا کرنے لگا۔ کہ بوڑھی اماں! مجھے ترازو کی ضرورت ہے  
 اگر دلاؤ تو اشرفیاں تول لوں۔ اشرفیوں کا نام ستر بڑھیا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بولی ترازو تو  
 میرے پاس ہے نہیں۔ اور تم کہاں تولتے پھر و گے۔ میرے ساتھ چلو۔ میرا لڑکا صراف  
 ہے وہی تمہیں تول دے گا۔ میرے بھائی نے جواب دیا بہت اچھا۔ تو تم آگے ہو لو میں تمہارے

نے کاشیچے کے برتنوں کی دوکان کھولی تھی کہ اتفاقاً ٹوکریوں کو پاؤں لگا کر وہ گر کر تمام برتن ٹوٹ گئے  
 ابیر اپنے راس لٹال کے نقصان سے رو رہا ہے۔ اُس بی بی نے ایک غلام کو اشارہ کیا کہ اس کا ایک  
 شیشی دیناروں کی دیکھے۔ غلام نے حکم کی تعمیل کی اور اُس بی بی کے چلے جانے کے بعد جب ابیر سے  
 بھائی نے اُس کی تعریف کی کہ بھلا۔ اسیں پانچ سو دینار پا کر اُسے شادی مرگ ہو گئی۔ اپنے کو اتنی جلدی  
 متحمل پا کر میرا بھائی بڑا خوش ہوا اور اُن دیناروں کو گھر لے آیا۔ باہر کا دروازہ بھیر دیا اور گھر  
 آئے ابھی اُسے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُسکے دیکھا تو ایک اجنبی بڑھیا  
 کھڑی تھی۔ اُسکے دیکھتے ہی بڑھیا بولی۔ میرے بیٹے! نماز کا وقت آتا ہے چار ماہ سے۔ اور رشتے  
 ابھی تک وضو نہیں کیا کیا تم مجھ اپنے گھر میں وضو نہ کی اجازت دے سکتے ہو۔ یہ بھائی نے  
 اُسے اجازت دی وہ اندر آ گئی اور وضو کر کے اُسی جگہ نماز پڑھی۔ جہاں میرا بھائی بیٹھا تھا پھر  
 میرے بھائی کے لئے دعا کے خیر کی وہ بڑا خوش ہوا۔ اور بڑھیا کو دو دینار لٹال کے پیشے لگا۔  
 بڑھیا نے انکار کر دیا کہ میری بی بی مجھے بہت کچھ دیتی رہتی ہے جس سے میری سب ضروریات  
 پوری ہو جاتی ہیں۔ میں انکو نیکہ کیا کرونگی۔ میرا بھائی بولا۔ پھر تمہاری اُس بی بی کو کئی پہنچ  
 بھی سکتا ہے۔ بڑھیا بولی کہ میں نہیں بلکہ اُسے بیاہ کر بھی لاسکتے ہو۔ مگر ایک بات ہے  
 کہ اُس کا خاوند بہت برا خلق آدمی ہے اپنا مال اپنی ہمراہ لیکر میرے ساتھ اُس بی بی کے پاس  
 چلو۔ اور محبت چہار کی باتیں کر کے اُسے اپنے ساتھ لے آنا۔ میرے بھائی نے سانسے دینا بھائی  
 میں پُرا کر کے گرد بائدہ لئے اور بڑھیا کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ تو ایک عالی شان مکان  
 کے دروازے پر پہنچے۔ بڑھیا نے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اندر سے ایک لڑکی نے دروازہ کھولا  
 اور بڑھیا اندر گئی۔ پھر میرے بھائی کو بھی اندر آ کر اشارہ کیا۔ جب وہ اندر گیا۔ دیکھا کہ رکنا  
 بڑے تکلف کا ہے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ ہو رہا ہے۔ وہ ایک قالین پر بیٹھ گیا  
 اور بھائی کے کھوکھو سامنے رکھ لی۔ اتنے میں گھر کی مالک بھی وہاں آ گئی۔ جس نے نرق و برق  
 لباس پہن رکھا تھا۔ میرا بھائی جھٹکے ہون پر گر پڑا۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ پھر دروازہ بند  
 کر کے میرے بھائی کو ہمراہ لیا۔ اور ایک دوسرے کمرے میں لیگی۔ جس کی آرائش بدرجہا پہلے ہی  
 بڑھ کر تھی۔ اُسے ایک نفیس مسٹر پر بٹھایا۔ اور آپا بھی پاس ہی بیٹھ گئی۔ کھڑی دیر کے بعد



اس قدر بڑھ جائیگی کہ شہر کی کوئی گانے والی ایسی نہ ہوگی جو میرے اُس گھر میں آکر مجھے گانا نہ سنائے۔  
جب تک میری تجارت میں بھی مجھے کافی منافع ہوتا رہے گا۔ حتیٰ کہ میں بادشاہوں اور وزراء کے  
ہال اُنکی لڑکیوں کے لئے پیغام بھیجوں گا۔ مگر بیاہ کر دوں گا تو وزیر اعظم کی لڑکی سے۔ ایک ہزار دینار  
اُس کا حق ہر دوں گا۔ اگر اُس کے باپ نے مان لیا تو فیہا۔ ورنہ اُس پر میرا قہر پڑے گا۔ اور میرا اُس سے  
لڑکی چھین لاؤں گا۔ جب میری شادی ہو گئی تو پھر اُس کے لئے دس خواہ سرا خریدے جائیں گے اور  
اپنے لئے شام لیا س تیار کر دوں گا۔ میری سواری کی کانٹھی سونے کی اور جواہرات سے مرصع ہوگی۔  
جب نماز ہو سکے وزیر کے گھر کی طرف جاؤں گا تو میرے آگے چھ دریاں خلیجوت اور خوش کہا  
خام ہونگے۔ میرے اس جلال کو دیکھ وزیر بچارہ گھبرا جائیگا اور میری تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوگا۔  
اور مجھے مستد پر بٹھا کر پارسے بیٹھے گا۔ میرے فادلوں کے ساتھ دو لوٹے دینار و تکے ہونگے  
میں میں سے ایک تو میں اُسکی لڑکی کو حق ہر دوں گا اور دوسرا اُسے خاتم کے طور پر بخش دوں گا  
تاکہ اُس پر میری بخشش و کرم کا بھی حال کھل جائے۔ دنیا میری آنکھوں میں بالکل حیرت کھائی دیگی۔  
پھر میں گھر کو لوٹ آؤں گا اور جب میری بی بی کی طرف سے کوئی میرے پاس آئے گا تو بے قیمت  
تحفے عطا کروں گا۔ اور اگر وزیر نے میری طرف کوئی ہدیہ بھیجا تو میں اُسے واپس کر دوں گا۔ خواہ وہ کتنا  
ای قیمتی ہو۔ تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ میں کوئی چھوٹا موٹا آدمی نہیں ہوں۔ پھر میں اُن کے گھر  
جاؤں گا اور وہ میری تعظیم و تکریم حد سے بڑھ کر بیٹھے۔ اسکے بعد میں انہیں شب زفاف کی  
تہاری کا حکم دوں گا۔ اور جب وہ وقت آئے گا اور میں لباس فاخرہ زیب پر کروں گا۔ اور دیباچہ  
کی مستد پر بڑی شکست سے بیٹھوں گا۔ ادھر ادھر نہیں دیکھوں گا تاکہ انہیں میری بلند نظری  
کا علم ہو جائے۔ پھر میری عورت جو چاند کا ٹکڑہ ہوگی نزد جواہرات میں مغرق میرے پاس آئیگی۔  
مگر میں اُسکی طرف نظر اٹھا سکے نہ دیکھوں گا۔ اور مغرورانہ نگاہ نیچے کر رکھوں گا۔ حتیٰ کہ وہاں جو  
لوگ حاضر ہونگے مجھ سے اتنا کر بیٹھے کہ یہ تمہاری لڑکی ہے۔ آپ اسکی طرف نظر اٹھا کے کیوں نہیں  
دیکھتے۔ یہ جبکہ میں اُسے دیکھ بیٹھ دوں گا اور جب حاضرین میرے سامنے سر بسجود ہو کر خدمت  
کی زمین کو چومنے لگیں گے اور کہیں گے کہ اس کا گاہ معاف کر دیجیے۔ پھر میں ایک نظر اٹھا کے  
اُسکی طرف نہ دیکھوں گا اور پھر سر جھکا دوں گا۔ پھر وہ چلے جائیں گے اور میں اُنکے پہلے سے بھی اچھے

## تصویر انگریز کے شتر پر سوار ہو کر شہر بدر پہنچنے کی



یہاں لکھا ہے۔ وہ رات کو بھیک مانگتا تھا اور دیکھو اُسے خرچ کرنا تھا ہمارا والد اب بڑا آدمی ہو کر بڑا  
 ہے۔ اُس نے اپنے مرنے کے بعد سات سو درہم چھوڑے تھے جو ہم ساتوں بھائیوں نے آپس میں  
 بانٹ لئے۔ ایک سو بیس پانچویں بھائی کے حصے میں بھی آئے۔ وہ اپنے حصے کو پا کر حیران رہ گیا۔  
 اور نہیں جانتا تھا کہ انہیں کس مصرف میں لگائے۔ ایک ایک اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ ان سے  
 کالنج کے برتن خرید لوں اور انہیں بیکر خاں خواہ منافع اٹھاؤں۔ یہ سوچ کر اُن سو درہم کا  
 کالنج خرید لیا اور ایک برتنے کو کسے میں رکھ کر بازار میں بیٹھ گیا۔ دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا لی اور  
 سوچنے لگا۔ کہ میرا اس سال سو درہم کا ہے۔ اب اس مال کو میں بیکر دو سو درہم بناؤں گا  
 پھر اُن سے کالنج کے برتن خرید کر دو سو کے چار سو بنینگے۔ اور اسی طرح پڑھتے پڑھتے ایک لاکھ  
 بیسے پاس بہت دولت جمع ہو جائیگی۔ پھر میں قیمتی مال خرید کر دوں گا۔ یہاں تک کہ اُس سے  
 اس قدر منافع ہو گا۔ کہ میں فارغ البال ہو جاؤں گا۔ پھر میں ایک خوبصورت اور عالی شان محل خرید  
 کر دوں گا جس میں لکڑیاں غلام گھوڑے۔ سنہری زین۔ ساز۔ کھانے پینے کے ساز اور عیش  
 عشرت کے اسباب غرض ہر طرح کا سامان بکثرت بہم پہنچاؤں گا۔ یہی کہ میری شہرت شہر میں

بادشاہ کا نے آدمی کو دیکھ کر ریا پر ہم ہو جایا کرتا ہے بلکہ اگر اُسے اپنے واسطے مانتا دیکھ لے تو اُسکے مرواؤالنے میں بھی تامل نہیں کیا کرتا۔ یہ سُنک میرا بھائی واماں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ اور ایک اور شہر میں جا مقام کیا۔ جہاں کوئی بادشاہ نہ تھا واماں گھر سے اُسے گھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ایک روز چلتے چلتے اُس نے اپنے پیچھے گھوڑے کے ہنسنے کی آواز سنی۔ اُس نے خیال کیا کہ شاید پھر وہی بادشاہ آگیا۔ فوراً بھاگا اور ایک بڑی حویلی کے پھاٹک میں جا کے گھس گیا کہ واماں اپنے تئیں چھپائے۔ اتنے میں اندر سے دو پیادوں نے آگے اُسے پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ خدا کا شک ہے کہ آج تو آپ ہی ہمارے قابو آگیا ہے۔ ہم برابر یقین دن سے تیری تلاش میں تھے نہ رات کو صبح آتا اور نہ دن کو آرام۔ میرا بھائی بولا۔ دوستو! بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو چور ہے اور ہمارے مالک کی جان لینا چاہتا ہے۔ آگے اُس کا مال و متاع چور کر توئے اُسے فیکر کر دیا بے حیا اب اُس کی جان لیکے کیا کرے گا اب بتاؤ وہ کل رات والی چھری کہاں ہے؟ اتفاق سے تصاب ہونے کے سبب میرے بھائی کے پاس چھری تھی۔ جب اُنہوں نے غریب کی ملاستی لی۔ اور چھری نکل آئی۔ پھر تو وہ نہایت برہم ہو کر قاضی کے پاس لیچلے۔ وہ بیچارہ بہت چلا تار مارا۔ کہ لوگو! میں بالکل بیگناہ ہوں مگر کسی نے اُس کی ایک بھی نہ سنی بلکہ اُس نے گھر سے اُتر واسکے دیکھے تو بد پرار پیٹ سے نشان دکھائی دئے یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ اے ملعون! یہ مار کے نشانات تیرے جہانم پیشہ ہونے کی صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں۔ غرض اُس نے قاضی کے پاس لیجا کر حاضر کیا۔ میرا بھائی سوچتا تھا کہ اب چھکا کا شکل ہے۔ قاضی نے پوچھا او بدشمار! تو مستقر محنت مار کھا کے بھی اپنے کاموں سے نہیں نہتا۔ یہ مار یقیناً تجھے کسی بڑے جرم کے عوض میں ملی ہو۔ پھر اُسے اکیسویں لگانے کا حکم دیا جب کوڑوں سے اُسکا چمڑا اُدھڑ چکا۔ قاضی کہنے لگا۔ کہ اب اسے اونٹ پر سوار کر کے شہر بدر کرو کہ جو شخص لوگوں کے گھروں میں نقب ڈے یہ سزا اُسکی ہے۔ پھر اُسے شہر بدر کر دیا۔ راستے میں میں بھی اپنے بھائی کی ہدایت کنانی کو دیکھ لی اور مائے رحم کے پیچھے پیچھے لگا چلا جاتا تھا جب قاضی کے آدمی اُسے باہر چھوڑ آئے۔ بیٹے اُسے چپ چاپ اپنے ساتھ لیا۔ اور اپنے گھر میں لا رکھا اور آج تک اُسے ہر طرح سے میں ہی مدد دیتا ہوں۔ اے امیر المؤمنین! میرا بھائی بھائی دو تو



وہ کہنے لگا۔ تو آدمیوں کا گوشت بیچتا ہے۔ میرا بھائی بولا۔ اسے ملعون تو جھوٹ کہتا ہے۔ وہ بولا اپنی دوکان میں لوہا کے دیکھ کر آدمی لٹکار کھا ہے یا بیہیز۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ بدو اگر تمہاری بات سچ ہو تو میرا خون تیرے مصلح ہے۔ یہ سنکر وہ بوڑھا یوں لڑا کہ یہ قصاب آدمیوں کو فوج کرتا ہے۔ اور بیہیز بکریوں کا گوشت کھاتا ہے لوگوں کو کھلاتا رہا ہے اگر تم میری قول کی تصدیق چاہو تو اسی وقت جا کے اُسکی دوکان میں دیکھ لو۔ یہ سنکر میرے بھائی کی دوکان پر اُمنڈ آئے اور دیکھا کہ فی الواقع ایک فوج کیا ہوا آدمی لٹک رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میرے بھائی کا گریبان پھٹ گیا اور بولے یہ جیسا بتا اب تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ بڑے بڑے مغرور آدمی اسے مار رہے تھے۔ اور وہ بیچارہ جبران ہو رہا تھا کہ یہ ہو کیا گیا۔ اتنے میں اُس کی موت پڑ گئی۔ اُسکی آنکھ پر اس زور سے گھونسا مارا کہ میرے بھائی کی آنکھ پھوٹ گئی۔ اور وہ کاتا ہو گیا۔ لوگ اُسے اور مذہب کو اُٹھانے کے قاضی کے پاس لے گئے۔ کہ یا حضرت! یہ شخص آدمیوں کا گوشت ہم لوگوں کو کھلاتا رہا ہے۔ میرے بھائی نے بھی اپنی بے گناہی کے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر قاضی نے اُس کی ایک بھی نہ سنی۔ بلکہ حکم دیا کہ کوڑوں سے اس کی خبر لی جائے اور جائیداد ضبط کر لی جائے لیکن اگر جائیداد نا کافی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور میرے بھائی کا گھربار ضبط کر کے اُسے شہر بدر کر دیا گیا۔ وہ عجیب بیکسی کی حالت میں وہاں سے آگے کو چل پڑا اونہیں جانتا تھا کہ کہاں جاتا ہے۔ غرض چلتے چلتے ایک بڑے شہر میں پہنچ ہی گیا اور وہاں بڑی بھلی طرح اپنا پیٹ پالنے لگا۔ اکیڈن اُسے سنا کہ وہاں کے بادشاہ کی سواری سیر و شکار کے لئے نکلتی ہے وہ بھی تماشا دیکھنے کے لئے راستے میں جا کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اسے گزرا۔ اور اُسکی نظر میرے بھائی کی کافی آنکھ پر پڑی۔ فوراً اُسے سر جھکا لیا اور کہنے لگا خدا ہی خیر رکھے اور فوراً گھوڑے کی باگ موڑ دی اُسکے شکاریوں نے بھی رخ بدل لیا۔ مگر کوئی وجہ نہ جانتا تھا۔ اتنے میں بادشاہ نے ایک شخص کو بھلا کر اُسکی طرف اشارہ کیا کہ اسے خوب کوٹے لگاؤ۔ وہ فوراً میرے بھائی کو پکڑ کے لے گیا اور مار ڈالے کوڑوں کے اُسکا چہرہ تک اُدھیر دیا۔ حتیٰ کہ اسے زندگی کی بھی کچھ آس نہ رہی مگر ابھی تک میرے بھائی کو اپنے گناہ کی کچھ بھی خبر نہ تھی جب ہٹ چکا۔ بادشاہ کے ایک ارادے کی خدمت میں جا کر اپنی سرگذشت سنائی۔ وہ بولا ہمارا

پھر میں پوشیدہ طور پر اپنے گھر آیا۔ اور اب تک اسے رونی کپڑا دیتا ہوں۔ خلیفہ پھر سہٹا اور  
 کہا کہ اسے کچھ انعام دیا جائے۔ تاکہ چلا جائے۔ بپنے کہا۔ خدا کی قسم۔ میں جیسا تک اپنے  
 سب بھائیوں کی حکایات حضور کو نہ سناؤں کچھ بھی آپ سے لینا میرے لئے حرام کے برابر  
 ہے۔ خلیفہ بدلا۔ تم نے تو میرے کان بھی کھائے۔ اچھا بولو۔ میں نے عرض کیا۔ میرا چوتھا بھائی  
 کا نام تھا۔ اس کا پیشہ قصابی تھا۔ وہ مینڈھے پالتا اور گوشت بیچتا تھا۔ بغداد کے امیر و رئیس  
 اسی کی دوکان سے گوشت خریدا کرتے تھے۔ اُسے اس پیشہ سے بڑا روپیہ کمایا۔ ایک مدت  
 تک بڑے مزے سے پسراؤات کرتا رہا۔ اکیڈن کی بات ہے کہ وہ دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کیا  
 دیکھتا ہے کہ ایک بوڑھا لمبی ڈاڑھی والا اُس کے پاس کھڑا ہے۔ اُسے میرے بھائی کی  
 طرف درہم بھینکے اور گوشت طلب کیا۔ میرے بھائی نے درہم اٹھا کے اُسے گوشت دیدیا  
 وہ بوڑھا چپ چاپ گوشت لیکر چلا گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد میرے بھائی نے اُن درہم  
 کو نہ ہی سکے کا پایا۔ اسلئے انہیں ایک علیحدہ صندوقچی میں ڈال دیا۔ برابر پانچ ماہ تک وہ  
 بوڑھا ایک معین وقت پر آتا اور گوشت لیکر چلا جاتا۔ اور میرا بھائی اُسکے درہم کو اُس  
 صندوقچی میں ڈالتا رہا۔ پانچ ماہ کے بعد جب آدم کا حساب کرنے لگا۔ اُس صندوقچی کو کھولا  
 کیا دیکھتا ہے کہ درہم کی جگہ کاغذوں کی بیشمار ٹنگیاں بڑی ہیں۔ فوراً اُسے بیٹھے لگ گیا  
 اور شور مچانا شروع کیا۔ لوگ آج جمع ہوئے اور اُس سے رونے چلانے کی وجہ پوچھنے لگے  
 جب اپنے اپنی ساری سرگزشت بیان کی تو سب سنتے والے حیران رہ گئے۔ پھر میرا بھائی دوکان  
 پر آیا۔ اور ایک مینڈھا ذبح کر کے دوکان کے اندر رکھا دیا۔ اور اُس کا گوشت کاٹ کے باہر بیٹھے  
 پر رکھا۔ دلیہیں سوچتا تھا کہ وہ بوڑھا ملعون آتا ہی ہوگا۔ یہاں خدا آئے۔ ابھی اُسے پتھر  
 ساری کسر پوری کر لیتا ہوں۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ حسب معمول وہ بوڑھا دروازہ پریش دوکان پر آگیا  
 اور چند درہم دیکر گوشت طلب کرنے لگا۔ میرا بھائی اُسے دیکھتے ہی چھپسا اور اُسے منہ پر  
 سے پتھر چلائے لگا۔ لوہا دوڑو۔ بپنے اپنا مجرم پکڑ لیا۔ وہ بوڑھا یہ سنا کہ کتنے دکھاتم  
 کہا جاتے ہو۔ اپنی رسوائی یا میری ذلت سے چشم پوشی۔ میرا بھائی کہہ لگا۔ وہاں اٹھاؤ۔  
 اکو تو ان کو ڈانٹے۔ تو بچا اچھے کیا رہا۔ اگر کیا میرے پاس تو میری ذلت کا کافی ثبوت ہے۔

قاضی نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ اُسے کہا کہ یا حضرت! جب تک آپ ہم پر سختی نہ کریں گے حقیقت حال نہ معلوم ہو سکیگی۔ قاضی نے حکم دیا کہ پہلے اُسے ہی گرا کے کوٹے ماریں۔ جلا دوںے حکم کی تعمیل کی۔ جب اُس چور کو خوبا کوڑے برسے شروع ہوئے۔ لڑائی کے درمیان ایک آنکھ کھول دی پھر دوسری بھی کھول دی۔ قاضی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور پوچھنے لگا۔ نالائقی یہ کیا بات تھی چور بولا۔ اگر جان کی امان پاؤں تو سب حقیقت حال کھول کے سناؤں۔ قاضی نے اُسے امان دیا کہتے لگا۔ ہم چاروں نے اپنے تئیں دانستہ اندھا بنایا ہوا ہے۔ ہم لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں۔ غورتوں کو دیکھتے ہیں۔ اور مال و متاع حاصل کرنے کی تجاویز سوچتے رہتے ہیں جمعی واوچل جاتا ہے۔ بیکے بیکل جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے ہمارے ہزار دولت جمع کر لی ہے جس کی تعداد دس ہزار درہم تک جا پہنچی ہے۔ آج میں نے اپنے ساتھیوں سے اپنا حصہ مانگا تھا تو انہوں نے عاف جواب دیا۔ بلکہ مجھے اس قدر مارا کہ بدن کا بند بندہ روکے اُسے بوڑھا جا رہا ہے۔ اگر آپ میرے قول کی پہچان چاہتے ہیں تو انکو اس قدر سزا دوائیے کہ یہ لوگ اپنی آنکھیں کھولیں۔ قاضی یہ سنکر اُنکی طرف مخاطب ہو کر دعا فرمائی کہ یہ لوگ کفرانِ نعمت نہیں کرتے۔ مگر اُس کی یہ بات سنکر قاضی نے اُسے ہی پہلے گرا کر کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اس قدر کوڑے لگوائے کہ غریب کو غش آ گیا۔ قاضی نے کہا کہ اب اسے چھوڑ دو۔ پھر تیسرے اور چوتھے کو بھی اسی طرح نہایت سخت مار پڑی اور وہ چور کہتا تھا کہ اب بھی آنکھیں کھول دو۔ کیوں نہ ہوں جان سے رہے ہو۔ پھر وہ قاضی سے کہنے لگا کہ میرے ساتھ ایک آدمی کو بھیجئے جو چل کے وہ مال لے آئے۔ کیونکہ یہ آدمی لوگوں میں دسوائی ہونے سے ڈرتے ہیں۔ اور محض اسی سبب سے آنکھیں نہیں کھولتے یہ سنکر قاضی نے اپنے ایک معتبر کو اُسکے ساتھ جانے کے لئے کہا۔ اور حیرت و حیرت سے اُس کو قاضی نے اڑائی ہزار درہم کن کر اُسے عطا کر دئے جسے وہ اپنا حصہ بتاتا تھا۔ باقی کا خزانہ عامرہ میں جمع کرا دیا۔ اور اُن قینوں کو جن میں میرا بھائی بھی تھا۔ شہر بدر کر دیا۔ اچھے بھی یہ خبر لگئی۔ اور میں اُن سے پیچھے گیا۔ اپنے بھائی سے ساری حقیقت سنا دیا۔ اُن کی جوتیں ابھی حضور کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔

وہ بولا۔ میرے پاس کچھ نہیں جو تمہیں دلاؤں۔ یہ سنکر میرا بھائی بولا۔ اچھا۔ تو مجھے زینے کا تار  
 ہی بتا دو۔ وہ کہنے لگا۔ تمہارے سامنے ہی ہے چلے جاؤ۔ میرا بھائی جلا بٹھارے اور زینے کی  
 تلاش کر کے بیچے اترنے لگا۔ ابھی بیچ میں ہی پہنچا تھا کہ پاؤں پھسل گیا اور تڑا ق سے زمین پر  
 اڑا۔ اسی لئے اس کا سر بھی کھل گیا۔ لیکن وہ جوں توں کر کے ٹکڑے سے نکل گیا۔ اور نہیں جانتا تھا کہ کہاں جاتا  
 ہے۔ اُسے میں ہے اُسکے کئی اندھے دوست ملے اور کہنے لگے۔ تجھے کیا ہوا؟ اُس نے سارا واقعہ  
 سنا دیا۔ پھر اُسے کہنے لگا کہ ہمارے پاس جو روپیہ ہے میں چاہتا ہوں کہ اُس میں سے کچھ اپنے حق کے  
 لئے صرف کروں۔ وہ شخص جس کے مکان کے زینوں سے میرا بھائی گرا تھا۔ اُن کی یہ باتیں سن کر  
 تھا۔ اس لئے کہ اُس نے اُسکا حال دریافت کرنے کیلئے اُسکا پیچھا کر رکھا تھا۔ مگر میرے بھائی کو  
 اُسکی کچھ خبر نہ تھی۔ حتیٰ کہ اُن دو ستوں کو لیکر میرا بھائی اپنے مکان میں داخل ہوا۔ وہ آدمی  
 بھی پیچھے ہی آگیا۔ جب باقی کے اندھے بھی اندر آئے تو میرے بھائی نے فوراً دروازہ بند کر کے  
 اندر سے قفل کر دیا۔ اور اندر سے مکان کی تلاش کرنے لگے کہ کوئی غیر آدمی نہ گھسایا ہو۔ یہ  
 بات سنکر متعاقب شخص فوراً چھت سے چھٹ گیا اور اُنہوں نے گھر کا پیچہ پیچہ چھان مارا جب کوئی  
 نہ ملا تو آرام سے بیٹھ گئے اور اپنے پاس سے درہم نکال کے گننے لگے جو مقدار میں پوسے  
 و سہزار نکلی۔ پھر انہیں مکان کے ایک کونے میں دفن کر دیا اور اپنے خرچ کے لئے بھٹوڑا  
 تھوڑا ہر ایک نے پاس رکھ لیا۔ پھر وہ کھانا کھانے لگے۔ اتنے میں میرے بھائی نے ایک اجنبی  
 آواہ کھانا کھانے کی اپنے پاس ہی سنی۔ اور ساتھیوں سے کہنے لگا۔ آج ہمارے ساتھ  
 کوئی غیر بھی معلوم ویتا ہے۔ وہ سنکر فوراً ہوشیار ہو جاؤ۔ پھر اپنا ماتہ بڑا کے چور کو پکڑ لیا  
 اور سب نرمل کے ٹوٹا مچا کر شروع کیا۔ کہ لوگو ہمارے گھر میں جو گھس کر آیا ہے اور ہمیں لوٹ  
 لیجانا چاہتا ہے کوئی اس کے بچاؤ۔ یہ سنکر لوگ آج جمع ہوئے۔ وہ شخص بھی آنکھیں بند کر کے اندر  
 بیٹھا۔ میرا بھائی اُن کوں سے کہنے لگا کہ یہ شخص جس نے پکڑ رکھا ہے۔ یہ چور ہے اور ہماری  
 بھیس کی کمائی اُن کا لیجانی چاہتا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ جوہر ہے۔ میں بھی اُنکا  
 ہی ایک ساتھی ہوں۔ یہ میرا حصہ مجھے نہیں دیتے۔ اس لئے اُنہوں نے خواہ مخواہ غوغا مچا رکھا  
 ہے اور مجھے چوریشا کے نکال دینا چاہتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سنکر سہا کو قاضی کے ہاں پہنچایا

تصویر بیکارہ کی کہ برہنہ گدھے پر سوار اور گرداسکے چار گھٹے



دروازے پر بیٹھی جسے میرا بھائی کھٹکھٹا کے چپ ہوتا تھا۔ تاکہ مالک مکان بڑے تو اس سے سوال کرے۔ مالک مکان نے آواز دی کہ کون ہے۔ مگر میرا بھائی نہ بولا۔ پھر اس نے اونچے سے آواز دی۔ کہ کون دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ لیکن یہ سُنکے بھی وہ چپکا ہوتا تھا۔ کیونکہ اُس کی عادت ہی ایسی تھی۔ اتنے میں سنا کہ مالک مکان آپ آرہا ہے۔ سٹوڑی دیر میں دروازہ بھی کھٹکھٹایا مالک مکان نے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ کچھ خدا کے نام پر دلوادو۔ وہ کہنے لگا کیا تو اندھا ہے۔ میرا بھائی بولا۔ اہ! اُسے کہا کھٹے اپنا ہاتھ دو۔ میرے بھائی نے اپنا ہاتھ اُسے دیکر دیا اور وہ اُسے اندر لے گیا۔ پھر زینے چڑھنے شروع کئے اور دیر کے بعد واپس کی منزل پہنچا۔ میرے بھائی کا خیال تھا کہ اوپر چکر کچھ کھانے کو دیگا اور کچھ عطایا بھی کر لیگا۔ اوپر پہنچ کر مالک مکان پوچھنے لگا۔ آجے اندھے! کیا چاہتا ہے۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ کچھ خدا کے نام پر دلو لے لے۔ اُسے کہا۔ خدا کھٹے آنکھیں دے۔ میرا بھائی بولا۔ کیوں صاحب! اگر یہی دلوانا تھا تو کیسے ہی کہہ دیتے۔ وہ کہنے لگا۔ پچھلے مالش! بیٹے دو دفعہ آواز دی کہ کون ہے؛ لیکن تو دروازہ ہی توڑے گیا۔ کیا پیرا مینہ ڈوٹے جاتا تھا۔ اگر میری آواز کا جواب دیتا۔ میرا بھائی کہنے لگا کہ اب کیا ارا وہ ہے

ہنگ پر انگلی رکھ جس وقت ناپے لگا تو انکی سنہی کا ٹھکانا ہی نہ تھا۔ لوٹ پوٹ ہوئی جاتی تھیں پھر  
 کی سب اُسکے ساتھ منکرنا چنے لگیں۔ اسکے بعد محل میں جو لونڈی علامت تھے سب نے اُسکی کھوپری  
 سہلائی حتیٰ کہ لما چوں سے غریب آدمی بے سندھ ہو کے گر پڑا۔ اتنے میں وہ بڑھیا بھاپھاں بھی  
 آگئی۔ اور بھانے لگی۔ گھبراؤ مت۔ بس ایک ہی مرحلہ باقی ہے۔ اپا مار تو ہو چکی۔ اطمینان رکھو۔  
 اور ہماری بی بی کی عادت ہے۔ کہ جب نشے میں ہو جاتی ہے تو کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتی  
 سوائے اُسکے جو نہنگا ہو کے اُسکے سامنے جاتے۔ پھر وہ آگے آگے بھاگتی ہے۔ کبھی ایک دالان سے  
 دوسرے میں اور کبھی ایک حجرے سے دوسرے حجرے میں حتیٰ کہ تھک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور وہ  
 شخص اُسے پکڑ لیتا ہے اب وہ تیسرے آگے سے بھاگے گی تو ہاتھ تامل نہنگا ہو کے اُسکا تعاقب کیجیو۔ پھر  
 بھائی نے سب کپڑے اتار دئے۔ فقط کمر میں ایک شلوار رہنے دی۔ اور وہ بی بی دھوکا دیکر آگے  
 بھاگی۔ سوجیاں بھی تاریاں بیٹی ہوئی براہ ہو لیں۔ میرے بھائی نے بھی اُسی ہیئت کذا فی میں اُنکے  
 پیچھے پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ آخر وہ بی بی ایک دالان کے گردا گرد گھوم کے ایک تار یک جھتے میں  
 جاد اُصل ہوئی۔ میرا بھائی بھی فوراً پیچھے پیچھے چلا گیا۔ اور وہ بی بی دوسرے راہ سے محل میں آگئی  
 مگر میرا بھائی سودا بیوں کی طرح ادھر ادھر بہودہ اندھ مارتا رہا۔ آخر مار کے کھڑا ہو گیا۔ اور  
 جب عورت سے دیکھا تو ایک طرف سے تھوڑی سی روشنی نظر آئی۔ وہ دوڑ کر ادھر کو گیا اور دیکھا  
 تو وہ یا ہر کا دروازہ تھا اُسکے باہر نکلتے ہی دروازہ فورا بند ہو گیا۔ تب میرے بھائی نے اپنے سینٹر  
 چاروں کے کپڑے میں پایا۔ جو اسے نہنگا اور وارھی ہونچہ منڈا دیکھ کے متحیر ہوئے اور تالیاں  
 بھانے لگے۔ راکوں نے اُسے سودا کی سمجھ کر شور مچانا شروع کیا اور کوئی کوئی ریٹ پتھر بھی پھینکے  
 لگا۔ اور ایک پتھر غریب کو ایسے زور سے لگا کہ بہوش ہو کے گر پڑا۔ پھر وہ چار اُسے گدھے  
 پد چڑھ کر قاضی کے پاس لیگئے۔ قاضی نے پوچھا کیا بات ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ہم نے وزیر کے  
 گھر کے تیلے سے پایا ہے۔ قاضی نے سو کوڑے مار کر شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی  
 میٹھے بھی اس واقعہ کی خبر پہنچ گئی۔ میں بھی پیچھے پیچھے گیا۔ اور جا کے چوری چوری شہر میں لایا۔  
 اور اب تک خبر گیری کرتا ہوں۔ یہ تو میرے دوسرے بھائی کی سرگذشت تھی۔ اسے امیر المومنین  
 اب تیسرے کا حال سن لیجئے۔ وہ اندھا تھا اور بھیک مانگا کرتا تھا۔ ایک دن تقدیر نے ایک برے

چار ایسی خوبصورت لڑکیاں دیکھیں جسے بڑھکڑ بھر میں کسی کو نہ دیکھا تھا۔ وہ ایسی بریلی آوازوں سے  
 گا رہی تھیں کہ پتھر بھی پانی ہو ہو جاتا تھا۔ پھر انہیں سے ایک لڑکی نے شراب کا پیالہ بھرا اور پی لیا۔  
 میرے بھائی نے اسے سلام کیا اور خیریت پوچھ کر دستکداری سے لئے کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس لڑکی نے  
 اسے خدمت سے منع کر دیا۔ پھر میرے بھائی کو شراب کا پیالہ بھر کے دیا۔ اور اسکی گالوں پر تڑا تڑو  
 بتن طاپے جڑوئے۔ یہ سلوک دیکھ کر میرا بھائی سغصے میں بھر گیا۔ لیکن اسی بڑھیا چڑیل نے اشلے  
 سے شرط یاد کرائی۔ ناچار پچارہ خفگی اندر ہی اندر پی گیا۔ پھر تو تڑا تڑا اسپر چھپڑیں پڑنے لگیں۔  
 اور وہ خاموش ہو رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ قضائے حاجت کے لئے اٹھا۔ لیکن اسی بڑھیا  
 نے روکا کہ کہاں جاتے ہو۔ میرا بھائی کہنے لگا۔ میں اور کب تک صبر کروں۔ وہ بولی ابھی تھوڑی  
 دیر تک تم اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ گھبراتے کہوں ہو ناچار وہ پھر لوٹ گیا اور جا کر ان لڑکیوں  
 کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ پھر وہ لڑکی جو ان سب میں سے حسین تھی۔ بولی۔ خدا تمھے معزز کرے کہ ہمارے  
 گھر آیا ہے۔ لیکن اگر میری شرط بھی ماننے تو تو بہت جلد اپنی مراد کو پہنچ جا ہیگا۔ میرا بھائی بولا۔  
 میں تو آپ کا غلام ہوں جو فرمائیں تعمیل ارشاد میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ اسے پھر کہا کہ تم بہت اچھے آدمی  
 ہو۔ میری طبیعت قدرت سے ہنسوتا اور خوش طبع واقع ہوئی ہے۔ اسلئے جو آدمی میرا کہنا نہیں  
 مانتا وہ بہت جلد اپنی مراد کو حاصل کر لیتا ہے۔ پھر لونڈیوں کو ارشاد کیا کہ گانا شروع کریں گانا  
 شروع ہوا۔ اور اس نے دوسری ایک لونڈی کو اشارہ کیا کہ اسے لیجا کر جیسا تجھے معلوم ہے بنا سنوا  
 کے میرے پاس آ۔ وہ لونڈی میرے بھائی کو ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ وہیں وہ بڑھیا  
 بھی آگئی اور کہنے لگی بس اب تھوڑی کسر رہ گئی ہے۔ غصہ پیب تو دیکھیے گا کہ وہ بی بی تجھے کیا کچھ بتاتی  
 ہے۔ مگر وہ پہلے چاہتی ہے کہ تو دائرہ می موسیچہ منڈا ڈالے تاکہ کسی کو تیرے آدمی ہونے کا شبہ نہ ہو  
 اصل میں ہماری بی بی تجھ پر مرقی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ تجھے عورتوں کے لباس میں اپنے پاس  
 رکھے۔ اسلئے اور تھوڑا سا صبر کرو۔ میرے بھائی نے اسے بھی منظور کیا اور لونڈی نے اسکی  
 ڈاڑھی میں سچہ ابرو سب کا صفایا پول دیا اور بناؤ سنگا کر کے عورتوں کا لباس پہنا کر ان لڑکیوں کے  
 پاس لے گئی جو میرے بھائی کی اس سہیت کدانی کو دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ لگیں۔ پھر وہ بی بی  
 کہنے لگی۔ اب تو بے تکلف ہو کر میرے سامنے تاج۔ اسی میں میری خوشی ہے۔ میرا بھائی اٹھ کے



کی طرف نظر بد سے دیکھتا ہے۔ پھر اُسے کوڑھ مار کے چھوڑ دیا جائے۔ تاکہ وہ کہیں اور چلے جائے۔ یہ سترائے اُس کے واسطے اڑ گئے۔ مگر حکم حاکم تھا سنا پڑا۔ ارولیوں نے اُسے اونٹ پر سوار کر کے تشہیر کرنا شروع کیا اور لوگ تالیاں بجانے لگے۔ اتفاقاً اونٹ بڑک اٹھا اور میرا بھائی بُری طرح اوپر سے گرا رہا حتیٰ کہ اُسکی ٹانگہ ٹوٹ گئی اور وہ لنگڑا ہو گیا۔ پھر قاضی نے اُسے شہر بدر کر دینے کا حکم دیا۔ مجھے بھی خبر ملی۔ اب میں غصہ میں بھرا ہوا اُسکے پیچھے گیا۔ حتیٰ کہ بمشکل اُسے اپنے ہاں لاکر رکھا۔ اب میں ہی اُسکے کھانے پینے کی خبر لیتا ہوں خلیفہ ہنسنا اور کہنے لگا کہ تم بہت نیک آدمی ہو۔ پینے کہا۔ میں آپ کی تعریف اُس وقت تک نہیں قبولوں گا۔ جب تک میں اپنے بھائیوں کا بھی حال نہ سناؤں گا۔ لیکن مجھے یاد ہو گا۔ خلیفہ مسکرا کر کہنے لگا۔ اچھا باقیوں کا حال بھی سنا دو۔ مگر ذرا کلام کو مختصر کر کے میرے توکان بھی تھک گئے ہیں۔ مینے عرض کیا۔ امیر المومنین! میرا دوسرا بھائی جو لولا ہے ایک دن بازار میں چلا جا رہا تھا کہ ایک بڑھیا نے سامنے سے آکر اُسے سلام کیا اور کہنے لگی۔ اے مراد! ذرا بٹھراؤ۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہیں پسند ہو تو میرا کہنا ماننا۔ ورنہ تمہارا رات تو کوئی روکتا ہی نہیں۔ میرا بھائی یہ سنکر بٹھر گیا۔ وہ کہنے لگی کہ میں تیرے فائدہ کی ایک بات کہتی ہوں۔ اگر تو زیادہ باتیں نہ بنا کر میرے ساتھ چلے۔ میرے بھائی نے جواب دیا۔ بتاؤ وہ کیا بات ہے؟ بڑھیا بولی۔ کیا تو ایک محل میں میرے ساتھ چلیگا۔ جہاں نہریں چل رہی ہیں اور کھانے کے لئے طرح طرح کے پھل لگے ہیں۔ وہاں تو ایک ہنسوڑ اور خوش طبع بی بی جو بھرت کو پائیکا جو تیرے ساتھ بڑا سلوک کر لگی۔ مگر وہ بی بی ہنسوڑ سے بڑھ کر ہے۔ شرط یہ ہے کہ اگر وہ یا اُسکی سہیلیاں تجھ سے خوش طبعی کریں تو تو نے خفا نہ ہونا۔ میرا بھائی یہ سنکر بولا۔ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ جہلا تمہیں تمہیں کوئی انوکھی بات نظر آئی ہے۔ کہ اتنے آدمی جاننے والوں کو چھوڑ کے مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کرتی ہو۔ وہ بولی۔ کیا میں تمہیں خبر نہ دیتی۔ کہ زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اگر چلنا ہے تو چپ چاپ چلے آؤ۔ یہ کہہ کر بڑھیا لوٹ پڑی۔ میرا بھائی بھی مارے لالچ کے اُسکے پیچھے نکلا۔ حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بہت بڑے محل کے دروازے پر پہنچے۔ اندر جا کے میرے بھائی نے اُسے اور بھی عالیشان اور پُر فضا پایا۔ میرے بھائی نے دواں

صبح ہوئی۔ وہ لونڈی جس سے میرے بھائی کا عقد پڑا گیا تھا آئی اور افسوس کر کے کہنے لگی رات تو ہمیں تمہاری مصیبت کا علم ہی نہیں ہوا۔ اور آج صبح کو تمہیں ایسی بہت کدائی میں دیکھ کر مجھے اور میری بی بی کو نہایت رنج ہوا ہے۔ لہذا میں تمہیں مخلصی دینے آئی ہوں یہ کہہ کر لونڈی نے اسکی کمر سے رستی ٹھوکر دی اور میرا بھائی بغیر کچھ جواب دئے واپس سے چل کے اپنی دوکان پر آ بیٹھا تاکہ کوئی گاہک آئے۔ تو چار پیسے کما کے اپنا پیٹ پالے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ وہی لونڈی سامنے سے آرہی ہے۔ ساتھ ہی اسکے اسکی مالکہ بھی تھی۔ لونڈی کہنے لگی۔ میری مالکہ تمہاری مشتاق ہے۔ اور ورثے سے تمہیں دیکھنا چاہتی ہے میرے بھائی نے یہ سن کر ٹھوکر کی طرف دیکھا تو وہی حسینہ ٹھوکر رو رہی تھی۔ اور کہتی تھی کہ آپ نے ہمارا کیا گناہ دیکھا۔ جس سے قطع تعلق کر لیا۔ میرے بھائی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ ممکن ہے اس دن مجھے جو تکلیف دی گئی۔ اسکی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ پھر اس کے حسن و جمال کی طرف دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔ اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ ٹھوڑی دیر کے بعد لونڈی واپس سے چلی گئی اور وہ اپنے کام میں لگ گیا۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ لونڈی پھر واپس آئی اور کہنے لگی کہ میری مالکہ آپ کو سلام کہتی ہے اور فرماتی ہے کہ آج رات انکے سیاں صاحب گھر سے غیر حاضر رہینگے۔ کیا اچھا ہو۔ اگر آپ رات گھر میں گذاریں۔ اور یہ سب اس کے خاوند نے اسے سکھایا تھا کہ اسے یہاں بلواؤ تو کینت کو پکڑ کے حاکم شہر کے پاس لیجاؤں۔ اس میاں نے میرے بھائی کو محض رسوا کرنے کی خاطر یہ بکرا کیا تھا۔ اور وہ غریب جو عورتوں کے مکروں سے واقف نہ تھا۔ فوراً راضی ہو گیا۔ غرض جب شام ہوئی وہی لونڈی اسے لینے کو آئی اور ساتھ لیکر گھر لوٹی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مالکہ پوچھنے لگی۔ آپ نے بڑی دیر کر دی۔ میری تو انتظار میں آنکھیں بھی تھک گئی ہیں ابھی سلسلہ کلام آگے نہ بڑھا تھا کہ حسب قرار داد اس عورت کا خاوند بھی دریا ہوا انڈر گس آیا اور میرے بھائی کو پکڑ لیا اور کہنے لگا کہ میں تمہیں اب حاکم کے ہاں لیجاؤںے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ میرا بھائی گڑ گڑائے لگا۔ مگر اس نے ایک بھی نہ سنی اور اسے پھینچ کر قاضی کے ہاں لے ہی گیا۔ قاضی نے حکم دیا کہ اسے اونٹ پر سوار کر کے شہر میں پھیلایا جائے۔ اور سامنے ایک آدمی کستا جائے۔ کہ یہ سزا اس شخص کی ہے جو بیگانی عورتوں

ایام میں اُسے بہت تھوڑی خوراک ملی تھی۔ خیر! جب مالک دوکان اپنے گھر لیا۔ اور اُس نے اپنی عورت کو درزی کے اُجرت لینے کی حکایت سنائی۔ تو اُس نے بھی میرے بھائی کا کچا چٹھا اُس سے کھو لیا۔ وہ سنکر بڑا خفا ہوا مگر پھر دو نو نے علاج کر کے میرے بھائی سے معقت میں کام لینے کی بھان لی اور اُس کے عشق پر دو نو ہنستے تھے۔ مگر اُس غریب کو کچھ بھی خبر نہ تھی۔ ایک دن چیلے سے دو نو نے اپنی لونڈی کا اُس سے عقد پڑھا دیا۔ اور کہنے لگے کہ رات کو خراس والے مکان میں سو رہنا۔ وہ بیچارہ سیدھا سادھا اُنکے چکے میں آیا اور رات وہیں سو رہا۔ جب آدھی رات گزر گئی اور اُس کی نزوہ اُسکے پاس نہ آئی۔ بلکہ خراس والے

تصویر یکم کی چلی میں خچر کی طرح باندھے جائیگی



نے خراس کا رشتا اُس کی کہیں باندھ دیا۔ اور کہنے لگا میرے دوست! آج میرا بیل بچا ہے۔ اور صبح کے وقت آٹے کی سخت ضرورت ہے اور تمہاری نہایت ہی عنایت ہوگی۔ اگر یہ خراس چلاؤ۔ میرے بھائی نے اُس کی التجا قبول کی اور خراس چلانے لگا۔ جب ذرا آہستگی سے چلتا۔ خراس والا جھٹکڑا جما دیتا۔ حتیٰ کہ اُسکے بدن سے خون بہنے لگا۔ جب

فضول اور خفیہ الحركات آدمی ہیں۔ اسے امیر المؤمنین میں آپ کو انکا حال سنا تا ہوں بہت  
خود مقابلہ کر لیجئے گا کہ وہ میرے مقابلہ میں کیا برسر رکھتے ہیں۔ اور ہماری خلقت میں بھی بڑا  
بلا فرق ہے۔ انہیں سے ایک لنگڑا ہے دوسرا لولا تیسرا اندھا۔ چوتھا کانا۔ پانچواں  
کان کٹا (لوچا) اور چھٹا ہونٹ کٹا۔ یا امیر المؤمنین! آپکو میری نسبت یا وہ گوئی کا کمان بھی  
نہ کرنا چاہئے۔ "ناہم جہنہ ان سب کے حالات آپ کے سامنے عرض کر دیتے ضروری معلوم ہوتے  
ہیں۔ تاکہ آپ کو میرے صاحب مروت ہونے کا بھی یقین آجائے۔ جو لنگڑا ہے وہ اسی تعداد  
میں دندڑی تھا۔ ایک دوکان بھی کرانے پر لے رکھی تھی جس کا مالک ایک متمول شخص تھا۔  
اس شخص کا گھر بھی اس دوکان کے سامنے ہی تھا جس کی پختی منزل میں خراس لگا تھا۔  
اور ان پر وہ اپنے اہل و عیال سمیت آپ رہتا تھا۔ ایک دن میرا بھائی دوکان پر بیٹھا اپنے کام  
میں مشغول تھا۔ کہ یکایک اسکی نظر مالک دوکان کے گھر کی کھڑکی پر جا پڑی۔ جہاں ایک  
حینہ چند سے آفتاب و چند سے ماہتاب کھڑی آنے جانے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے  
ہی میرا بھائی لٹو ہو گیا۔ اور سارا دن اسی طرف دیکھتا رہا۔ حالیکہ وہ عورت اس کی  
بد لگا ہی کا خیال کر کے واپس سے ہٹ بھی چکی تھی۔ ناچار کام چھوڑ کے بدھ گیا۔ اگلے دن  
جب صبح کے وقت پھر دوکان کھولی اور سینے دکھا۔ اتنے میں پھر اسی کھڑکی میں وہی چاند  
دکھائی دیا۔ وہ عورت اہل میں مالک دوکان کی عورت تھی۔ کئی ورت تک پڑتی نظارہ بازی  
رہی۔ ایک دن مالک دوکان میرے پاس کپڑے کے کئی تھان لایا۔ کہ ان کی قمیصیں سی دو  
میرے بھائی نے ان کو لے لیا۔ اور بڑی عزیزی سے شام تک وہ قمیصیں تیار کر کے  
رکھ دیں۔ آج دن بھر اس نے ایک لقمہ بھی نہ کھایا تھا۔ اسلئے بھوک سے سخت بیقرار ہو رہا  
تھا۔ لطف یہ کہ گرہ میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ اتنے میں مالک مکان قمیص لینے گیا اور اجرت  
پوچھی۔ میرا بھائی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ وہی سامنے والی کھڑکی کھلی۔ اور وہی خوبصورت چہرہ  
دکھائی دیا۔ حینہ نے اشارہ کیا کہ زہارا ان قمیصوں کی سلامتی نہ لینا۔ ناچار میرے بھائی  
نے جواب دیا کہ چلو دیکھا جائیگا۔ اجرت لینے کی ایسی جلدی کیا پڑی ہے۔ وہ تو اوپر ہی  
قمیص لیکے چلتا تھا۔ اور میرے بھائی کے بڑی مشکل سے رات بسر کی۔ اور پچھلے چند

تھا اور علماء و صالحا کی مجلسیں منعقد کرتا۔ ایک دن وہ دس شخصوں پر خطا ہو گیا۔ اور کہ تو اہل کو حکم دیا۔ کہ گرفتار کر کے انہیں کشتی میں بٹھالائے۔ اتفاق سے میں بھی اس دن وہیں تھا۔ ان دسوں کو کشتی میں سوار ہونے دیکھ کر میں بھی میٹھ گیا۔ یہ خیال کر کے کہ شاید یہ سارا دن کشتی ہی میں کھائینگے۔ اور وہیں کھانا کھائینگے۔ انہی صحبت کے لئے مجھ سے اچھا آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے بیٹے ان سے اختلاط کی باتیں شروع کیں۔ اور ان سے بہت جلد گھل مل گیا لیکن وہ کشتی جب دوسرے کنارے پر لگی۔ بادشاہی سپاہیوں نے سب کو گرفتار کر کے بازو دھ لیا۔ میں بھی ساتھ ہی بازو دھا گیا۔ مگر اپنی مخلصی کے لئے بیٹے کوئی کوشش نہ کی۔ اور نہ ہی بولا۔ غرض سپاہی ہم سب کو کشتیاں کشتیاں خلیفہ کے دربار میں لیگئے۔ خلیفہ نے جلاؤ کو حکم دیا۔ کہ دسوں کی گردنیں مار دو۔ جلاؤ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب ان دسوں کی گردنیں مار چکا۔ مجھ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ امیر المؤمنین نے وجہ پوچھی کہ اسے کیوں چھوڑتے ہو۔ جلاؤ بولا۔ حضور نے مجھے دس گز دین مارنیکا حکم دیا تھا۔ سو وہ دس لاشیں گر گئیں۔ خلیفہ نے میری طرف مخیاط ہو کے پوچھا۔ تم کون ہو اور ایسے وقت میں تم کیوں چپ رہے اور ان غوثی آدمیوں کے ساتھ کیسے آگئے۔ بیٹے زمین ٹھٹھ کو دوسرے دیکر عرض کی۔ حضور! امیرانہم شیخ صاحت (چپ شاہ) ہے اور میں حکمت اور دانائی کی بیشمار باتیں جانتا ہوں۔ کل جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہونے لگے۔ بیٹے سمجھا۔ شاید یہ لوگ آج سیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ راسی لئے میں بھی ساتھ ہی سوار ہو لیا۔ اور ان سے اختلاط ہڑا دیا مگر یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ کہ وہ سب مجرم تھے۔ جب سپاہیوں نے سب کے گلے میں زنجیروں ڈال دیں۔ اور میں بھی آئے کیساتھ گھن کی طرح پس گیا۔ اور اپنی عادت کے بموجب خاموش رہا۔ پھر آپ کی خدمت میں ہم سب حاضر ہوئے۔ اور وہ دس لئے گئے۔ مگر میں صحیح و سلامت کھڑا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میری خاموشی کی عادت نے ہی مجھے بچایا ہے۔ اور میں ہر وقت ایسی ہی نیکی کرتا رہتا ہوں۔ نیز احسان میں زیادہ کرتا ہوں اور باتیں تھوڑی۔ کیونکہ میں فضول گو نہیں ہوں۔ برخلاف اس جوان کے خیال کے کہ جسے بیٹے ہلاک ہوئیے بچایا تھا۔ پھر خلیفہ نے مجھ سے پوچھا کہ میرے باقی بھائی بھی تیری ہی طرح حکمت میں بیٹھائی رکھتے ہیں یا نہیں۔ بیٹے جواب دیا اگر وہ میری طرح کے ہوتے تو میرے میں نہ ہوتے۔ مگر وہ بہت ہی

پر عمل نہ کیا۔ حتیٰ کہ معاملہ نے یہاں تک طویل کھینچا۔ اور اگر میں نہ ہوتا۔ خدا کی قسم آپ کو بھی یہاں سے  
مخلص نہ ملتی۔ پس خدا کا شکر یہ ادا کرو۔ کہ اُنہی تمہیں صبح و سلامت رکھا۔ ورنہ اپنی برتری  
نے تمہیں اپنی ہلاکت میں کیا کسر اٹھا رکھی تھی۔ تم اکیلے جانا چاہتے تھے۔ مگر میں جانتا ہوں۔ کہ  
عجلت بیوقوفی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مینے کہا اب تجھے مجھ سے کیا لینا ہے خدا کیلئے میرا سچا چھوڑ  
دوستو! میری اس وقت کی حالت کا تم خود ہی اندازہ کرو۔ خدا کی قسم میں چاہتا تھا کہ موت آجائے  
تاکہ میں اُسکے ماتحت سے مخلصی پاؤں۔ مگر موت نہ آتی تھی۔ اُسکے بعد اُسے غیظ و غضب کچھ میں  
درا تیری سے دوڑا۔ اور عین بازار میں ایک دوکان کے اندر گھس کے مالک سے دو چاہی اور  
اُس نے اُس حجام کو وہ ڈانٹ ڈپٹ بتائی۔ کہ سب کچھ اُسے بھول گیا اور اس طرح بڑی مشکل  
سے میرا سچا چھوڑا۔ وہاں تھوڑی دیر دم لیکر بیٹے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ جہاں یہ حجام ہو گا میں  
اُس شہر میں ہی نہ رہوں گا۔ اُسکے بعد مینے بغداد میں صرف ایک دن اور ایک رات اور ٹھہرا اور  
اس عرصہ میں مال و اسباب کو ٹھکانے لگا دیا۔ تاکہ سفر کے لئے کافی خرچ دیا ہو جائے اور سب  
کچھ بیچ باٹ کر تیسرے دن بیٹے بارادہ حیش بغداد کو چھوڑ دیا۔ اور یوں بیٹے اس بلی سے تھوڑی  
دُائی۔ مجھے آپ کے شہر میں رہتے ہوئے ایک مدت ہو گئی ہے۔ لیکن آج جب آئے ہی آپ  
کی صحبت میں اسکو بیٹھ لایا۔ مجھے اپنا عہد و پیمان یاد آ گیا۔ اور میں یہاں سے بہت جلد کسی  
دوسرے شہر کو چل دینا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری حکایت سنکر تم خود انصاف کر سکتے ہو کہ میں  
اس بے حیا کو سیدھی آنکھوں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ یہ ہے میرے لنگڑے پن کا بیان جو  
تمہارے سنا۔ جب یہ سب کہہ چکا۔ بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ جب ہم نے اُسکے ساتھ حجام کے  
سلوک کی حکایت سنی۔ اُس پر مے حجام سے پوچھا کیا یہ سچ ہے۔ حجام نے جواب دیا۔ ہاں! یہ  
سب کچھ بیٹے ویرہ دانستہ کیا تھا۔ اور اگر میں ایسا نہ کرتا۔ تو یقیناً یہ جوان ہلاک ہو جاتا۔ اور سچ  
پوچھو! تم اسکی نجات کا باعث میں ہی ہوں۔ اگرچہ اتفاق سے اسکی ٹانگ پر بلا لگی۔ مگر شکر  
ہے۔ کہ جان بچ گئی۔ اگر میں یہودہ کو ہوتا۔ تو اُس کی جان ضرور جاتی رہتی۔ اب میں تمہیں اپنی سرگزشت  
سنا تا ہوں۔ اُسے سنکر تم خود اندازہ لگا سکو گے۔ کہ میں کم گو ہوں یا بگو اسی۔ وہ یوں ہے کہ جب  
میں بغداد میں تھا۔ امیر المومنین خلیفہ مستقر باللہ کا زمانہ تھا۔ جو فقرار اور مساکین سے محبت کرتا

خلعت کا ارجحہ ہو رہا ہے۔ پوچھنے لگا۔ لوگو! یہ کیا بات ہے؟ میرے ایک غلام نے اسے جواب  
 دیا کہ تو نے ہمارے سردار کو بیگناہ کیوں مراد ڈالا ہے۔ قاضی نے جواب دیا۔ تمہارے سردار نے  
 میرا کیا بگاڑا تھا کہ میں نے اسے مراد دیا۔ اور یہ حجام جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ کون ہے۔ حجام  
 نے جواب دیا کہ میں نے اسے مراد دیا ہے۔ اور میں اس کی جلاہٹ سن رہا تھا  
 قاضی نے کہا۔ آخر کوئی وجہ یہی تو ہو چکے سبب سے میں نے اسے قتل کرایا۔ اور میرے گھر میں تھا  
 آقا کہاں سے آیا تھا۔ حجام نے جواب دیا۔ بابے بٹھے بکواس نہ کر۔ میں ساری بات جانتا ہوں  
 میری رشتہ کی اسپر عاقل ہے۔ اسی نے آج فرشتہ پا کر اسے بلوایا تھا۔ تو نے اسے معلوم کر لیا۔ اور  
 اپنے غلام کو کہہ کر اسے مراد ڈالا۔ اگر بھلا چاہے تو ابھی ہمارے آقا کو باہر نکال دے ورنہ خلیفہ کے پاس  
 شکایت جائیگی۔ اور ہمیں مجبور نہ کر کہ تیرے گھر میں گھس کے اسے نکال لائیں۔ قاضی اس کی بات کو  
 برا پریشان ہوا اور سخت مشرمندہ ہو رہا تھا۔ پھر اس حجام سے کہنے لگا۔ اگر تو سچ کہتا ہے تو وہی  
 اندر چلا جا اور اپنے آقا کو نکال لا۔ جب سینے اس شخص کو اندر آتے دیکھا۔ سینے چاڑھ کے بھاگ بھاگ  
 گھر کوئی راستہ نہ ملا۔ ناچار ایک صندوق میں پوشیدہ ہو رہا۔ جو پاس ہی پڑا تھا اور اپنا سانس بھی روک  
 لیا۔ اس نے میں شیخس علیہ سے وہیں نہ آتا ہوا چلا آیا۔ جہاں میں چھپا ہوا تھا اور اس کے  
 پاس شیخے اور پردے دیکھ کر جب کچھ نہ پایا تو اس صندوق کو بھانکنے لگا۔ جس میں وہم سادھے پڑا  
 تھا۔ اور اسی میں مجھے پا کر فوراً صندوق کو کندھوں پر اٹھالیا اور لیچلا۔ باہر خلعت کا کچھ ٹکڑا نہ تھا۔  
 جب یہ حجام صندوق کو قداما ہرے آیا۔ سینے فوراً دروازہ کھولا۔ اور چھلانگ مار دی جس سے میری ٹانگ  
 ٹوٹ گئی اور میں ٹنگر اتار ہوا چلنے لگا۔ لوگ مجھے دیکھ کر تالیاں پیٹنے لگے اور میرے پیچھے ہو گئے۔ میں  
 سر پر پاؤں رکھ کے بھاگنے لگا۔ مگر جب وہ میرے قریب ہو گئے۔ رہنے ٹھہر بھر بھر کے دینار لٹا کر شروع  
 کئے تاکہ لوگ ان کے چھنے میں مشغول ہو جائیں۔ اور میں نکل جاؤں۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ لوگ دیناروں  
 کے چھنے میں لگ گئے اور میں دینار کے ایک تنگ کپڑے میں گھس گیا۔ مگر دیکھا تو یہ حجام میری کوتاہی  
 میں ہی تھا اور جس مکان میں داخل ہوا۔ یہ بھی میرے پیچھے ہی چلا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ انہوں نے  
 نے تو میرے سردار کو ہلاک کر ڈالتے ہیں کوئی گستاخ چھوڑی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنا  
 فتح پائی۔ صاحب من! میں آپ کو علیہ کی کرنے سے روکتا تھا۔ مگر آپ نے چھوڑنے میں میری میر



دروازہ کھلا تھا۔ میں فوراً اندر گھس گیا اور یہ اُسی تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ ابھی جا کے بیٹھ دوں بھی نہیں لیا کہ قاضی بھی لوٹ آیا۔ مکان کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور میں فکر میں پڑ گیا کہ اس کنبخت کو آج کیا ہو گیا کہ فوراً لوٹ آیا ہے۔ شاید خدا کو میری پروردہ دری منظور ہے۔ اتنے میں قاضی نے کسی تصور پر ایک نوڈی کو تبتیباً دو چار نہڑ لگائے اور چلا اُٹھی تو ایک غلام اُسے چھوڑنے آیا۔ اسپر بھی خوب رکھا ہوئی۔ سمجھا کہ بچھر برس رہی ہیں ذرا چلائے اور کپڑے پھاڑ کر نہسر پر فال ڈالنے لگا۔ اور قاضی نے میرے آقا کو مار ڈالا ہے۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ پھر وہ میرے گھر میں گیا۔ لوگ اُسکے پیچھے پیچھے ہی تھے۔ وہاں جا کے میرے غلاموں سے کہنے لگا کہ تمہارا آقا قاضی صاحب کے ہاں مارا جا رہا ہے۔ چکے اس کی مدد کرو۔ وہ سب لائیاں اُٹھا کے اُسکے ساتھ ہوئے اور آکر

تصور قاضی کے دروازے پر بچھر کی



قاضی کا دروازہ توڑنے لگے۔ قاضی یہ سنکر حیران سا ہو گیا اور اُسکے دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ

کی دعوت کھانگی۔ تو تھوڑی دیر گھر جاؤ۔ میں گھر جانے اپنے دوستوں کو آپکا عطیہ سے آؤں۔ وہ  
اُسے کھائیں سیں گے اور میرا انتظار نہ کریں گے۔ میں بہت جلدی لوٹ آؤں گا۔ اور آپکے دوستوں  
کے پاس چلوں گا۔ کیونکہ میرے دوست ایسے نہیں جو میری غیر حاضری کی پرواہ رکھیں مینے کہا  
اگر حوٹ لو لگاؤ۔ تبھی! تو اپنے دوستوں کے پاس جا۔ اور انہیں خوش کر۔ میں اکیلا ہی اپنے  
دوستوں کے پاس جاؤں گا اور آجکا سارا دن وہیں گھر ونگا۔ کیونکہ وہ میرے سخت منتظر بیٹھے  
ہونگے۔ یہی حجام بولا۔ صاحب! میں تو تمہیں اکیلا نہ جانے دوں گا مینے کہا وہ ایسی جگہ جو جاں  
میرے سوا دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنے لگا۔ واہ عجیب دعوت ہے؛ مگر میں آپ کے پرواہ  
ضرور جاؤں گا اور ہر وقت آپ کی مدد کروں گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے کہ آپ کسی اجنبی دعوت کے  
پاس جائیں۔ اور خدا نخواستہ آپ کے دشمنوں کی جان پر آئے۔ کیونکہ یہ شہر بھدا ہے۔ یہاں  
کوئی شخص آج جیسے دن کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتا مینے کہا اے پڑھے تیری ان باتوں  
پر مجھے افسوس آتا ہے۔ پھر مینے ایک ہی چپ سا دھلی اور اسکی بڑی پھلی کا کچھ جواب نہ دیا۔  
میں نے مینے معلوم کر لیا کہ نماز بھول اور غلطی کا وقت آگیا اور بڑی مشکل سے میری حجامت ہی  
ختم ہوئی مینے کہا۔ اب تم سب اشیاء لیمیا کے اپنے دوستوں کو دعوت کھلاؤ۔ اور میں تمہارا  
انتظار کروں گا۔ تاکہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ وہ چلا جائے اور فرصت  
پاکر میں اپنی محبوبہ کے ویر دولت پر حاضر ہونے کی کوشش کروں۔ نگہ کہتے کہنے لگا۔ تم مجھے  
دھوکا دیتے ہو۔ اور مجھے اکیلے چھوڑ جاتا جاتے ہو۔ اور چاہتے ہو کہ مصیبت کے منہ میں پڑو۔  
جس سے تمہیں کبھی خلاصی نہ مل سکے۔ تمہیں اسکی قسم ہے۔ اکیلے جانیکا خیال بھی دلیں  
نہ لانا۔ میں جلدی آجاتا ہوں۔ اور تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ مینے کہا بہت بہتر۔ مگر میر  
نہ لگاؤ۔ وقت بہت بھڑا رہ گیا ہے۔ یہ سنکر نے سب کچھ اٹھا لیا جینے اُسے دیا تھا۔  
اور میرے گھر سے باہر جا کر ایک مزدور کو دیر یا کہ وہ اُسے اُسکے گھر میں پہنچا دے۔ اور آپ  
گلی میں چھکے بیٹھ رہا۔ پھر میں اُٹھا۔ اور نہادھو کے کپڑے بدلے اور ادھر ادھر دیکھ کر اکیلا  
ہی چل نکلا۔ حتیٰ کہ اسی دروازے پر پہنچ نکلا۔ جہاں مینے اُس لڑکی کو دیکھا تھا۔ لیکن مجھ  
کے کچھ خبر نہ تھی۔ کہ یہ بلائے یے وراہی بھی میرے پیچھے لگی آ رہی ہے۔ قاضی صاحب کے گھر کا

کہ ضد و قبح کھول کے اُسے دکھائے۔ غلام نے ضد و قبح کھولی اور یہ بذاتِ خاطر لاپ ہاتھ سے سینک کر اُس کے سر پر تے جا بیٹھا اور دیر تک اٹھا اٹھا کے عطریات کی شیشیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر خدا خدا کرتے اُس تراکتہ میں لیا اور میرے تھوڑے سے پال موند کر پھر پھٹ گیا۔ اور پولا پر خور وار من ابدین نہیں جانتا کہ آپ کا شکریہ ادا کروں یا آپ کے باپ کا۔ اسلئے کہ میری آج کے دن کی دعوت محض آپ ہی کے کریم النفس کی بدولت انجام کو پہنچی ہے۔ اور میری رائے میں اور کوئی شخص اس کا مستحق بھی نہیں ہے اور میرا حال زیتوں حامی یا طبع لختی یا مومل قوالی یا مکرتہ بقال یا حمید زبانی یا بدکارش لبان جیسا ہے۔ پھر انہیں سے ہر ایک کے اچھے اچھے شعر پڑھنے اور مانچنے لگا۔ اور کہتا تھا۔ کہ آپ کا یہ غلام بہت ہی کم گو ہے۔ کثرتِ کلام اور یا وہ کوئی سے کوسوں بھاگتا ہے۔ اور میرے دوست اتنے اتنے بڑے لائق ہیں کہ ہُنکے لطائف آپ کو بہت ہی پیارے لگیں گے۔ تاہم شے کی نسبت دیکھتا بہت ہی بڑھکا ہے۔ اگر آج آپ میرے ہاں چلیں تو میرے خیال میں ہمارے لئے بھی اور آپ کے لئے بھی بہت ہی اچھا ہوگا۔ آپ آج ان دوستوں کے ہاں جانیگا ارادہ ترک کر دیجئے۔ جن کی بابت ابھی آپ نے ذکر کیا تھا۔ اسلئے کہ اگر آپ واپس گئے تو آپ کو کئی قسم کی یا وہ گویاں سننی پڑیں گی۔ اور آپ کے وہ دوست مارے باتوں کے آپ کا منہ کھا جائیگا۔ لیکن مرض کا اثر آپ پر ابھی تک باقی ہے۔ کہیں ان فضولیات سے مرض دوبارہ عود نہ کر آئے۔ بیٹے کہا۔ نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ ہاں! تمہارے ہاں کسی اور دن چلوں گا۔ آج معاف رکھو۔ کہنے لگا۔ نہیں مناسب یہی ہے کہ آپ آج ہی میرے ہاں چلیں۔ آپ کے سب دوستوں سے آپ کا تحارف کراؤں گا۔ یہ سنکر میرے جی افسانہ آواز میں نہیں پڑا۔ بیٹے کہا۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوستوں کو دعوت کھلاؤ۔ وہ تمہارے منتظر ہوں گے۔ اور مجھے خدا کو سونپو کہتے لگا۔ صاحب! بیٹے آپ کو ایسے لوگوں سے ملاقات کرنے کی بات کہی ہے جن میں فضول کا ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ ایک دفعہ بھی انہیں دیکھ جائیں گے۔ تو اپنے سب دوستوں کو بھول جائیں گے۔ بیٹے جواب وید خدا تعالیٰ تمہارے لئے اُنکا وجود مبارک کرے۔ میں انکے ضرور اُسے بلوں گا۔ مگر آج نہیں مل سکتا۔ یہ فضول آدمی اسکے جواب میں بولا کہ اگر آپ نے ایسا ہی ارادہ کر لیا ہے۔ کہ آج اپنے ہی ہوتوں

علیٰ کا دنگہ نہایت اٹھاؤ گے۔ اور مرد مر رہ جاؤ گے۔ بیٹے آپ کو صحیح راستہ دکھا دیا۔ اور میں  
 آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ایسی بلیدی کا وہ کیا کام ہے مجھے دُر ہے کہ خیر ہو؟ اور نماز  
 میں ابھی تین گھنٹے ہونگے۔ پھر فجر استراحت سے پینک دیا۔ اور استرلاب لیکر سورج کے سامنے جا  
 کھڑا ہوا۔ اور ادرام اور دھڑکیہ کے بولا۔ چھوٹے آواز میں ہی تین گھنٹے باقی ہیں۔ بیٹے کہا بندہ خدا  
 واسطے خدا کے خاموش رہو۔ میرا تو قہر بھی پھٹنے لگا ہے۔ یہ سنکر پھر استراٹھا یا۔ اور پہلے کی طرح  
 گھٹنے لگا۔ پھر تھوڑے سے بال بوند سے۔ کہنے لگا مجھے خوف ہے کہ آپ جو اس قدر جلدی کر رہے ہیں  
 اس سے کوئی نقصان نہ اٹھائیں۔ آپکے والد خدا انہیں اپنی رحمت کے سایہ میں لے۔ جو کام کر سکتے  
 میرا شورہ اُس میں ضروری سلیتے تھے۔ جب بیٹے دیکھا کہ اب اس سے خلاصی مشکل ہے۔ کہ وقت  
 ناکہ سے جاتا ہے۔ اور پھر شرمساری ہو۔ بیٹے کہا۔ آج مجھے ایک دعوت پر جانا ہے۔ خدا کے لئے  
 تم جلدی سے میری چالست کو بنا دو۔ دعوت کا نام سنکر تو جباب من اُچھل پڑا۔ اور بولا آپ نے خوب  
 یا دولا یا۔ میں کو بھول ہی گیا تھا کہ کل بیٹے اپنے چند دوستوں کو کہا تھا۔ کہ آج انکی میرے اُن دعوت  
 ہے اور بیٹے کوئی تیاری نہیں کی۔ یہ تو بُری بنی۔ اب بیٹے آپ سے شرمندگی اٹھانی پڑیگی۔ بیٹے کہا  
 اسکا فکر نہ کرو۔ میرے گھر سے سب کچھ بنا بنا لیا جانا۔ اور اپنے دوستوں سے سرخرو ہو جانا۔ مگر ذرا  
 جلدی کرو۔ سنئے جواب دیا۔ خدا آپ کو جزا خیر سے۔ لیکن ذرا مجھے بتا دیجئے۔ کہ کیا کیا چیزیں آپکے  
 ہاں ہونگی بیٹے کہا چاس قسم کے کھانے اور دس خرچ کو فہ ہیں۔ اور کئی مرغ خانگی ہیں۔ سنئے لگا  
 خدا انہیں میرے سامنے آؤنگے تاکہ ایک نظر دیکھ لوں۔ بیٹے سب کچھ منگا دیا اور جس وقت  
 اُس نے اسے دیکھا۔ بولا۔ اب شراب باقی رہ گئی ہے۔ بیٹے کہا۔ وہ بھی لو۔ تو کہتے رہا۔ پھر منگاؤ  
 ناچار شراب بھی منے منگا دی۔ جب یہ سامان دیکھ لیا تو لگا میری تحریفوں کے بل باندھنے  
 کہ آپ نے خاتم کو بھی شکست دیدی۔ مگر خوشبوئیاں رہ گئی ہیں۔ تکلیف تو ہوگی ہی۔ لگاتار  
 وہ بھی منگا دیجئے۔ پھر وریش برجان وردیش بیٹے خوشبوئوں کی ہندوچی بھی منگا کر دیدی  
 جس میں کم سے کم چاس دینار کے عطریات ہونگے۔ اب وقت بہت ہی تنگ۔ ہو گیا تھا۔ بیٹے  
 کہا۔ جبرہ خدا! اب تو خدا کے لئے میرا سرمونڈ ہے۔ یہ بد بخت بولا۔ خدا کی قسم جب تک میں یہ  
 جو کچھ نہ لوں گا۔ کہ ہندوچی میں ہے کیا کچھ۔ میں اُس سے کوڑا تو نہیں لگاؤں گا۔ بیٹے غلام سے کہا

تجھے دانا شخص تصور کرتا تھا۔ مگر اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں نے تمہاری عقل کھودی ہے۔ خدا  
تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ غصہ گناہ ہے اور غصہ بہت اچھی چیز ہے۔ مگر تم ہر حال میں  
معذور ہو کہ میں تمہاری جلدی کا سبب نہیں جانتا۔ سچا لیکہ تم جانتے ہو۔ کہ تمہارے والد  
صاحب کوئی کام میری مشورت کے بغیر ہرگز نہ کیا کرتے تھے۔ اور کہا بھی گیا ہے۔ کہ مشورت کرنے  
والا ابا زاد ہوتا ہے۔ یاد رکھئے۔ آپکو مجھ سے بڑھ کر تجربہ کار اور دانا شخص ہرگز نہ ملیگا۔ اس پر بھی  
آپ کی خدمت گزار کیلئے کرسی تھیں ہوں اور آپ ہیں۔ کہ خواہ مخواہ جانے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔  
جبکہ سبب مجھے معلوم نہیں ہے۔ اور آپ خود جانتے ہیں کہ آپ کے والد مرحوم اس غریب پر  
کس قدر شفقت اور نوازش فرمایا کرتے تھے۔ سینے کہا خدا جانتا ہے۔ تم میل بڑا اچھے کہے ہو  
اس بکواس کو بند کر کے میرا سر منڈو۔ اور اپنا راستہ لو۔ یہ کہہ کر سینے خفگی بھی ظاہر کی۔ بلکہ اُٹھ  
کھڑا ہوا۔ کہ چلے جاؤ۔ میں سر نہیں منڈواؤں گا۔ لیکن یہ بلا ایسی نہ تھی۔ جو یوں گلے سے اتر جاتی  
کنے لگا۔ میں جانتا ہوں۔ بیماری نے تمہاری عقل پر بھی اثر کیا ہے۔ کہ تم مجھ پر خفا ہوئے ہو۔ مگر  
اس میں مواخذہ نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ میں حقیقت حال سے آگاہ ہو گیا ہوں۔ ابھی تم ہو بھی  
بچے کچھ۔ اور اُس وقت بھوکے ہو۔ جب میں تمہیں کدھول پر اٹھا کے کتب کو لیجا یا کرتا تھا  
یہ سن کر میں کسبائا سا ہو گیا۔ اور اس سے کہا۔ بھائی۔ خدا کیلئے یہاں سے چلے جاؤ۔ سبھ  
بہت ضروری کام درپیش ہے۔ اور غصے کے مارے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے۔ یہ دیکھ کہ اس  
بے جبانے اُستردہ نکالا۔ اور اُسے پتھری پر گھسنے لگا۔ یہاں تک کہ گھسنے گھسنے ڈیر ہو کھٹکھٹا گیا  
پھر میرے سر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اُسے تھوڑا سا منڈ کر پھر ہاتھ اٹھایا۔ اور کہنے لگا۔ جلد  
جلدی نہ کیجئے۔ جلدی میں کام بگڑ جاتے ہیں۔ نیز کہتے بھی ہیں۔ کہ تعجیل کار شیطا میں بود۔  
پھر لولا۔ آپ میری قدر اُمید ہے کہ جانتے ہی ہونگے۔ یہ ہاتھ بڑے بڑے شاہوں۔ وزیروں  
انبیروں۔ حکیموں اور فاضلوں کے سروں تک پہنچ چکا ہے۔ اور یہ میری ہی تعریف میں کہا  
گیا ہے۔ کہ میرے ہی سامنے جھکتے ہیں۔ سب جہان کے امیر۔ وزیر۔ پینے کہا۔ اب اس بکواس  
کو تہ بھی کرو گے؟ میرا تو سر بھی چکر لے لگا ہے۔ اس کے جواب میں یہ لولا۔ میرا خیال ہے کہ تم کچھ  
بڑی جلدی کا کام ہے۔ سینے کہا۔ ااں! ااں! ااں! ااں! یہ حضرت پرے تو جلدی مت کرو۔

مخالفت ٹھیک نہیں۔ کیونکہ میں تمہیں دو سناۃ نصیحت کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ پورا سال پھر تمہاری خدمت میں رہوں۔ اس کا عوض بھی کچھ نہیں مانگا۔ جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔ یقیناً تو آجکے دن اپنی بہن سے مجھے تباہ کر کے ریگا اس کے جواب میں یہ سمجھتے کہنے لگا۔ میرے صاحب! لوگوں نے تو مجھے میری کم گوئی کے سبب سے صامت رچپ شاہ کا خطاب دے رکھا ہے۔ اور آپ ان کے یہ فلاف مجھے کئی بتاتے ہو۔ حالانکہ کئی میرے بھائی ہیں۔ اور میں ان کے بالکل برعکس کم گو ہوں۔ میں ان کے نام بھی تم کو سنا دیتا ہوں۔ بڑے کو یقین دلاتے ہیں دوسرے ہمارے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تمہارا بیک چوتھا انکو صراحتی۔ پانچواں عشر چھٹا شقاق ہے اور ساتویں کا نام صامت ہے۔ وہ ہیں ہوں جب میں نے دیکھا کہ حجام اپنی بیوی اس کو طویل ہی کئے جاتا ہے تو میں اپنے غلام کو حکم دیا۔ اسکو ایک چوتھا وینار دیکھ نکال دو۔ مجھے سر منڈانی کی ضرورت نہیں ہے۔ میری یہ بات سن کر کہنت کہنے لگا۔ صاحب! یہ کیا بات ہے۔ میں تو خدمت کے بغیر ہرگز ہرگز اہرت نہ لوں گا اور خدمت بھی ضرور ادا کروں گا۔ کیونکہ مجھ پر آپ کی خدمت گزار کی واجب اور لازم ہے ایک اور بات بھی ہے کہ آپ میری قدر نہیں پہچانتے۔ اس لئے میں آپ سے لہجہ ہی نہیں کرتا۔ خلاف ازیں میں آپ کی قدر پہچانتا ہوں اور آپ کے والد بزرگوار کے احسانات کا مشکور ہوں۔ خدا تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے۔ وہ بہت ہی برے سخی شخص تھے۔ آج ہی کی طرح ایک آپ کے والد ماجد نے بھی مجھے بلوایا بھیجا تھا۔ جب میں آیا ان کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے مجھے قہر لئے لگے کہ میرا خون نکال دو میں فوراً فطرلاب نکال لاؤں اور غور سے دیکھ کر ان سے عرض کی کہ اس وقت یہ لگن نہیں ہے اور ایسے وقت میں قصہ کھولنا خطرات سے خالی نہیں ہے۔ انہوں نے میری بات کو مان لیا اور ٹھہر گئے۔ حتیٰ کہ شہ گھڑی آپہنچی۔ اور میں نے اُنھی قصہ کھول دی۔ انہوں نے میری مخالفت کی جگہ میرا شکریہ ادا کیا۔ حاضرین بھی میرے مشکور ہوئے۔ اور آپ کے والد نے جھٹا ایکس وینار کی پھیلی مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے کہا اگر میرے والد نے تم جیسے بکو ہی کو اس قدر رقم ایک سو مولیٰ سی بات پر دیری تھی۔ تو خدا تعالیٰ انہیں ہرگز ہرگز رحم نہ کرے۔ یہ شکریہ بے جا تمہارا کر رہنے لگا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم

موسے سے سچ سادہ اور سچے و فقیہ پر ہے۔ اتفاق سے عطا روکا بھی اُسکے ساتھ قرآن آچکا ہے اور اس سے اچھی لکھڑی زبان کو الٹے کیلئے کہ نہیں ہے۔ ستاروں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کوئی نیکوخت شخص جسے پاس دانا چاہتا ہے مگر کلام کر سکے بعد آپ پر کچھ بصیرت پڑ چکی۔ جس کا پیش کر نہیں کرونگا۔ یہ سنکر سچے کہا۔ خدا کی قسم تو نے یہاں سر بھی کھائی ہے۔ سینے میں ہاتھ کے لئے نہیں نکلیا تھا۔ صرف سر منڈوانے کے لئے تجھے میرا غلام لایا ہے۔ اب ویرنہ کر۔ اور حجامت پڑنا چاہے تو جلدی اڑھ کے پنا۔ کیونکہ مجھے ایک ضروری کام درپیش ہے۔ یہ سنکر اب یسوع اگر مجھے تفصیل سے اس کام کا پتہ بتائیں۔ تو میں کچھ اور بتاؤنگا اور اچھا مشورہ دوںگا۔

تصور ہر حجام کی اسے خطر لا پ کے



آپ کو ہر نام آج متروک ہے۔ کچھ سنا پا سہ کرنا چاہتے۔ اور خدا کی تمنا یہ ادا کرنا چاہتے۔ میری



مشتاق ہو گیا۔ اب اُس کی حالت سخت نازک ہے۔ بلکہ آجکل کا ہی زمانہ ہو رہا ہے۔ یہ سنکر اُس کے  
مُتہ پر زروی چھا گئی۔ اور کہنے لگی۔ کیا یہ سبب میری ہی وجہ سے ہے۔ میں نے کہا۔ محض آپ ہی کے  
سبب۔ اب آپ کا حکم کیا ہے۔ وہ بولی اُسکے پاس جاؤ۔ اور میرا سلام کہہ کر اُسے خبر دے دو۔  
کہ اُس سے بھی بڑھ کر اسکی مشتاق ہوں۔ جب جمعہ کا دن آئے۔ نماز کے وقت سے پہلے اُسے  
میرے پاس لے آنا۔ میں دروازہ کھنکھاتاؤں گی۔ اور ایک گھڑی گھڑ کر نماز ختم ہو جانے سے پہلے  
یہاں سے چلے جاتا۔ تاکہ میرا باپ نہ دیکھ لے۔ پورٹ جیہا کے مُنہ سے یہ خرّوہ جانفزا سنکر مجھ پر  
شادی مرگ طاری ہو گئی۔ میں نے اپنے سارے کپڑے اور زیور جو پہنے ہوئے تھے اتار کر اُسے  
دیدئے۔ اور کہا کہ خدا تجھے بھی خوش رکھے۔ اب مجھے عجمہ کا انتظار لگا۔ اور جب خدا خدا کر کے  
وہ دن آیا۔ علیٰ اصرار وہی بڑھیا میرے پاس آئی اور میرا حال پوچھا۔ میں نے کہا۔ اچھا ہوں  
اور تمہیں دعا دیتا ہوں۔ پھر بیٹھے کپڑے بدلے۔ عطر لگا یا۔ اور لوگوں کے نماز کے جانے کا  
منتظر بیٹھا۔ بڑھیا بولی۔ ابھی کافی وقت باقی ہے۔ اگر خطیبی بنواؤ۔ تو اچھی بات ہے تاکہ میری  
کے فتانات مٹ جائیں۔ میں نے اس مشورے کا شکریہ ادا کیا۔ اور غلام کو حکم دیا کہ کسی حجام  
کو بلا لائے۔ غلام بازار گیا۔ اور ان حضرت کو لے آیا۔ اس نے آتے ہی مجھے سلام کر کے دعا  
ادی کہ خدا تعالیٰ آپ کو تمام غم و الم اور خوف و خطر سے محفوظ رکھے۔ میں نے جواب دیا  
خداوند آپ کی دعا قبول کرے۔ پھر یہ کہنے لگا۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ آپ اب حیرت  
سے ہیں۔ لیکن کیا اب آپ بال کٹوانا چاہتے ہیں یا قصہ بکھانا۔ کیونکہ ابن عباس سے روایت  
ہے کہ جمعہ کے دن بالوں کا کٹوا کر خدا تعالیٰ کے حکم سے ستر بیماریوں کو رفع کرتا ہے۔ اور  
وہی صاحب روایت کرتے ہیں۔ کہ جو شخص جمعہ کے دن خون نچھواتا ہے۔ اندھا پن اور کُشت  
امراض سے محفوظ رہتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ اس بکو اس کو چھوڑ دو۔ اور میرے بال  
کاٹ دو۔ کیونکہ مصنف کے مائے خیمہ میں (تہی باتوں کی طاقت نہیں ہے۔ یہ سنکر وہ اٹھ  
کھڑا ہوا۔ اور ہاتھ بڑھا کر بغل سے ایک پھیلی نکالی۔ اُسے کھولا تو اُس میں آلات نجوم کھائی  
دئے اور مہر لالہ کو نکال کر مکان کے چوں چوں میں کھرا ہو گیا۔ پھر سوچ کی شعاعوں کو عبور سو  
دیکھ کر لولا۔ آج جمعہ کا دن ہے اور ماہ صفر سنہ ہجری کی دسویں تاریخ ہے۔ اور چوتیس

تھا۔ میں جیتے سے ہزار ہو گیا۔ اور میری عورتوں کے نام سے چڑھت سے پہل گئی۔ غرضی بے سُدھ ہو کر مغرب کی تازیچک والی ہی بیٹھا رہا۔ اتنے میں شہر بغداد کا قاضی آیا۔ اور محل میں چلا گیا۔ جہاں سے میں نے اُس ماہ طلعت کو دیکھا تھا۔ میں یہ خیال کرتے کہ وہ لڑکی قاضی صاحب کی ہی بیٹی ہے۔ وہاں سے گھر کو چلا آیا۔ اور بستر پر سخت اند و ہناک ہو کر گر پڑا۔ ہمسائے میرے گرد آ کر جمع ہو گئے اور میری بیماری کا حال پوچھنے لگے۔ مگر میں نے ایک ہی چپ رہی سادھ لی۔ کہ کسی کا جواب نہ دیا۔ اس خاموشی سے میرا مرض دہم بڑھنے لگا۔ ناچار لوگ واپس چلے گئے۔ اتنے میں ایک بڑھیا بھی آ گئی مجھے دیکھ کر وہ ذرا بھی تشک نہ ہوئی۔ بلکہ میرے سر پر ہاتھ آ بیٹھی۔ اور محبت بھری باتیں کرنے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے مغمم کر دیا۔ اور میری سرگزشت میرے منہ سے سن رہی تھی۔ جب میں نے اُسے اپنا راز وار پتہ لیا۔ تو وہ بولی۔ فی الواقع وہ لڑکی قاضی کی بیٹی ہے۔ مگر اُس تک پہنچنا امر محال ہے۔ تاہم میں تمہارے لئے کوئی تدبیر نکالوں گی یہ سن کر مجھے اطمینان ہوا۔ میں بستر سے اٹھ بیٹھا۔ وہ بوڑھیا وہاں سے چلی گئی۔ اور تین دن کے بعد آ کر بولی۔ میں نے کہا نہ تھا۔ کہ اُس تک پہنچنا محال ہے۔ تم نے میری بات نہ مانی۔ اور ناحق مجھے بھی غمیف کیا۔ وہ لڑکی بڑی شہت سے۔ تمہارا ذکر سن کر مجھے بڑی خفا ہوئی۔ اور کہنے لگی کہ خیر دار! اگر پھر کوئی بات منہ سے نکالی جائے۔ وہ تو مر رہا ہے۔ اسے جواب دیا مرنے دو۔ خیر میں چلی آئی۔ لیکن اب جب تک تمہارا کام نہ بن لیگا۔ میں بھی اُسکا پیچھا چھوڑنے سے رہی۔ یہ کہہ کر مجھ سے وداع ہو گئی۔ اور کئی دن کے بعد آ کے کہنے لگی۔ میں تمہیں ایک مُردہ ستاتی ہوں۔ پہلی دفعہ کا پیغام سن کر میں مُردہ سا بن گیا تھا لیکن اب اُسکے مُردہ کا لفظ سن کر میرے جسم میں جان آ گئی اور میں نے کہا۔ خدا تیرا بھلا کرے جلد ساری کیفیت سے مجھے آگاہ کر دو۔ وہ بولی میں کل اُس لڑکی کے پاس گئی تھی۔ میں نے دلتہ آنکھوں میں آنسو بھر کر روتی صورت بنائی تھی۔ وہ اُس حالت میں مجھے دیکھ کر وجہ پوچھنے لگی۔ کیوں خالہ جان! تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ میں نے اور بھی ذکر جواب دیا۔ بیٹی! اس دن جس جوان کی محبت کا تمہارے ساتھ ذکر کیا تھا۔ وہ اب بستر موت پر ہے۔ اور قریب ہے کہ تمہارے ہی سبب سے اُسکی جان جائے۔ یہ سن کر اُسکا جی نرم ہو گیا۔ اور بولی وہ کون ہے؟ میں نے کہا۔ میرا بیٹا ہے۔ لیکن جبکہ تم اپنے بھولوں کو پانی سے پر ہی تھیں۔ اُسے تمہیں بے نقاب دیکھ لیا۔ اور تم پر ہزار جان و

ہیں اپنی سرگزشت سے ضرور آگاہ کرے۔ یہ سنکر حجام کارنگ فق ہو گیا۔ اور نوجوان کہنے لگا۔  
 بھائیو! میرا باپ بغداد کا مشہور سوداگر تھا۔ خدائے میرے سوا اُسے اور کوئی مٹانا دیا۔ جب  
 میں بڑا ہوا اور سن تیز نہ پہنچ گیا۔ میری پرستش سے میرا باپ فوت ہو گیا۔ اور بہت کچھ مال و متاع  
 میرے لئے چھوڑ گیا۔ میں اچھا کھاتا اور اچھا پہنتا تھا۔ مگر عورتوں کے نام سے مجھے بڑی پرہیز  
 گاہی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دن چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک بھیرائی۔ میں ایک طرف ہو کر ایک  
 تنگ کپڑے میں تخت پوش پر بیٹھ گیا۔ جو ایک دروازے کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ تصویریں دیکھنے  
 بعد میرے مقابل کے مکان کی کھڑکی کھلی۔ اور اُس میں کچھ ایک چودھری کا چاند دکھائی دیا  
 سبحانہ اللہ جُستائے میں اور میرا خدا جانتا ہے کہ عمر میری بیٹھا اُس سے حسین لڑکی بھی نہ کی تھی  
 اُس کھڑکی کے نیچے ایک جھوٹا سا باغیچہ تھا۔ وہ لڑکی کھڑکی کے بلکے اُس باغیچے میں لگی اور پودوں کو  
 تصویر یہ حال تخت نشین اور حسین بی بی کی کھڑکی کھول کر دیکھنے کی



پانی دیکر ادھر ادھر چلی گئی۔ کھڑکی بند کر لی۔ اور میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ مگر میرا دل اُس کے ساتھ ہی

بچوں کی طرح رہو۔ یہاں تک کہ میرے بعد میرے وارث بنو۔ چشمہ اسے منظور کر لیا۔ اور ولے  
 و مشق نے قاضی اور گواہوں کو بلوا کے اپنی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح پڑھوا دیا۔ اور میں  
 عیش سے اُسی مکان میں رہتا ہوں۔ جہاں آپ نے میرا علاج کیا تھا۔ اور والے و مشق  
 مجھ پر کمال ہر بان ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھ لیا۔ اور اُس کے بعد اُس نے مجھے بہت کچھ انعام  
 و اکرام دیا۔ اور میں وہاں سے چل کر آپ کے شہر میں آ بسا ہوں۔ یاد شاہ بولا تمہاری کہانی ہمارے  
 کبرے کے قصہ سے اچھی نہیں ہے۔ اسلئے تم سب کی گردن ماری جائیگی خصوصاً و رزی کی  
 جو شرارت کی جڑ ہے۔ پھر و رزی کی طرف خطاب کیا۔ کہ تم نے ہمارے کبرے کے قصہ سے  
 بڑھ کر کوئی حکایت نہ سنائی تو یاد رکھنا بُری طرح سے خبر لیجاؤ گی۔ یہ سُکر و رزی آگے بڑھا  
 اور بولا رجا اب عالی اکبرے کیلئے سے پہلے دن کی میں آپ کو سرگدشت سنا تا ہوں۔  
 امید ہے کہ اس کے سننے سے آپ بہت خوش ہونگے۔ اُس دن ایک دعوت تھی اور علاوہ  
 بہت سے و رزیوں۔ بزازوں اور بخاروں وغیرہ کے ہم بھی اُس میں شریک تھا۔ جب  
 دن نکلا کھانا آیا۔ اتنے میں مالک مکان بھی ایک اجنبی نوجوان کو لئے آ گیا جو نہایت خوبصورت  
 اور بخدا کا رہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ظاہری حسن کی طرح اُس کے کبرے بھی بیش قیمت  
 تھے۔ مگر وہ لنگہ اتا ہوا چلتا تھا۔ اُس نے ہنکار سلام علیکم کہا۔ ہم سب اُس کی تعظیم کیلئے  
 اُٹھے۔ اور جب بیٹھنے لگے۔ اُس نوجوان نے ہم میں ایک حجام کو دیکھ کر بیٹھنے کا ارادہ ترک  
 کر دیا اور چاہتا تھا کہ فوراً مکان سے باہر نکل جائے۔ کہ مالک مکان اور ہم نے حیرت زدہ  
 ہو کر اس کی وجہ پوچھی۔ وہ بولا۔ میرے یہاں آ کر جلدی سے واپس ہو جائیگا سبب یہ پوچھا  
 حجام ہے۔ یہ سُکر ہم کو اور بھی تعجب ہوا۔ اور اُس سے ساری حکایت سننے کی آرزو کی  
 پر اس غریب پر اس قدر خفا کیوں ہے؟ نوجوان نے کہا۔ دوستو! میرا ماجرا جو اس حجام  
 کیساتھ گذرا۔ بڑا عجیب ہے۔ یہی حجام میرے لنگہ اٹھونیکا باعث ہے۔ سواہد اس نے  
 مجھے قسم کھائی ہوئی ہے۔ کہ جس شہر میں یہ حجام ہوگا۔ میں اُس شہر ہی کو ترک کر دوں گا۔  
 شہر تعداد کو بھی میں نے محض اسی سبب سے ترک کیا تھا۔ اور اب آج رات یہاں سے بھی  
 چلا جاؤں گا۔ ہماری حیرانی کی اب کچھ انتہا نہ رہی۔ اور اُس نوجوان کو قسم دی۔ کہ وہ

گیا۔ اور وہ اپنے وزیر سے دریافت کرنے لگا۔ کیا اُس مالک کے چرانے کا اِزام ہی شخص  
 لگا یا گیا تھا۔ اور اسی کا ماتہ کاٹا گیا ہے۔ تو یقیناً یہ سراسر ظلم ہوا ہے۔ پھر حکم دیا کہ  
 جس ہو اگر نے خیمہ کی تختی اُس کا سر کاٹا جائے۔ اور اُس کا سب مال و متاع اس جوان  
 کو دیا جائے۔ اور یہی دیت کافی و وافی ہے۔ حکم کی دیر تھی۔ شاہی نوکروں نے فوراً  
 حکم کی تعمیل کی۔ دربار ختم ہوا۔ اور والے و مشتق نے مجھے اپنے پاس ہی بٹھرایا۔ جب ہم  
 دونوں اکیلے رہ گئے۔ والے و مشتق مجھ سے پوچھنے لگا۔ دیکھو میں تم سے ساری کہانی کو سُنو  
 سُننی چاہتا ہوں۔ سچ سچ بتا دو۔ کہ کالائے کہاں سے پایا یا۔ مجھے کہا حضور! میں سب کچھ  
 سچ سچ بتا دوں گا۔ سنئے! اس کے بعد میں نے ساری کہانی اَلَف سے پائے تک سنا دی  
 کہ کیونکہ ایک عورت غم و سنجو میرے مکان میں گھس آئی تھی۔ اور پھر اُس نے ایک زمری  
 لڑکی کو میرے مکان میں لاکر کیا بکر قتل کر دیا۔ یہ سُنکر والے و مشتق رو پڑا۔ اور کہنے لگا۔  
 بیٹا! وہ میری بڑی لڑکی تھی۔ اور اُس کا بیاد چچا تا دو بھائی کے ساتھ مصر میں ہوا تھا۔ مگر  
 قصداً کاروہ مر گیا۔ اور اُس نے اِیام ہوگی کے درمیان مصر میں طرح طرح کی شرارتیں  
 سیکھ لیں۔ صحتی کہ میں اُسے یہاں بلوایا۔ مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئی۔ بلکہ اپنی  
 چھوٹی بہن کو بھی بٹھے چڑھالیا۔ جس کی بابت تم نے کہا ہے۔ کہ وہ تمہارے مکان پر  
 مار ڈالی گئی۔ اگلے دن جب میں نے اپنی اُس بڑی لڑکی سے چھوٹی کی بابت دریافت کیا تو  
 مالاتی رو پڑی اور کہنے لگی۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اور آپ ہی کی طرح کل سے اُسے تلاش کر رہی  
 ہوں۔ اسکے بعد جب اپنے فعل پر اُسے یقینانی ہوئی۔ تو سارا سارا دن اور ساری ساری  
 رات پر زہر دیتی رہتی۔ بلکہ ایک دن اپنی والدہ کے اپنی کڑوا کا اٹھار بھی کر دیا۔ اُس کی ماں  
 نے مجھے بھی خبر دی۔ جی کہ وہ کمبخت روتے روتے ہی فوت ہو گئی۔ بیٹا! تم سچ کہتے ہو  
 اور میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اب میں ایک آرزو تم سے رکھتا ہوں۔ ابید ہے کہ تم اس سے  
 انکار نہ کرو گے۔ میں نے کہا فرمائیے۔ وہ بولا۔ میری ایک اور لڑکی بھی ہے۔ وہ ان دونوں سے  
 چھوٹی ہے۔ مگر بڑی نیک اور با حیا لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے اپنے نکاح  
 میں لیاؤ۔ میں تم سے ہر کچھ نہ لوں گا۔ بلکہ اپنے پاس سے تمہیں دیا کروں گا۔ اور میرے پاس

یہ کمرا سے تو اپنی دوکان پر بٹھایا۔ اور آپ کو تو ال کی خدمت میں چلا گیا۔ اور بالا پیش کر کے  
 کہنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے۔ والا چوری کا ہے اور چوراہا تاجروں کے لباس میں ہے۔ اس  
 نے میری گرفتاری کے لئے حکم دیا۔ سپاہی مجھے کشاں کشاں اُسکے سامنے لینگے۔ کو تو ال  
 نے پوچھا۔ یہ تم نے کہاں سے پایا۔ میں نے کہا۔ میرا اپنا ہے۔ یہ کہتے ہی روم پر کڑے برسے گئے  
 اور جب کوڑوں کی مار سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ ناچار سینے کھدیا۔ کہ میں اس والا چور یا  
 تھا۔ یہ سمجھ کر کہ شاید اُس وقت سے تو چھپکا رہا ہو جائیگا۔ مگر گئے تھے تار بچھڑاتے۔  
 اُسے روز سے گلے پڑ گئے۔ کو تو ال نے حکم دیا کہ میرا داپنا مانتہ کاٹ ڈالیں۔ جلا دینے  
 حکم کی تعمیل کی اور مجھے عس آگیا۔ پھر کئی ہوئی کھانی پر کوئی ودائی چھڑکی گئی۔ اور شراب  
 کا ایک پیالہ دیا گیا۔ جب کچھ طاقت آئی۔ میں بصد مشکل وہاں سے چل کر اپنے مکان میں  
 آیا۔ مگر مالک مکان کی پیشانی پر بل پڑے دیکھ اور اُس سے بھی مصیبت یہ آپڑی کہ  
 وہ مجھے مکان خالی کرنے کو کہنے لگا۔ صرف اس لئے کہ میں ایک چوری سے متہم کیا گیا ہوں۔  
 میں نے اُس سے التجا کی۔ کہ دو تین دن کے لئے صبر کرو۔ اس حالت میں میں کہاں جا سکتا ہوں  
 جب کچھ آرام آلیتا ہے تو دوسرا مکان تلاش کروں گا۔ بڑی مشکل سے اُس نے مجھے تین دن ان  
 بکھرے کی اجازت دی۔ اور چلا گیا۔ میں تنہائی میں بیٹھ کے دائیں مار مار کر رونے لگا۔ اور  
 اپنی بد قسمتی پر غور کرنے لگا۔ کہ اب اس حالت میں میں اپنے گھر کو بھی نہیں لوٹ سکتا۔ علاوہ  
 ازب میں بالکل بیگناہ۔ جب دل ہکا ہو چکا۔ میں کچھ اطمینان محسوس کیا۔ تیسرے دن  
 مالک مکان اور بازار کے چوہدری میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کیا تو نے ہی اُس والا  
 کو چورایا تھا۔ میں نے کہا۔ کیوں تم کیوں پوچھتے ہو؟ انہوں نے مجھے جھٹ پکڑ لیا۔ اور  
 میرے گلے میں کپڑا ڈال کر بھینچ ایلچلے۔ اور کہنے لگے کہ وہ والا شاہ و مشق کے گھر سے  
 چوری کیا تھا۔ تین سال ہوئے اور اُس کے سینے والی شاہ و مشق کی لڑکی بھی جیسی سے  
 کم ہے۔ یہ کلام سنا کہ میں کانپ اٹھا۔ کہ اب میں ضرور مارا جاؤں گا۔ لیکن شاہ و مشق ہی  
 ساری سرگزشت کیوں نہ کہہ دیں۔ ممکن ہے اُس کے دل میں نگ جائے۔ اور مجھے چھوڑ دیں  
 ورنہ موت تو ہے ہی۔ اتنے میں ہم صاحب دلئے و مشق کے حضور میں پہنچ گئے۔ مجھے پیش کیا

چھایا ہوا تھا کہ خدا جانے اب کیا ہے؟ تاہم جلدی جلدی میں جو کچھ ہو سکا۔ سیٹ لپٹ کر  
 پھر پیر لہوا اور عیسیٰ کا دروازہ مقفل کر کے ویلی کے مالک کے پاس جا کر ایک سال کا  
 کرایہ بطور پیشگی دیدیا۔ یہ کہہ کر ایک ضرورت سے میں دمشق کو چھوڑنے لگا ہوں۔ اور  
 چابی اپنے پاس رکھو۔ میرا مال اندر پڑا ہے۔ اُسکی طرف خیال رکھنا۔ اسکے بعد مصر کی طرف  
 چل پڑا۔ حتیٰ کہ کچھ روز کے بعد اپنے چچوں کے پاس چاہینچا۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ اور  
 مصر میں آنیکی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا صرف آپ کے دیوار کے اشتیاق کی کشش سے یہاں چلا  
 آیا ہوں۔ اسوقت وہ اپنا مال بالکل فروخت کر چکے تھے۔ اور واپس جانے کو تھے میں  
 تھوڑے دن اُنکے پاس ٹھہر کر ایک دن چپ چاپ کہیں اور جا رہا۔ اُنہوں نے سمجھا کہ میں  
 اُنسے پہلے چلا گیا ہوں گا۔ اسلئے اُنہوں نے میری تماشائیں غفلت سمجھ کر واپس کا کوچ بولیا  
 اُنکے چلے جانے کے بعد میں برسے چین سے مصر میں رہنے لگا۔ جب سال ختم ہو جاتا  
 اگلے سال کا کرایہ مالک مکان کو دمشق میں بطور پیشگی روانہ کر دیا کرتا۔ حتیٰ کہ تین سال گزر  
 گئے۔ اب میرے پاس بھی کچھ نہ رہا۔ تو میں دمشق کی وہی کاغذم کر کے چل پڑا۔ اور چلتے  
 چلتے تھوڑے دنوں میں وہاں پہنچا۔ مالک مکان مجھے دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ میں نے اُسے  
 جانچا۔ اور دروازہ کھول کر سب سے پہلے مکان کو مقفل کر کے وہاں سے صاف کیا۔ پھر گرد  
 مٹا کر تھوڑے تھوڑے عمارتیں عمارتیں پر سے پر سے دھواں کا ایک کالا یا اسے بنے پہچان لیا  
 کہ اسی مقفل کمرے میں تھا پہلے نہیں رو پڑا اور پھر غبر کے اپنے کام میں لگ گیا  
 تیسرے دن کاغذم کر کے اپنے کمرے میں بیٹھا۔ اُس دن میرے پاس نقدی سے کچھ نہ رہا  
 تھا۔ ناچار اسی دکان کو پہنچا۔ اور بازار میں بیجا کراکب ولالی کو دیا۔ وہ جو ہر لوہے کے  
 پاس بیگیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد آکر کھانے لگا۔ قیمت تو اُسکی بہت ہے۔ وہ ہزار دینار  
 سے کہہ کر آگئے ہیں۔ مگر اسوقت ایک ہزار درہم بھی بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ تمہاری  
 صلاح ہے۔ میں نے کہا۔ جو ملے آؤ۔ یہ میری عورت کا مال تھا۔ وہ مرگئی اور اب میرے  
 پاس کچھ نہیں۔ ناچار یہی قیمت سہی۔ دلال اُسے پھر جوہری کے پاس بیگیا۔ کہ لاؤ۔  
 ہزار درہم ہی دلاؤ۔ وہ جوہری نے کہا۔ ذرا ٹھہراؤ۔ میں کسی اور کو بھی دکھاؤں۔



میں اپنی ایک دوست درد کو جو مجھ سے کمن مگر حسن و جمال میں بدرجہا بڑھ کر ہے۔ ایک دن کہتا ہے۔  
 پاس لاؤ گی۔ دیکھو تو اسے تم دیکھ کر کیونکر میرا خیال رکھتے ہو۔ بیٹے کہا یہ کونسی بات ہو  
 ہے جو پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا بننا یہ سنکر وہ بہت خوش ہوئی اور صبح کے وقت جاتے  
 ہوئے مختلف معمول مجھے بھی دینا رو دیکر بولی۔ میں پرسوں اسے لیکر آؤ گی۔ وقت نہیں  
 معلوم ہی ہے۔ مگر نئے بھان کیلئے ذرا تکلف سے دعوت کا سامان کر رکھنا۔ تیسرے دن  
 وقت موجودہ سے پیشتر بیٹے کمال تکلف سے دعوت کا سامان تیار کر رکھا اور ٹھیک وقت  
 پر دیکھا کہ وہ ایک اور عورت کو ہمراہ لئے میری طرف چلی آ رہی ہے۔ جب اندر آ گئی اور باہر  
 کا دروازہ بند ہو گیا۔ تو دونوں نے نقاب الٹ دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نئے بھان کی  
 تعریف کافی سے بہت کم کی گئی تھی۔ وہ پہلی سے ہزاروں گنا بڑھ کر حسین تھی۔ میرا دل اس  
 دیکھتے ہی لٹو ہو گیا۔ مگر لحاظ کے سبب سے اوپر آنکھ نہ اٹھائی۔ مبادا میری محبوبہ کو کچھ ناگوار  
 کرے۔ پھر ہم سب دسترخوان پر بیٹھے۔ وہ دونوں ایک طرف بیٹھ گئیں اور بیٹے ان کے  
 سامنے نشست کی۔ تاکہ جی بھروسے آنکا دیدار کر سکیں۔ غرض کھانا شروع ہوا۔ میں ایک قطر  
 اٹھاتا تھا۔ اور دس دفعہ پیچی نظروں سے اسے دیکھ لیتا تھا۔ بڑی چوہیل اسے تارنگی  
 اور جب شراب کا دھڑ چلا۔ میں اپنے ہاتھوں سے پیالے پھر پھر کے اسی نئی نو بی کو دینے  
 لگا۔ بڑی اسے سہارے کی اور طنز اُچھے پوچھنے لگی۔ کیا یہ تجھ سے خوبصورت ہے؟  
 بیٹے کہا بلکہ شبہ۔ وہ بولی۔ کہا تم اسے گلے لگانا چاہتے ہو بیٹے کہا۔ ہاں! پھر وہ اٹھی۔ او  
 ہم دونوں کیلئے بستر اپنے ماتھے سے بچھایا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی۔ بڑی نے ہم  
 دو لوگوں ہی چھو کر علیحدہ بچا بستر جایا۔ جب دن چڑھا۔ اور میں جب خواب سے بیدار  
 ہوا تو بیٹے دیکھا۔ کہ میرے ماتھے غن میں شراب اور ہار ہے ہیں۔ میں حیران رہ گیا۔ اور  
 جب نظر اپنے سر پر گئی۔ تو غن خشک ہو گیا۔ دیکھا کہ وہ چھوٹی ٹی پی میرے پہلو میں ٹکڑے  
 ٹکڑے ہوئی پڑی ہے۔ بیٹے یقین کر لیا۔ کہ یہ بڑی چوہیل ہی کا کرپ ہے۔ اور اسے  
 چوکا۔ ناسے کیا۔ شیرا بٹھکے بیٹے چوہیل ہی میں ایک جگہ سے سنگ مفر فر اٹھا کر اسے کھڑا  
 اور لاش کرکھا کر اسے مٹی آپ دئی اور سنگ مفر کو ہوا کر دیا۔ مگر میرے دل میں کمال شوق

اسباب کو ہیمنہ شروع کیا۔ ایک ایک کے پانچ پانچ وصول ہو کر ہماری سسرت کا موجب ہوئے۔ مقوڑے عرصے کے بعد جب میرے چچوں نے خرید و فروخت سے فرصت پائی۔ مجھے وہاں ہی چھوڑ کر مصر کا راستہ لیا۔ اور میں اُس سرے سے اُنھ کر شہر میں ایک بڑی جوہلی دو دینار ماہوار کر کے پر لیکے آ رہا۔ اب برے لطف سے دن گزرنے لگے۔ صبح کہ سب مال و دولت صرف ہو گیا۔ ابکہ دن میں اپنے دروازے کے باہر بیٹھا تھا۔ کہ ایک خوبصورت مرد پارہ خشینہ در آتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں حیران ہو گیا۔ اور دُرتے دُرتے اُس کا مقصد دریافت کیا وہ بولی مجھے تم سے کمال محبت ہے۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو آج رات یہیں بسر کرونگی وہ حیدت اپنے لباس میں کسی برے امیر کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ بیٹے اُس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور جواب دیا۔ تر ہے قسمت! اگر آپ نے مجھ پر اس قدر کرم فرمایا۔ غرض بیٹے باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر آ بیٹھا۔ پھر نو کروں کو دسترخوان چھنے کا حکم دیا۔ جب کھانا کھا چکے۔ شراب کا دور چلنے لگا۔ انہی باتوں میں آدھی رات گزر گئی۔ زان بعد ہم سوئے صبح ہوئی۔ اُس حیدت نے مجھ سے خصمت مانگی۔ بیٹے جیب سے نکال کے دس دینار اُسے دینے چاہے۔ اُس نے قسم کھائی کہ میں تم سے کوڑی بھی نہ لوں گی۔ بلکہ اُنھے دس دینار اپنے پاس سے نکال کے میرے گلے مڑھ دئے۔ اور بولی میں تیسرے دن پھر آؤنگی۔ یہ کہہ کر چلی گئی اور میں تر پتا ہی رہ گیا۔ تین دن گزر گئے اور وہ پہلے سے بھی بڑھ کر طمراق سے ساتھ بھٹیک اسی وقت میرے گھر میں داخل ہوئی وہ رات بھی ہمارے پہلے دن کی طرح ہی گذری۔ جب صبح ہوئی۔ پھر اُسے دس دینار مجھے جبراً دیدئے۔ اور پہلے دن کی طرح ہی گذری۔ اب پھر تیسرے دن آؤنگی۔ میرا حال اسکی جدائی سے پہلے سے بھی بدتر ہو گیا لیکن جن تول کر کے دن گزر ہی گئے۔ تیسرے دن پھر بھٹیک اسی وقت اُسے میرے کاشانہ تاریک کو اپنے جمال جہل آرا سے روشن کیا۔ اور جب کھانا کھا کے شراب میں چور ہو گئی تو مجھ سے پوچھنے لگی۔ کیا میں خوبصورت ہوں؟ بیٹے کہا۔ خدا کی قسم یہ سال کرنے سے پہلے اپنے منہ میں میری آنکھوں سے دیکھ لو۔ وہ بولی۔ میں تمہیں کسی گئی ہوں۔ بیٹے جواب دیا۔ میرے جی سے پوچھو۔ وہ بولی میں تمہیں آزمانا چاہتی ہوں۔ بیٹے کہا۔ بشوق۔ وہ کہنے لگی میں

عطا فرمایا۔ اور اپنے دوا شفا کا طبیب مقرر کیا۔ میرے لئے کھانے کا انتظام بھی اپنے اہل کراچی کو  
 کچھ عرصہ میں اس جوان اور میرے درمیان محبت بڑھ گئی۔ مسئلے کہتے آئے اچھا لیا تھا۔ ایک دن  
 وہ حمام جا فیکو تھا۔ کہ مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ اور جب اندر جا کے کپڑے اتارے بیٹے دیکھا  
 کہ اس کا داہنا ماتھ نثار وہ ہے مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اور بیٹے افسوس ظاہر کر کے وجہ پوچھی وہ  
 بولا پھر کسی وقت بتاؤنگا۔ فی الحال حمام سے فراغت حاصل کر رہا ہوں وہاں سے فارغ ہو کر  
 تو وہ پوچھنے لگا۔ میرے لئے باغ سیر تو مضر نہ ہوگی سببے کہا۔ مضر کی جگہ مفید ہے۔ وہ بولا۔  
 تو چار۔ باغ ہی میں چلے اپنی سرگزشت تہیں سناؤں گا۔ وہ باغ باغ جنت سے کم نہ تھا۔  
 میں اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کرتا۔ ہم دونوں ایک قالین پر بیٹھ گئے اور اس جوان نے اپنی  
 سرگزشت بول شروع کی۔ حکیم صاحب میں موصول کے رہنے والا ہوں۔ میرے دادا کے  
 دس لڑکے تھے۔ جن میں سے میرا باپ سب سے بڑا تھا۔ سب بڑے ہوئے تھے مگر قدرت  
 سے اولا و میرے باپ کے سوا اور کسی کے بھی نہ تھے۔ اور اپنے باپ کے اہل بھی میں ہی کیلا  
 بچہ تھا۔ غرض دس گھروں میں ایک مجھ سے روشنی تھی۔ جب میں بڑا ہوا۔ میرے چچا بھی مجھ  
 سے کمال اُلفت رکھتے تھے۔ ایک دن موصول کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ کے ہم گیارہواں  
 کے گیارہواں بیٹھے تھے۔ اور باقی خلقت جا چکی تھی کہ میرا باپ اور میرے چچا عجائبات دیا  
 پر لکے نمایاں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ مصر کا ذکر بھی چل پڑا۔ اور میرے چچوں نے مصر کی ہند  
 تعریف کی۔ کہ بے اختیار میرے سر میں اسکی سیر کا سودا سا گیا۔ جب سلسلہ کلام ختم ہو چکا  
 ہم سب گھروں کو لوٹے۔ مگر اس رات میں مجھے نیند نہ آئی۔ بلکہ شام کو کھانا پینا بھی بھول گیا  
 تھوڑے دنوں کے بعد میرے چچاؤں نے مصر کا ارادہ ظاہر کیا۔ بیٹے بھی والد سے ان کے  
 ساتھ جانے کی اجازت مانگی۔ اور بڑا اصرار کیا۔ بظاہر تو میرے والد نے مان لیا۔ مگر در پردہ  
 میرے چچاؤں سے کہہ دیا۔ کہ اسے دمشق میں ہی چھوڑ جانا۔ غرض ہم موصول سے نکلے اور  
 حلب سے ہوئے دمشق میں جا پہنچے۔ بیٹے دمشق کو بھی عجب فضائی جگہ پایا۔ رنگارنگ  
 کے درخت جھوم پے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ اور درختوں پر پرندے بیٹھے چچا چچا  
 ہٹے والوں کا جبر مقدم کر رہے تھے۔ غرض وہاں ہم ایک سرائے میں ٹھہر گئے۔ اور اپنے

اور بیٹے ایک اچھا سا مکان خرید لیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہم دو بتوں مہابی بی بی و بی بی آپسے۔  
ایک سال تک ہم نے اُس مکان میں گزارا۔ آخر کار وہ بی بی بیمار ہو کر مر گئی۔ پھر بیٹے دو  
بیابہ کیا۔ وہ عورت بھی تھوڑے دنوں میں فوت ہو گئی۔ اسی طرح جب چار بی بیوں کے  
دیکر اُسے اسی مکان میں چل رہی تھیں اُسے سوچیں تصور کر کے فروخت کر ڈالا۔ اور اسباب  
تجارت لیکر ملکوں ملکوں ہوتا ہوا آپ کے ہاں وارد ہوا تھا۔ یا امیر المومنین یہ وہ کھانا  
ہے۔ جو کل کے دن اُس نوجوان نے ہمیں سنا ہی تھی۔ کیا یہ عجیب ترین ہے۔ بادشاہ نے  
جواب دیا۔ کہ یہ قدر عجیب ضرور ہے۔ مگر ہمارے کبرے کی سرگزشت سے لگا نہیں لگا سکتا  
اور جب تک مجھے کبرے کے قصہ سے زیادہ عجیب کھانی نہیں سناؤ گے۔ میں تم کو نہیں  
چھوڑوں گا۔ اور یہ حالت دیکر سب کو پھانسی پر چڑھنا ہو گا۔ یہ سن کر حکیم یہودی آگے بڑھا  
اور زمین خدمت کی چوم کر کہنے لگا۔ میں آپ کو کبرے کی حکایت سے عجیب تر قصہ سنانا ہوتا  
ہے کہ اُسے سن کر آپ بہت خوش ہونگے۔ شاہ چین نے کہا۔ بولو۔ حکیم یہودی نے  
کہنا شروع کیا۔ حضور انور میں پہلے دمشق میں مطلب کیا کرتا تھا۔ جتنی کہ شہر میں میر تقی علیت  
کا شہر ہو گیا۔ ایک دن میں اپنے مطلب میں بیٹھا تھا۔ کہ حاکم شہر کا ایک ملازم میرے پاس  
آیا اور کہنے لگا کہ تجھے دربار میں یاد کیا گیا ہے۔ میں اُنٹے کے ساتھ ہوا۔ اور وہ مجھے  
والے شہر کے پاس لے گئے۔ اور وہاں سے مجھے ایک مرہٹن کا علاج کرنے کی ہدایت ہوئی۔  
وہ مریض ایک بلینگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اور ایسا خوبصورت تھا کہ بیٹے اُس سے خوبصورت  
آدمی کسی تک کوئی نہیں دیکھا۔ میں اُسکے سر پر نے بیٹھ گیا اور شفا کے لئے اُسے دعا دی  
وہ زبانی کچھ بولا۔ صرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔ گویا میرا شکریہ ادا کرتا ہے۔ پھر  
بیٹے کہا کہ اپنا ہاتھ دکھا۔ اسے یہ شکروا بننے کی جگہ باہنا ہاتھ نکال کے سامنے کر دیا۔ میں  
حیران تو ہو گیا۔ کہ یہ شخص معزز جماعت کے ممبر بننے کے بھی طبابت کے دستور کا واقف  
نہیں۔ کہ آدمی داہنا ہاتھ لپیٹ کر دکھایا کرتے ہیں۔ یا ہنا نہیں۔ مگر جس طرح ہو سکا میں نے  
اُس کے لئے نسخہ لکھ دیا۔ جتنی کہ خدا کی ہر بانی سے اُسے دس روز میں کامل شفا ہو گئی  
اور اُس نے غسل صحت کیا۔ والے دمشق نے اس خدمت کے عوض مجھے بھاری صلحت

مگر ترا گدھا ہی نکلا۔ بیٹے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ بی بی کو کسی بات مجھ سے سرزد ہو گئی ہے جس سے باعث آپ نے مجھے بے شعوری اور بے تیزی کا خطاب دیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بے وقوف لسن کا پلاؤ کھا کے ماتہ دھو تا تجھے لسن نے بتایا۔ اور یاد رکھو۔ رہتا ہے اس قصور سے میں ہرگز ہرگز درگزر نہیں کروں گی۔ اس کے بعد مجھے ہر طرف سے کورے پڑنے لگے یہاں تک کہ میری پیٹھ کا چمڑا بھی اڑھڑ گیا۔ اور جب میں بیہوش ہو کے گر پڑا۔ تو میری بی بی نے حکم دیا۔ کہ مجھے حاکم شہر کے پاس لیجا کر کہو۔ کہ جس ماتہ سے اس نے لسن کا پلاؤ کھا تو اسے تمہیں دھویا۔ اسے کاٹ دے۔ یہ ناور شاہی حکم سنکر میرے جو اس ٹکائے نہ ہے اور بیٹے عورت کی۔ بی بی ایک معمولی سے قصور کے لئے اس قدر سخت متراو۔ اُن کو نڈیوں نے بھی میری بہت کچھ سفارش کی۔ مگر اس کینٹ کے سر پر جو بیوت چڑھا ہوا تھا۔ وہ نہ اترا پر نہ اُترا۔ اسکے بعد مجھے دال سے لیجانیکا حکم دیکے آپ بھی وڈں سے چلی گئی۔ پھر دس روز تک بیٹے اُسے ہرگز نہیں دیکھا۔ دسویں دن وہ میرے پاس آئی۔ اور کہنے لگی بدبخت! تو نے مجھے جو تکلیف دی ہے۔ اسکے لئے تجھے سزا دے بغیر میں ہرگز نہیں ہرگز یہ کہہ کر نڈیوں کو آواز دی۔ اور جب وہ حاضر ہوئیں تو انہیں حکم دیا کہ میرے ماتھوں اور پاؤں سے خلیں کل دریا بہ نکلا۔ تو نڈیوں نے اسیدن وزور گھاس کو پیسکر اوپر چھڑکا۔ خلیں فوراً ریشہ ہو گیا۔ دو سبتو! اسیدن سے بیٹے حلف اٹھا رکھا ہے۔ کہ لسن کا پلاؤ ہمیں کھاؤ نکلا۔ اور اگر کھاتا ہی پڑا تو ایک سو میں مرتبہ ماتہ دھوؤ نکلا۔ جب تمہارے سامنے یہ قایب آئی تھی۔ اور تم نے مجھ سے اصرار کیا تھا۔ لیکن بیٹے انکار کر کے نفرت ظاہر کی تھی۔ اسکی اصلی وجہ یہی ہے۔ جو میں تم سے بیان کر چکا ہوں۔ حاضرین جماعت نے ہر سنکر پوچھا۔ کہ اس کے بعد تمہاری کیسے گزری وہ بھی بنا دو۔ تو مہربانی ہوگی وہ پولا۔ جب بیٹے اپنی بی بی کے سامنے لسن کا پلاؤ نہ کھانیکا حلف اٹھا لیا۔ اس کی سناری اور اسکی رفع ہو گئی۔ اور ہم دونوں محبت و پیار سے رہنے سمنے لگے مگر شاہی محل میں مجھے بڑی احتیاط سے رہنا پڑتا تھا۔ اسلئے تکلیف ہوتی تھی سناچار ویدہ ناتون نے ہمیں پچاس ہزار دینار دیکر علیحدہ مکان پیش کیا۔ اسلئے کہ اجازت دیدی۔

پرمیشی ہے۔ اور اسپر اسقدر زور و جواہر لہرے ہوئے ہیں۔ بن کے بوجھ سے وہ چلنے پھرنے سے بھی عاجز ہے۔ خیر ابھی صدق سے نکال کے زبیدہ کے سامنے لیگئے۔ سینے بڑے ادب سے خدمت کی زمین چومی۔ اور اُس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سامنے ہی بیٹھ گیا۔ پھر زبیدہ نے مجھ سے حسب و نسب کی نسبت کچھ سوال کئے۔ جبکہ جواب دینے تشفی بخش دیا جن کے سننے سے وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی یہ لونڈی میری اولاد زبیدہ کی طرح پالی ہوئی ہے۔ اور اب میں اسے سہلے سپرد کرنے لگی ہوں۔ امید ہے کہ تم اسے اچھی طرح سے رکھو گے۔ میں نے پھر خدمت کی زمین چومی اور زبیدہ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر مجھے حکم ملا کہ وہاں دس دن تک ٹھہروں۔ تاکہ اس عرصہ میں خلیفہ سے بھی اجازت لیجائے۔ میں نے سر تسلیم جھکا دیا۔ اور اُس بی بی نے مجھے بڑی عزت و اکرام اور ہوشیاری سے شاہی محل میں رکھا۔ ہر روز صبح و شام میرے پاس آتی اور مجھے تشفی دیا کرتی۔ آخر زبیدہ خاتون نے خلیفہ سے بھی اجازت لے لی۔ اور خلیفہ نے اس شادی کے لئے دس ہزار دینار عطا فرمائے۔ زبیدہ خاتون نے قاضی اور گواہوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے ہم دونوں کا نکاح پڑھا گیا۔ سو فی رسومات سے فراغت پا کے زبیدہ خاتون نے ایک بڑے تکلف منیافت کا انتظام کیا۔ طرح طرح کے لبتہ و نفیس کھانے تیار کر لئے۔ اور ہر چھوٹے بڑے کی دعوت کی۔ برابر دس روز تک اسی حال میں گذر گئے۔ غرض بیویں دن لونڈیوں نے میری زوجہ کو حام کرایا اور بناؤ سنگار کرنے لگیں۔ اس اثناء میں کھانے کا وقت آ پہنچا۔ اور میرے لئے دسترخوان چٹا گیا۔ جیسر ہی کبخت لسن کا دم بخت پُلاؤ بھی تھا۔ بیٹھے اسپر خوب ماتہ صاف کئے۔ لیکن کھا کر ماتہ بیٹھا بھول گیا۔ صرف رومال سے پونچھ ڈالے۔ اب دن گذر چکا تھا۔ رات آگئی۔ محل میں روشنی ہونے لگی اور منیفات گلنے بجانے لگیں۔ ادھر لونڈیوں بی بی کو خلوت میں میرے پاس لا کر چھوڑ گئیں۔ بیٹے فرط شوق میں اُسے گلے لگانیکا ارادہ کیا۔ مگر وہ دُور سے ہی ایسا چٹائی کہ ارد گرد کی لونڈیاں یا نایاں اندر آ جمع ہوئیں۔ میں ڈرنا کہ یہ کیا ہوا۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ابھی تک مجھے خبر نہ تھی۔ وہ لونڈیاں میری بی بی سے پوچھنے لگیں۔ میں کیا بات ہے۔ وہ بیکاری۔ اسی بے شعور کو یہاں سے نکال دو۔ میرا خیال تھا۔ کہ وہ صاحبہ تمیز ہے۔

کو اُنکے مال کی قیمت چکا دی۔ وہ تو فتنے میں رہے اور میں گھائے ہیں۔ کیونکہ مفت میں پناہ دل  
 گواہ بیٹھا۔ اسکے بعد مجھے کئی دستک اُسکی کوئی بخر ڈلی۔ اور میرا حال یہ ہو گیا کہ تہ دن کو صبح تھا  
 اور تہ رات کو آرام۔ ایک دن یکا یک اُسکا وہی غلام دکھائی دیا جو سید امیری طرف آ رہا تھا۔  
 بیٹھے پوچھا سناؤ۔ تمہاری مالکہ کا کیا حال ہے۔ وہ بولا بیا پر پڑی ہے۔ بیٹے کہا کھو لکر بتاؤ۔  
 اُس نے جواب دیا۔ کہ وہ زبیدہ خاتون خلیفہ مارون الرشید کی صاحبہ ہے۔ اور اسے زبیدہ کے  
 مزاج پر بڑا دخل ہے۔ ایک دن زبیدہ خاتون سے اُس نے تمہاری بابت درخواست کی تھی۔  
 کہ میری سناوی ظالم سوداگر کے ساتھ کر دینا دے۔ زبیدہ نے جواب دیا کہ میں اُس جوان کو  
 اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں اور ہم تمہیں اس بیوقوف و مال لیجانا چاہتے ہیں لیکن اس  
 امر میں بہت سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کہ خلیفہ کے محل میں جانا ہنسی ٹھٹھا  
 نہیں۔ لیکن ایک تدبیر ہماری سمجھ میں آئی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے مقصد حاصل ہو سکتا ہے  
 اگر تم بھی منظور کرو۔ مینے کہا۔ میں تو ہر طرح سے حاضر ہوں۔ جس طرح فراؤ۔ سر کے بل جاؤں  
 غلام بولا۔ آجکی رات تم زبیدہ کی مسجد میں جو وجہ کے کنارے پر واقع ہے جا کے نماز پڑھو۔  
 اور وہیں سو بھی رہنا مینے اسے منظور کیا۔ شام کے وقت میں اُدھر چل پڑا۔ اور تہجد کی نماز  
 پڑھ وہیں سو رہا۔ جب صبح ہوئی مینے دیکھا کہ ایک کشتی کو جس میں بہت سے صندوق پڑے ہیں  
 وہ غلام کیسے چلے آ رہے ہیں۔ لہذا اُسے پر پتہ چکر انہوں نے وہ صندوق مسجد میں لا رکھے۔  
 اور ایک غلام وہاں سے لے گیا۔ صرف ایک ہی رہ گیا۔ جو میرے لئے مسجد میں رات بسر کرنا  
 پیغام لایا تھا۔ ایک گھڑی خبر بند میری مسجد پہنچی وہاں تشریف لے آئی۔ اُسے دیکھ کر میرے  
 آفتابہ نکلے۔ پھر تھوڑی دیر تک ہم میں پیار و الفت کی باتیں ہوئی تھیں۔ اسکے بعد اُس نے  
 مجھے ایک خالی صندوق میں بند کیا۔ اور اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ صندوق کو کشتی پر بار کر دو  
 اُنہوں نے ماتوں ماتھ اٹھا کے سب صندوق کشتی پر رکھ دیے اور کشتی کو گھیلنا شروع کیا۔  
 حتیٰ کہ وہ عین خلیفہ کے محل کے دروازے پر جا گئی اور اُس صندوق کو جس میں میں بند  
 پڑا تھا۔ زبیدہ خاتون کے سامنے لیجا رکھا۔ زبیدہ نے اُس صندوق کے کھولنے کا حکم  
 دیا۔ جب میں باہر نکلا۔ دیکھا کہ زبیدہ دس لونڈیوں کے حلقہ میں بڑی تمکنت سے سخت



مگر نفاہر بیٹے کہا۔ اتنی جلد ہی کئی کیا ضرورت تھی۔ خیر خراف آگیا اور غلام نے تعیلی رکھا لکھ سانس رکھ گیا جس میں سے پانچ ہزار درہم پر کچھ نے صراف نے میرے دامن میں ڈال دئے۔ پھر وہ بی بی میری دوکان پر چڑھے اتر کر بیٹھ گئی۔ اور دوکانیں کھٹکنے کا انتظار کرنے لگی۔ اس اثناء میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ بڑی زیرک اور شایہ سحر تہ ہے۔ جب دوکانداروں نے دوکانیں کھول دیں۔ مینے ان کے مبلغات انہیں اس وقت پہنچا دئے۔ اس سے میرا اعتبار اور بھی بڑھ گیا۔ پھر اس بی بی نے ہزار و پینار کے بمقام زرباق کے اور طلب کئے۔ اور مینے اسے لا دئے۔ اب اسے بھی اس نے قیمت نہ دی اور بغیر کچھ پتہ دے کے چپ چاپ اٹھ کے چلی گئی۔ مجھے از سر نو تردو ہوا کہ وہ کچھوں اب کے کیا انجام ہوتا ہے۔ اصول میں سوچتا تھا کہ یا تو یہ عورت میرا امتحان کرنا چاہتی ہے یا مجھے ذلیل کرانے کی فکر میں ہے۔ بہر حال دیکھا جائے اونٹ کس کروٹ بدلتا ہے لیکن جب اسکی پیاری پیاری صورت یاد آئی۔ سب کچھ بھول جاتا۔ انہی تذبذبوں میں ایک مہینہ گزر گیا۔ اور سو داکروں نے جن سے مال لیکر دیا تھا۔ تقاضوں کے مارے جان کھالی۔ مینے ان کی تسلی کے لئے دوکان کا اثاثہ بیچ بیچ کر انہیں حصہ رسدی کے بموجب حقرا مشور اور یہ پہنچا دیا شرمع کیا۔ تاکہ وہ گھبرانہ جائیں۔ اسے ایک مہینے کے بعد علی الصبح جب میں دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بی بی خیر چروار علی آ رہی ہے۔ اسے دیکھ کر میرا فکر ٹٹ گیا۔ اتنے میں وہ میرے قریب آ کر بولی۔ صاحب! تازو نکال کر اپنا مال تول لو۔ اور اصلی قیمت کے کچھ زیادہ دینا میرے سامنے ڈھیر کر دئے۔ اور مجھے سے باتیں کر کے بہت خوش ہوئی۔ پھر مجھ سے پوچھا۔ کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ مینے جواب دیا۔ میں تو کسی عورت کو بھی نہیں جانتا۔ اور میں سو پڑا۔ اس نے میرے رونیکا سبب دریافت کیا۔ مینے کہا۔ یونہی ایک خیال سا دل میں گذرا تھا۔ پھر بیٹے ہزار و پینار گن کر باقی کے اس کے غلام کو واپس کر دئے۔ وہ کہنے لگا۔ بھوئے نوجوان ہماری بی بی تم پر عاشق ہے۔ وہ تمہارا خریدنے کے ہمارے صرف تمہیں دیکھنے کے لئے آیا کرتی ہے۔ یہ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور مینے بڑی جرأت کے ساتھ اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ وہ کہنے لگی۔ اطمینان رکھو۔ میں اسی غلام کو تمہارے پاس بھیج دوں گی جو کچھ یہ کہہ اس پر عمل کرنا۔ یہ کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے چلے جانے کے بعد نینو آکر اول

## تصویر زن حسینہ کی خچر پر سوار اور سوداگر سے گفتگو کرنا



کام تھا۔ اس بی بی نے سب مکان اپنے غلاموں کو دہرائے۔ اور چچا پر سوار ہو سکے چل پڑی  
 شامت کی مار۔ کہ نہ تو اُس نے اپنا کچھ پتا مجھے بتایا اور نہ ہی جاسکے بی بی کچھ لے چھو سکا جسکے  
 چلے جائیکے بعد تاجروں نے جن جن سے ہیں وہ اشیاء لایا تھا اپنا روپیہ مانگا۔ مگر میں مال ٹولو  
 کر کے اُسے کچھ دہلت مانگ ہی لی۔ جب شام ہوئی۔ وہ کان بند کر کے میں گھر آیا۔ تو کرنے  
 کھا نا سلتے لا رکھا۔ مگر مجھ سے کھا یا نہ گیا۔ صرف دو چار لقمے زہر مار کر کے مانتہ اُٹھالیا۔  
 اور بیتر پر جا پڑا۔ لیکن تین دن کی جگہ آنکھوں میں اُسی چاند کے ٹکڑے کی تصویر چھ رہی تھی یا  
 تاجروں کے فرض کا فکر تھا۔ چارو تا چار کروٹیں بد نکر صبح کی اور دو کا پتر گیا۔ وہ کان پر  
 بیٹھ رہی زیادہ ویر نہ ہوئی تھی۔ کہ دیکھا۔ وہی بی بی خچر پر سوار میری طرف چلی آ رہی ہے  
 سستے سستے مجھے سلام کیا۔ اور کہا۔ میں کل تھانوں کی قیمت دی تھی بھولی گئی تھی۔ اسلئے اب  
 وہ نہ رہی ہوں۔ صرف کوہلو کے قیمت گنوا لیجئے۔ یہ شکر میرے دل میں پھر ٹھنڈک پڑی

جسکی وجہ سے میں اس کھانے کو کھانا ہوا ڈرتا ہوں۔ ایکسو میں مرتبہ ہاتھ دھونے کا  
یہی یہی باعث ہے یہ کہہ کر اُس نے سب انگوٹھے کئے ہوئے دکھائے۔ ہم نے بہت بڑی  
جہرت ظاہر کی۔ اور التجا کی۔ کہ وہ اپنی سرگذشت سنا کر ہم لوگوں کو اپنا منوں بنا دے  
وہ یو لارنگٹو۔ میرا باپ بغداد کے بڑے تاجروں میں سے تھا۔ مگر راک راک اور شراب  
کا عاشق زار جب مر گیا۔ جا بڑا دکا ایک جہ بھی نہ چھوڑا۔ لیکن مینے جس طرح سے بروکا  
اُسکے مرنے کی رسومات اچھی طرح سے ادا کیں اور اُن سے فراغت پا کر اُسکی دوکان کو  
کھولا۔ مگر اندر سے کچھ نہ نکلا۔ بلکہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ پر بہت ساقرضہ چھوڑا ہے  
دوکان کا دروازہ کھلا دیکھ کر قرضخواہ آکھٹے ہوئے۔ اور تقاضا کرنے لگے۔ مینے انہیں  
شکست دی اور کہا کہ صبر کرو۔ تمہاری کوڑی کوڑی بچکاوی جائیگی۔ وہ پیچھے خاموش  
ہو رہے۔ پھر مینے رہی سہی جائیداد بیچ بیچ کر آہستہ آہستہ قرض ادا کرنا شروع کیا حتیٰ کہ  
ایک عرصہ کے بعد بڑی مشکل سے مینے سرخروئی حاصل کی۔ پھر کچھ راس المال اکٹھا کر کے  
دوکان میں اسباب تجارت لا رکھا۔ اور کچھ مدت اسی حال میں گزر گئی۔ ایک دن صبح  
کے وقت میں اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ مینے ایک نوجوان حبیبہ کو دیکھا۔ خچر پر  
سوار چلی آ رہی تھی۔ اور اس کی سواری کے آگے پیچھے بہت سے غلام صف بستہ چلے  
آتے تھے۔ اتفاق سے اُس وقت میری دوکان کے سوا یا زار بھر میں کوئی دوکان  
نہ کھلی تھی۔ تا چاروہ میرے ہی پاس آ کر مجھے سلام کر کے بیٹھ گئی۔ میں سچ کہتا ہوں  
عمر میر میں مینے اُس سے زیادہ خوش آواز کوئی عورت نہیں دیکھی تھی۔ پھر اُس نے  
لقاب چہرے سے اُلٹ دیے۔ تو وہ چاند سا چہرہ دیکھ کر میرا دل چکور کی طرح اُسپر  
جھپٹ جھپٹ کے جلنے لگا۔ اتنے میں وہ بولی۔ مجھے کچھ تھاں زرباف کے درکار ہیں۔  
اگر تمہاری دوکان پر ہوں تو دکھاؤ۔ مینے عرض کیا۔ جناب! آپ کے غلام کے ہاں ایسے  
مستحقان نہیں ہیں۔ لیکن فوراً مہر جائیے۔ دوکانیں کھلتی ہیں۔ تو جو کچھ آپ کو درکار ہوگا  
لا دوں گا۔ پھر ہم باتوں میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں باقی دوکانیں بھی کھل گئیں۔ میں  
اٹھا اور جو کچھ اُس بی بی کو درکار تھا اپنے ہمالیوں سے لا دیا۔ وہ سب مال پانچ ہزار دیر

کے مشابہ ٹھہر سکتے ہو۔ خیال رکھو۔ میں تم چاروں کو اُسکے عوض میں قتل کرونگا۔ یہ غصہ اور  
کلام سنکر مودی اُگے پڑا۔ اور زمین خدشت کو چوم کر عرض کرنے لگا۔ حضرت سلامت! میں  
بھی ایک سرگذشت سنانا چاہتا ہوں جو انہی دنوں میں اس کپڑے کو مٹنے سے پہلے مجھے  
پیش آئی تھی۔ اگر وہ آپ کے کپڑے کے قصے سے اچھی ہوئی تو اُپدوار ہوں کہ سب کا قصور  
معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اچھا سناؤ مودی بولا۔ خداوند۔ کل رات میں ایک  
ختم میں شریک تھا۔ یہاں لہت سے مولوی اکٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ معمولی رسومات سے  
فراغت پا چکے۔ تو دسترخوان بچھایا گیا۔ اُسپر علاوہ اور لذیذ و نفیس کھاؤں کے ایک قاب  
لہن کے دم نچت کی بھی تھی۔ جس کا ذائقہ بے نظیر تھا۔ ہم سب اپنی اپنی پسند کے کھانے  
پر ماتہ پڑانے لگے۔ کہ اتنے میں ایک شخص ہم سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور یکا یک کھانے  
سے ماتہ کھینچ لیا۔ ہم نے اُسے قسم بھی دی کہ وہ کھانے سے ماتہ نہ ہٹائے۔ مگر اُس نے  
بھی قسم کھالی کہ میں اس کھانے میں سے مطلق کچھ نہ کھاؤنگا۔ اور جب ہم نے بہت ہمار  
کیا کہ یہی تو لذیذ کھانا ہے۔ تو وہ بولا کہ تمہارا اصرار فضول ہے۔ ہم نے پوچھا۔ آخر کوئی وجہ  
بھی یا تو یہی بھاگے جاؤ گے۔ وہ بولا۔ میں اس کھانے کو اس شرط پر کھا سکتا ہوں کہ  
ایک سو بیس مرتبہ میرے ماتہ دھلوائے جائیں۔ چالیس مرتبہ اشتان سے چالیس مرتبہ  
سُعد سے اُحد چالیس ہی مرتبہ صابون سے۔ یہ سنکر صاحب خانہ نے اپنے غلاموں کو بلوایا کہ  
وہ تینوں اشیاء لیکر حاضر ہوں۔ جب غلاموں نے اُشمان۔ سُعد اور صابون اُٹھا کر لئے۔ تو  
صاحب خانہ بولا۔ اب تو تکلیف فرمائیے۔ ورنہ میری ساری محنت اکارت جائیگی۔ یہ کہہ کر  
چار و تاجار اُسے دسترخوان پر بیٹھنا ہی پڑا۔ لیکن بڑی کراہت کے ساتھ ایک لقمہ اُٹھایا  
اور دڑتے دڑتے منہ میں رکھا۔ مگر ہمیں یہ دیکھ کر نہایت ہی تعجب ہوا کہ اس کا انگوٹھا  
کٹا ہوا ہے اور وہ باقی کی چاروں انگلیوں سے لقمہ اُٹھا کے منہ میں ڈالتا ہے۔ یہیں  
اور یہی حیرانی ہوئی۔ اور آخر پوچھ ہی بیٹھے۔ کہ تمہارے انگوٹھے کو کیا ہوا؟ آیا پیرا ہی  
نہیں ہو آیا؟ سپر کوئی حادثہ گذرا۔ سنئے جو اب دیا۔ میرے چاروں انگوٹھے نہیں ہر  
اور یہ مصیبت اکیڑہ قہر بھی لہن کا دم نچت کھانے کے باعث مجھ پر نازل ہوئی تھی۔

تو بہت تھوڑی ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کو شاہ بنائی ہوں کہ میں تمہیں اپنے سے بھد نہیں  
 کرنے دوں گی اور تم دیکھ ہی لگے۔ پینے قاضی اور گواہوں کو بلایا بھیجا ہے۔ وہ آئے اب ہمارا  
 نکاح پڑھ لیتے۔ اتنے میں قاضی اور گواہ بھی آگئے۔ اور ہمارا نکاح پڑا گیا۔ اسکے بعد اُسے ایک  
 وصیت تیار کرانی جسکے رُسے اپنے تمام مال و املاک کا بھگے وارث ٹھہرایا۔ گواہوں نے دو گواہوں  
 پر گواہی کر کے اپنا اپنا سہارا لیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد وہ بی بی جواب میری زوجہ بنتی امی  
 اور ایک مندوق کی طرف اشارہ کر کے اُسے کھلوا یا۔ اور مجھ سے کہنے لگی۔ کہ دیکھو۔ اس میں  
 کیا پڑا ہے۔ میں نے دیکھا تو وہی میری تھیلیاں تھیں جو میں آج تک اسکے گھر میں لا کے رکھ جاتا  
 تھا۔ اور کہنے لگی میں تمہارا سب مال بچوں کا کوئی رکھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ لو۔ اور اب میری  
 دولت بھی تمہاری ہی ہے۔ اس رات ہم دونوں انہی باتوں میں مشغول رہے۔ اسکے بعد  
 پورا ایک مہینہ تک ہم نے بڑے غم سے زندگی بسر کی۔ مگر وہ ہر روز مجھے ہستی تھی۔ کہ  
 میری محبت میں تم نے جو جو انفرادی دکھائی ہے اُسکے عوض اگر میں اپنی جان بھی تم پر سے قربان  
 کر دوں تو بہت تھوڑی ہے۔ اسکے بعد وہ بیکار بیکار بیچارہ پڑ گئی۔ ضعف و بدن بڑھنے  
 لگا۔ حتیٰ کہ پندرہ روز کے عرصہ میں بیچارہ بیکار گھٹل گھٹل کے تمام ہو گئی۔ یہاں تک بیان کر کے  
 نوجوان کی آنکھوں میں آنسو پھوٹے۔ اور بولا۔ کہ مجھے اُس کی موت کا ایسا صدمہ ہوا کہ میں  
 سب کچھ بھول گیا۔ مگر پھر منہ بھل کر اُسکی جائداد اور املاک کو ٹھکانے لگانے کا فکر کیا۔ تاکہ اور  
 ملکوں کی سیاحت سے دل بہلاؤں۔ یہ باتوں کا ذخیرہ بھی اُسی کا تھا۔ جو میں تمہاری معرفت  
 پہنچا ہے۔ اور چونکہ تم نے بڑے درد سے میرے ماتھے کٹنے کا قصہ دریافت کیا ہے۔ اسلئے  
 اب میں وہ ساڑھے چار ہزار درہم تمہیں ہی بخشا ہوں۔ میں نے اُسکا شکر ادا کیا۔ اور وہ  
 کہنے لگا۔ کہ آؤ تم بھی میرے ساتھ کسی دوسرے ملک کو چلو۔ میں نے اسے قبول کیا اور ہم دونوں  
 ایک اچھا دن سفر کر کے زادراہ اور اسیاب تجارت لیکر واپس آئے۔ ایک مدت تک  
 ملکوں ملکوں میں پھرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ جوان پارس کو چلا گیا۔ اور میں آپ کے شہر میں گیا  
 والا جان! کیا یہ قصہ آپ کے کپڑے کے قبضے سے عجیب تر نہیں ہے؟ بادشاہ حمایت تھا  
 ہو کر بولا ہے جی تو جی! کیا تم اُس جوان فاسق کے قبضے کو ہاتھ کوڑ پٹنے مسخرے کی سرنگ

کھاؤ۔ مگر مجھے پتہ کہاں تھی؛ بہنوئی دیر پد رات کے کھانے کا وقت آگیا۔ اور میری محبوب نے مجھ کو  
 اصرار کیا کہ کچھ کھاؤ۔ مینے جواب دیا ہوتا ہے سر کی قسم میرا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا اور یہ  
 بہانہ محض اسلئے تھا کہ میرا ہاتھ کٹا ہوا وہ بی بی دیکھ لے۔ مبادا وہ پوچھ بیٹھے اور مجھے  
 شرمساری امٹھائی پرٹے۔ اُس نے کہا۔ اچھا حقوڑا سا شراب ہی نوش کر لو۔ میں دیکھ رہی  
 ہوں کہ تم شکستہ خاطر سے ہو رہے ہو۔ اور شراب پینے سے غم و اہم سے تو چھٹکارا ہو گا۔ ناچار  
 اُسکا کہنا مان کر پیئے کھالائو۔ تمہاری خاطر سے ایک آدمہ قدح لے لیتا ہوں۔ یہ سنکر وہ  
 شراب کا ایک گلاس بھر لائی۔ مینے اُسے بائیں ہاتھ لے لیا اور روتے روتے چوڑا گیا۔  
 میری یہ حالت دیکھ کر وہ پھر رہ نہ سکی۔ اور التجا کر کے پوچھنے لگی۔ میرے پیلے تم سچ  
 سچ کیوں نہیں بتاتے۔ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اور آج خلاف معمول بائیں ہاتھ سو کیوں  
 ہاتھ اٹھایا ہے۔ مینے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ! میرے دائیں ہاتھ پر پھوڑا خجل آیا ہے۔  
 جس سے مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اُس نے کہا فوراً مجھے بھی تو دکھاؤ۔ کہ اُسپر کوئی ڈاوا  
 لگاؤں۔ مینے کہا یہ ڈوائی کا وقت نہیں اور میں اس وقت اسے نہ دکھا بھی نہیں کر سکتا  
 کل بھی۔ پھر پیئے ایک قدح اور چوڑا لیا۔ اور اسی طرح پیلے کے پیلے خالی کئے۔  
 یہاں تک کہ پیئے نے مجھے آگھرا۔ میری محبوب نے یہ دیکھ کر میرے دائیں ہاتھ پر سے کپڑا  
 اٹھایا اور دیکھا۔ کہ وہ کٹا ہوا ہے۔ پھر میری جیب کو کٹوا۔ تو اُس میں بیس اشرفیوں کی  
 ایک پٹیلی پائی۔ یہ دیکھ کر وہ سخت غمگین ہوئی اور بیچاری نے ساری رات تڑپ کر کائی  
 جب صبح ہوئی اور میں خواب سے بیدار ہوا۔ اُس نے فوراً اپنے نوکروں سے چار پادریں کا  
 گاڑھا شور با تیار کر کے مجھے بلوایا۔ پھر مینے وہ پٹیلی رکھ دی۔ اور آپ جلنے کا ارادہ کیا  
 وہ پوچھنے لگی۔ آپ کہاں جائینگے۔ مینے کہا۔ اپنے بڑے پر۔ وہ کہنے لگی۔ مگر وہ میں اس  
 حال میں نہیں جانے دوں گی۔ اور اگرچہ تم نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ مگر میں سب کچھ جانتی  
 ہوں۔ اور مجھے معلوم ہے۔ کہ تمہارے دائیں ہاتھ کے کٹنے کا بھی میں ہی سبب ہوں ریتری  
 مجھے کاٹنے سے تڑپ ہو گیا کہ تو نے اسی کو بے میں بھی کچھ صرف کر ڈالا یعنی کہ مال و دولت  
 دیکر داہنا ہاتھ بھی میرے لئے کھو دیا۔ اس کے عوض میں میں اگر تم پر سے اپنی جان بھی واؤں

سواری روک لی۔ اور سپاہی سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ حضور یہ چور ہے۔ اُس نے میری جیب سے بیس اشرفیوں کی تحصیل نکال لی ہے۔ قاضی نے پوچھا۔ تیرے ساتھ بھی کوئی تھا۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں۔ یہ سُکر قاضی نے اپنے پیٹے کو حکم دیا کہ میری تلاشی لے۔ پیٹے نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور بیس اشرفیوں کی تحصیل میری جیب سے باہر نکال کر رکھ دی۔ قاضی نے اُس سے تحصیل لے لی۔ اور اشرفیوں کو گن کر مجھ پر کمال غصہ ناک ہوا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ سچ بتاؤ۔ کیا تم نے اس تحصیل کو چھپایا تھا۔ یہ سُکر بیٹے سر بیچا کر لیا اور سوچنے لگا کہ انکار سے گناہ غائب ہوتا ہے۔ اور اقرار کرتا ہوں تو مجرم ثابت ہو تا ہے مگر آخر کار دل نے یہ رائے دی۔ کہ اقرار ہی کرو ورنہ سزا سزا ٹھایا اور کھدیا۔ کہ ماں صاحب! بیٹے اسے چڑایا ہے۔ قاضی حیران رہ گیا۔ مگر انصاف سے مجبور تھا۔ ناچار جلاؤ کو حکم دیا کہ میرا دہانہ ماتھ اور پاؤں کاٹ دے۔ جب جلاؤ نے ماتھ کو کاٹ ڈالا۔ سپاہی کو مجھ پر بڑا رحم آیا۔ اور اُس نے گڑ گڑا کر سفارش کی کہ اب پاؤں کاٹنے سے معاف کیا جائے یہ سُکر قاضی نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ میرا حال متغیر ہو رہا تھا۔ اسلئے لوگوں نے مجھے شراب کا پیالہ لا دیا۔ کہ میرے حواس باختہ زائل نہ ہو جائیں۔ اور اُس سپاہی نے بھی وہ تحصیل مجھے بخش دی۔ اور کہتے لگا میں جانتا ہوں تو چور نہیں۔ بلکہ کسی ضرورت سے غور ہو کر تو نے ایسا کام کیا ہے۔ بیٹے اُس سے تحصیل لے لی۔ اور جواب دیا کہ گزدش روز گزارنے و حقیقت مجھے ایسا فعل قبیح کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ میں چور نہیں۔ اور یہی چور کا بھائی ہوں۔ یہ سُکر سپاہی نے اپنا رستہ لیا اور تحصیل کو بیٹے جیب میں کیا اور وہاں سے چلکر بہ مشکل تمام اپنے تئیں اپنی محبوبہ کے محل کے دروازے پر پہنچا یا۔ اور ایک لٹری جھوٹے پوچھنے لگی۔ کیوں صاحب؟ آج آپ کا کیا حال ہے؟ بیٹے جواب دیا۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے اور آج کچھ طبیعت بھی بد مزہ سی ہے۔ جس سے یہ جواب دیکر آپ آگے بڑھ کر بنگ پر لیٹ رہا۔ اتنے میری محبوبہ کو بھی خبر ہوئی کہ وہ دوڑی آئی۔ اور پوچھنے لگی۔ آج تمہارا کیا حال ہے؟ بیٹے اُس سے بھی وہی بہانہ کیا۔ مگر اُس نے کہا۔ تم بہانے نہ کرو۔ مجھ سے اہلی ماجرا بیان کرو۔ مگر سُکر مذکور کے ملے سے کچھ حال نہ کہا گیا۔ ناچار وہ مجھے کچھ دوائی وغیرہ دیکر اور یہ کہہ کے علی گئی کہ ذرا لیٹ



رخصت کیا۔ جب گدھے والے نے اپنی راہ لی۔ میں اپنا صاحب لینے کے لئے شہر کو چل دیا اور اُدھر سے فراغت پا کر انواع و اقسام کے کھانے اور تحائف خرید کئے۔ رخصتی کے وعدے کا وقت قریب آ گیا۔ اتنے میں وہ گدھے والا بھی آ گیا۔ اور سب سامان گدھے پر لدا کر پچاس دینار کی تھیلی جیب میں کی اور کو چیار کی طرف چل پڑا۔ صبح محول رات برے عیش و عشرت سے گئی۔ اور صبح کے وقت بستر کے نیچے وہ دوسری تھیلی رکھ کے رخصت لی۔ غرض ایک مدت اسی طرح سے گذر گئی۔ میں ہر روز نئے نئے تحائف اُس بی بی سے لئے خریدتا۔ اور شام پچاس دینار کی تھیلی ساتھ لیجاتا۔ رات منے میں کاٹ کر تھیلی بستر کے نیچے رکھ آتا۔ جب میری جیب میں پھونکی کوئی بھی نہ رہی تو فکر وہی نے چاروں طرف سے آگھیرا۔ کہ یہاں بے یار و نگہ راجب مصیبت آچری نہ پاس پیسہ ہے اور نہ ہی کوئی مددگار ہے۔ میرے دوست! غریب الوطن میں بیکیسی اور کسی کے وقت جس قدر وقت اور تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ اُس کا آپ اچھی طرح سے اندازہ کر سکتے۔ غرض میں بڑا گھبراہٹا کہ اگر آج اُس بی بی سے گھر نہ جاسکا تو نہ جانے وہ دل میں کیا خیال کریگی۔ اور اگر جاتا ہوں تو خالی ہاتھ جانا و استعدادی کے خلاف ہے۔ انہی خیالات میں میں سرائے سے چل نکلا اور اپنی محبوبہ کی گلی کے قریب ہی جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں۔ کہ خلعت کے ہجوم کے باعث گلی کا راستہ بند ہو رہا ہے۔ میں بھی وہاں ٹھہر گئی۔ قہقہہ کا اتنے میں آپ سہا ہی گھوڑے پر سوار میرے پاس سے گذرا۔ میں نے دیکھا کہ اُسکی جیب میں شہزاد کی تھیلی پڑی ہے اور تھیلی کا ڈھول با برنگ رہا ہے۔ میں نے موقع کو عنایت سمجھ کر جھپٹا مارا۔ اور تھیلی نکال اپنی جیب میں رکھ لی۔ لیکن سپاہی کو بھی پیری کر قوت معلوم ہو گئی۔ پہلے تو اُسکو اپنی جیب کو ٹولا۔ پھر تلواد کا ایک ہولاجھے مارا۔ میں فوراً زمین پر گر پڑا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے اور مجھے بیگناہ تصور کر کے سپاہی کے گھوڑے کی نگام مقام لی۔ کہ بتاؤ نہ اس عزیز کو کچل مارا ہے۔ وہ چلا یا کہ یہ میل چور ہے۔ یہ شک میں اُٹھا۔ اور میرے کانوں میں مختلف آوازیں آنے لگیں۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ بیگناہ ہے۔ کسی کے منہ سے نکلتا تھا۔ کہ نہیں بھولی موت تو انہر نہ جانا چاہئے۔ مگر عام رائے میری بیگناہی کی طرف مائل تھی۔ اسلئے مجھے اُس سے چھین رچھڑانا چاہئے تھے۔ کہ اتنے میں قاضی شہر بھی وہاں آ پہنچا۔ اور خلعت کا ہجوم دیکھ کر

میں انکے ساتھ ہر لیا۔ اور اندر مہاکے ایک بہت خوبصورت بارہ دری دکھی۔ جس کے ارد گرد  
 نہایت نفیس جالی کا کام ہو رہا تھا۔ اسکے سوا ایک پائیں لٹے بھی لپا یا جس میں رنگا  
 رنگ کے پتوں لہار اور بھلہ اور مختلف رنگے تھے۔ ہنر خیز رہی تھی۔ فوارے چھوٹے چھوٹے  
 اور پتوں سے لگائیاں لگا رہے تھے۔ پھر وہ لڑکیاں مجھے ایک اور خوبصورت مکان میں  
 لے گئیں۔ جہاں ایک عجیب پر لٹائی کا کام ہو رہا تھا۔ اور درمیان میں لاچورو کے نقش و نگار بنے ہوئے  
 تھے۔ اسکا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ میں وہاں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک لڑکی نے اپنی بیگم  
 کو میرے آنے کی خبر دی۔ وہ فوراً شانہ لہاس پہنے اسی کمرے میں تشریف لے آئی۔  
 جہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور دوڑ کے مجھے گلے لگا لیا اور ہنس کے پوچھنے لگی۔ آیا میں خواب  
 دیکھ رہی ہوں یا فی الحقیقت ہی تم نے میرے غریب خاں کو رونق بخشی ہے۔ میں نے عرض کیا  
 صاحبہ! میں تو آپ کا غلام ہوں۔ وہ بولی میرے صاحب! جس دن سے میں نے آپ کو دیکھا  
 ہے۔ نہ سونے کی لذت رہی ہے اور نہ کھانا اچھا لگتا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ!  
 آپ کی جدائی میں میرا حال اس سے بھی ہتر ہو رہا ہے۔ پھر وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔  
 اتنے میں دسترخوان چٹا گیا۔ اور لونڈیوں نے امیرانہ کھانا سامنے رکھ دیا۔ ہم وہ لٹے بیٹھے  
 خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اور سارا دن پیار و محبت کی باتوں میں مشغول رہے۔ کہ رات ہو گئی  
 پھر لونڈیوں نے رات کا کھانا سامنے لا رکھا۔ میں سچ کہتا ہوں۔ وہ کھانا اس تکلف کا  
 رہتا۔ کہ میں اپنا گھر سمجھ لگیا۔ غرض کھانا کھا کر شراب ناب کا دور چلنے لگا اور اسی طرح آدھی  
 رات تک ہم رنگ رلیوں میں مشغول رہے۔ ہمارے باتوں کا سلسلہ لٹے میں ہی نہ آتا تھا  
 جسے کہ رات زیادہ گزر جانے کے سبب ہم سونے پر مجبور ہو گئے۔ اس رات کے تلف کما  
 میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا۔ غرض صبح ہوئی۔ اور بیٹھے وہ پچاس دینار کی تھیلی لے کر  
 کے نیچے رکھ کر بادل گریاں اپنی محبوب سے رخصت طلب کی وہ بھی رخصتی ہوئی۔ اور کہنے لگی  
 میں پھر کب آپ کے خوبصورت چہرے کو دیکھ سکیں گی۔ میں نے کہا۔ میں شام کو ضرور حاضر ہو لگا  
 یہ کہہ کر آیا اور دیکھا۔ کہ گدھے والا امیر انتظار کھڑا ہے۔ میں گدھے پر سوار ہو کر گھر آئے  
 میں آیا۔ اور اسے نصف دینار دیکر غروب آفتاب کے وقت پھر آنے کی ہدایت کر کے

کی کیا ضرورت تھی؟ بولی مینے جھوٹا وعدہ تو نہیں کیا۔ مینے گیارہ سو درہم اٹھائے اور اس سے باتوں میں مشغول ہو گیا اور باتوں ہی باتوں میں اپنی محبت اور بیکاری کا حال بھی ظاہر کیا وہ بے کچھ جواب دئے و ماں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ جا وہ جا بہت دور نکل گئی مگر میرا دل بھی اُسکے ساتھ ہی تھا۔ مجبور ہو کر اُس دوکان سے اٹھا اور اُس کے نقش پا پر چلتا گیا۔ ابھی متوڑی دیر چلا تھا کہ ایک لڑکی نے اُسکے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دئے مینے مڑ کے دیکھا تو اُسی بی بی کی لڑکی تھی۔ میں بڑا حیران ہوا۔ لڑکی بولی۔ صاحب میری بی بی آپ کو یاد کرتی ہے۔ میں اُسکے ساتھ ہو لیا۔ اور وہ مجھے مراٹ کی دوکان پر لے گئی جہاں اُسکی بی بی کھڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ صاحب آپ کی محبت نے میرے دل میں بھی قرار پکڑ لیا ہے۔ اور جیسا سے مینے آپ کو دیکھا ہے۔ نکھانا اور سونا تک بھی بھول گیا ہے۔ مینے جواب دیا۔ بیگم صاحبہ! اس سے کوئی بڑی حالت میری ہو رہی ہے۔ مگر میں شکایت نہیں کرنا۔ وہ کہنے لگی اچھا۔ تو یا تم میرے ساتھ چلو۔ باہیں متلے اُل چلتی ہوں۔ مینے جواب دیا کہ میں آپ کے شہر میں مسافرانہ ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اور وہ جگہ آپ کے لائق نہیں۔ البتہ اگر آپ کے دو ٹھکانہ کاپتہ ہو۔ تو وہاں حاضر ہو سکتا ہوں۔ اُسے کہا بہت اچھا۔ کل نماز کے بعد کوچہ جانیہ میں ہینچکرانی شام کے محل کاپتہ پوچھ لیجو۔ میں وہی رہتی ہوں۔ مگر دیر نہ کرنا۔ مین انتظار میں رہو گی۔ ان باتوں کے بعد ہم نے اپنا اپنا راستہ لیا۔ اور میں سرائے میں ہینچکرانی لیٹ رہا۔ رات بڑی مشکل سے جاگ کر گذری۔ جب صبح ہوئی میں اٹھا۔ اور کپڑے بدلتے غط لگایا۔ اور پچاس دینار کی بھیلی جیب میں ڈال کر اُسی خاتون کے گھر کا راستہ لیا۔ راہ میں ایک گدما سواری کے لئے کراہ پر لیا اور گدھے والے نے بہت جلد مجھے نزل مقصود پر پہنچا دیا۔ مینے اُسے چوتھائی دینار دیکھ کر کہا۔ کل اس وقت سواری میری یہاں آچاہو۔ اور مجھے واپس لے چلو۔ بہت خوب کہہ گدھے والے نے اپنا کراہ لیا۔ اور چلتا بنا۔ مینے اُسے بڑھ کر روک دیا۔ کھٹکھٹایا۔ اندر سے دو چھوٹی چھوٹی ماہ پارہ لڑکیاں نکلیں۔ اور مجھ سے کہنے لگیں۔ جلدی صاحب ہماری بیگم صاحبہ آپ کو دیر سے یاد کر رہی ہیں۔ بلکہ رات بھی بیکاری ہی میں کافی ہے۔

نے بہت پسند کیا۔ اور کہنے لگی۔ کہ کل تک کی ہمت ہو۔ تو میں کل اُسکی قیمت بھجوا دوں گی۔  
 بعد الدین میری طرف اشارہ کر کے بولا۔ بیگم صاحبہ! یہ تھان اس نوجوان کا ہے مجھے  
 کو کوئی عذر دینے میں نہیں۔ مگر اس سے میری شرط یہ ہے۔ اس ہفتہ میں آج تک  
 جو کچھ بکا ہو۔ میں اُسے قیمت دیدوں۔ یہ سنکر اُس بی بی نے کہا۔ تم لوگ بڑے بد لحاظ  
 اور طواغیت ہو۔ آج تک میں تمہیں من مانا منافع دیتی رہی ہوں۔ اور آج ایک نکستی  
 بات کے لئے سب کچھ بھول گئے۔ یہ کہہ کر تھان پھینک دیا اُس سے اُسٹھ کھڑی ہوئی۔ جب  
 بیٹے دیکھا۔ کہ اب وہ جلی ہی جا بیگی۔ تو بیٹے آواز دی۔ بیگم صاحبہ! ذرا تشریف لائیے۔  
 ایک تدریج بیٹے نکالی ہے۔ تھان لیتی جا بیگے۔ وہ ہنستی ہوئی لوٹ آئی۔ اور تھان اٹھکے  
 بیٹے اُس کے حوالے کر دیا۔ کہ آپ اسے لیجا بیٹے۔ اور قیمت دیں یا نہ دیں۔ اور بعد الدین  
 سے کہا۔ کہ ایک ہزار درہم کی رسید مجھ سے لے لو۔ اور ایک سو درہم اپنے منافع کا میرے  
 حساب میں لکھ لو۔ یہ سنکر وہ خوش ہو گئی۔ اور مجھے دعا دی۔ بیٹے کہا۔ صاحب! ذرا  
 اپنی صورت تو ایک نظر دکھا دیجئے۔ وہ مسکرائی اور برقعہ اٹھا کر میری عقل کو زائل کر دیا  
 پھر جھٹ پٹ اُس نے برقعہ اوڑھ کر اپنی راہ لی۔ اور مجھ سے کہتی گئی۔ صاحب! آپ  
 اطمینان رکھئے گا اسی قیمت آپ کو آج شام تک مل جا بیگی۔ وہ تو یہ کہہ چلی گئی۔ مگر  
 اُس کی محبت میں میرا حال بُرا ہو رہا تھا۔ پھر بیٹے تاجر سے پوچھا۔ تم اس بی بی کی نسبت  
 کچھ ہو بھی جانتے ہو۔ وہ بولا۔ یہ ایک امیر زادی ہے۔ اس کا باپ مر چکا ہے۔ اور  
 یہ بہت بڑی جاہلاد کی مالک ہے۔ یہ سنکر بیٹے بعد الدین سے اجازت لی۔ اور سرائے  
 کو چلا آیا۔ اسی حال میں رات بھی آگئی۔ میرا کھالے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ناچار بیٹے سر نہ  
 لیٹ لیا اور پڑ گیا۔ اور ساری رات تڑپ کر کائی۔ بڑی مشکل سے صبح ہوئی۔ اور میں  
 حمام کر کے لباس پہنکر اُسکھا نا کھانے کے بعد الدین کی دکان کو روانہ ہوا۔ وہاں بیٹھے زاوہ  
 دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ کہنے میں وہی بی بی لونڈیوں کے جھرمٹ میں وہاں آگئی۔ اب کے  
 اُس نے کل سے پیش قیمت لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر میں سلام کے لئے  
 اٹھا۔ وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور کہنے لگی۔ یہ تو اپنی قیمت۔ بیٹے کہا۔ اسی جلدی

جس کا نام سرائے خاں مسرور ہے۔ رات بھر وہاں آرام کر کے اگلے دن سینے بازار کا رخ کیا۔ کہ  
 شہر کا رنگ و صنگ دیکھوں۔ اور اسباب کی گھڑیوں سے تھوڑے تھوڑے قیمتی تھان نکال کر  
 اپنے غلاموں کے سروں پر رکھوائے۔ جب میں چوک میں پہنچا۔ دلالوں نے مجھے آگھیرا۔ اور  
 اپنے آنہیں نوٹے دیکر اسباب بیچنا شروع کیا۔ وہ سامان بہت جلد بک گیا۔ اور میں شہر  
 کی سیر کرتا ہوا سرائے کو چلا آیا۔ اسی طرح ہر روز کچھ سامان لیجاتا اور وہاں بیچ کے چلا آتا۔  
 لیکن ہر روز کے آنے جانے کی مجھے بڑی تکلیف تھی۔ اسلئے دلالوں کے سردار نے مجھے صلاح  
 دی کہ اگر تم ہم پر اعتماد کرو۔ تو ایک ہی دن سارا سامان لاکے شہر کے بڑے بڑے تاجروں  
 کو دے جاؤ۔ اور ہفتے میں دو دن آکے اپنا حساب لیجایا کرو۔ اس طرح سے تمہارا اسباب  
 بھی اچھے داموں پر بک جائیگا اور بیچنے والوں کو بھی فائدہ ہوگا۔ اور تم شہر اور اس کے  
 مصافحات کی سیر و سیاحت کے لئے بھی کافی وقت پاسکو گے۔ میں نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور  
 دلالوں کو اپنے ساتھ سرائے میں لیجا کر انکی معرفت سارا مال شہر کے توفاداروں کو دیدیا۔  
 اور ان سے تسک لکھوا لئے۔ شرط یہ تھی کہ ایک ماہ تک ان سے کچھ نہ پوچھوں۔ اور  
 ایک مہینہ بعد ہفتے میں دو دفعہ پیر اور جمعرات کو فروخت و بقایا کا حساب کر آیا کروں۔ یہ  
 فیصلہ کر کے میں اپنے ڈیرے پر آکر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اور دل کھول کر تاجر کی  
 سیاحت کی۔ جب وہ مہینہ گزر گیا۔ میں نے حسب قرار و پیر اور جمعرات کو اپنی اسامیوں کے  
 جاکر تقاضا کرنا شروع کیا۔ لیکن میں حرام کر کے اور کپڑے بد نکرا ایک تاجر کی دوکان پر جس کا  
 نام بدر الدین بستانی تھا بیٹھا ہوا تھا۔ کہ وہاں ایک عورت آگئی جس کے لباس فاحشہ سے  
 شان اورت شکستہ تھی۔ اور آتے ہی بدر الدین کو سلام کیا۔ بدر الدین نے بھی بڑی عزت  
 سے جواب سلام کا دیکر اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بڑے ناز و انداز سے میرے پاس بیٹھ گئی۔  
 جس سے میرا دل اسپر لٹو ہو گیا۔ اور جب اس نے منہ سے برقعہ کی حالی پٹائی۔ اس کے  
 چاند سے رخساروں اور سحر آمیز آنکھوں کو دیکھ کر تو میرے حواس ٹھکانے نہ رہے۔ ہوائیں  
 بی بی نے بدر الدین سے زرباف کا ایک تھان بڑھیا میل کا طلب کیا۔ بدر الدین نے  
 فوراً ایک تھان گیارہ سو درہم کا نکال کر اس بی بی کے سامنے رکھ دیا جسے اس بی بی نے

ہوتا ہوں۔ یہ کہکرتوں کا نور بھیجے دیکھے وہ جوان واپس سے چلے آیا۔ میں وہ نمونہ لیکے سودا گروں کے پاس گیا۔ اور انہوں نے فی من ایک سو دس منہم دینے قبول کر لئے۔ میں بہت خوش ہوا۔ کہ بکافت نافذہ مشاق ہو گیا۔ پھر میں خریداروں کو ہراہ لیکے اُس جوان کے بتائے ہوئے پتہ پر گیا۔ آگے وہ میرا منتظر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر اٹھا اور ذخیرے کی طرف لیچا۔ گو دام میں جا کر ہم نے سارے آٹے ملوائے۔ کل پچاس من اترے۔ مینے انکی قیمت کے پانچ ہزار درہم گن گئے۔ جو ان کے سامنے بوجیر کر دئے۔ وہ بولا۔ پانسو درہم تم اپنی حق دلالی علیحدہ کر لو۔ اور چار ہزار پانسو درہم میری امانت اپنے پاس رکھو جب ضرورت ہوگی لے لوں گا۔ بیٹے جواب دیا۔ بہت اچھا۔ اس سودے کے ہو چکنے کے بعد میں اُس سے وداع ہر آیا۔ اور پھر ایک مدت تک میں نے اُسے نہ دیکھا۔ ایک دن مہینہ بھر بعد لیکھا کہ وہ میری دوکان پر آکھڑا اٹھا بیٹے کہا ذرا ٹھہرے یہی حاضر کئے ویتا ہوں۔ اُسے جواب دیا۔ خیر اپنے پاس ہی رکھو۔ یہ کہکروہ چلتا ہوا اور پورا ایک مہینہ غائب رہا۔ اُس کے بعد وہ دوبارہ آگے اپنی امانت طلب کر لے لگا۔ بیٹے کہا۔ صاحب ذرا اترتے۔ کھانا کھائے۔ ابھی آپکی امانت حاضر ہوئی جاتی ہے۔ مگر وہ پھر چپ چاپ چلے آیا۔ ایک مہینے کے بعد پھر آیا۔ اب کے وہ پہلے سے بیش قیمت نافذہ لباس پہنے تھا۔ مینے عرض کی۔ میرے صاحب! آج تو میرے گھر پر قدم رنجہ فرمائیے۔ جو ان لے اس شرط پر اترنا قبول کیا۔ کہ میں کوئی تکلیف نہ کروں۔ مینے اُسے نظر کر کیا اور گھر لاکر بھی اُلفت سے اُسے کھانا کھلایا۔ اس عرصے میں مینے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ جوان دریں کی جگہ بائیں ہاتھ سے لقمہ اٹھاتا تھا جب ہم کھانے سے فراغت پا چکے مینے اُس سے اُس کی وجہ پوچھی۔ یہ سنکر اُس نے ایک آہ سر و بھری۔ اور دہانہا تھہ استین سے نکال کر دکھایا۔ وہ کھانی سے کٹا ہوا دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اُس نے کہا۔ صاحب! تعجب نہ کرو۔ مینے ہاتھ کے سٹے ہونے کا سبب دریافت کیا۔ جو ان بولا۔ میرا قصہ بڑا عجیب ہے۔ میں بغداد کا رہنے والا ہوں۔ اور میرا والد واپس کا خوشحال رئیس تھا۔ میں سیاحوں اور تاجروں سے ہمیشہ مصر کی خبریں سن سکر مشاق سیاحت بڑا کرتا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد میرا باپ مر گیا اور میں بہت سی جائداد کا وارث بنا جسے بیکھر بیٹے مصر کا ایرا وہ کیا۔ وہاں سے سامان تجارت لیکر قاہرہ میں آ پہنچا۔ اور ایک سرائے میں ٹھہر گیا۔

تصویر دربار شاہی کی معہ کثرت اور حکیم بیٹوی اور مودی اور نصرانی اور ہندی کے



بادشاہ سب حکایت سنکر بڑا حیران ہوا۔ اور حاضرین دربار سے منی طلب ہو کر بولا۔ تم میں سے  
 کسی نے ایسی سرگزشت سنی ہے۔ یہ سنکر نصرانی سوداگر آگے بڑھا۔ اور عرض کی کہ اگر حضور  
 انور ارشاد فرمائیں۔ تو میں اپنی سرسبزی سناؤں۔ جو یقیناً اس سے عجیب تر اور دلنشین ہے  
 بادشاہ نے اجازت دی اور نصرانی سوداگر نے زمین خدمت کو بوسہ دیکر یوں عرض کرنا شروع  
 کیا۔ یا حضرت امیر امولہ تھم دار السلطنت فاہرہ ہے۔ اور تقدیر عجیب طریقے سے مجھے آپ  
 کے ہاں لے آئی ہے۔ میرا باپ ولال تھا۔ جب وہ مر گیا میں نے بھی وہی پیشہ اختیار کر لیا اور  
 اس پیشے میں مجھے خاص آزمائش تھی۔ ایک دن میں اپنی دوکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک خوبصورت  
 نوجوان لباس فاخرہ پہنے ہوئے میرے پاس آیا۔ وہ اسوقت ایک بیش قیمت خنجر پر سوار تھا  
 آتے ہی اس نے مجھ سے السلام علیک کہی میں نے بھی جواب سلام کا چڑھائی شائستگی سے دیا  
 اور نظم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔ اور بلوں کا نمونہ دکھایا کہ یہ تل بہاں  
 پر کتنی بھروسے کے ہیں کیونکہ مجھے فوراً جواب دیا۔ ایک من کے ہو درمحل سیکھ گئے۔ جوان یہ سنکر لڑکا  
 اگر کوئی خریدار ہوگا اسے میرے پاس بابا البحر کے پتے پر لے آنا۔ وہاں میں ایک سرسے میں



وہ یہودی حکیم نظر آیا۔ اور چلا کر بولا۔ بھائی جلاؤ! یہ یہودی بھی بیگناہ ہے۔ اس کبرے کا  
 قاتل میں ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ جلاؤ حیران ہو کر اسے بھی حاکم کی خدمت میں لیگیا اور یہودی  
 حکیم نے ساری سرگزشت سنا کر عرض کیا۔ خداؤ میں نہیں جانتا کہ میرے سبب سے ایک  
 دوسرا بے گناہ بھی مارا جائے۔ حاکم بولا! اچھا تو اسے ہی سہی۔ ایک کے عوض ایک کی  
 جان ضرور لی جائے گی۔ جلاؤ دتے فوراً پھانسی کا رستہ یہودی کی گردن سے نکال کر حکیم جی  
 کے گلے میں ڈال دیا۔ اور انکی حکمت کا خاتمہ ہوا یہی چاہتا تھا۔ کہ پھر ایک طرف سے نور و نور  
 کی آواز آئی۔ دیکھا تو وہی درزی جلاؤ کو پکار رہا تھا کہ میاں! اور ایک ٹھہر جاؤ حکیم بیگناہ  
 مارا جاتا ہے۔ اصلی قاتل میں ہوں۔ میاں جلاؤ اسے بھی حاکم کے پاس لیگیا۔ وہاں درزی  
 نے اپنی سرگزشت سنا کر کہا۔ یا حضرت! حقیقی گنہگار میں ہوں۔ حاکم بھائی حیران ہوا۔ مگر  
 اس نے جلاؤ سے کہہ دیا۔ کہ اچھا درزی کا بچہ ہی اُدھیر ہو۔ کیونکہ خون کا خون ہی خون  
 ہو سکتا ہے۔ ابھی یہ لوگ اتنی باتوں میں تھے کہ شاہی باڈی کارٹو کا افسر بھی سپاہیوں  
 کے ساتھ وہاں آبراجا۔ اور اس لئے کبرے کی لاش کو اٹھا کر آگے رکھ لیا۔ اور درزی  
 حکیم۔ یہودی۔ نصرانی کو بھی سزا میں لیکر بادشاہ کی خدمت میں لیجلا۔ اسکی وجہ  
 یہ تھی کہ وہ کبریاں شاہی سترہ تھا۔ اور اس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو دربار شاہی میں حاضر  
 ہو کر بادشاہ کو اپنی باتوں سے خوش کیا کرتا تھا۔ جب اسدن خلاف معمول دیر ہوئی  
 تو بادشاہ نے اس کی غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ اُس نے دربار نے عرض کیا۔ کہ کل  
 شام کو وہ شراب پی کر نکلا تھا اور آج صبح اس کی لاش پائی گئی۔ ایک نصرانی سواگر  
 گرفتار ہوا تھا۔ جب حاکم شہر کے حکم سے جلاؤ اسے پھانسی دینے لگا تو یکے بعد دیگرے  
 تین شخص بھڑ میں سے آگے آگئے کہ اس شخص کے قاتل ہم ہیں۔ اب آخری شخص کے  
 حق میں پھانسی کا حکم صادر ہوا ہے بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً جاؤ۔ اور حاکم سے کہو  
 کہ کبرے کی لاش کے ساتھ چاروں اشخاص کو میری پٹی میں بچھو۔ جب وہ لاش  
 اور چاروں مجرم دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ اور حاکم شہر بھی آگیا تو بادشاہ نے  
 اس سے ساری کہانی دریافت لی۔ حاکم نے جو دیکھا سنا تھا۔ حضور عالی کے گوش گزار کر دیا

ساری کسر پوری کئے لیتا ہوں۔ یہ کہہ دو قین لائیں تیرا تیرا اسکے سر پر جاویں۔ غریب کی کمرے  
 میں ہو کر گر پڑا۔ مودی بھاگ چور مر گیا۔ اب مجھ سے شادی مواخذہ ہو گا۔ اور صبح کو میں چھانی پر  
 لٹکایا جاؤں گا۔ پھر وہ پچھتا نے لگا۔ کہ میں نے یہ سب کچھ توئی ہی بات کے لئے آج اپنے سر پر ایک بند  
 خدا کا خون لیا۔ لیکن اب بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مبادا صبح ہو جائے اور میں دھر لیا جاؤں۔ یہ  
 سوچ کر اُسے کدھول پر لٹک لیا۔ اور بازار میں لپکا کر ایک دوکان کے ساتھ کھڑا کر آیا۔ اتنے میں ان  
 سے ایک نصرانی کا گندہ ہوا۔ جو شراب کے نشے میں چور ہو رہا تھا۔ وہ نصرانی کام کے لئے جا رہا تھا  
 جب کمرے کے قریب سے گذرا۔ اس کا ماتہ بے چھو گیا۔ نصرانی نے نشے میں اُسے چومنا شروع کر دیا  
 کہ گویا وہ اُس کی پگڑی اچک لینے کہے۔ اس خیال کے آتے ہی غریب کمرے کی لاش کو  
 دو بے تحاشہ لات گھونٹے مارنے لگا۔ اور گرا کر اوپر چڑھ بیٹھا۔ صبح کے پچیس کی روند آگئی  
 اور روند کے افسر نے یہ دیکھ کر کہ ایک نصرانی ایک مسلمان کو مار رہا ہے۔ اسے گرفتار کر لیا  
 اُس نے جب کمرے کو دیکھا تو اُسے مردہ پا کر وہ اور بھی خفا ہوا۔ اب تو نصرانی کا نشانہ ہرن  
 ہو گیا۔ اور وہ جلا جلا کر عیسیٰ مسیح کو شمع قرار دینے لگا۔ کہ خدا کی قسم میں اسے نہیں مارا  
 مگر افسر روند کے کچھ پر واہ نہ کی اور اسے حاکم شہر کے پاس لیگیا۔ حاکم نے حکم دیا۔ کہ صبح  
 ہونے تک انہیں لیکر یہیں بٹھرو۔ پھر جلاؤ کو اشارہ کیا۔ کہ کل صبح نصرانی کے لئے سولی تیار  
 کر کے شہر میں لٹا دی کرو۔ کہ ایک نصرانی سوا کر ایک کمرے کو قتل کرنے کے عوض میں  
 چھانی دیا جائیگا جسے دیکھنا ہو آکر دیکھے۔ جب صبح ہوئی اور منادی ہو چکی۔ تو اُس  
 نصرانی کو سولی کے قریب لاکھڑا کیا۔ اور جلاؤ اُس کے گلے میں رسی ڈال کر چاہتا تھا۔ کہ  
 جھٹکائے۔ اتنے میں بادشاہی مودی آگے بڑھا۔ اور پکار کر کہنے لگا۔ اسے جلا دیا  
 ذرا ٹھہر جا۔ اس کمرے کا قاتل میں ہوں۔ یہ نصرانی بیگناہ سے اللہ میں نہیں چاہتا۔  
 کہ وہ سزا خون بھی میرے ہی سبب سے ہو۔ جلاؤ اسے حاکم شہر کے پاس لیگیا۔ اُس نے  
 جواب دیا۔ کہ جب یہ شخص جرم قبول کرتا ہے تو نصرانی کی جلاؤ اس کو لٹکا دو۔ مقدمہ تو خون کے  
 عوض سے ہے۔ جلاؤ نے اُس کے گلے میں سے رسی نکال کر مودی کے گلے میں ڈال دی  
 اور چاہتا تھا کہ ایک ہی جھٹکے میں اس کا قبضہ کر دے۔ کہ اتنے میں بھیڑ کو چھڑتا ہوا

بھی اپنے خاوند کی تائید کی۔ پھر کپڑے کو کپڑے میں لپیٹ کر درزی نے اٹھالیا اور اس کی عورت  
 پیچھے پیچھے ہوئی۔ جو شخص اُسے راہ میں پوچھتا اُسے عورت جواب دیتی کہ میرا لڑکا چھک سے  
 بیمار پڑا ہے اور اس وقت اس کی حالت ازلک ہو گئی تھی اسلئے اُسے حکیم جی کے پاس لئے  
 جاتے ہیں۔ عرض جس طرح ہو سکا وہ ایک یہودی طبیب کے دروازے پر پہنچ گئے اور دروازی  
 کو زور سے کھٹکھٹا دیا۔ اوپر سے ایک کالی بھلی لڑکھی آئی اور دروازہ کھٹکھٹانے کا سبب  
 پوچھا۔ عورتی نے جواب دیا۔ بہن! میرا لڑکا چھک سے سخت بیمار ہے۔ عیسائے  
 حکیم جی کو دکھانا چاہتا ہوں۔ مہربانی کرو۔ اگر حکیم جی کو اوپر سے کلا دو۔ ساتھ ہی ایک  
 چڑھائی و نیار اس کی منجھی میں دیدیا۔ لڑکھی خوش خوش اُلے پاؤں امیر چڑھ گئی حکیم  
 کا دروازہ کھلا کر درزی کو موقع بڑھانیت معلوم ہوا۔ اور اپنی عورت سے کہنے لگا۔ آؤ۔ اسے  
 یہیں پھر کر چلے۔ عورت کو بھی یہ دیکھتا آئی۔ اور دونوں نے کپڑے کو دیوار کے سہارے کھڑا  
 کر کے فوراً اپنی راہ لی۔ اور لڑکھی نے اپنے آقا کے ماتہ پر وہ ریح و نیار رکھ کے کہا۔ جو شخص  
 ایک ریل میں کوئے پیچھے کھڑے ہیں۔ ورنہ میرے جاکر اُنکی خبر لیجئے۔ حکیم جی ریح و نیار دیکھ کر بھول  
 گئے اور فوراً زینوں سے کھٹکھٹ کرے اتر آئے۔ آخری زین پر پہنچا کہ اس کپڑے کو دھکا  
 لگا۔ اور تھپانے کا جسم و عروام سے زمین پر گرنا۔ یہ دیکھ کر حکیم جی سے خواہش گئے تھوڑے  
 اور وہ کپڑا رکھنے لگے کہ حالت ماؤ گلینے ورنہ اس مریض کو نہیں مارا۔ مگر فوراً سنبھل گئے کہ اگر  
 صبح ہونے تک یہ لاش یہیں پڑی رہی تو اپنی خیر نہیں۔ یہ سوچ کر اپنی عورت کو بلایا کہ سبلی  
 لاش! اس ہلاکے ناگہانی کو کسی طرح سے سرے ٹال۔ پھر دونوں نے صلح کر کے اتفاق کر کے  
 کیا کہ اسے اپنے مسلمان ہمسایہ کے تلے والے کوٹھے میں رکھا دینا چاہئے جو شاہی سودی  
 بھی ہے۔ وہ آپ ہی اس کا بندوبست کر لیا۔ یہ رائے قائم کر کے دونوں نے اُس کپڑے کی لاش  
 کو اٹھایا۔ اور روشندان کے راستے سودی کے گھر میں لٹکا کر بچھا ہو گئے۔ اس سودی کے گھر  
 غلے کے سبب سے چوبوں کی کثرت تھی۔ حتیٰ کہ غریب مسلمان اُنکے ماتہ سے تنگ آ گیا تھا۔ اس آٹ  
 کو جب وہ چائے ماتہ میں لئے اندر آیا۔ کہ کپڑے کو اندر کی بجاری میں کھڑا دیکھ کر حیرت کیا اور کہنے لگا  
 کہ چوبوں پر میں نامی کو لٹکا کر تھا۔ بدخوات قہری میری جنس چور لیا یا کرتا ہے۔ مگر تو رت

# الف لیلہ جلد دوم

## درزی۔ کبرے۔ یہودی۔ مودی اور نصرانی کی حکایت

اگلے دن جب صبح ہونے کو تھی۔ ملکہ شہزادہ نے شہر بار سے اجازت لیکر۔ درزی۔ کبرے۔ یہودی۔ مودی اور نصرانی کی حکایت یوں بیان کرنی شروع کی۔ کہ پچھلے زمانے میں جن کے کسی شہر میں ایک فارغ البال درزی رہا کرتا تھا۔ وہ اور اسکی زوجہ لہو ولعب کے برتنے شایق تھے۔ اور دنیا کے عجائبات کی سیر و سیاحت سے جی بہلایا کرتے تھے۔ ایک دن شام کے وقت وہ دونوں کہیں کو جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کبرے کو دیکھ کر ٹھہر گئے۔ جو لوگوں کو ہنسنا پسند کروہرا کر رہا تھا۔ یہ کیفیت ملاحظہ کر کے درزی نے فرمایش کی۔ کہ اگر آج رات ہمارے گھر پر بے سر کرو تو بڑی عنایت ہوگی۔ کبرے نے انکی دعوت کو رو کر ناخلاف آدمیت سمجھا۔ اور انکے کے انکے ساتھ ہو لیا۔ گھر چھینچ کر درزی نے کبرے کو ایک آرام کی جگہ پر بٹھا دیا۔ اور آپ بازار سے کھانا لانے چلا گیا۔ جہاں سے مچھلی۔ روٹی۔ لیموں اور مٹھاس خرید کے وہ بہت جلد لوٹ آیا۔ پھر وہ قینوں و دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کبرے کو پچھلی بہت بھائی۔ اور اس نے بلاتال انکھا کھانے کے اُسے کھانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی تعریف بھی کرتا تھا کہ میں عمر بھر میں ایسی لذیذ مچھلی کبھی نہیں کھائی۔ کہ اتنے میں یکا یک خاموش ہو کے گر پڑا۔ بات یہ ہوتی کہ جلدی میں وہ کاشانہ نکال سکا۔ اور نہ ہی اُسے نکل سکا۔ اسلئے کاشانے میں اٹکا گیا۔ اور سانس کی آمد و رفت رک گئی۔ ان عورت خاوند کو بڑا ٹکر پڑا۔ کہ کبھی دعوت کی۔ کل جب دن نکلے گا اور عوام میں یہ خبر مشہور ہوگی۔ تو یقیناً مجھے خون بہانے کے لئے پھانسی پر لٹکانا ہوگا۔ یہ سوچ کر اُسے اپنی عورت سے کہا کہ آؤ۔ جس طرح جو کچھ اس گنجت کو راتوں رات گھر سے باہر نکال آئیں۔ وہ بھی متفکر ہو رہی تھی۔ اسلئے اُسے

بدر الدین نے اُسے پہچانکر کہا۔ آپ نے ہی میری دوکان گرا دی۔ اور مجھے قید کر کے تکلیف دی۔ پھر کل سولی کا حکم دیا تھا۔ محض اسلئے کہ میں نے مرج سیاہ کیوں ناقص ڈال دی تھی۔  
 شمس الدین بھی ہنس پڑا اور کہا بنی خدا کا شک ہے۔ کہ میں تم کو صبح و سلامت پاتا ہوں میں تمہارا چچا ہوں۔ اور جب مجھے معلوم ہوا کہ میری لڑکی کی شادی کبڑے سائیس کی جگہ تہلے سے ساتھ ہوئی ہے تو مجھے خوشی ہوئی تھی۔ مگر تمہیں نہ پا کر ہمیں سخت پریشانی اٹھانی پڑی۔ لیکن آمدن و مشتق میں پا کر جو سلوک تمہارے ساتھ روا رکھا گیا وہ محض اسلئے تھا۔ کہ اگر یک بیک تمہرے حقیقت حال کا اظہار کروا گیا۔ تو تمہیں شادی مرگ نہ ہو جائے۔ پس اس دھنگ سے میں تم کو اپنے گھر لایا۔ اور وہ لڑکا جس نے تمہاری دوکان پر قفلیاں کھائی تھیں تمہارا ہی بیٹا ہے۔ اور اب میں تمہاری والدہ کو بھی خبر دیتا ہوں۔ جو ابھی بے آب کی طرح تمہاری یاد میں ترپ رہی ہے۔ پھر اُسے وہ سرگزشت سنا دی۔ جو نور الدین کی غریب الوطنی کا باعث ہوئی تھی۔ پھر وہ دو نور و رخسار لگے۔ اور جب رور و کرول ہلکے ہو گئے تو بدر الدین کی والدہ اور عجب کو بھی دہاں بنوا یا گیا۔ وہ سماں نہایت ہی رقت خیز تھا۔ جب عجب بہ الدین کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ تو وہی علوانی ہے جسے میں نے چھرا تھا۔ شمس الدین نے کہا بیٹا! یہی تیرا باپ ہے۔ بدر الدین نے اُسے گلے دگایا اور بدر الدین کو اُسکی والدہ نے۔ پھر شمس الدین سلطان مصر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سفر کا حال سنایا۔ بادشاہ اُس کے سننے سے نہایت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس تمام سرگزشت کو سرخ شادی تاریخ میں لکھ کر خزانہ میں رکھو۔ وزیر جعفر جب یہ قصہ تمام کر چکا۔ تو خلیفہ سے درخواست کی۔ کہ حضور اور میرے غلام کا قصور بھی معاف فرماویں۔ چنانچہ خلیفہ نے اُس غلام کا قصور بھی معاف کر دیا اور اُس جوان کی بیوی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر کے جس نے دھوکے سے اپنی بی بی کو مار دیا تھا کچھ دربانہ زاریں بھی اُسکے لئے مقرر کر دیا۔ بلکہ شہزادہ یہ قصہ بیان کر کے بولی۔ خداوند! اب تو دین بیکل نہایا ہے اگر کل کی رات جان بخشی ہوئی۔ تو اس سے بھی عجیب تر قصہ بیان کروں گی۔ چنانچہ بادشاہ چپ چاپ

دربار کو چلا گیا۔ اور آج بھی شہزاد کے  
 قتل کا حکم ملتا ہی رکھا ہے

جلد اول تمام ہوئی

میرے ساتھ قظلیاں کھائیں۔ میں نہیں جانتا وہ مجھے کیوں پیارا لگتا تھا۔ اسپہن وہ غلام نصف و بنار لیکہ میری دوکان پر اور قظلیاں لینے آیا۔ اور اس کے تھوڑے ہی گھنٹے بعد میں سپاہیوں نے میری دوکان کو لوٹ لیا اور گر اگر مٹی میں ملا دیا۔ اور مجھے گرفتار کر کے اُس امیر کے سپرد کر دیا۔ جس نے مجھے ایک صندوق میں بند کر دیا۔ صرف اس لئے۔ کہ میں قظلیوں میں سیاہ مروج نہ ڈالی تھی۔ اور صرف شام کو مجھے کھانے کو دیا جاتا تھا۔ اور اس وقت دروازہ کھول کر رفع حاجات کرائی جاتی تھی۔ کل شام کو اُس امیر نے میرے لئے سولی بھی تیار کرائی تھی کہ صبح ہوئی اور مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ اس خوف سے پھر مجھے نیند آ گئی۔ اور جاگا تو اس چیلے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ معصوم کیا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ سب خواب کی باتیں تھیں۔ ست احسن یہ سکر سنس پڑی اور پھر وہ دو نو پینگ پر سو گئے۔ مگر بدر الدین کو نیند نہ آتی تھی وہ حیران ہو کر سوچتا تھا کہ میں کس بات تصویر بدر الدین کی اور وہ اپنے قدیم مکان اور لباس اور بی بی کو گھبرا کے دیکھتا ہے



کو سچ سمجھوں۔ اسی تہذیب میں صبح ہو گئی۔ اور شمس اسیرین اتر آیا اور سلام دیا کہ بچہ

وزیرِ زادی نے پلنگ پرانگڑائی کی کیکڑتہ کپڑے سے باہر نکالا۔ اور بدرالدین کو دروازے میں  
 دیکھ کر بولی۔ صاحب! آپ دروازے میں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ پلنگ پرانگڑے آرام کیجئے  
 کتنی دیر سے میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ کیا آپ بیتِ انخلا کو گئے ہوئے تھے؟ یہ سنکر  
 بدرالدین اور بھی حیران ہوا۔ اور سوچنے لگا۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یا وہ پہلا خواب  
 تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا۔ اسے قفک دیکھ کر ست الحسن نے پوچھا۔ پہلی ہی رات میں آپ  
 ایسے فکر مند کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ بدرالدین ہنسا اور پوچھا مجھے تم سے جدا ہوئے  
 پہلا کے سال ہوئے ہونگے۔ ست الحسن نے کہا۔ واہ اب بول کی بھی ایک کمی۔ صاحب  
 ابھی تو آپ میرے پاس سوئے پڑے تھے۔ اور اُنٹھ کر بیتِ انخلا کو گئے تھے۔ آپ کو یہ کیا  
 ہو گیا ہے۔ جو ایسی بھکی بھکی باتیں کر رہے ہیں۔ بدرالدین پھر بے اختیار کھل کھلا کر ہنس  
 پڑا۔ اور بولا۔ جب میں بیتِ انخلا کو گیا۔ تو وہاں ہی نیند آگئی تھی۔ اور نیند میں کیا دیکھتا  
 ہوں۔ کہ میں دمشق کے دروازے پر پڑا ہوں۔ پھر میں حلوائی بن گیا اور پوسے دس  
 برس وہاں رہا۔ ایک دن میری دوکان پر کسی امیر کا لڑکا اپنے غلام کے ساتھ وارد ہوا  
 اور اُسکے ساتھ مجھے ایک اُلفت سی پیدا ہو گئی۔ مینے اُسے بالائی کی قطبیاں کھلوائیں  
 اور پھر اُسکے پیچھے لگ چلا۔ مگر اُس نے ایک بڑا سا پتھر میری پیشانی پر دے مارا۔ یہ کہہ  
 اپنی پیشانی پر ماتھہ رکھا۔ اور ضرب کا نشان پا کر بولا۔ خدا کی قسم یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا  
 وہ امیر اپنے کسی عزیز کی تلاش کے لئے کہیں آگے کو جا رہا تھا۔ واپس آئے ہوئے وہ لڑکا  
 اپنے غلام کے ساتھ پھر میری دوکان پر آیا۔ اور خوب سیر ہو کر میرے ساتھ قطبیاں کھا کر  
 میں نہیں جانتا وہ مجھے کیوں پیارا لگتا تھا۔ اُس دن وہ غلام نصف دینار لیکر میری دکان  
 کسی امیر کا لڑکا اپنے غلام کے ساتھ وارد ہوا۔ اور اُسکے ساتھ ایک مجھے اُلفت سی پیدا ہو گئی۔  
 مینے اُسے بالائی کی قطبیاں کھلوائیں۔ اور پھر اُس کے پیچھے لگ چلا۔ مگر اُس نے ایک بڑا سا  
 پتھر میری پیشانی پر دے مارا۔ یہ کہہ اپنی پیشانی پر ماتھہ رکھا۔ اور ضرب کا نشان پا کر بولا۔ خدا  
 کی قسم یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ وہ امیر اپنے کسی عزیز کی تلاش کے لئے کہیں آگے کو جا رہا  
 تھا۔ واپس آئے ہوئے وہ لڑکا اپنے غلام کے ساتھ پھر میری دوکان پر آیا۔ اور خوب سیر ہو کر



حادثی کو ایک صندوق میں بند کر کے خچر پر لادو۔ اور یہاں سے کوچ بولدو۔ اور جب شام ہو  
صندوق کا دروازہ کھول کر اسے کھانا دیا جائے گا۔ پھر فوراً وہاں سے کوچ کا حکم دے دیا۔  
حسب الحکم سارا قافلہ وہاں سے چلا۔ اور کئی روز کے بعد مصر میں جا پہنچا۔ شہر سے باہر وزیر  
وہستہ ابجدین کے لئے بٹھ کر گیا۔ جب شام ہوئی اور بدر الدین کو صندوق سے نکالا گیا۔  
ایک خنجر کو اس کے سامنے پلوا کر شمس الدین نے قلم دید کہ کل صبح لکڑی کی ایک پھانسی تیار  
کر لائے۔ بدر الدین بول اٹھا۔ کیوں صاحب! وہ پھانسی کیا ہوگی۔ وزیر نے جواب دیا۔ تمہیں  
اس پر کل لٹکا جایا کریگا۔ اور یہ اُس شخص کی سزا ہے جو قفل میں سیاہ مرچ ناقص ڈالے۔  
یہ سنکر بدر الدین کا لہو خشک ہو گیا۔ اور وہ سوچ میں پڑ گیا۔ شمس الدین نے پوچھا کیا سوچ  
رہے ہو۔ بدر الدین بولا۔ میں سوچتا ہوں۔ کہ اگر تم میں کچھ بھی عقل ہوتی۔ تو میرے ساتھ  
ایسا سلوک ہرگز روا نہ رکھتے۔ شمس الدین نے کہا۔ اب تو کچھ کہو۔ تمہیں کئی لازمی طور پر صلیب  
پر لٹکایا جائیگا۔ اس لئے کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ کوئی شخص ایسا مقصور نہ کرے۔  
پھر اُسے کھانا کھلو کر رفع حاجات کے بعد اُسی صندوق میں بند کر دیا۔ اور خچر پر لاد کر شہر  
کی طرف لیچلے۔ جب اپنے محل میں پہنچے۔ صندوق کو اتروا کر ایک کنا رے میں رکھا۔ اور  
اپنی بیٹی سے مخاطب ہوا۔ کہ بالکل شب عروسی کی طرح تیاری کرو۔ اور صندوق سے جلد  
عروسی کے اسباب کی خدمت اور بدر الدین کا سامان نکال باہر حوں کا توں کر دیا۔ عرض  
حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور وزیر زادی باپ سے کہنے کے بعد جب پنگ پر جا سوئی۔ شمس الدین نے  
اُسے ہدایت کر دی۔ کہ جب تیرا شوہر دروازے سے اندر داخل ہو۔ تو تعجب نہ کرنا۔ بلکہ اس  
تعجب کو رفع کرنے کی کوشش کرنا۔ پھر وزیر نے صندوق کو جلد کے پاس بھجوا دیا۔ وزیر کے  
نوکروں نے اس کے پہلے کپڑے اتار کر شب خرابی کی قبض پھنسا دی۔ وہ سولی کے خوف سے  
ایسی غفلت کی نیند سو رہا تھا کہ اُسے کچھ آہوش نہ آئی۔ حتیٰ کہ جلد عروسی کی دہلیز کے پاس  
کھڑا کر کے نوکر اور نوذریاں ایک طرف ہو گئیں۔ بدر الدین کو جب نیند کی جھومک سے ذرا  
ہوش آئی تو وہ تعجب اور حیرت کے مارے پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اُسے سارا سامان وہی  
دکھائی دیا۔ جو دس سال پیشتر دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بات کیا ہے؟ اتنے میں

عقل کی اب تو انتہا نہ رہی اور کہنے لگی۔ لویہ نصف دینار ہے۔ اسی حلوئی سے قفلیاں لاؤ۔  
 تاکہ تیرا مالک دیکھے۔ کہ وہ میری بالائی سے کیونکر اچھی ہے۔ خادم فوراً وہ نصف دینار اٹھا  
 بازار کی طرف بھاگا۔ اور بدرالدین کی دوکان پر پہنچ کر کہنے لگا۔ بھئی! تمہاری ضیافت نے تو آج  
 مجھے خوب پڑا ہے۔ یہ نصف دینار اور اپنی بی بی ہوئی بالائی کی وہی قفلیاں ویرہ۔ کیمپ  
 میں صاحب خانہ نے بھی قفلیاں تیار کی تھیں۔ ان سے مقابلہ ہوگا۔ بدرالدین ہنسا اور کہنے  
 لگا۔ میری والدہ کے سوا مجھ سے اچھی قفلیاں دنیا بھر میں بھی کوئی شخص تیار نہیں کر سکتا۔  
 یہ کمکڑے نصف دینار کی قفلیاں پیسے میں ڈالیں۔ جنہیں لیکر خادم دوڑا اور کیمپ میں  
 آیا۔ بدرالدین کی والدہ نے پہلے انہیں دیکھا بھالا۔ پھر چکنا تو فوراً غش کھاکے گر پڑی۔ جب  
 ہوش آیا تو چلائی کہ یقیناً ان کا بنانے والا بدرالدین حسن کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔  
 شمس الدین یہ بات سنا کر اسے خوشی کے اچھل پڑا اور فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ  
 تم میں سے میں آدمی جاؤ۔ اور اس حلوئی کی دوکان گرا کر زمین کے برابر کر دو۔ اور اسے  
 علمائے عجم کے مہر کے پاس لے آؤ۔ مگر خبردار اگر اسے ذرا بھی ایذا پہنچی تو سخت پیش آؤنگا  
 اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیکر وہ ناممکن و دشمنی کی طرف گیا۔ کہ اس سے بدرالدین کو گرفتار کر کے  
 لیجانے کی اجازت لائے۔ اور سپاہیوں نے بدرالدین کی دوکان زمین کے برابر کر کے اچھ  
 پکڑ لیا۔ اور آخر وزیر شمس الدین حاکم دمشق سے اجازت لیکر آہو بونجا۔ سپاہیوں نے بدرالدین  
 کو شمس الدین کے حضور میں پیش کر دیا۔ وزیر نے دیکھا۔ کیا تم ہی سنے وہ بالائی کی قفلیاں تمہار  
 کی تھیں۔ بدرالدین نے جواب دیا۔ ہاں صاحب! مگر میرا تصور کیا ہے۔ جس کے عوض میں مجھے  
 ساتھ دینا ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ شمس الدین بولا۔ یہی تصور کیا کم ہے۔ کہ تو نے  
 میرے لئے بہت ہی بڑی قفلیاں تیار کر کے بھیجیں۔ اور یہ سزا کیا ہے۔ کچھ نہیں اور  
 بہت سخت سزا ملے گی۔ کہ تمہاری باچیز بن جائیگی۔ اس اثناء میں بدرالدین کی والدہ اور  
 وزیر راز دہی نے بھاگنا۔ کہ بدرالدین کو پہچانا۔ اور وزیر نے شمس الدین کے پاس آکر پتھر  
 کہہ کر بدرالدین کو گلے لگائیں۔ مگر شمس الدین نے انہیں سزا دینا ہوا تھا کہ جیسے تمہاری  
 سزا ہو۔ کوئی اس کے سامنے نہ چلا سکے۔ اس کے بعد وزیر نے چار غلاموں کو حکم دیا۔ کہ اس

خوب سیر ہو کر کھانا کھا چکے۔ لوگ نے ماتہ و حلوئے اور عجیب اپنے خادم کو لیکر کیسپ کی طرف چلا اور سیدھا اپنی وادی کے خیمے میں چلا گیا۔ جس نے اُس کا منہ سر جوڑا۔ اور اپنا بیٹا سمجھ کر گلے لگا یا۔ پھر پوچھنے لگی۔ بیٹا! آج اس وقت تک تم کہاں ہے۔ عجیب نے کہا۔ شہر کی سیر کو چلا گیا تھا۔ یہ سنکر وہ اٹھی اور ایک برتن میں بالائی کی قفلیاں ڈالکر اُس کے پاس لے آئی کہ تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ آؤ۔ تھوڑی سی بالائی کھاؤ۔ میرے سوا کے میرا بیٹا ہی ایسی قفلی دینا پھر میں چا سکتا تھا۔ اور کسی کی کیا مجال ہے۔ عجیب اور اس کا خادم دونوں بدر الدین کی دوکان سے خوب سیر ہو کر آئے تھے۔ مگر یہاں انکار نہ کر سکتے تھے۔ مبادا پردہ فاش ہو جائے۔ اور بڑھیا خنہ کہ وزیر زادہ ہو کر تو بازاروں میں مارا مارا پھرتا ہے سنا چا رہی رہا توہر آدو لقمے اٹھائے۔ لیکن پھر ناک چرہ ہانکرا مقرر ہو کر لیا۔ اس بے اتفاقی کو بڑھ جانے بڑی نظر سے دیکھا۔ اور سبب پوچھنے لگی۔ عجیب بولا۔ وادی جان! سچ تو یہ ہے کہ آپ کی قفلی اُس قفلی سے بھی نہیں۔ جو ہم بازار سے کھا کے آئے ہیں۔ یہ سنکر بڑھیا کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور نہایت ہی تھرکی لگا ہوڑ سے خادم کی طرف دیکھ کر بولی۔ تو ہی لڑکے کو خراب کرتا پھر تلہے۔ کہ حلواییوں کی دوکانوں پر لئے پھر تلہے۔ دیکھ تو تیری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ خادم ذرا اور صاف بکر گیا۔ کہ ہم تو کسی دوکان پر گئے ہی نہیں۔ مگر عجیب بولا۔ تمہیں اماں جان۔ ہم گئے ہیں۔ اور وہاں سے آپ کی قفلی کی نسبت ہر جہا بڑھ کر قفلی بھی کھائی ہے۔ یہ سنکر بدر الدین کی والدہ شمس الدین کے پاس گئی۔ اور جا کر اُسے غلام کی کروت سے آگاہ کیا۔ شمس الدین نے دوسرے غلاموں کو حکم دیا کہ اُس خادم کو لا کر میرے سامنے حاضر کرو۔ جب وہ آیا تو اُس سے دریافت کیا گیا کہ تو میرے لڑکے کو کس کی دوکان پر لی گیا تھا۔ خادم وہاں بھی صاف بکر گیا۔ شمس الدین نے حکم دیا۔ کہ اسے کوڑے لگاؤ۔ جب تک سچ نہ بولے۔ مگر خادم انکار ہی کئے گیا۔ حتیٰ کہ وزیر نے کہا۔ اگر تم نے بازار سے کچھ نہیں کھایا تو ان قفلیوں کو کھا جاؤ۔ وہ بولا۔ میں سیر ہو چکا ہوں۔ اسلئے اور نہیں کھا سکتا۔ یہ سنکر پھر کوڑے پڑنے لگے۔ آخر کار چڑا اٹھا۔ اور بولا کہ صاحب! میں سچ سچ کہہ رہا ہوں۔ ہم نے بازار میں ایک حلوائی کی دوکان سے بالائی کی قفلیاں خوب سیر ہو کر کھائی ہیں۔ اور وہ وادی جان کی قفلیوں سے ہر جہا بڑھ کر تھیں۔ پڑھیا کے

زبان حال سے رور و زکشکہ یہ ادا کرنے لگی۔ پھر شمس الدین عجیب کو لینے چلا آیا اور اُسے لاکر حاوی  
کے پیش کر دیا جسے سسر کے ساتھ اپنے بیٹے کی پاؤ گار کو گلے لگایا۔ اور رونے لگی۔ شمس الدین  
بولا۔ بھابی جان! یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ چلنے کے لئے سفر کی تیاری کرو  
کہا تبجب ہے کہ خداوند تعالیٰ بدر الدین کو بھی جلدی ہم سے ملائے۔ بدر الدین کی والدہ فوراً اٹھی  
اور سب مال و اسباب جمع کر کے تیاری کرنے لگی۔ شمس الدین سلطان بصرہ کی خدمت میں گیا  
اور نصرت طلب کی۔ بادشاہ نے بڑی عزت کے ساتھ انہیں نصرت کیا۔ اور شاہ بصرہ کے لئے  
بہت سے تحائف بھی دئے۔ شمس الدین اپنی بھانجہ کے ساتھ فوراً چل پڑا۔ اور چلتے چلتے کئی  
دن کے بعد یہ قافلہ پھر دمشق میں پہنچا۔ جیسے ڈپے لگ گئے۔ اور شمس الدین نے قافلہ  
وہاں خریدنے کی غرض سے وہاں تین دن کے لئے قیام کیا۔ عجیب اپنے خادم سے کہنے لگا میں  
شہر کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ چلو ذرا بازار تک تو ہو آئی۔ اور اس غریب حلوائی کا حال بھی  
پا چھ آئی۔ جس نے ہماری دعوت کی تھی۔ اور ہم نے اپنے پیچھے سے کاسر پتھر سے کھول دیا  
تھا۔ غلام یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اور عجیب کے ہمراہ ہو لیا۔ حتیٰ کہ دو نو بدر الدین کی دوکان پر  
جا پہنچے۔ بدر الدین اپنے خیال میں مستغرق بیٹھا تھا۔ عجیب اسکی شکل اور پیشانی کا زخم دیکھ  
کر گھپل گیا۔ اور پیش قدمی کر کے اسلام علیک کہا۔ بدر الدین نے نظر اٹھائی تو عجیب کو دیکھ  
کر سب خیال بھول گئے۔ اور بولا۔ الحمد للہ۔ میں آپ کو خوش و خرم پاتا ہوں۔ اسدن میں آپ  
مے عقب میں بے اختیار ہو کر چلا گیا تھا۔ وجہ یہ کہ میرا جی آپ سے جدا ہونے کو نہیں چاہتا تھا  
لیکن آج بھی میں آپ کو بغیر کھانا کھائے نہیں چلنے دوں گا۔ جیسی کھانے پینے کا عجیب  
نے جواب دیا۔ اسدن دو وقتے ہماری دوکان پر کھائے تھے تو تم نے پچھا ہی نہ چھوڑا تھا۔ آج پھر  
وہی صلاح ہوگی تو ہمیں روحو عوات کرنا ہی پڑے گا۔ لیکن اگر وعدہ کرو۔ کہ ہمارے پیچھے نہ جاؤ گے  
تو ہم اُمید ہمیں قبولی و دعوت میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم کئی دن اور یہاں ٹھہر گئے۔ بدر الدین  
نے وعدہ کیا کہ آج دیا نہیں کروں گا۔ یہ سنتے ہی وہ دوکان کے بندے چلے گئے۔ اور  
بدر الدین قفل تیار کر کے لے آیا۔ عجیب کہنے لگا۔ آؤ۔ تم بھی ہمارے ساتھ بیٹھے باد۔ بدر الدین  
بڑی خوشی سے انکے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ مگر نظر اسکی عجیب کے چہرہ پر پڑی۔ جب

پیشانی پر لگا اور خون کی زنجاری ہو گئی۔ وہ بیچارہ تو اپنا خون پسینے میں لگ گیا۔ اور عجیب اپنے خادم کے ساتھ دوڑ کر کمپ میں ہو رہا۔ جب بدر الدین کو ہوش آیا۔ تو بادل گریبان اُن سے اپنی دوکان کو لوٹا۔ وزیر شمس الدین و شفق میں برابر تین دن بٹھ کر چوتھے دن آگے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے بصرہ میں پہنچے۔ وہاں ایک کھلے میدان میں کمپ کھانے کا حکم دیا۔ شمس الدین خود سلطان بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے بڑی عزت کی اور اُسکے بصرہ میں آنے کی وجہ پوچھی۔ شمس الدین نے حقیقت حال بتا کر اپنے بھائی نور الدین کے بیٹے بدر الدین کا پتہ دریافت کیا۔ سلطان بولا۔ غریب الوطن نور الدین کو مرے تو پندرہ سال ہو چکے ہیں اُسکا لڑکا مدت سے غائب ہے اور اب تک اُس کا پتہ نہیں ملا۔ صرف بدر الدین کی والدہ یہاں ہے جو ہمارے پڑھے وزیر کی لڑکی ہے۔ شمس الدین یہ سن کر اُس کی بھیا وجہ صحیح و سلاست ہے کسی قدر مطمئن ہوا۔ اور فوراً سلطان سے درخواست کی کہ مجھے اپنی بھیا وجہ سے ملنے کی اجازت بخشی جائے۔ بادشاہ نے بخندہ پیشانی اجازت دی شمس الدین اپنے مرحوم بھائی کے مگر گیا۔ اور بہ حسرت اُسکے در و دیوار چومنے لگا۔ اُس عالیشان محل میں پھرتے ہوئے وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچا۔ جہاں نور الدین کا نام سُنہری حروف میں لکھا تھا۔ شمس الدین بے اختیار ہو گیا۔ اور آگے بڑھ کر اُسے چومنے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ پھر وہ اپنی بھیا وجہ کے کہے کی طرف بڑھا۔ مگر اُسے وہاں نہ پایا۔ تو لوڈ بول سے معلوم ہوا کہ اُس نے اپنے لڑکے کے غائب ہو جانیکے بعد اُسکا ایک مقبرہ بنوا کر کھاسا وہیں بیٹھی رہ رہی ہے۔ شمس الدین آگے بڑھا۔ اور آہستہ سے مقبرے میں داخل ہو کر دیکھا کہ نور الدین کی بیوہ بیٹھی بکا وہیں کر رہی ہے۔ پھر آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا اور کہا کہ میں تمہارا مرحوم شوہر کا بھائی ہوں اور تمہارے دیکھنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ پھر اُسے ساری سرگشتِ سنائی کو بتا کر بتایا اس طرح سے ایک رات میری لڑکی کے پاس رہا۔ مگر صبح ہوئی تو غائب تھا۔ حتیٰ کہ آج تک اُس کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ اس سے میری لڑکی کو حل بھی رہ گیا تھا۔ جس کا نتیجہ ایک چاند سالہ بچہ ہے۔ اور اب وہ تمہاری دولت ہے۔ بدر الدین کی والدہ نے جب اپنے بیٹے کی زندگی کی خبر سنی اور اپنے جیہ کو سامنے پایا۔ اُسکے قدموں پر گر پڑی اور

یہ سب عجب روپڑا۔ خادم کے بھی آنسو ٹپک پڑے۔ پھر عجیب نے کہا کہ میرا والد گم ہو گیا ہو اس لیے  
 اس کی تلاش کے لیے ہم سب گھر سے نکلے ہیں۔ یہ کہہ کر دو نو دوکان سے چل پڑے۔ بدر الدین  
 نے محسوس کیا کہ اس کے جاننے کے ساتھ اس کی جان بھی گویا جلتے کو ہے۔ فوراً دوکان بند  
 کر کے تالا لگا یا اور ان کے پیچھے پیچھے لگ چلا۔ جب عجیب اور اس کا خادم شہر کے دروازے  
 تصویر عجیب اور خواجہ سرا اور حلوائی کی



سے باہر نکل گئے۔ خادم نے مڑ کے دیکھا۔ تو بدر الدین ان کے پیچھے آ رہا تھا اس نے عجیب  
 کو روک لیا۔ عجیب نے بدر الدین کو دھمکی دی کہ اگر تم ہمارے ساتھ آتے تو ہم بڑی طرح پیش  
 آئیں گے۔ بدر الدین بولا۔ نہیں صاحب! میں تو اپنے ایک کام کو چاہتا ہوں۔ یہ سب کہہ کر دو نو چپ چاپ  
 اپنے راستے ہو گئے۔ جب کہیں قریب آ گیا اور دو نو نے مڑ کے دیکھا۔ کہ بدر الدین نے ابھی تک اٹکا  
 تقاب نہیں چھوڑا تو عجیب کو بڑا غصہ آیا۔ اس خیال سے کہ شاید حلوائی کہیں یہی جا کر اس کی  
 ہتھک کا باعث نہ ہو۔ اور فوراً ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بدر الدین کی طرف پھینکا۔ جو غریب کی

انگی۔ تاکہ اپنے بھتیجے کی تلاش کرے۔ بادشاہ کو بھی براقتی ہوا۔ اور اُس نے وزیر کو اجازت دے کر  
 جاسچاکے بادشاہوں کے نام مراسلے لکھ دئے۔ جنہیں پا کر وزیر شمس الدین خوشی خوشی اپنے گھر وٹا  
 اور بہت جلد سفر کی تیاری کر کے مصر سے چل پڑا۔ کئی دن کے بعد سارا قافلہ دمشق میں جا پہنچا۔  
 شمس الدین کو اس شہر کی فضا بہت پسند آئی اور اُس نے غلاموں کو دواں دودن تک قیام  
 کرنے کے لئے حکم دیا۔ نیچے اور قناتیں لگا گئیں۔ اور کھانے پینے سے فراغت پا کر لوگ شہر کی  
 سب کے لئے نکلے عجیب بھی اپنے خادم کے ساتھ شہر میں گیا۔ شہر والوں نے عجیب کے حق پر حال  
 کو تعجب سے دیکھا۔ اور دونوں کے پیچھے ٹھٹ کے ٹھٹ لگا گئے۔ چلتے چلتے عجیب اور اُس کا  
 خادم اتفاق سے بدر الدین حسن کی دوکان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بدر الدین کا دل عجیب کی  
 شکل و نمیکہ بے اختیار اُس کی طرف مائل ہو گیا اور اُس نے آگے بڑھ کر عجیب سے درخواست  
 کی کہ اگر آپ آج میرے ہاں کھانا کھائیں تو آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ کیونکہ میں آپ کو جی میر کے  
 دیکھنا چاہتا ہوں۔ عجیب کا دل بھی یہ درخواست سن کر گھمبھل گیا اور وہ اپنے خادم سے کہنے لگا۔ اگر  
 تم کہو تو اس صلاوی کی دعوت کو روٹ کر کیا جائے۔ کیونکہ میرا جی بھی اسکے پاس بیٹھنے کا خواہندہ ہے  
 خادم نے جواب دیا۔ صاحب! آپ کی شان کے خلاف ہے کہ علویوں کی دوکانوں پر نہ مارتے  
 پھریں۔ بدر الدین یہ سن کر خادم کی خوشامد کرنے لگا۔ کہ اگر دو منٹ کے لئے میری دوکان پر قدم رنجہ  
 فرماؤ تو تمہارا کیا بگڑ جائیگا۔ میں شاعر ہوں۔ اگر تم میرے پاس بیٹھ کر میری ضیافت کھاؤ۔ تو میں  
 تمہاری تعریف کے ایشار تصنیف کروں گا۔ آخر میں اس حبشی غلام سے کہا۔ جیسے تم باہر سے  
 سپاہ دکھائی دیتے ہو۔ میں سمجھتا ہوں۔ اندر سے ویسے ہی سفید ہو۔ یہ سن کر غلام ہنس پڑا اور عجیب  
 کو ہاں بٹھیک کھانا کھانے کی اجازت دی۔ بدر الدین نے لوگوں کو دانت ڈپٹ کر ہاں سے  
 بھگا دیا۔ اور مرد تو آقا و خادم اسی دوکان میں جا بیٹھے۔ بدر الدین اپنی پٹائی ہونی بالائی کی  
 قفل لایا اور عرق اتار و شکر ڈال کر کئے سامنے رکھ دی۔ جسے دونوں نے نہایت مزے سے  
 چکھا۔ اور تعریف کی۔ پھر بدر الدین کہنے لگا کہ صاحب! ایسی قفل میری ماں کے سوا دنیا بھر میں اور  
 کوئی نہیں بنا سکتا۔ اور یہ میں نے سیکھی ہے، اُس سے کچھ۔ جینا کھانے سے فراغت پائی  
 اور دونوں چلنے کو تیار ہوئے۔ بدر الدین نے پوچھا۔ صاحب! آپ کا آنا یہاں کس طرح سے ہوا ہے



جو شخص اپنی ماں یا اپنے باپ کا نام نہ جانتا ہو۔ وہ حرام زادہ سمجھا جائیگا۔ وہ ہمارے قضا نہیں کھیل سکتا۔ لڑکوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ اگلے دن جب سب لڑکے آگئے عجیب بھی آمو جو بڑا۔ تو ایک لڑکا بولا۔ آؤ۔ اب ایک کھیل کھیلیں۔ مگر جو شخص اپنے ماں باپ کا نام نہ بتا سکے۔ وہ ہمارا ساتھ ہی نہیں بن سکیگا۔ سب نے کہا بہت اچھا۔ اب باری باری تمام لڑکے اپنا اور اپنے ماں باپ کا نام بتانے لگے۔ جب عجیب کی باری آئی۔ وہ بولا۔ میرا نام عجیب ہے میری ماں کا نام ست الحسن اور باپ کا نام شمس الدین وزیر مصر ہے۔ سب کے سب بول اٹھے۔ غلط۔ وزیر شمس الدین تمہارا باپ نہیں۔ تمہارا نانا ہے۔ عجیب نے جواب دیا۔ نہیں۔ وہی میرا باپ ہے۔ یہ سنکر لڑکے ہنسنے اور تالیاں بجانے لگے۔ کہ دیکھو نانا کو باپ بنانا ہے۔ اور یہ کہ سب اس سے علیحدہ ہو گئے کہ تو اپنے باپ کا نام نہیں بتا سکا۔ اسلئے آج سے تو ہمارے ساتھ مٹ کھیل کر عجیب بڑا کھسیا نا ہوا۔ بلکہ رو پڑا۔ یہ دیکھکر میاں جی بھی آگئے۔ جو تاکہ میں لگ رہے تھے اور کہنے لگے۔ عجیب! لڑکے سچ کہتے ہیں شمس الدین وزیر مصر تیرا باپ نہیں تیرا نانا ہے اور تیرے باپ کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ لوگوں کو صرف اتنا معلوم ہے کہ بادشاہ نے خفا ہو کر تیری ماں کی شادی اپنے بڑے سائیس کے ساتھ کرنی چاہی تھی مگر ایک جن نے اسے وہاں سے نکال دیا اور آپا تیری ماں کے پاس رہا۔ یہ سنکر عجیب اور بھی رنجیدہ ہوا اور دو دو اور اپنی ماں کے پاس لیورنے لگا کہ اہاں سچ بتا میرے باپ کا کیا نام ہے؟ وہ کہنے لگی بیٹا شمس الدین وزیر مصر ہی تو تیرا باپ ہے۔ عجیب بولا۔ یہ غلط ہے۔ وہ تو تیرا باپ ہے۔ اور اگر تو سچ مچ نہ بتا سکی۔ تو باور رکھنا۔ میں اپنے تیس ہلاک کر دالوں گا۔ یہ سنکر وزیر زادی کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو میرائے چہ بیٹھے بیٹھے میں کیا جانئے کیا یاد آیا پھر وہ رونے لگی۔ لڑکا بھی ساتھ ہی رو پڑا۔ اسی اثنا میں جبکہ وہ دو نور و ستارے اتفاقاً شمس الدین وزیر مصر آگیا اور ان کے رونے کی وجہ معلوم کر کے خود بھی رو پڑا۔ کیونکہ اپنے بھائی کی یاد دینے اسے بغیر اکر کے لڑکی کی مصیبت کو کرویلے کر لیے پر نیم چڑھا کا مصداق بنا دیا۔ پھر وہ نور آنسو پونچھ کر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور راز گزشت سے اطلاع دیکر پھر جانے کی اجازت

پائی جس میں سے اس یہودی کا رتھ پاکر وہ بیتاب ہو گیا۔ جب حواس بر جا ہوئے لڑکی سے  
 پوچھتے لگا۔ کیا تو جانتی ہے کہ میرا خاوند کون ہے؟ وہ بولی ہرگز نہیں۔ شمس الدین نے کہا  
 اچھٹا وہ تیرا چچا زاد بھائی ہے۔ اور یہ بھیلی تیرا حق ماہر ہے۔ کیسا عجیب اتفاق ہے۔ پھر  
 اس تقوید کو پھاڑ دیا۔ جس میں سے ایک کا غزنو لایا اور پڑھ کر اور بھی وہ حیران ہوا۔  
 یہ کاغذ وہی تھا۔ جو نور الدین کے مرتے وقت بدر الدین کو لکھوا دیا تھا۔ اور بدر الدین نے  
 تقوید پنا کے اپنے پاس رکھنا تھا۔ شمس الدین نے اپنی بھائی کا دستخط پہچانا۔ پھر نور الدین  
 کی شادی اور بدر الدین کی پیدائش کی تاریخوں کو اپنی شادی اور اپنی لڑائی کی پیدائش  
 کی تاریخوں سے ملا کر پڑھا تعجب کیا۔ اور جب اپنے بھائی کی وفات کا حال پڑا تو بے اختیار  
 ہو کر رو پڑا۔ بسکے بعد دونوں کا غزلیکیر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور اسے سارا ماجرا سنا دیا۔  
 بادشاہ کی حیرانی کی حد نہ تھی۔ مورخ شاہی کو حکم ہوا۔ کہ اس سب ماجرے کو لکھ کر خزانہ  
 میں رکھے۔ اب وزیر شمس الدین اپنے بھتیجے کا انتظار کرنے لگا اور قلم و مات لیکر ایک  
 کاغذ پر لکھ کے اسباب کی فہرست لکھ لی۔ کہ فلاں چیز فلاں وضع سے فلاں جگہ پر رکھی تھی۔  
 اور بدر الدین کی انبیاء فہرست سمیت احتیاط سے ایک صندوق میں بند کر دیں۔ دن پر دن  
 اور ہفتوں پر ہفتے گزرنے لگے۔ کئی مہینے بھی گزر گئے۔ اب وزیر زادی کو محل کے اشار نمودار  
 ہو گئے تھے اور پورے ۹ ماہ کے بعد اس کے ہاں چاند سار کا پیدا ہوا۔ جس کا نام عجیب  
 رکھا گیا۔ جب عجیب سات سال کا ہوا۔ اس کے نانے نے اسے ایک معلم کے سپرد کر دیا۔ کہ  
 اسے لکھنا پڑھنا سکھائے۔ عجیب مکتب میں چار سال تک رہا اور اسے ہوش آگئی تھی  
 اور لڑکوں سے ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ انہیں مارتا پیٹتا اور کہتا کہ میں وزیر کا لڑکا  
 ہوں۔ تم میں سے کوئی بھی میرا ہم مرتبہ نہیں ہے۔ ایک دن سب لڑکے میاں جی کے پاس  
 شکایت لے گئے اور کہنے لگے۔ کہ ہم سوت تنگ آ گئے ہیں۔ میاں جی کہنے لگے۔ میں تمہیں  
 ایک نمبر بتاتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہ آئندہ کے لئے مکتب میں آتا ہی چھوڑ دے گا۔  
 کل صبح جب تم میاں کو د اور عجیب بھی آئے تو اُسکے ہو کر ایک لڑکا تم میں سے لے کے جو لڑکا  
 ہم میں سے اپنے اپنے ماں باپ کا نام بتا دے گا۔ ہم اسے اپنے ساتھ کھینٹے دینگے۔ اور

تھی کہ آپ آگئے۔ یہ سنکر وزیر بیت النکاح کی طرف گیا۔ وہاں اُس کبرے کو اُلٹا لٹکا ہوا پا کر  
اور بھی پریشان ہوا۔ اور پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لیکن کبرے کو کچھ نہ بولا۔ اور جب وزیر نے  
خرج کر ڈانٹا۔ تو کبرے نے اُسے بھی رات والا جن ہی نقڑ کر گیا۔ اور بولا۔ اے شاہ جنات  
جب سے آپ مجھے یہاں لٹکا گئے ہیں۔ بخدا اپنے ستر تک بھی نہیں اٹھایا اب مجھ پر ہوائی  
کیجئے۔ وزیر بولا۔ اے اندھے شاہ جنات نہیں میں ہوں وزیر شمس الدین وولسن کا  
باپ۔ کبرے نے مکان کھڑے کئے اور کہنے لگا تو آپ اپنی راہ لیجئے۔ آپ سے کوئی غرض  
نہیں ہے جس نے مجھے یہاں لٹکا یا ہے وہی آئے اُتار لیگا۔ غضب خدا کا سمجھتوں نے  
جنوں کی معذرتہ سے میری شادی کر کے مجھے آفت میں پھنسا دیا۔ میں سب پر لعنت بھیجتا  
ہوں۔ یہ سنکر وزیر بولا۔ اُتر ہر ذات۔ اور اپنی راہ لے۔ کبرے نے جواب دیا میں ہاگل  
نہیں ہوں کہ اُس جن کی اجازت کے بغیر طلوع شمس سے پہلے یہاں سے قدم نکالوں۔ وزیر  
شمس الدین نے پوچھا۔ ارے! تجھے یہاں لٹکا کون کیا تھا۔ کبرے نے کہا۔ میں منع جاتے  
سیلے یہاں آیا تھا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ حوض سے ایک چوڑا نکلا جو بڑھتا بڑھتا  
بہشتا بن کر ڈکارنے لگا اور مجھ سے بولا۔ کہ تو میری معذرتہ سے شادی کرنے والا ہے  
کون؟ یہ کہہ کر مجھے یہاں اُلٹا لٹکا گیا۔ اور کہہ گیا۔ کہ طلوع شمس سے پہلے یہاں سے قدم  
نکالا تو مار ڈالوں گا۔ یہ سنکر وزیر آگے بڑھا۔ اور کبرے کو جھٹکا دیکے نیچے اُتار دیا۔  
غریب کبرے زمین پر اُترتا ہی سر پر ہاتھوں رکھ کے دوڑا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا  
رات کو جو کچھ سر پر گذری تھی اُس سے اطلاع دی۔ کبرے کو وہاں سے مخلصی ویکر شمس الدین  
پھر اپنی لڑکی کے کمرے میں آیا۔ اور سخت حیران تھا۔ کہ یہ کیا بات ہے؟ لڑکی سے کٹر  
ماجرا دریافت کیا۔ وہ کہنے لگی۔ صاحب! اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ ہو تو وہ دیکھئے  
جو کہی پر اُس کا عمامہ اور کپڑے بھی پڑے ہیں۔ ان میں کوئی ازہر چیز بھی لپٹی پڑی ہے  
جس کی مجھے کچھ خبر نہیں کہ کیا ہے۔ شمس الدین یہ سنکر آگے بڑھا اور فوراً عمامے کو اٹھا کر  
نکالنے اور دیکھنے لگا۔ آخر اُس کی راسے ہوئی کہ یہ ملزموں کی عورتاں کے عمامے کی ہے  
پھر ایک تھوڑے پڑھتا پڑھتا جو عمامے سے بندھا ہوا تھا اور ایک بھلی دھتاروں سے بھری

ڈرتے تھے۔ بدرالدین کے وہاں داخل ہوتے ہی لوگ تڑپتے ہوئے جلوئی کے دلہن بدرالدین کو  
 دیکھ کر ایک رقت سی پیدا ہو گئی اور وہ پچھنے لگا۔ بیٹا! تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو  
 میرے دلہن تمہاری محبت پیدا ہو گئی ہے۔ بدرالدین نے یہ سن کر آغاز سے انتہا کھائی  
 سرگزشت کہ سنائی۔ جلوئی بولا۔ فی الواقع تمہاری سرگزشت عجیب و غریب ہے لیکن نہ  
 کسی اور سے ظاہر نہ کرنا ورنہ لوگ نہیں گے اور دہواتہ بنائیں گے۔ شاید خدا تعالیٰ کسی  
 دن اس عقدے کو کھولے۔ جیہاں تک تم اسی مکان پر بیٹھو۔ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں  
 تمہیں اپنا بیٹا بناؤں گا اور تم ہی میری جگہ ادا کے وارث بنو گے۔ بدرالدین نے اسی فرمان  
 کو تسلیم کیا۔ اور جلوئی بازار سے اُس کیلئے لباس فاخرہ خرید لایا۔ پھر حمام کرا کے اور باہر  
 پنہائے قلعت شہر کے پاس بیگیا۔ جہاں جا کے اُسے اپنا بیٹا تسلیم کیا۔ اسکے بعد شہر میں بھی  
 خبر مشہور ہو گئی۔ کہ بدرالدین جلوئی کا بیٹا ہے۔ پھر روپیہ پیسہ کا سارا انتظام جلوئی  
 نے بدرالدین کو سپرد کر دیا۔ آپ وزیر زادی کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ صبح کے وقت جب  
 وہ جاگ کر بدرالدین کو پہلو میں نہ پا کر حیران ہوئی۔ پھر خیال کیا۔ کہ بیت الخلا کو گیا ہو گا۔ تھوڑی  
 دیر انتظار کرتا پاتے۔ اتنے میں اسکا باپ آگیا۔ جو شدتِ الم سے پڑھ رہا تھا۔  
 وہ سوچ رہا تھا کہ اب لڑکی کو قتل کئے بغیر حین نہ آئیگا۔ جب کمرے کے دروازے پر  
 پہنچا۔ لڑکی کو آواز دی۔ وہ فوراً فرحان و شاداں باہر نکل آئی۔ اسکی یہ حالت دیکھ کر  
 شمس الدین کو سخت غصہ آیا۔ اور کہا۔ نالایق۔ تو نے سارے خاندان کی عزت ڈبو کر کیا پڑا  
 پایا ہے۔ کہ اسقدر خوش ہو رہی ہے۔ وزیر زادی بولی۔ صاحب اسکے کیا معنی؟ وزیر نے کہا  
 کیا تو اس کمرے میں سائیں کو پسند کرتی تھی۔ لڑکی نے جواب دیا۔ حضور! اُس ملعون کا میرا نام نہ  
 نام بھی نہ لیں۔ میری شادی تو ایک خوش رو اور خوش قامت حسین جوان کے ساتھ ہوئی  
 ہے۔ جو ذات اس کمرے میں تھا۔ وزیر حیران ہوا۔ اور کہنے لگا۔ لڑکی تو میرے ساتھ مذاق  
 کرتی ہے۔ وزیر زادی بولی۔ جناب آپ کے سر کی قسم یہ بالکل سچ ہے کہ میں اس کمرے  
 میں نہ رہتی تھی۔ وہ فقط لڑکے پر آتا تھا اور اپنی اُچرت و سن و پیمانہ  
 آپ سے بیکر چلا بھی گیا۔ میرا شوہر بیت الخلا کو گیا ہو ہے۔ پھر اُسی کے انتظار میں بیٹھی

یہ شکر وہ بخوشی اُسکے پہلو میں جا بیٹھی۔ پھر بدر الدین نے بھی اپنی پوشاک اور عمامہ اُتار کر ایک چوکی پر رکھ دیا۔ اُس یہودی والی بھیلی بھی لباس ہی ٹکا دی۔ جو باوجود بہت کچھ صرف کر چکنے کے ابھی تک چوں کی توں بھٹی اور دو فوسور ہے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ رجن نے پری سے کہا۔ دن نکلنے کو ہے۔ آؤ۔ اب اس جوان کو اُسکے مکان پر پہنچا آئیں۔ یہ شکر بھی اندر گئی۔ دو نو خواب اجت میں پڑے ہوئے تھے۔ بدر الدین کو اُٹھا کر اُڑی۔ جن بھی پیچھے پیچھے چلا۔ جبکہ وہ جارہے تھے۔ بارگاہِ خلا و ندی سے قرشتوں کو حکم ہوا۔ کہ جن پشہاروں کی بارش ہو۔ جسکی تعمیل ہوتے ہی جن تو جھکراکھ ہو گیا۔ اور پری بچ رہی تھی۔ جس نے بدر الدین کو شہر و مشق کے ایک دروازے پر لا اوتارا۔ اور وہیں رکھ کے چلی گئی۔ جیہاں ٹھکانا۔ شہر کے دروازے کھلے اور لوگ آنے جانے لگے۔ کسی نے بدر الدین کو ہیئت کدانی میں پا کر تعجب ظاہر کیا۔ سنے میں اور بھی بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور آپس میں چٹکیاں مارنے لگے۔ شور و غل سے بدر الدین کی آنکھ کھل گئی اور وہ بھوت ہوا۔ چاروں طرف دیکھنے لگا کہ یہ کیا بات ہے۔ شام کو میں کہاں تھا پھر رات کہاں اور کس حال میں بسر کی۔ اور اب کہاں ہوں۔ کیا یہ خواب و خیال تھا یا کوئی جادو۔ جس کا اثر اب تک بھی رفع نہیں ہوا۔ پھر اُس گروہ سے پوچھنے لگا۔ صاحبان! خدا کے لئے مجھے آگاہ کرو۔ کہ میں کہاں ہوں۔ کہ یہاں کیا ہوا۔ کہ میں نے کہا کیا سبب ہے؟ جواب ملا کہ صبح کے وقت ہم نے یہیں یہاں ہی سویا ہوا دیکھا تھا اس سے زیادہ اور کچھ ہمیں جانتے۔ تو رات کو کہاں تھا۔ بدر الدین بولا۔ میں تو رات کی بوقت مصر میں سویا ہوا تھا اور کل شام مصر میں تھا۔ وہ لوگ کہنے لگے تو بھانگ تو نہیں کھا گیا۔ کہ شام کو مصر میں ہو۔ رات کو مصر میں نہ تھے اور صبح و مشق میں جا کے کئی شخص کہنے لگو یقیناً غریب پاگل ہو گیا ہے۔ کوئی افسوس کرتا تھا اور کوئی تائیدیاں سجاتا تھا۔ کوئی کہتا تھا بھئی۔ تو نے یہ ہی خواب میں دیکھا ہے۔ مگر بدر الدین حیران تھا۔ آخر اسی حیرانی میں وہ واپس سے اُٹھا اور شہر کے اندر چلا۔ لوگ پیچھے پیچھے ہوئے اور دیوانہ بنائے چلے۔ بدر الدین بہت تنگ آ کر ایک حلوائی کی دوکان میں ٹھس گیا۔ یہ حلوائی کسی زمانے میں قراق رہ چکا تھا اور اب تائب ہو کر حلوائی کی دوکان کھولی تھی۔ اسلئے و مشق کے رہنے والے اس سے بہت

گیا۔ اب کبڑے کی سرکدشت منسو۔ پیچا رہا وہاں جا کر کڑی پر بیٹھا ہی تھا کہ کمرے کے حوض سے ایک چوڑا نکلا۔ پھر وہ بلی بکر غرانے لگا۔ کبڑا جبران ہو کر اُسے دُکھنے لگا ہی تھا کہ وہ بلی کُچ بنگتی اور آنکھیں دکھانے لگی۔ کبڑے کی پریشانی کچھ اور بھی بڑھ گئی۔ اتنے میں وہ لُٹا پھو لکر گدا بنگیا اور چلانے لگا۔ کبڑا بھی دُکھ چلانے لگا۔ لُٹو! جھجے سیاؤ۔ اب وہ گدا بڑھ کر بھینسا بنگیا اور اُن نے باہر بھاگنے کا راستہ روک لیا۔ مارے خوف کے کبڑے نے یہ سہیں دیکھ کر دُکھ دُکھانے سے اپنے منہ کو ڈھانپ لیا۔ اب بھینسا آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگا۔ بھلے ہاش کیا تجھے دُشیا میں اور کوئی عورت نہ ملتی تھی۔ کہ میری محشوقہ کی طرف تو نے دیکھا کبڑے کے کاٹو تو ہن میں لہو نہ رہا۔ جن ٹھکارا۔ کہ جلد جواب دو۔ ورنہ ابھی مٹی میں ملائے دیتا ہوں۔ کبڑا گڑ گڑانے لگا۔ صاحب! سجدے لگے کچھ خبر نہ ملتی۔ کہ اس عورت کے یا بھینسے ہیں۔ ورنہ میں ایسے جہانوں میں نہ آتا۔ اب بھی تو یہ کرتا ہوں۔ بہن نے کہا۔ بہت اچھا۔ لیکن اس مکان سے صُبح تک اگر نکلے تو یاد رکھنا مارے جاؤ گے۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی بلاتا مل یہاں سے بھاگ جانا۔ اور پھر کبھی اس مکان کی طرف نہ کر بھی نہ دیکھنا۔ اس کے بعد غریب کو وہاں اُلٹا لٹکا دیا۔ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر تھیں۔ اب بدر الدین کا حال سنو۔ جب وہ کمرہ عروسی کے اندر داخل ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک بڑا جوادا ہن کو لے ہوئے وہاں آئی۔ اور دروازے پر ٹھکر کر دواہن کو اندر بھیج دیا۔ اور کہتے لگی۔ صاحب! اپنی دواہن کو سنبھال لو۔ میں اسے تھما کے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ لوٹ گئی۔ اور وزیر زادی نے قدم آگے بڑھا کر جب جوادا سنہ بدر الدین کو بیٹھے پایا تو اُس کی سُست کی انتہا نہ رہی۔ اور بولی۔ جناب! میں سوچ رہی تھی کہ اب زندہ یہاں سے بچا کر نکالوں گی۔ مگر اللہ رکھو! آپ کو یہاں پا کر مجھے نہایت اطمینان ہوا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ بات کیا سچی؟ کیا کبڑے اور تم دو دُکھ لے مشترک طور پر میرے ساتھ عقد کیا ہے یا تم دونوں میں سے میرا شوہر کون ہے؟ بدر الدین نے بڑی متانت سے جواب دیا۔ تو یہ! تو یہ! آپ کے بارے میں میرا کون شریک ہو سکتا ہے؟ یہ سوائے آپ تو میرے نظر سے چلنے کے لئے رچا گیا تھا۔ آپ کے والد نے اس خیال سے کہ ہم دو کو نظر لگائے اس کبڑے کو دس دینار پر کر لئے کیا تھا۔ اب تم مطمئن رہو وہ کمبخت کبھی یہاں نہیں آئیگا۔

کھدایا اس جوان سے میرا عقد ہو اور اس کپڑے سے مجھے بچائیو۔ اس کے بعد جب سب رسوم ادا ہو چکیں تو سب لوگ وہاں سے چلے گئے۔ صرف بدرالدین اور وہ کبڑا وہاں رہ گئے۔ ریشاٹلا نے دولہن کے زیور اور کپڑے اُتار کر شبِ خوابی کے کپڑے پہنا دیئے۔ کبڑا سائیں اب رہ نہ سکا اور اُمّ شکر بدرالدین سے کہنے لگا صاحب! آج میں آپ کا سنون ہوں کہ آپ نے کمالِ فراض ملی سے مجھے مدد دی۔ براہِ ہربانی اب یہاں سے تشریف لیجا کر مجھ پر کرم کیجئے۔ بدرالدین یہ سنکر فوراً باہر نکل آیا اور دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اُسی جن سے ملائی ہوا جن پولہ بدرالدین بھڑو۔ کہاں جا رہے ہو۔ وہ کبڑا ابھی باہر نکل کر بیتِ اخلا کو جا بیٹھا۔ تو تم فوراً کمرہ عروس کا میں چلے جانا۔ اور بے تاہل و دخل ہو کر اس سے کہنا۔ کہ آپ کا عقد میرے ساتھ ہوا ہے۔ اور یہ جلد محض بادشاہ نے خوف دلانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ کسی سے دترنے کی ضرورت نہیں میں خود اس کپڑے ملعون کا بندہ و بست کر لوں گا۔ جن اور بدرالدین اتنی باتوں میں تھے کہ کبڑا باہر نکل کر بیتِ اخلا کی طرف چلا گیا۔ بدرالدین کو یہ سرفروغ غیبت معلوم ہوا اور وہ فوراً کمرہ عروس میں چلا گیا۔

تصویر دیو کی مہیب شکلیں بدلتے ہوئے





قبر وار! بولنا مت! یہ لومشعل۔ اور چپ چاپ اس جماعت میں لمجاؤ۔ جہاں پر یہ جاہیں وہیں  
 تم بھی بے جھجک چلے جانا۔ مگر اُس کبرے کے دائیں ہاتھ رہتا۔ حتیٰ کہ جلد عروسی میں داخل  
 ہو کر آگے ہو جائیو اور ناچنے گانے والی عروس کی خواہشوں اور گرد و پیش والی عورتوں کو تراشہ  
 سے مٹھیا بھر بھر کر انجام دینا۔ خدا کے فضل سے یہ تیری تھیلی بھی ختم نہیں ہوگی۔ بدرالدین  
 یہ باتیں سنکر حیران تھا کہ اس سب جھگڑے کا سبب کیا ہے۔ مگر ہدایت کے بموجب شمع کو رو مٹا  
 کیا۔ اور غلاموں کی جماعت میں ملکر کبرے کی سواری کے سواری کے ساتھ ہو لیا۔ سب ایک اُس  
 کے لباس سے ادا ت ٹپک رہی تھی۔ جب ناچنے گانے والیوں کے قریب پہنچا۔ مٹھیاں بھر  
 بھر کے دینا پھینکنے لگا۔ عورتیں اور مرد اُسکی سخاوت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اسی طرح پر یہ  
 جلوس وزیر کے گھر تک پہنچ گیا۔ رگ بدرالدین کا حسن و جمال دیکھ دیکھ کر موہت ہوئے تھے  
 پھر واردوں نے تماشا یوں کو دروازے پر روکا۔ مگر گانے والیوں کی جماعت نے اصرار کیا۔  
 کہ جب تک یہ جوان ہمارے ساتھ اندر داخل نہ ہوگا۔ ہم بھی اندر قدم نہیں رکھیں گی۔ اسلئے  
 کہ اس کے خیر برات کی کچھ زینت نہیں۔ غرض کبرے کے خلاف نشا بدرالدین کو وہ اپنے ساتھ  
 اندر کے ہی گئیں۔ مشعل اُس کے ہاتھ سے لے لی گئی۔ اور کبرے کے پاس صدر پر بٹھا دیا  
 اسوقت شہر کے تمام لوگ سب سے اور امرا کی خواہشیں و مانا جمع تھیں۔ انہوں نے دو صفیں  
 بنالیں۔ اور بیچ میں سے دُلس کے آنے جانے کا راستہ چھوڑ دیا۔ عورتوں نے جب کبرے  
 اور بدرالدین کے صحن میں زمین و آسمان کا فرق پایا۔ اور منصفیت سے بدرالدین کی سخاوت  
 کا حال سنا تو وہ بھی حیرت زدہ ہو کر بدرالدین کے منہ کو تکتے لگیں۔ اور چاہتی تھیں کہ ہاتھ ہی  
 اُسے دیکھتی رہیں۔ پھر انہوں نے نقاب اُلٹوئے اور کہنے لگیں۔ جس کی قسمت اُس جوان  
 سے لڑی ہوگی۔ وہ بڑی خوش قسمت ہے۔ اتنے میں دُلس بھی اپنی لونڈیوں کے ساتھ ولمان  
 آگئی۔ وہ کبرے اُسے لینے آئے۔ مگر وزیر زادی نے اوپر سے منہ پھیر لیا اور بدرالدین  
 کے پاس آ بیٹھی۔ حاضرین نے اتفاق مارا اور کبرے پانی پانی ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بدرالدین نے پھر مٹھیاں  
 بھر بھر کر دینا رکھنا شروع کئے۔ وزیر زادی کی لونڈیاں اور مٹھیاں اُنہیں پہنچتی جاتی تھیں  
 اور کہتی جاتی تھیں کہ وزیر زادی اس جوان کے قابل ہے۔ وزیر زادی بھی دعائیں مانگتی تھی۔

برلا مصر سے چلا آتا ہوں۔ پری نے کہا۔ ذرا آؤ۔ تو تمہیں کچھ دکھاؤں۔ یہ کہہ کر وہ ماں آئی۔  
 جہاں بدرالدین حسن سویا پڑتا تھا۔ اور اُسکی طرف اشارہ کر کے بولی۔ تم نے اپنی عمر میں ایسا  
 خوبصورت جوان بھی دیکھا ہے۔ جن نے جواب دیا بلاشبہ تم نے ٹھیک کہا ہے۔ لیکن اگر کہو  
 تو میں بھی ایک بات سناؤں۔ پری بولی۔ کہو۔ جن کہنے لگا۔ میں ابھی مصر سے ایک عجیب سا  
 دیکھے چلا آتا ہوں۔ شاہ مصر کے وزیر شمس الدین کی ایک لڑکی ہے۔ چندے آفتاب چاند  
 ماہتاب۔ بادشاہ نے اُس کے حسن کی تعریف سن کر شادی کا پیغام دیا تھا۔ مگر وزیر نے انکار  
 کر دیا۔ اور نور الدین اپنے بھائی کیساتھ گزرے ہوئے ماجرے کو سنا کر کہنے لگا۔ کہ بچے تو اُس  
 کی کوئی خبر نہ تھی۔ اب سننے میں آیا ہے کہ وہ وزیر بصرہ ہے اور اُسکے ایک لڑکا بھی ہے۔ میں  
 اس لڑکی کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اسلئے مجھے معاف کیجئے۔ بادشاہ  
 بادشاہ یہ سن کر نہایت خفا ہوا۔ اور کہا۔ کہ تم نے ہماری ہشام کی ہے۔ اب اس کا مزہ دیکھنا  
 میری بیٹی کی شادی ہم اپنے سب سے بد صورت غلام سے کرینگے۔ بادشاہ کے پاس ایک  
 کبوتر آسا بیٹھ تھا۔ جس سے زیادہ بد شکل۔ اُسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جو بدار فوراً اُسے دربار  
 سلطانی میں لایا۔ بادشاہ نے وزیر کو کہلا بھیجا۔ کہ ہمارے کبوترے سائیں کے ساتھ تمہاری بیٹی  
 کی آج ہی رات شادی ہوگی۔ اسلئے تیاریاں کر لو۔ طوٹا و کرنا و کریم کو بادشاہ کے احکام پہنچا  
 لانے پڑے۔ اب بادشاہ کے غلام حمام کے وروازے پر مشعلیں لئے اُس بوڑھے کو گوشہ  
 بتانے کے خیال میں بیٹھے ہیں اور وزیر زادی رورہی ہے۔ سچ سمجھنا۔ اپنے اُس کبوترے  
 بد صورت آج تک کسی کو نہیں پایا اور لڑکی جنت کی حور ہے۔ افسوس ہے۔ کہ اگر انکی شادی  
 ہوگئی۔ پری نے کہا۔ کیا اچھا ہو۔ اگر اس خفتہ جوان اور وزیر زادی کا یا ہم عقد ہو سکے۔  
 جن نے اس رائے پر صاف کہا۔ اور کہا کہ چلو میں اسے اٹھانے لئے چلتا ہوں۔ یہ کہہ کر  
 اُس نے بدرالدین کو جن نے اٹھا لیا۔ اور طرفہ العین میں مندرجہ مقصود پر پہنچ کر اسے وہاں  
 رکھ دیا۔ جہاں کبوترے سائیں کو گوشہ بنایا جا رہا تھا۔ شور سے اُسکی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ  
 حیران ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ یہ کونسا مکان ہے اور میں تو اپنے باپ کے قہر  
 میں سویا تھا۔ یہاں کیسے آگیا۔ یہ سوچ کر چلنے کو تھا۔ کہ جن نے اشارے سے پکارا تھا۔

بھی گھر سے نہ نکلتا۔ اور نہ ہی بادشاہ کے پاس جاتا۔ بادشاہ نے تھاہو کر اُسکے باپ کی جائیداد  
 دوسرے وزیر کو بخش دی۔ نئے وزیر نے حکم دیا کہ نذر الدین کے مکانات اور جائیداد کو ضبط  
 اور بدر الدین حسن کو گرفتار کر کے بادشاہ کے دربار و پیش کیا جائے۔ وزیر کے لشکر میں ایک  
 شخص نذر الدین کا آزاد کو در غلام بھی تھا۔ اُس نے یہ سُننے ہی اپنے محسن کے بیٹے کو جیجی  
 کہ جب قدر جلد ہو سکے۔ اپنے تین گھر سے نکل جاؤ۔ تمہاری گرفتاری کا حکم صادر ہو چکا ہے  
 خدا جلینے انجام کیا ہو۔ بدر الدین حسن اس خبر کے پاتے ہی کچھ نہ نقد حیب میں ڈاکر بادل  
 پر حضرت گھر سے نکلا اور نہ جانتا تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ لیکن اتفاق سے انجو باپ  
 کے مقبرے میں پہنچ گیا۔ اور سر پر کپڑا لیکر وہاں بیٹھ گیا۔ اتنے میں بصرے کا ایک یہودی  
 جو بدر الدین کو پہچانتا تھا پاس آیا۔ اور سلام کر کے پوچھا۔ کیوں حضور! ایسے ہوقت میں  
 یہاں تشریف لائے گا کیا باعث ہے۔ بدر الدین بولا میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی سو یا ہوا  
 تھا کہ والد کو خواب میں دیکھا۔ سخت عتاب ظاہر کر رہے ہیں۔ اسلئے فوراً یہاں دوڑ آیا  
 ہوں کہ آ کے مقبرے کی زیارت کروں۔ یہودی بولا۔ صاحب! آپ کے والد کے بہت سو  
 تجارتی جہاز باہر گئے ہوئے ہیں۔ اب آپ ان کے مالک ہیں۔ اگر سب سے پہلے آئے  
 والے جہاز کو میرے ہاتھ فروخت کر دیجئے تو میں ابھی ایک ہزار دینار اُسکے ادا کرنے کو  
 تیار ہوں۔ بدر الدین اُسے ہی غنیمت تصور کیا۔ اور اُس نے ایک ہزار کی قسلی نکال کر آگے  
 رکھ دی اور رید چاہی تاکہ سندر ہے۔ بدر الدین حسن نے فوراً لکھ دیا کہ میرے باپ کے  
 جہازوں میں سے سب سے پہلا جو جہاز یہاں پہنچے اُسے بیٹے فلاں یہودی کے ہاتھ بیچ دیا  
 ہے۔ یہودی رقعہ لیکر وہاں سے چلا گیا اور بدر الدین اپنی حالت کو یاد کر کے رونے لگا  
 روتے روتے اُسکی آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں چاند نکل آیا اور اُس کی کرنیں بدر الدین کے  
 منہ پر گر عجب تہوار دکھانے لگیں۔ اسی قبرستان میں یہاں بھی رہتی تھیں۔ اتنے میں  
 ایک پرہیزگار نے نکلا اُسے دیکھا اور اُس کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہیں سوچنے  
 لگی۔ یہ بیشک بہ کوئی فرشتہ ہے۔ پھر حسب معمول ہوا میں اُڑنے لگی۔ اتنے میں ایک جن سے  
 دوچار ہو گئی اور صاحب سلامت کے بعد اس سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو۔ جن

اس قدر محبت کرنے لگا کہ ایک دم آنکھوں سے پاؤں جھل نہ ہونے دیتا تھا۔ اسی درمیان میں وزیر زادہ بدرالدین حسن بھی اچھی طرح پرورش پاتا رہا۔ اور نورالدین اپنی املاک بڑھاتا رہا۔ جب چار سال کا ہوا تو بوڑھا وزیر وفات پا گیا۔ نورالدین نے اس کے جنازے کو بڑے محل سے منی کے سپرد کیا۔ اب بدرالدین حسن کی تربیت کا اُسے اور بھی فکر ہو گیا اور جب اُسے کو کچھ ہوش آگئی تو گھر میں اُستاد رکھ کے اُسے تعلیم دلائی شروع کی۔ بدرالدین حسن کا ذہن اب سراسر واقف ہو اٹھا۔ کہ اُس نے حقوڑے عرصہ میں بہت کچھ سیکھ لیا۔ ایک دن نورالدین اُسے لباس فاخر پہنا کر بادشاہ کی خدمت میں لے گیا۔ بادشاہ اُس کے حسن و جمال اور اُس کے شبانہ اطوار کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور وزیر کو حکم دیا کہ ہر روز اُسے دربار میں لایا کرو۔ بدرالدین حسن کی قابلیت اس طرح ہر روز کی حاضری سے بڑھ گئی۔ اور پندرہ سال کی عمر تک وہ نہایت ہی ہوشیار ہو گیا۔ کہ نورالدین کو کچھ ایک ایک تھک مرض نے آگھیرا۔ اور وہ نہایت ہی ضعیف ہو گیا۔ ایک دن اُسے اپنے رُختے کو بلا کر سمجھایا۔ کہ اب میں کوئی دم کا ہمان ہوں۔ اُسے تجھے کچھ نصیحت کر دینا چاہتا ہوں۔ اُسکے بعد وہ وطن اور باران وطن کو یاد کر کے رو پڑا۔ اور بولا۔ بیٹا! تمہارا ایک چچا بھی ہے۔ اور وہ مصر میں وزیر ہے۔ میں اس سے کچھ ناراض ہو کر یہاں چلا آیا تھا۔ ایک کاغذ لے آ۔ اور میں جو کچھ لکھاتا ہوں۔ لکھ لے۔ بدرالدین کاغذ کا ایک ورق اور قلم و دات لے آیا۔ نورالدین نے شمس الدین سے ناراض ہو کر مصر سے نکلنے۔ بصرہ میں پہنچ کر وزیر بصرہ سے ملنے پھر اُس کی رُختی سے شادی کرنے اور وزیر بصرہ ہونے کے علاوہ بدرالدین کی مفصل کیفیت تاسخ و ارتکاب فرمایا۔ کہ جب کبھی ضرورت پڑے مصر میں چلے جائیو۔ اور بھائی کو میرا سلام کر کے عرض کر دیجو۔ کہ اس غریب الوطن نے تمہارے استیاق میں جان دیدی تھی۔ بدرالدین حسن نے اس کاغذ کو پیٹ کر حفاظت سے ایک کپڑے میں ہی لیا اور تنوید بنا کر بکڑی میں باندھ لیا۔ حقوڑی دیر کے بعد نورالدین کا طائر روح نفس غمیری سے پرواز کر گیا۔ اور بدرالدین رونے چلانے لگا۔ بادشاہ کو بھی اُسکی وفات کی خبر ہوئی۔ اور مہاری سلطنت میں دو ماہ تک وزیر کا ماتم مٹا یا گیا۔ مگر بدرالدین اُسکے بعد

شہر کو بھی اکٹھا کر کے مشورت طلب کی۔ کہ مصر میں میرا ایک بھائی وہاں کا وزیر ہے اس نے اپنے لڑکے کو میرے پاس بھیجا ہے کہ اپنی لڑکی اس کے بیاہ دوں۔ آپ کی اس میں کیا رائے ہے۔ سب نے کہا۔ درکار خبر حاجت پہنچ استخارہ نیست۔ وزیر نے یہ سنکر قاضی کو بلوایا اور شہر لگن میں دو نو کا عقد پڑھوا دیا۔ سب دھان رخصت ہو گئے۔ نورالدین کو کہا کہ اب تم اپنی دلہن کے پاس جاؤ۔ اوصصر شمس الدین جب سلطان کے ساتھ ایک مدت کے بعد لوٹا اور اپنے بھائی کو گھر میں نہ پایا۔ تو پریشان ہو کر اس کے توکروں چاکروں سے دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی اسی دن سے غائب ہے۔ شمس الدین بڑا غمگین ہوا اور سوچنے لگا کہ یہ میری غلطی کا نتیجہ ہے۔ میں نے اسے جو سخت الفاظ کہے تھے انہیں وہ سہارا نہیں سکا ناچار بادشاہ کی خدمت میں غیر حاضری کی اطلاع کی۔ مگر اصل بات کو چھپا رکھا۔ اور اس کا حکم ٹیکر اور گرد کے بادشاہوں کو رقعے لکھے کہ نورالدین اگر ملے تو اطلاع دیں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر کار اسے خاموش ہونا پڑا۔ ایک مدت کے بعد مصر کے ایک بڑے سوداگر کی لڑکی سے اس کی شادی بھی ہو گئی۔ اتفاقاً وہی دن نورالدین کی شادی کا بھی تھا اور قدرت خدا سے دو نو کے گھر میں بچے بھی ایک ہی دن پیدا ہوئے۔ نورالدین کے لڑکا اور شمس الدین کے لڑکی۔ اور دو نو بھی اپنے حق میں چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھے۔ نورالدین نے اپنے لڑکے کا نام بدر الدین حسن رکھا۔ اسکے بعد وزیر بصرہ نورالدین کو بادشاہ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور نیز داماد۔ میں چاہتا ہوں کہ حضور اسے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دیں۔ بادشاہ بولا۔ ہنسنے آجتا تو تمہارے کسی بھائی کو نہیں دیکھا۔ وزیر نے جواب دیا۔ حضور! وہ مصر کا وزیر تھا۔ اپنے مرنے کے بعد اس نے دو فرزند چھوڑے۔ بڑا تو وہیں کا وزیر ہے اور چھوٹا میرے پاس آگیا۔ میں نے اپنی لڑکی بھی اسے بیاہ دی ہے۔ یہ سنکر بادشاہ نے خلعت وزارت سے نورالدین کو سرفراز فرما کر خاصے کی سواری کا ایک چھر عطا فرمایا اور سسر داماد و نوں شادان فرما کر گھر کو لوٹے۔ اگلے دن نورالدین نے وزارت کا کام اپنے ماتھ میں لے لیا۔ اور نہایت خوبی و وفائی سے اسے انجام دینے لگا۔ بادشاہ نے اس کے حق تدبیر کو دیکھ کر اس کے

نہ آئی۔ صبح ہو تے ہی چھر کسویا اور خوجی میں زر نقد ڈال کے گھر سے نکلا اور غلاموں اور نوکروں  
چاکروں سے کہہ دیا کہ میں تین دن شہر سے باہر ہوں گا۔ اور مہر شمس الدین سلطان کے ساتھ  
اہرام مصری کی طرف چلا گیا۔ دوپہر پھل چکی تھی۔ جب نور الدین شہر بلخس میں پہنچا سنا  
کے لئے کھڑ گیا اور نقوڑی ویر آرام کر کے سامان سفر مول لیکر چل پڑا۔ حتیٰ کہ کئی دنوں کے  
بعد شہر بصرہ میں پہنچا ایک سرانے میں جا بٹھرا اور چھر سراوار کر کے سپرد کر دی۔ اگلے دن  
سراوار چھر ہر سوار ہو کر شہر کو گیا۔ اتفاقاً وزیر بصرہ اپنے محل میں بیٹھا آنے جانے والوں کی  
سیر دیکھ رہا تھا۔ اس نے گمان کیا۔ کہ یقیناً یہ چھر کسی بڑے آدمی کا ہے۔ اس لئے  
غلاموں کو اشارہ کیا کہ اس چھر سوار کو میرے پاس لے آؤ۔ غلاموں نے حکم کی تعمیل کی  
سراوار حاضر ہو کر آداب بجالایا۔ وزیر نے پوچھا۔ اس چھر کا مالک کون ہے اُسے جواب دیا  
جسور ایک نوجوان صاحب وقار اس کا مالک ہے جو اپنے تئیں کسی تاجدار کا بیٹا ظاہر  
کرتا ہے۔ یہ سنکر وزیر اس کے ساتھ سرا میں گیا۔ اور نور الدین کو دیکھ کر تہایت خوش  
ہوا۔ پھر پوچھا۔ بیٹا۔ تم کہاں سے آرہے ہو۔ نور الدین بولا۔ چناپا شہر مصر سے۔ میرا  
باپ وہاں کا وزیر تھا۔ اس کے مرنے کے بعد ہم دو بھائی اس کے قائم مقام ہوئے  
ایک دن باتوں ہی باتوں میں ہم باہم جھگڑنے لگے۔ مجھے سبج آیا۔ اور میں گھر سے نکل  
کھڑا ہوا۔ اب ارادہ ہے کہ کبھی واپس نہ جاؤں۔ بلکہ مختلف شہروں کی سیر و سیاحت میں  
بقیہ عمر کو گذار دوں۔ وزیر بصرہ بولا۔ بیٹا اس خیال خام کو دل سے نکال دے اور آٹھ  
مہرے گھر چل یہ کہہ کر چھر برزین رکھوا دیا۔ اور اُسے ساتھ لیچلا۔ اور رہائش کے لئے ایک  
نقیس محل عطا فرمایا۔ وزیر بصرہ نور الدین سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ ایک دن اُسے اپنے لنگا  
بیٹا میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور کوئی اولاد میری نہیں رکھتا۔ صرف ایک خوبصورت اور  
نیک سیرت لڑکی ہے۔ میں چاہتا ہوں تو اُسے اپنے نکاح میں لے لوں۔ اگر تو اسے منظور  
کرے تو میں شاہ بصرہ سے عرض کر دوں گا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ پھر وہ تمہیں میری جگہ پر  
اپنی وزارت میں بھی قبول کر لے گا۔ نور الدین نے یہ سنکر سر جھکا لیا اور کہا میں آپ کا تابع  
ہوں۔ وزیر پڑا خوش ہوا۔ اور فوراً شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک دن آکا بر

بھی معاف کر دیا جائیگا۔ وزیر بولا۔  
وزیر نور الدین اور اسکے بھائی شمس الدین کی حکایت

یا امیر المومنین۔ مصر میں ایک سلطان تھا۔ نہایت عادل و سکا وزیر بھی نہایت عقلمند تھا۔  
اُس وزیر کے دو بیٹے تھے شمس الدین اور نور الدین۔ چھوٹا بڑے سے حسن و جمال میں متمیز تھا۔  
جتنے کہ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے دُور دُور سے آتے تھے۔ اتفاقاً انکا باپ مر گیا۔ بادشاہ کو بڑا  
افس ہوا۔ اور اس نے دو نو کو خلعت عطا کر کے باپ کی جگہ پر سرفراز کیا۔ انہوں نے  
بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور پورے ایک ماہ تک رسوم تعزیت بجالائے۔ اُس کے بعد  
وزارت ادا کرنے لگے۔ جب بادشاہ سفر میں جاتا تو باری باری ایک کو ساتھ لے جاتا  
حسب معمول ایک دن بڑے کی باری تھی۔ اور دو نو بھائی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے  
کہ بڑا شمس الدین بولا۔ برا اور! میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کی شادیاں ایک ہی رات ہوں۔  
چھوٹے نے کہا۔ جیسی آپ کی مرضی ہو مجھے اُس سے انکار کیا ہو سکتا ہے۔ شمس الدین  
نے کہا میری خواہش ہے کہ ہماری بی بیایں بھی ایک ہی وقت حاملہ ہوں۔ اور ایک ہی جن  
پچے جنیں۔ تمہارے ہاں تو لڑکا ہو۔ اور میرے ہاں لڑکی۔ اور پھر ان کا بیاہ کر دیا جاتا  
نور الدین نے جواب دیا بہت اچھا۔ مگر آپ حق نہ رکھنا۔ شمس الدین نے کہا۔  
تین ہزار و نیار۔ تین باغ اور تین ہی اچھی آبادی بستیاں۔ نور الدین یہ کلام سُکر بولا۔ صاحب  
مجھے یہ شرط منظور نہیں۔ ہم دونوں ہم رتبہ بھائی ہیں۔ اسلئے آپ کو بہت سا جہیز دینا چاہئے  
نہ کہ اُلٹی لینے کی شرط کریں۔ کیونکہ دوسرے کو لڑکی پر ہر حالت میں فضیلت ہوتی ہے۔  
شمس الدین یہ سُکر غصے میں بھر گیا۔ اور کہتے لگا۔ تم نے میری لڑکی کی برباد کی ہے۔  
اور میرے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آئے ہو۔ کل دن چڑھ لینے دو۔ وکیل ہو تو بادشاہ  
سے کہہ مہماری کیسے گوشمالی کراتا ہوں۔ تاکہ آئندہ کوئی چھوٹا بھائی بڑے کی گستاخی نہ  
کر سکے۔ اور اب تو میں کبھی تمہارے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی نہ کر دینگا۔ خواہ  
تو سونا بھی اُس سے تو لکڑے۔ یہ کہہ کر دو نو جدا ہو گئے۔ شمس الدین اپنے خواہگاہ میں  
چلا گیا۔ اور نور الدین اپنے کمرے میں جا لیٹا۔ مگر بے چین اور غصے کے مارے اُسے نیند



بہت کچھ واسطے بھی دئے۔ مگر اُس رُوسیاہ لعین نے ایک نہ مانا اور سب کو لے ہی گیا۔ اب تجھے  
 خوف ہے کہ آپ مجھے ماریں گے۔ اپنے لڑکے کی زبان سے یہ باتیں سُکر میرا دل سرد ہو گیا۔ اور  
 بے اختیار دھڑکیں مار کر رونے لگا۔ اتنے میں میرا چچا بھی آ گیا۔ اور میرے رونے کا سبب پوچھا  
 بیٹے ساری سرگذشت سنا دی۔ یہ بھی میرے پاس بیٹھ کر رونے لگا اور ہم آدھی رات تک  
 یوں ہی گریہ و بکا کرتے رہے۔ پانچ دن تک ماتم بھی رکھا آخر خاموش ہو رہے۔ اب اکتالیس  
 بے گناہوں کو پھانسی پر چڑھتے دیکھا نہیں گیا اور میں حاضر ہو گیا ہوں۔ خدا کیلئے جلدی بھیج  
 کیفر کردار کو پہنچائیے۔ خلیفہ بولا۔ میں اُس رُوسیاہ ملعون کے سوا اور کسی کو قتل نہ کروں گا۔  
 سنو جعفر! تین دن کے اندر اُس خبیث غلام کو پیدا کرو۔ ورنہ تم لوے جاؤ گے جعفر رونے  
 لگا اور سوچتا تھا کہ اب میں اس غلام کو کہاں سے پیدا کروں گا۔ خدا جانے وہ کون تھا، لیکن  
 پھر یہ سوچا کہ جس خدائے مسبب الاسباب نے پہلے اُس کی جان بچائی ہے۔ کیا عجب ہے  
 کہ اب بھی اُسے آجائے۔ وہ گھر جاکے بیٹھ رہا۔ تین دن ایک بھٹکتے میں گزر گئے۔ چوتھے روز  
 حاضری تھی۔ وزیر نے قاضی کو بلا کر دعوت کی۔ اور سب سے وداع ہوا تھا کہ خلیفہ کے آدمی پہنچ گئے  
 وزیر سب سے چھوٹی لڑکی کو گود میں لیکر پیار کرنے لگا۔ اور جب اُسے چھاتی سے ہٹایا۔ کوئی  
 گول سی چیز محسوس ہوئی۔ پوچھا۔ بیٹی! یہ کیا ہے۔ لڑکی بولی سبب ہے جس پر ہمارے امیر المومنین  
 کا نام لکھا ہے۔ اور میں نے اُس حدیث غلام ریحان سے دو دینار کو مول لیا ہے۔ وزیر حیران  
 رہ گیا اور غلام کو اپنے سامنے بلا کر پوچھا۔ یہ سبب تو نے کہاں سے لیا ہے۔ اُس نے سچ سچ بتا دیا  
 کہ ایک دن ایک گلی میں ایک لڑکا کھیل رہا تھا اُس سے چھین کر میں نے چھوٹی بیگم صاحبہ کے ماتھے  
 دو دینار پر بیچ ڈالا۔ اور اُس لڑکے نے رو رو کر مجھ سے بیان کیا تھا کہ میری بیمار والدہ  
 کے لئے جبرایا پ دو دراز سے تین سبب لایا ہے۔ مگر میں نے اُس کی کچھ نہ سُنی۔ وزیر کا چہرہ  
 اور بھی بڑھ گیا۔ پھر اُسے وہ خلیفہ کے حضور میں لے گیا۔ ریحان نے وہاں بھی وہی تقریر  
 کر دی۔ اس کا قصور نہایت تھا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کی سبقت کی گردن مارو۔ مگر وزیر نے  
 سفارش کی۔ کہ صاحب! وزیر نور الدین اور اُس کے بھائی شمس الدین کی حکایت اس سے بھی  
 عجیب تر ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ سنو اگر اس سے عجیب تر ہوئی تو تمہارے غلام کا قصور

سے منظور تھی۔ اسلئے میں نے بذاو کا کوٹہ کوٹہ سیب کے لئے چھان مارا۔ مگر ایک دینار پر بھی سیب کا ایک دانہ تک نہ مل سکا۔ ناچار میں بالوس ہو کر بڑی رات گئے گھر آیا۔ اور اسی فکر میں رات گزار دی۔ اگلے دن ایک بڑھے مالی نے مجھے پتہ دیا۔ کہ سوائے شاہی باغ بصرہ کے اور کہیں سے سیب نہ مل سکیگا۔ میں جیسے ہو سکا۔ بصرہ میں پہنچا۔ اور تین دینار کے بدلے تین سیب اس باغ کے مالی سے خرید کئے۔ انہیں لیکر جہاں تک جلد ہو سکا۔ میں اپنے گھر آیا۔ اور بیٹوں سیب اُسے دے دیئے۔ مگر اُسے کچھ فرصت نہ ہوئی۔ کیونکہ بخار نے پھر اُسے آدیا بابتھا۔ اور وہ سخت ضعیف ہو رہی تھی۔ دس دن کے بعد اُسے ہوش آیا۔ اور میری اپنی دکان پر آکر خرید و فروخت کرنے لگا۔ دوپہر کے وقت جب میں اپنی دکان پر پہنچا تھا میں نے دیکھا کہ حبشی غلام ہاتھ میں سیب لئے اُچھالتا جا رہا ہے۔ میں نے فوراً اپنا سیب چار لیا اور اُس سے پوچھا۔ کہ تم نے یہ سیب کہاں سے لیا ہے؟ وہ بولا۔ اپنی معشوق سے وہ جا رہی تھی۔ اور میں اُس کی خبر لینے گیا تھا۔ اُس کے پاس تین سیب رکھے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کہاں سے لئے۔ وہ بولی۔ میرا شوہر میرے لئے کسی دور دراز مقام کے تین دینا کو لایا ہے۔ ایک اُن میں سے میں نے بھی اٹھا لیا۔ یہ پورے پتے کی باتیں سنکر میرا دل بھرما گیا اور دنیا آنکھوں میں سیاہ ہو گئی۔ فوراً دکان بند کیا اور گھر کا راستہ لیا۔ سوچتا جاتا تھا کہ میں تو بد ذات سے اس قدر محبت کروں اور وہ اُسکا اجر یہ دے۔ سچ ہے۔ عورت کی ذات سے وفا کی امید رکھنی نا دانی ہے۔ اسی حالت میں گھر پہنچ گیا اور دیکھا کہ میری عورت کی چار پائی کے پاس وہی سیب رکھے ہیں۔ تیسرا غائب ہے۔ میں نے حقا ہو کر دریافت کیا وہ تیسرا سیب کہاں ہے؟ جس کا جواب بڑی رکھاوٹ سے یہ ملا مجھے کیا معلوم نہیں ہوگا یہ سنکر اُس بد ذات حبشی غلام کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ فوراً چھڑی اٹھا اپنی زوجہ کے پیٹ میں جھونک دی۔ اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے صندوق میں بند کئے۔ پھر صندوق کو حجر بردار درجہ میں جا پھینکا اور سخت پریشانی کی حالت میں گھر کو لوٹا۔ دروازے پر پہنچ کر بڑے رشکے کو روتا پایا۔ جب سیب پوچھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ ایک سیب اُٹھا کر کھیل رہا تھا اور کوئی حبشی غلام اُس سے سیب کو چھین لیکھا جسکے پیچھے وہ بہتیرا بھاگا۔ اور

اُسے سولی پر لگا دیں۔ سارے شہر میں بھی سُنا دی کی گئی کہ خلیفہ کے حکم سے وزیر اور اُس کے چالیس اقربا خلیفہ کے دروازے پر بھانسی دئے جائیں گے۔ جسے دیکھنا منظور ہو چلا آئے۔ لوگ جوق ورجوق آٹھے ہونے لگے اور قریب تھا کہ جلاد اُن سب کو پھانسیوں پر لگا دیں۔ انہیں میں خلعت کے ہجوم کو چیرتا ہوا ایک نوجوان نکلا اور وزیر کے ماتحتوں کو دوسہ دیکر کہنے لگا۔ جس عورت کی لاش آپ نے صندوق میں پائی تھی۔ میں اُس کا قاتل ہوں اور قصاص دینے کے لئے حاضر ہوں۔ ابھی اس کی بات درمیان میں ہی تھی کہ ایک بڑبڑا ہوا سُرعت سے دوڑتا ہوا آواہاں آکر بھڑکیا اور بولا یہ بھوٹا ہے۔ اُس کا قاتل میں ہوں۔ نوجوان نے جواب دیا۔ حضرت یہ بوڑھا سٹھپا گیا ہے۔ اور اسلئے یہ اپنے حواس میں نہیں۔ آپ یقین کریں۔ کہ میں ہی اس عورت کو قتل کیا تھا۔ بوڑھا بولا بتیائیں نوجوان ہو اور میں دیتا سے سیر ہو چکا ہوں۔ اس لئے مجھے وزیر پر اور اُس کے اقربا پر تصدیق ہو چکی۔ دو۔ علاوہ انہیں قاتل بھی تو میں ہی ہوں۔ معفران باتوں کو سُکر حیران رہ گیا اور دونوں کو لیکر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضور! قاتل حاضر ہے۔ خلیفہ چونکا اور کمرٹھا کر پوچھا لا کہاں ہے۔ وزیر نے جواب دیا۔ یہ جوان کہتا ہے۔ میں ہوں۔ اور یہ بوڑھا کہتا ہے کہ میں نے قتل کیا تھا۔ خلیفہ نے اُن سے پوچھا۔ بتاؤ تم میں سے کس نے قتل کیا۔ جوان بولا۔ میں نے۔ اور بوڑھے نے کہا۔ میں نے۔ خلیفہ نے حکم دیا جاؤ۔ دونوں کو پھانسی دیدو۔ وزیر جعفر بولا حضور! ایک کے برے دو کا مارنا گناہ ہے۔ جوان بولا بخدا۔ اس کا قاتل میں ہوں۔ چلو مجھے مقتل میں لے چلو۔ بوڑھا یہ سُکر خاموش ہو گیا۔ خلیفہ نے بھی خیال کیا۔ کہ وہی اصلی قاتل ہے۔ پھر اُس سے پوچھا۔ تمہیں اس بگناہ کو قتل کرتے وقت خدا وحاکم کا خوف بھی نہ آیا۔ اور پھر آپ ہی اب قصاص کے لئے کیوں آگئے ہو؟ جوان نے جواب دیا۔ یا حضرت یہ عورت میری زوجہ اور اس بوڑھے میرے چچا کی بیٹی تھی۔ ہم میں کمال محبت تھی۔ اور خداوند نے اس سے مجھے تین اڑکے عطا فرمائے تھے۔ اس لیے اس کے آغاز میں وہ سخت بیمار ہو گئی اور بڑی دودھ دھوپ سے کچھ آرام آیا۔ میں نے اُسے حمام کرانا چاہا۔ وہ بولی حمام کرنے سے قبل میری سیب کھانے کو چاہتا ہے۔ از حد محبت ہوئی کہ سبب چونکہ مجھے اس کی خاطر ہر طرح

نے جوابدیا۔ بیٹا میں ایک غریب ماہیگیر ہوں۔ ایک زوجہ اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس  
 پیشے سے ہیں ان کا پیٹ پالتا ہوں۔ لیکن اکثر محتاجی ہی میں گزرتی ہے۔ آج بھی حسب معمول  
 دوپہر سے پھلیاں پکڑنے دریا پر آیا تھا۔ لیکن اس وقت تک ایک بھی پھلی جال میں نہیں آئی  
 ناچار مایوس ہو کر گھر جاتا ہوں۔ اب بھلے فاقے میں بسر کرونگا۔ اسی لئے قسمت کی شکایت  
 کر رہا تھا۔ خلیفہ کو رحم آیا اور کہنے لگا۔ بڑے میاں! آؤ۔ تو ایک دفعہ اور قسمت آزمائی کرو  
 کچھ نکلے یا نہ نکلے ہم تجھے ایک سو دینار عطا کریں گے۔ غریب بوڑھا یہ بات سن کر خوش ہو گیا  
 اور اٹے پاؤں ان بیٹوں کے راہ ہولیا۔ اور کنار دریا پر ہینچ کر جال پھینکا اور تھوڑی دیر  
 بھر کر اُسے کھینچ لیا تو ایک بھاری صندوق نکلا۔ خلیفہ نے اُسے ایک سو دینار عطا کر دیے  
 اور صندوق کو مسرور کے کندھے پر رکھوا کے گھر کو لیچلا۔ محل میں ہینچ کر اُسے ترہایا۔  
 تو اس میں سے کوئی چیز سرخ ریشمی کپڑے میں لپیٹی ہوئی پائی۔ فوراً اُسے بھاڑ ڈالا  
 اندر سے ایک اور کپڑا نکلا اُسے بھی پھڑوا دیا۔ تو خلیفہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھے تو  
 ایک خوبصورت بی بی کی لاش ٹکڑے ٹکڑے کر کے بندھی ہوئی تھی۔ خلیفہ ہست برسم سٹا  
 وزیر و زہر کی طرف خطاب کر کے کہا۔ تم میری رعیت کی ایسی ہی حفاظت کیا کرتے ہو اور تمہارے  
 عہد و زارت میں ایسے ظالم لوگ بھی ہیں جو اس سنگدلی سے میری رعیت کو قتل کرتے دریا پر  
 ڈال دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ایسے مقتولوں کے خون کا بھری سے مواخذہ ہو گا۔ پس  
 اگر تم اپنی جان سلامت چاہتے ہو تو فوراً اس کے قاتل کو پیدا کرو۔ ورنہ یاد رکھو تمہارے  
 ساتھ تمہارے خاندان کے چالیس اور کس ایک تضا ص میں سولی پر لٹکائے جائیں گے  
 وزیر جعفر نے بہن و ن کی مہلت طلب لی۔ جسے خلیفہ نے منظور کیا۔ جعفر کمال مغموم ہو کر  
 گھر آیا۔ اور سوچنے لگا۔ اتنے بڑے شہر میں قاتل کا ملنا دشوار ہے۔ بالفرض اگر اُسے  
 پا بھی لوں۔ تو آواز کمال سے لاؤنگا۔ اور اگر کسی دوسرے کو پھانسیوں تو اسے میری طبیعت  
 ناپسند آتی ہے۔ ناچار تین دن گھر میں ہی بیٹا۔ نا۔ چہ تھوڑے دن خلیفہ نے اُسے بلایا کر پوچھا  
 "اس کا قاتل کمال ہے۔ جعفر لا اسے میرا مونسین! میں غیب دان تو ہوں نہیں  
 کہ آپ کو قاتل کا پتہ بتا سکوں۔ یہ سن کر خلیفہ غیظ و غضب میں پھر گیا۔ اور حکم دیا۔ کہ

جا رہی تھی۔ زہنا راس قوم کے ساتھ میل جول نہ بڑھانا۔ یہ انخوان الشیاطین ہیں اور خدا کے نام سے گھبراتے ہیں۔

بچنے پوچھا۔ تمہارے باپ کا ان کے ساتھ کیسے برتاوا تھا۔ وہ بولی۔ میرا باپ ان لوگوں سے کبارہ کش رہتا تھا۔ لیکن اب میری چائے ہے۔ کہ میرا باپ بھی مر گیا۔ اب یہاں رہنے سے کیا فائدہ؟ چلو اپنے وطن کو لے جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ بندوق چلوں گی۔ یہ سنکر مینے اُس کے باپ کی سب جاؤ بیچ ڈالی اور اس انتظار میں بیٹھا۔ کہ کوئی جہاز ملے تو یہاں سو کوچ بولیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد رستہ ایک جماعت وٹاں سے چلنے والی ہے انہوں نے اپنے لئے ایک بڑا جہاز تیار کیا۔ اور میں نے بھی اس پر جانے کی ٹھکان لی۔ کراہے ملے ہو گئے۔ اور مقررہ روز پر اُس پر سب کچھ لاد کر وٹاں سے چل پڑا۔ ہوائے برافق نے جہاز کو اس دامن سے بندر لیرہ تک پہنچا دیا۔ وٹاں سے مینے بغداد کی راہ لی۔ اور گھر پہنچ کر مالی واسا با اور بشمار دولت ٹکانے رکھ کے عہد کیا کہ آئندہ کبھی سفر کا نام نہ لؤنگا۔ جب مینے متعلقین کو اپنا قصہ سنایا تو وہ بڑے حیران ہوئے اور مجھے بہری سلامتی پر مبارکبادیں دینے لگے۔ اب بھائی ہند بادا مینے ان مشقتوں سے روپیہ حاصل کیا ہے اور اب آرام کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ تو مجھے معاف کر دیکھا۔ اگر میں تیرا حق ادا نہیں کر سکا۔ اب تو جو پوچھا ٹھانا چھوڑ دے اب سے میں اور تو دوستانہ طور پر پسراوقات کیا کریں گے۔

تین سیب اور ایک عورت کے دھوکے سے مارے چانکی حکایت

ملکہ شہزادہ بولی جعفر خلیفہ مارون الرشید اکثر راتوں کو بھیس بدل کر شہر میں رعیت کے حالات اپنی آنکھوں دیکھنے کے لئے پھر کرتا تھا۔ ایک رات وہ وزیر جعفر اور خواجہ سرا مسرور کو ہمراہ لیکر حکام شہر کا حال دیکھنے کے لئے تینوں نے بھیس بدل لیا۔ اور پھرتے پھرتے ایک گلی میں وارد ہوئے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا طویل القامت سر پر جال اور کاندھوں پر ناریل کے پتوں کا کوکرا دھرے لٹھی عیبتا چلا جا رہا ہے۔ اور اپنی فرست پر افسوس کر رہا ہے۔ خلیفہ بولا۔ یہ شخص بہت غریب معلوم ہوتا ہے۔ آؤ۔ اس کا حال دریافت کریں وزیر آگے بڑھا۔ اور پوچھا۔ بڑے میاں! تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو۔ بوڑھے نے

میرے دیکھتے دیکھتے اڑ گیا اور میں وہیں رہ گیا۔ اسی طرح کئی دفعہ اس کے پاس گیا۔ آخر ایک دن اُس نے مان ہی لیا۔ میں اُسکے پردوں سے لٹک گیا۔ اور وہ سب آسمان کی طرف اڑے۔ حتیٰ کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز آنے لگی۔ گھر بار سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میرے منہ سے بھی حیرت کے مارے سبحان اللہ اور الحمد للہ نکل گیا۔ فوراً آسمان سے آگ کا شعلہ نکلا۔ اور قریب تھا کہ ان سب کو جلا دے۔ اتنے میں میرے اٹھانے والے نے مجھے ایک اونچے پہاڑ پر دے پڑھا۔ اور سب کے سب غصے میں بھر کر مجھے اکیلا چھوڑ چلے گئے۔ میں نے اپنی بے عقلی پر پھر لعنت کی۔ کہ میں بھی خوب ہوں۔ ایک نصیحت سے محنتکار نہیں بلتا کہ دوسری میں جا پھنستا ہوں۔ ناچار اٹھا اور ادھر ادھر بٹھلنے لگا کہ دو چاند سے ٹکھڑوں والے لڑکے دکھائی دئے جن کے ماتھے میں سونے کی لائٹھی پکڑی ہوئی تھی۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے بھی محبت سے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں۔ انہوں نے کہا خدا کے بندے۔ پھر انہوں نے وہ سونے کی چھڑی عبادت کر دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ میں اسی پہاڑ پر پھر لے لگا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک اثر و تا ایک آدمی کو نکالے جائے۔ آدمی نے غل جھپایا کہ جو کوئی مجھے بلا سے نجات دے خدا اُسے ہر مشکل سے نجات دے گا۔ میں دوڑا اور وہ لائٹھی اٹھا کر اڑا کہ اڑو ہے کو دے ماری۔ فوراً وہ آدمی اُس کے منہ سے چھوٹ پڑا۔ اور اُسے بڑھ کر کہنے لگا۔ آپ نے میری جان بچائی ہے۔ میں آپ کا مشکور ہوں اور آپ ہی کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں نے منظور کیا۔ اب ہم ایک سے دو ہو گئے۔ اور پھر لے لگے۔ اتفاقاً سامنے مجھے ایک جماعت آدمیوں کی دکھائی دی۔ اور ان میں میں نے اُس شخص کو بھی پایا جو مجھے گھر سے اڑا کر لایا تھا۔ میں نے اپنے بیان پھینکے جانے کی وجہ پوچھی۔ تو وہ بولا۔ تم نے تو سبحان اللہ کہہ کئے ہیں ہلاک کر دیا تھا۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے کچھ علم نہ تھا۔ ورنہ ایسا نہ ہوتا۔ اسلئے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں۔ کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔ اس شرط پر اُس نے مجھے اٹھایا اور گھر لائے چھوڑ دیا۔ جب میں اپنی بی بی کے پاس آیا۔ اُس نے مجھے سلامتی پر مبارکباد دی۔ میں نے لگی۔ میں آپ کے ان لوگوں کے ساتھ جانے کی خبر سن کر سہی

ہوا کہ یہ تھارا مال ہے۔ اگر ہر سکے کو بولو۔ ورنہ کوئی اچھا موقعہ آنے پر دیکھا جائیگا۔ اور اس وقت تک اس کی حفاظت میرے ذمہ رہی۔ مینے کہا کہ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے منظور ہے۔ اُس نے کہا۔ تم اسے میرے پاس گیارہ سو دینار پر بیچ سکتے ہو۔ مینے کہا بہت اچھا۔ غرض سو دیا ہو گیا اور جب ہم گھر پہنچے بوڑھے نے مجھے گیارہ سو دینار گن دئے۔ پھر تعیلیاں بھی عنایت کیں۔ جنہیں ڈر نقد بند کیا گیا اور انہیں ایک مکان میں مقفل کر کے چابی مجھے دیدی ایک مدت وہاں رہتے سوتے گذر گئی۔ ایک دن بوڑھا کہنے لگا۔ بیٹا! میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اگر منظور کرو تو کموں۔ مینے پوچھا وہ کیا بات ہے۔ بوڑھا بولا میں اب ضعیف ہو گیا ہوں۔ کوئی اولاد ترمینہ نہیں۔ صرف ایک لڑکی ہی ہے۔ بڑی سمجھ دار اور فحولہوت میرے پاس جو دولت کثیر ہے اسکی مالک بھی وہی ہے۔ اگر تو اُسے اپنے عقد میں لے آئے تو اس سب دولت کا تو ہی مالک بنے گا اور میری جگہ بھی تجھے ہی بیگی۔ یہ سنکر میں خاموش ہو گیا۔ بوڑھا کہنے لگا۔ کیوں چپ ہو رہے۔ سمجھ تو جواب دو۔ تمہیں سب وساحت اور تجارت سے کوئی نہیں روکے گا۔ جہاں جی چاہے جاؤ۔ آؤر فقط اُسے اپنے عقد میں لے لو۔ مینے کہا حضرت میں آپ کے فرمان سے کیسے سرتابی کر سکتا ہوں۔ بوڑھا بڑا خوش ہوا۔ اور غلاموں کو حکم دیا۔ قاضی صاحب کو بلا لائیں۔ قاضی آیا اور ہمارا نکاح پڑھا گیا۔ جب مینے اپنی عورت کو دیکھا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ وہ بڑی خوبصورت تھی۔ اور نہایت ہی قیمتی جواہرات اور زیورات پہنے تھی۔ غرض ہم میں بڑی محبت ہو گئی اور آرام سے کٹھنے لگی۔ کچھ مدت کے بعد بوڑھا مر گیا اور میں اُس کا قائم مقام مقرر ہوا۔ سو داکروں نے بھی مجھے اُس کا رتبہ دے دیا۔ کیونکہ وہ اُن سب سے بڑا تھا اور جب میں اہل شہر سے ملا مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ کہ ہر ماہ کے شروع میں اُنہی حالت میں عجیب تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ اور ہر ایک کے پر نکل آتے تھے۔ جن سے وہ آسمان کی طرف اڑنے لگتے تھے۔ اور شہر میں بچوں کے سوا اور کوئی بھی نہ رہتا تھا۔ مینے سوچا۔ یہ کہاں جاتے ہیں۔ کسی سے پوچھا جائے۔ تھوڑے ہی روز کے بعد اگلا مہینہ بھی آ گیا۔ اُن لوگوں کے پر پڑنے لگے نکل آئے مینے اپنے ایک ہسنا یہ سے تعالیش کی۔ کہ مجھے بھی ساتھ لے چلے۔ جہاں وہ سب جاتے ہیں۔ اُس نے کہا یہ ہرگز نہ ہو گا۔ وہ



پہاڑ کے نیچے سے نہر کو گذرتے دیکھ کر میرے حواس لگے فرو ہونے۔ مینے چاہا کہ ہوسکے تو کشتی کو باہر لے آؤں۔ مگر پانی کا زور غالب آیا۔ اور وہ مجھے بہا لے گیا۔ مجھے خوف تو بڑا آیا۔ مگر اس سہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر سمجھ کر میں بے پرواہ سا ہو گیا۔ آخر خدا خدا کر کے کشتی باہر نکلی اور ایک خوش فضا وادی میں آ پہنچا۔ ہو اچل رہی تھی اور ندی اسٹائشیں لے رہی تھی۔ مینے کشتی کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر قدرت کی طاقتوں کے ساتھ ایک ضعیف انسان کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ کشتی نیچے اور پر ہو رہی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اب گرنے ہی کو ہوں۔ اتنے میں میری نظر ایک عظیم الشان شہر پر جا پڑی۔ جو اس نہر کے کنارے پر واقع تھا۔ وہاں کے کئی باشندوں نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ اور میری طرف دوڑے آئے اور مجھے ہاتھوں ہاتھ اٹھالیا۔ اور میں ہر اکرمزدوں کی طرح گر پڑا۔ اتنے دنوں کا بھوکا اور اس قدر مشقت کی تھی۔ کہ میں ہی جانتا ہوں۔ بلکہ میں جیران ہوں۔ کہ بچ کیونکر رہا اتنے میں اس جماعت میں سے ایک بڑھانکا۔ جس نے مجھے کچھ کپڑے دئے۔ مینے اُنے اپنا ستر ڈھانپا اور فیکدل بڑھا پھر مجھے حمام کی طرف لے گیا۔ حمام سے فارغ ہو کر کپڑے بدلے اور پھر وہ مجھے اپنے گھر میں لے گیا۔ جہاں مینے خوب پیٹ بھر کر اچھے اچھے کھانے کھائے۔ تین دن تک مجھے بڑا صوف رہا۔ اس عرصے میں شریف بڑے کے نوکروں نے میری ایسی خدمت کی۔ کہ میں اور میرا خدا آگاہ ہے۔ چوتھے دن وہ مہربان ہو کر مجھے میری سلامتی پر مبارکباد دینے لگا اور کہتے لگا۔ اگر تم میں طاقت ہو تو ذرا ساحل تک میرے ساتھ چلو اور اپنے مال کو بیکرا اس کی قیمت گرہ میں یا نہ صوبہ میں جیران تھا کہ میرا کون سا مال ہے؟ اس نے مجھے متفکر دیکھ کر کہا۔ بیٹا! اگر تمہارا ارادہ فی الحال اُسے پہنچنے کا نہ ہو۔ تو نہ سہی۔ اچھا تو قوت لے کر آؤ دیکھا جائیگا۔ اس وقت تک میرے ملازم اس کی حفاظت کرینگے۔ بوڑھے کی اس تقریر نے مجھے اور بھی جیران کر دیا۔ ناچار مینے فیصلہ کیا۔ چلو چل کے اپنا مال تو دیکھ لو۔ اور بڑھے سے کہا۔ اچھا جناب چلے۔ میں آپ کے ارشاد سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اُسکے ساتھ بندرگاہ کے بازار تک گیا۔ اور جا کے دیکھا۔ کہ وہاں میری وہی کشتی پڑی تھی جیسے میں سوار ہو کے آیا تھا۔ اب مجھے تپہ لگ گیا کہ وہ صندل کی لکڑے پائیں تھیں۔ نیلا جی شروع ہوئی۔ آخری بولی اکیتر کی دی گئی۔ اس سے کوئی نہ بڑھا۔ آخر بڑھا مجھ سے مخاطب

خاموشی نہ ہوئی تھی کہ تیسری طرف سے ایک اور پھلی جو ان دونوں سے بھی بڑی تھی۔ منہ کھولے دکھائی دی۔ اب تو ہمارے ہوش و حواس بھی پڑا ہو گئے۔ پھر وہ تینوں پھلیاں جہاز کے ارد گرد گھومتے لگیں۔ اور تیسری پھلی نے منہ کھولا ہی تھا کہ پتے ہوئے جہاز کو قتل جائے نہ گا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ اور اس نے جہاز کو ایک چٹان پر سے مارا۔ جس سے جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ سب کچھ ڈوب گیا۔ سارے ساتھی بھی اسباب کے ساتھ ہی گئے فقط میں ابھرا اور قولہ اپنے بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ صرف ایک کپڑا رہنے دیا۔ اتنے میں ایک تختہ میرے ماتھے آگیا۔ جس سے چھٹ کر اوپر کو چڑھ گیا۔ اور اسی سے کشتی کا کام لینے لگا۔ لیکن ہوا اور موجیں اسے اوپر نیچے اچھال رہی تھیں۔ جس سے میری زندگی بھی ڈانڈول ہو رہی تھی۔ میں پھر اپنے تئیں بلات کرنے لگا کہ اچھے بھلے آرام کو لاتا ہوں گھر سے نکلنے کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے۔ سدا باو! تو بازیاں بحری سفر میں سختیاں اٹھانا ہے اور پھر بھی توبہ نہیں کرتا۔ بلکہ توبہ کر کے توڑ دیتا ہے۔ یہ تیرے لئے اچھا نہیں۔ ایسی طمع بھی کس کام کی۔ جس سے جان پرین جائے۔ مروضا کیا یاد میں گذار۔ یہ خیالات اس وقت میرے دلیں موجزن تھے۔ ناچار میں نے سخت ارادہ کر لیا۔ کہ اگر اب کے بار جب تباہی آج۔ گوشت لہر تک سفر کا نام نہ لوں گا۔ غرض دو دن تک برابر یہی حال رہا۔ تیسرے دن ہوا بھی ختم گئی ایک جزیرے کا کنارہ بھی قریب آگیا۔ میں تختے سے اتر کر کنارے پر چڑھ گیا۔ بھوک لگی ہوئی تھی اور سخت تھک رہا تھا پہلے تو تھوڑی دیر بٹھ کر دم لیا۔ پھر وہاں سے سڑے توڑ کر کھانے اور پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔ جب کچھ سکت آئی اٹھ کر ادھر ادھر پھرنے لگا۔ اور دیکھا کہ جزیرے میں سے ایک تہہ دوسری طرف جا رہی ہے۔ میںے خیال کیا کہ کہیں اس کا خاتمہ بھی ہو گا۔ مگر میرے دل میں خیال آیا کہ ایک کشتی بنا کر یہاں سے چل نکلتا چاہئے۔ کون پڑا رٹا رہا کہیں پہنچ گئے تو الحمد للہ۔ ورنہ یہاں مرنے سے سمندر میں تو ڈوب کر مرینگے۔ پھر میںے وہاں سے نکل آیاں اکٹھی گئیں۔ جنہں میں نہ جانتا تھا کہ کاہے کی ہیں۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ صندل کی تھیں۔ اور انہیں گھاس کے رتوں سے باندھ کر ایک ٹھیکوٹا تیار کر لیا اور اسے دریا میں ڈال کر میں بھی اوپر چڑھ بیٹھا۔ تین دن تک وہ کشتی برابر چلائی۔ چوتھے دن ایک بند

سادہ اور اپنی معذوری جتانی۔ خلیفہ نے مورخوں کو حکم دیا کہ میری کہانی کو کھٹکھٹا کر نہ لکھیں۔ پھر خلیفہ نے بھی مجھے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اور میں بغداد میں بہ شان و شوکت رہنے لگا۔ یہاں تک پہنچا کہ ایک سودینار ہندو کو دیکر رخصت کیا۔ اور کہا کہ کل پھر آنا۔ سناؤں سفر کی کیفیت بھی سناؤں گا۔ کچھ دن جب حسب معمول سب کے سب آگئے۔ دسترخوان چٹا گیا اور کھانے سے فراغت پا کر سند یاد دلایا۔

### سند یاد جہازی کے ساتویں سفر کی سرگزشت

صاحبو! چھٹے سفر سے واپس آ کر میں پھر عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا جیسی کہ اُس پہاڑی بچے والے دریا میں کئے ہوئے وعدے کو بھی بھلا دیا۔ اور پھر دلی میں سفر کا اشتیاق پیدا ہوا۔ فوراً اسباب سفر آراستہ کیا۔ اور ایک جہاز کو سفر کے لئے تیار پایا جس میں اور بھی کئی تاجر سوار تھے۔ میں بھی اُس پر سوار ہو گیا۔ اور اُن سے مانوس ہو گیا۔ جہاز چل پڑا ہوا موانع مٹتی اسلئے ہم امن و امان سے شہر چین میں پہنچ گئے اور فزے فزے کی باتوں میں مشغول تھے کہ سامنے سے ایک تیز جھونکا ہوا آکا آیا۔ میتھی بھی برسنے لگا۔ جہاز کتاے سے دُور چلا گیا اتنے میں ہم نے کپتان کو دیکھا۔ کہ کپڑے پھاڑ کر سر پیٹ رہا ہے۔ سمنے کہا صاحب کچھ بات تو بتاؤ ہمیں کیوں حیرانی میں ڈال دیا۔ اُس نے کہا۔ خدا سے اپنے بچاؤ کے لئے دعا مانگو۔ کیونکہ ہوائے ہمبر غلب پا کر ہمیں دنیا کے دور دراز سمندر میں ڈال رہا ہے۔ پھر وہ تنختے سے اُترا اور صندوق کھولا کہ ایک پتیلی نکالی۔ اُس میں سے ایک تھوڑی سی مٹی نکالی جو ریت کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ پھر اُس میں پانی ملا یا اور تھوڑی دیر بعد کہ اُسے سو گھٹا۔ اس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اُسے کھولا پڑھا اور بچنے لگا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص یہاں پہنچا وہ بچ کر نہیں نکلا۔ اس علاقے کا نام اقلیم الملوک ہے اور یہاں حضرت سلیمان کی قبر ہے۔ اس سمندر میں بڑی بڑی چھلیاں پانی جاتی ہیں۔ اسکے بعد ایک بڑا شور مٹا سنا دیا۔ اور ہمیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ تاکہ گاہ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بڑی چھلی منہ کھولے ہماری طرف آ رہی ہے۔ اُس کی پیٹ شکل دیکھ کر ہمیں حیرانی لگ رہی تھی۔ کہ اس سے بھی چھلی دوسری طرف سے نظر آئی۔ اُسے دیکھ کر ہمارا رونا ہنسی نکل گیا۔ ابھی

خوش ہوا۔ اور حیران ہو کر مجھے میری سلامتی پر مبارکباد دی۔ پھر مینے اپنے ال میں قیعتی ہڈے  
 نکال کر بادشاہ کے پیش کئے۔ جنہیں اُسے شک کیہ کے ساتھ قبول کیا اور مجھے اپنی خدمت میں بڑا  
 مرتبہ۔ حتیٰ کہ مجھے ہر وقت اپنے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس اثنا میں لوگوں سے وہاں کے حالات  
 دریافت کیا کرتا۔ اور وہ مجھ سے میری ولایت کے حالات پوچھتے رہتے۔ ایک دن باتوں باتوں  
 میں خلیفہ بغداد کی حکومت کا ذکر چل پڑا۔ مینے خلیفہ ہارون الرشید کے عدل و انصاف کی بہت  
 تعریف کی۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اور بولا۔ تیری باتوں سے خلیفہ کی محبت میرے دل میں پیدا  
 ہو گئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تیرے ماتھے اُس کے لئے کچھ ہڈے ارسال کروں۔ مینے کہا۔  
 بہت اچھا۔ جناب۔ میں آپ کے ہڈے خلیفہ کو پہنچا دوں گا اور اُسے اطلاع دے دوں گا۔  
 کہ آپ اُنکے محب صادق ہیں۔ اُسکے بعد مجھے بغداد کی لگن لگ گئی۔ اور میں کسی ایسے جہان کے  
 انتظار میں پڑ گیا جو مجھے میرے وطن میں پہنچا دے۔ مدت گزری آخر ایک دن مجھے خبر ملی۔  
 کہ ایک جماعت نواحی بصرہ کی طرف چلی جا رہی ہے۔ مینے سوچا یہ اچھا ساتھ ہے۔ فوراً اٹھا  
 اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا آپ خوشی سے جاسکتے  
 ہیں۔ اگر یہاں رہنا چاہیں تو ہمارے سرانگھوں پر رہئے۔ اسلئے کہ آپ کی محبت نے ہمارے  
 دل میں گھر کر لیا ہے۔ مینے شکریہ ادا کیا۔ تو بادشاہ نے اُن تاجروں کو بلا یا جو جلاتے  
 والے تھے۔ اور انہیں ارشاد کیا کہ مجھ سے کرایہ جہاز نہ لیا جائے۔ بلکہ اپنے پاس سے  
 مجھے تحائف عطا فرمائے۔ اور خلیفہ کے لئے بھی بہت سے تحفے دئے۔ ایک دن ہوائے  
 موافق دیکھ کر جہاز نے لنگر اٹھا دیا۔ اور چلتے چلاتے پھرتے پھرتے ہم صحیح و سلامت  
 بندر بصرہ میں آ پہنچے۔ تھوڑے دن مینے وہاں ٹھہر کر دم لیا اور پھر تیاری کر کے  
 بغداد کا رستہ پکڑا۔ وہاں پہنچ کر خلیفہ کے در دولت پر حاضر ہوا اور سب ہڈے پیش کر کے  
 پیغام پہنچا دیا۔ پھر میں اپنے گھر آیا۔ میرے رشتہ دار اور متعلقین بڑے خوش ہوئے  
 اور میں بھی خوشی کے ساتھ دن گزارنے لگا۔ تھوڑی مدت کے بعد خلیفہ نے مجھے بلا دیا۔  
 اور ان ہڈوں کے بھیجنے والے کا پتہ و نشان پوچھا۔ مینے جواب دیا۔ یا حضرت میں آپکے  
 سوال کا تسلی بخش جواب دینے سے محذور ہوں۔ پھر مینے اُسے اپنی تمام سرگذشت

رکھتا ہوں۔ اتنے میں بیکار میرے دل میں خیال آیا کہ اس دریا کا انجام بھی تو کہیں ہو گا  
 کیوں نہ ایک چھوٹی سی کشتی بنا کر ڈال دوں۔ بیگیا تو غنہا۔ ورنہ موت تو یوں بھی آئیگی ہی۔  
 میں فوراً اٹھا اور شکستہ جہازوں کے تختے اکٹھے کر کے ایک چھوٹی سی کشتی بنا لی اور جزیے  
 کی کانوں سے جہازات اور موتی اکٹھے کر کے اُس میں وزن برابر کرنے کے لئے ایک طرف  
 رکھ دئے۔ کبھی قدر خاص عنبر بھی رکھ لیا۔ اور جو خوراک بچ رہی تھی اُسے بھی اپنے پاس  
 رکھا کر کشتی خراب چھوڑی۔ اب جو ہو سو ہو۔ پانی کا بھاؤ اُسے کھینچے لیجیلا۔ آخر کار کشتی نہاڑ  
 کے نیچے آ پہنچی۔ وہاں اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیا۔ کشتی آہستہ آہستہ  
 آگے ہوتی گئی۔ اور معلوم ہوا کہ وہ دریا آگے سے کچھ تنگ ہو گیا ہے۔ مجھے بڑا فکر ہوا  
 کہ بس یہیں مٹی ٹکانے لگے گی۔ انہی خیالوں میں میری آنکھ لگ گئی۔ اور جب ہی کھلی  
 کہ اپنی کشتی کو ایک وسیع ساحل پر بندھا دیکھا۔ سورج آسمان پر چمک رہا تھا اور ہوا خوشبودار  
 چل رہی تھی۔ پہلے تو میں سوچا کہ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ لیکن جب آنکھیں ملکر دیکھا  
 تو فی الواقع بیداری کی حالت تھی۔ جب میں اُٹھ بیٹھا تو ہندوؤں اور حبشیوں کی ایک جماعت  
 میری طرف آئی۔ اور اپنی زبان میں مجھ سے گفتگو کرنے لگے جسے میں نہ سمجھ سکا اس  
 لئے میں نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ایک آدمی جماعت میں سے آگے بڑھا اور  
 عربی میں السلام علیکم کہہ کر بولا۔ ہم کسان ہیں۔ اپنے کھیتوں کو پانی دینے آئے تھے۔  
 کہ آپ کو کشتی میں سوتا پایا اور یہاں لاکر کشتی باندھ دی۔ آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟  
 میں نے پہلے اُس سے کھانا مانگا۔ کیونکہ مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ بھالکا ہوا  
 میرے پاس کھانا لایا۔ شکم میرا جو کراں سب کو میں نے اپنا ماجرا سنا دیا۔ اور وہ آپس میں کانا بکھا  
 کر کے مجھ سے کہنے لگے۔ کہ آجیے ہم آپ کو اپنے بادشاہ کے پاس لیجلیں۔ میں نے کہا بہت اچھا  
 پھر انہوں نے کشتی میں سے سب مال و اسباب نکال کر اُٹھالیا۔ اور مجھے وہ بادشاہ کی  
 خدمت میں لیجئے۔ ڈیڑھ گھنٹہ پر پہنچ کر اندر اطلاع کرائی۔ بادشاہ نے سب کو اندر بلا لیا۔ انہوں  
 نے میرا مختصر قصہ بادشاہ کو سنا دیا۔ یہ سن کر بادشاہ میرے ساتھ بہ عنایت پیش آیا اور  
 مجھ سے میرا حال پوچھا۔ میں نے آغاز سے انتہا تک ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ وہ بڑا

پڑھیں۔ دیکھا کہ وہاں اور بھی کئی جہاز ڈوبے پڑے تھے اور ان کا سامان لہروں نے  
 کٹا رہے پر پھینک دیا تھا سینے تھوڑی دور آگے جا کر دیکھا کہ وہ دریا پہاڑ کے نیچے سے  
 گذر کر دوسری طرف جانتا تھا۔ اسلئے وہاں پانی کا بہاؤ بڑے زور کا تھا۔ اور نا واقف  
 جہاز وہاں آ کر ٹکرا جاتے تھے۔ میرے ساتھی وہاں پر مال و متاع کی کثرت دیکھ کر دیوانے  
 ہو گئے۔ مینے اس جگہ جوارات اور قیمتی پتھروں کی بیٹھاریاں دیکھیں۔ اور درشتا ہوار  
 سنگریزوں کی طرف پانی کی سطح میں اڑھٹھک رہے تھے۔ صندل اور عود بھی وہاں کثرت سے  
 پایا اور سب عجیب چیز عین کا چشمہ تھا۔ شدت حرارت سے پہاڑ میں سے مال بہ کر پانی میں  
 گرتی تھی اور اسے پھلیاں نکل کر اگل دیتی تھیں۔ وہی عین بن جاتا تھا صندل اور عود بھی  
 وہاں کثرت سے پایا اور سب عجیب چیز عین کا چشمہ تھا شدت حرارت سے پہاڑ میں سے مال  
 بہ کر پانی میں گرتی تھی اور اسے پھلیاں نکل کر اگل دیتی تھیں وہی عین بن جاتا تھا جو ایک  
 نہایت ہی خوشبودار چیز ہے اور بہت منگی ملتی ہے اور خوش قسمت ستار کو سمندر کے  
 سفر میں بہتی ہوئی مل جاتی ہے جب سورج نکلتا تو ساوی وادی خوشبو سے معطر ہو جاتی تھی  
 اور سورج کے غروب ہو جانے پر وہ جہم جاتا۔ اس پہاڑ نے اس جزیرے کو احاطہ کر رکھا تھا  
 اور اس قدر بلند تھا کہ کسی کو اوپر چڑھنے کی طاقت نہ تھی ناچار ہم جزیرے میں ہی پھرتے  
 رہتے تھے۔ اگلے دن ہم نے وہاں کھانے پینے کا کچھ سامان اکٹھا کیا۔ مگر اندیشہ تھا کہ جب  
 بیختم ہو گیا تو پھر کیا ہو گا۔ اسلئے بھوک مٹانے کے لئے کچھ تھوڑا سا کھالیتے اور پڑ رہتے  
 تھے۔ ہم میں سے جو شخص مر جاتا۔ اُسے اُسی کے کپڑوں میں دفن کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ  
 بہت سے ہمراہی مر گئے۔ صرف چند آدمی رہ گئے۔ لیکن بھوک نے چندے بعد ان کو بھی  
 اگلے جہان پہنچا دیا۔ اور صرف میں ہی باقی رہ گیا۔ سینے پر اپنی زندگی پر افسوس کیا کہ کاش !  
 پہلے میں مر جاتا۔ اور نہیں تو کفن و دفن نصیب ہوتا۔ اب تو مردہ خراب ہے۔ مگر خیر! میں  
 اُٹھا۔ اور اپنے لئے آپ قبر کھود رکھی کہ جب ضعف حد سے گذر جائیگا تو اس میں لیٹ رہوں گا  
 اور ہوا ریت کو اڑا کر مجھے دفن کر دیگی۔ پھر مینے اپنے تئیں ملائت پائی کہ گھر بار چھوڑ کر  
 احق چھٹی بار مصیبت میں پھنسا ہوں۔ اور اگر آپ کے بچ گیا تو آئندہ کے لئے کانوں پر پٹھ

سے بڑی خراب حالت میں ہیں۔ آگے چل کر ہم اس سمندر میں پہنچے۔ جہاں سے موتی برآمد ہوتے ہیں۔ مینے غوطہ خواروں کو ناریل دئے۔ اور غوطے لگوائے۔ دوسرے سوداگروں کی نسبت میری یار میں بڑے بڑے موتی نکلے۔ غرض اسی طرح مال تجارت کا تبادلہ کرتے ہوئے بندر بصرہ میں آ پہنچا۔ اور وہاں سے اپنے گھر آیا۔ اس سفر میں مجھے اس قدر منافع ہوا۔ کہ میں سارے نقصان بھول گیا۔ یہ پانچویں سفر کی حکایت تھی۔ کل اگر پھر تم آؤ تو میں تمہیں اپنے چٹے سفر کی بھی سرگزشت سناؤں گا۔ یہ کہہ کر بندہ یاد کو سودینار اور مٹے وہ شاداں و قحطال گھر چلا گیا۔ اگلے دن حسب معمول جب سب کے سب دوست آکر جمع ہو گئے تو خوشنوا چنا گیا۔ اور کھانا کھا جاتے کے بعد سندباد بھمازی بولا۔

### سندباد بھمازی کے چٹے سفر کی سرگزشت

برادران پانچویں سفر سے واپس آکر میں پیر عیش میں پڑ گیا اور ساری گزشتہ سختیاں بھول گیا۔ ایک دن میں مزے میں بیٹھا تھا۔ کہ تاجروں کی ایک جماعت میرے پاس آئی۔ جو معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے تیار ہو کر آئے ہیں۔ میری آنکھوں میں بھی سفروں کا سارا نقشہ کھینچا اور دل پر اشتیاق غالب آ گیا۔ میں نے جلد جلد اسباب سفر تیار کیا۔ اور بغداد سے بصرہ کی طرف چل پڑا۔ ساحل پر پہنچ کر ایک تجارتی جہاد کو سفر کے لئے تیار پایا۔ اس میں آگے بھی بہت سے تاجر سوار تھے۔ سہنہ بھی وہیں اپنا اسباب رکھوا دیا۔ اور بھماز نے اطمینان سے ننگ اٹھایا۔ دیر تک ہمارا یہ سفر امن و امان سے کئے پڑا۔ اور مختلف جزیروں اور شہروں میں خرید و فروخت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ کہ ایک دن کہتان چلا با۔ پگڑی اتار پھینکی ڈاڑھی فوج ڈالی۔ منہ پیچنے لگا۔ اور جہاز میں شدتِ غم سے گر پڑا۔ سب تاجر اس کے گرد آکھٹے ہوئے اور شدتِ الم کی وجہ پوچھنے لگے۔ وہ بولا۔ ہم ایک ایسے سمندر میں آ پہنچے ہیں کہ جس کا راستہ ہمیں نہیں جانتے۔ راستے میں ہمارے تیر چلنے لگی۔ کہتان نے پالیں اتر وادیں۔ اور جہاز کو توکل پر چھوڑ دیا۔ بالوں کے اتارنے کے اتارے ہوئے ایسا زور باندھا کہ جہاز ایک بڑے پہاڑ سے ٹکرایا۔ اور چور چور ہوا کہ غرق ہو گیا۔ میرے بہت سے ساتھی اور اہل جہاز بھی ساتھ ہی دوبے۔ مگر ہم چند آدمی قدرتِ ایزدی سے بچ نکلے اور شعل کنارے



ہوں۔ میرا ایک بڑا جہاز تھا۔ راستے میں غرقاب ہو گیا اور میں مشکل سے تھکھٹا چلا گیا۔ پہنچا ہوں  
 پہنچا ہوں۔ اور مجھے ایک ڈکرا لایا۔ ساتھ ہی ہدایت کی کہ اسے کتک پتھروں سے  
 پھر لینا۔ پھر مجھے وہاں کے رہنے والوں کی ایک جماعت کے سپرد کر کے کہا کہ زہرا رانجا ساتھ  
 نہ چھوڑنا اور جو کچھ وہ کریں تو نہ بھی وہی کرنا۔ اس طرح سے تو اپنے گھر کو لوٹنے کے لئے کافی  
 زاد راہ کما سکیا۔ پھر ہم سب شہر سے نکلا ایک جنگل میں پہنچے۔ جس میں ناریلوں کے بڑے  
 بڑے درخت کھڑے تھے۔ کہ اُن پر چڑھ سکا انسان کی قدرت سے باہر تھا۔ یہاں مذہبوں  
 کی وہ کثرت تھی کہ الامان۔ وہ بندہ نہیں دیکھ کر بھاگے اور اُن درختوں کی چوٹیوں پر چڑھ گئے  
 میرے ساتھیوں نے فوراً اُن پر کتک پتھر پھینکنے شروع کئے۔ میں بھی اُسی کام میں مصروف  
 ہو گیا۔ اتنے میں بندروں نے ہمارے چلے کا جواب ناریلوں سے دینا شروع کیا اور چند  
 ہی منٹ میں زمین پر اس قدر ناریل اکٹھے ہو گئے۔ کہ ہم سب نے خوب ہٹوس کر اپنے گھر کی  
 بھرے اور شہر کو لوٹ آئے۔ بیٹے خیال کیا کہ ناریل لینے کے لئے اس سے اچھی ترکیب  
 ناکھن ہے۔ پھر میں اپنے محسن کے پاس گیا اور اپنی کارکردگی اُس کے سامنے ڈھیر کر دی  
 اُس نے مجھے ایک مکان کی چابی دی کہ اُن کو وہاں رکھو اور جمع کرتے جاؤ۔ پھر بیچ دینا بیٹے  
 شکریہ ادا کر کے مکان کا دروازہ کھولا۔ اور ہر روز اُسکی ہدایت کے بموجب ناریل اکٹھے کرتا رہا۔  
 حتیٰ کہ میرے پاس کافی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ پھر کسی قدر میں نے اُس میں سے فروخت کر کے پولے  
 اپنی حیب میں رکھے اور باقی کے لئے کسی اچھے گاہک کا منتظر رہا۔ اتنی دنوں میں ایک پڑوسی  
 ناریل خریدنے کے لئے گناے پر آگیا۔ میرے دل میں وطن کی آنفت نے جوش مارا اور  
 اپنی عنایت فرما کے پاس جا کر بیٹھے اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ اُسے بے کشادہ پیشانی سے اجازت  
 دی اور میں کپتان کے پاس گیا۔ اُسے بھی مجھے اپنے جہاز پر بٹھالینا منظور کیا۔ اسلئے بیٹے  
 ناریل کا تمام ذخیرہ جہاز پر بار کیا۔ اور جہاز وہاں سے روانہ ہو پڑا۔ کئی دن کے بعد ہم اُس  
 جزیرے میں پہنچے۔ جہاں چم سیاہ پیدا ہوتی ہے۔ اور کسی قدر ناریل کے معاوضے میں  
 بہت سی سیاہ مرچیں لیں۔ اُس کے بعد اُس جزیرے میں گزرے۔ جہاں سے مندر  
 کی لکڑی ملتی ہے۔ ناریل کے تباہے میں وہ بھی لایا۔ ان جزائر کے باشندے دیں کیلئے

جب نشہ چڑھا۔ وہ بچو دھوکہ جوڑنے لگا۔ تسے بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ بے وقت کی غنیمت تصور کر کے  
 کیمخت کو زمین پر دے مارا۔ اور اس خیال سے کہ ہوش میں آکر پھر مجھے نہ پکڑ لے۔ ایک بڑا  
 سا پتھر اٹھایا۔ اور شیطان کے سر پر اس زور سے مارا۔ کہ وہ مردود فوراً مر گیا۔ میں کیمخت ہو کر  
 اپنے مسکن کی طرف آیا۔ اور اُس جزیرے میں پھر پھرا کر اپنا پیٹ بھرتے لگا کہ کچھ مدت میری  
 معمول رہا۔ اصل میں میں کسی جہاز کے وہاں سے گذرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک دن کی بات  
 ہے۔ خدا نے میری سُن لی۔ اور دُور سے مجھے ایک جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر کے  
 بعد وہ اسی ساحل پر آکھڑا اور جہاز کے سوار کنا سے پر اترنے لگے۔ میں اُن کی طرف بڑھا  
 اور وہ مجھے دیکھ کر میری طرف دوڑے۔ فوراً انہوں نے میرے گرد حلقہ مار لیا۔ اور مجھ سے  
 میرا حال اور اُس جزیرے میں اترنے کا سبب پوچھنے لگے جب میں نے اپنا اُنہیں تمام  
 ماجرا سنا یا وہ میرا رہ گئے اور کہنے لگے۔ اُس بڑے کو لوگ شیخ العبر کہتے ہیں۔ اور جبکہ  
 اُس کے پاؤں تلے آکر کوئی آدمی تیرے سوا زندہ نہیں بچے گا۔ پھر میرے پاس کھانا لائے  
 میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ شریف آدمیوں نے ستر دھاگے کے لئے مجھے کپڑے بھی دئے  
 اور اپنے جہاز پر بٹھا کر وہاں سے چلے گئے۔ رکنی دنوں کے بعد ہم ایک ایسے شہر میں پہنچے  
 جسے بندروں کا شہر کہتے تھے۔ میں اس شہر کی سیاحت کے لئے جہاز سے اتر پڑا۔ وہاں  
 کے باشندے بندروں کے خوف سے سخت جبران ہو کر گھروں کے دروازے بند کر کے  
 کشتیوں میں جا بیٹھتے تھے اور رات وہیں بسر کرتے تھے جب سیر کر کے لوٹا۔ تو میرا خجاستہ زندہ  
 جہاز وہاں سے چل دیا تھا۔ مجھے بڑا فکر ہوا کہ اب کیسے بنے گی۔ میں اُتھی خیالات میں غلطان  
 تھا کہ اُس شہر کا ایک آدمی میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ تو کیوں فکر مند ہے۔ میں نے  
 اُسے اپنی سرگزشت سنا دی۔ وہ شخص براہِ ترجم مجھے اپنے ساتھ اپنی کشتی میں لے گیا  
 اور رات ساحل سے ایک میل سے کشتی ہی میں گزار دی۔ جب صبح ہوئی سب لوگ اپنے اپنے  
 گھروں کو لوٹے۔ میں ہی اپنے محسن کے ساتھ شہر کو گیا۔ اُن لوگوں کا بھی معمول تھا جو شخص  
 رات کو شہر میں رہ جاتا وہ بندروں کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ یہ شہر سوڈان کے مشرق میں تھا  
 پھر میرا محسن مجھ سے مخاطب ہوا کہ تو کوئی صفت بھی جانتا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا۔ میں تو عاجز

میں اسکا قیدی بن گیا تھا۔ رات دن وہ مجھ پر سوار رہتا تھا اور جب سونا چاہتا تھا پاؤں خوب  
تصویر اس جنگل کی جس میں سندباد جہانگیری گرونیپر پرستہ پاسوار تھا



کس کر تھوڑی دیر سوچا۔ اور اٹھتے ہی ٹانگ سے چلنے کا اشارہ کیا۔ کسی دن اسی حالت میں  
گزر گئے۔ میں اپنے نفس کو ملاست کرتا تھا۔ کہ اچھی نیکی برباد گناہ لازم ہو گیا۔ ابکہن پھرتے  
پھرتے مینے کدوؤں کی بلیں دیکھیں۔ کئی کدو پک کر خشک بھی ہو گئے تھے۔ مینے اُن میں سے  
ایک کو لیلیا اور اُسے اندر سے صاف کر کے اُس میں انگوروں کا رس بچھڑوایا۔ جو دن عام  
طور پر مل سکتے تھے۔ پھر کدو کا منہ بند کر کے دھوپ میں رکھ دیا۔ کئی دن کے بعد وہ خاص  
غراب بن گئی۔ اور میں کبھی کبھی اُن میں سے اپنا تھکان مٹانے کیلئے چند گھونٹ لے لیا کرتا تھا  
جب میں اُسے پی لیتا تو میری ہمت بڑھ جاتی تھی۔ ایک دن بڑھے بد ذات نے مجھے  
وہ پانی پیتے دیکھ لیا۔ اور اشارے سے اپنے لئے بھی مانگنے لگا۔ مینے اُسے خوب پلا دیا۔

چکر دیکر بچا لیا۔ اور پتھر کا ٹکڑہ بیچ سمندر میں پڑا کہ زمین تک نظر آگئی۔ مگر دوسرے کا نشانہ  
خطا نہ گیا۔ اور اُس کے لگتے ہی بہا تار پاش پاش ہو کے ڈوب گیا۔ میرے سب ساتھی بھی  
قعر سمندر میں چلے گئے۔ فقط میں چند منٹوں کے بعد پانی سے ابھرا۔ اور ایک تختیہ پاس سے  
بے جاتا دیکھا۔ لپک کر اُسے پاؤ لیا۔ اور اُس کے سہارے ماتھ پاؤں مارنا ایک کنارے پر جا ہی لگا  
میں اب بہت متھک گیا تھا۔ اسلئے چندے کنارے پر دم لیا اور سٹار قدم آگے بڑھایا۔ مجھے  
اس چیز سے کئی سرسبزی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ جا بجا چشے جاری تھے اور سیوہ وار درختوں  
کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک رہی تھیں۔ بیٹے کچھ میوے توڑ کر بھوک مٹائی۔ پھر چشے  
سے پانی پیکر تشنگی کو فرو کیا۔ اور خدا کا شکر یہ ادا کر کے ادھر ادھر پھرنے لگا۔ وہاں کسی  
آدمی کا نشان نہ پا کر مجھے بڑی حیرت تھی۔ اتنے میں شام آگئی اور میں گزشتہ مشقت سے تھک  
کر ایک جگہ دراز ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی وہاں سے آگے بڑھا۔ تھوڑی دُور پر مجھے ایک چھوٹے سے  
چشے کے کنارے پر ایک بڑھا دکھائی دیا۔ جس نے اپنی کمر کے گرد درختوں کے پتے لپیٹ رکھے  
تھے۔ بیٹے گمان کیا شاید یہ بھی میرے ہی جیسا مظلوم ہے۔ اسلئے میں اس کے پاس گیا۔  
اُس نے بھی اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ مگر بولا نہیں۔ بیٹے پوچھا یا حضرت! آپ  
یہاں کیوں بیٹھ رہے ہیں۔ اسکے جواب میں اُسے اشارے سے بتایا کہ کندھوں پر  
اٹھائے مجھے دوسرے کنارے پر پہنچا دو۔ بیٹے سوچا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے اسلئے  
اُسے آگے بڑھ کے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور چشے کے دوسرے کنارے لیجا کر چاہا کہ وہ  
گردن پر سے اتر جائے۔ لیکن وہ تویں اکر گیا۔ اور دونوں ٹانگیں میری گردن کے گرد لپیٹ  
دیں۔ اُس کے پاؤں تمہوں کے تھے۔ جب بیٹے اُسے پھینکنے کا ارادہ کیا۔ تو اُس نے  
اس زور سے اپنی ٹانگوں کے ساتھ میرا گلا دیا کہ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور  
میں بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ بڑھے بد ذات نے جسے بیٹے مظلوم تصور کیا تھا ٹانگوں کے  
تسے فوراً نرم کر کے ایک پاؤں میری پشت پر اس زور سے چایا کہ میں تھلا کر اٹھ کھڑا ہوا اور  
کعبوت نے مجھے سیوہ وار درختوں کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ ناچار مجھے اُس کا کٹنا مٹا پڑا  
مگر جب میں ذرا بھی نافرمانی کرتا۔ وہ فوراً اپنے قدرتی کوروں سے میری خوب خبر لیتا غرض

لیا تمہیں کرتے۔ پھر ہم مختلف جزیروں اور سندروں میں سفر کرتے کرتے بندر بصرہ تک پہنچے اور سلامتی کا شکر یہ ادا کیا۔ مگر وہ اپنی عورت کے ساتھ زندہ دفن ہونا یاد کر کے پرنیاب تک بھی روٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر میں اپنے گھر آیا اور سب متعلقین کو زندہ و سلامت پا کر اور بھی خوش ہوا۔ ایک کے بیٹے بہت ہی خیرات کی۔ اور عیش و عشرت سے بسر کرنے لگا یہ کہہ رہا ہوں! دو سو دینار عطا کئے۔ اور کتنے لگا کر پھر آنا۔ پانچویں سفر کا حال سناؤں گا۔ ہندیا وہاں سے رخصت ہو کر گھر گیا۔ اور حسب معمول آدھڑکا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد زیادہ دیر نہ گزارا۔

### سندیا و جہازی کے پانچویں سفر کی سرگزشت

صاحبزادہ ٹھہری مدت کی عیش و عشرت نے پھر بھی گذشتہ نکالیف کی یاد بھلا دی۔ اور سرور میں سفر کی اُمنگ پیدا ہوئی۔ بیٹے اسباب تجارت خرید کر میرے کار راستہ لیا۔ اور ساحل بحر پر پہنچا ایک بہت بڑا خوبصورت جہاز خرید کیا۔ ایک کپتان بھی نوکر رکھا اور سوداگروں کی ایک جماعت کو ہمراہ لیکر جہاز کا لنگر اٹھا دیا۔ کتنے ہی دن تک ہمارا جہاز بے غل و غش چلا گیا۔ ایک دن ہم ایک جزیرے کے قریب پہنچے۔ جہاں آیا دی کا کوئی نشان دکھائی نہ دیتا تھا۔ میرے سب ساتھی اتر پڑے۔ اور وہاں انہوں نے ایک بہت بڑا گنبد دیکھا۔ وہ رخ کا اندھا تھا۔ مگر میرے ساتھی اُس سے آگاہ نہ تھے۔ اسلئے انہوں نے کلباڑوں کی ضرروں سے قور دیا اور بیون کے کھا گئے۔ پھر میں بھی آگیا۔ اور انہیں منع کرتا ہی رہ گیا۔ بتنے میں ہم نے دیکھا کہ یکایک نہ بھرا چھا چلا ہے۔ کپتان گھبرا گیا۔ اور اُس نے ہم سب کو بکار کر کہا۔ کہ اس اندھے کے ماں باپ آ رہے ہیں۔ جلد جہاز پر آ کے سوار ہو جاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ یہ سنکر ہم دوڑے۔ اور جہاز پر چڑھ کر قور اٹھا دیا۔ مگر رخ کا جوڑا آ پہنچا تھا۔ اور جب انہوں نے اپنے اندھے کو وہاں نہ پایا تو چیختے چلاتے ہمارے جہاز کی طرف آئے۔ اور ہمارے سروں پر خونناک آوازوں کے ساتھ منڈلانے لگے۔ میں ڈر گیا۔ اور جہاز یوں سے کہا کہ جلد جہاز کو نکال کر لیچاؤ۔ پھر فوراً وہ جوڑا چھوڑے آیا تھا اُدھر ہی چلا گیا۔ اور ہم جلد جلد جہاز کو جزیرے سے دور لیجا ڈالے۔ لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ نہادہ پنجوں میں بڑے بڑے پتھر کپڑے ہوئے آگئے اور آتے ہی ہمارے جہاز کو گھیر لیا۔ ایک نے تاک کر پتھر ہمارے جہاز پر پھینکا۔ کپتان نے فوراً جہاز کو

آواز پر روانہ ہوا۔ مجھے اٹھتا دیکھ کر وہ جانور بھی بھاگتا سینے اُس کا تعاقب کیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک غار کے کنارے تک پہنچ گیا۔ اور مجھے روشنی دکھائی دی۔ میری خوشی کا ٹکنا نہ رہا۔ جب میں نے معلوم کیا کہ وہ غار پہاڑ کے دوسری طرف سمندر کے کنارے پر سطح زمین کے قریب ہی کھلتا ہے۔ میں یا ہر نکل آیا۔ اور خیال کیا۔ کہ وہ کوئی دریائی جانور ہو گا۔ جو غار میں مردوں کا گوشت کھانے آیا ہو گا۔ جتنے درگاہ ایزدی میں دوکانہ شکر ادا کیا۔ یہ پہاڑ سمندر اور شہر کے درمیان جا بکلی تھا۔ اور نہایت بلند ہونے کے سبب کوئی ایسی چوٹی پہنچنا جاسکتا تھا اسلئے لوگ اس غار سے ناواقف تھے۔ پھر میں اندر سے تمام کھانے پینے کا سامان اور سب زرد و جاہر جو میں نے زندہ درگوروں اور مردوں سے چھینے تھے۔ نکال لایا۔ اور اطمینان سے سکھ سیر ہو کر بیٹھ گیا۔ تمام قیمتی سامان مردوں کے کفنوں میں باندھا اور اسی کنارے پر کسی جہاز کی آمد کے انتظار میں رہتے لگا جب کوئی خطرناک حالت نظر آتی تو غار میں جا چھپتا۔ ورنہ کنارہ پر ہی اصل قدمی کرتا رہتا تھا۔ خوراک کی طرف سے تو بیکاری تھی ہی۔ ایک مدت یوں بھی بسر ہو گئی۔ اتفاقاً ایک دن دو سمندریں ایک جہاز جاتا ہوا دکھائی دیا۔ جتنے فوراً اپنی دستا اٹاری۔ اور اُس کے ساتھ ایک کپڑا باندھ کر اُسے گھانا شروع کیا۔ میرا اشارہ اُنہوں نے سمجھ لیا۔ کپتان نے جہاز کا رخ میری طرف کر لیا۔ جب قریب پہنچے جہاز کے سواروں نے مجھ سے پوچھا۔ تو کون ہے؟ ہم نے عمر بھر میں یہاں کبھی بھی کسی آدم زاد کو نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا۔ بلکہ تاجر ہوں۔ ایک بڑے جہاز پر چلا ہوا تھا۔ جو یہاں آکے ڈوب گیا تھا فقط میں ہی بچا۔ یا کوشش کر کے اپنا کچھ سامان بچا لیا تھا۔ کپتان نے برے ترحم مجھ لینے کے لئے کشتی پر روانہ کی۔ اور جب میں جہاز پر سوار ہو لیا۔ لنگر اٹھایا گیا۔ پھر کپتان میرے پاس آکر پوچھنے لگا۔ بھائی! مجھے اب تو بتا۔ تو یہاں کیسے پہنچا۔ میں نے شہر اور غار کا واقعہ چھپا کر ایک جہاز ٹوٹنے کا جھوٹا موٹ قصہ سنا دیا۔ اس خوف سے کہ کوئی آدمی اسی شہر پر سوار نہ ہو۔ مباد مجھے پھر گرفتار نہ ہونا پڑے۔ کپتان نے اس سادگی سے مان لیا۔ چہرے میں نے کچھ جاہلرت پریشہ کپتان کے پیش کئے جو اُس قبرستان سے اڑے تھے۔ مگر اُس شریف نے اُنکے لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا۔ ہم لوگ آپ جیسے مظلوموں کی نصرت مدد کیا کرتے ہیں

بی بی مرگئی۔ تو زندہ ہی مڑاؤ لگا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ کون جانتا ہے پہلے کون مر گیا۔ مینے اپنے دل کو تسلی دے لی۔ اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی مدت کے بعد قضا کار میری بی بی کی کو ایک سخت مرض نے آگھیرا۔ اور نا لائق تھوڑے ہی دنوں میں مر گئی۔ لوگ تو اکتھے ہوئے۔ بادشاہ بھی تعزیت کے لئے آیا۔ لاش کو غسل دیکر زروجاہ اور قیمتی کپڑوں سے عیحدہ کر کے کفن پہنا یا گیا۔ پھر تابوت میں رکھ کر اسی غار کی طرف لیچے اور اُسے غار میں چھینک کر میری طرف منسوب ہوئے۔ میں چلاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں مسافر ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ مگر انہوں نے میری ایک بھی نہ سنی۔ اور ایک گھڑا پانی اور ساقم ہی سات روٹیاں رکھ کے مجھے بھی جبراً اندر دھکیل دیا۔ اور غار کے منہ پر پتھر رکھ کے جدھر سے آئے تھے چلے گئے میں ٹھیک زندہ درگور بن گیا۔ اور وہاں پے شمار لاشیں دیکھیں۔ اُن کے تعفن سے میرا دماغ پھٹا جاتا تھا۔ اور میں اپنے لئے پریشان ہوتا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خدا اپنے بندوں کے حق میں جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ خاموش ہو رہا۔ اب مجھے اپنی جان بچانے کا فکر پڑا اُن لاشوں سے دور جا کر اپنے لئے جگہ صاف کی۔ اور وہاں وہ روٹیاں اور پانی لجا کر رکھ دیا وہیں پڑا تھا۔ اور اُس کھانے میں سے اپنی بھوک مٹانے کے لئے تھوڑا سا کھا لیتا۔ اس خوف سے کہ یہ ختم ہو جائے۔ اور میں بھوکوں مرجائوں۔ کئی دن اسی حالت میں گزر گئے ایک دن پھر اسی پتھر کے اٹھنے کی آواز آئی۔ اور بیٹے دیکھا کہ ایک زندہ عورت لٹکائی جا رہی ہے۔ پیٹ بڑا ظالم ہوتا ہے۔ مینے قریب سے ایک ٹرے کی پینڈلی کی بڑی اٹھائی اور تاک کر اس بیگیاہ کے سر پر اس زور سے دے ماری کہ وہ چکر کھاکے گر پڑی۔ اُس کے حصے کی روٹیاں اور پانی مینے اپنے قبضہ میں لئے۔ چند دن ان سے بسر ہوئے۔ پھر تو میلا ہی مہول ہو گیا۔ جہ زندہ درگور ہوتا۔ میں اُسے فردہ درگور نہ کہ اُس کے حصے پر قبضہ نہ کرتا۔ اور اپنی زندگی کو قائم رکھتا۔ وہاں مینے عورتوں کے ہر نون پر قیمتی زروجاہ دیکھے۔ ایک دن انہیں بھی اکٹھا کر کے اپنی خواہگاہ میں لے آیا۔ مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ ایک دن میں بالیوسی کی حالت میں لیٹا ہوا تھا۔ کہ غار کے دو سرے پہلو سے کسی جانور کے بولنے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ میں اٹھ بیٹھا اور کان لگا کر سننے لگا۔ کہ یہ کیا ہے؟ پھر ایک مرد کی پینڈلی کی بڑی لیکر میں اُس



اگر تو انکار نہ کرے۔ اپنے صورت سوال بنکر پوچھا مجھے کیا حال ہے؟ کہ آپ کے ارشاد و کورڈ  
 کر سکوں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں تیری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تو یہاں سے جاتے ہو  
 ناچار طوعاً و کرہاً اپنے اسے منظور کر لیا۔ اور بادشاہ نے اپنے خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی  
 کے ساتھ میری شادی کر دی۔ اور ایک محل میری رہائش کے واسطے دیا۔ میں اپنے گھر میں  
 رہنے سے لگا اور اس کی محبت میں ایسا مبتلا ہوا۔ کہ وطن کی یاد بھی بھول گئی۔ کچھ مدت  
 بعد ہی بسر ہوئی۔ ایک دن میرے ہمسایہ کی بی بی بیمار ہو گئی۔ وہ ہمسایہ میرا دوست بن گیا۔ میں  
 اس کے پاس ماتم پڑسی کے لئے گیا۔ اور اسے بڑا غمگین پایا۔ میں نے اسے تسلی دی اور  
 کہا۔ خدا تم کو دیر تک سلامت رکھے۔ وہ رو پڑا۔ اور بولا۔ تیری یہ دعا بے فائدہ ہے  
 کیونکہ میں کوئی دم کا مہمان ہوں۔ میں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں آج اپنی  
 بی بی کے ساتھ مدفون ہونگا۔ اور یہی اس شہر کی رسم ہے۔ کہ اگر جو مردے تو میاں۔  
 اگر میاں مردے تو جو رو اسکے ساتھ دفن ہو۔ اور کوئی شخص اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔  
 اس رسم کا حال شکر میرے ہوش اڑ گئے۔ مگر میں ضبط کیا۔ اتنے میں شہر کے لوگ بھی آگئے  
 اور رواج کے بموجب مردے کی تہہ و تکفین کر کے جنازہ اٹھایا۔ میرا ہمسایہ بھی با دل  
 ناخواستہ ساتھ ہوا۔ یہ سارا جلوس شہر سے باہر ایک پہاڑ کی طرف آیا۔ جو سمندر کے  
 کنارے پر واقع تھا۔ اور ایک غار کے منہ سے بڑا سا پتھر اٹھا کے لاش کو اس میں ٹکادیا  
 پھر اس آدمی کو بھی اسی غار میں پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی سات روٹیاں اور پانی کا ایک  
 گھڑا بھی رکھ دیا۔ اور غار پر وہی پتھر رکھ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ ہوش تو میرے  
 آگے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ زندوں کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر میرا خون بھی خشک ہو گیا  
 میں بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ حضور! آپ کے ہاں مردوں کے ساتھ زندہ  
 کو کیوں دفن کرتے ہیں۔ اس نے کہا۔ یہ ہماری رسم ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد  
 بھی جوڑے میں جیواں نہ ہو۔ اس لئے ہمارے ابا و اجداد نے اس رسم کی بنیاد رکھ دی تھی  
 میں نے پوچھا۔ کیا مجھے بھی اس رسم کا پابند ہونا پڑے گا۔ اگر خدا ناخواستہ میری ملک کو موت چھ سے  
 جدا کرے۔ بادشاہ بولا۔ البتہ یہ سنکر میں سرد ہو گیا۔ اور اتنی فکر میں پڑ گیا۔ کہ اگر میری

آگے کیا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ لوگ میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے دریافت کرنے لگے۔ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ میں نے اپنی تمام سرگزشت سنادی۔ وہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے۔ تم نے ان ننگے حبشیوں کے ہاتھ سے کیسے نجات پائی؟ کیونکہ وہ تو ایسی مخلوق ہے جو آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔ اور کوئی شخص ان کے ہاتھ میں آکر نہیں نکل سکا۔ میں نے انہیں یہ ماجرا بھی بتا دیا۔ پھر وہ نفیس کھانے لائے۔ اور بیٹے توب میر ہو کر کھایا۔ وجہ یہ کہ مدتوں کا ہوکا تھا۔ ایک گھنٹہ اور نہر کر پھر وہ مجھے اپنے جہاز میں بیٹھے۔ اور لنگر اٹھا کر اپنے شہر کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مجھے اپنے بادشاہ کے پیش کیا۔ میں آداب بجالایا۔ اُسے میرا حال پوچھا اور بیٹے اپنی سرگزشت سنادی۔ بادشاہ اور اُسکے اراکین بڑے حیران ہوئے۔ پھر میرے لئے کھانا ڈگایا گیا اور بیٹے میرے ہر کے کھایا۔ پھر میں شہر کی سیر کے لئے نکلا اور وہاں مختلف نالاکہ کے سوداگروں کی آمد و رفت پا کر مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ پھر بیٹے وہاں کے روستے سے ملاقاتیں کیں اور وہاں کی ایک بات مجھے بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ وہ لوگ گھوڑوں پر نشئی پیٹھ سواری کرتے تھے اس عرصے میں بادشاہ نے مجھے اپنا مصاحب بنا کر اپنی ملکیت کے روستے سے میرا رتبہ بڑا دیا۔ تقابینے بادشاہ سے پوچھا۔ حضرت! آپ کے گھوڑوں پر نشئی پیٹھ سوار ہونیکا کیا سبب ہے؟ کاٹھی کیوں نہیں ڈالتے۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کاٹھی کیا ہوتی ہے؟ ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ میں نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو نہر کے پیش کر دوں۔ اُس نے اجازت دی اور بیٹے ایک سچا کوئلو کر لکڑی کا ڈھانچہ بنوایا۔ جس پر چڑھ کر نشئی پیٹھ کی طرح اسی دیا پھر لوہار کوئلو کر کا بین بنوائیں۔ اسی طرح اُس سے لکڑی کا بھی تیار کرائی۔ اور اس سب ساز کو ایک اچھے گھوڑے پر لگا کر بادشاہ کی خدمت میں لیگیا۔ بادشاہ نے اُس پر سوار ہو کر جب آرام پایا تو نہایت خوش ہوئے۔ مجھے بہت کچھ انعام بخشا۔ بادشاہ کے اراکین نے بھی مجھ سے کاٹھیاں اور لکڑیاں بنا کر اپنے اور مجھے اس قدر نذر وال دیا۔ کہ میرے سارے نقصان پر پہنچ ہو گئے۔ میری اس کارکردگی سے بادشاہ اور اُس کی رعایا مجھے اور بھی عزیز رکھنے لگی۔ ایک دن بادشاہ مجھے کہنے لگا۔ اہم لوگ تیرے جسدِ مغربہ سمجھتے ہیں۔ تو بھی جانتا ہے۔ ہم تیری مفارقت کو ارا نہیں کر سکتے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو وہاں سے کبھی نہ جائے۔ اس لئے میں تجھ سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

ایک ایک دیکھا کہ ناگوں کی ایک جماعت نے اندر سے نکل کر ہمیں گھیر لیا۔ وہ بولتے چلتے  
 کچھ نہ تھے۔ آخر ہمیں ہاتھ کر اپنے بادشاہ کے پاس لپکے جس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ  
 کیا۔ ہم بیٹھ گئے۔ اور اُسے ہمارے لئے ایسے کھانے منگائے۔ جن سے ہماری آنکھیں  
 کبھی آشنا نہ ہوئی تھیں۔ بچے اُن میں سے کچھ نہ کھایا۔ اور یہ بھی خدا تعالیٰ کی عنایت تھی۔  
 مگر میرے ساتھیوں نے اُس پر بھوک کے سبب سے مجنوں کی طرح ہاتھ چلائے۔ اور فوراً  
 بدعاس ہو گئے۔ پھر اُن ناگوں نے انہیں روغن نارجیل پلایا۔ وہ اسے بھی بے عقلی میں غٹ  
 غٹ چڑھا گئے۔ مگر بچے صرف بھوک مٹانے کے لئے چند لقمے اٹھا لئے۔ اسلئے میں اُن ناگوں  
 کا عندیہ سمجھ لیا وہ لوگ مجھ سے تھے۔ اور جس آدمی کو پا لیتے تھے اسے پہلے منجی اشیاں کھلا کر بدعاس  
 کر کے روغن نارجیل پلاتے تھے۔ جس سے وہ غم ہوتا ہو جاتا تھا۔ اور اس کا وہ کار وہ خوش  
 اُسے بھوک کھا جاتا لیتے تھے۔ میرے ساتھیوں کی بھی یہی حالت ہوئی۔ میں نہایت متفکر  
 تھا۔ جی کہ ثقیل غذا اور فکر سے میرا جسم اور بھی لاغر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے مجھے آزاد  
 کر دیا۔ مگر وقت کو عنایت سمجھ کر ایک دن جبکہ وہ سب غیر حاضر تھے۔ وہاں سے کوچ بول دیا  
 اور بھاگا بھاگ اُس مکان سے بہت دُور جا پہنچا۔ کہ وسط سحر میں کسی بلند مقام پر بیٹھ  
 ہوئے ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا جبکہ وہ میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت سپرد  
 تھی۔ اُس نے مجھے واپس لوٹنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً لوٹا اور خوف کے بارے میں جی چلتا  
 تھا۔ کبھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ جب اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سر پر پاؤں رکھ کر  
 ایک طرف کو ہر لیا۔ اتنے میں سورج غروب ہو گیا۔ اور اندھیرا پھیل گیا۔ بچے سونے کا  
 ارادہ کیا۔ مگر خوف کے ارے بند نہ آئی۔ ناچار نیم ٹہی کے وقت اُسے کر ٹھلنے لگا۔ پھرتے  
 پھرتے صبح ہو گئی۔ مارے جو کہ میں بیکل ہو رہا تھا۔ سورج کے ٹھلنے ہی بیٹھے جزیرے  
 کے گھاس پات سے پیٹ بھرا۔ جب بھوک مٹ گئی۔ میں اُٹھا۔ اور آگے بڑھا۔ یہاں سات  
 دن اور رات تک چلتا رہا۔ اُسٹھویں روز دُور سے ایک شکل دیکھی۔ بیٹھے اسی کا رخ کر لیا  
 مگر غروب شمس سے پہلے اُس تک نہ پہنچ سکا۔ جب قریب ہو گیا تو ڈرتے ڈرتے اُسکی طرف نظر  
 کی۔ پھر غور سے دیکھنے سے ایک جماعت دکھائی دی جو کانی مرچیں چُسن رہے تھے میں اور

دینے والی مچھلیاں بھی دیکھیں۔ ان کا چمڑا ایسا سخت تھا کہ وہاں کے سہنے والے انکی ڈھالیں بٹاتے تھے۔ ایک مچھلی بالکل عجیب و غریب شکل کی تھی۔ اور دوسرے وہ بچیم شترچھ دکانی کو بیچتی تھی۔ عرض اب کے بھی بے حساب دولت کما کر میں بغداد میں آیا اور صحیح و سلامت آپہنچنے کے شکر اتر میں بہت کچھ خیرات کی :

تیسرے سفر کا حال سنا چکنے کے بعد ہند یاد کو حسب معمول سو نیار کی ٹھیلی عزت و زانی اور اگلی صبح کو آکر چوتھے سفر کا حال سننے کے لئے دعوت دی۔ جب دوسرے دن سب تہاں حاضر ہو کر کھانا کھا چکے۔ سند یاد بولا۔

### سند یاد جہازی کے چوتھے سفر کی سرگذشت

بھائیو! تیسرے سفر سے واپس آکر بیٹے وہ عیش اڑائے کہ تمام کلفتیں فراموش کر گئیں۔ تھوڑی مدت کے بعد سفر کے خیال نے پھر میرے دل میں گدگدی لی۔ اور اسباب تجارت خرید کر میں دنداد سے چل پڑا۔ بصرہ میں پہنچا ایک جہاز کرایہ پر لیا۔ اور ایک اچھا فادار دیکھ کر تجارت کی جماعت کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا۔ کچھ عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال رہی۔ اور ہم ایک مقام سے دوسرے تک بخیریت پہنچا اسباب کی خرید و فروخت کرتے رہے۔ ایک دن جہاز کو ہوا کا ابھائیو جو نکانکا دکھا۔ کہ کپتان نے پالیں اتر والیں۔ اور کہا کہ طوفان آرہا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ سنکر ہم درگاہ خداوندی میں مالہ وزاری کرنے لگے۔ اتنے میں ایک اور جھونکا اس زور سے آیا۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر جہاز پانی میں ڈوب گیا۔ میرے بہت سے ساتھی بھی اسباب سمیت قعر سمندر میں چلے گئے۔ صرف مجھے اور چند آدمیوں کو لکڑی کا باریک تختہ ماتہ آگیا۔ جھکے سہارے سے ایک رات اور دن کے بعد ہم قریب کے ایک جزیرے تک پہنچ گئے۔ اور بھوک و ٹکناں کے سبب ہم بالکل ردوں کی طرح بن رہے تھے۔ ناچار تھوڑی دیر بٹھ کر ہم نے کنارے پر دم لیا۔ اور پھر خوراک کی تلاش میں ادھر ادھر چکر لگا کر شروع کیا۔ کچھ جڑی بوٹیاں کھا کر تنور شکم کی آگ بجھائی۔ اور چینی ہونے کے سبب وہ ملاٹ آنکھوں میں کائی۔ جب صبح ہوئی تو ہمیں ایک عمارت دکھائی دی۔ ہم نے بڑے اشتیاق سے اس کی طرف قدم اٹھایا۔ اور دروازے پر پہنچ کر بٹھ گئے۔

سب جہاز و لے حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگے۔ کہ ان جنیروں میں تو مردم خوار و دیوہ  
اور اژدہ رہتے ہیں۔ تو یہاں کیسے پہنچا۔ اور کسی طرح سلامت رہا؟ مینے کہا کہ اوتارنا سنا  
لینے دو۔ سب کچھ سنا دیتا ہوں۔ اسلئے پہلے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے۔ جو پٹی عنایت  
سے کپتان نے مجھے عطا کئے تھے اور پھر کھانا کھا کر انہیں اپنی سرگذشت میں وعن سنا دی  
وہ اور بھی حیران ہوئے۔ میں اُن میں بڑی آسودگی کے ساتھ بسر اوقات کرنے لگا۔ آخر کار  
وہ جہاز بہت سے جزائر میں پھرتا پھرتا سلامت میں پہنچا۔ جہاں سے صندل کی لکڑی آتی  
ہے۔ جو کہ ایک کار آمد دوائی ہے۔ کپتان نے وہاں لنگر کیا۔ اور سب تاجر اپنا اپنا مال بیچنے  
اور بدلنے کے لئے یہاں سے اترے۔ کپتان میری طرف حجاج طرب ہوا کہ برادر امیرے جہاز  
پر مدت سے آپکا سوداگر کا مال امانتاً پڑا ہے۔ وہ غریب کسی اتفاقی حادثے سے راستہ میں  
ہی مر گیا تھا۔ اب تک تو میں اُس کا مال بیچتا پرتا آیا ہوں۔ اور ارادہ ہے کہ وطن میں پہنچ کر  
اُسکے مالکوں کو اصل و منافع کوڑی کوڑی ادا کر دوں۔ اب گمشدہیاں میں تیرے سپرد کر دیتا  
ہوں۔ اور اس سوداگر کے وارثوں سے تیرا حق استعی و لودا دوں گا۔ مینے کپتان کا شکریہ  
ادا کیا۔ پھر کپتان نے محرر کو حکم دیا کہ اُس سوداگر کا مال اس شخص کے سپرد کر دے۔ محرر  
نے پد چھا۔ اُس کا نام کیا تھا۔ کپتان نے جواب دیا۔ سندباد جہازی۔ اپنا نام سُکر میں  
کپتان کے سُننے کی طرف دیکھنے لگا۔ اور آخر اُسے پہچان لیا۔ دوسرے سفر میں بھی یہی ہمارے  
جہاز کا کپتان تھا۔ اور مجھے فلاں چٹنے پر سوتا چھوڑ کر چلے یا تھا۔ اب اُسکے خیال میں میں مر چکا  
ہوں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں پوچھ ہی بیٹھا کہ کیا آپ کو سندباد جہازی کے مر جانے کا  
پورا پورا یقین ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ مینے کہا کہ امیر بطین  
تو دیکھو۔ اُس نے مجھ پر ایک غائر نگاہ ڈالی۔ اور بول اٹھا۔ یہی تم ہی تو سندباد جہازی ہو  
کو میرے دوست اچھے تو رہے۔ مینے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ پھر کپتان نے مجھے میرا سارا  
مال سپرد کر دیا۔ اور چندے سلامت میں خرید و فروخت کر کے دوسرے جنیروں کی سیرگی  
جہاں سے لوہا، دلہ چینی وغیرہ معیدا اور قیمتی اشیاء بارکیں اور بندر بصرہ کی طرف لوئے  
اُن جنیروں میں ہم نے پچیس پچیس گز سے طول و عرض پچھو سے پائے۔ اور دودھ

بڑے پتھر اٹھا کر ہماری طرف پھینکے اور میری کشتی سے سوا باقی سب کشتیاں ڈبو دیں۔ فقط ہم تین آدمی بچ نکلے۔ مگر جب کشتی دور دریا میں پہنچی تو موجوں کے لٹلا تلے سے زیر و زبر ہو گئی۔ ایک روز و شب پر ایسی ہی حال رہا۔ دوسرے دن ہم ایک اور جزیرے میں پہنچ گئے۔ جھونکے لگی ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں اتر کر پیٹ بھر کے جنگلی میوے کھائے۔ اور رات ہوتے ہی کنار دریا پر سو رہے۔ ایک ایک سانپ کی کھر کھراہٹ سنے میری آنکھ کھول دی۔ دیکھا تو وہ مارے کے برابر لمبا تھا۔ بھینٹ آتے ہی ہم سے ایک کو ڈر مروڑ کر نکل گیا۔ میں اپنے دوسرے ساتھی کو ساتھ لیکر وہاں سے بھاگا۔ اور دوڑ جاسکے دم لیا۔ مگر سانپ کی ٹڈیاں چلنے کی آواز برابر کانوں میں آ رہی تھی۔ ہر حال یہ اور مصیبت کی رات تھی۔ اب دن چڑھا۔ یہ اور بھی مصیبت میں کٹا۔ شام ہوئی اور ہم کچھ جنگلی پھل کھا کے ایک بلند درخت پر جا چڑھے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اسی سانپ کی آواز آئی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ سانپ چڑھ کے درخت پر میرے ساتھی کو نکلنے سے چلا ہے۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ مگر رات وہیں بیٹھے کے کاٹی۔ بعد منسل صبح ہوئی۔ اور میں نیم جان درخت سے اتر آیا۔ خیال تھا کہ آج رات میں بھی نہ بچوں گا۔ مگر آسا جے زاسا مرے۔ بہت سی لکڑیاں اور کانٹے جمع کئے۔ پھر بوجھ بنا کر کچھ تو درخت کے ارد گرد چھوچھوٹے گئے اور کچھ ٹٹی کے طور پر بنا کر درخت کے اوپر باندھے۔ سارا دن اسی شغل میں گذر گیا۔ رات ہوئی۔ اور میں اپنے بچاؤ کے لئے درخت پر چڑھ کے چھپ رہا۔ سانپ بھی حسیب حال آیا۔ اور درخت کے چاروں طرف گھومنے لگا۔ جب اوپر جانے کو کوئی راستہ نہ پایا تو آخر ناکام لوٹ گیا۔ اپنی محنت میں کامیابی دیکھ کر مجھے کسی قدر مسرت تو ہوئی۔ مگر کئی راتوں کی بیداری کے تکان نے اسے مٹی میں ملا دیا۔ آخرون چڑھا۔ اور میں اسی حالت میں درخت سے نیچے آیا۔ کہ زندگی کو موت پر ترجیح دینا تھا۔ اور سوچتا تھا کہ بکے کی ماں کب تک خیر منائیگی چلو اڑو ہے کی خوراک بننے سے سمندر میں ڈوب مرو۔ میں ڈوب مرنے کا پختہ ارادہ کر کے سمندر کی طرف چلا۔ لیکن فضل خدا شامل حال تھا۔ ایک ہماز دھڑکے دکھائی دیا۔ میںے بلند آواز سے پکارا۔ اور میرے تمامہ اتار کر خوب گھمایا۔ کپتان نے شاید میری آواز سنی یا مجھے دیکھ لیا۔ میری طرف ایک پٹوئی کو بھیجا۔ میں اس پر سوار ہو کر جہاز کی طرف گیا۔

تصویر دلی کی اور دیگر سو اگروں کی مسند بادھاری کے گرفتاری کی



تین آدمی ساسکیں۔ اور انہیں ایک پوشیدہ مقام میں باندھ دیا۔ شام کو ہم اپنے مقتل میں لوٹ آئے۔ وہ دیوبھی آگیا۔ اور حسب معمول ہمیں ایک اور ساتھی کی چاروناچار بھینٹ دینی پڑی جب وہ بدبخت سو گیا۔ اور خاٹوں کی آواز نے تصدیق کر دی۔ تو ہم باقی ماندہ دس آدمیوں نے لہجہ کا ایک ایک سینچہ اٹھا کے نیلے کوٹوں میں رکھ دیا۔ اور جب لال انگارے لگے تو اٹھا کے دیوبھی کے آنکھوں پر رکھ دئے۔ ظالم فوراً اندھا ہو گیا اور دوسے چھنے چلانے لگا۔ اور پکڑنے کے لئے ادھر ادھر ہاتھ پھیلاتا تھا۔ مگر ہم بھاگ کر دور نکل گئے۔ حتیٰ کہ اپنی ساختہ کشتیوں پر جا بیٹھے۔ اور صبح کے انتظار میں تھے تاکہ انہیں کھینچنا شروع کریں۔ پوچھتے ہی ہم نے دیکھا کہ اسی دیوبھی کو اس کی جنس کے دو اور شخص ہماری طرف آ رہے ہیں۔ اور ان کے آگے اور بہت سے دیوبھوتے آتے ہیں۔ ہم نے پانچ تالی کشتیوں کو گھنٹینا شروع کر دیا۔ دیوبھوتوں نے بڑے



لیکن ہم کچھ نہ سمجھے۔ اور وہ رہنمائی سے اوپر چڑھ آئے۔ اس وقت کی بقیہ کاری کا کیا بیان  
 رول۔ الامان امان تن سے نکل گئی۔ آخر انہوں نے پالیں باندھ دیں۔ اور ان کے رستے  
 مٹ کر جہاز کو کنارے پر لے آئے۔ اور ہمیں امان کر جزیرے میں لے گئے۔ جہاز  
 لوگ ان بن مانوں سے بہت بچ بچ کر سفر کرتے ہیں۔ مگر ہمیں تو بد قسمتی و ماں گھیر لگی  
 تھی۔ ناچار اگے ہوئے۔ انہوں نے ہمیں ایک بلند مکان میں بند کر دیا۔ جہاں انسانی ہڈیوں  
 کے ڈھیر کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ اور پاس ہی کیا بھوتے کے لیے لپے آہنی سینچے بھی پڑے  
 تھے۔ یہ اسباب دیکھ کر ہمارے حواس غائب ہو گئے۔ اور ہم داویدا نچانے لگے۔ کیا ایک اندر کا  
 دروازہ کھلا اور ایک مہیب شکل کا دیو ظاہر ہوا جسے دیکھ کر ہمیں غش آگیا۔ اتنے میں وہ اور آگے  
 بڑھ آیا اور ہم میں سے ایک ایک کو اٹھائے وزن کا اندازہ کرنے لگا جس طرح قضائی بکریوں  
 کو ٹوٹاتا ہے۔ پس چونکہ سرے پر کھڑا تھا۔ اسلئے پہلے میری باری تھی۔ مگر میری لاغری اس وقت  
 اُسے ہو گئی۔ اور وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آگے ہو گیا۔ سب کے بعد کپتان کی باری آئی اور تپتی  
 سے وہی سب سے فریب تھا۔ غریب پر سب کی بلا ٹلی۔ دیر نے اُسے پسند کر کے آگ جلائی۔ اور ہمارے  
 دیکھتے دیکھتے اُسے بھون کر کھا گیا۔ اور دیوڑھی میں دراز ہو کر زور زور سے خراٹے بھرنے لگا  
 ہماری اس رات کی مصیبت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا ہی جانتا ہے۔ بڑی مشکل سے  
 صبح ہوئی اور وہ آدم خور دیو جاگ کر ہر نکل گیا۔ اور ہم نے بھوک مٹانے کے لئے جنگل سے  
 کچھ پھل پھولی کھا کر چشے سے پانی پیا۔ اور پھر اسی مکان میں آگے پڑ رہے۔ وہ منحوس پھر سب  
 معمولی شام کو آیا اور ہم میں سے ایک اور کا فیصلہ کر کے دہلیز میں خراٹے بھرنے لگا اور وہ رات  
 بھی جوں توں کر کے کٹ گئی۔ اگلے دن ہم نے جنگل میں پیٹھ صلح کی۔ اس دیو کے متور شکم کا  
 ایندھن بننے کی نسبت دُوب کے مرجانا بد رہا ہوا ہے۔ مگر ایک بابا امان بولا۔ بھئی آدم کے  
 لئے خود کشی سے بڑا اور گناہ نہیں ہے۔ نجات کی کوئی اور تدبیر سوچنی چاہئے۔ اس کے کہنے  
 پر میرے دل میں خیال آیا کہ کناریہ پر کسی مخفی اور محفوظ میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں تیار  
 کر لیا جائیں اور موقعہ پا کر بھاگ نکلیں۔ بچکے تو الحمد للہ۔ ورنہ مرضی مولا۔ بیٹے یہ تجویز پیش  
 کر دی۔ سب نے اُسے پسند کیا۔ شام سے پہلے پہلے کئی ایسی کشتیاں تیار کر لیں جنہیں

پس جس میں سے عرق رس رس کر ایک برتن میں جمع ہو کے جم جاتا ہے۔ وہی کافور ہے۔ پھر وہ شاخ مڑ جھا کر خشک ہو جاتی ہے۔ اُسی جزیرے کا گینڈا لینے سے بڑا اور ناقصی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اُس کے نال پر ایک ماتھے لمبا ایک سٹوس سینگ ہوتا ہے جس پر ایک سفید خط تصور پر انسان کے مشابہ ہوتا ہے۔ گینڈا اپنے اس سینگ کو ناقصی کے پیٹ میں گھسیڑ کر اُسے اوپر اٹھا لیتا ہے۔ مگر لہو اور چربی بہ کر اُس کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ پھر رُخ اُس حالت میں دونوں کو اٹھا لیجا کر اپنے پچوں کو کھلا دیتا ہے۔ جزیرہ روحا سے ہیں اور بھی بہت سے جزیروں میں پھرا۔ اور بہت سی دولت کما کر بندر بصرہ کو واپس آیا۔ وہاں سے بغداد میں چکر بہت کچھ خیرات کی اور آئندہ کے لئے بغداد سے باہر نہ جانے کا عہد کر لیا۔

جب سند یاد اپنے دوسرے سفر کا حال بیان کر چکا۔ اُس نے سو دینار کی فضیلت نہ یاد کو دیکر اور شام کو کھانا کھلا کے رخصت کیا۔ اور کہا۔ کہ میرے تیسرے سفر کا حال سننے کے لئے کل پھر آنا۔ چنانچہ وہ اور دھان اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اگلے دن جب معمول پھر اکٹھے ہو کر تیسرے سفر کا حال سننے کے لئے سند یاد سے التجا کی۔ سند یاد نے دوپہر کے کھانے سے فراغت پا کر تیسرے سفر کا حال یوں آغاز کیا۔

### سند یاد جہازی کے تیسرے سفر کی سرگزشت

بھائیو! اگرچہ میں نے عہد کر لیا تھا کہ اب سفر نہ کروں گا۔ مگر عیش عشرت نے تھوڑے ہی دنوں میں سب برداشت کر دیا مصائب کو بھلا دیا۔ اور پھر تلوعے کھلانے لگے۔ غرض میں نے تیاری کر کے بھڑکی راہ لی۔ اور اسباب تجارت جہاز پر لادوا کر روانہ ہوا۔ یہ سفر جیٹا لمبا تھا۔ ویسا ہی آرام سے کٹا۔ راہ میں ہم نے کئی نئے جزیروں کو دیکھا۔ اور اسباب تجارت بیچ بدل کر آگے روانہ ہوئے ایک دن جہاز جہاز طوفان میں پڑ کر راہ بھول گیا۔ اور ایسے جزیروں کے کنارے جا بٹھا۔ جس کے ارد گرد بھروسے بالوں والے مردم خور ماورزادہ ننگے آدمیوں کے جزیروں کے تھے کپتان نے کہا۔ یہ لوگ جہازوں کے لئے وبال سے کم نہیں۔ اگر اُن کا ایک آدمی بھی اتفاقاً ضائع ہو گیا تو سب ملکر ہمیں ہلاک کر دیتے۔ ہم انہی باتوں سے خائف ہو رہے تھے کہ سوا سا اڑ کے ہزاروں بن النس سند میں تیر تیر کر ہماری طرف بڑھے اور نمٹوں میں آ کے جہاز کو گھیر لیا۔ اور کچھ کہنے

حرف ہوا کے لئے ایک سوراخ رکھ کر اس کا منہ پیٹھر سے بند کر لیا۔ مگر رات بھر ساپنوں اور  
 اژدہوں کی خوفناک آوازوں نے میری آنکھ نہ لگنے دی۔ جب دن نکلنے کے قریب ہوا  
 وہ بلوں اور غار میں گھس گئے اور میں ذرا سو گیا۔ اتنے میں ایک دھماکہ کی آواز آئی۔ میں اٹھ  
 بیٹھا اور غار سے نکل کر دیکھا۔ کہ میرے سامنے ایک بڑا لوٹھڑا تازہ گوشت کا پڑا ہے۔ پھر  
 تو چاروں طرف سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گرنے لگے  
 مینے سو داگروں سے سنا تھا۔ کہ ایک جگہ الماس کی کان ہے۔ اور اس ترکیب سے سو داگر  
 واں سے الماس نکالتے ہیں۔ تازہ گوشت میں جو لیس ہرتی ہے اس سے الماس چھوٹا آتا ہے  
 اور یہ موسم اگسٹ اور گدوں کے اندھے پتے دینے کا ہوتا ہے۔ اس اور گد وہ گوشت گھائی میں  
 سے اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے گھونسلے میں لیجاتے ہیں۔ اور سو داگر ان سے اشیانوں کو تلاش  
 کر کے اپنی اپنی قسمت نکال لاتے ہیں۔ مجھے فوراً اپنی غماھی ایک تیسرے چھوٹی گئی۔ اپنے چہرے کے  
 نقشہ وان میں مینے الماس کے بڑے بڑے ٹکڑے پھرے۔ اور اسے کر کے گرد اپنی گوشت  
 کے ایک لوٹھڑے میں اپنے تئیں گڈڑی سے خوب کس کر باندھ لیا اور زمین پر پڑھ گیا۔ تھوڑی دیر  
 میں ایک بڑا گد آیا اور مجھے اٹھائے لپیلا۔ جی کہ ہاڑ کی چوٹی پر اپنے اشیانے میں جا کر کھانا کھا کر  
 کل بھا کر اسے اڑا دیا۔ پھر ایک سو داگر آئے بڑھ کر میرے پاس آیا۔ اور گھبرائے لگا۔ مینے کہا اطمینان  
 رکھو۔ میرے پاس منتخب الماس ہیں۔ اور وہ سب تمہارا مال ہے۔ اتنے میں دوسرے تاجر بھی  
 وہاں آ گئے اور سب سے مینے اپنی ترنگہ بشت کہ دی۔ وہ بڑے جبران ہوئے۔ پھر مجھے اپنے  
 ساتھ لیکے ڈبرے پر آئے اور میرے الماس دیکھ کر ہکا بکا ہو گئے۔ اس لئے کہ انہوں نے عمر  
 بھر میں اتنے بڑے الماس نہ دیکھے تھے۔ وہاں دستور تھا کہ ہر سو داگر دو ایک اشیانے اپنے  
 لئے مقرر کر لیتا تھا۔ اور ایک کو دوسرے اشیانوں سے کچھ علاقہ نہ ہوتا تھا۔ جس اشیانے کا گد  
 مجھے اٹھالایا تھا۔ مینے اس کے مالک اور اپنے میزبان سے التماس کی۔ کہ میرے الماسوں میں سے  
 کچھ وہ بھی لے لے۔ مگر بڑے اصرار پر اس نے صرف ایک لے لیا اور کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے آئے  
 اور کہنے لگا کہ یہ میری عمر بھر کیلئے کافی ہیں۔ رات مینے ان کے ساتھ ہم ٹھائی۔ پھر ہم جڑیہ  
 روحا میں آئے۔ جہاں ایک درخت اسے کاغذ بناتا تھا۔ اس کی شاخ چھڑی سے ٹکرائے کر شینے

بہاں سے اڑ کے جا رہا تھا۔ تو میں بھی اس قید تہائی سے نجات پاؤں گا۔ غرض وہ رات بیٹھے جوں  
 توں کر کے کاتی۔ اگلے دن صبح کے وقت وہاں سے اڑا۔ اور چشم زون میں ایک صحرا کے  
 درمیان جا اتر۔ بیٹے فوراً اپنے ہمیں اُسکے پاؤں سے جدا کیا۔ رخ فوراً اتر رہا ہے پر  
 چھپٹا۔ اور اُسے اپنے منہ میں ڈال لے اڑا۔ اب میں ایک مصیبت میں پھنس گیا۔ رخ نے  
 جس جگہ مجھے چھوڑا تھا۔ اُس کے چاروں طرف اتنے بلند پہاڑ تھے کہ ان پر چڑھ سکتا آدمی  
 کی قدرت سے باہر تھا۔ مینے وہاں چاروں طرف الماس کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی پائے۔  
 اور انہیں اکٹھا کر کے ایک کپڑے میں باندھ لیا۔ مگر جب مینے وہاں بڑے بڑے اڑد ہوں  
 کی کثرت دیکھی تو میری ساری خوشی تبدیل یہ رنج ہو گئی۔ دن بھر تو وہ اڑد ہے رخ کے خوف  
 سے غاروں میں چھپے رہتے۔ رات کو نکلا اور ادھر ادھر پھرتے۔ مینے اس کے خلاف اپنا مول  
 بھرا لیا۔ دن کو بے فکری سے پھر اکٹھا کیا۔ اور شام ایک چھوٹے سے غار میں جا چھپا اور  
 غصہ پیسہ بچی کاں کی سر نہ پاؤں چھانچ کی حکمت علی سے یوحنا سودا گروں کے خلاصی پانا



گھر گیا۔ اور حسبِ معمول سب ہمان کھانا کھا چکے۔ تو سنا پوتے اپنے دوسرے سفر کا حال یوں سنا  
شروع کیا :-

## سند باد جہازی کے دوسرے سفر کی حکایت

ساجو اپنے سفر میں مجھ پر جو نصیحت پڑی تھی، مینے اُس سے عہد کر لیا تھا کہ اب کبھی سفر کا نام  
نہ لوں گا۔ مگر آخر بیٹھے بیٹھے جی اُٹ گیا۔ اور پھر پاؤں میں کھلا ہٹ ہونے لگی۔ مینے سبھی سفر کا ارادہ  
کر کے تجارتی مال خرید کیا اور دیانتدار مارجوں کے ساتھ ایک اچھے جہاز پر سوار ہو کر گھر سے نکلا۔ راہ  
میں مختلف مقامات کی سیر کرنے اور اسبابِ تجارت بھیچے اور بدلتے چلتے جاتے تھے۔ کہ ایک دن ایک  
سرسبز مگدیران جزیرے کے پاس سے گزے۔ جی میں اس کے سیر کا خیال آیا۔ جہاز مگدیران کے پاس  
گئے اور قریب ہی ایک چٹے کے کنارے جا بیٹھے۔ میرے ساتھی میرے چٹنے لگے۔ اور میں کھانا کھا  
خوار سستے کو لیٹ گیا۔ کبھوت فینہ نے ایسا غلبہ کیا کہ جب جاگنا تو نہ سانسوں کا اور نہ ہی جہاز کا  
نام و نشان نظر آیا۔ اُس وقت مجھے خطر آیا ہوا۔ بیان نہیں ہو سکتا۔ میں ڈھابوں اور مارکر  
روتا تھا اور اپنی بد قسمتی پر سر بیٹھا تھا۔ آخر خدا کو یاد کر کے فریاد کیا۔ مگر حیران تھا۔ کہ کیوں  
اور کہاں جاؤں۔ کیونکہ چاروں طرف پانی اور آسمان کے سوا دوسری چیز ہی نہ دکھائی دیتی  
تھی۔ اتنے میں دور سے ایک سفید چیز گنبد نما دکھائی دی۔ مینے خدا کا نام لیکر ادھر ہی قدیم  
اٹھایا۔ اور قریب جا کر چھوڑا تو سنگ مرمر سفید چکنا سا ایک گنبد نظر آیا جس کا دور پہچان میں  
مگر دروازہ کوئی نہ تھا۔ میں حیران تھا کہ اکیس کیا اسرار ہے؟ اتنے میں چاروں طرف اندھیرا  
چھانے لگا۔ مینے نگاہ اوپر اٹھائی تو دیکھا۔ ایک بڑا پرندہ میری طرف اُڑا آ رہا ہے۔ اُس وقت  
مجھے جہازوں کی ایک بات یاد آ گئی۔ جنہوں نے مجھے بتایا تھا۔ کہ اس لوح میں رُخ نامی ایک  
عظیم الخیثہ ایک پرندہ ہوتا ہے۔ مینے قیاس کیا۔ ہونہ ہو۔ یہ گنبد اُسی رُخ کا اندھا ہو گا۔ میرا  
قیاس غلط نہ تھا۔ وہ رُخ فی الحقیقت وہاں اُڑا لینے آیا تھا۔ میں اُس گنبد سے دور ہو گیا  
اور رُخ اُسپر آ بیٹھا۔ اُس کا ایک پاؤں میرے قریب آ کے ٹکا۔ اور مینے دیکھا۔ کہ اُسکی انگلیاں  
بڑے درخت کی جڑوں کے برابر تھیں مینے اپنے لئے اسے مبارک تصور کیا۔ اور سر سے  
عامہ اُمار کر اپنے تئیں اُسکی ایک انگلی سے مضبوط پانڈھ لیا۔ اس خیال سے کہ کل جب یہ

اور وہ بھاگ نکلیں۔ ایک اور نئی قسم کی مچھلی دیکھی۔ کہ وہ طول میں ایک ہاتھ کی تھی۔ مگر منہ آؤ کی  
مانند تھا۔ میں ایک دن جزیرہ کیسل کے لنگر گاہ میں گھڑا تھا۔ کہ ایک جہاز نے وہاں آکر لنگر کیا۔  
سب تاجر شہر میں لیجانے کے لئے اپنے اپنے اسباب کی گھڑیاں اتارنے لگے۔ ناگہاں ایک گھڑی  
پر نظر جا پڑی۔ جس پر میرا ہی نام لکھا ہوا تھا۔ پھر میں پہچان لیا۔ کہ تو وہی جہاز ہے جو میرے  
سمندر میں چھوڑ گیا تھا۔ میں کپتان کے پاس گیا اور اُس نے اسباب کے بارے میں دریافت  
کیا۔ اُس نے مجھے میری ہی سرگزشت سنا دی۔ مگر مجھے پہچان نہ سکا۔ میں نے کہا میں ہی تو اس کا مالک  
ہمدا باد بعد اوی ہوں۔ اس پر اُس کے کان کھڑے ہوئے اور مجھے جھٹلانے لگا۔ مگر جب میں نے  
اپنی بقیہ کہانی سنائی۔ تو اُس نے مجھے غور سے دیکھ کر پہچان لیا۔ باقی سودا گروں نے بھی میری شہادت  
دی اور مجھے مبارکباد دیکر کہنے لگے۔ یہی همدا باد بعد اوی ہے۔ کپتان نے کہا۔ میں تجھے زندہ  
پاکر بڑا خوش ہوا ہوں۔ اب تو اپنے مال کا مالک ہے۔ میں نے کپتان کی دیانت کی تعریف کی۔ اور  
کہا۔ کہ تھوڑا حصہ وہ بھی اس میں سے لے لے۔ مگر اُس نے انکار کر کے کہا۔ کہ اگر تم نہ بھی ملتے  
تو اس اسباب کو بچ کر نقدی تمہارے وارثوں کو پہنچا دینے کا بیٹہ عہد کر لیا تھا۔ ناچار میں نے  
اُس میں سے اچھے اچھے تحائف لیکر ہمارے ج کی خدمت میں پیش کئے۔ اُس نے پوچھا یہ تہنہ  
کہاں سے لئے؟ میں نے کہا۔ میرا کھویا ہوا اسباب مجھے مل گیا ہے۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اور اُس کے  
عوض مجھے بھاری انعام و اکرام دیا۔ پھر میں نے مال سے مال تجارت تبدیل کر کے مندر کا فو  
آبنوس۔ لونگ۔ مرج سیاہ۔ پھل۔ جانقل وغیرہ جہاز پر بار کئے اور اپنے پرانے ساتھیوں کیساتھ  
وطن مالوٹ کو لوٹا۔ جہاں کہ پھرتے پھرتے جہاں سے ہم چلے تھے۔ وہیں آپہنچے ہندو بصرہ  
میں جہاز سے اتر کر گھر آیا۔ میں نے اندازہ کیا تو اس سفر پر سے ایک لاکھ وینار مجھے منافع ہوا تھا  
میں اس دولت کثیر سے پر عیش و آرام بسر کرتے لگا۔ اور چند ہی دنوں میں ساری دولت بھول  
گئی۔ یہاں تک پہنچ کر همدا باد نے سطرلاب کو گائے اور بچانے کا حکم دیا۔ اور اس کے بعد شام کو  
کھانا کھا کے همدا باد کو سو وینار کی پھیلی پیش کی۔ اور کہا کہ اب تم گھر جاؤ اور بال بچوں کو سونپ دو  
اور کل پھر آنا تو دوسرے سفر کا حال سناؤ لگا۔ همدا باد نہایت خوش ہوا اور اپنے بال بچوں  
میں آکر انہیں همدا باد کی نمائندگی کا ذکر سنایا۔ اگلے دن اچھی پوشاک زیب کر کے همدا باد کے

پانی پی کر خد کا شک یہ ادا کیا۔ جب چلے پھرنے کی طاقت آئی۔ وہ اس سے اٹھا اور آگے چلتا شروع کیا۔ گھوڑی دور جا کر گھوڑی کے ہنٹانے کی آواز آئی۔ اور دیکھا کہ ایک خوبصورت گھوڑی میخ سے بندھی ہے۔ میں گھوڑا اور آگے ہوا۔ اور پاؤں کے نیچے آدمیوں کی آواز بھی سنی۔ اتنے میں ایک آدمی زمین کے نیچے سے نکل آیا۔ اور مجھے ایک تہ خانے میں لے گیا۔ جہاں اور بھی کئی آدمی بیٹھے تھے۔ میں انہیں اور وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے۔ پھر انہوں نے مجھے کھانا کھلایا اور میرا حال پوچھا۔ پیٹے اپنی سرگزشت میں دین سنائی۔ پھر ان سے پوچھا۔ تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم یہاں کے مہاراج کے سائیں ہیں اور ہر سال ان دنوں میں یہاں شادی گھوڑا بیکروریائی گھوڑوں کا تنظیم لینے کے لئے آتے ہیں۔ گھوڑی کنارے پر باندھ دی جاتی ہے۔ اور اس کی کوبہروریائی گھوڑا پانی سے نکل آتا ہے۔ پھر جھتی کر کے اسے ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ کہ اتنے میں ہم شور مچا دیتے ہیں۔ اور وہ بھاگ جاتا ہے۔ اس گھوڑی کا بچہ مہاراج کی خاص سواری میں رہتا ہے۔

ہم اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ کہ وریائی گھوڑا نکلا اور گھوڑی سے جھتی کر کے اسے ہلاک کرنا چاہتا تھا کہ وہ صفہ ان سائیں نے رولا مچا دیا۔ بے سمجھ جوان دوڑ کر سمندریں غروب ہو گیا وہ سبے دن وہ شہر کو روانہ ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی چلا اور انہوں نے مہاراج کی خدمت میں پہنچ کر میرا حال سنایا۔ جس پر مہاراج نے بہت انوس کیا اور اہلکاروں سے فرمایا کہ اس شخص کو اچھی طرح سے رکھو۔ غرض مینے وہاں نہایت ہی راحت کے ساتھ کئی ماہ بسر کئے وہ شہر بڑا خوبصورت اور فراخ تھا۔ وہاں ملکوں ملکوں کے جہاز اور سیاح آتے رہتے تھے۔ وہاں جب تک میرا قیام رہا میں ساحل پر جاتا۔ اور مختلف ملکوں کے حالات پوچھتا رہتا میرا مقصد یہ تھا کہ شاید کوئی بعد اوجانیہ الاہل جائے۔ جو مجھے بھی ساتھ لیچے۔ مگر ہر قسم سے کوئی آدمی ایسا نہ ملا۔ ایک دن مینے سنا کہ مہاراج کے علاقے میں ایک جزیرہ کسل نامی بھی ہے۔ جہاں تمام رات نقائے کی آواز آتی رہتی ہے۔ جہاں سے آخری دنوں میں دجال خروج کرے گا مجھے اس کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور مہاراج سے اجازت طلب کر کے میں اُدھر چلا۔ راستے میں اتنی بڑی چھبیاں دیکھیں کہ ڈر لگتا تھا۔ مگر شک ہے کہ وہ تمہیں جتنی۔ ڈرا کر لے گا پورا



کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ اگر تم اجازت دو۔ تو میں اپنے ساتوں بحری سفروں کا حال آپ کو سناؤں  
جب سب نے اشتیاق ظاہر کیا تو سندباد نے اپنے فوکروں کو حکم دیا۔ کہ ہند باد کو پوچھ جاؤ وہ  
کئے پہنچا دو۔ پھر اپنا حال یوں سنائے گا:-

### سندباد و چھٹری کے پہلے سفر کی سرگزشت

دوستو! اپنے باب کی جو دولت مجھے ورثے میں ملی تھی۔ وہ سب مینے عالم شباب میں عیاشیاں  
کر کے ضائع کر ڈالی۔ اور پھر کمال نادم ہوا۔ لیکن احمد مدد کہ میں جلدی ہی منجھول گیا۔ آخر بقیہ  
جاہلاد کے کوڑے کئے اور بحری تاجروں سے رائے لی۔ یہیں ان کا شکر گزرا ہوں کہ انہوں  
نے نیک رائے دی۔ اسلئے میں اسباب تجارت خرید کر انکے ساتھ بندر پیرہ کو چلا۔ وہاں ایک جہاز  
کرائے پر لیا جس نے صلیح فارس سے لشکر اٹھا کر ہندوستان کا رخ کیا۔ پہلے پہلے کمی بحری خرچہ  
نے مجھے گھیرے رکھا۔ مگر جلدی ہی میں اچھا ہو گیا۔ راستے میں کئی جزیرے آئے۔ جہاں ہم نے  
اسبات تجارت کا تہا کو کیا۔ ایک دن کی بات ہے۔ کہ پانی پر ہمیں نہایت ہی سہرا اور بہت  
خوبصورت جزیرہ دکھائی دیا۔ اور کہستان نے اجازت دی۔ کہ جس کا جی چاہے۔ اس کی سیر کر آؤ  
چنانچہ جہاز کی پالیں اُتار لی گئیں۔ اور ہم اتر کر جزیرے پر آئے۔ لیکن کھوڑی ہی دیر کے بعد  
وہ ڈگمگانے لگا۔ کہستان نے ہمیں آواز دی۔ کہ وہ ڈرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ جسے ہم نے جزیرہ  
سمجھا تھا۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہے۔ یہ شکر ہم جہاز کی طرف بھاگے۔ اور باقی سب کے سب کسی  
نہ کسی طرح جہاز پر پہنچ رہے۔ مگر میں اکیلا وہاں رہ گیا۔ اتنے میں وہ مچھلی پانی میں گھس گئی۔ اور  
میں نے ایک ٹکڑی کو تپڑ لیا جو میرے پاس تھی۔ جہاز کے لشکر اٹھا دیا۔ اور میں حسرت سے اُس کی  
طرف دیکھ دیکھ کر تیرنے لگا۔ برابر ایک رات اور دن مجھے اسی حالت میں گزر گیا۔ اگلے دن پہنے کی  
بھی طاقت نہ رہی۔ قریب تھا کہ میں ڈوب جاؤں۔ اتنے میں ایک لہرائی۔ اور اُس نے اٹھا کے  
مجھے کنارے پر ڈال دیا۔ میں ہشمل خفگی پر پہنچا۔ اور بے دم ہو کر وہیں گر پڑا۔ ویر تک اپنی بے خبر  
پڑا رہا۔ اگلے دن جا کر پوش آما۔ اور بھوک نے جیٹا پ کر دیا۔ ناچار تنور شکم میں ایندھن ڈالنے  
کے لئے گھٹنوں کے بل گھسیٹ گھسیٹ کر قریب کہ ایک چشمے کے کنارے پہنچا۔ جہاں میوہ دار  
درختوں نے ایک بہار لگا رکھی تھی۔ ان کے نیچے سے گزرتے پھل اٹھا کر کھائے اور چشمے سے

کلا ہے جس نے دنیا کے تمام مندروں کا سفر کر کے پہنچا۔ دولت کمائی سے غرور کرتے یہ سنگم  
 دونوں اوتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کپکارا بنے خداوند! "سند باد اور کچھ میں ہند باد ہوں۔  
 کہ ایک حرف کے سوائے اور کیا فرق ہے۔ لیکن وہ پیش و عشرت سے بسر کرتا ہے۔ اور  
 میں سخت مشقت سے اپنے عیال کی روٹی کماتا ہوں۔ اُس نے ایسا کام کیا کیا۔ جس سے تو نے  
 اُسے اس قدر سامان آسائش عطا فرمائے اور مجھے ایسا قصور کیا کیا؟ جس سے ایسے عتاب میں  
 پڑا ہوں۔ یہ کہہ کر زمین پر ایک ٹھوکر ماری اور پیٹھ کو نصیبوں کا ٹھکرے لگا۔ راستے میں اندر  
 سے ایک غلام تہیتی لباس پہنے نکلا۔ اور اُس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا۔ اندر چل۔ تجھے میرے  
 آقا نے بلایا ہے۔ ہند باد وڑ گیا۔ کہ میری شکایت کو سند باد نے نہ سنی لیا ہو مبادا مجھے شرا کے  
 بیٹھے۔ اُنہلے اُس نے غدر کرنا چاہا۔ کہ میرا اسباب باہر رہا ہے۔ غلام نے جواب دیا۔ اسباب  
 کی طرف سے بے فکرہ ہم اس کی حفاظت کر بیٹھے۔ ناچار اُس کے ساتھ اُذر گیا۔ غلام اُسے  
 ایک برے دالان میں لے گیا۔ جہاں بہت سے خوش پوش جووی بیٹھے تھے۔ اور اُن کے سامنے  
 طرح طرح کے کھانے و شہزادان بنے۔ کچھ تھے۔ اور صدر میں ایک نورانی صورت امیر کبیر کو بیٹھے  
 پایا۔ جس کی نسبت پر ایک گروہ خدمتگاروں کا دست بہتہ بکھرا تھا۔ ہند باد نے دڑتے دڑتے  
 جھک کر سلام کیا۔ سند باد نے تمام اخلاق کے ساتھ سلام کا جواب دیکر اُسے اپنے پاس بلایا  
 اور اپنے ماتھے سے اچھے اچھے کھانے اٹھا کر اُس کے آگے رکھ دیے۔ جب سب لوگ کھانا  
 کھا چکے۔ تو سند باد نے ہند باد کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اب میں اس بات کو ایک دفعہ پھر تہاری  
 زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ جو تم نے کلی کے باہر کہی تھی۔ ہند باد نے آنکھیں نیچے کر لیں۔  
 اور معذرت کی۔ کہ اُس وقت میں خشکی کے مارے اپنے حواس میں نہ تھا۔ لیکن ہے کوئی بات  
 مجھ سے خلاف ادب صادر ہو گئی ہو۔ اپنا اس کا اعادہ کھنچ چکے اپنی اوگستاخی ہے۔ لہذا معافی  
 کا خواہشگار ہوں۔ سند باد نے جواب دیا۔ میں بے انصاف نہیں۔ کہ مواخذہ کروں۔ بلکہ تیری شکایت  
 سنگم میری رقت طاری ہو گئی تھی۔ اور تیرے منہ کی کھیر کھم آ گیا تھا۔ لیکن برہمراہ تیرے جو سمجھا۔ غلط  
 سمجھا۔ تجھے خیال ہو گا کہ یہ دولت مجھے اپنی مشقت ملی ہو۔ سوچتی ہو۔ یہاں اس قدر بھلائی ہو گئی ہے۔  
 میں کہ میں ہی چاہتا ہوں۔ جب کہ خواہاں ہوئے۔ مجھ پر۔ جو کہی۔ اب کی چند۔ پھر وہ سمجھا۔

# مقبورہ وریا خلیفہ میں ہیکے کشکی اور کتبہ کو بہت اہلی بنانے کی



کیا اور کہنے سندباد جہازی کے سات سفر و لہائی حکایت بدلی شروع کی :-  
**سندباد جہازی کی حکایت**

کے پادشاہ عقیقہ دار (عربی) الرشید کے حکمرانہ سلطنت میں ہند پادشاہی ایک فرد و ریخداو میں رہتا تھا۔ ایک دن گرمی سے بھسم میں وہ سر پر چھاری بوجھ اٹھائے جلا جادہ کا تھا کہ ایک کچے میں سے گزرا۔ جہاڑی سے مدد نہ ملنے آ کر شام جان کو تارہ کرتی تھی۔ یہ تو تکر و مان گلاب چھرا کا ہوا تھا۔ جب وہ ایک مکان کے دروازے سے نکلتے تھے تو چھرا کا تار کے پیچہ گیا۔ تو اسے اندر سے راگ ورنہ کی آواز آئی۔ جب طرف سے پردہ کے چھچھانے لگا بھی تو رستانی دیوار لہیزاؤ نہیں کھانوں کی خوشبو سے تو اسے بالکل بے خبر بنا دیا۔ اس نے سمجھا کہ اس مکان کے اندر آج کوئی بڑی جمیاشت ہو رہی ہے۔ اس نے خاموشی سے مالک مکان اور اس کے رہنے والے کا پتہ چھننا چاہا۔ چونکہ وہ زیادہ عجیب سے توفند کو رہنے والا ہو کر آتا نہیں جانتا کہ یہ مکان سندباد جہازی

پھر زبید سے فرمایا۔ بی بی کیا! تو اس پر ہی کا پتہ لکھا نا جانتی ہے۔ جسے تیری بھیڑوں کو کتیاں بناؤ الہی۔ زبیدہ نے جواب دیا وہ پر ہی جاتے ہوئے مجھے چند بال دیکھی تھی اور کہ گئی تھی کہ جب مجھے بلانا چاہو۔ آگ پر ایک بال کو رکھ دینا میں فوراً خود آ جاؤں گی۔ خلیفہ نے کہا۔ تو اب پھر وہ بال لاؤ۔ زبیدہ نے پر ہی کا بال خلیفہ کے پیش کر دیا۔ خلیفہ نے اسے آگ پر رکھا جب وہ محو غر اساجل چکیا۔ تو بادشاہی محل پہنچے لگا۔ اور پر ہی سامنے آ حاضر ہوئی اور خلیفہ سے اسلام علیکم کہہ کر مخاطب ہوئی۔ یا امیر المؤمنین زبیدہ نے میرے ساتھ ایک نیکی کی تھی جس کا میں غوص نہیں دلیکتی۔ جب اس نے مجھے موت کے رُز سے بچا کر میرے دشمن کو ہلاک کیا۔ اور میرے معلوم کیا کہ اس کی بھیڑوں نے اس سے کیسا سلوک کیا ہے۔ تو میرے ان ناحق تشا سلوں کو کتیاں بناؤ الا۔ اور اگر آپ کہیں تو میں انہیں اس قید سے نجات بھی دلیکتی ہوں۔ خلیفہ نے کہا اگر تو ایسے کرے تو میں تیرا بڑا ممنون ہوں گا۔ ہاں۔ ایک اور بات بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میری سلطنت میں امینہ پر ظلم کرنے والا کون ہے۔ یقیناً تجھے خوب معلوم ہو گا۔ پر ہی نے یہ سن کر متحیر ہوا پانی لیا۔ اور اس پر پٹھہ کے پچھلے کتیاں پچھڑکا۔ تو وہ فوراً انسانی صورت میں آئیں پھر امینہ پر پٹھہ کے اس کے دامنوں کو دھوکا دیا۔ اور کہنے لگی۔ حضور! اس پر ظلم کرنے والا چھوٹا بیٹا شہزادہ امین ہے۔ جو اس پر غاسکناہ عاشق ہوا تھا۔ اور پھر فریب سے گھر بلا کر اس کے ساتھ اپنی شادی کی۔ اور پھر پٹھہ سی لغزش پر ایسی سخت سزا دی جو ہر طرح سے قابلِ نفرت ہے۔ یہ کہہ کر ہی غاسک ہونے لگی۔ اور خلیفہ نے امین کو ہاکر حکم دیا کہ مجھے تمہاری شادی کا آغاز و انجام معلوم ہو چکا ہے۔ امینہ پاک دامن بی بی ہے۔ اسے بچا کر محل میں عزت و حرمت سے رکھو۔ چنانچہ شہزادہ اسے اعزاز و اکرام سے محل میں لیکر آیا اور دونوں نے باقی عمر پیار و الفت سے بسر کی۔ پھر خلیفہ زبیدہ کو اپنے عقد میں آیا اور اس کی وہ بھیڑوں و صفاتی سے تینوں قائدروں کے نکاح پر مصوبہ ہو گئے۔ اور ان کو انکی شان کے مطابق اچھے اچھے ہتھیار دیے گئے۔ جس سے وہ اپنی دلی خواہش کو پہنچے۔ لکھا کہ شہزادہ جو یہ تیس سالہ ختم ہوئی۔ تو رات ابھی باقی تھی۔ کہ شہزادہ بولی۔ بہن کوئی اور زوجہ کیا ہے۔ کہ آؤ کہ بتیہ عرات آرام سے کھاتے۔ لکھا کہ شہزادہ کی طرف و توجہ دیا۔ چارٹ مانگتی تھی۔ شہزادہ نے بتیہ کی طرف

تصویر شوہر ایشہ کا درپے قتل اپنی زوجہ کے ہونا اور ضعیفہ کی عاجز بیوی اور اس کی مائی کے



معلوم ہوا کہ میرے شوہر قتل ہوئے ہیں۔ اگر وہاں پہلے پھر دوایا ہوتا۔ ناچار میں اس اپنی سوتیلی بہن کے ہاں پہنچی۔ اور اُس نے اپنی ساری کہانی سنائی۔ یہ دو دو کہتیاں بھی اُس وقت وہاں موجود تھیں۔ نمبر ہی سرگزشت شکر میری بہن نے بھی مجھے اپنا ماجرا سنایا۔ اور سلامتی پر چند شکریہ ادا کر کے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور کہا۔ کہ اب بھوکہ بھی شوہر کا خیال نہ کرنا۔ پھر میں اپنی چھوٹی بہن صافی کو بھی اپنے پاس ہی لے آئی اور اب ہمیں دو نو پڑے امن و چین سے رہتی ہیں۔ اور گھر کا کام کاج اہل خاںکرنٹ لیتی ہیں۔ جب کبھی بازار سے سودا سلف لالہ کی ضرورت ہوتی ہے تو میں جا کر خرید لاتی ہوں۔ حسب معمول کل بھی میں ہی گئی تھی کہ ایک مزدور مل گیا پھر رات کے وقت میں قلندر آ گئے۔ اُس کے چودہ تین سودا گروں نے بھی وہیں آڈیر اجماع کیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا۔ کہ سودا گروں کے ہمیں میں حضور ہی تھے۔ اس لئے کوئی بے ادبی ہو گئی۔ تو قابل صافی ہیں۔ یہ ہے میری کہانی۔

خیلہ یہ شکر حیران ہو گیا۔ اور حکم دیا کہ سب ماجرے کو لکھ کر دفتر شاہی میں رکھا جائے

یہ سنکر کہنے لگے۔ اچھا۔ کل اس شہر کے تمام لکڑاں کو پھانسی پر لٹکا دینگے۔ میں ڈری۔ اور  
کہہ دیا۔ تمہارا ایسا نہ سزا۔ لکڑاں سے غریب بیگناہ ہیں۔ میں تو ایک گدھے پر سے گر پڑی تھی  
اور رخصت سے میں لکڑی چھو گئی۔ وہ جھلا لگا ایسا بھلا۔ کہ میں حیران ہو گئی کہتے لگے۔ چشما  
ور پر حیرت سے کہہ کر کل تمام کہاروں کی گردنیں اڑاؤنگا میں نے کہا۔ کہوں معمولی بات کی خاطر  
تسے آدمی کا خون سر پر لیتے ہو۔ یہ شکر وہ گریبا۔ اور چلا کر پاس کا دروازہ کھولا۔ جسکے کھلتے  
ہی تین سیاہ جھنڈی غلام شکی تواریں لٹکتی تھیں۔ میرے بے رحم خاوند نے حکم دیا۔ کہ ایک جھنڈی  
پاؤں سے پکڑ کر اور دوسرا بازو سے پکڑ کر اٹھا رکھے۔ اور تیسرے کو اشارہ کیا۔ کہ میرے  
دو ٹکڑے کر کے دریائے وچلہ میں پھینک آ۔ تاکہ اُسے ٹھیلیاں ٹپ کر جائیں۔ اور یہ سزا  
اُس شخص کی ہے جو دوستی میں خیانت کرے۔ بلاوا پناہم کیا ہی چاہتا تھا۔ کہ میں نے دنگے  
کی اجازت طلب کی جیجھے باسانی مانگی۔ اور میں نے کوشش کی۔ کہ اپنے خاوند کے دل کو نرم کروں  
مگر وہ ایسے لوہے کا مانا بنا ہوا تھا۔ کہ اور بھی سخت ہو گیا۔ آخر وہ سخت غصے میں آ کر  
جواز کو کہنے لگا۔ لوٹا پناہم کر۔ ان باتوں سے کیا فائدہ ہوگا! لیکن میری زندگی کے بھون  
باقی تھے۔ کہ اتنے میں وہی بڑھیا آگئی۔ اور اپنے تئیں اُس ظالم نوجوان کے قدم پر گر آویا  
اور کہنے لگی بیٹا! میں تجھے اپنے دو وہ پلاڑیکا واسطہ دیتی ہوں۔ کہ میری خاطر اس بیگناہ  
لڑکی کو معاف کر دے۔ تو ابھی نوجوان ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں۔ کہ یہ تجھے کوئی بد عائد سے  
بٹھے۔ پھر وہ رونے لگی۔ جتنی کہ نوجوان نے کہا۔ بوڑھی اماں! جا میں تیری خاطر اس کی جان  
بخشدی۔ لیکن کچھ نہ کچھ سزا اسے ضرور دینگا جو اسے عمر بھر کے لئے یاد رہے۔ پھر اُس نے  
غلاموں کو حکم دیا جنہوں نے فوراً مجھے تنگ کر دیا اور میرے جسم پر بیت پڑنے لگے اور مجھے  
اس قدر مارا کہ چہرہ اُدھر گیا۔ میں بے سندھ ہو کر گر پڑی اور اپنی زندگی سے بالوں ہو گئی  
پھر اُس سنگدل نے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ چھ رات بڑے تو اُسے فلاں مکان میں پھینک آؤ۔  
وہ بڑھیا بھی میرے ساتھ ہی گئی اور پورے چار ماہ تک میری خبر گیری رہی۔ اُس کی مرہم پٹی  
سے میری شفا ہو گئی۔ مگر چالی اور لپٹ پر سیاہ داغ رہے۔ جو اُس وقت تک بھی موجود  
ہیں۔ پھر میں وٹاں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ اور جا کر دیکھا تو وہاں کھیت بن رہا تھا

علیٰ بن ابی القیس اُس نے بھی مجھ سے وفادار رہنے کا عہد کیا۔ نکاح کے بعد ہم دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا اور رات بھی اکٹھے ہی گزری۔ اسی طرح میرا پورا مہینہ شانہ زندگانی میں بسر ہوا۔ ایک دن میں اپنے شوہر سے بازار میں جا کر چند تھان خریدنے کی اجازت مانگی۔ جسے اُس نے بخوشی منظور کیا۔ میں کپڑے پہن کر اُسی بڑھیا کے ساتھ بازار گئی۔ جو مجھے اپنے واقفکار جوان سوداگر کی دوکان پر لگئی۔ بڑھیا مجھے کہنے لگی۔ اس جوان کا باپ اُسکے لئے بڑی دولت چھوڑا ہے۔ پھر جوان سوداگر کی طرف مخاطب ہوئی کہ مجھے کچھ مال دکھائے۔ اور اُس کی بڑی تعریفیں کرنے لگی۔ میں نے کہا مجھے تعریفیں سننے کی ضرورت نہیں۔ تھان لو۔ اور قیمت دیکر گھر کا راستہ لو۔ اور پھر میں نے ایک تھان پسند کیا۔ اور اُس کی قیمت دریافت کی۔ اُس نے کہا یہ آپ کی نظر ہے۔ میں نے بڑھیا سے کہا۔ کہ وہ قیمت نہیں دیتا۔ تو اُس کا تھان ڈٹا دو۔ یہ سنکر جوان سوداگر بولا۔ اس کی قیمت صرف پوسہ ہے اور بس۔ اس پر مجھے سخت غصہ آگیا۔ لیکن بڑھیا بچا بچاں کہنے لگی۔ تیرا کیا سچ ہے۔ ایک پوسہ دیر سے اور جوان کے سولیلے۔ میں نے جواب دیا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے نکاح کے وقت کیا قسم کھائی تھی۔ ہنسنے کہا کہ تو نے اجنبی کے ساتھ نہ بولنے اور اُسے نہ دیکھنے اسی کی قسم کھائی تھی یا کچھ اور بھی۔ تم چپ رہو۔ وہ پوسہ لگا۔ ناچار میں اُسکے چمکے میں آگئی۔ پھر بند کر کے ایک رخسارہ اُس کی طرف کر دیا۔ ظالم نے میرے رخسارے پر منہ رکھ کے اس زور سے کھانا۔ کہ میں لٹو لٹا ہونے لگی۔ اور شدت درد سے مجھے غش آگیا۔ یہ حال دیکھ کر وہ دوکان بند کر کے چلتا بنا۔ اور وہ راند مجھ سے معافی مانگ کر تلبیاں دیتے لگی۔ کہ میں ہی تیری اس مصیبت کی بانی ہوں۔ مجھے معاف کر دے۔ گھر چلے گئے۔ میں ایک ایسی دوا لگاؤں گی کہ زخم کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ ناچار جب کچھ افاقہ ہوا تو میں سخت تشکر ہو کر گھر کو روانہ ہوئی۔ کہ اب کیا ہو گا۔ شوہر پوچھے گا تو کیا جواب دوں گی۔ غرض بعد شقت جب میں مکان پر پہنچی تو اتنے میں میرا خاوند بھی آگیا۔ اور پوچھنے لگا۔ آج تجھے کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا کچھ نہیں۔ میں تو اچھی ہوں۔ پھر اُس نے مجھے دیکھ کر کہا یہ تیرے رخسارے پر زخم کیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ آج میں بازار کو جا رہی تھی تو میرے قریب سے ایک لکڑا لکڑیاں اٹھکے گزرا۔ راستہ تنگ تھا۔ اسلئے ایک لکڑی کی رکر کے میرا ایک ہاتھ بھی پھٹ گیا۔ اور رخسارے پر بھی خراش ہو گئی۔ میرا شوہر



پھر آئینگی۔ آپ میرے چکر رات کا انتظام کیجئے۔ خداوند آپ کو اس کا اجر دے گا۔ پھر وہ بڑی اور زمین دوس ہو کر کہنے لگی۔ بتدا میں بالکل نہیں ہوں۔ اس کی یہ باتیں سن کر مجھے بڑا رحم آیا اور میں نے کہا، یہ بات بھی کوئی ہے، مگر مجھے اپنے مکان کا پتہ بتا دے۔ میں شام کو واپس آ رہی تھی۔ یہ شکر وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی۔ میں خود ہی حاضر ہو کر آپ کو لے جاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ تو چلی گئی۔ اور میں اپنی تیاری میں مشغول ہوئی۔ شب و عدہ شام کو وہ مجھے لینے آئی اور کہنے لگی۔ میں نے اپنے آل سب بی بیوں سے آپ کی شفقت کا ذکر کیا تھا۔ وہ بڑی خوش ہوئیں اور اب آپ کے انتظار میں ہیں۔ میں فوراً اپنی نوٹڈی کو ساتھ لیکر اس کے ساتھ ہو لی جیٹی کہ ہم ایک کٹاؤں گلی میں پہنچ گئیں۔ جہاں کی معطر بو اسے دماغ تر و تازہ ہوا جاتا تھا۔ اس گلی میں ایک عالیشان محل کے دروازے پر پہنچ کر بڑھیا بٹھ گئی۔ اور دروازے کو کھٹکھٹایا۔ جو فوراً کھل گیا۔ اور ہم اندر داخل ہوئیں۔ اندرونی اسباب کی شان و شوکت دیکھ کر میں نے تصور کیا۔ گویا بہشت زمین پر اتر آیا ہے۔ جب میں آگے بڑھی۔ دالان سے نکلا ایک جوان حسین مرد لقا بی بی نے میرا عرت سے استقبال کیا۔ اور مجھے گلے لگایا۔ پھر وہ مجھے ایک اور دالان میں لے گئی۔ جہاں مجھے ایک مریض تخت بچہ راس تھا۔ اور کہنے لگی۔ میرا ایک بھائی ہے۔ جوان حسین اور نہایت طر حدار وہ تمہاری تعریف سن کر تھراغا غایانہ مشتاق ہو رہا ہے۔ اور تمہارے ساتھ شادی کا آرزو مند ہے۔ اگر تم انکار کر دو گی تو اسکے ملاں اور دل شکنی کا سبب ہو گا۔ اور تمہارا وہ مسئلہ اہل بھی ہے۔ اگر تم کہو تو اس سے مزید جانسناؤں۔ اگرچہ میں اس وقت یہ الفاظ سننے کے لئے تیار نہ تھی۔ لیکن اپنے خاوند کی وفات کے بعد میں نے عقد ثانی کی ضرورت سمجھی تھی۔ تاہم میں سکا کر خاموش ہو رہی تھی۔ اس نے انعامی خوشی نیم رخا۔ سمجھ کر پاس کے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ایک خوشرو بالاجوان سامنے آیا اور آگے ہی میرے پاس پہنچ گیا وہ حینہ دال سے ٹکی ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اسے دیکھ کر میل جول بھی آپس پر مائل ہو گیا۔ پھر ہم دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ اور میں نے اسے دانشمند اور بااخلاق پایا۔ اتنے میں قاضی صاحب بھی آ گئے۔ اور انہوں نے ہم دونوں کا نکاح پڑھایا۔ نکاح نامہ پڑھا کر گواہوں نے گواہی بھی لکھ دی۔ اسکے بعد مجھے شوہر نے مجھ سے قسم لی کہ نہ تو کسی اجنبی پر نگاہ ڈالوں اور نہ بات چیت کروں۔

ہوئی اور پوچھا۔ تو کون ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ اتنی جلدی آپ نے مجھے بلادیا۔ میں وہی ہوں جسکو آپ نے دشمن کے پنجے سے چھڑایا تھا۔ میں پریوں کی قوم سے ہوں۔ اور یہ میرا دشمن ایک جن تھا۔ جب آپ نے اُسے ہلاک کر کے مجھے نجات دی۔ میں فوراً آپ کے احسان کا عوض دینے کے لئے آئی۔ اور آپ کے جہاز کا مال و اسباب آپ کے گھر میں پہنچا کر آپ کی دو تو ناحق شامِ ظالم بہینوں کو چادو سے کتیاں بنا کے جہاز کو غرق کر دیا۔ اور اُن کیتوں کو لیکے بیان اتی ہوں۔ یہ کہ وہ کیتوں کو اور مجھے لیکر آئی۔ اور چشم زدن میں مجھے اپنے گھر کی چھت پر لاکھڑا کیا۔ میںے دیکھا۔ تو میرا مال و اسباب جوں کا توں واپس پڑا تھا۔ پھر وہ پری کہنے لگی۔ سن رکھ ہر روز پڑ کے اتھیں تین سو کوڑے ارا کرنا۔ اور اگر اس کے خلاف کرو گی تو اسمِ عظم کی قسم تیرا بھی یہی حال کرو گی۔ میں نے اقرار کر لیا کہ ایسا ہی ہو گا۔ اسے امیر المومنین! یہ ہی سیرا حال ہے۔ اور میرے اُن کیتوں کے ارنے کی وجہ اور پھر پیار کرنے کا سبب۔ اب باقی حال میری بہن امینہ سنائیگی۔ زبیدہ کے چپ ہوتے ہی خلیفہ مارون الرشید امینہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور امینہ نے کہنا شروع کیا :

### امینہ کی سرگزشت

یا امیر المومنین! میرا پڑا دولت مند سوداگر تھا۔ جب وہ مر گیا تو مجھے دولت کثیر ملے آئی۔ اور ایک رئیس کے بیٹے کے ساتھ بیٹے بنا دی کر لی۔ مگر بد قسمتی سے پورا ایک برس بھی نہ گذرا تھا۔ کہ میرا شوہر بھی مر گیا۔ اور اُس کی جائداد کی بھی میںا ہی وارث بنی۔ غرض میرے پاس اسی ہزار دینار جمع تھے۔ اور ایاہم نہت گذار کر بیٹے ہزار ہزار دینار کی لاگت کے دس جوتے تیار کرائے۔ جنہیں میں وقتاً فوقتاً پہنا کرتی۔ ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ ایک بڑھیا میرے سامنے ٹوڈ بکھڑی ہو گئی۔ اور آدھ بجا لاکر کہنے لگی جھوٹا میرے پاس ایک یتیم لڑکی ہے۔ آج کی رات اُس کی کتھالی ہو گی۔ میں بالکل ناوارادہ فہم ہوں لیکن جس لڑکے کے ساتھ اُس کی شادی ہو گی سنتی ہوں کہ اُس کے گھر والے بڑے امیر میں اجنبی محض ہوں۔ اور آپ کی بڑی تعریف سننے میں آئی ہے۔ نہ مجھ پر کرم کیجئے اور رات کے وقت جب نوشہ کے ساتھ اُن کے کپڑے کی معرزی بیاب بھاری بھاری چوڑے

دیکھا کہ میری بہنیں میری غیر حاضری سے کمال متروک ہو رہی تھیں۔ جیسا کہ مفصل حال بیان  
 کیا۔ تو انہیں اطمینان آیا۔ پھر خلاصیوں نے میرے کہنے پر جہاز کو تجارتی مال سے خالی کر کے  
 اس کی جگہ محل شاہی سے زرد و اجڑا کر بار کئے جس قدر کہ وہ بار کر سکے۔ اور اس قبول  
 صورت و نیند ارشزادی کو زمین پر بٹھا کر بغاوت کی طرف لشکر اٹھایا۔ راستے میں میری بہنیں  
 اس جوان کو وحشیہ اور خوش و کیکر مجھ سے حسد کرنے لگیں۔ اور ایک دن پر لائے فریب باٹوں  
 باتوں میں مجھ سے پوچھنے لگیں۔ بہین۔ اس جوان کو بغاوت کیجئے کہیں رکھو گی؟ بیٹے  
 ہنس کر جواب دیا۔ میں اس سے اپنی شادی کرونگی۔ پھر شزاوے کی طرف متسار کے بیٹے  
 کہا۔ میرا راجہ ہے کہ میں تمہیں اپنی کینہی دول۔ کہا مجھے تم قبول کرو گے۔ شازادہ نے  
 بھی ہنستے ہوئے کہا۔ کہ میں تمہاری دونو بیٹیوں کے سامنے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں بھی تمہاری  
 رہنما میں رہتی ہوں۔ میری دونوں بیٹیوں کا یہ سنتے ہی رنگ فق ہو گیا۔ مگر بیٹے کچھ پرواہ  
 نہ کی روز وہاں حسد عداوت کے درجے تک پہنچ گئی۔ موافقت ہو کے سبب ہاڑ جہاز  
 بھی آپ بتدر بصر سے وودین کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ ایک رات کی بات ہے کہ میں اور  
 شزاوہ اپنے اپنے کمروں میں غافل پڑے سو رہے تھے۔ کہ میری ان دونوں ناہق سنا کر  
 بیٹیوں نے ہمیں اٹھا کے سندر میں پھینک دیا۔ افسوس! شزاوہ تو ڈوبا گیا۔ مگر میں  
 ایک لکڑی کے سہارے تیرتے تیرتے خشکی تک پہنچ گئی۔ صبح ہوئی تو بیٹے اپنے تئیر ایک  
 ویران جزیرے میں پائیا۔ اتنے میں دن نکل آیا۔ بیٹے اپنے بھیگے کپڑے سکھاتے رہے۔  
 اور چل پھر کر ایک راستہ کا پتہ بھی لگایا۔ اور ناک کے رخ اسی پر چل پڑی۔ حتیٰ کہ ایک شہر  
 کے قریب جا پہنچی۔ کہ اتنے میں ایک سانپ کو دیکھا۔ جو میری طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے  
 ایک اور اثر دیکھائی دیا جو غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس دوسرے سانپ  
 کو مار ڈالے۔ مجھے اس پہلے پر حرم آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر اڑوے کو دے مارا۔ جس سے اڑوے  
 سر کھل گیا۔ اور وہ فوراً مر گیا۔ دوسرا سانپ اسی وقت پر کھوکھو لگا اور پوکھو لگا۔ میں حیران رہ گئی  
 مگر بہت تکان کے سبب مجھے وہاں نیند آ گئی۔ اور جب بیدار ہوئی۔ اپنے سامنے ایک لکڑی  
 کو دیکھا جو میرے پاؤں دبا رہی تھی۔ اس کے پاس دو کالی کتیاں بھی تھیں۔ میں فوراً اٹھ کھڑی

قصہ مریز پریدہ کا مسند پر بیٹھا اور ایک جوان چین کو اس میں قرآن پڑھتے دیکھنا



نیکے۔ فقط میں ہی اکیلا غائب الہی سے بچا۔ اور اب خداوند کریم کا کمال شکہ گذار ہوں۔ جسے میری تسلی کے لئے تمہیں بھیج دیا ہے۔ میں یوں تو اس جوان کی پسندیدہ شکل کو ہی دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئی تھی۔ اب اس کے پاکیزہ خیالات۔ نیک خصلت و نینداری اور کہاں۔ تو جھٹنے جھے بالکل بے بس کر دیا۔ اور جینے بے تامل کہا۔ کہ میرا جہاز حاضر ہے۔ جس قدر سامان میں اپنے ساتھ نائی ہوں۔ اسی قدر میرے پاس گھر میں موجود ہے۔ اور رہنے والی بھدا دیکھی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ اور بغداد میں پہنچتے ہی نائب پتھیر امیر المومنین خلیفہ مارون الرشید سے تمہارا حال عرض کر دوں گی۔ جو تمہاری عزت و تہائے رہنے کے مطابق کرے گا۔ بتر و مال تمہیں بڑے بڑے غلام و نینداز اور فقیہ ملیں گے جن سے ملکر تم اپنے فضل و علم کو بھی بڑا سکو گے۔ جوان نے اس امر کو کمال خوشی کیسا سمجھا منظور کیا۔ دوسرے دن صبح کے وقت میں ساحل کی طرف گئی۔ جہاز میرا تکرار کرتا تھا۔ اور

ہاں آتی تھی۔ کہ واپس لوٹ جاؤں۔ مگر تاریکی نے راستہ نہ دیکھنے دیا۔ ناچار اُسی کمرے میں آگئی  
 جہاں تخت بچھا ہوا تھا۔ اور لیٹ کر سو رہنے کا ارادہ کیا۔ مگر تنہائی میں پریشان خیالات نے  
 سوئے نہ دیا۔ جب آدھی رات ہو گئی۔ میرے کانوں میں کسی شخص کے نہایت خوشگانی سے  
 اور قرآن کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی آواز آئی۔ یا امیر المؤمنین اس وقت کی خوشی کا اندازہ  
 میرے سوا اور کوئی نہیں لگا سکتا۔ اپنے فوراً اُس کمرے کی مشق کو اٹھایا۔ اور آواز کے تعاقب  
 میں چلی۔ دیکھا کہ اُسیں کمرے کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جہاں ایک جوان حسین۔ بیٹھا  
 قرآن شریف کی جفجفہ و خشوع تلاوت کر رہا ہے۔ اور اُس کے سامنے دو شمعیں روشن ہیں۔  
 ان کے دیدار سے میری سرت دو گنی ہو گئی۔ اور مجھے خیال کیا۔ کہ اس ہیں کوئی حضور امیر ہے  
 اس نے میں نے محراب مسجد میں کھڑے ہوئے باور بند جناب الہی میں مناجات کی۔ کہ اُس خداوند کا  
 شکر ہے۔ جس نے ہمارا یہ سفر مبارک کیا۔ اور بخیر و خوبی ہمیں یہاں تک پہنچایا۔ یہ شکر جوان مذکور  
 میری طرف دیکھنے لگ گیا۔ اور کہنے لگا۔ بی بی تو کون ہے اور ایسے معصوب شہر میں کیونکر  
 آئی ہے۔ میں نے اُسے اپنا مفصل حال سنا کر کہا۔ کہ اب اپنے حال سے اطلاع بخشیں۔ جو ان  
 نے قرآن شریف کو جزو دان میں بند کر کے طاق مسجد پر رکھا اور مجھے اپنے قریب بٹھا کر کہنے لگا  
 بی بی! تم خدا پرست معلوم ہوئی ہو۔ اس لئے مجھے تم سے دیکھنے سے مسرت ہوئی ہے۔ میرا باپ  
 اس شہر کا با و شاہ تھا۔ اُس کی سلطنت کی وسعت کا ٹھکانہ تھا۔ مگر وہ اور اُس کی رعیت  
 تمام آتش پرست زہیب کے مقابل تھے۔ مگر میں سامان ہوا۔ بچپن سے میری ماہی نے مجھے قرآن کی  
 تعلیم دی۔ اور سکھایا۔ کہ خدا ایک ہے۔ اور وہی سب کی پرستش کے قابل پھر مجھے قرآن حفظ  
 کرایا۔ عربی زبان سکھائی۔ تفسیر اور فقہ کی تعلیم دی۔ غرض غرضی طور پر ہی سب ضروریات دین  
 سے ماہر کر دیا۔ اور اس کے بعد مجھے یہ آتش پرست بھڑی برے دکھائی دیتے تھے۔ اور  
 قبل اسکے کہ شہر کی یہ حالت ہو۔ جو تم نے آج بیتی اپنی آنکھوں دیکھی ہوگی۔ سو اترتین سال تک  
 رعد کی مانند عیب سے یہ آواز آیا کی۔ کہ اے باشندگان شہر آگ کی پرستش پر مذکور خدا کے کریم  
 رحیم کی بندگی اختیار کرو۔ مگر کسی نے اُسہر کان نہ دیے۔ آخر چوتھے سال کے شروع ہوتے ہی چرن  
 چڑھے شہر اور باشندگان شہر کی وہ حالت ہوئی۔ جو تم نے دیکھ لی ہے۔ میرے باپا بھی چھڑے کے

ہیں۔ مجھے نہایت ہی تعجب ہوا۔ اور میں شہر کے اندر بڑھ ہی چلی گئی۔ آگے جا کر بھی یہی حال دکھائی دیا۔ چاروں طرف خلق خدا پتھر کی بنی ہوئی دکھائی دی۔ چوک کی دوکانیں بند تھیں۔ پھر میں قلعہ میں آئی۔ جسکے دروازے سونے کے پتروں میں مڑھے ہوئے تھے۔ پھر میں محل شاہی میں داخل ہوئی۔ اُسکے دروازے پر لٹھی پرودہ لٹکا ہوا تھا۔ اور بیچ میں روشنی کے لئے ایک فانوس لٹکا رہا تھا۔ ان کسی آدمی کو نہ پا کر میں اور بھی حیران ہوئی۔ مگر تھوڑی دُور آگے جا کر چوہداروں کو بھی پتھر کا بنا پایا جن میں سے کچھ بیٹھے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ پھر دیوانِ خاص و عام کو پھر سے دیکھا۔ وہاں بھی یہی کیفیت تھی۔ بادشاہ اور اُسکے اراکین سلطنت بھی زر و جواہرات سے مزین مگر پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ تیسرا مکان بھی انسانوں سے بالکل خالی نظر آیا۔ چوتھے مکان کی عمارت نہایت ہی عالیشان اور خوش منظر تھی جس کے دروازے اور زنجیریں خالص سونے کی تھیں۔ مینے قیاس کیا کہ یہ محل ملک کے رہنے کا ہو گا۔ اور اندر چلی گئی۔ جہاں ایک دالان میں پتھر کے بنے ہوئے بہت سے خوبصورت نظر آئے۔ دالان سے آگ بڑھ کر ایک مکان قیمتی سامانوں سے سجا ہوا تھا جس میں ایک بی بی تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُسکے سر پر جواہرات سے مزین تلج اور گلے میں مالے مروارید تھی۔ جس کا ہر ایک دانہ سیپاری کے برابر تھا۔ اور بڑے بڑے جواہرات کا تو ہاں کچھ شاہی نہ تھا۔ یہ سب نظارے دیکھ کر میرا تعجب دم دم بڑھ رہا تھا۔ وہاں کی سیر سے جی بھر کر پھر مینے دوسرے مکانوں کا رخ کیا۔ اور پھرتے پھرتے ایک ایسے مکان میں پہنچی یہاں کسی زندہ انسان کے رہنے کے آثار بھی نظر آئے۔ اُس میں ایک سنہری تخت کے گرد مویلوں سے مکی ہوئی جھالز لٹک رہی۔ اور فرش میں سے ایک بڑی خوشنما چمک نکلتی تھی میں اُس درخت پر پڑھ گئی۔ اور دیکھا کہ ایک تپائی پر ایک بڑا گونہ شب چراغ بعینہ شتر مرغ کے برابر رکھا پڑا ہے جس کی روشنی سے آنکھوں میں خیرگی آتی تھی۔ اُس فرش کے ہر طرف ہلکے پڑے تھے۔ اور ایک شمع جل رہی تھی اُس مکان کے بعض دروازے کھڑے تھے۔ بعض بالکل بند تھے۔ بعض نیم کشادہ اور بعض کشادہ دکھائی دئے۔ پھر مینے گوشہ خانوں اور دفاتر کا معائنہ کیا۔ اور سب کو لا انتہا دولت سے مندا ہوا پایا۔ غرض مینے وہاں کی سیاحت سے اپنے تئیں بھولا دیا۔ جہاز اور جہینوں کا بھی خیال ہٹا دیا اور اسی امر کے دہرے ہوئی کہ وہاں کی پہلی حقیقت سے آگاہی پاؤں۔ اسنے میں رات پڑ گئی اور

ہے کہا۔ اگر تم عقد نکاح میں میری زیربازی کے خیال سے کرنے پر آمادہ ہو۔ تو میں تمہیں کبھی رائے نہ دوں گی۔ خدا کے فضل و کرم سے میرے کاروبار میں اس قدر آمدنی ہے جس سے تمہارا پیٹ انورانت بھر سکے۔ اور ہم میں کسی کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر تم ایلی رہنے سے گھبرا گئی ہو۔ تو اس سے ہے کہ تمہیں پہلی بے غرضی بھول گئی ہے۔ اس خیال سے درگزر کرو۔ کیونکہ ایک قابل شہرہ کا نام تجارت ہے۔ بیٹے انہیں بہت سمجھایا۔ مگر وہاں کسی کے کانوں پہنچوں تک بھی نہ پہنچے۔ اور وہ نہ کہنے لگیں کہ تو ہماری چھوٹی بہن سے بیڑے ٹکڑوں پر کب بکروں بھائیں۔ آخر تو تمہیں ہونے والی ہی نشوونما دے دی۔ میں نے کہا۔ تو یہ بات تو یہ! اہم میری بزرگ ہو اور ماں کی سبائے ہو۔ میں ایسا خیال کبھی دل میں نہیں لاسکتی۔ پھر بیٹے گلے لگا کر انکی تسلی کی۔ آخر وہ بھی سوچ بچ لگیں۔ اور ہم پر ستر سابق مل بکارت نہ بنے لگیں۔ حتیٰ کہ ایک برس تک بچے جوہر میں اس قدر منافع ہوا۔ جس سے میں نے ساری سفر اور غیر ملکوں میں تجارت کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ دو ہینٹن سمیت اسباب و سفر زاد کر بعد اوسے لہرے کی طرف روانہ ہوئے۔ بیٹے اپنے اس اہمال سے دوشے کر گئے۔ ایک کو تو کھریں ہی کاڑھ دیا۔ اور دوسرا نصف اپنے ہمراہ لے لیا۔ اس خیال سے کہ یہ منافع بھی ہر جائے تو باقی عمر پریشانی میں نہ گذارتی پڑے غرض جہاز ہوا نہ ہوا۔ اور کئی ذرات سلامتی سے چلتا رہا۔ مگر ایک دن کپتان کی غفلت سے راستہ بھول کر ہم کسی اور جگہ جلنے لگے۔ بیٹے کپتان سے شہر کا نام دریافت کیا۔ مگر اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تو آج تک یہاں کبھی نہیں آیا۔ نہ اس کا کبھی نام سنا ہے۔ وہ شہر ایک بلند پہاڑ کے دہان میں واقع تھا۔ چار و ناچار ہمیں وہاں لنگر ڈالنا پڑا۔ اور صلاح ہوئی کہ یہاں ہی اتر کر اپنا آلہ بچوں۔ اور یہاں کے کارگیر مل کے نمونے دوسرے مالک کے لئے لو۔ پھر کپتان اتر کر شہر کی طرف گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر ہمیں کہنے لگا۔ جہاز سے اتر آؤ۔ اور صانع حقیقی کی قدرت کا دیکھ لو۔ اور اس کے قریب سے دڑتے رہو۔ اس کی یہ بات سنکر میں بیچے اتر آئی۔ اور شہر کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا کہ بہت سے سپاہی نگہبانی کے لئے کھڑے ہیں۔ اور کچھ بیٹھے ہیں انکے ماتوں میں بڑی بڑی لاشیاں ہیں۔ اور انکی شکلیں نہایت دہشت ناک ہو رہی ہیں۔ مگر انکے اعتبار میں حرکت کا نام بھی نہ آیا۔ جب میں انکے قریب پہنچی تو وہ سنگین صورتیں دکھائی



حکم کو دہرایا۔ پر شینتہ ہی زبیدہ آگے آئی۔ اور اپنا حال یوں بیان کرنے لگی :-  
**زبیدہ کی سرگزشت**

اے امیر المومنین! یہ دونوں کالی کتیاں میری سکی پیشیں ہیں۔ اور یہ دونوں بیباں سوتیلی بہنیں ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام امیتہ ہے اور دوسری کا صافی۔ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد ہم باپچوں لے آئے اس کا ترکہ آپس میں برابر بانٹ لیا تھا۔ اور ایک ہزار ریال اس کے ترکے کے ہمارے حصوں میں آئے۔ مینے اس پونجی سے دوکان کھول لی۔ اور میری دونوں بہنیں شاویاں کر کے اپنے اپنے گھروں میں جا آ رہی ہیں۔ تھوڑی مدت کے بعد ان کے شوہر کسی غیر ملک کو چلے گئے اور انہیں بھی ساتھ لے لیا۔ اور جب ان کا اندوختہ ختم ہو گیا۔ تو ان کو گھر سے نکال کر باہر کیا۔ دونوں پریشان حالت میں میرے پاس آئیں۔ مینے انکی حسی المقدور تواضع کی۔ اور دیکھتی ہیں کوئی دقیقہ اٹھا نہ کھا۔ چندے کو ہنسی گزری۔ ایک دن وہ دونوں مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ کہ ہمارے اسباب سے تقین بہت زہریا رہی اٹھانی پڑتی ہے۔ اسلئے ہم دوسری شادی کر لینے کی فکر میں ہیں۔

**تصویر زبیدہ کا اپنی دونوں بہنوں کو حالت فقیری میں دیکھنا**



روند کے سپاہی دروازے توڑ کے اندر گھس آئے۔ اور مغل کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ مگر اپنی خوش نصیبی کی بدولت ہم کسی طرح بچ نکلے اور سرائے کی طرف گئے۔ جہاں سے ناکام لوٹنا پڑا۔ کیونکہ اُس کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ ناچار واپس آئے اور اتفاقاً تمہارے دروازے پر گذر ہوا۔ اندر سے راگ رنگ کی آواز آ رہی تھی۔ اس سے ہمیں بھی دروازہ کھٹکھٹانے کی حرکت پڑی۔ اور آپ نے بڑی مہربانی سے ہمیں اندر آنے کی اجازت دی۔ زبیدہ نے کہا۔ جاؤ۔ ہمارا قصور بھی معاف کیا۔ مگر اب تم سب کی سب یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ حکم اس طرح سے لکھ کر دیا گیا تھا کہ جبراً و قہراً سب کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ اُنکے بچتے ہی باہر کا دروازہ بند ہو گیا خلیفہ نے قلندروں کو اجنبی سمجھ کر کہا۔ کہ اس وقت تم یہاں خوار ہوتے پھر وگے ہم سے پیچھے چلے آؤ۔ اور رات ہمارے پاس بسر کرو۔ پھر وزیر سے کہا۔ کہ ان قینوں کو اپنے ساتھ لیاؤ اور صبح کے وقت حاضر کرنا۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی۔ اور خلیفہ مسرور کے ساتھ گھر آ کر پڑھا مگر اُسے فینہ نہ آتی تھی۔ اور بار بار زبیدہ اور اُن دونوں کیتوں کے حالات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ صبح کہ حاضر ہو کر آداب بجالایا خلیفہ نے فرمایا۔ جب تک اُن قینوں عورتوں دونوں کیتوں اور قینوں قلندروں کا حال نہ دریافت کر لوں گا۔ مجھے چین نہ آئے گا۔ جاؤ پہلے انہیں میرے سامنے لے آؤ۔ وزیر جب الحکم روانہ ہوا۔ اور زبیدہ کے گھر پہنچ کر خلیفہ کا حکم سنایا۔ وہ قینوں بی بیوں چہروں پر نقاب ڈال کیتوں کو ہمراہ لے فوراً اسکے ساتھ ہو لیں۔ راستے میں سب نے قینوں قلندروں کو بھی لے لیا۔ جب وہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے خلیفہ نہایت خوش ہوا۔ اور قینوں بی بیوں کو پس پردہ اپنے پیچھے کھڑے ہونے کی عزت بخشی اور قینوں قلندروں کو اسکے مرتبے کے موافق اپنے سامنے جگہ دی۔ جب سب کے سب بیٹھ گئے۔ خلیفہ اُن عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ بی بیوں۔ آج رات میں سو اگر کے مجلس میں ملاقات کی تھی۔ اور ہمارے سبب سے تمہیں کچھ ملال ہوا تھا۔ چنانچہ تمہیں ہم سے بے ادبی کا برہم کرنا پڑا۔ لیکن الطیثان رکھو میں نے مواخفہ کیلئے تمہیں نہیں بلایا۔ بلکہ میں تمہارے یہاں آنے سے نہایت خوش ہوا ہوں۔ اب تم مجھ کو اپنا مفصل حال بیان کرو۔ اور اُن دونوں کالی کیتوں کی داستان بھی سناؤ۔ وزیر جعفر نے خلیفہ کے

دینے سے رکھی۔ میں گرنے کے وقت سے اُسکی گردن کو لپٹ گیا۔ پھر اُس نے نیچے کو اترنا شروع کیا۔ آخر اُسے تانچے کے قلعہ کی چھت پر اُترنا۔ جہاں سے مجھے بھیڑ کے چڑے میں رنج نے اُڑا دیا تھا۔ اور مجھے اتنی فرصت نہ لینے دی کہ میں اُسپر سے اُتروں۔ بلکہ اپنی ہٹھکے کو اس طرح سے جنبش دی۔ کہ میں چٹ گرا۔ اور ظالم جہان نے اپنی دُم کو اس زور سے میری داہنی آنکھ پر مارا کہ وہ پھوٹ گئی۔ بی بی امیر کے کانے ہونے کا سبب یہی ہے۔ اُس وقت مجھے اُن دس جوانوں کا کہنا یاد آیا۔ میری آنکھ بھڑک رہی تھی گھوڑا پھر اُڑا۔ اور میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔ میں در چشم سے نہایت ہی ہتیا ب ہو کر نیچے اُترنا۔ اتنے میں وہ دسوں جوان چہرہ مرد مقدس کے ساتھ آگئے۔ مگر انہوں نے میری طرف بھی التفات نہ کی۔ بلکہ الٹا کونے لگے۔ کہ ہنسنے تجھے کیا کہا تھا؟ ہمیر بھی بعینہ ہی کیفیت گزر چکی ہے۔ اور ہم تیری اس مصیبت کے علاج سے معذور ہیں۔ اب جہاں تیرے سینک سائیں چلا جا۔ یہاں اور کسی کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ ہم تجھے پہلے بتا چکے ہیں۔ بلکہ بہتر ہے تو بغداد کا راستہ لے۔ وہاں تجھے ایسے شخص سے ملاقات نصیب ہوگی۔ جس کی بدولت تیرا دوبارہ بدل پیش ہو جائیگا۔ سو بی بی تمہیں عازم بغداد ہو کر راتے ہیں قلندر ری جانہ سپن لیا اور چار بار بروکا صفا یا کرایا۔ اور مدت دراز کے سفر کے بعد آج شام کو یہاں وارد ہو کر ان دونوں قلندروں سے ملا۔ پھر ہم تینوں مکان کی تلاش میں خوش قسمتی سے آپ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ جہاں ہمیں وہ آرام ملا جس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ جب تیسرا قلندر بھی اپنا قصہ ختم کر چکا تو زبیدہ نے اُس کا قصہ بھی معاف کر دیا۔ اور اشارہ کیا۔ کہ وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر اُس نے اجازت مانگی۔ کہ میں ان تینوں سوداگروں کا حال سنا چاہتا ہوں۔ حکم ہو تو ایک کونے میں بیٹھ جاؤں۔ زبیدہ نے منظور کیا اور خلیفہ جعفر اور مسرور کی طرف مخاطب ہوئی۔ جن کے اصلی مرتبوں سے وہ بالکل ناواقف تھی۔ کہ اب تم بھی اپنا حال سنا چکے ہیں۔ کہ ہم تینوں موصول کے سوداگر ہیں۔ اور اسباب بیچنے کے لئے یہاں وارد ہوئے تھے۔ ایک سرسارے میں اترے۔ اور آج کی رات شہر میں ایک سوداگر کے ماں ہماری دعوت تھی۔ جس نے حق و دعوت تلف نہ طور پر ادا کیا۔ کھانا کھا چلنے اور شراب کا دور چل چلنے کے بعد محفل رقص و سرود آراستہ ہوئی۔ یہاں تک کہ گانے بجانے کی آواز نہ

اور یہ اس قدر وسیع تھا کہ سو آدمی بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتے۔ بگڑنے میں چیران تھا۔ کہ  
 وہاں ایک بھی آدمی نظر نہ آیا۔ اور نہ ہی کوئی تنکا بیکار پڑا ہوا دکھائی دیا۔ یہاں پہلے پہل  
 شام ہو گئی۔ اور سورج غروب ہوتے ہی سب جانور اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لینے  
 کو لگے۔ میں بھی دروازہ بند کر کے اپنی خوابگاہ میں بادل پر حیرت اُڑا۔ لنگے دن جیسا  
 رہی تباہی دروازوں کے کھولنے کا شوق مجھ پر غالب آ رہا تھا۔ ناچار رواج ضرور یہی فرغت  
 پا کر میں اُدھر روانہ ہوا۔ میں کیا بیان کروں۔ کہ وہاں کیا کچھ دیکھا، خلاصہ مطلب یہ ہے کہ  
 کسی میں رز و جاہر کے اُصیر لگے تھے اور کہیں پیسے موتیوں کے تو دے پڑے جگہ گاہ  
 تھے۔ میں اس کثیر دولت کو دیکھ کر اپنے نفسیوں پر فخر کرنے لگا۔ اور اسی طرح مٹاؤ نہ  
 دروازے دیکھتے دیکھتے اُنٹالیس دن گزر گئے۔ اور عجائبات روزگار کو دیکھ دیکھ کر میری  
 طبیعت سیر ہو گئی۔ اُن شہزادوں کے آنے میں صرف آج ہی کا دن باقی تھا۔ اور میں نے  
 کوشش کی کہ سونے کے دروازے کو نہ چھوؤں۔ مگر میری بدقسمتی تھی کہ شیطان نے دُور سے  
 انگلی دکھائی۔ اور مجھے بہ چکا کہ وہ دروازہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے کھلتے ہی ایسی اعلیٰ خوشبو  
 میرے دماغ میں آئی کہ وہ اب مرا تک نہیں بھولتا۔ قریب تھا کہ میں ہستتا ہو کر گر پڑوں۔  
 مگر پھر میں نے اپنے تئیں سنبھالا۔ اور چاہا کہ ذرا اندر جا کر سیر کر لی جائے۔ میں پھر اُسے جلدی ہی  
 بند کر دوں گا۔ سچ ہے ہونی نہیں ملتی۔ ناچار میں اندر گیا۔ اور تھوڑی دیر تو وقف کیا کہ خوشبو  
 کی تیزی مدھم پڑ جائے۔ اتنے میں وہاں ایک بڑا گنبد نظر آیا۔ جس کی زمین پر غفران سجھا ہوا  
 تھا۔ اندر سونے کی پائیوں پر اگر اور عیش کی شعبیں جل رہی تھیں۔ اور منجملہ دیگر عجائبات کے  
 ایک نہایت ہی خوبصورت مشکلی گھوڑا دیکھا کہ چیر ساز کا ہوا تھا۔ زمین اور کام میں سونے کے  
 پتھر لگے تھے۔ اس کے آگے مساند کئے ہوئے تھے اور جو رکھے تھے۔ اور ایک طرف جوتی میں  
 اس کے پیچھے کے لئے گلاب پڑا تھا۔ میں نہایت ہی اُمیدیں سے اس گھوڑے کو یاہر و نشینی  
 میں نکال لایا۔ تاکہ اچھی طرح سے دیکھ سکوں۔ پھر میں اُس پر سوار ہو گیا۔ اور اُسے چلا تا چاہا  
 مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ آخر میں اُسے زور سے کوڑا اجایا۔ جس کے پڑتے ہی وہ بڑی  
 خوفناک آواز سے ہنہنایا۔ اور اپنے پڑے کو کھول کر آسمان کی طرف اتنا بلند اُڑا کہ زمین دکھائی

سہ ماہی در بیان میں قائم ہے۔ اب مجھ سے تھل نہ ہو سکا۔ اور مینے کہا خدا کے لئے کیوں لی  
پہیلیاں کھجواتی ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔ کہ حقیقت کیا ہے؟ یہ سنکر ایک نے جواب دیا۔ کہ ہم  
چالیسوں شاہزادیاں ہیں۔ سال بھر ہم اس مکان میں تفریح طبع کے لئے رہتی ہیں۔ اسکے بعد  
صرف چالیس دن کے واسطے بعض امور ضروریہ کے سبب ہمیں یہاں سے باہر جانا پڑتا ہے  
اور ایک چالیسہ گزار کر پھر یہاں ہی آجاتی ہیں۔ مکمل دن سال ختم ہو گیا۔ اور آج ہم تم سے  
خصمت ہونے آئی ہیں۔ یہ سبب ہے ہمارے رونے کا۔ مگر قبل اسکے کہ ہم یہاں سے روانہ ہوں  
سب اسیاب اور مکانات کی چابیاں خصوصاً ان سو دروازوں کی تمہارے سپرد کی جائیں گی۔ ہماری  
غیر حاضری میں تم انکی سیر کر کے اپنا دل بہلا سکتے ہو۔ مگر تمہیں تمہاری ہی قسم ہے۔ کہ اس سونے  
کے دروازے کو ہرگز ہرگز ماتھے بھی نہ لگانا۔ ورنہ پھر تم ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو جاؤ گے۔  
دیکھو! اس ہدایت کو توجہ سے سنکر یاد بھی رکھنا اور اس ہدایت پر کار بند رہو گے تو کوئی اندیشہ  
نہیں۔ چالیس سو بیس ہونگی اور تم۔ ورنہ خدا قضا۔ لوداع۔ انکی گفتگو سنکر سوچ تو یہ ہے۔  
کہ مجھے بھی شکستہ سوچ محسوس ہوا۔ اور اقرار کیا۔ کہ میں ہرگز ہرگز تمہاری ہدایت کی خلاف ورزی  
نہیں کروں گا۔ پھر ایک ایک کو گلے لگا کر خصمت کیا۔ جب وہ عورتیں قلعہ سے چلی گئیں۔ تو  
جدا کی گئی تھنائی نہیں سیرے دل پر چھاپ مارا گھڑی دو گھڑی کی سفاقت تو تھی نہیں۔ کہ  
آسانی سے کٹ جاتی۔ پورے چالیس دن تک یہ رہنا تھا۔ ناچار گھبرا کر ان مکانات کی سیر  
شروع کی جس کے لئے مجھے اجازت مل چکی تھی۔ جب پہلا دروازہ کھولا تو اس کے اندر ایسے  
عجیب و غریب سیوہ و درخت نظر آئے۔ کہ دنیا بھر میں کہیں کسی نے نہ دیکھے ہونگے۔ غرض وہ  
ہدایت ہی دلکش اور پھنسا باغ تھا۔ اور ان درختوں میں خدا جانے کس طرح پانی خود بخود پہنچتا تھا  
کہ مقدار سے بھی نہیں بڑھتا تھا۔ میں دیر تک اس باغ کی سیر سے مغلوط ہوتا رہا۔ اس کے بعد دوسرا  
دروازہ کھولا۔ یہاں پھول ہی پھول دکھائی دئے۔ غرض دنیا بھر میں کوئی پھولدار درخت نہ ہوگا۔ جو  
یہاں موجود نہ ہو۔ بلکہ یہاں کے کئی درخت دنیا والوں نے دیکھے بھی نہ ہونگے۔ یہاں بھی پانی عجیب  
صنعت سے پہنچتا تھا۔ دیر تک یہاں کی سیر سے بھی لذت پائی۔ جب تیسرا دروازہ کھولا۔ تو وہاں  
کی دنیا ہی دنیا ہی زالی پائی۔ یہ گویا چڑیا گھر تھا۔ جس میں دنیا بھر کے چمڑہ و پرندہ دکھائی دئے

لَقَوِيْرُ خَوْبَصُوْرَتِ بِيْبِيُوْلِ اَوْ شَرْتَرِ اَوْ كِي



میں آدمی رات ہو گئی اور جب معمول سابق آنہوں نے رات کے لئے ایک کو انتخاب کر لینے کی التجا کی۔ اور میں نے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ غرض یہ نئی تین سو ساٹھ دن گذر گئے جب اگلی صبح ہوئی۔ تو خلاف معمول سلام کرنے اور خیر و عافیت پوچھنے کی جگہ سب کی سب روٹی ہوئی میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اب ہم تم سے رخصت ہوتی ہیں۔ خدا حافظ! میں حیران بگیا اور پوچھا کہ تمکے رونے اور رخصت ہونے کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ خدا کی مرضی ہی ایسی ہے کہ پھر ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو۔ اسلئے کہ تمہارے جیسے کسی آدمی پہاں آجکے۔ اور رہے۔ آخر ہماری انگلی ہوئی۔ اور اب ہمیں خبر تک بھی نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا مر چکے یہ کہا۔ اور پھر سب کی سب ٹھوٹ پیس غیبر پریمی رقت طاری ہونے لگی۔ اور میں نے کہا لیکن تم بات تو بتاؤ۔ وہ بولیں کہ آسکے سوا اور تمہیں کیا بتائیں۔ کہ یہ وقت ہماری اور تمہاری دائمی مفارقت کا ہے۔ البتہ اگر تم جاؤ۔ تو یقین ہے کہ شکل مل ہو جائے اور یہی محبت ہمارے اور

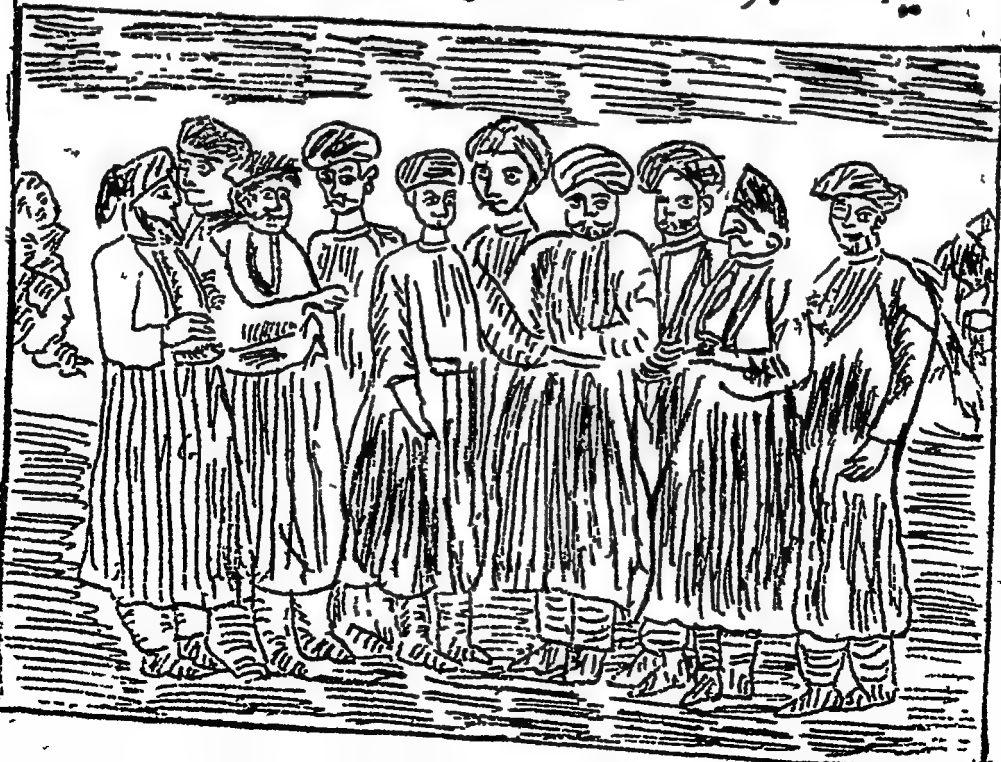
مسترح کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اور کہا کہ ہم دیر سے تمہاری منتظر بیٹھی ہیں۔ الحمد للہ کہ تم میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جنکی ہمیں آرزو ہے۔ پھر انہوں نے مجھے صدر میں بٹھایا جو باقیہن کر بلند جاگتی تھی۔ اور مجھے بتایا کہ اب تم ہم سب کے الگ و مختار ہو اور ہم تمہاری تابعدار ہیں۔ اُس وقت میں اپنے تئیں راجہ اندر سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگا اور اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ اسکے بعد کوئی میرے پاؤں دھونے کے لئے گرم پانی لائی۔ کسی نے خوشبودار پانی سے میرے ماتہ دھلائے کسی نے پوشاک پہنائی۔ اور کوئی طرح طرح کے کھانے چنے لگی۔ کسی نے صراحی اور گلاس ماتہ میں لے لیا۔ غرض سب خدمتوں کو ایسی خوش اسلوبی اور محبت کے ساتھ ادا کیا کہ میں یہ تکلیف بھول کر اُن کا دالاوشیدہ انگلیا۔ پھر انہوں نے میرے گرد حلقہ باندھ کر میری سرگزشت سُستی۔ یہاں تک کہ رات چڑ گئی۔ اُس وقت انہوں نے مکان میں ایسی روشنی کی کہ دین معلوم ہونے لگا۔ پھر کھانے کی قابیں اٹھا کر میوے اور بیشیرینی لائیں اور قسم قسم کی شرابیوں اور افشردوں کے کنٹر لاکر میز پر چُن دئے اور مجھے اُپر بٹھایا۔ چند بی سال میرے ساتھ بیٹھیں۔ اور باقی کھانے بجانے اور ناچنے لگیں۔ اسی شغل میں آدھی رات گزر گئی۔ گانا بجانا موقوف ہوا اور ایک بی بی میرے سامنے آکر کہنے لگی کہ آج تم بہت دُور سے آئے اور تھکے ماندے ہو۔ اب آرام کرو۔ خوابگاہ تیار ہے۔ لیکن ہم میں سے ایک کو پسند کر لو۔ چورات تمہارے کمرے میں بسر کرے۔ بیٹے جواب دیا کہ تم میں سے ایک کا انتخاب کرنا کہ سب معدنِ حن و جمال ہو میرے لئے نامناسب ہے۔ یہ امر اوروں کی رنجیدگی اور میری گستاخی کا باعث ہوگا۔ مگر اس نے جواب دیا ہم میں جسہ نہیں رہتم مطمئن رہو تمہاری خدمت کے لئے کل دوسری کی باری ہوگی۔ پرسوں تیسری کی اور اسی طرح چالیسویں دن چالیسویں کی۔ پھر از سر نو دُور شروع ہو گا۔ بیٹے مجبور ہو کر اسی بی بی کا ماتہ تمام لیا۔ جو مجھ سے ہم کلام تھی۔ پھر سب نے مجھے خوابگاہ میں اس بی بی کے ہمراہ چھوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں جا آرام کیا۔ اگلے دن جب میں صبح کے وقت بیدار ہوا تو وہ تالیبتو میرے سلام کے لئے حاضر ہوئیں اور میری خبر و عافیت دریافت کی۔ پھر مجھے ختام کرایا اور بربکلف پوشاک پہنائی۔ اسکے بعد ہم سب کھانے پر آئے اور کل کی طرح آج بھی عیش و عشرت



ورنہ اپنا حال بتا دو۔ نیز کمز اس طرح بھیجی کی حالت میں مجھ سے یہاں نہ رہا جا ریگا۔ پر شکر ایک  
 جوان بولا۔ یہاں کی کھیر کرو۔ ہم تمہاری بھلائی کے لئے ہی تمہیں ایسا حال نہیں بناتے۔ ورنہ  
 اندیشہ ہے۔ کہ تمہیں یہی ہماری طرح نہ رونا پڑے۔ مگر جب میں نے اصرار کیا تو اُس نے جواب دیا  
 اچھا تو سن رکھو! اگر کسی صدمے سے تمہاری بھی دہشتی آنکھ جاتی رہی۔ تو ہم تمہیں اپنے ساتھ  
 ہرگز نہیں رکھیں گے۔ اس لئے کہ یہاں اب ایک کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ میں نے اس شرط کو  
 منظور کیا۔ تب اُنہوں نے ایک بھیڑ کو ذبح کر کے اُسکا چہرہ اتارا۔ اور چھری جو کہ دیکھ بڑھت کی  
 کاسے پاس رکھو کام آئیگی۔ اب ہم تمہیں اس چم سے میں سی کر میدان میں رکھ دیتے ہیں صبح  
 کاؤب کے وقت زرخ نامی چڑیا یا اپنا شکریہ کہہ کر اٹھا لیجا بیگی۔ اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر رکھا  
 تمہارے کھا جانے کا ارادہ کر لیگی۔ اس وقت خبر داری سے چمے کو چھری سے کاٹ کر باہر نکل آؤ  
 زرخ تمہیں دیکھ کر ڈرہا بیگی۔ پھر تم بلا تامل آگے بڑھ جاؤ۔ اور تھوڑی دُور پر قیمتی جواہرات سے  
 مرقع اور سونے کے پتروں سے ڈونڈا ہوا ایک عجیب و غریب قلعہ پاؤ گے جس کے دروازے  
 کھلے ہوئے گئے بے تامل اندر گھس جاؤ۔ ہم سب بھی باری باری دھان ہو آئے ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم  
 پر گزری وہ قابل بیان نہیں۔ تمہیں خود ہی معلوم ہو جا ریگا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ کہ  
 ہماری طرح قسم ہی دہشتی آنکھ سے کھنکھانے ضرور ہو جاؤ گے۔ جب وہ جوان اپنی فقرہ ختم کر دیا۔  
 میں نے چھری کو قابو کر کے بیڑ کی کھان اپنے گرد لپیٹ لی۔ اور اُنہوں نے اوپر سے سی کر کھجیر  
 میں رکھ دیا اور زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ زرخ آئی۔ اور مجھے بھیڑ تصور کر کے پہنوں میں پکڑا اور  
 لے اُڑی اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر لیجا کر رکھ دیا۔ جب جیتے سمجھ لیا کہ میں زمین پر پڑا ہوں فی الفور  
 چھری نکال کھاٹ کھائی اور باہر نکل آیا۔ زرخ یہ نظارہ دیکھ کر اڑ گئی اور بیٹنے اپنا دستہ لیا۔  
 ہرے دوہرے بعد منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ وہ قلعہ ایسا خوبصورت تھا کہ میں اُسے دیکھ کر سچ  
 جی بہوت بنگیا۔ پھر میں دڑا تا ہوا اندر گھس گیا۔ اور وہاں ایک بہت بڑا مربع مکان دیکھا جس کے  
 ننانوے دروازے صندیل کے تھے اور ایک سونے کا تھا اور بیسٹار زینے بھی دکھائی دئے جن سے  
 ان مکانوں کے اوپر کورا ستہ جاتا تھا۔ آگے جا کر ایک بارہ درہ نظر پڑی جس میں چالیس پچاس  
 نوجوان عربی لباس فاخر زیب تن کئے رونق افروز تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی آنکھ کھری ہوئی۔ اور

جا کر بیٹھ گیا اور ہر ایک کمرے میں ایک ایک جوان نے جگہ لی۔ انہیں سے ایک نے مجھے بھی بڑے مل کی  
 تالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تاکید کی۔ کہ خردوار ہم سے کچھ نہ چوڑھیو۔ خواہ ہم کوئی کام کریں اور  
 یہ بھی نہ دریافت کرنا کہ ہماری دہاتی آنکھیں کیونکر پھوٹیں۔ غرض ہر امر کو دیکھ کر چپ ہو رہا ہوں۔  
 پھر وہ بڑھ چلا اٹھا اور ہم سب کے لئے کھانا لایا۔ جب کھانے سے فراغت ہو چکی تو اس نے  
 ایک ایک گلاس شراب کا بھی ہمیں دیا۔ پھر سب ٹے مجھے اپنی سرگزشت دھرانے کی درخواست  
 کی۔ جسے میں قبول کر کے پھر اپنا سارا حال سنا دیا۔ پھر دیر تک روضہ اور ہر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جب  
 رات بہت گزر چکی تو ایک جوان سے میرے نے کہا کہ اب آرام کا وقت آ پہنچا ہے۔ تم اب تک  
 وہ چیز نہیں لائے۔ مجھ کو اس کلام کے پڑھا اٹھا اور دس طشت نیلے خان پوشوں سے بھرنے  
 ہوئے اٹھا لایا اور ایک ایک طشت میں ایک ایک شمع کے ہر ایک جوان کے آگے رکھ دیا۔ انہوں  
 نے طشتوں کو کھولا۔ تو ہر ایک میں کوئلے کی راکھ اور سیاہی مٹی۔ پھر دسوں جوانوں نے اپنے  
 اپنے منہ پر راکھ اور سیاہی کو ملا۔ جس سے انکی شکلیں عجیب بھیا تک دکھائی دیتے لگیں۔ اس کے  
 بعد سب کے سب رونے پڑنے اور سر پیٹنے لگے کہ ہماری بڑی قوی اور طاقت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ  
 اور دیر تک اسی طرح شور و غل مچا کر رہے۔ جب خاموش ہوئے مہی بڑا ہر ایک کے پاس  
 سیلاچی اور آفتاب لیگیا۔ ہر ایک نے منہ ہاتھ دھوئے اور کپڑے بدل کر اپنے اپنے کمرے میں  
 جا کر لیٹ رہے۔ اس کیفیت کے دیکھنے سے مجھے عجیب اضطراب لاحق ہو گیا۔ چنانچہ کئی بار جی  
 میں آیا۔ کہ عہد کو توڑ کر سارا حال پوچھوں۔ مگر ضبط کیا۔ اور صبح تک اس اندیشے میں بے بند نہ  
 آئی۔ آخر دوسرے دن صبح کے وقت جب ہم قلعہ سے باہر ہوا کھانے کو نکلے تو میں پوچھ ہی بٹھا  
 کہ صاحب ما دکھائی تو مجھے آپ ذی شعور دیتے ہیں۔ مگر آپ کی رات کی کیفیت دیکھ کر میں حیران ہو رہا  
 ہوں اور سخت متروک ہوں۔ کیونکہ حال پوچھتا ہوں تو یہ خلاف معاہدہ ہے۔ اور اگر چپ رہتا ہوں  
 تو اس کی مجھ میں تاب نہیں۔ انہوں نے کہا ہم اسکا جواب نہیں دے سکتے۔ اگر تجھے ہمارے ساتھ  
 رہنا منظور ہے تو اس خیال سے پرے رہ۔ خیر! اس وقت تو میں چپ ہو رہا۔ لیکن جب آپ رات ہوئی  
 اور سب نے حسب معمول کھانا کھا کر گزشتہ شب کی طرح مجھ پر راکھ اور سیاہی مل کر چلا نا شروع کیا۔  
 تو مجھ سے رہنا نہ گیا۔ اور پہلے دریافت کیا۔ کہ صاحب! یا تو مجھے میرے وطن میں پہنچا دو۔

بڑھتی ہوئی آگ کا شہ ہو گیا ہے ہیں اُسکے قریب جا کر بیٹھ گیا اور آرزو مند تھا کہ کسی طرح سے اندر کا حال معلوم کروں۔ اتنے میں دس جوان حین جکے ہمراہ ایک دروازہ قامت متبرک روڈ بھاگتا۔ باہر نکلے مگر جب پہنچے اُن دسوں کو وہاں ہی آنکھ سے کانے پایا تو میرے عجیب کی انتہا نہ رہی۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سب ایک ہی آنکھ سے کیونکر کانے ہوئے اور یہاں کیسے جمع ہو گئے کہ اتنے میں وہ سب کے سب میری طرف جھکے۔ اور السلام علیک کہ مکہ میرے دریافت کیا کہ یہاں کیسے آنا ہوا۔ میں نے سب حال پوچھا ابتدا سے انتہا تک بلا کم و کاست سُنا دیا۔ جسے سن کر سب نے تعجب کیا۔ پھر وہ اپنے ساتھ مجھے قلعہ کے اندر لے گئے۔ جہاں بیٹے لمبے لمبے والاں دیکھے اُنکے سوا بارہ دریاں اور خلوتوں نے بھی ہر طرح کے سامانوں سے آراستہ تھے۔ قلعہ کے ایک طرف ایک بہت بڑا عالی شان مکان بھی تھا جسکے دور میں دس چھوٹے چھوٹے اور الگ الگ نیکوں کمرے اس طرز سے بنے ہوئے تھے کہ اُن میں ایک ایک آدمی بخوبی رہ سکتا اور شب بانشی کر سکتا تھا۔ اُن کمروں کے بیچ میں ایک بڑا مال بھی تھا۔ جو اُن دسوں سے بڑا تھا اسکا رنگ سیاہ تھا۔ اُس مال میں وہ درویش تصویر پڑھے متبرک اور اُن جوانوں کی جو وہاں ہی آنکھوں سے کانے تھے



بقصورت شہزادے کے ہاتھ سے چھری کا کرنا اور لوگوں کو کلہو پیس لگنا اور کاکام تمام ہونا



مالک مردہ ہو رہا تھا۔ آخر بڑی کشمکش کے بعد جب اُسے ہوش آیا تو ساتھیوں نے مقتول بچے کی لاش کو بھی یا ہر نکالا۔ اور نہلا کھنکھن کر اُسے مٹی کے سپرد کر دیا۔ پھر مظلوم باپ کو قبر پر لائے جس نے سب سے پہلے تین مٹھی خاک بڑی حسرت سے لاش پر ڈال کر ایک آہ کھینچی۔ پھر باقی قبر کو غلاموں نے بتوپ دیا۔ اسکے بعد تہ قاتلے سے سب سامان نکال کر جہاز پر لاوا۔ اور اپنے شہر کو چلے گئے۔ رجب جہاز میری نظروں سے غائب ہو گیا تو میں درخت سے نیچے اُترا اور تنہائی میں پڑا پریشان ہوا۔ تا چار رات تہ خانے میں بسر کی۔ اور صبح کو راستہ دھونڈنے کیلئے ادھر ادھر پھرا۔ مگر ناکام واپس آتا۔ اسی طرح سوتے اور پھرتے مجھے پورا مہینہ گزر گیا۔ اسی مدت میں جزیرے کا درمیانی دریا بھی پاباب ہو گیا تھا۔ میں بدشواری اُس سے پار ہو کر دُور تک چلا گیا۔ ایک دن چلتے چلتے دُور سے کوئی چیز روشن آگ کی طرح دکھائی دی۔ جب قریب آیا تو معلوم ہوا۔ وہ سُرخ تانبے کا ایک قلعہ ہے جس پر سورج کی شعاع پڑنے سے دُور سے

بھونکے پر مائلینا۔ میں نے کھان اُٹا دیا۔ اور قیلو نے کہہ دیا اُس نے مجھ سے خرپڑہ کھانے کی نہایت  
 کی۔ میں نے ایک خرپڑہ سواں سے اُٹھایا۔ اور چپتی کی رکھ کر اُس کے پاس لیگیا۔ اور پوچھا  
 کہ خرپڑہ تراشنے کی پھری کہاں ہے؟ اُس نے بتایا کہ میرے سرانے والے طاق پر  
 سے دیکھو۔ میں اُسکے لینے کو اُچکا اور چاہتا تھا کہ نیچے آؤں۔ قضا را پاؤں پھلا اور  
 ایسا پھلا کہ میں اُس بیگناہ پر گر پڑا۔ پھری میرے ہاتھ سے چھوٹ کر اُسکی چھاتی میں  
 گھس گئی۔ اور وہ فی الفور جاں بحق تسلیم ہوا۔ میں نے واویلا مچانا اور پھاتی پھینا شروع  
 کر دیا۔ اور اپنے تئیں کوستا تھا۔ کہ کاش! یہ چند گھریاں جو دن میں باقی تھیں۔ یہ بھی  
 کدو باتیں تو اچھا ہوتا۔ نقطہ اتنے ہی کے لئے غریب نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ مگر تقدیر  
 بڑی زبردست ہے۔ درحقیقت نیچو بیوں نے سچ کہا تھا۔ اور میں ہی اُسکا قاتل ہوں۔  
 پھر میں نے دو ذماتہ اُٹھا۔ درگاہ محیب الدعوات دعا مانگی کہ اے خداوند! تودا تا مینا ہے۔  
 میں نے اس بچے کو قصہ ہلاک نہیں کیا۔ اور تو نوب آگاہ ہے کہ اس کی تقدیر یہی ہوں تھی۔  
 غرض وہیر تک اُس بیکیس کی لاش پر گریہ وزاری کرتا رہا۔ نہ خربہ تقوٰۃ اسلمین باقی رہ گیا  
 اور میں نے خیال کیا کہ وہ جو ہری خوشی خوشی اپنے بچے کو لینے کے لئے آ رہا ہوگا۔ تو میں نے خانہ سہو  
 باہر نکل جانا مناسب سمجھا کیونکہ کس کس سے اُس کے سامنے جاتا۔ افسوس! سہا میری محنت  
 اکارت گئی۔ بیکی برباد اور گناہ لازم والا معاملہ ہو گیا۔ غرض میں نے خانے سے باہر نکلا۔ اور  
 دروازے کو جوں کا توں بند کر کے باہر آیا۔ سمندر کی طرف دیکھتا ہوں تو سانس سے وہی جہاز  
 آتا ہوا نظر آیا۔ میں دوڑ کر قریب کے ایک درخت پر جو بہت بلند اور گنجان تھا جا چڑھا اور  
 چھپ کر آنے والوں کی حالت دیکھنے لگا۔ جب جہاز کنارہ ساحل پر آ پہنچا تو مرد و پیر و عوام  
 کے لشکر تہ خانے کی طرف آیا۔ اور آتے ہی اوپر کی مٹی دھڑک کر کے دروازے کو پرے ہٹاتی  
 سے کھٹکھٹایا۔ مگر کچھ جواب نہ پایا تو دروازہ کھلا کر اندر گیا۔ اور اپنے کھٹکھٹ کو لوہوں  
 سلطان دیکھ کر رونے چلائے لگا۔ میرے آنسو تھے نہ رہے۔ آخر اُسے غش آگیا اور جانے  
 کے علاموں نے اُسے اٹھا کر اُسے تہ خانہ سے باہر نکالا اور اُسی درخت کے نیچے لا بٹھایا۔ چہر  
 بیٹھا ہوا اپنی ناقابل تلافی پر افسوس کر رہا تھا۔ بد قسمت باپ اپنے اکلوتے بیٹے کی یاد پر

انہوں نے جواب دیا کہ چودھویں برس میں اسے جان کا خطرہ ہے۔ اگر اس سال چٹیا تو پھر  
 دیر تک جئے گا پھر ان جو کشمیر نے خبر دی کہ ہمیں کو اکب کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ  
 پتیل کا سوار جو کہ مقناطیس پر رکھا ہے۔ ابن خضنب کے ماتھے سے اراجا لے گا۔ اس وقت اثر خیر کو سنکر میرا باپ  
 پوسے پچاس دن بعد یہ لڑکا اُسی کے ماتھے سے اراجا لے گا۔ اس وقت اثر خیر کو سنکر میرا باپ  
 اور بھی بد حال ہو گیا۔ اور شبے روز میری حفاظت میں ہی رہتا۔ حتیٰ کہ جب مجھے چودھواں  
 سال شروع ہوا۔ اسکے دوسرے دن نجومیوں نے میرے باپ کے پاس آکر عرض کی۔ کہ آج دس  
 دن ہوتے ابن خضنب نے اس پتیل کے سوار کو سمندر میں گرادیا ہے۔ میرا باپ نہایت غمگین  
 ہوا۔ اور چونکہ وہ چاہتا تھا کہ جس طرح ہو مجھے بچائے۔ اسلئے اُس نے پہلے سے اس جڑی  
 میں میرے لئے یہ پوشیدہ مکان بنوا رکھا تھا۔ جب سنا کہ دس دن گزر چکے تو اب چالیس کو  
 لئے مجھے یہاں لارکھا اور میرا مقررہ کے بعد وہ مجھے یہاں سے اکر نکال لیا گیا۔ یہاں میرے  
 آنے کا سبب یہ ہے۔ جب جوہری سچ اپنا حال بیان کر چکا تو میں اپنے دل میں نجومیوں کی یا وہ  
 کوئی پرہنسا۔ کہ میں اس بے قصور بچے کو کیوں مارنے لگا تھا۔ پھر مینے اسکو اطمینان دلایا۔ کہ  
 تم بخیر رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو جو مجھے تمہاری حفاظت کے لئے یہاں کھینچ لایا ہے۔ اس  
 چالیسے دن اب میں تمہاری حفاظت کرونگا۔ اور چالیس دن کے بعد جب تمہارا باپ تمہارے  
 لینے کے لئے یہاں آچکا تو ہنسکے ساتھ میں بھی تمہارے شہر کو چلوں گا۔ اور وہاں سے اپنے  
 وارا سلطنت کو روانہ ہو جاؤنگا۔ اور اس احسان کو ہمیشہ کے لئے یاد رکھوں گا۔ یہ سب کچھ  
 تو مینے کہا۔ مگر اپنا نام و نشان دانستہ چھپائے رکھا۔ پھر اور بھی بہت سی حکایات بیان کر کے  
 اسکو ہی بہلا یا مجھے وہ لڑکا برا متعبدہ دکھائی دیا۔ غرض انتالیس دن ہم دو نو نے نہایت امن  
 و عین سے اُس تہ خانے میں بسر کئے۔ جب چالیسویں دن صبح کے وقت لڑکا بیدار ہوا تو مجھ سے  
 کہنے لگا کہ اے سلطان! آج چالیسواں روز ہے۔ خدا کے فضل اور تمہاری شفقت سے میں  
 اب تک زندہ ہوں۔ میرا باپ تمہارے سلوک کا حال سنکر نہایت ممنون ہوگا اور تمہیں تمہارے  
 وطن پر عاقبت پہنچا دیگا۔ اگر آج مقنور پانی گرم کرو۔ تو میں ہمارا کپڑے بدل لوں۔ آج مجھے  
 لینے کے لئے میرا باپ آچکا مینے پانی گرم کر کے اُسے خوب مل دل کر نہلایا۔ نہانے کے بعد وہ

فرش و فرش اور کھانے پینے کا بہت سا سامان اُٹھالائے اور دروازہ کھول کر اندر گئے۔  
 مینے تیس کیا۔ مگر اُسکے اندر ایک بڑا ترخانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر وہاں سے  
 نکل کر جہاز کی طرف گئے۔ اور وہاں سے ایک پیر مرد اور چودہ پندرہ سالہ لڑکے کو اپنے اُسی  
 ترخانے میں اُتر گئے۔ وہ لڑکا ایسا خوبصورت تھا کہ موتی کا دانہ معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر  
 کے بعد وہ سب وہاں سے نکل کر اور دروازے کو بند کر کے نیز اُسپر مٹی ڈال کر جہاز کی طرف لوٹ  
 گئے۔ مگر اُن میں مجھے وہ لڑکا دکھائی نہ دیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور جب جہاز روانہ ہو کر  
 نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں درخت سے اُتر کر اُسی مقام کی طرف آیا۔ جہاں سے اُن  
 آدمیوں نے تھوڑی دیر پیشتر مٹی کھودی تھی۔ اور اس جگہ کی مٹی سرکاری مٹی کے نیچے ایک مٹی  
 عز کا ایک بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ اُسے اُٹھا کے پرے رکھا تو وہاں ایک زہرہ دکھائی دیا۔ جس  
 سے میں نیچے اُتر گیا۔ اور جگہ کے دیکھا کہ بہت بڑا مکان ہے۔ جس میں قالین کا فرش سجھ رہا  
 ہے اور والان میں زر و زری تکئے رکھے ہیں۔ وہ لڑکا بھی وہیں دکھائی دیا۔ اور اُس وقت  
 اپنے تئیں شگہا کر رہا تھا۔ وہاں دو موم بتیاں جل رہی تھیں اور کھانے پینے کا تمام سامان  
 بالفاظ موجود تھا۔ وہ لڑکا مجھے دیکھا کہ سہم گیا۔ لیکن مینے اُسے دلاسا دیا۔ اور کہا کہ صاحب  
 ایسے شخص سے جو بادشاہ ہے اور بادشاہ کا بیٹا ہے تم خوف نہ کرو۔ میں تمہیں کچھ اذیت  
 نہیں پہنچاؤں گا۔ اور تم بڑے صاحب نشیب ہو۔ کہ میرے ہاتھوں اس قبر سے مخلص پاؤ گے  
 جہاں تمہارے متعلقین تمہیں دیدہ دفن کر گئے ہیں۔ مگر پہلے تم یہاں دفن ہونے کی وجہ بیان  
 کر دو۔ لڑکے نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور جب میں بیٹھ گیا تو اُسے کہنا شروع کیا  
 کہ اے سلطان! میرا حال نہایت عجیب ہے۔ میرا باپ جو ہری ہے۔ اور اپنے ہنر کی بدولت  
 اُسے ہشمار دولت پیدا کی ہے۔ اُس کی نقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا کچھ انتہا نہیں۔ مگر اُس کے  
 ہاں کوئی لڑکا نہ ہوتا تھا۔ البتہ اُسے خواب میں بشارت ہوئی کہ اُسکے گھر بیٹا پیدا ہو گا۔ مگر  
 وہ چھوٹی عمر میں ہی مر جائیگا۔ یہ خواب دیکھا کہ وہ سخت پریشان ہوا۔ مگر تقدیر پر شکا کر رہا۔  
 تھوڑے دنوں کے بعد میری والدہ نے اُسے حل کرنے کی خبر دی۔ اور نو ماہ کے بعد جب میں  
 پیدا ہوا تو والد کے سوا سب نہایت مسرور ہوئے۔ میرے والد بچہ ہوں۔ میرا حال اچھا



تصویری عجیب کی مع ملاح مہیب صورت اور سوار ہونے شہزادے کی



کچھ خشک ہو گئے۔ تو انہیں بہنیکہ میں نے وٹاں سے چلنا شروع کیا۔ راستے میں بہت سی سیوہ درخت دیکھے اور خیال کیا۔ کہ یہ کوئی ویران جزیرہ ہے۔ لیکن جیب ووزنگ ریت اور پالو کے سوا اور کچھ نہ دیکھا۔ ٹوہینے چاہا۔ کہ پہلے یہ جزیرہ سمندر ہوگا۔ اب خشک ہو گیا ہے۔ پتہ پڑ کرتے ہی سیری ساری خوشی ملیا میٹ ہو گئی۔ مگر بچے اپنے تئیں خدا کی رضا پر چھوڑ دیا۔ اس حالت میں ابھی بچے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ سمندر میں ایک چھوٹے سے جہاز کو دیکھا۔ جو اسی جزیرے کی طرف آرہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ وہیں لنگر انداز ہوگا۔ مگر میں آہستہ آہستہ تھکا کہ اس کے سوار میرے دشمن تھے یا دوست۔ اسلئے یہ معاملہ کرنے کے لئے میں ایک درخت پر چاڑھا اور اس کے پٹوں میں اپنے تئیں چھپا لیا۔ اتنے میں جہاز نے کنارے پر لنگر کیا۔ اور اس میں سے دس آدمی کھالیاں اور چھوٹے لیکر اترے۔ پھر وسط جزیرہ کی طرف آئے اور ایک جگہ کی زمین کھودنے لگے۔ چنانچہ کہ انہیں ایک دروازہ مل گیا۔ جسکے ظاہر سے ہی وہ جہاز پر

کہ آدم زاد کو ضرور پہچانے کے لئے فلاں وقت میں بنائے گئے تھے پانچواں۔ اُن تین بیروں سے  
 تو اُس تصویر کا نشانہ بنا جو گھوڑے پر سوار ہے۔ تو وہ سوار سمندر میں گر پڑا لگا۔ اور گھوڑا تیرے  
 قدموں کے پاس آ رہا گیا۔ پھر تو اُسی گھوڑے کو واپس آتی دفن کر دے۔ جہاں سے گھوڑا زمین  
 میں سے تو نے کمان اور تیر لگا رکھے تھے۔ جب تو اُس کام سے فراغت پانچواں تو یک ایک دریا میں طغیانی آئی  
 جی کہ پانی گنبد کے نیچے تک آ پہنچا گیا۔ اور پھر ایک چھوٹی کشتی تیرے قریب آگئی جس میں پتیل کا ایک  
 ملاح بیٹھا ہوگا۔ تجھے فوراً اُس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ وہ کچھ دس دن تک کے عرصہ میں یہاں سے  
 ایسی جگہ پہنچا دے گا کہ تیرے لئے اپنے ملک میں پہنچنا آسان ہو جائیگا۔ مگر خیال رکھنا کہ اس سفر میں  
 سب کو لکھی خدا کا نام نہ لینا۔ جب وہ پروردگار ان ہاتھوں کو تمام کر چکا تو فوراً میری آنکھ کھل  
 گئی اور میں خواب کی تعمیل کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مینے ہدایت کے بموجب پہلے پاؤں کے  
 پاس کی زمین گھوڑی تو اُس میں سے کمان اور تیر با کر نہایت مسرور ہوا۔ پھر اُن تیروں سے  
 گھوڑے کے سوار کو نشانہ بنایا۔ اور تیرے تیر کے گتے ہی سوار سمندر میں اور گھوڑا میرے  
 پاؤں کے پاس گر پڑا جب ہدایت جب مینے گھوڑے کو کڑھے میں دفن کر دیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں  
 کہ سمندر چڑھا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ پانی گنبد کے کنارے سے آگیا۔ اور ایک کشتی دُور  
 سے میرے برابر آئی جس پر پتیل کا ملاح بیٹھا ہوا اُسے کھینچ رہا تھا۔ مینے جناب باری کا شکر  
 ادا کیا کہ میرا خواب چھوٹا نہیں تھا۔ اتنے میں کشتی کنارے پر آگئی۔ میں اُس پر سوار ہو گیا اور خدا کا  
 نام نہ لیا۔ پھر وہ پتیل کا ملاح بلا توقف برابر نو دن تک کشتی کو کھینچ کر بہت دُور لے گیا۔ وہ نو دن  
 دن میں اپنے ارد گرد بہت سے جزیرے دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اور خیال کیا کہ اب بہت جلد  
 مخلصی نصیب ہوگی اور بے خبری میں خدا کا شکریہ ادا کیا۔ میرے خدا کا نام لیتے ہی وہ کشتی اُتر  
 آئی سمیت غرق ہو گئی۔ اور میں پانی کی سطح پر ٹوکیاں کھانے لگا۔ آخر ایک جزیرے کا رخ پکڑ کر  
 اُتارنا شروع کیا۔ جو قریب ہی معلوم ہوتا تھا۔ اور شام تک کوئی تیر تاج لگا گیا۔ آخر تھکے کہ  
 ہاتھ پاؤں تھل ہو گئے۔ جب پہننے کی بھی طاقت نہ رہی تو میں زندگی سے یابوس ہو کر گرا ہی چاہتا  
 تھا کہ اتنے میں ایک بڑی لہر نے مجھے اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ اور میں بڑی جبر جہد  
 کے بعد پانی سے باہر نکل آیا۔ سمندر سے باہر آتے ہی مینے پہلے اپنے کپڑے پھینک دیے۔ جب وہ

تصویر پتیل کو گنبد کی مع تصویر اس پتیل کے آدمی کی جو پتیل کے گھوڑے پر سوار ہے



اسلئے مایوس ہو کر ہم نے آپس میں فیصلہ کر لیا۔ کہ ہم میں سے جو کوئی جانیر ہو۔ وہی سب کا مختار اور  
 وحی ہے۔ غرض اگلے دن ہمارے جہاز پہاڑ مذکور کے عین مقابل میں نیچے لگے اور یکایک جس  
 طرح کہ کپتان نے فرمایا تھا۔ ہمارے تمام کیل کانٹے لکڑی کا ساتھ چھوڑ کر بیٹھے۔ اور تمام آہنی  
 سامان پہاڑ سے جا کر چمٹ گیا۔ سختوں کے جدا جدا ہونیکے وقت بڑی غیب آواز پیدا ہوئی۔  
 اور فوراً دسوں جہاز ایسے گہرے پانی میں ڈوب گئے کہ اسباب اور اہل جہاز کا پتہ نہ لگا۔  
 لیکن ایک اکیلا میں بچ گیا۔ اس طرح سے کہ میرے ماتھے پہاڑ کا ایک تختہ آگیا۔ جسکے سہارے  
 سے میں دھن کو دھن ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں قدموں کے نشان نشینے کی طرح بنے ہوئے دکھائی  
 دیتے تھے۔ وہ راستہ پہاڑ کے اوپر جانے کا تھا۔ میں نے اٹھ پڑھی اور فوراً پہاڑی پر چڑھنا شروع  
 کیا اور بخیریت گنبد مذکور تک پہنچ گیا۔ اور شب ب سری کے لئے گنبد کے اندر ہی سو رہا۔ اور  
 خواب میں ایک بزرگ مقدس کو دیکھا کہ کہہ رہا ہے۔ اے ابن خضیب! جب تو بیدار ہو تو اپنے  
 پاؤں کے نیچے کی زمین کو کھودو۔ اس میں سے تو ایک کمان پتیل کی اور تین تیر سیبے کے

کیا اور اپنے ہمراہ دنس جہاز لیکر بحری سفر میں چل پڑا۔ میں دنگ تک ہم بھیکری سے چلتے رہے  
 لگے دن ہو کر ایک مخالف ہو کر بندرت چلنے لگی۔ ہمارے سارے کے سارے جہاز  
 طوفان سے ڈگمگانے لگے اور ہم سب زندگی سے مایوس ہو گئے۔ مگر خدا کی ہر بانی سے  
 جب لگے دن مطلع با منحل صاف ہو گیا۔ سمندر ٹھہر گیا۔ اور مشرق میں پھٹتے ہوئے سورج کی  
 کرنیں دکھائی دیں تو ہم اطمینان سے ایک جہیز کے پر چڑھ گئے اور دو دن تک وہاں  
 پھرتے پھرتے رہے۔ تیسرے دن وہاں سے چلا کر دس دن پھر سفر میں گزارے گیا۔ پھر  
 دن پھر ہوا مخالف ہو گئی۔ اور جہاز گرداب میں پڑ گئی۔ جہاز کے کپتان نے ایک خلاسی  
 کو ستون پر چڑھ کر حال دیکھنے کے لئے ارشاد کیا۔ وہ فوراً ستون پر چڑھ گیا۔ اور ادھر اُدھر  
 غور سے دیکھنے لگا۔ مگر سمندر اور آسمان کے سوائے اسے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آخر وہ اتنے  
 کو تھا کہ ایک طرف سے کوئی کالی کالی ہی چیز دکھائی دی۔ نا خدا کے چہرہ کا رنگ یہ سننے  
 ہی متحیر ہو گیا۔ اور اسے اپنی پگڑی اتار کر زمین پر دے ماری۔ اور تجھ سے کہا۔ قسم  
 خداوند ہم سب ہلاک ہوئے۔ اب کوئی تدبیر بچنے کی نہیں رہی۔ سب اہل جہاز سراسیمہ  
 ہو گئے۔ مینے سبب پوچھا۔ تو نا خدا بولا۔ کہ خداوند! طوفان ہمارے جہازوں کو راستے  
 سے ہٹا کر ایسی جگہ آ گیا ہے۔ کہ کل کے دن ہمارا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ وہ سیاہی  
 سنگ مقناطیس کا پھاڑ ہے۔ جہاں سے جہازوں کے کیل کانٹے اپنی طرف کھینچ لیا اور  
 جہاز کے تختوں سمیت ہم سب غرقاب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ اس پتھر میں لوہے کو  
 اپنی طرف کھینچ لینے کی قدرت نے طاقت دے رکھی ہے۔ پھر نا خدا کہنے لگا کہ یہ پہاڑ  
 بہت بلند ہے۔ اور اس کی چوٹی پر ایک گنبد پتیل کے پیلے پائل پر ایسا وہ ہے جس  
 کے اوپر ایک پتیل کا گھوڑا گھڑا ہے۔ اور گھوڑے پر پتیلی کا ایک سوار بھی بیٹھا ہے  
 جس کی چھاتی پر سنبے کی ایک تختی لگی ہوئی ہے۔ اور اس تختی پر ایک طلسم کندہ ہے۔  
 جس کی نسبت عوام میں مشہور ہے۔ کہ جہازوں اور آدمیوں کے تباہ ہونے کا دوسری  
 اصلی سبب ہے۔ نا خدا یہ کہہ کر پھر زار زار رونے لگا۔ ہم سب بھی اسباب سے میں اس کے  
 سامنے بیٹے اور مجھے بہتیں ہو گیا۔ کہ بس اتنی ہی عمر تھی۔ یہاں پر ہمیں قضا کھینچ لائی ہے۔

رہا۔ پھر جن کی رائے کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ اور شہزادی کی رائے ایک قیمتی کپڑے میں باندھ کر  
 وہیں دفن کی گئی اور اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا گیا۔ اور بادشاہ پورا مہینہ بیتر سبب مری  
 پر پڑا رہا۔ ابھی اُسے پوری صحت نہ ہوئی تھی کہ مجھے پلاس کے لئے لگا۔ میری بیٹی تیرے  
 ہی سبب سے ہلاک ہوئی ہے۔ اسکا خراجہ سرابھی تیری بدولت مارا گیا ہے اور تیرے  
 ہی منحوس قدموں کی بدولت میرا یہ حال ہوا ہے۔ اب میں یہاں تیرے رہنے کا روادار  
 نہیں۔ یہاں سے فوراً جدہ میں گنا سائیں نکل جا۔ اگر تو پھر میری قلمرو میں آیا تو یاد رکھ  
 میں پھر تیری طرح پیش آؤں گا۔ غرض میں فوراً واپس سے نکل کر ایک طرفت کو ہولیا اور صبر  
 سے گذرنا لوگ مجھ پر دانت پیٹتے۔ اور میرے مار ڈالنے کا قصد کرتے۔ ناچار میں نے چار  
 ابرو کا صفایا کر لیا اور لباس قلندری دربر کر کے اپنی بدولت و مقبول صورت شہزادوں  
 کے مارے جانے پر افسوس کرتے ہوئے بغداد کا رخ کیا۔ اور خیال کیا کہ خلیفہ اوروں شہد  
 کی آستانہ بوسی سے میری مشکل حل ہوگی۔ غرض آج شام کے وقت جب میں یہاں پہنچا  
 تو اس پہلے قلندر سے میری ملاقات ہوئی۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کا سبب  
 تو پہلے ہی ظاہر ہو چکا ہے۔ اسکا ذکر فضول ہے۔ یہ ہے میری سرگزشت۔ زبیدہ  
 نے یہ دلکش سر پہتی سنا اسکا مقصود بھی معاف کر دیا۔ اور فرمایا۔ اب جدہ پر تیرا جی چاہے  
 تو جاسکتا ہے۔ لیکن اُسے بھی باقیوں کا حال سننے کے لئے وہیں ٹھہرنے کی اجازت طلب  
 کی جو کہنے لگی۔ پھر تیرے قلندر نے اپنا حال بول کرنا شروع کیا :-

### میرے قلندر کی حکایت

اسے محترم بی بی! میری داستان ان دنوں کے حالات سے عجیب تر ہے۔ میری آنکھ کا بچہ ٹٹا اور  
 میرا لباس قلندری پہننا محض میری تاوانی کا سبب ہے۔ میں خود بادشاہ تھا۔ ایک بادشاہ  
 عالیجناب کا بیٹا تھا۔ جب میرے باپ نے قضا کی اور میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ تو میں نے  
 نہایت ہی عدل و انصاف سے حکمرانی کی۔ لیکن میرے دل میں سیروسیاحت کا بڑا شوق  
 تھا۔ خصوصاً بحری سفر کا۔ اسلئے کہ میرا دارالسلطنت بھی سمندر کے کنارے پر واقع ہوا تھا  
 ۱۰۔ ہمیشہ اپنے اپنے جزیروں سے میرے ماتحت تھے۔ میں پہلے ان جزائر کی سیاحت کا ارادہ

# تصویر دھڑشاہ اور جن کی سحر کی لڑائی



اسکے یہ کہتے ہی میں فوراً اسان بنگیا جیسا کہ پہلے تھا اور وہ اپنی آنکھ کے تلف ہو جانے کے  
سوا اور میرے کسی عضو میں نقص نہ آیا تھا۔ میں شہزادی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ کہ ہنسے  
بادشاہ سے کہا۔ اگرچہ میں لڑائی میں جن سے غالب آئی ہوں۔ لیکن میرا کام تمام ہو چکا ہے  
اُس آگ نے جو لڑائی میں برا فروخت ہوئی تھی۔ میرے جسم کو جلا دیا ہے۔ اور کوئی دم میں بھی  
خاک کر دیگی۔ اگر وہ ایک دانہ انار کا بھ سے نہ چھوٹتا تو پھر نہ تم کو اور نہ مجھ کو کوئی صدمہ پہنچتا  
یہ ایک شہزادی پکارنے لگی جلی جلی!! پھر ہم نے دیکھا تو وہ راکھ تھی۔ صاحب! میں  
آنسوؤں کے غم و الم کا بیان نہیں کر سکتا۔ جب میں نے اپنی محنت کو جلتے ہوئے دیکھا۔ کاش  
میں ساری عمر بند رہی بنا رہتا۔ بادشاہ اور میں دونوں نے چلائے اور سر پیٹنے لگے۔  
بادشاہ تو غم و الم کے مارے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اور مجھے اندیشہ ہو گیا۔ کہ کہیں وہ بھلی سی  
حالت میں تمام نہ ہو جائے۔ تو کرچاکر دوڑے آئے اور اٹھا کے اُسے شاہی محلوں میں  
لیکھے۔ ہر طرف شہزادی کے مرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ اور برابر سات دن تک ماتم ہوتا

تو غائب ہو گیا اور سر پہ بنگیا۔ شہزادی سانپ بکرا لٹنے لگی۔ بچھو عقاب بتکا اڑا۔ پھر سانپ نے بھی عقاب سیاہ بتکا اس کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ دونو غائب ہو گئے۔ مٹھوڑی دیر میں پہلے سامنے کی زمین بھٹ گئی اور اُس میں دو بلیاں سفید اور سیاہ نکل پڑیں اور روم کے بال کھڑے کر کے آپس میں لڑنے لگیں۔ اور پھر سیاہ بلی گرگ سیاہ بتکا دوسری کی طرف دوڑی وہ فوراً کپڑا بنگیا اور اُس کیڑے نے اپنے تیش ایک انار کے اندر چھپا لیا۔ جو اُس وقت تخت سے نر کے کنارے پر گر پڑا تھا۔ پھر انار بڑھنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک بڑے کدو کے برابر ہو گیا اور پھر اڑا اور برآمدے کی بلندی کے برابر اوجھا ہو کر پتوں میں ادھر ادھر گھومنے لگا پھر زمین پر آکر بھٹ گیا۔ اور ہلکے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ وہ گرگ خروس بکرا انار کے دلے چھنے لگا اور بڑی تیزی سے انہیں بٹھانا شروع کیا۔ جب سب دلے کھا چکا تو پر پھیل کر ہماری طرف آیا اور بڑا شور و غل مچا یا گویا پوچھتا ہے کہ انار کا دانا تو یا تھی کوئی نہیں رہا اور چاروں طرف تبتس کرنے لگا۔ کہ ناگاہ نر کے کنارے اسے ایک دانہ پڑا دکھائی دیا۔ دوڑ کر چاہتا تھا کہ اُسے بھی نگل جائے۔ لیکن وہ لڑھک کر نہیں جا رہا۔ اور فوراً ایک چھوٹی سی مھلی بنگیا۔ مرغ بھی نر میں گھس گیا۔ اور دونو دو گھڑی تک نر میں رہے۔ وہاں کا حال ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔ اسکے بعد پھر مہیب آواز آئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ جن اور شہزادی دونوں آگ ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کے منے آگ کے شعلے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جھلس دیتا چاہتے ہیں۔ یہ آگ اتنی بڑھی کہ اُس نے ہم کو بھی گھیر لیا۔ ہم لڑنے لگے کہ کبیر محل بھی راکھ نہ ہو جائے۔ اس اشتہار میں جن شہزادی سے مار کر ہماری طرف آیا وہ پھر آگ کے شعلے برسانے لگا۔ اور خواجہ سرا تو جیکر اکھ ہو گیا۔ بادشاہ کا بھی منہ جھلس گیا۔ میری آنکھ میں بھی ایک پارہ آتش آکر لگا۔ جس سے داہنی آنکھ جاتی رہی۔ شہزادی دوڑ کر آئی اور اُس لعین کو مار مار کر دوڑ بھگا دیا۔ ہم دولوں بھی زندگی سے الپوس ہو چلے تھے کہ اسٹن میں فتح و نصرت کی آواز آئی۔ شہزادی اپنی پہلی صورت میں ہمارے سامنے آگئی اور جن جاکر اکھ ہو گیا۔ پھر شہزادی نے جلدی سے ایک پیالہ پانی کا رنگا یا اور دم کر کے مٹھوڑا سا پانی مجھ پر چھڑکا اور کہا کہ اگر تو جاوے سب سے میمون بنگیا ہے تو اپنی اصلی شکل اختیار کرے



چھپا لیا ہے اُسے فوراً جواب دیا۔ کہ یہ بندر ایک شہزادہ ہے اور ابلیس کے پوتے جرجریس کے جادو کا شکار ہو گیا ہے۔ ابلیس کے پوتے نے شہزادی جزیرہ آبنوس کو مار ڈالنے کے بعد اسے بندر بنا ڈالا ہے۔ اور یہ شخص بڑا عالم اور عاقل ہے۔ بادشاہ سخت حیران ہوا اور مجھ سے پوچھا۔ کیا یہ ٹھیک ہے۔ میں نے سر سے اشارہ کیا۔ کہ شہزادی بچاؤ جاتی ہے۔ پھر بادشاہ شہزادی کی طرف مخاطب ہوا۔ اور کہا۔ بیٹی! تو نے کیسے معلوم کر لیا۔ کہ یہ جادو کے زور سے بندر بنا ہوا ہے شہزادی نے جواب دیا۔ حضور کو معلوم ہو گا کہ جب میں چھوٹی سی تھی تو میری خدمت کے لئے ایک بوڑھا مگر کیسی تھی جو فن سحر میں کامل تھی اُسے جادو کے شرباب مجھے سکھائے اور اب مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ آپ کے دار الخلافہ کو تالاب بنا کر دامن کوہ میں ڈال دوں اور اسکے باشندوں کو تھیلیاں بنا دوں۔ میں مسخروں کو ایک ہی نظر میں بچان لیتی ہوں بادشاہ نے التجائی۔ کہ بیٹی اگر تجھ میں اتنی طاقت ہے تو اسے اپنی اصلی صورت میں لے آ میں اُسے اپنا وزیر بناؤں گا اور تیرے ساتھ اسکی شادی کر دوں گا۔ شہزادی یہ سن کر اپنے مکان سے ایک چھڑی لے آئی۔ جس پر عبرانی حروف میں کچھ طہسم کدہ تھے اور بادشاہ سے کہا کہ آپ خواجہ سرا اور اس بندر کو اپنے ہمراہ لیکر اس سامنے والے مکان میں محفوظ رکھیں جب ہم حفاظت سے بیٹھ گئے تو شہزادی نے وسط صحن میں اس چھڑی سے زمین پر ایک بڑا دائرہ کھینچا۔ اور کلام پڑھنا شروع کیا۔ جسے ہم نہ سمجھ سکتے تھے۔ جب وہ اپنی سحر خوانی کو ختم کر چکی تو چاروں طرف اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ آثار قبائلیہ دکھائی دینے لگے۔ ہم یہ حال دیکھ کر ڈر گئے۔ حتیٰ کہ وہ جن ہیبت ناک شیر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسکی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ شہزادی نے کہا۔ وعر ہو ناالیق۔ جن کو چاہا اے عہد شکن تو نے اُس عہد کو توڑ کے کیا حاصل کیا ہے جو بنی آدم اور جنات کے درمیان تھا۔ کہ کوئی ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائے۔ شہزادی سے جواب دیا۔ میں اب ہمارے عہد شکن میں ہوں۔ تو ہے۔ یہ منکر شیر نے اپنا منہ پھیلا دیا اور چاؤ کہ شہزادی کو نگل چلائے۔ مگر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور سر کا ایک بال اکھاڑ کر اسپر کچھ پڑھ کر پھر ایک بار وہ نور انور نکلا اور لپکیا۔ شہزادی نے اُس تلوار سے شیر کو دو ٹکڑے کر دیا۔ انہیں سے اب

نے کمال مسرت سے پسند کیا۔ اور حکم دیا کہ جس شخص نے یہ رباعیات لکھی ہیں اسے خلعت فاخرہ  
 پہنا کر پہنا دو۔ اور چچا پر سوار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ سردار شکر آیا جس سے بادشاہ کو  
 بڑا غصہ آیا اور ٹانٹ بتائی۔ کہ یہ ہنسی کا کیا موقع ہے۔ سردار نے کہا، حضور! ان رباعیوں  
 کے لکھنے والا کوئی آدمی نہیں بلکہ ایک بند رہے جو کپتان جہان کے پاس ہے۔ یہ رنکار بادشاہ  
 حیرت سے بت بنگیا اور فرمایا کہ میں اس بند کو ضرور خریدوں گا۔ جاؤ اسے شان و شوکت  
 کے ساتھ چچا پر سوار کر کے لے آؤ۔ بادشاہی سردار میرے لینے کے لئے جہان پر آیا اور اوپر  
 بادشاہ اراکین دربار کیساتھ میرے دیکھنے کا انتظار کرنے لگا۔ غرض شاہی حکم کے بموجب مجھے  
 خلعت پہنا کر اور چچا پر بٹھا کر سردار جہان سے لیچلا۔ راستے میں شہر کے لوگ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگے  
 جب میں دیوان خاص میں پہنچا اور بادشاہ کو دیکھا۔ تو اس کے حضور میں تین دفعہ کورنشات  
 بجا لایا۔ پھر بادشاہ نے مجھے میٹھے کا حکم دیا اور میں اپنی نشست پر ادب سے بیٹھ گیا۔  
 حاضرین اور بادشاہ میرے آداب بجا لانے سے حیران تھے۔ پھر بادشاہ نے سب کو لوٹ چائیا  
 حکم دیا اور وہ سب چلے گئے۔ اور سوائے خواجہ سرا کے وہاں کوئی نہ رہا۔ پھر بادشاہ نے  
 دسترخوان طلب فرمایا۔ اور مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً اٹھا اور سات وقعہ آداب  
 بجا لا کر دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ حتیٰ کہ سفرہ اٹھایا گیا۔ بینے ہاتھ دھوئے اور قلم و دوت  
 نیک شکر نے کے لئے چار شعر لکھے۔ پھر میں وہاں سے اٹھ کر تھوڑی دور جا بیٹھا۔ جب  
 بادشاہ نے میرے لکھے ہوئے کو دیکھا تو وہ اور بھی حیران ہوا۔ اور کہا۔ کبھی بند رہی آیا  
 خوشخط اور فصیح ہو سکتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے؟ پھر بادشاہ نے شرط چ منگایا۔ اور  
 مجھ سے کہا۔ کیا تو کھیلے گا۔ بینے سر سے اشارہ کیا۔ کہ اے۔ اور بینے اس کے ساتھ دو بازیاں  
 کھیلیں۔ جن دو کو میں ہی جیتا۔ اب بادشاہ کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اور وہ کہنے لگا  
 کہ اگر یہ آدمی ہوتا تو اپنے محصلوں پر ضرور فوق لیجاتا۔ پھر خواجہ سرا کو حکم دیا کہ شہزادی کو  
 بلا لائے۔ تاکہ وہ بھی اس عجیب بند کو دیکھ کر خوشی حاصل کرے۔ چنانچہ جب شہزادی آئی  
 تو اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ اور کہنے لگی۔ حضور نے مجھے ناحیروں کو سامنے  
 کیوں بلا لیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ بیٹی! یہاں اجنبی کون ہے! جس سے تو نے اپنا منہ

جن جس طرح سے تو نے میری جان بخشی کی ہے اس طرح سے میرے قالب کو بھی بخش دے میں ہمیشہ کیلئے  
 پیرا شک گذار رہوں گا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور مجھے لیکر آسمان کی طرف اٹھا بلکہ یہ کہ زمین پاؤں  
 تلے ایک ایک چھوٹا سا ستارہ دکھائی دیتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک پہاڑ کی چوٹی چڑھا اتر اوروں سے  
 ستوڑی مٹی لیکر اسپر کچھ کلام پڑھا۔ اور پھر چھوٹک کر کہنے لگا کہ اس صورت کو چھوڑ کر بندر  
 کا قالب اختیار کرے۔ تم سکے یہ کہتے ہی میں بندر بن گیا۔ جب اپنے اپنے تمبیں ایسی قبیح صورت  
 میں پایا تو بے اختیار میرے آنسو نکل گئے۔ مگر پھر مینے صبر کیا۔ اور پہاڑ پر سے اتر کر ایک  
 طرف کا راستہ لیا۔ پورے ایک ماہ کے بعد میں سمندر کے کنارے چڑھا پہنچا۔ ناگاہ وہاں ایک  
 جہاز آگیا اور میں اوپر چڑھ گیا۔ جب جہاز والوں نے مجھے اپنے ساتھ پایا تو انہیں سے ایک تو  
 کہا کہ اس شخص کو جہاز سے باہر نکال دو۔ دوسرے نے کہا اس کو مار ڈالو۔ ایک اور کہنے لگا کہ اسے  
 گوار سے کاٹ کر گرا دو۔ یہ گفتگو سن کر میں رو پڑا اور میرے آنسوؤں نے کپتان جہاز کا دل نرم کر دیا  
 اور وہ باقیوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ دوستو! اس بندر نے میری پناہ لی ہے۔ اس لئے  
 کوئی شخص اس سے معترض نہ ہو۔ اور نہ اسے تنگ کرے۔ کپتان مجھ پر بڑی مہربانی کرتا تھا  
 اور جو کچھ وہ کہتا تھا۔ میں اسے سمجھتا تھا۔ اور اس کی ضروریات کو پورا کر دیتا تھا اور پورے  
 طور پر اس کی خدمت کرتا تھا۔ اس عرصہ میں ہوا انہایت موافق رہی۔ اور سچا سوں و ن وہ جہاز ایک  
 بہت بڑے شہر میں جا پہنچا۔ جب وہ ساحل پر ٹھہر گیا۔ تو ایک شاہی سردار تاجروں کو بادشاہ  
 کی طرف سے خوش آمدید کہنے کے لئے جہاز پر آیا۔ اور فرمایا کہ بادشاہ سلامت تمہارے تشریف لانے  
 سے نہایت خوش ہیں۔ تمہارے ایک سادی کتاب بھی پیش کی کہ تم میں سے ہر ایک آدمی جو کچھ لکھ سکتا  
 ہو اسپر اپنے ماتھے سے ایک ایک سطر تحریر کرے۔ یہ سنک میں بھی آگیا۔ اور کتاب اٹکے ماتھے سے  
 چھین لی۔ وہ دڑے کہ میں اسے پھاڑنے دوں یا سمندر میں پھینک نہ دوں۔ اسلئے انہوں نے  
 لکھ دیا اور میرے مار ڈالنے کا ارادہ کیا۔ لیکن مینے اشارہ سے انہیں سمجھا یا کہ اطمینان رکھو۔  
 میں بھی اسپر کچھ لکھتا چاہتا ہوں۔ اسپر کپتان نے کہا کہ ٹھہرو! اسے بھی لکھنے دو۔ اور دیکھو کیا لکھتا  
 ہے۔ مینے آج تک ایسا عجیب کوئی بندہ نہیں دیکھا۔ پھر مینے قلم لیا۔ اور چار خطوں میں نہایت خوبی  
 سے چار باب عیاں لکھ کر کتاب سردار کو پکڑا دی جسے لیکر وہ بادشاہ کی خدمت میں چلا گیا۔ بادشاہ

پاؤں کاٹ ڈالے اور پھر میر کو اڑا دیا میں اس نظارے کو دیکھتا رہا۔ اور مجھے بھی اپنی موت کا پورا یقین ہو گیا۔ اب وہ چن میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ عالم جنات میں دستور ہے کہ جب کسی عورت پر بدکاری کا شبہ ہوتا ہے تو اسکی جان لے لیتے ہیں۔ اسلئے میں نے اس شہزادی کو قتل کر دیا ہے۔ یہ میرے پاس چھپیں برس سے تھی۔ اور شادی کے دن میں اسے اڑا لیا تھا۔ ہر دسویں روز میں اسکے پاس آتا تھا اور جب تک مجھے اسکے جہین پر کبھی بقیہ نہیں ہوا۔ اب میں نے معلوم کیا ہے کہ اسنے میری امانت میں خیانت کی۔ اسلئے میں نے اسے اسکا عوض ویریا۔ لیکن تو چونکہ اجنبی ہے اور مجھے متحقق طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ تو ہی میرا مجرم ہے اسلئے میں تجھے قتل نہیں کروں گا تجھے کوئی اور سزا دیوونگا۔ اسے بی بی ایہ سنگد مجھے نہایت شہرت ہوئی اور میں نے عفو کا لالچ کیا۔ مگر اسنے جواب دیا کہ قتل سے بیخبر رہ۔ معافی بالکل نہیں ملے گی۔ البتہ جس جاؤر کا قالب تو پسند کرے۔ کتے کا۔ گدھے کا۔ بندر کا۔ اس قالب میں تجھے ضرور ہی مسخ کر ڈالوں گا۔ اس سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ میں نے بڑی گریہ زاری کی کہ اے بڑے

نصویر حیات کی شہزادے کو بڑور سحر چندر بنامیشکی



تو بیٹے اُسے اشارے سے بتایا کہ یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ غصہ کا مقام ہے اُسے فوراً تلواریں  
 لے کر عورت حسینہ کو قتل کر کے مرد سے مخاطب ہونا



کو پرے پھینک دیا۔ اور کہا کہ ایک بیگناہ پر میرا ہاتھ نہیں اٹھ سکتا۔ پھر چلے میری طرف اشارہ  
 کیا کہ تو تلوار کو اٹھا لے اور اس ناحشہ کا سراٹھا دے تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ ورنہ تو باور رکھ  
 تو میرے ہاتھ میں ہے۔ ناچار بیٹے تلوار لے لی اور شاہزادے کے پاس گیا۔ اُسے بھی پلکوں سے  
 اشارہ کیا۔ کہ بیٹے تیرے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یہ سمجھ کر بیٹے بھی تلوار پھینک دی اور  
 چلے گیا۔ کہدیا کہ جب ایک ناقص العقل عورت نے میری گردن نہیں ماری تو مجھے اُسکی گردن  
 مارنا کیسے زیب دیتی ہے۔ دوسرے آج تک جیتے اس غریب کو کبھی تو دیکھا نہیں۔ اس لئے  
 میں تو اسے نہیں ماروں گا۔ خواہ تو مجھے قتل بھی کیوں نہ کرے۔ یہ سن کر چلے بولا میں نے سمجھ  
 لیا ہے کہ تم دونوں میں سانحہ کا نوٹہ ہو چکی ہے۔ پھر اُسے تلوار لیکر غریب شہزادی کے ہاتھ

کہ یہ سب پڑی ہوئی ہے۔ پھر مینے دروازے کو بند کر کے مٹی سے پھپکا کر جوں کا توں بنا دیا اور لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ میں درحقیقت میں بدحواس سا ہوتا تھا۔ اپنی گذشتہ زندگی کا نقشہ میری آنکھوں میں کھینچا اور شہزادی کو یاد کر کے میں بیقرار رہنے لگا۔ جب میں اپنے مہربان درزی کی دوکان پر پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر نہایت ہی مسرور ہوا اور کہنے لگا کہ تمہاری کل کی غیر حاضری نے مجھے نہایت متھکا کر دیا تھا۔ کہ مبادا تمہاری شہزادی کا حال تنکریا و شاہ نے تمہیں گرفتار نہ کر لیا ہو۔ الحمد للہ کہ اب تمہیں صحیح وسلامت پاتا ہوں۔ جیتے اُس کی غایت کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے حجرے میں بیٹھ کر پھر اپنی طاقت پر نفیس کرنے لگا۔ ابھی میں اسی فکر میں تھا کہ درزی نے میرے پاس آ کے مجھے کہا کہ ایک بڑھا جسے میں نہیں جانتا۔ تمہاری رسی اور کھماڑی لئے دوکان پر بیٹھا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اُسے ہنسر راستے میں پایا ہے شاید کوئی کتا اسے ساتھیوں میں سے نہ ہو۔ چل کے اپنی چیزوں کو پہچان کے لو آؤ۔ اس بات کے سننے ہی میری رنگت زرد پڑ گئی اور حالت متبصر ہو گئی۔ ابھی مینے درزی کو کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کہ میرے حجرے کی زمین شق ہو گئی۔ اور اُس میں سے ایک بوڑھا نکل آیا۔ جو درحقیقت وہی جن تھا۔ وہ آتے ہی کہنے لگا کہ میں ابلیس کا پوتا جریس ہوں بنا! پتہ رسی اور کھماڑی تیری ہے یا کسی اور کی۔ اور قبل اسکے کہ میں کوئی جواب دوں۔ وہ مجھے پکڑ کر باہر گھسیٹ لایا۔ اور یکایک آسمان کی طرف لے اُڑا۔ پھر ایک جگہ اُتر کر زمین میں گھس گیا۔ ابھی تک میں بالکل بے سہارہ ہوتا تھا۔ جب اُس نے مجھے زمین پر رکھ دیا تو مینے دیکھا کہ اُسی شہزادی کے محل میں ہوں۔ جب مینے شہزادی کی طرف دیکھا تو وہ تنگی پڑی ہوئی تھی۔ اور اسکے پہلوؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو پھرتے۔ پھر جن نے شہزادی کو اٹھا کے کہا۔ کہ اسے بدکارا دیکھ لے یہ پتہ میری عاشق ہے یا کوئی اور؟ اُس نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں تو بے پہچان ہی نہیں۔ اور اس گھڑی سے بیشتر اسے دیکھا تھا کہ بھی نہیں۔ جن نے کہا اس قدر رنج و غم کے بعد بھی تو نہیں مانتی۔ شہزادی نے جواب دیا۔ کیا تیری خواہش ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ پھر جن نے کہا۔ اگر تو واقعہ میں اسے نہیں جانتی تو بے تلوار۔ اور اسکی گردن مار دے۔ جسے تلوار کے لی اور میرے سر پر آ کر گھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی کہ یہ سب بھڑپیں تیری چھڑی ہوئی ہیں۔

اور ہم دونوں نے میر ہو کر کھایا۔ رات کو بھی اُس نے مجھے اپنی خواب گاہ میں سلا یا جب صبح ہوئی اور ہماری آنکھ کھلی وہ حنینہ شراب کی بوتل جو نفیس تھی میرے لئے لائی۔ بیٹے پیاپے اُس میں سے کئی گلاس چڑھا لئے۔ جب نشہ تیز ہوا تو میرے دماغ میں دوسرے خیالات چکر لگانے لگے۔ بیٹے اُس شہزادی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہنا شروع کیا۔ کہ چلو جاؤں دنیا کی بھی ہوا کھالیں۔ یہاں مذہب درگزر کیوں پڑ رہی ہو۔ اُس نے جواب دیا۔ چپ رہو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ تو دن تم بھی آگیا کرو اور سوال دن اُس عقربت کے لئے رہنے دو۔ بیٹے پوچھا کیا تم اُس شخص سے ڈرتی ہو تو میں اُس کا طلسم توڑ کر اُسے ابھی نیست و نابود کر دوں گا۔ میرا ایک ہی اٹھ اُس کیلئے کافی ہے ذرا اُسے آنے تو دوسرے شکہ حنینہ ذری اور اُس نے مجھے سمجھایا۔ کہ زہار اس طلسم کو نہ چھوٹا۔ ورنہ ہم دونوں کی جان پر بن جائیگی۔ اُس نے اور بھی بہت کچھ کہا۔ مگر شراب کے نشہ نے ایک بھی نہ سُننے دی۔ اور ایک لالت مار کر اُس طلسم کو بیٹے جو چرچر کر ڈالا۔ فوراً محل کا بیٹے لگا۔ اور قریب تھا کہ گر پڑے۔ یہ حال دیکھ کر میرا نشہ ہرن ہو گیا اور بیٹے شہزادی سے پوچھا کہ اب کیا ہو گا۔ اُس نے کہا فوراً چہرے آیا ہے اُدھر سے ہی باہر نکل جا اور جان بچالے۔ میں ایسا گھبرا گیا تھا کہ رسی اور کلہاڑی وہیں بھول آیا۔ اور جب بے شکل دوسیر میاں پڑھا تھا کہ بیٹے دیکھا زمین پھٹ گئی اور اُس میں سے ایک غضبناک جن نکل آیا۔ اور اُس کے شہزادی سے پوچھا کہ تجھ پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ مجھے اس طرح بھرایا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مصیبت تو کچھ نہیں صرف تفریح طبع کے لئے تھوڑی سی شراب پی تھی جس کے نشہ نے بے سکہہ کر دیا۔ اور اسی حالت میں میرا پاؤں طلسم پر پڑ گیا۔ اور وہ ٹوٹ گیا۔ یہ سن کر جن بولا۔ اُسے ناحشہ! تو کیا اس کرتی ہے اور اُدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جب میری رسی اور کلہاڑی کو وہاں اجنبی پایا تو کہا۔ کہ یہ چیزیں دُعا کے سوا اور کسی کی نہیں ہیں۔ جو میرے پاس آیا تھا۔ شہزادی نے جواب دیا۔ اس سے پہلے بیٹے انہیں ہرگز نہیں دیکھا۔ شاید تیرے ساتھ نہ چمٹ آئی ہوں۔ جن نے کہہ دیے کیوں سمجھا۔ یہ دیتی ہے۔ پھر اُس نے اُسے لٹکا کر کے خوب پیٹا جس سے وہ چلانے لگی۔ اُس کی گریہ وزاری بھروسے سنی نہ جاتی تھی۔ آخر بیٹے وہ کپڑے اُتار دئے جو بعد حاتم کے زین تن کے تھے اور اپنے پہلے کپڑے ہی لیکر سیڑھیوں کے رستے باہر نکل آیا اور اپنے تئیں لعنت کرنے لگا



نصف دیار لٹی کچھ لو اس میں سے میں کھا لیتا اور کچھ بچا بھی لیتا تھا۔ پورا ایک سال یہی کیفیت رہی  
 ایک دن جب میں حسب معمول جنگل کی طرف لکڑیاں لانے گیا اور ایک بھٹی میں جہاں بہت سی لکڑیاں  
 تھیں داخل ہوا۔ اور ایک درخت کو کاٹنے لگا جب اس کے ارد گرد کی مٹی دُور کی تو ناگاہ تانبے کا  
 ایک کڑہ دکھائی دیا۔ میں نے اسے گروسے اور مٹی دُور کی تو ایک دروازہ دکھائی دیا۔ جسے کھولا تو  
 ایک زینہ نظر آیا۔ اپنی کھانڈی اور رسمی سمیت میں اس زینے سے نیچے اتر گیا۔ آگے جا کر ایک  
 اور دروازہ نظر آیا۔ جب میں اور آگے بڑھا تو ایک عالیشان محل دکھائی دیا۔ جس میں ایک حسین  
 عورت چرموتی کے دانہ کی طرح خوشناتی بیٹھی ہوئی تھی جس کے دیکھنے سے میرے سارے عمر  
 و الم دُور ہو گئے۔ اُسے دیکھتے ہی میں نے سجدہ کیا۔ جینے نے مجھ سے دریافت کیا۔ تو انسان ہے یا جن  
 میں نے جواب دیا۔ کہ میں بنی آدم میں سے ہوں۔ پھر کسے پوچھا۔ اور تو یہاں تک کیسے پہنچا؟ مجھے  
 یہاں رہتے پچیس سال ہوئے آئے ہیں۔ مگر میں تو آج تک کسی آدم زاد کو نہیں دیکھا؟ جب میں نے  
 اُسکی یہ باتیں سنیں تب مجھے وہ بڑی پیاری معلوم ہوئی اور میں نے جواب دیا۔ بی بی! اللہ تعالیٰ تو مجھے  
 یہاں تک پہنچا دیا ہے۔ پھر میں نے اُسے اپنی سرگزشت سُنا دی۔ میرا حال سُکر اُسے اشوس ہوا۔ اور  
 وہ روبرو ہی اور کہا شاید میں آخری ہوں جس نے تیری سرگزشت سے اطلاع پائی۔ سن میں بھی  
 ایک شہزادی ہوں۔ میرا باپا جزیرہ آبنوس کا فرمانروا تھا۔ آج پچیس سال ہوئے ہیں کہ ہمارے  
 مجھے اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا۔ لیکن قبل اسکے کہ شب زفاف میں شوہر سے میری رشتہ رانی  
 ہو۔ ایک جن جر جریس نامی جو ابلیس کا پوتا ہے مجھے وہاں سے لے آؤ اور یہاں لاکے بند کر دیا  
 اور ہر طرح کے عیش و عشرت کے سامان یہاں لائے جمع کر گئے۔ اب دسویں دن وہ یہاں آتا  
 ہے اور صرف ایک رات یہاں میرے پاس رہتا ہے۔ لیکن اس عرصہ میں جب مجھے اُس پہنچو سی  
 کتا منظور ہوتا ہے تو ایک طلسم کو جو میری خوابگاہ کے پاس ہی ہے چھو لیتی ہوں اور فوراً  
 آجاتا ہے۔ چار دن ہوتے وہ کہاں سے گیا ہے اور چھٹے روز پھر آئیگا۔ کیا تم میرے پاس کچھ  
 دینا کہ بٹھہر سکتے ہو؟ لیکن اسکے بعد اُسکے آفسے پہلے تم کو چلا جاتا ہوگا۔ میں نے اُس دعوت کو کمال  
 مسرت سے منظور کیا۔ پھر وہ مجھے حام کو لیکٹی اور حام سے فراغت پا کر میں شام نہ پو شاک زیب تن  
 کی۔ پھر ہم دونو ایک زریں مسند پر آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حسینہ نفیس و لذیذ کھانے لے آئی

اس وقت کی سبکی تابل ویدی - ایک تو منزلوں کا تھکا ماندہ دوسرے زخمی قیسرے اجنبی اور  
تن تنہا - مگر بیٹے اپنے تئیں گھبرانے سے بچایا اور زخم باندھ کر ایک طرف کا رخ کیا - شام کو  
ایک سپارٹ کی غار میں سوتا - جب صبح کو جاگا تو بھوک کے اسے بیتاب ہو رہا تھا - ناچار جنگل  
کے کچھ پھل بادل کھا کر تیش شکم کو فرو کیا اور آگے روانہ ہوا - پورا ایک ہفتہ کئی منزلیں طے  
کرتے کے بعد آخر ایک بڑے شہر میں گزر ہوا - جس کے ارد گرد کئی دریا جاری تھے اور اس کے  
وہ ہمیشہ سہ سیر و شاداب رہا کرتا تھا - اس شہر کی فضا دیکھ کر میں اپنی ساری نعمتیں بھول  
گیا - اس وقت میرے کپڑے پھٹے ہوئے تھے زخموں سے بڈال ہو رہا تھا - ایک لمبے سفر  
نے زکات زدہ کردی تھی - غرض ایسی ہیئت کدائی کی حالت میں میں شہر کے اندر داخل ہوا  
اس غرض سے کہ اپنے وطن کا راستہ اور فاصلہ دریافت کروں - آخر ایک درزی کی دوکان پر  
پہنچا - درزی نے میری وضع کو دیکھ کر اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا - جب میں بیٹھ گیا تو اس نے  
پوچھا - کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو - میں نے سارا حال بے کم و کاست بتا دیا - درزی نے  
مجھے سمجھایا - کہ آئندہ حال زہنا رہیاں کے کسی باشندے سے دیکھو - یہاں کا حکمران تمہارے  
باب کا سخت دشمن ہے - اگر اسے تیرے آنے کی خبر ملگئی تو مبادا تمہارے ساتھ بدسلوک  
ہے پیش آئے - میں نے درزی کا اس ہدایت کے لئے شکریہ ادا کیا - پھر وہ میرے لئے کھانا  
لایا اور اپنے مکان میں میرے رہنے کو ایک حجرہ بنا دیا - جب تین دن تک وہاں ٹھہرنے  
سے میرا رفع تھکان ہو گیا - تو درزی نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کوئی ہنر بھی جانتے ہو جس  
سے اپنی روزی کما سکو - میں نے جواب دیا کہ میں ہر طرح کے علوم اور حساب و کتاب میں بخوبی ماہر  
ہوں - درزی بولا یہاں تم اُن کے قائد نہ اٹھا سکو گے - کیونکہ یہاں کے باشندے ان چیزوں  
کے قدروان نہیں ہیں - پھر بیٹے کہا - پھر میں کہا - میں تو اور کچھ بھی نہیں جانتا - درزی بولا  
اگر میرا کہا تا تو جنگل سے جلانے کی ٹکڑیاں لا کر شہر میں بیچا کرو - چندے اس طرح تم بخوبی  
بسر اوقات کر سکو گے - زراں بعد کار ساز کریم شاید کوئی اور ٹھنگ نکال دے - پھر اس شریفانہ  
آدمی نے مجھے رشتی اور کھانا بازار سے لے دیا اور ٹکڑیوں کے پُر دو دیا میں اُن غریبوں  
کے ساتھ جنگل کو جاتا اور ایک بڑا گٹھا کڑیوں کا جنگل سے کاٹ لاتا جسکی قیمت مجھے بازار میں

اور چھ گھوڑے ساز و یراق سے آراستہ کر کے میرے حوالے کئے اور میں خدم و حشم کے ساتھ سمند کے راستے ہندوستان کو روانہ ہوا۔ ہم سب پورے ایک ماہ تک سمند کے سفر میں رہے اور پھر خشکی میں اتر کر روانہ ہوئے۔ ابھی تھوڑی سی دور تک چلے تھے کہ راستے میں یکجا میں مسلح قزاقوں نے ہمیں آکھیرا۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم شاہ ہند کے کسبل ہیں۔ اور انکے لئے تحائف جا بے ہمیں تصویر شہزادے کو قزاقوں کے کھیر لینی کی



گمانوں نے پھر شک دیہ کہ ہم کوئی بادشاہ ہند کے نوکر ہیں یا اسکا دیا کھاتے ہیں کہ تمہیں رعایا جانے دیں پہلے سے جو کچھ ہے رکھو کے رکھ دو ورنہ جان کو کہ بہت بڑی شے گی۔ میرے آدمیوں سے اٹکا پیر کر خست جواب سنکر متبادلہ تو خوب کیا۔ مگر ایک کی دوا دو۔ چارے کہا تک لڑ سکتے تھے سب مارے گئے۔ اب بچی کا بھی کام تمام ہو گیا۔ میں بھی زخموں سے اس قدر زخمی ہوا کہ ہڈیاں کی تاب نہ رہی۔ اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا۔ جب دور نکلا گیا تو میرے حواس پر جا ہوئے اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اسنے فوراً دم کوڑ دیا۔ میری

تخیر ملک کے ارادے سے چڑھ آیا ہے۔ اہل شہر میں چونکہ اُس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے تئیں اُس کے سپرد کیا۔ بیٹے سوچا کہ اب تو بڑی بنی۔ اگر بیٹے بھی اپنے تئیں اُسکے قابو میں دیدیا تو وہ بھی جیتا نہ چھوڑے گا۔ ناچار بیٹے چار بار وکام صفا یا کرایا اور تبدیل لباس کر کے وہاں سے چل نکلا۔ حتیٰ کہ یہاں پہنچ گیا۔ ارادہ تھا کہ کوئی ایسا آدمی بلجائے جسکی وساطت سے امیر المومنین ظلیفہ نرول رشید کے در دولت تک پہنچ سکوں۔ مگر اجنبی ہونیکے سبب جبران تھا کہ اتنے میں یہ دوسرا قلندر مل گیا اور مجھ سے صاحب سلامت کی۔ بیٹے کہا تم بھی میری طرح اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ اُسے جواب دیا۔ یہ سچ ہے کہ اتنے میں یہ تیسرا قلندر بھی آ پہنچا۔ اور بتاتے ہی کہنے لگا۔ میں بھی تم دونوں کی طرح اجنبی ہوں۔ اور اسی دم شہر میں وارد ہوا ہوں۔ چونکہ ہم تینوں کا وضع کپڑا ایک ہی سا تھا۔ اسلئے مکر رہنے کا ارادہ کر لیا اور اب ہمیں رات بسر کرنے کا فکر پیدا ہوا۔ حتیٰ کہ خوش نصیبی آپ کے دروازے پر کھینچ لائی۔ اور یہاں ایسا آرام پایا کہ سارا دکھ درد بھول گئے جس کا شکریہ ہم ادا نہیں کر سکتے۔ بی بی! یہ ہے میرا حال۔ زبیدہ نے اُس کا قصہ رِخافت کیا اور اجازت دی کہ وہ جہاں چاہے جا سکتا ہے۔ مگر اُس نے کہا۔ کہ اگر مجھے یہاں بٹھرے کاقیوں کا حال سننے کی اجازت دیجائے تو باعث مشکور رہی ہوگا۔ زبیدہ نے اسے مان لیا اور وہ ایک کونے ہو کر بیٹھ گیا۔ اب دوسرے قلندر کی باری آئی اور اُس نے اس طرح سے اپنی سرگذشت بیان کرنی شروع کی۔

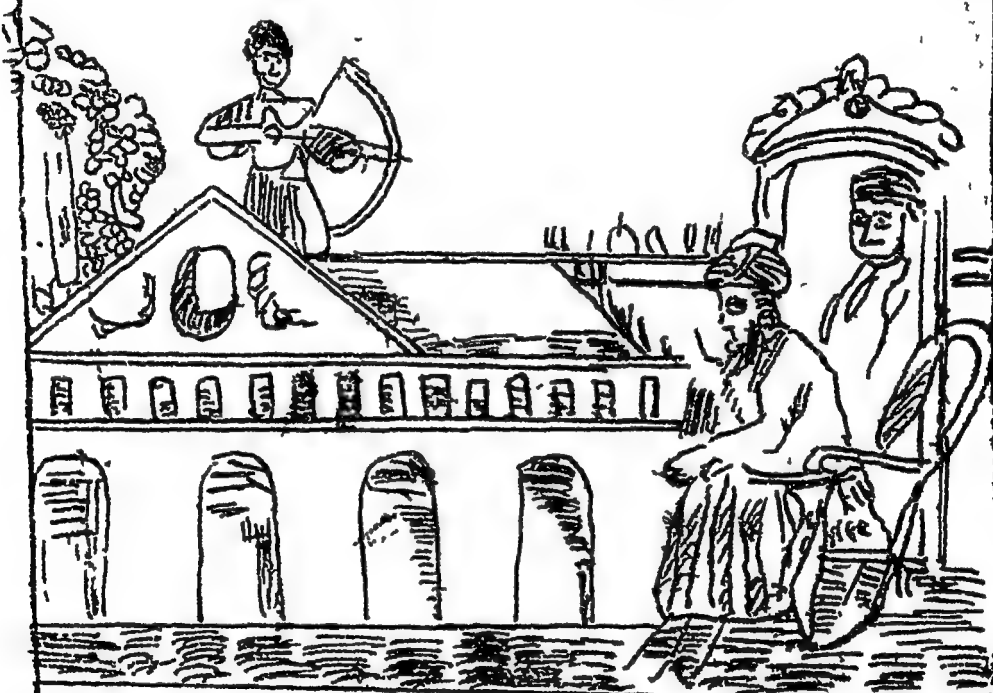
### دوسرے قلندر کی حکایت

بی بی! میں بھی شہزادہ ہوں۔ اور میرے باپ نے مجھے ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دلائی تھی۔ میرے قرآن مجید حفظ کیا۔ تفسیر اور احادیث میں بھی کمالیت بہم پہنچائی۔ فن شعر اور ناسخ کی بھی تکمیل کی حکمت۔ ہنر۔ ہندسہ اور ریاضی وغیرہ بھی بخوبی حاصل کئے۔ جبکہ تمام مروجہ علوم میں دستار دیکھانہ روزگاری حاصل کر لی۔ پھر آئین سیاست۔ ریاست۔ سپہ گری اور خوشنویسی میں بھی کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ میری قابلیت کے شہر سے نے ایک عالم کو تسخیر کر لیا۔ اُس نے اُسے بہ خیر شہنشاہ ہند تک بھیجا پہنچا اور اُسے میرے باپ کے پاس شہانہ تہذیب بھیج کر میرے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ میرے والد نے مسرت سے مجھے شہنشاہ ہند کی ملاقات کا حکم دیا۔

ہم دو تو تبدیل لباس کر کے اس مقبرے کی طرف روانہ ہوئے۔ اور تھوڑی دیر جا کر مینے اس مقبرے کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور پھر ہم گنبد میں داخل ہوئے اور آہنی دروازہ کھولنا چاہا مگر نہ کھلا۔ کیونکہ شہزادے نے اسے اندر بند کر رکھا تھا۔ آخر جب بڑی مشکل سے اسے کھولا تو پہلے میرا چچا اندر آئرا۔ دیکھے پیچھے میں بھی آہو لیا۔ اندر سے بدبو کی بھیک ایسی آ رہی تھی کہ دم بند ہوا جاتا تھا۔ مگر جوں توں کر کے ہم شش نشین تک جا ہی پہنچے جس میں شہدان روشن تھے۔ وہاں ایک حوض بھی دکھائی دیا جس کے چاروں طرف مینے کی ہشمار اشیاء رکھی پڑی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک اور شش نشین دکھائی دیا جس کے دروازوں پر پرے دئے ہوئے تھے۔ چچا زینے سے اوپر چڑھ گئے اور پردہ اٹھا کر اپنے بیٹے اور اسکی بیوی کو پنگ پر ہم آغوش پایا مگر دونوں کا رنگ کالا ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر میرے چچا نے اس کے سنے پر تھوک دیا۔ اور کہا اسے خبیث تو اسی کا متعلق تھا۔ معلوم ہوا کہ دونوں ہی مر چکے ہیں۔ دیکھ یہ تو دنیا کا عذاب تھا مگر عقیبی میں اس سے بھی زیادہ سزا پائیگا۔ اسی پر پس نہ کر کے جڑتیاں بھی اس کے سنے پر سے ماریں۔ مجھے بڑا رنج آیا اور مینے پوچھا۔ چچا جان! شہزادے سے ایسا کیا گناہ سرزد ہوا کہ آپ نے غریب کی لاش کی ایسی توقیر کی ہے۔ چچا نے جواب دیا۔ یہ کیسے اس سے بھی زیادہ حقارت کا مستحق ہے۔ یہ بچپن ہی میں اپنی ہمشیرہ کو پیار کرتا تھا۔ مگر مینے پہلے تو کچھ خیال نہ کیا۔ جب دو تو بڑھے۔ محبت بھی بڑھی تو مینے تاکید کی کہ کوئی ایکڑ دوسرے کے سامنے نہ آئے۔ مگر کیسے لڑکی بھی بھائی سے ناجائز لگاؤ رکھتی تھی۔ اس لئے میرے احکام کا کچھ اثر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ روسیہ نے مقبرہ بنوانے کے بہانے یہاں تہ خانہ بنوا لیا۔ اور جب میں شکار کو گیا تھا تو وقت فرصت کو غنیمت جانتکر اسے یکے یہاں آرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مدت دراز کے لئے ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ مگر خدانے دو تو کو بہت جلد کفر کردار کو پہنچا دیا۔ یہ حال بیان کر کے چچا کے آنسو ٹپک پڑے۔ اور میں بھی رو دیا۔ جب حال ہلکا ہوا تو آنسو پوچھ کر اس نے مجھے گلے لگا لیا اور کہا کہ خدائے سلامت رکھے۔ اب تو ہی میرا فرزند ہے۔ یہ سن کر میں اپنی حالت اور دنیا کے انقلابات کو یاد کر کے خوب رو دیا۔ پھر ہم وہاں سے واپس لوٹے اور مقبرے کو جوں کا توں کر دیا۔ راستے میں نقاروں اور جنگی باجوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور گرد و غبار اُڑتا دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ وہی وزیر جس نے میرے والد کو قتل کر کے اس کا ملک اپنے قبضہ میں کیا تھا۔ اب یہاں بھی

میری آنکھ کے جانے کا سبب یہ ہے۔

پھر ظالم نے مجھے ایک بچے میں قید کر کے جلاؤ کو حکم دیا۔ کہ شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دے اور گوشت چیلوں اور کوؤں کو کھلا دے۔ جلاؤ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب میرے قتل کا ارادہ کیا تو اس کی بہت نفرت و سماجت کی تھی کہ اسے بھرجم آگیا اور اسے اٹھارہ کیا کہ اس تصویر شہزادے کی تختہ لگانے اور وزیر اعظم کی آنکھ بھوٹ جانے کی



سلطنت کی حدود سے نکل جا اور پھر کبھی ادھر مڑے گا نام نہ لینا سینے شکر یہ ادا کیا اور یہ معروف راستوں سے گزر کر یہ عافیت حدود سلطنت سے حسرت کے ساتھ باہر نکل گیا۔ حتیٰ کہ اپنے چچا کے علاقہ میں جا پہنچا اور اسے اپنی اور اپنے والد کی سرگذشت کی اطلاع دی یہ سنکر وہ بہت رویا اور کہا کہ آگے ہی بیٹے کا غم تھوڑا نہ تھا کہ تو نے مجھے بھائی کے مرنے اور اپنی آنکھ کے جلتے رہنے کی خبر سنا کر اور ادھوا کر دیا ہے۔ مگر سکی زاری دیکھ کر مجھے زیادہ تائب نہ رہی اور مینے ناچار ہو کر سب کیفیت اپنے چچا سے ظاہر کر دی۔ اس پر چچا مجھ سے کہنے لگا بیٹا اتنی جھجکا کہتا ہے۔ اس نے ایک مقبرہ تو بنوایا تھا۔ مگر وہ اسی میں ہو گا پھر

مجھے خواب نہ آیا ہو۔ پھر مینے ایک خدمتگار سے پوچھا۔ کہ شہزادہ ابھی تک بیدار ہو سکتا ہے یا نہیں  
 چاکر خبر لے آؤ۔ اُسے والیں آکر جواب دیا۔ کہ وہ تورات سے ہی غائب ہیں۔ اور کسی کو خبر نہیں  
 کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ بلکہ گھر گھر میں پیشانی پھیل رہی ہے۔ جب مینے تصور کیا کہ وہ اُسی تہ  
 خانے میں ہو گا۔ تو مجھے بڑا رنج ہوا۔ اور چھپ کر اُسی گورستان کو گیا سارا دن میں اُس کی  
 تلاش کرتا رہا۔ مگر خدا جانے اُسے زمین نکل گئی یا آسمان کھا گیا۔ کچھ پتہ نہ ملا۔ برابر چار روز  
 تک میں اُسی طرح سرگردان رہا۔ اور کچھ نشان نہ پایا۔ میرا چچا اُن دنوں شکار کو گیا ہوا تھا۔ مینے  
 اُس کے انتظار میں سخت رنج اٹھایا۔ آخر میں چچا کے وزیر سے یہ کہہ کر رخصت ہوا آیا۔ کہ جب چچا چار  
 لوٹ آئیں۔ اُن سے میرا آداب عرض کر دینا۔ اور معذرت کرو دینا۔ کہ میں خلاف معمول اب کے بہت  
 عرصہ تک بٹھرا ہوں۔ وزیر بھی شہزادے کے گم ہونے کے سبب بہت غمگین ہو رہا تھا۔ مگر چونکہ  
 میں شہزادے سے راز کو مخفی رکھنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اسلئے میں اُسے شہزادے کے بارے  
 میں کچھ نہ بتا سکا۔ بہر حال میں اپنے باپ کے دارالخلافہ کو واپس آیا۔ اور خلاف معمول واپس آنے  
 نے بڑے دروازے پر بہت سے سپاہیوں کا پھرہ دیکھا۔ اُنہوں نے فوراً مجھے گرفتار کر لیا۔ جینے  
 سبب پوچھا تو اُنکے افسر نے جواب دیا۔ اے شہزادے یہ فوج وزیر اعظم کی ہے کہ اُس نے  
 تمہارے باپ کے مرجانے کے بعد اُس وزیر کو بادشاہ بنا لیا ہے۔ اب اُسی وزیر کا حکم ہے  
 کہ شہزادہ جہاں ملے پکڑ لاؤ۔ جاسوس متہیں چاروں طرف ڈھونڈنے کے لئے چلے گئے ہوں  
 ہیں۔ اب اتفاق سے تم خود بخود پہنچے ہیں آ پھنسے ہو۔ پھر ایک افسر مجھے اُس غاصب کے  
 پاس لیگیا۔ جب میں اُس کے سامنے پہنچا۔ میرے رنج و الم کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ کہنت  
 پہلے ہی سے میرا دشمن تھا۔ اور اُس کی عداوت کا سبب یہ تھا۔ کہ ایک دفعہ نادانستگی میں  
 اُسکی آنکھ میرے ماتھے سے پھوٹ گئی تھی مجھے بچپن میں غلیل بازی کا بڑا شوق تھا۔ اور ایک دن  
 میں اپنے محل پر کھڑا تھا کہ ایک چڑیا باس سے گذری۔ مینے اُسے نشانہ بنایا۔ مگر غلیل وزیر  
 کی آنکھ میں جا رہا۔ جو اپنے جھپٹ پر کھڑا تھا۔ اُسکی آنکھ پھوٹ گئی۔ مینے بہت معذرت کی  
 مگر اُس کہنتہ تو زکے دل میں سے کہنتہ نہ نکلا۔ وہ موقع کے انتظار میں تھا۔ جب اُس نے  
 مجھے یہ قابو پایا تو نہایت غصے سے دوڑ کر اپنی آنکھ سے میری داہنی آنکھ پھوٹ ڈالی۔ بی بی!



سابق کی نسبت مجھ سے زیادہ محبت کی۔ میری دعوت کا سامان بڑے وسیع پہانے پر کیا اور  
 بڑے بڑے دلکش ٹائٹے دکھلائے۔ پھر خاصہ طلب کیا گیا اور اُس سے فراغت پا کر اُس  
 نے مجھ سے کہا۔ کہ جیتے تمہارے جانے کے بعد ایک نہایت خوشنما مکان بنو لیا ہے۔ چنانچہ اب  
 وہ بالکل تیار ہو چکا ہے۔ اب میرا ارادہ اس میں شب خوابی کا ہے۔ تم اُسے دیکھ کر خوش ہو گے  
 مگر پہلے حلف اٹھاؤ کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرو گے۔ میں نے بے تامل قسم کھائی۔ اس کے بعد اُس  
 نے مجھ سے کہا۔ بھٹو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پھر بھٹو رومی دیر کے بعد ایک حبیبہ کو اپنے ہمراہ لے  
 آیا۔ اور ہم تینوں رادھہ رادھہ کی باتوں میں مشغول ہے۔ لیکن نہ ہی میں نے اُس عورت کا  
 حال دریافت کرنا مناسب سمجھا۔ اور نہ ہی اُس نے مجھے اطلاع دی۔ حتیٰ کہ شہزادہ بولا۔ اب  
 ہمیں زیادہ دیر تک یہاں نہ ٹھہرنا چاہئے۔ یہ کہہ کر اٹھا اور مجھ سے کہا کہ تم اس بی بی کو  
 ہمراہ لیکر فلاں قبرستان کی طرف چلو۔ اور جہاں کہیں نئی قبر گنبد بنا دکھائی اُسے۔ سمجھ لیتا  
 کہ اس مکان کا دروازہ وہی ہے۔ جس کا ذکر ابھی میں نے تم سے کیا تھا۔ تم دونوں وہاں  
 پہنچ کر میوے کھانے کا انتظار کرنا۔ مگر بھائی یہ دیکھو یہ راز کسی پر نہ کھکے۔ میں اُسی عورت کو  
 ہمراہ لیکر اپنے بھائی کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہوا۔ اور چاندنی میں وہاں جا پہنچا۔ دیکھا  
 کہ شہزادہ پانی کا لٹا اور چرنے کی ٹوکری لیکر آگے ہی وہاں پہنچ چکا ہے۔ اُس نے بھٹو سے  
 سے قبر کی مٹی نکالی۔ اور پتھروں کو اُسٹھا کر کنا سے لٹکایا۔ سب پتھروں کو نکال کھینکے کے  
 بعد زمین میں ایک بڑا سا سوراخ کیا۔ جہاں سے ایک مخفی دروازے پر نظر پڑی۔ اُس نے  
 اُسے کھول دیا۔ اور پھر ایک چوبی زینہ دکھائی دیا۔ شہزادے نے اُس عورت کو اشارہ کیا  
 کہ یہی راہ اُس مکان میں جانے کی ہے۔ وہ عورت فوراً نیچے اتر گئی۔ اور شہزادہ بھی اُس کے  
 پیچھے پیچھے چلا۔ اور مجھ سے کہا۔ میں تمہارا نہایت ہی ممنون اور مشکور ہوں۔ اور اب  
 میں تم سے رخصت ہوتا ہوں خدافظ۔ مگر دروازے پر مٹی ڈال دینا۔ اور جس راہ سے تم  
 آئے تھے۔ اُسی راہ سے واپس چلے جانا۔ میں بہتیرا چھپا کہ تم کہاں جلتے ہو۔ مگر اُس نے  
 کچھ نہ بتایا۔ ناچار میں اس کام کو انجام دیکر اپنے چچا کے محل کو لوٹ آیا۔ اور دوسرے صبح  
 اپنے مکان پر جا کر سو رہا۔ صبح کے وقت رات کی سرگزشت پر مجھے بڑا تعجب آیا اور خیال کیا۔ کہ

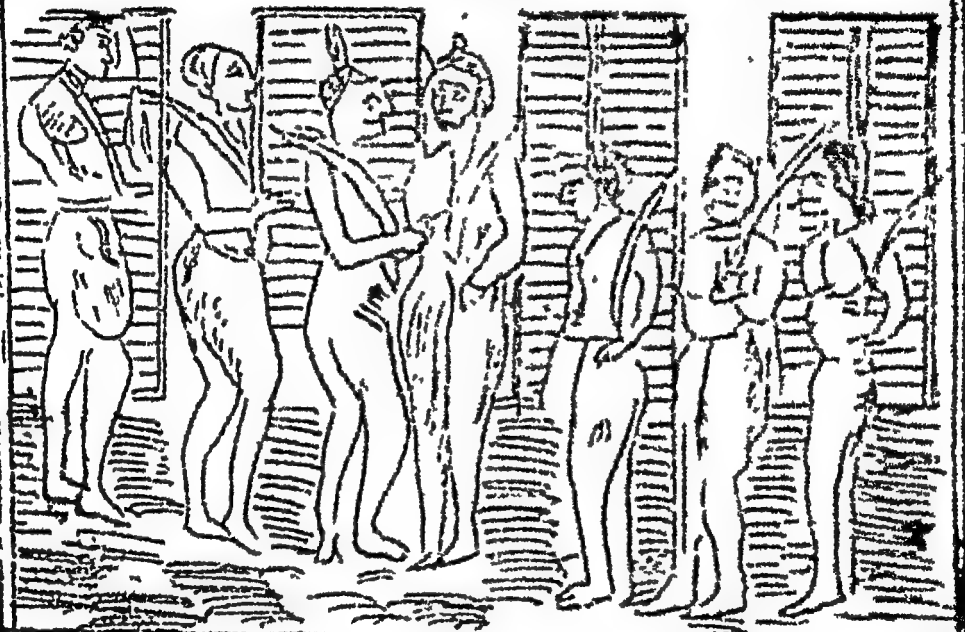
حاصل کرے۔ اس مصیبت کے بعد ہم تے ڈاڑھی اور مونچھوں کا صفایا بولدیار اور قلندرین گئے  
 دوسرے قلندر نے بھی استفسار پر یہی جواب دیا۔ مگر جب زبیدہ تیسرے کی طرف آئی۔ تو اس  
 نے اس کے علاوہ کچھ اور بھی کہا۔ کہ بی بی! ہم تینوں عظیم القدر بادشاہوں کے لئے ہیں۔ جن کے  
 نام سے گردنوں میں ہیبت چھائی ہوئی ہے اور آج ہی شام کو ہمیں ایک دوسرے کی ملاقات  
 نصیب ہوئی ہے۔ ورنہ ہم تو آپس میں اجنبی ہیں۔ زبیدہ نے حبشیوں کو اشارہ کیا کہ ان  
 بیٹیوں کی مشکیں کھولیں تاکہ وہ اپنا اپنا حال بسوگت سنا سکیں اور جو شخص اپنا حال سنا  
 جائے وہ جہاں چلے جائے۔ لیکن جو شخص حال سنانے سے گریز کرے اس کی گردن بارود  
 پھر ساتوں کے ساتوں والوں میں قالین پر بیٹھ گئے اور ہر ایک کے سر پر ایک ایک حبشی ننگی  
 تلوار لیکر کھڑا ہو گیا۔ سب سے پہلے مزدور نے مختصر طور پر بیان کیا۔ بی بی! میں یہیں کا رہنے  
 والا اور مزدوری پاشیہ آدمی ہوں۔ اور آپ کے گھر آنے کا سبب یہ ہے کہ آج دن کے وقت  
 میں اپنا ٹوکرائے بازار میں کھڑا تھا کہ کوئی مزدوری کے لئے بلائے کہ اتنے ہیں آپ کی بہن گئی  
 اور اس نے مجھے بلایا۔ بازار میں سے ہر قسم کی اشیاء لیں۔ اور میرے سر پر رکھوا کر گھر میں لے  
 آئی۔ اور آپہنٹے برائے غریبوں کی مجھے اب تک یہاں رہنے دیا۔ جسے میں کہی نہ بھولوں گا۔  
 میری سرگذشت بس اتنی ہے۔ زبیدہ نے یہ سن کر حکم دیا۔ کہ بس اب اپنے گھر کو چلا جا اور پھر کسی بیٹا  
 نہ آتا۔ مزدور نے رشت کی کہ اگر ارشاد ہو۔ تو تھوڑی دیر بعد کے ہیں ان لوگوں کے حالات بھی سن لو  
 جیسا کہ انہوں نے میرا حال سنا ہے۔ پھر وہ زبیدہ کے اشارے سے والان کے ایک گوشے  
 میں کھڑا ہو رہا۔ اس کے بعد ایک قلندر نے اپنا حال یوں بیان کرنا شروع کیا۔

### پہلے قلندر کی حکایت

بی بی! میں ایک جلیل القدر بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ میرا چچا بھی میرے باپ کے ہمسایہ ملک میں عظیم  
 انسان بادشاہ تھا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ ایک لڑکا جو میرا بہن تھا اور ایک لڑکی۔ جو بی بی  
 کی اجازت سے سال میں ایک دفعہ چچا کی ملاقات کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور دو ایک ماہ وہاں  
 رہ کر واپس آ جاتا تھا۔ اس آمد و رفت سے میرے اور میرے چچا کے بیٹائی کے درمیان  
 نہایت محبت ہو گئی۔ ایک دفعہ میں نے اسے نہایت مسرور پایا اور یوں بھی اس نے

ہوا۔ جنگی دولت خدا جانے کس قدر شہر ویران اور لوگ برباد ہوئے ہونگے۔ بڑھ میرے حال پر  
 رحم کیجئے۔ جس غریب کو عنایت کی کہ سرفراز کیا ہو۔ اس کی گردن مارنا انصاف سے دور ہے۔  
 زبیر و مزدور کے زارے سنا۔ غصے کے باوجود ہنس دی۔ اور سب سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک  
 شخص اپنا صحیح حال بیان کرے کہ وہ کہاں کا رہتا ہے واللہ ہے اور کیا فضل و کمال رکھتا  
 ہے۔ پھر اس کے ہواں آنے کا کیا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص ذرا سی جھوٹ بولے تو بیشک

اقتدار سے جلاشیو کی بجائی تمہارا تھیں لیکن نکلنے کی



اس کی گردن ماری جائیگی۔ خلیفہ نہایت مہربان ہوا کہ اس غصناک عورت کے ہاتھ سے چھوٹا دستار  
 ہے اور سوچا کہ اگر میں اسے اپنے کتے پر اطلاع دیدوں تو یقیناً مجھے چھوڑ دیگی۔ پھر اس  
 لئے وزیر سے بھی اس بارے میں مشورت کی۔ مگر عقلمند مشیر نے اپنے آقا کی عظمت کو ہاتھ سے  
 نہ دینا چاہا۔ اتنے میں زبیر نے تینوں قائد رول سے دریافت کیا کہ کیا وہ تینوں بھائی  
 ہیں۔ مگر ایک نے ان میں سے جواب دیا۔ بھائی نہیں۔ بہن ہیں۔ اور ایک ہی وضع کو  
 زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر پوچھا کیا پیدائش ہوئی ہوئے تھے۔ جواب ملا۔ نہیں محض ایک حادثے  
 کے سبب ہمارا یہ حال ہو گیا ہے جو سننے اور لکھنے کے قابل ہے تاکہ ہر شخص اس سے عبرت

داغ پڑے ہوئے دکھائی دئے وہ سب جبران ہوئے کہ ایسی نازنین کو کس پر رحم سنے بار ہو گا جب ایسے  
 باطل کے اختیار ہو کر گر پڑنے کو ہوئی۔ توبیدہ اور صافی نے اٹھ کر بسے نظام لیا۔ اتنے میں ایک  
 قلندر بولا۔ اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم رات جنگل میں گذار لیتے جبرانی ہے کہ یہ حال اپنی آنکھوں سے  
 دیکھتے ہیں اور پوچھ نہیں سکتے۔ خلیفہ نے بھی اُس کے قریب جا کر پوچھا کہ تمہیں کچھ حال اس امر کا معلوم  
 ہے؟ قلندر بولا ہم تو آج سے پہلے اس مکان میں کبھی آئے ہی نہیں۔ اس رات کو کیا جائیں؟ خلیفہ کی  
 جبرانی اور بھی بڑھ گئی اور اُس نے مزدور کو لبا کر پوچھنا چاہا مگر اُس نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھا کہ میں بھی تمہاری  
 طرح آج ہی اس مکان میں آیا ہوں۔ پھر خلیفہ نے صلاح کی کہ ہم سات آدمی ہیں۔ اور ہر تین عورتیں  
 آؤ ان سے باہر اور باقت کریں۔ اگر وہ سب حال بتا دیں تو اچھا ورنہ تیرا ہی سہی۔ وزیر جعفر التجا کر کے لگا  
 کہ حضور محمدؐ کی نہ فرمائیں صبح قریب ہے۔ میں ان تینوں کو حضورؐ میں حاضر کروں گا۔ اس وقت پوچھ  
 لیجئے گا۔ مگر خلیفہ نے نہ مانا۔ اور وہ قلندروں سے پوچھنے کی فرمائش کر لے لگا۔ مگر جب انہوں نے ایک بھی  
 نہ سنی تو ناچار سب نے مزدور کو آمادہ کر لیا کہ تم جا کر پوچھو۔ زبیدہ نے اتنے میں انکی سرگوشیوں کو دیکھ  
 لیا۔ اور پوچھنے لگی کہ تم آپس میں کیا باتیں کر رہے ہو۔ مزدور نے عرض کی۔ بی بی! یہ پہلے آدمی چاہتے  
 نہیں کہ براہِ عنایت آپ انہیں کچھوں کو بے رحمی سے مارنے اور امینہ کے شانوں پر سیاہ داغوں سے  
 ہونے کا سبب بتا دیں۔ زبیدہ سخت براغزوختہ ہوئی۔ اور سب سے پوچھا کیا یہ سچ ہے؟ سب نے  
 کہا کہ ہاں! ہم نے ہی اس سے پوچھنے کی فرمائش کی تھی۔ مگر وزیر چپ رہا۔ زبیدہ اور بھی برسم ہو گئی  
 افسوس! تم نے محمدؐ کی۔ اب میں تمہارا کوئی ٹھکانہ نہ ملے گی اور نہ ہی بڑائی کا خیال کروں گی۔  
 ہم نے تمہیں اپنے گھر چک دی۔ اور حاضر ہو میں میسر آسکتا تھا۔ تمہیں کھلایا۔ مگر افسوس تم نے  
 اپنے قول کا کچھ پاس نہ کیا۔ یہ کمزور میں پر زور سے پاؤں مارا اور تین دفعہ دستک دیکر کہا جلد آؤ  
 اسکے یہ کہتے ہی دالان کا ایک دروازہ کھل گیا اور اندر سے سات جیشی غلام قوی اسلحہ ہاتھوں میں لگی  
 ہوا دیں لئے یا ہر نکل آئے۔ اور ہر ایک نے ایک ایک کو پھانسی کر کے قتل کر دینے کے لئے اجازت طلب  
 کی۔ مگر زبیدہ نے کہا اور اٹھ بھڑو پہلے ہم ان سے ان کا کچھ حال پوچھ لیں۔ پھر ہر ایک نے اُسے پوچھنا  
 شروع کیا۔ مزدور نے گریہ و زاری کر کے کہا۔ خدا کے لئے مجھے بخش دو۔ میں بالکل بگینا ہوں۔  
 افسوس! میں کیسے آرام میں تھا۔ (ان کا کہنے قلندروں کی بدولت میں بھی اس شامت میں گزرا

انہیں باندھ آیا۔ سب نوادر اُس کیفیت کو دیکھ کر حیران تھے۔ مگر حسب وعدہ کوئی پوچھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ خلیفہ تو نہایت ہی بہتاب تھا لیکن وزیر جو حضرت اُسے بعد مشکل روگا۔ پھر زبیدہ والان میں اس وضع سے بیٹھی کہ خلیفہ کا قافلہ اُس کے اسی طرف تھا۔ اور قلندر بائیں طرف تھے۔ پھر صافی اُس چوکی پر بیٹھ گئی جو والان میں بچھائی گئی تھی۔ اور ماہیہ سے کہا۔ کہ اُٹھو۔ تم میرا مطلب خوب جانتی ہو۔ اینہ اٹھ کر ایک دوسرے جڑے میں گئی۔ اور وال سے ایک صندوقچی اُٹھالائی۔ جو زبیدہ والاسان سے منڈھی تھی اور خلاف اُس کا سبز کار چڑی تھا۔ اور اُس میں سے مئے نکال کر صافی کو دی۔ جسے اُسے مئے سے لگاتے ہی ایک خراقیہ گیت بھانا شروع کیا۔ کہ خلیفہ اور کیا قلندر سب کو وجد طاری ہو گیا پھر کہنے وہ بانسری مینہ کو دی۔ کہ اب تم گھاؤ۔ میں ٹھک گئی ہوں۔ اینہ نے بانسری اُس کے ماتھے سے لی۔ اور ایک خراقیہ مضمون کچھ ایسے لہجے کے ساتھ گایا۔ کہ وہ خود محو شوق ہو کر راگ کو ختم بھی نہ کر سکی زبیدہ نے اُس کے گانے بدلنے کو روکا اور کہا۔ اب تمہارا حال متغیر ہو رہا ہے۔ اب تم نہ گھاؤ۔ مگر اینہ ہلکے سے جھوٹی اور اسی حالت میں اُس نے اپنا پیرا بن اُتار کر پھینک دیا اور سب کو اُس کے شانوں پر سیاہ تصویر صافی اور اینہ کی پائلی بجاتے ہوئے اور خلیفہ اور قلندر دُشکا و حید میں آنا



اجازت دو تورات یہیں پڑ رہی اور علی الصباح اُسکے سر اُچلے جائیں۔ اگر تشریک صحبت کرو تو زہرِ نصیب  
 کیونکہ ہم گانے بجانے میں بھی قینوں خوب ماہر ہیں۔ صافی نے سوچا یہ خاص آدمیوں میں سے ہیں۔ اسلئے  
 انہیں دروازے پر بٹھا کر اور پوچھنے لگی۔ زبیدہ نے ازراہ ترجمہ انہیں لے آنے کی اجازت دی۔ جب  
 وہ قینوں اندر آئے۔ اور پڑے ادب سے سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ تو زبیدہ نے کہا۔ گستاخی  
 معاف۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا کہ ہمارے کسی امر میں دخل نہ دینا۔ ورنہ آپ کو انجام میں ملال اٹھانا  
 پڑیگا۔ وزیر بولا۔ بی بی! ہمیں کیا ضرورت ہے۔ اس جہد و پیمان کے بعد انہیں بھی اکل و شرب  
 کی تواضع کی گئی۔ خلیفہ اُن عمر کوں کے حسن و جمال اور قلندروں کے ایک ہی اسکھ سے کانٹے ہونے کو  
 دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اُن عورتوں کی دانش پر بھی متحیر تھا اور اس بلسم میں کچھ پوچھنا چاہتا  
 تھا مگر ساتھ والے مانع آنے کے اتنے میں ایک قلندر نے اپنے ملک کی وضع پڑنا چنا شروع کیا۔ سب نے  
 اسے پسند کیا۔ اور یونہی باری باری سب قلندروں کا ناچ ہوا۔ اس کے بعد زبیدہ اُٹھی اور امینہ سے کہا  
 کہ یہ سب اہل فعل ہمارے تابع ہیں۔ تو ہم کیوں نہ اپنے روزانہ معمول کو انجام دیں۔ امینہ اُس کا اشارہ  
 سمجھ گئی اور جو رد و نوش کا سارا سامان اکٹھا کر لیا۔ صافی نے اس کمرے کو صاف کر دیا اور قینوں قلندر  
 کو ایک والاں میں پڑ رہنے کا حکم دیا۔ دوسرے مقابل کے والاں میں خلیفہ اور اس کے ساتھیوں کو  
 آرام کرنے کی ہدایت ہوئی۔ اور مزدور کو کہا کہ اُسکے اُن کی کچھ مدد کرے۔ اس نے استغینیں چڑھائیں۔  
 اور حکم کا منتظر رہا۔ پھر امینہ نے وہاں ایک چوکی لاسجھائی۔ اور مزدور کو اپنے ہمراہ لیجا کر قریب کے والاں  
 سے دو کالی کتیاں نکال لائی۔ کہ ہر ایک کے گلے میں زنجیر سے بندھے ہوئے پٹے پڑے تھے مزدور  
 انہیں چوکی کے پاس لایا۔ انہیں دیکھ کر زبیدہ اُٹھی۔ اور تھنڈا سانس بھر کر استغین چڑھا کے صافی  
 کے ماتھے سے چابک لے لی اور مزدور کو کہا کہ ایک کتیا امینہ کو دیدے اور دوسری میرے پاس لے آ۔  
 مزدور نے جب تعمیل حکم کیا تو زبیدہ نے نہایت میدردی سے کتیا کو مارنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ اُسکا راس  
 پھل گیا۔ کتیا اسکے پاؤں میں سر دیکر چلاتی تھی مگر وہ ایک نہ سنتی تھی۔ جب اپنا معمول پورا کر چکی تو  
 اسکے اگلے نیچوں کو پکڑ کر خوب روئی۔ پھر رومال سے ہسکے آنسو پونچھے اور خوب پیار کیا اور مزدور سے  
 کہا کہ اب دوسری کو لائے۔ وہ دوسری کو لایا تو اس سے بھی اسی طرح پیش آئی۔ جب وہ فراغت  
 حاصل کر چکی تو مزدور کو وہیں باندھ آنے کا اشارہ کیا۔ جہاں سے انہیں لایا تھا۔ وہ اُسی جگہ سے

رات کے وقت بھیس پر لکر رعایا کا حال اپنی آنکھوں دیکھا کرتا تھا۔ اُس وقت بھی وہ اُس لباس میں  
 پھر رہا تھا۔ جب زبیدہ کے دروازہ پر پہنچا تو خلافت معمول شور و غل منکھڑ گیا۔ اُسکے ساتھ وزیر  
 جعفر اور خواجہ سرا مسرور بھی بھیس پر لے ہوئے تھے اور وہ سب اُس وقت سودا گروں کے لباس  
 میں تھے۔ خلیفہ نے وزیر کو ارشاد کیا۔ کہ دروازہ کھلاؤ۔ وزیر نے دروازے پر دستک دی مصافی  
 پھر دوڑی آئی اور دروازہ کھولا۔ وزیر اُس کی وجہ سے صورت دیکھ کر متحیر رہ گیا اور یہ طرزِ شائستہ  
 التجا کی۔ کہ بی بی! ہم تینوں سودا گر موصول کے رہنے والے ہیں۔ تین دن گزے۔ کہ اسباب تجارت ہلکے  
 لیکر یہاں وارد ہوئے اور ایک سر لے میں اترے ہیں۔ آج رات ایک سودا گر کے ہاں ہماری دعوت  
 تھی۔ اُسے برٹے تکلف کا کھانا کھلایا اور شراب پلا کر ناز رنگ کا جلسہ جایا۔ رات بہت گزر چکی تھی کہ  
 شور و غل کی آواز سن کر کووال اندر گھس آیا اور مجلس کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہم خوش نصیبی سے  
 ایک دیوار بھانڈ کر بچ نکلے۔ مگر شراب چو نکہ انداز سے زیادہ پی لی تھی۔ اور تھے ایشی۔ اندیشہ کیا۔ کہ ہمیں  
 راستے میں گرفتار نہ کر لئے جائیں۔ یہاں پہنچ کر آپ کے ہاں گالے بجانے کی آواز آئی تو دستک کر دی۔ اگر  
 تصویر زبیدہ و اہنیہ و مصافی اور تین کانے قلندر وول اور خلیفہ و جعفر و مسرور و خواجہ سرا کی





زبیرہ نے کہا۔ آ۔ مگر انہیں سمجھا دینا کہ ہمارے کاموں میں خواہ مخواہ دخل مت دیں۔ اور  
دروازے کا کتبہ بھی پڑھا دینا۔ عافی یہ حکم پا کر ان کاٹے قلندروں کو بھیجا کھٹاکر ہمارے آئی اور انہوں  
نے آستہم ہی آستہم اور زبیرہ کو سلام کرنے کے بعد محال کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ یہ شخص عریض ہو کر  
خلاف شرع شراب پی رہا ہے۔ اسے شرم نہیں آتی۔ زورور بخیدہ ہو کر لولا۔ مگر تم لوگوں نے

نقد و مسافران ایک چشم ہست و ملی



خلاف شرع سو پچیس ٹاڑھیاں کیوں منڈوا رکھی ہیں۔ تم اول مجھ کو بلا مت کرنے سے پہلے اپنی توخیر  
کے لیتے۔ لیکن ان تینوں بھینوں نے تکرار پڑھنے نہ دی، اور تینوں نوادروہماؤں کو کھانا کھلا کر  
شراب پلائی۔ جب وہ خود مست ہوئے تو بچانے کے لئے کوئی ساز باز کار عافی نے نکلی اور بالسی بخیرہ  
لا دیں۔ چہ نہیں لیکر وہ بچانے لگے اور ہر سہ بیٹیں انکے ساتھ سر ملا کر گانے میں مشغول ہو گئیں۔ تھوڑی  
دیر تک خوب دھماچو کرائی گئی۔

شہر یار جہاں تک پہنچ کر بولی۔ بادشاہ سلامت! یہ زمانہ خلیفہ فاروقی رشید کا تھا اور وہ

راز کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ علمندوں سے بھی کبھی راز کو نہ چھپانا چاہیے۔ غرض مجھ سے  
 راز کہنا گویا پنجرے میں کسی چیز کو بند کر کے چابی کو کھو دینا ہے۔ زبیدہ کو جب معلوم ہوا کہ مزدور  
 راز کندہ نائراش ہی نہیں۔ تربیت یافتہ بھی ہے تو اسے شریک صحبت کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن راز  
 راہ خوش طبعی بولی۔ کہ تو جانتا ہے کہ ہمارا اس سامان پر کس قدر خرچ آیا ہے۔ سب کچھ خرچ کئے گئے  
 کیونکہ شامل کر لیں۔ ان پائے کچھ ہو تو ہم اند۔ ہمیں بھی تامل نہیں ہے۔ حال یہ سنکر ہر جانتے  
 تو ہی سنا۔ امینہ نے اس کی سفارش کی جو اسے ساتھ لائی تھی۔ اور کہا کہ یا۔ شاطر ثابت ہو گا۔ ہر  
 خاطر نہیں بنے گا۔ اسلئے اسے روک لو۔ یہ بڑا خوش طبع ہے اور راستہ بھر بکے ہنساتا آیا ہے۔  
 مزدور یہ سفارش سنکر خوش ہو گیا۔ اور وہی ایک دینار جو ابھی اسے اجرت میں ملا تھا جبیدہ سے نکال کر  
 پیش کیا۔ کہ اس وقت میرا جیب بھرا ہوا ہے۔ مگر زبیدہ نے مسکاکر وہ دینار اسے لوٹا دیا۔ اور فرمایا  
 کہ ایک شرط سے تو ہمارے دل رہ سکتا ہے۔ بیٹے جو امر ہم تیرے سامنے کریں اسے پختہ مست  
 پھر امینہ نے ہر طرح کے اکل و شراب کے سامان و سترخان پرچن و لئے اور قبول اور قس و سترخان  
 ہر آبیٹھیں۔ مزدور کو بھی شریک طعام ہونے کا اشارہ ملا۔ اور وہ بھی ان پر تکیا پسندوں کے ہر ان  
 بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کی مسرت کی حد نہ تھی۔ راج اندر رہتا بیٹھا تھا۔ لکھا تھا کہ شراب کا نور  
 چلا اور غریب مزدور یہ کہہ کر کہ گریار سے پلائے تو پھر کیوں نہ پیچھے نہ تفرج سے کہ  
 غلٹ غلٹ کر کے چڑھا گیا۔ اور ایک چرلطف گیت گایا۔ جسے تینوں بیٹیوں نے پسند کیا۔ اور پھر  
 داری باری گانا بجانا بولنے لگا۔ رات بہت جا چکی تھی کہ صافی بولی۔ ہنوا اب مزدور سے کہو کہ  
 اپنے گھر جاؤ۔ یہ سنکر اس غریب کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ اور بولا کہ میں اس وقت کہاں لنگریں جاتا  
 پیروں گا۔ ایک نشہ میں ہوں اور دوسرے رات اندھیری ہے۔ خدا کے لئے مجھے کسی کو سننے میں  
 پڑ رہے ہو۔ امینہ نے پھر اس کی سفارش کی کہ غریب سچ کہتا ہے۔ ایسے وقت میں وہ کہاں مارا لیا  
 پھر دیکھا۔ زبیدہ نے کہا۔ اے لنگرا ایک خیال رکھنا کہ ہمارے کاموں میں اگر دخل دے گئے تو اس کا نتیجہ  
 ٹھیک نہیں ہو گا۔ جاؤ وہاں کوئے میں پڑ رہو۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور صافی دھڑ  
 کر دروازہ کھولنے لگی۔ دیکھا کہ تین درویش یک چشم و یک وضع دروازے پر کھڑے ہیں اور رات  
 بسر کرنے کے لئے التجا کرتے ہیں۔ وہ اُنے پاؤں واپس آئی اور اپنی دو بیٹیوں سے رائے طلب کی

## تصویر ایتھنہ کی مع تصویر صافی اور مزدور کے



رہا تھا کہ اس گھر میں تینوں عورتوں کے سوا کوئی آدمی کیوں دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اسباب خورش انہوں نے اس قدر سنگوہا ہے کہ تیس آدمیوں کو کافی ہو سکتا ہے۔ یہ بات کیلے ہے۔ اسے تائی میں پا کر زبید نے پوچھا کیا ہے اجرت تھوڑی ملی ہے۔ مزدور نے جواب دیا۔ بلکہ دو گنی۔ لیکن ایک عرض ہے اگر گستاخی پر محمول نہ کیجائے۔ میں آپ کے درمیان کسی مروجہ میں کو نہیں دیکھتا جو میرے لئے تعجب کا باعث ہے۔ وہ اسپر خوب ہنسی اور کہا۔ اے دوست! تو اپنی ناواقفانی کی باتوں کو اپنے پاس ہی رکھ۔ ہم تینوں جہتیں اپنے اسرار سے کسی چہرے کو آگاہ کرنا پسند نہیں کرتیں۔ کیونکہ عقلمندوں نے انھارے راز کے لئے تاکید کی ہے۔ حال بولائی بی بی یہ مجھے بھی معلوم ہے کہ آپ کی دورانہ لشی اور گتہ سخی میں کلام نہیں۔ لیکن آپ مجھے بھی سبک باطن نہ پائیجئے۔ کیا کرولی۔ میں اپنے پیشے کے ماتحتوں مجبور ہوں جو ذلیل تصور کیا جاتا ہے مگر آپ کو خیال رکھنا چاہئے کہ مجھے بھی علوم و فنون کی بیمار گت مطالعہ کی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ کیونکہ

بڑا سا ٹوکرا سامیتے رکھے بازار میں بیٹھا تھا کہ ایک حسینہ عورت نے ہنسے بوا یاہ مزدور رہنے لڑکرا  
 اٹھا یا اور جب احکام اسکے پیچھے پیچھے ہو لیا حسینہ نے آگے بڑھ کر ایک بندہ دروازہ سے روکتا  
 دی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک سفید ریش بزرگ نصرانی شکل نے آکر دروازہ کھولا حسینہ  
 نے کچھ روپے اسکے ہاتھ پر رکھ دیئے اور نصرانی نے نفیس شراب کی ایک ٹھلیا لاکر اسکے حوالے  
 کر دی جسے حسینہ نے مزدور کے ٹوکرے میں رکھا۔ پھر وہ بازار میں آئی اور انواع و اقسام  
 کے میوے طرح طرح کے پھول خوشبو دار عطریات نفیس برتے۔ لذیذ گوشت خشک و تر مصالح -  
 غرض ہر قسم کے ضروریات خریدیں جتنی کہ ٹوکرے میں کچھ گنجائش نہ رہی۔ تو مزدور غمناک بولا۔ اگر  
 مجھے خبر ہوتی تو پہنا گھوڑا ساتھ ہی نہ لے آتا۔ الغرض اُس نے ٹوکرا اٹھا کر سر پر رکھا اور اُس  
 عزت کے کچھ پیچھے پیچھے ہوا۔ بہت سے گلی کو چلے گئے کے بعد وہ ایک عالیشان حویلی  
 کے دروازے پر پہنچا۔ جسکی پیشانی بیل پائوں سے آراستہ تھی اور دروازوں میں ماسی دانت بڑا  
 ہوا تھا۔ عورت نے وہاں دستک دی اور مزدور سوچنے لگا کہ یہ گھر کی مالک ہے یا کبوتر۔ مگر وہ کچھ  
 فیصلہ نہ کر سکا۔ چاہتا تھا کہ پوچھ سکے۔ اتنے میں دروازہ کھلا۔ اور ایک اور عورت چند کے آتی یہ  
 دچندے متاب نظر آئی۔ جسے دیکھ کر وہ سچو ہو گیا اور قریب تھا کہ بوجھ اُس کے سر سے گر پڑے  
 مگر جو عورت اُسے ہمراہ لائی تھی وہ تاشا دیکھنے لگ گئی اور دوسری نے کہا۔ تم دیکھتی نہیں غریبہ  
 بوجھ سے دیا جا رہا ہے۔ اُسے گھر میں لیجا کر جلدی سے بوجھ اتر والے۔ غرض وہ دروازہ بند  
 کر کے اور مزدور کو ساتھ لیکر اندر آئیں جس کے اندر چاروں طرف پیلپاؤں کے برآمدے بے پتہ  
 ہو گئے تھے۔ اور ایک طرف دیوان خاص میں سنگ مرمر کے مریض تخت پر ایک اور حسینہ بصرہ  
 شان و مکتب بیٹھی ہوئی تھی جسپر نظر پڑتے ہی حائل کے حواس گئے پڑا ہونے۔ اگرچہ وہ غیر  
 معمولی بوجھ اٹھانے کے باعث متحک گیا تھا۔ مگر اُس عورت کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔ سخت  
 والی حسینہ نے باقی دروزں کو حکم دیا کہ جلدی مزدور کے سر سے بوجھ اتر والیں۔ چنانچہ انہوں  
 نے ٹوکرا اتر لیا اور ایک دیتار اُبرت کا اُسکے حوالے کیا۔ مزدور نہایت خوش ہوا۔ مگر ان  
 تینوں عورتوں کے دیرار سے اُس کی سیری نہیں آتی تھی۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ اُسکو لانے  
 والی کا نام امینہ ہے۔ دروازہ کھولنے والی اور سخت نشین کا زیبا ہے۔ وہ یہ بھی

اُسے سینہ سے لگا کر تسلی دی کہ شکر کرو۔ اُس بد ذات کے ہاتھ سے تم سب سے چھوٹے۔ مالکِ ارض  
 بنا دے اُسے ہزاروں دعا میں دیں۔ اور دوزانو ہو کر درگاہِ والا کا شکر گزار ہوا۔ جوان نے  
 کہا۔ کیا اب آپ اپنے شہر کو لوٹ جائیگے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ ہاں! آؤ تم بھی چلو۔ حضور  
 تناول فرما کر واپس چلے آتا۔ جوان نے کہا۔ شاید آپ خیال کرتے ہو گئے کہ آپ کا ٹک پہاں سو  
 قریب ہی ہے۔ مگر نہیں وہ پہاں سے پورے سال بھر کی راہ ہے۔ یہ تو اُسی جاؤ گئی کا کار  
 تھا۔ کہ میری مملکت کو آپ کے متصل کر دیا۔ تاہم دور و نزدیک کی کچھ پرواہ نہیں۔ آپ جہ  
 محسن ہیں۔ اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں ہر وقت ہمرکاب ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر  
 یہی بات ہے تو تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر میں لاؤں ہوں۔ اسلئے میں تمہیں اپنے  
 ملک بھی وارث مقرر کرتا ہوں پھر دونوں کے آپس میں معافہ کیا اور بادشاہ تین ہفتہ تک ٹران  
 ترک شامانہ کے ساتھ رہا۔ چوتھے ہفتے دونوں بڑی شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئے۔  
 جب شہر قریب آگیا تو بادشاہ نے ہر کارے بھیج کر اپنی آمد کی اطلاع کرائی اور امرار ہتھیال کے  
 لئے شہر سے باہر دُور تک آئے۔ اور اپنے بادشاہ کو بذات کے بعد صحیح و سلامت پا کر زمین پوس  
 ہو کے عرض کی۔ خداوندِ نعمت! آنکھیں چھوڑ کا۔ ہوش دیکھتے دیکھتے تھک بھی گئیں ہمیں شکر ہے کہ  
 آپ کو صحیح و سلامت پایا یہ سلطنت میں ہر طرح سے امن و امان ہے۔ پھر جب وہ شہر میں پہنچے  
 تو رعایا نے تپاک اور گرجو شعی سے استقبال کیا۔ دوسرے دن سلطان نے بھرے دربار میں  
 حکمران جزائریہ کی سرگذشت سنا کر کہا کہ میں نو جوان کو اپنا وارث مقرر کرتا ہوں یہ تمہیں بھی  
 لازم ہے کہ اُس کی اطاعت کی نذر میں پیش کرو۔ ارکانِ دولت نے اپنے بادشاہ سے عہد کی جوت  
 تعمیل کی۔ پھر سلطان نے ماہی گیر کو پلا کر بہت انعام و اکرام دیا۔ جو والے جزائریہ کی خلاصی کا  
 اصلی موجب ہوا تھا۔

شہزاد کو کہاں بناں سنا کر جان بچاتے ہوئے یہ ناؤں بارات تھی۔ جب کہانی ختم ہو چکی تو نو بہارات  
 ابھی باقی تھی کہ اُس نے کہا خداوندِ اجمال کی حکایت اس سے بھی زیادہ دلکش اور عجیب ہے فراموش نہ  
**حال اور پانچ خوبصورت عورتوں کی حکایت**  
 کہتے ہیں بغداد میں ایک مزدور تھا جو محنت مزدوری کے علاوہ مشہور بدلتہ کو تھا۔ ایک دن وہ اپنا

کر رکھتا ہے اور روز مارا کرتی ہے جس سے وہ چھتا اور چٹا تار ہوتا ہے۔ میں اس ظلم کو سن نہیں سکتا۔ اس لئے تیرے ساتھ بولنا نہیں چاہتا۔ ملک نے کہا اگر تیری رضا آتی ہے کہ میں اسے چنگا کر دوں اور نہ مارا کروں۔ تو میں ایسا ہی کر دیتی ہوں۔ مصنوعی حبشی نے جواب دیا۔ اہل! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ ملک نے اس وقت ایک پیلے میں پانی لیا اور اسپر کوئی کلام پڑھنے لگی۔ حبشی کہ پانی نے جوش مارا۔ پھر وہ اسی دالان کی طرف گئی۔ جہاں وہ جان بے بس پڑا ہوا تھا اور اسپر پانی ڈال کر بولی۔ اگر تیری حالت پیلائی نہیں ہے تو اس پانی کے اثر سے اپنی اصلی حالت پر آجا۔ پانی کے پڑنے ہی جان حکمران جزا پر سیاہ بچوں کا ٹوں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور خدا کا شکر یہ ادا کیا۔ ملک نے حکم دیا بھلا جا ہو تو فوراً یہاں سے کسی طرف کو نکل جاؤ۔ اور واپس نہ آؤ۔ ورنہ جان سے مار دوں گی۔ پھر وہ ماتم سر کو واپس آئی۔ اور مصنوعی حبشی سے بولی۔ میرے دل کے مالک تمہارے حکم کی تعمیل کر آئی ہوں اور اپنے خاوند کو چنگا کر کے یہاں سے نکال دیا ہے اب تمہیں تسلی دیجئے۔ مصنوعی حبشی نے جیشا نہ لے میں جواب دیا۔ مگر میری تشکین خاطر کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ تم نے اس ولایت کی ساری رعایا کو مچھلیاں بنا کر تالاب میں قید کر رکھا ہے اور ملک کو ویران کر دیا ہے۔ ہر روز آدھی رات کے وقت وہ مچھلیاں تالاب سے باہر سر نکال نکال کر کہیں بد دعا دیتی رہتی ہیں۔ اور اس لئے مجھے صحت بھی حاصل نہیں ہوئی اور اب جلد جا اور آ نہیں ان کی اصلی حالت میں لے آ۔ یہ امر سنتے ہی ملک نے پانی پر کلام پڑھ کر تالاب میں چھڑکا۔ وہ سب مچھلیاں اپنی اپنی شکل پر آگئیں اور بدستور کائنات اور دوکانیں آباد دکھائی دینے لگیں۔ اور سب نے اپنی چیزوں کو جہاں چھوڑا تھا وہیں پایا۔ بادشاہ کا لشکر اور سران لشکر اپنے شہر سے دور فاصلے پر جا بیٹھے۔ اور اپنے تئیں ویرانے سے آبادی میں پا کر حیران ہوئے۔ ملک پھر ماتم سر میں پہنچی۔ اور ہافاز بلند لپکاری۔ میری جان! میں نے تیری خاطر سب کو اصلی شکل پر بنا دیا ہے۔ اب تو برائے خدا اٹھو اور اپنا ماتم مجھے دو یا بادشاہ پھر مصنوعی جیشا نہ انداز سے بولا۔ خواتم آگے۔ ملک آگے گئی سلطان نے کہا اور آگے۔ ملک اور آگے ہوئی۔ بادشاہ نے اسے دیکھنے کی بھی فرصت نہ دی اور ایک تالا ہوا ماتم تلوکار کا ایسا مارا کہ بد ذات ملعونہ کا سر کٹ کر دُور جا پڑا۔ اسکی لاش بھی اسی اندھے کنوئیں میں پھینکا دی۔ اور بادشاہ آپ دکھتے جان کی تلاش میں روانہ ہوا۔ محلات سے تھوڑی دُور پر اسے پایا۔ اور

چاروں طرف پر رکھ دیا ہے۔ اور ابھی اُس کا غصہ نہیں مٹا۔ بلکہ روز مجھے ایک سوچا ایک ارچائی تہے  
 جس سے بدن لہو لہان ہو جاتا ہے۔ اور مارنے کے بعد بکری کے بالوں کا ایک کنبیل زخموں پر ڈال کر  
 اوپر سے زر کی قبا پہنا دیتی ہے اور طنز اُکھتی ہے۔ یہ مظلوم جزائر سیاہ کا مالک اپنے تئیں ایسی ذلت  
 سے نہیں سچا لیتا۔ جو ان پناستک پہنچ کر چڑھانے اور بارگاہ الہی سے دعا مانگنے لگا۔ کہ اے ارحم  
 الراحمین! میں تیرے ہی انصاف کا اُمیدوار ہوں۔ اگر تو اُسی پر مبنی ہے کہ میں سطح جو رستم سہارن  
 کو میں صبر و شکر کے ساتھ انہیں برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یا دشاہ یہ حال دیکھ اور کُند  
 نہایت پریشان ہو گیا اور ارادہ کیا کہ مکہ سے انتقام لے۔ اس لئے اس جوان سے پوچھا کہ وہ یہ عیا  
 ساحرہ رہتی کہاں ہے؟ اور اُس کا جہنمی بار کہاں ہے؟ وہ کھٹے جوان نے کہا۔ مکہ کا مسکن تو میر  
 نہیں جانتا۔ مگر ماتم سرا اس قلعہ سے لگا ہوا ہے۔ ان اتل مجھے معلوم ہے۔ کہ وہ ہر روز صبح کو  
 مجھے سزا دیکھنے کے بعد کوئی عرق سالیجا کر اپنے بار کو پلاتی ہے جس نے اُسے ایسا مرنے نہیں دیا  
 بادشاہ نے جواب دیا تم سے زیادہ قابلِ رحم شاید ہی کوئی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اس ملعونہ سے  
 تمہارا بدلہ لوں۔ چنانچہ اس دن وہیں رہے اس کا ارادہ کر کے بادشاہ سو رہا۔ کیونکہ دن ختم ہو چکا اور  
 جوان حسبِ معمول جاگا کیا۔ کیونکہ جادو کا اثر اُسے سوتے بھی نہ دیتا تھا۔ دوسرے دن بادشاہ  
 علی الصبح جھپک ماتم سرا میں پہنچا۔ جہاں چرغال ہو رہا تھا۔ پھر اُس ملعون جشی کی لاش کے ایک ہی  
 ہاتھ میں دو ٹکڑے رکے کونٹیں میں پھینک دئے۔ اور آپ اُس قبر میں جہاں دو زندہ لاش پڑ چکی تھی  
 کھتی تلوار سوت کر دراز ہو رہا۔ اتنے میں جوان کے رونے چلانے کی آواز آنے لگی جو زمانے کے  
 لئے عاجزانہ التماس کر رہا تھا مگر جادو گر کی ہلکے اسکی ایک بھی نہ سنتی تھی۔ یہاں سے فراغت پا کر  
 پھر وہ ماتم سرا میں گئی اور حسبِ معمول اچھا سوز و گداز بیان کرنے لگی۔ میرے پیارے خدا  
 کے لئے افسردہ رہے اتھانی چھوڑے اور ایک ہی بات میرے ساتھ کر لے تاکہ میری تسلی ہو میں تیرے  
 لئے کُڑھ رہی ہوں۔ بادشاہ نے حسبِ قبول کے لیے میں بڑی ضعیف آواز سے مکہ کو جواب دیا۔  
 کہ اسے عورت! تو مستحق نہیں ہے کہ میں تیرے ساتھ کلام کروں۔ مکہ کی باچھیں کھل گئیں۔  
 اور وہ بولی۔ کہ پیارے اس کا سبب کیا ہے۔ یہ مصنوعی جشی نے جواب دیا کہ تیرے خصم کے چلانے  
 سے میرا سوتا حرام ہو گیا ہے۔ میں کُتب سے اچھا ہو گیا ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اُسے جادو



یار کو وہاں لار رکھا۔ اور کوئی ایسی دوا اُسے پلاتی رہی۔ کہ وہ باوجود کاری زخم لگنے کے مر نہ سکا۔ اگرچہ زندگی بھائی نشان بھی اُسکے چہرے سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ ایک خاص وقت پر روز اُسے دوا چلاتی رہی اور وہ وقت برابر عاضری دیتی رہی۔ وہاں جا کے اُس سے محبت کی باتیں کرتی۔ اور اپنے دل کو اطمینان دے آتی۔ گو مجھے یہ سب سمجھ معلوم تھا مگر میں نے عرصہ تک اپنے تئیں فہم نہ کیا۔ اچانک بنا کے رکھا۔ ایک دن وہیں جو آئی تو اسی ماتم سرا میں چپکے چپکے کی محبت آمیز باتیں اپنے کانوں بھی سن لیں۔ جو وہ اُس زندہ لاش سے کر رہی تھی۔ گو مجھے غصہ آیا۔ مگر پھر پی گیا۔ اور جب بلکہ وہاں سے کوئی۔ تڑپنے اُسے صبر و سکین کے لئے ہدایت کی۔ مگر مر بن بڑھتا گیا۔ جس کی وجہ واد کی والی بات ہوئی اور وہ زیادہ تر چاٹنے لگی۔ ناچار میں چپ ہو رہا۔ حتیٰ کہ پوسے دو سال گذر گئے اور بلکہ کے معمول میں تاغیر نہ ہوا۔ تیسرے سال کے آغاز میں پھر میرے دل میں اُس لعین کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں دوبارہ ماتم سرا کی اسی پہلی جگہ میں جا کے چھپ رہا۔ بلکہ نے پھر اُس کے حسب معمول گرد آنا شروع کیا کہ اُسے میرے پیارے! تیری منتیں کرتے مجھے تیرا سال شروع ہوا ہے۔ اور تو آٹھ تک پہنچ نہیں آسکتا۔ بلکہ کچھ تو منے سے بول۔ ایسی رکھاؤ بھی کس کام کی میں سچ کہتا ہوں۔ اب کے میں مضبوط نہ کر سکا اور تلوار کھینچ کر کہیں گاہ سے نکل آیا کہ دونوں کھینچوں کا سر جڑا کے ہر روز کا جھگڑا پا ک کر دوں۔ لیکن بلکہ نے مجھے دیکھ لیا اور وہ پھر کر مجھ پر چھٹی گویا مجھ کو چبا جاسکی۔ اور یوں کی محنت اکیلا تو نہ ہی یہ کانٹے پورے تھے۔ اور میرے معشوق کو زخمی کر کے مجھے مصیبت میں تو نہ ہی ڈال سکا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ اہ! جیسے ہی اس ملعون کو مار لیے۔ اور تو بھی اسی سزا کے قابل ہے۔ کہ تو نے میری غمت کو تباہ کر دیا۔ یہ کہہ کر میں تلوار چلائے کی بہتری کوشش کی مگر اُسکے جاوے میرے اٹھ کو ہٹنے تک نہ دیا میں اُسکے الفاظ کو سمجھ نہیں سکا۔ جب وہ اپنا افسوس پڑھ چکی تو کہا کہ میں حکم کرتی ہوں۔ تیرا آدھا بچلا حصہ پھیر کر ہوجائے اور اوپر سے جوں کا توں بنا ہے۔ زناں بعد وہاں سے اٹھا کر اُسے مجھے یہاں لار رکھا۔ میرے شہر کو جھیل بنا ڈالا۔ بلکہ ویران کر دیا۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا۔ میرے ملازموں اور اہل شہر کو چار رنگ کی مچھلیاں بنا کر اُس جھیل میں پھینک کر دیا۔ سفید مچھلیاں مسلمان ہیں۔ سرخ آتش پرست کھلے عیسائی اور زرد بودی ہیں اور چار رنگ کے جو میری مملکت سے متعلق ہیں انہیں چار پارٹیاں بنا کر تالا پکے

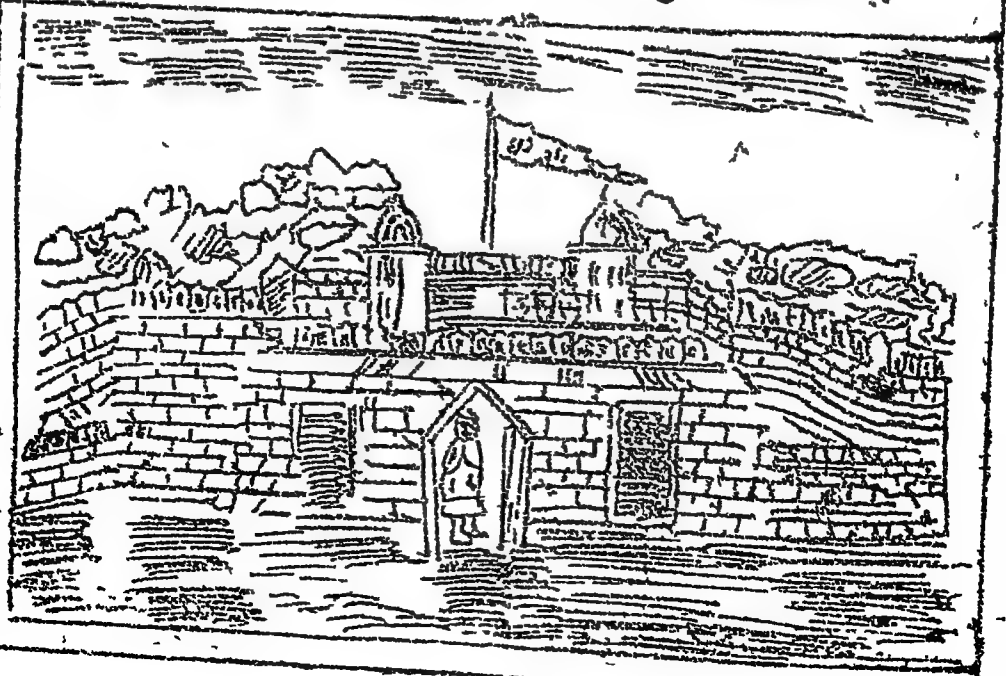
گھس گئی۔ جو چاروں طرف گنجان جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ میں بھی وہیں پہنچا۔ اور ایک جینا فزی  
 میں چپکے کھڑا ہو رہا۔ دیکھا کہ بد نصیب ایک غیر مرد کے ساتھ ٹپکلی رہی ہے۔ اور راز و نیاز کی باتیں  
 کرتی جاتی ہے کہ میں تو دل و جاں سے تیرے شاعر ہوں ہی ہوں اور مرنی جاتی ہوں۔ اور تو میری خواہ  
 بھی نہیں کرتا۔ بلکہ اتنی ملامت ہی کرتا رہتا ہے۔ اگر تجھے میرا استکان منظور ہے تو ابھی حکم دیے  
 کہ شہر کو بھیڑیوں اور کٹکڑی کا مسکن بنا دوں۔ انہی باتوں میں وہ دونوں تھمتے ٹٹکتے عین اُس  
 جھاڑی کے قریب پہنچ گئے جس میں میں چھپ رہا تھا۔ پھر دونوں نے کوسا چاٹا۔ اور وہ مرد سپر  
 برابر ہو کر نکلا۔ پہنے وقت کو ہاتھ سے دہانہ چاٹا اور فوراً اشتعال میں آکر تلوار نکال جینے کا تلا تھا  
 ایک اسیانہ دیا۔ کہ وہ بد ذات زخمی ہو کر زمین پر جا پڑا۔ ملکہ چونکہ میرے چچا کی بیٹی تھی۔ اس لیے  
 اسکا مینے فی الحال کوئی خیال نہ کیا۔ اور جلد و بے پاؤں پھرا۔ کہ ملکہ کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ مقتول  
 نے گوگرد زخم کھایا تھا۔ ملکہ نے اپنے جادو سے اُسے سنبھال لیا۔ تاہم وہ نہ زندوں میں رہا اور  
 نہ مردوں میں۔ ہاں مینے دسٹے ہوئے سنا تو یہ سنا۔ کہ ملکہ اپنے بارسے زخمی ہونے سے روکنے اور  
 پیٹنے لگی۔ میں اُسے وہیں چھوڑ کر آپ بیکر ہو کے سو رہا۔ اور صبح اٹھ کر ملکہ کو سوتا ہوا بتل میں پایا  
 مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ جاگ رہی تھی یا سوئی ہوئی تھی۔ غرض میں تیار ہو کر دربار میں گیا اور جیاس  
 کے بعد واپس آیا تو کھر بنی پیش پڑ رہی تھی۔ ملکہ کو ہاتھی لباس میں پایا اور اُس نے سر کے بال  
 نو چکڑ کہا۔ صاحب اچھے مین بد خیر میں متواتر گوشن و دیوئی ہیں۔ اس لیے میرا بہ حال ہے۔ مینے  
 وہ خیریں دریافت کیں تو جواب ملا کہ ایک تو میری پیاری ماں تے رطبت کی ہے۔ دوسرے میرا  
 باب لڑائی میں آیا ہے اور تیسرے میرا بھائی بلندی سے گر کر مر گیا ہے۔ لیکن مینے کچھ علم کا اظہار  
 نہ کیا۔ کیونکہ یہ بھیڑیں میری ہی چھیڑی ہوئی تھیں۔ مگر مینے تحقیق کر لیا کہ اُسے میرے پر کوئی شبہ  
 نہیں ہے۔ یہ کہنا مینے اُسے تسلی دی کہ تمہارا اظہار الم آمار سدا و تمدی میں سے ہے۔ جذا  
 کرے تمہارا ماتم خوشی سے ہل جاتے۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جا کر روئے چلائے لگی اور پوچھی  
 پورا بنال بھرماتم میں رہی زان بعد مجھ سے محل میں ایک مقبرہ بنا دینے کی فرمائش کی کہ جس کے  
 اندر وہ چھپی رہ کرے۔ مینے کوئی فرما نہ کی۔ اور اُسے ایک عالیشان گنبد تیار کرا لیا۔  
 جو بیابان سے نظر آتا ہے۔ اور اسکا نام اسرار رکھا گیا۔ جب وہ مکان تعمیر ہو چکا۔ تو اُسے اپنے

## دیکھئے جوان کی کہانی اُسکی اپنی زبانی

میرا باپ محمود شاہ جزائریاہ کا حکمران تھا۔ جنگا مشہور نام چار کوہ ہے اور اُسکی دارالسلطنت اُس جگہ پر تھی۔ جہاں وہ تالاب واقع ہے۔ جب میرا باپ راہی جنت ہوا اور مجھے عثمان حکومت ملی تو میری شادی چچا کی بیٹی سے ہوئی۔ جو بظاہر مجھے نہایت پیار کرتی تھی۔ اور میں بھی اُسے دل سے چاہتا تھا۔ پانچ برس تک اس اُلفت کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ مگر اُسکے بعد اس کی طرف سے کچھ کچھ کھجواڑ معلوم ہونے لگی۔ ایک دن بعد طعام چاشت وہ حمام کو گئی۔ اور میں آرام کے لئے لیٹ گیا اور ملک کی دوزخ میں سر نہانے و پانی پیتی بیچا جھٹکھا کرنے لگیں۔ انہوں نے سبھا کہ شاید یہ سو گیا ہے مگر اصل میں اُس وقت میرا نصیب سونے لگا تھا میں کان دیکر اُنکی گفتگو سننے لگا۔ ایک نے کہا۔ بلکہ بڑی جرح ہے۔ کہ ایسے حسین بادشاہ کو پیار نہیں کرتی۔ دوسری نے کہا تو سچ کہتی ہے معلوم نہیں وہ اسے تنہا چھوڑ کر کہاں جاتی ہے اور بادشاہ کو بھی کچھ خبر نہیں پھر پہلی نے جواب دیا کہ خبر کیر نہ ہو وہ تو اسے داروئے بیہوشی پلا کر جاتی ہے جسکے نشہ میں یہ محو رہتا ہے اور وہ جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے۔ صبح کو خود ہی کوئی چیز سگسا کر بیدار کر لیتی ہے اس گفتگو کے سننے سے میرا کلیجہ پھٹ گیا۔ مگر اُس وقت بیٹے ضبط کیا اور یہاں کہے بیدار ہوا۔ استغنیٰ ملک بھی حمام سے آگئی اور باتوں میں غلام شام کا وقت بھی آگیا یہ کھانا بھی اُس وقت نے بلکہ کھایا اور فراغت کے بعد ملک حب محمول میرے لئے شربت کا ایک گلاس لائی۔ بیٹے گلاس کو اُسکے ماتھے سے بیک نظر سچا کے شربت تو پھینک دیا۔ اور آپ خاموش لیٹ رہا۔ بلکہ بھی میری بٹل میں آلیٹی۔ اور جب بیٹے خراٹے پھر کر اُسے یقین دلایا۔ کہ میں گدڑی تیند میں سو گیا ہوں تو وہ چپکے سے اُٹھی اور بازو بلند ایک ستر پڑھ کر میری طرف منہ کر کے کہا کہ اب غافل ہو کے سو جا اور جب تک نہیں نہ جگاؤں نہ جاگیو۔ پھر وہ بزدلی کپڑے پہن کر کمرے سے باہر نکلی۔ بیٹا بھی جھٹ کپڑے پہن اور تلوار لیک قدم قدم ساتھ ہی ہولیا۔ مگر اتفاقاً صلہ رکھ لیتا تھا کہ وہ میرے قدموں کی چاپ نہ بھاتا سیکے مقتول دروازے اُسکے پاؤں کے زو سے خود خود کھیلنے چلے گئے جب وہ آخری دروازے پر پہنچی۔ جو ایک باغ میں کھلتا تھا اور مگر اندر جانے کو تھی میں اڑ میں ہو گیا۔ اور اُسے دیکھتا رہا کہ کدھر جاتی ہے۔ وہ ایک تختے سے گزر کر ایک جھیل میں

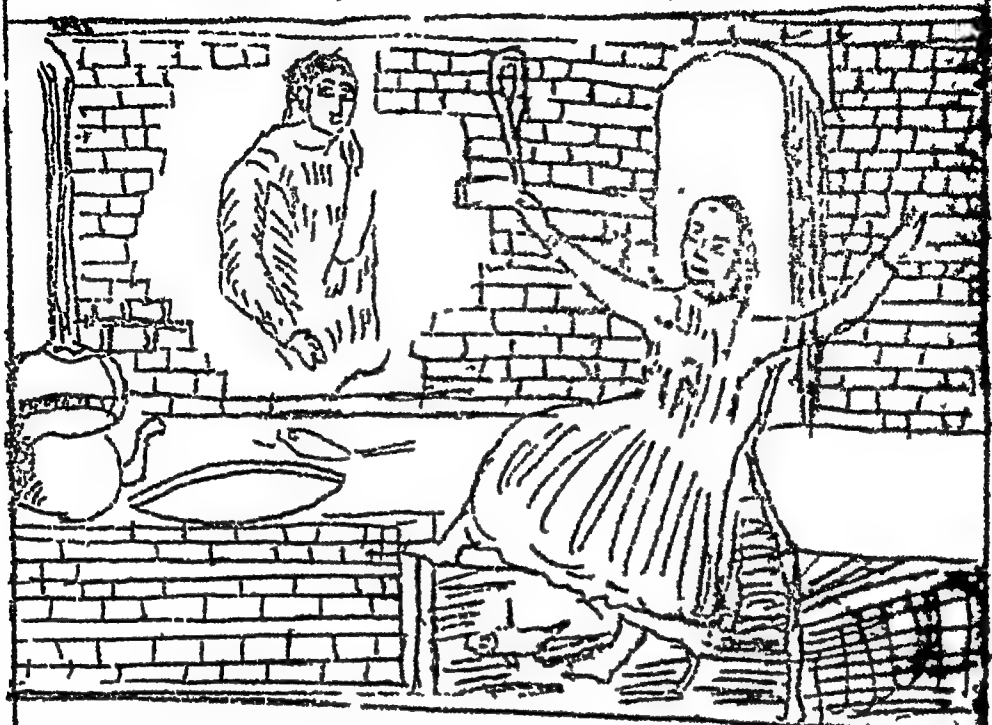
گھس گیا۔ اور ڈوڑھی میں کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارا۔ مگر اندر کوئی سہوتا تو جواب دیتا۔ اور بھی  
جبران ہوا۔ اور ڈراتا ہوا اندر چلا گیا۔ جلے دیکھا کہ بہت بڑا محل ہے مگر ویران۔ پھر وہ ایک  
دالان میں گھس گیا۔ جہاں ریشمی قالین بچھ رہا تھا۔ چاروں طرف دیو اور سپر سیاہ کپڑا منڈا ہوا  
تھا اور دروازوں پر زردوزی نعلی پرے لٹکے ہوئے تھے۔ وہیں ایک حوض بھی دکھائی دیا جسکو  
چاروں طرف کونوں پر سونے کے چار شیر بیٹھے تھے۔ اور ہر ایک کے منہ سے فوارہ نکل کر  
پانی سنگ زمر کے فرش پر گرتا تھا۔ حوض کے بیچوں بیچ ایک فوارہ اترتا بلند اٹھتا تھا۔ کہ  
بارہوری کے پلے تک پہنچتا تھا۔ پلے کے ارد گرد عربی عبارت کندہ تھی۔ اور قلعے کی تین طرف  
خوشنما باغ لگا ہوا تھا۔ جس میں جا بجا فوارے چھوٹ رہے تھے اور ہر چیز نہایت قرینے سے  
رکھی تھی۔ درختوں پر چال پڑے تھے۔ کہ کوئی پرندہ اڑ کر یا ہرنہ جاسکے۔ بادشاہ ایک کمرے  
سے دوسرے کو جاتا جاتا تھا۔ اور ایک مکان میں بیٹھ کر باغ کا نظارہ دیکھنے لگا۔ ناگہان  
ایک دروناک آواز اُس کے کان میں آئی۔ بادشاہ نے جھڑپے کا پردہ اٹھلے دیکھا۔ تو  
ایک جوان حسین شانمانہ لباس پہنے ایک تخت پر بیٹھا زار زار رو رہا ہے۔ اور قسمت کی فریادیں  
کر رہا ہے۔ بادشاہ نے قریب جا کر سلام علیک کیا۔ اُس نے عرض کیا کہ مجھے معاف رکھنا میں آپکی  
تعظیم کے لئے اٹھ نہیں سکتا۔ کیونکہ مجبور ہوں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ میں تمہارے حسن اخلاق  
سے کمال خوش ہوا ہوں۔ اس لئے تم تعظیم کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ مگر تمہاری مصیبت دیکھ کر میرا  
دل جل اٹھا ہے۔ فقط تمہاری مدد ہی کے لئے میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ اپنے دکھ درد سے  
مجھے جلدی آگاہ کرو۔ تاکہ میں حتی الامکان اُس کے رفع اور کمی کی سب سے پہلے تم تالاب اور  
اس کی رنگین مچھلیوں کا حال بتاؤ۔ پھر اس قلعے اور محل کی کیفیت سنانا۔ نیز یہ کہ تم یہاں  
کیلے کیوں بندھے ہوئے ہو۔ جوان رو پڑا۔ اور قبا کا دامن اٹھا کر اشارہ کیا۔ کہ دیکھو۔ میں  
سر سے توناف تک آدمی ہوں اور نیچے سے کالے پتھر کی مورت بادشاہ سخت متحیر ہوا۔ اور کہا  
کہ پریشانی تو مجھے گھر کا رنگ دیکھ کر ہی لگ گئی تھی۔ مگر تمہاری حالت نے میرے دل پر بجلی  
گرا دی ہے۔ خدا کے لئے جلد اپنی سرگزشت بیان کر۔ جوان پھر رو پڑا۔ اور کہا اگر چہ مجھے  
اتنی طاقت نہیں ہے تاکہ آپکے فرمان کی تعمیل بھی شرط ہے۔ اس لئے سنئے ۔

ماجر ہے؟ شام کے وقت وزیر کو بلا یا اور پوچھا کہ دفعہ یہ تالاب یہاں پر کیوں نمودار ہو گیا ہے؟  
 کہ کو پانا چاہئے۔ جیسی کامیر کے خلد تھانہ میں آنا اور پھلیوں کا بولنا بھی کوئی ضرور رات پہ چس کے  
 دریافت کرنے کے لئے میرا دل بھیجین ہوتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اکیلا جاؤں اور  
 تو میرے خیمہ میں ٹھہر کر اٹھائے رات کر کے کل جیب ایل دربار میرے خیمے کو حاضر ہوں تو علالت کا  
 پیمانہ کر دیجو۔ اور جب ملک میں نہ آؤں۔ خبردار یہاں رہا کے میری ہدایت پر عامل رہیو۔ وزیر نے  
 ہر خیز منع کیا اگر وہ کب سوتا تھا۔ نکار کے کیر فے پر شک تو اراقتہ میں لی اور رات کے وقت تن تنہا  
 ایک پیادھی کا رخ کیا۔ وہ اسے جلد ہی بچو کر گیا اور آگے جا کر ایک کھد ست میدان دیکھا۔ جہاں  
 چلتے چلتے سورج دلیو تا بھی نمودار ہو گئے۔ بادشاہ تے دور سے ایک عالیشان محل دیکھ کر  
 گمان کیا کہ ضرور یہاں عمدہ کشتالی ہوگی۔ محل کے ارد گرد سنگ سیاہ کی فصیل تھی اور نیچے سے اوپر  
 تک فولادی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ کی جتنی آچنے کو پرے رکھتی تھی اور اس کے دروازے  
 کے قریب جا کر اٹھا اور جب دچنگ کوئی آدمی دیکھا تو قیاساً دیکر غلط فہمی سے کہ کوئی آدمی با  
 آئے۔ مگر جب کوئی آدمی باہر نہ نکلا تو اسے زور سے دروازے کو کھٹکایا۔ مگر سچ جواب دیا کہ اندر  
 تھوڑے قلعے اور اس کے کھیلن عالیشان اور دال کے سبھی سبات کی



ایک پہلو سُرخ ہو گیا۔ چاہتی تھی کہ دوسرا پہلو لٹے کہ وہی دیوارِ شوق ہو گئی۔ اور اُس میں سے وہی حسینہ نکلی۔ آج وزیر نے باقی کی کیفیت بھی سیٹھ سے ملاحظہ کی جیسے کل بادِ چمن نے دیکھی تھی۔ اب اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ اس حال کا بادشاہ سے ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جب بادشاہ نے اس ماجرے کو سنا تو کمالِ تعجب سے خود بھی اُسی نظائے کا دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور ماہی گیر کو بھرا بھر دیکھی ہی چار پھلیاں پکڑ لایا حکم دیا۔ ماہی گیر نے تین دن کی محنت طلب کی جو عطا کی گئی اور تیس دن حسب وعدہ بادشاہ کی ڈرائش پوری کر کے چار سو اشرفیاں انعام لیا۔ بادشاہ نے خلوت خانہ خاص میں اُنکے پکڑنے کا سب سامان منگا کر وزیر سے فرمایا کہ تو انہیں خود ماہی سے بھون۔ وزیر نے جب انہیں تیار کر کے ماہی کو توے پر روغن میں چھوڑا۔ اور ایک پہلو سُرخ ہونے کے بعد دوسرا پہلو بدلتا چاہتا تھا کہ خلوت خانہ کی ایک دیوار پھٹ گئی۔ اور اُس میں سے خوبصورت بی بی کی جگہ ایک بھاری بھر کم حدی غلام موٹا سا عصا ماتھے میں لئے نکلا اور ماہی توے کے قریب آ کر بڑی کڑختی سے پکارا۔ پھلیو! کیا تم اپنی بات پر قائم ہو؟ پھلیوں نے فوراً جواب دیا۔ ااں! ااں! ااں! اس کلام کو سننے ہی اُس نے ماہی توے کو الٹ دیا۔ اور آپ شکاف میں جا کر غائب ہو گیا۔ دیوار جوں کی توں بنگئی۔ بادشاہ نے کہا یہ ماجرا اس سے خالی نہیں میں چلتا ہوں۔ کہ اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ پھر ماہی گیر سے پوچھا۔ تو یہ پھلیاں کہاں سے لایا تھا۔ اُسے تالاب کا پتہ بتایا۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا۔ وزیر نے عرض کی دیکھا تو کجا بیٹے آج تک سنا بھی نہیں کہ اس پہاڑ کے پاس کوئی تالاب ہو۔ ساتھ برس سے میرا ہر شکار رکھنے جاتا ہوں۔ لیکن میں نے تو وہاں کوئی تالاب نہیں دیکھا۔ پھر بادشاہ نے ماہی گیر سے دریافت کیا۔ اور کوئی پتہ بتاؤ۔ اُس نے جواب دیا۔ حضور! جین گھڑی کی راہ ہے۔ خود چلک ہی دیکھ لیں۔ بادشاہ نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا۔ پھر سوار ہو کر ماہی گیر کے پیچھے پیچھے اُس پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور دوسری طرف اتر کر میدان میں ایک تالاب دیکھا۔ جس کے چاروں کناروں پر چار ٹیلے تھے اور تالاب میں رنکارنگ کی پھلیاں تیر رہی تھیں۔ بادشاہ نے سخت تعجب کے ساتھ اپنے ہمراہیوں سے دریافت کیا۔ کہ انہیں سے کسی نے کبھی اسے دیکھا ہے۔ مگر سب نے کانوں پر اٹھ دھرے۔ آخر خیمے وہیں لگ گئے۔ اور شام تک کچھ پتہ نہ لگا۔ کہ یہ کیا

کھڑی ہو گئی۔ اور اپنی چوڑی سے ایک پھلی کو پھینک کر بولی۔ اے پھلیو! تم اپنے قول پر قائم ہو۔ مگر وہ کچھ  
تفسیر یا دیر چیتا سے شہابی کی دیوار سے زل جبینہ کا برآمد ہوا اور پھلی کا زندہ ہونا اور پکا ہوا کی خبر



نہ بولی۔ جب جبینہ نے اسی قول کو دہرایا تو چاروں پھلیاں دموں پر کھڑی ہو کر بولیں۔ ہاں اے! اگر تو  
اپنے قول پر قائم ہے تو ہم بھی تو سنیں۔ یہ سنتے ہی جبینہ نے تو سے کوالٹ دیا اور آپ جہد ہر سے آئی  
تھی۔ اوہ ہری جلی گئی۔ شکاف فوراً بند ہو گیا اور باورچن اس ماجرے کے مشاہدے سے ہیوش ہو کر  
گرہڑی۔ جب حواس درست ہوئے تو انہیں اٹھانے لگی۔ مگر انہیں جلاہم اکونکہ پایا اور رونے لگی۔ سو  
سنت فکر تھی کہ بادشاہ کو کیا جواب دوں گی۔ استہ میں وزیر بھی جا پہنچا۔ اور پوچھا کہ پھلیاں تیار ہوں تو بادشاہ  
سے لئے لیجا۔ مگر جب باورچن نے سرگذشت سنائی تو وہ حیران رہ گیا۔ اور اپنی آنکھوں سے کچھ دیکھتا ہوا  
فوراً ماہی گیر کو بلوایا اور انعام کا لالچ دیکھا کر ویسی ہی پھلیاں اور لالچہ دیکھ کر کوئی جیلہ  
کر کے انکار کر دیا۔ اور جواب دیا کہ کل صبح لاؤں گا۔ دوسرے روز ماہی گیر نے ویسی ہی چار پھلیاں وزیر  
کو لا دیں۔ وزیر نے اسے تو انعام دیکر رخصت کر دیا۔ اور آپ باورچن نے کادروازہ بند کر کے انکے  
بچنے کا نظارہ دیکھنے لگا۔ باورچن نے جب انہیں صاف کر کے روغن کے برتن میں ڈالا۔ اور ان کا



یہ انتقام کا سبق دینے کے لیے ہی لکھا ہے۔ جن نے کہا۔ اے میرے دوست اب کے مجھے معاف کر دے  
 پھر ایسا قصور تمہیں ہوگا۔ بدی کے لیے میں شکی کرنا بہت اچھی صفت ہے تو میرے ساتھ وہ ہلوک  
 کرو جو امر نے عائد کر کے ساتھ کیا تھا۔ ہاں گیارہ پوچھا وہ حکایت کیسے ہے۔ جن نے کہا۔ میں اس  
 مردان تنگ میں کوئی بات نہیں کر سکتا۔ اگر تو مجھے یہاں سے نکلتی دیکھتا تو میں بتے اور بھی اچھی  
 (بھی) حکایت سناؤں گا۔ ہاں گیارہ نے کہا۔ اب مجھے تیرا اعتبار نہیں رہا۔ جن نے التجا کی کہ تو مجھ کو چڑھے  
 میں تجھے ایک ایسی بات بتاؤں گا جس سے تو ڈرانا لگا اور ہوجاؤں گا۔ ہاں گیارہ نے کہا۔ البتہ اگر اس عظم کی  
 قسم کھاؤ کہ میرے ساتھ وہ غارت کرو گے تو چھوڑ دوں۔ جن نے اس عظم کی قسم کھائی اور ہاں گیارہ نے  
 اپنا وردہ پورا کیا۔ وہ لوٹے سے نکلا اور پاؤں کی ٹھوکرنے لے کر دریا میں پھینک دیا۔ ہاں گیارہ  
 مگر جن نے اسے تسلی دی کہ اطمینان سے میرے پیچھے پیچھے جا لے جاؤ۔ پھر وہ لوٹا ایک پہاڑ کی چوٹی  
 پر چڑھ گئے اور وہاں سے اتر کر ایک بڑے میدان پر جا پہنچے۔ جہاں انہیں ایک تالاب دکھائی دیا جس کے  
 کناروں کو لوں پر ٹھیکے پرے ہوئے تھے۔ جب وہ کنارہ تالاب پر پہنچے۔ جن نے ہاں گیارہ کو جال  
 پھینکنے کا اشارہ کیا اس نے جال پھینکا تو چار پھلیاں چار رنگ کی آتھ آئیں۔ بے بد۔ سرخ۔ زرد اور سیاہ  
 ماہی گیر حیران ہوا۔ مگر جن نے کہا کہ انہیں بادشاہ کے پاس لیجاؤ۔ وہ تجھے اس قدر دولت دے گا۔ کہ کبھی  
 نہ ملی ہوگی۔ لیکن خیال رکھنا اسی تالاب میں ایک دن میں ایک دفعہ سے زیادہ جال نہ ڈالنا۔ ورنہ  
 غلطی کھاؤ گے۔ یہ کہہ کر جن نے زمین پر پاؤں دبا۔ زمین پھٹ گئی۔ اور وہ اس میں ہما گیا۔ زمین پھر  
 ہموار ہو گئی۔ ماہی گیر نے اتنی چار مچھلیوں کو لیکر شہر کا راستہ لیا۔ اور بادشاہ کے حضور میں جا کر پیش کر دیا  
 بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور وزیر کو ارشاد کیا کہ انہیں اس باورجن کو لپکا کے کیلئے دیدو جو شاہی  
 کی طرف سے بطور ہدیہ آئی ہے۔ وزیر نے چاروں پھلیاں لیجا کر باورجن مذکور کو دیدیں۔ اور اس  
 آکر بادشاہ کے حکم سے ہاں گیارہ کو چار سو دینار انعام دے۔ ماہی گیر انہیں پا کر نہایت مسرور ہوا  
 اور امیرانہ سیر کرنے لگا۔ اب باورجن کی سنو۔ اس نے جب مچھلیوں کو گرم روغن میں ڈالا۔ اور  
 ایک ظرف سے وہ تھنکر خوب سرخ ہو گئیں تو انہیں دوسری طرف اُلٹا چاما۔ اُنکے اُلٹتے ہی  
 باورجنی فاسنے کی دیوار پھٹ گئی۔ اور اس میں ایک مصری حبیب نعل آئی جو لباس فاخرہ اور قیمتی  
 زیورات سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ ایک چوڑی بھی اس کے ماتھے میں تھی۔ وہ ماہی گیر تو اس کے پاس آکر

کتاب ہے حکیم نے کہا اُس میں بہت کچھ راز کی باتیں لکھی ہیں ازخبا ایک یہ ہے کہ جب میرا سر کاٹا جائے  
 آپ اس کتاب کو کھول کر چھپے ورق کے بائیں صفحہ کی تیسری سطر پڑھ کر جو سوال کریں میرا سر فوراً اُسکا  
 جواب دیگا۔ بادشاہ حیران ہو گیا اور سوچا کہ تماشا بھی دیکھنا چاہئے۔ لہذا اُس دن قتل کا حکم موقوف  
 کر کے اگلے دن پر ملتوی رکھا۔ مگر حکیم پر پھر ہلکا دیا۔ پھر بار بار اُسے گھر پر لیکئے۔ اور اُس نے ایک ہی  
 دن میں سب کاموں سے فراغت حاصل کر لی اور ایک بڑی سی کتاب لیکر اگلے دن حاضر دربار ہوا اور  
 جزدان سمیت اُسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا۔ کہ جب میرا سر کاٹا جائے اُسے ایک پشت  
 میں رکھ کر کتاب کے جزدان پر رکھنا فوراً خون بند ہو جائیگا۔ اس کے بعد کتاب کا مقام مذکور کھول کر  
 عبارت پڑھ لینا۔ پھر جو سوال کرئیے سر فوراً جواب دیگا۔ حکیم نے پھر التجا کی۔ کہ مجھ بیگیناہ کے قتل سے  
 درگزر کیجئے۔ مگر بادشاہ نے ایک بھی نہ سنی اور کہا کہ تیرے مارے جانے کے بعد تیرے سر سے منہ لگا  
 یہ کہہ کر بادشاہ نے کتاب مہمانی اور جزدانے فوراً گردن مار دی اور سر کو پشت میں رکھ کر حسبِ ہدایت جزدان  
 پر رکھا خون فوراً بند ہو گیا۔ سب حاضرین متعجب ہو گئے اور سر نے آنکھیں کھول کر بادشاہ سے کہا کہ اب اس  
 کتاب کو کھول کر چھ ورق الٹ دو۔ بادشاہ نے کتاب کو کھول کر چھ ورق الٹے۔ مگر وہ آپس میں اس قدر چسپاں ہو  
 کر اُنکلی میں لٹاپ دہن لگائے بغیر الٹ نہ سکا۔ جب ثوبت چھپے ورق پر پہنچی۔ بادشاہ نے وہاں کوئی عبارت  
 نہ دیکھی تو سر سے کہا۔ یہاں تو کچھ بھی نہیں لکھا۔ سر نے کہا اور صرف تو کو اُلٹو بادشاہ ہر دفعہ اُنکلی کو  
 لٹاپ لگا کر ورق الٹتا تھا۔ یہاں تک کہ زہر ملا ہل نے جو کتاب کے اوراق میں لگا ہوا تھا لید میں سرایت کی  
 اور بادشاہ کا حال بظاہر متعجب ہونے لگا۔ اُسکی بصارت جاتی رہی اور آخر بقیہ ہوا کہ تخت کے  
 نیچے جا پڑا تو سر نے پکارا۔ اے ظالم! دیکھ بیگینا ہوں کا خون ضائع نہیں جاتا۔ اس کلام کے سنتے  
 ہی بادشاہ کا کام تمام ہو گیا۔ اور وہ اپنی سزا کو پہنچا +

شہزاد نے شہر یار سے عرض کی کہ خداوند! شاہ پونان اور حکیم دوبان کی دہشتان ختم ہوئی۔ اب  
 میں ہاسپیگر اور جن کے معاند کی طرف توجہ کرتی ہوں۔ ہاسپیگر نے یہ قصہ تمام کر کے جن سے جو لوگ ہیں میں نے  
 تھا کہا۔ اے جن بادشاہ مگر یکے حکیم دوبان کی بے قصوری اور ہاسپیگر پر کچھ خیال نہ کیا اور اُس کی  
 گریہ وزاری کو سنہی میں اڑا دیا۔ اسیلئے حق تعالیٰ نے اُسے بھی ویسی ہی سزا دیدی۔ تو بھی اگر میرے  
 قتل کا ارادہ نہ کرتا تو اس قید میں کیوں آتا۔ اب ضرور ہے کہ تو بھی مرنے لگے اھ قیامت تک یہیں سزا ہو

در بادشاہ سے سب ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ وزیر پر نہایت خفا ہوا۔ اور اُسے قتل کر ڈالا۔ چکایت  
 ختم کر کے شہزادہ نے کہا۔ خداوند۔ وزیر یہ دوستان تمام کر کے پھر حکیم دوبان کے حال کی طرف متوجہ  
 ہوا۔ اور شاہ بونان نے کہا۔ کہ میں یہ تحقیق سناتا ہوں کہ وہ جاسوس ہے۔ اور آپ کے کسی دشمن نے  
 اُسے یہاں بھیجا ہے۔ اگرچہ اُس نے آپ کو فی الحال اچھا کر دکھایا ہے مگر آخر کار دواپوں کی تاثیر  
 ایسا اثر دکھائیگی کہ آپ کی جان پرین جائیگی۔ شاہ بونان نے کہ کچھ کم عقل بھی تھا وزیر کے ہر کلمے  
 میں اگر حکیم دوبان سے دل پھیر لیا اور بول اٹھا۔ وزیر صاحب! آپ کا خیال چھٹا ہو معلوم دیتا ہے  
 ممکن ہے مجھے کوئی ایسی دوا لگھاوے جس سے میں فوراً تپ ہو جاؤں۔ اب مجھے بھی کچھ خیال سا آتا  
 ہے۔ وزیر نے جب دیکھا کہ میرے چادو نے بادشاہ پر اثر کیا تو اُسے سمجھایا کہ فوراً حکیم کو ہلا کر اُسے قتل  
 کیا حکم دے دیجئے۔ بادشاہ نے فرمایا بہتر میں اپنی حفاظت جان کے لئے ابھی اُسکا فیصلہ کئے دیتا ہوں  
 پھر بادشاہ نے ایک آدمی بھیج کر حکیم کو بلوایا اور جب وہ خوش خوش آیا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ تو جانتا ہے  
 کہ میں نے تجھے کیوں بلوایا ہے۔ حکیم نے جواب دیا مجھے کیا معلوم ہو آپ ارشاد کریں۔ بادشاہ نے کہا کہ  
 میں تجھے قتل کر کے تیرے مکر سے نجات پانا چاہتا ہوں۔ دوبان سخت تعجب میں پڑ گیا اور بادشاہ  
 سے عرض کیا۔ خداوند! میرے قتل کی وجہ تو آپ بتا دیجئے۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ تو جاسوس ہے  
 اور میرے مارنیکا ارادہ رکھتا ہے اگر تو میری ہلاکت کا قصد تمام کر کے تو مجھے چاہئے کہ تیرا کام  
 صبح ہی کو تمام کر دوں۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک افسر کو فوراً اُسکی گردن مارنیکا حکم دیدیا۔ دوبان نے  
 سمجھ لیا کہ حاسدوں کا دوا دار چل گیا ہے۔ ولیس بادشاہ کو چنگا کرنے کا افسوس کیا اور ویر تک اپنی  
 بے قصوری کا اظہار کرتا رہا۔ مگر بادشاہ نے کچھ توجہ نہ کی اور مکرر اُسکے قتل کا حکم دیدیا حکیم نے پھر  
 التجا کی۔ کہ خداوند! اگر مجھے بیگناہ قتل کر دے تو اُسکا انتقام خدا تعالیٰ لے گا۔ یہی وہستان بیان کرتے  
 کرتے ماسیہ گبر نے جہن سے کہا۔ کہ جو معاملہ شاہ بونان اور حکیم دوبان کے درمیان گذرا۔ یعیہم وہی  
 بات میرے اور تیرے درمیان میں ہے۔ جلا داپنا کام کیا ہی چاہتا تھا کہ اہل دربار تو بھی بادشاہ  
 سے سفارش کی۔ مگر بادشاہ نے سب کو جھڑک دیا حکیم نے جب دیکھا کہ اب نجات مشکل ہو تو بادشاہ  
 سے درخواست کی۔ کہ خداوند تھوڑی سی رحمت فرمے تو اپنے مکان پر جا کر مصیبت کر آؤں۔ اور اپنا  
 سامان بانٹ آؤں۔ منجملہ انکے ایک کتاب خزانہ شاہی کے قابل ہے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ وہ کیسی

بگناہ بھی حضور کی سلامتی کی خاطر جان سے مار جائے تو جہاں فکر کا مقام نہیں۔ اور یہ تو سب کے سب ہی کہہ رہے ہیں کہ حکیم ضرور جاسوس ہے اور حضور کے قتل کے لئے آیا ہے۔ مجھ کو اس غریب سے کوئی عداوت کی وجہ نہیں۔ میں تو محض آپ کی خیر سگالی اور نیک حلالی کے خیال سے عرض کر دیا تھا۔ اور اگر یہ بات جھوٹ ہو تو غلام اسی سزا کا سزاوار ہے جیسے اس وزیر نے پالی تھی شاہ یونان نے اس قصے کے سننے کی خواہش کی۔ وزیر نے عرض کی :-

اُس وزیر کی حکایت جو غفلت کے سبب مارا گیا

کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں ایک شہزادے کو شکار کا کمال شوق تھا اور بادشاہ کو اچھے بیٹے کی خاطر بہت زیادہ منتطو تھی۔ ایک دفعہ جب وہ شکار کو روانہ ہوا تو وزیر کو تالیکہ کی کنجہ دار اس سے ایک دم کے لئے بھی جدا نہ ہو چو۔ قضا کار شکار کھلانے والوں نے جنگل سے ایک بارہ سنگا نکالا۔ اور شہزادے نے اس پر اپنے گھوڑے کو ڈال دیا۔ مگر کئی کوس تک تعاقب کرنے پر بھی جب اُسے نہ پاسکا تو تھک کر اسی کا ارادہ کیا۔ جہاں وزیر کو اکیلا چھوڑ آیا تھا۔ مگر راہ گم کر دی اور ایک اور جنگل میں نکل گیا جہاں ایک خوبصورت عورت کو روئے دیکھ کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور پوچھا کہ تو کون ہے اور کیوں رو رہی ہے۔ عورت نے جواب دیا کہ میں شاہ ہند کی لڑکی ہوں۔ گھوڑے پر سوار جا رہی تھی کہ اُس کی پیٹھ پر دفعۃً فاقل سو گئی اور گھوڑا مجھے یہاں لگا کر خدا جانے کدھر کو کھینچ گیا۔ شاہزادے نے رحم کھا کر مجھے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کر لیا اور وہاں سے روانہ ہو کر ایک ویرانے کے قریب پہنچ گیا۔ عورت نے وہاں اُترنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ شاہزادہ اُسے اتار کر آپا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ لیکن جب وہ اندر پہنچی تو پکاری کہ بچو! خوش ہو جاؤ آج میں تمہارے لئے ایک فریہ شکار لائی ہوں۔ جواب آیا کہ اماں! جلد لا۔ ہم یہاں ہیں۔ شہزادہ یہ سن کر کانپ اُٹھا اور سمجھا کہ یہ غول بیابانی میں جھٹ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس جانے ہی کو تھا کہ عورت نے مسہری ہنسی سے صورت بنا کر پوچھا۔ بیٹا! کون ہے اور کسے ڈھونڈ لگا ہے۔ شہزادے نے جواب دیا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ عورت نے جواب دیا۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ تیری مشکلی آسان کر دیگا۔ شہزادے کو یقین نہ آیا۔ مگر جب اُسے دیکھا کہ اُس نے اُٹھا ہے تو وہ عورت اور اُس کے بچے فوراً پراں کے اندر چلے گئے اور شہزادے کو راستہ دکھائی دیا۔ جس سے وہ صحیح و سلامت اپنے گھر پہنچ گیا۔

اُس نیک مرد کو ہوا تھا جس نے اپنا بیٹا طوطا مار دیا تھا۔ بادشاہ سندباد نے اُس حکایت کو دریا کیا۔ نو وزیر نے کہا:-

## نیک مرد اور طوطے کی حکایت

ایک وقتوں میں ایک نیک واپسی عورت کو جو حسن و جمال کی کمان تھی نہایت عزیز رکھتا تھا اور دم بھر کو بھی اپنے پاس سے جدا نہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی شہر میں گیا اور وہاں سے ایک بولتا ہوا طوطا بھی خرید لایا۔ کہ ہر سال کا شافی جواب دیتا تھا۔ اور مالک کے بعد گھر میں جو کیفیت گزرتی تھی اس پر گہری نظر رکھتا اور مالک کو آتے ہی حرف بہ حرف بتاتا تھا۔ عورت کے بعد اتفاقاً اس سے پرستار و پیش آیا۔ اور طوطے کا پیچھا اپنی عورت کے کمرے میں رکھا۔ اسے تاکید کی کہ میرے بعد اسکی خبر رکھو جو چاہے واپس آیا تو طوطے سے گھر کی روٹ اور دریافت کی۔ طوطے نے پیچھے کی سب روٹ کا بھانڈا چھوڑ دیا۔ نیکر نے بی بی کو چشم ثانی کی تو وہ چکرائی اور لونڈیوں سے دریافت کرنے لگی کہ کس نے اُسکی بھلی کھالی ہے۔ مگر جب سب نے قسم کھا کر کافول پر اتار رکھا تو طوطے کی شناسا آگئی۔ بد ذات عورت نے اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے راہیں ڈھونڈنی شروع کیں۔ تاکہ اُسکا شہر آئندہ اُس سے بدظن ہو جائے۔ ایک دن نیک مرد کو پھر گھر سے غیر حاضر رہنا پڑا اور عورت نے اسے غنیمت سمجھ کر تین لونڈیوں کو حکم دیا کہ آج رات میرا ایک کو طوطے کے پیچھے تلچھو کی پیسے دوسری اوپر سے پانی برساتے ہے اور تیسری سامنے لپیپ لیا کر شیشے میں سے بجلی کے کوندے کا نظارہ دکھائے اور چار اپنی مالکہ کا حکم سجا لائیں۔ دوسرے دن جب نیکر و گھر آیا اور طوطے سے کیفیت دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ آج رات کو سخت نصیبت سے کٹی بادل گرجتا رہا مینہ برساتا رہا اور بجلی کوندتی رہی نیکر نے سوچا کہ رات کو نہ ابر تھا نہ بارش۔ طوطا جھوٹا ہے یہ کیا کہ اُس کی سب باتوں کا اعتبار جاتا رہا۔ اور اپنی بی بی کی طرف سے بھی اُسکا دل صاف ہو گیا اور غصہ سے طوطے کو زمین پر پڑے ٹپکا۔ حتیٰ کہ بچا رہ گیا۔ رام رام کہتے کہتے ٹیس بول گیا۔ لیکن جب کئی دن کے بعد اپنے ہمسایوں سے بھی اپنی عورت کی کوتاہی کا کچھ چٹھاسن لیا تو طوطے کی موت سے سخت متاسف ہو گیا۔ یہ حکایت سن کر شاہ لڑکانے وزیر سے کہا۔ تو محمد کے مارے حکیم و وہان کا میرے ہاتھ سے قتل ہونا چاہتا ہے مگر اُس نیکر کی طرح نادان نہیں ہوں کہ بحث طوطے کو مار پھیناؤں۔ وزیر نے جواب دیا۔ جناب والا اگر ایک شخص

مہاجرین کے ساتھ گیند کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ حتیٰ کہ پسینہ ٹپکنے لگا اور حکیم نے جو حرہایت کی تھی اُن پر پڑے طور سے عمل کیا۔ دوسرے دن جب وہ جاگ اٹھا تو بالکل چمکا بھلا تھا۔ بادشاہ کو اس علاج نے تعجب میں ڈال دیا اور کمال مُسرت کے ساتھ اُسے غسلِ صحت کا اور بارِ منفقہ فرمایا۔ مارکانِ دولت حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب بھی آئے۔ بادشاہ نے تکتِ مستدیر جگہ عطا فرمائی اور کمالِ شفقت سے پہلے اہلِ دربار کے سامنے حکیم کی تعریف کی۔ خاصہ بھی اپنے ساتھ ہی کھلایا اور سُتھری قیاس کے ساتھ دو ہزار رِیالِ محبت کر کے شام کو رخصت کیا۔ ہر روز بیش از بیش خاطرِ تراسنگ پھر بھی رہ رہ کر اسے خیالِ آتا کہ میں نے حکیم کو اسکی خدمت کے عوض میں کچھ بھی نہیں دیا۔ وزیرِ اعظم کو حکیم کا یہ رتبہ کانٹے کی طرح کھسکا اور اُسے ارادہ کر لیا کہ حکیم کو بادشاہ کی نظروں سے گرائے۔ حتیٰ کہ ایک دن غلوٹ میں بادشاہ سے کہہ ہی بیٹھا کہ بادشاہ کو ایک ایسے شخص پر جسکے حال سے اُسے کبھی بھی آگاہی نہیں اس قدر اعتماد کرنا خالی از خطر نہیں۔ کیا حضور کو معلوم نہیں کہ حکیم دو بان پُراں کا رہے۔ وہ چاہتا ہے کہ حضور کے دشمنوں کو ہلاک کرے۔ بادشاہ نے کہا خیر تیرے ایک ایسے شخص کے حق میں جس نے میری جان بچائی ایسی تمہیں ترشتا کچھ ٹھیک نہیں۔ وزیر نے عرض کیا حضور والا۔ میں اس امر کو خوب تحقیق کر چکا ہوں۔ غلام کی مکرر تاکید ہے کہ اس سے ہوشیار رہیں وہ اپنے ملک سے محض حضور کی جان لینے کے ارادہ سے آیا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں اُسے عقیل اور بالکمال پاتا ہوں۔ نیز اگر اُس کا ارادہ میرے مارنے کا ہوتا۔ تو وہ مجھے تندرست ہی کیوں بناتا۔ اچھا آج ایک ہزار رِیالِ مہوار اُسے اور زیادہ ملا کر یہ یہ اُسکے حق میں تمہاری بدگمانی کا صلہ ہے اور اگر میں اپنی ساری دولت بھی اُس پر نقدِ کر دوں تو بھی اُس کا شکریہ ادا نہ ہو سکیگا۔ یاد رکھو میں تمہارے دم جھانوں میں آکر اُس سے بدسلوکی نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ حکایت خود بادشاہی کہ شاہِ سندباد کے وزیر نے اُسے اپنے فرزند کے قتل کرنے سے کیسے باز رکھا تھا۔ وزیر نے اُسکے سننے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ شاہِ یونان نے جواب دیا کہ بادشاہِ سندباد کی ساس نے شہزادے پر کوئی نہمت رکھ کے بادشاہ کو اُسکے مراد دینے کہا۔ اور بادشاہ بے سوچے سمجھے ساس کے بھانے میں آکر اُسے ہلاک کرا ہی دینا چاہا۔ کہ وزیر نے عرض کی کہ اس حکم کے دینے میں جلدی نہ کریں۔ مبادا کہ یہ ناعاقبت اندیشی کو کہے آپ کو بعد میں اُنسوس ہو جیسے

مرض (صدمہ) میں سخت مبتلا تھا۔ ماں کے حکمران نے بہت تدابیر کیں مگر اسے کچھ افادہ نہ ہوا۔ اتفاقاً ایک حکیم  
دوبان نامی بھی ماں آگیا۔ جو کئی طرح کے علوم و فنون میں ماہر کامل تھا اور بہت سی زبانیں بھی بولتا تھا  
نیز چڑھی بوٹیوں کے خواص سے بھی خوب آگاہ تھا۔ جب اُس نے سنا کہ بادشاہ کو کوئی حکیم چٹکا نہیں کر سکا  
تو اُس نے اپنے آنے کی اطلاع دربار شاہی میں کرائی اور حکم پا کر حضور میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ اگر  
ارشاد ہو تو بے مالش کئے اور بغیر دوا کھلائے حضور کو اچھا کروں۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ اگر تیرے  
اس طرح سے تندرست کر دینا تجھے خوش کر دوں گا۔ دربان اگلے دن کا وعدہ کر کے واپس رخصت  
ہوا اور اس وقت ایک گیند اور نیز ایک چوٹ بیٹ تیار کرایا جس میں کئی دوائیوں کو سفوف کر کے  
بھر دیا اور دوسرے دن حسب وعدہ حاضر دربار ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور گیند کھیلنے کے لئے گھوڑے پر  
سوار ہو کر گیند گھر کو تشریف لے چلیں جب بادشاہ گیند گھر میں آگیا حکیم نے اُسے وہ گیند اور بیٹ  
دے دیا جو پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ اور ہدایت کی کہ اس سے خوب کھیلیں جس کی بدین سے عرق شکنے  
لگے۔ سو تیرا یہ فوراً مائل مام کو کہے خوب سوئیں۔ بل انشا اللہ آپ کو بالکل صحت ہو جائیگی بادشاہ صحت حکیم  
(تصویر حکیم و دیان اور بادشاہ گریا کی گیند کھیلتے ہوئے)





اپنی موت طلب کرے۔ سو آج تو نے مجھے نکالا ہے۔ بتاؤ اب تجھے کیونکر ماروں؟ ماہیگیر نے دل میں کہا۔ یہ  
محبوب پرستی ہے کہ آج ایک تو محنت اکارت گئی دوسرے احسان کا یہ بدلہ ملتا ہے آخرت میں کروا کر  
مالیجی کی کہ مجھ پر میرے بال بچوں کی خاطر رحم کر مگر جن نے کچھ بھی نہ سنا۔ اتنے میں فخری اُسے ایک چالاک کی طرح  
گئی اور اطمینان کی صورت بن کر بولا۔ اچھا اگر یہی بات ہے اور میری موت تیرے ہی ہاتھ سے لکھی ہے۔ تو  
میں کیونکر بچ سکتا ہوں مگر قبل اسکے کہ اپنی موت کا طریق بتو یہ کروں تجھے اُسی اسمِ اعظم کی قسم ہے جو حضرت  
سیدنا نے اپنے نگین میں کندہ کر رکھا تھا کہ میرے اس سوال کا جواب دے کہ باوجود اتنے بڑے قد و  
قوت کے تو اس چوٹے سے لوٹے میں کیسے سایا ہوا تھا۔ جن نے کہا مجھے اسمِ اعظم کی قسم ہے کہ میں اسی لوٹے  
میں تھا۔ مگر ماہیگیر نے اتنے کالوں پر رکھے کہ میں جب تک تجھے اپنی آنکھوں سے اس لوٹے میں ملتا ہوں  
نہ دیکھ لوں گا جس میں تیرا ایک قدم بھی سنا محال ہے میں ہرگز اعتبار نہیں کر سکتا۔ جن اس بات کو سنتے  
ہی پھر دھواں بھگیا اور کیجا ہر کر لوٹے میں ملنے لگا۔ حلیٰ کہ سارا لوٹے میں سما گیا اور دوز دی۔ کہ اسے  
ماہیگیر اب تجھے یقین ہوا ہے کہ انہیں کر لوٹے کے اندر ہوں۔ ماہیگیر نے جواب کی جگہ دھکا دیا کہ  
میں پر رکھ دیا اور بند کر کے بولا۔ اے جن۔ اب میری یاری ہے۔ تو مجھ سے معافی مانگ اور بتا کہ تجھے کیونکر  
ہلا کر دوں یا تجھے پھر اسی دریا میں بھیج دوں اور کنا سے دریا پر کھینچا بنا کر بیٹھ جائوں تاکہ جو ماہیگیر یہاں بھٹکار  
کے ارادے سے آئے اُسے خبردار کروں کہ یہاں ایک غیثِ جن ہے اُسے نہ نکالنا۔ جن یہ سن کر سخت گھبرا گیا اور  
چاہا کہ کسی طرح پھر نکل آئے۔ مگر حضرت سلیمان کی نذر کا دیاؤ اُس پر بھاری تھا۔ مگر جب وہ اچھوٹا ہوا تو ماہیگیر کی  
مرثیت و ساجت کرنے لگا اور بولا کہ خدا کے لئے مجھے پھر دریا میں نہ ڈالو۔ میں تو تم سے ہنستا تھا۔ ماہیگیر نے  
نہایت محنت سے جواب دیا اے جن! اب ہرگز تویری اُکڑوں دکھاتا تھا۔ اب بڑا نرم بیٹے چلا ہے۔ میں تو تجھے  
دریا میں پھینکے بغیر چین نہ لوں گا۔ جہاں سے تاقیامت تجھے نہات نہ ملے۔ جن کو گھروا نے لگا۔ خدا کے واسطے  
مجھ پر رحم کر۔ اگر تو مجھے یہاں سے غلصی ولا ینکا تو میں تیرے ساتھ بہت بڑا سلوک کروں گا۔ لیکن ماہیگیر نے کہا  
تو بڑا امکاڑ ہے۔ میں اگر تجھے چھوڑ دوں تو تو دوبارہ میرے مارنے پر کمر بستہ ہوگا اور میرے ساتھ وہی سلوک کرے گا  
جو شاہِ یونان نے حکیم دعیان سے کیا تھا جن نے پوچھا وہ کیسے ہے۔ ماہیگیر نے جواب دیا  
**شاہِ یونان اور طبیب و وہاں کی حکایت**  
ذکر کرتے ہیں کہ ملک فارس کے شہر رومانی میں ایک بادشاہ تھا جسے شاہِ گریک کہتے تھے وہ مرض

پھر رول کو تسلی دے لی۔ کہ اچھا آج اسے ہی بیچ کر گذرہ کر لوں گا۔ ٹوٹے کاٹنے بند تھا اس سے چھری سے کھولا  
 لیکن جب خلاف امید وہیں سے کچھ نہ نکلا تو اسے اُتھ سے پرے ڈال دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس میں سے  
 دھوئیں کی سی کوئی چیز نکل رہی ہے۔ وہ سہم کر پرے پٹ گیا اور دھواں بند ہو کر کنا سے دیا پر چاروں  
 طرف پھیل گیا۔ ماہی گیر کو اور بھی حیرانی ہوئی۔ اتنے میں دھواں سہٹ کر ایک ہیبت ناک قوی ہیکل جتن  
 دکھائی دینے لگا۔ ماہی گیر اسے دیکھ کر بھاگنا چاہتا تھا مگر اسکا پاؤں اُٹھ نہ سکا جتن نے کہا۔ اے  
 سلیمان پیغمبر خدا کے لئے میرا تصور معاف کر دے میں پھر تیری کبھی نافرمانی نہ کروں گا۔ ماہی گیر نے جی کڑا کر  
 اسے ملاشتہ لپچے ہیں کہا۔ اب خدا! جب پیغمبر کو وفات پائے تو اسٹھارہ سو برس گزر چکے ہیں تو کیا انگوٹھا  
 ہے۔ تباہ کون ہے! اور اس وٹے میں کس واسطے قید کیا گیا تھا جتن نے حقارت سے ماہی گیر کی طرف  
 نظر کی اور کہا کہ گستاخ! میرے ساتھ بے ادبانه کلام مت کر اور قبل اسکے کہ میں تجھے قتل کروں۔ مجھ سے  
 یاد بات چیت کر۔ ماہی گیر نے کہا میں تیرا سخاوت دہندہ ہوں۔ کیا اسکے عوض میں تو مجھے قتل کرے گا  
 جتن نے جواب دیا۔ یہ امر تیرے قتل سے مانع نہیں ہو سکتا! ماں ایک رعایت دے سکتا ہوں کہ تو  
 خود پسند کر کے کرکس طرح کے قتل پر رضی ہے۔ ماہی گیر بولا۔ لے نا حق شناس! بیٹے میرا کیا گناہ کیا ہو  
 جسکے عوض تو مجھے مارا جا رہا ہے۔ جتن نے کہا۔ سن نہیں اُن جتوں میں سے ہوں جو خدا کی خدائی کے منکر  
 تھے اور بیٹے سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اس بادشاہ جلیل القدر نے آصف ابن برخیا اپنے  
 وزیر کو حکم دیا کہ مجھے گرفتار کر لائے۔ آصف مجھے قید کر کے حسب احکام بادشاہ کے حضور میں لگیا۔ سلیمان  
 نے مجھے شرفیت کی تابعداری کے لئے کہا۔ مگر بیٹے انکار کیا۔ اور انہوں نے مجھے اس وٹے میں قید  
 کر کے ڈھکنے پر اسم اعظم کی تہرنگا کر بیچ سمندر کے مجھے ڈال دیا اور بیٹے اسی قید کی حالت میں قسم کھائی  
 کہ جو کوئی مجھے سو برس کے اندر نکالے گا اسے اس قدر دولت دوں گا کہ عمر بھر زندگی کے مزے لے سکے گا  
 لیکن وہ سو برس گزر گئے اور کسی نے میری مدد نہ لی۔ پھر بیٹے قسم کھائی کہ اس دوسری صدی کو  
 نکالنے والے کو روئے زمین کے خزانے دکھلا دوں گا تو بھی مجھے کسی نے نہ نکالا۔ تیسری صدی میں  
 نکالنے والے کو بہت بڑا بادشاہ بنایا جس نے اور اسکے پاس حاضر رہ کر ہر روز تین طرح کی خدایات بجالانے کا  
 علف اُٹھایا۔ لیکن کسی نے مجھے رٹائی نہ دی۔ آخر چھ ہجرتوں کے بیٹے قسم کھائی کہ اب جو کوئی مجھے اس قید سے  
 نجات دے گا میں اسے نہایت بر جی سے قتل کر دوں گا۔ اس کے ساتھ اتنی رعایت کر دوں گا کہ جب طرح وہ چاہے

مجلس اور دروغ پرست کی کہ کچھ میری جو روکے لئے بھی عنایت ہو جس سے میں اُسے اُنکے اعمال کا مزہ چکھا سکوں  
 اس پر اُس نے بڑے سے ہانی دم کر کے اپنے باپ کے ماتھے پانی! برہمچریا اور ہلاکت کردی کی بیانی پھڑک کر  
 جو کہ اُسے بنانا چاہا ہو اُس کا نام لے دینا۔ پھر قدرت خدا کا تماشہ دیکھنا۔ میں اسی نیک بخت سے ہانی لیکر  
 سپردِ خاک ہو چکا۔ اور اس نامراد کو موتا پا کر بہت خوش ہوا اور وہ پانی اپنے چھڑک دیا اور کہا کہ جا چھڑ ہو جا  
 اور یہ ایک ہی منٹ میں عورت سے بچر بن گئی۔ پھر سے کے قفسے کو غم کر چکنے پر حجت نے پھر سے پوچھا۔ کہ کیا ب  
 واقعہ صبح ہے اُسے ہلاکت تصدیق کی۔ تو حجت نے سو اکر کا بھایا گناہ بھی معاف کر دیا۔ اور رانی نے اپنے کے بعد  
 سو اکر کو ہلاکت کی کہ وہ ان تینوں بڑھوں کا شکر گزار ہو۔ جنہوں نے اسے بچا لیا ہے۔ یہ کہہ کر حجت کو تو  
 غائب ہو گیا اور اُن چاروں نے کھٹکنا اپنا اپنا راستہ لیا۔ سو اکر کے متعلقین اُسے سلامت پا کر بڑے  
 خوش ہوئے اور بقیہ عمر اُسے ابنِ عباس میں ہی بسر کی۔ یہ حکایت سن کر شہزاد نے کہا بادشاہ سلامت!  
 جو داستان میں عرض کر چکی ہوں ماہی گیر کی حکایت اس سے بدرجہا دلچسپ ہے۔ چونکہ رات ابھی باقی  
 تھی اور دنیا زاد نے اُسکے سنانے پر اصرار کیا۔ نیز شہزاد نے سنانے کے لئے رضا مندی ظاہر کی۔  
 شہزاد نے اگلی دوستانوں شروع کی۔

### ماہی گیر کی حکایت

جناب عالی! ایک ماہی گیر کا ذکر ہے کہ بڑے بڑے کی حالت میں وہ بڑی تنگی سے بیوی بچوں کا پیٹ پالنا تھا  
 اس کا معمول تھا کہ صبح سویرے اٹھ کر دریا پر جاتا۔ اور گرن کر چار دفعہ جال کو دریا میں ڈالتا جو کچھ ماتھے آتا  
 اُسے بیکہ کھانے پینے کا سامان لاتا۔ ایک دن علی البیض حسبِ معمول جب اُسے جال دریا میں ڈال کر کھینچتا تو  
 بہت بھاری معلوم ہوا۔ اُسے خیال کیا کہ آج بڑی پھلی پھنسی ہے۔ مگر باہر نکالا تو گدھے کی لاش تھی  
 دوبارہ پھر پھینکا۔ اب کے تیرا کچھ بڑی آیا۔ اپنی برہمچستی پر اُسے بڑا افسوس ہوا۔ جب تیسری دفعہ پھر جال  
 کو دریا میں ڈالا تو کتہ اور گھٹلیاں وغیرہ ماتھے آئیں۔ اُسکی بیوی کی کوئی ارہتہ نہ رہی۔ اب طلوع آفتاب کا  
 وقت بھی نزدیک تھا۔ اُس نے صبح کی نماز پڑھ کر بارگاہِ خداوندی سے دعا مانگی کہ بارالہ! میں روز چار دفعہ  
 جال کو دریا میں ڈالا کرتا تھا۔ آج تین دفعہ تک کچھ ماتھے نہیں لگا۔ صرف ایک بار اور باقی ہے میرے حال پر  
 رحم کر۔ اور دعا مانگ کر جال کو دریا میں پھینکا۔ کھینچے پر اُسے پھر جال بڑا پھلی معلوم ہوا جس کو اُس نے خیال کیا کہ  
 بہت پھلیاں آئی ہیں مگر دیکھا تو ایک مچھلی کے لٹے کے سوا اُس میں کچھ بھی نہ تھا۔ اگرچہ اُسے سخت رنج ہوا۔ مگر

مجھ سے دشمنی کی پھر بھی میرے بھائی ہیں۔ میں انکی جان باندھ نہیں کرتا۔ اور جو سزا چاہو دیو۔ پری  
 کچھ جیسی ہوئی اور وہاں سے اڑ کر اس نے مجھے میرے مکان کی چھت پر لا بٹھایا۔ کوٹھے سے اتر کر میں  
 اتر گیا اور مدقوتہ ریال نکال کر کاروبار کرنے لگا۔ سودا گروں نے مجھے مبارکباد دی اور شام کو جب میں  
 گھر آیا تو ان دونوں کو وہاں بند پائیا۔ یہ وہم بھلا کر میرے پاؤں پر سر رکھنے لگے۔ اتنے میں وہ پری بھی آ پہنچی  
 اور اُس نے مجھے اطلاع دی کہ یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ میری ایک بین نے جو ساحرہ بھی ہے اس کے جہاز کو  
 دلو کر انہیں دس دس برس کے لئے کتہا بنا ڈالا ہے۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئی اور میں دیکھتا دیکھتا ہی  
 رہ گیا۔ اب وہ دس دس برس کا عرصہ ختم ہو چکا ہے اور میں اسکی تلاش میں ہوں۔ سچ اور آؤنگلا تھا کہ اس  
 سوداگر وہاں ویرانے میں اکیلے بیٹھ دیکھا اب اسے ملو کہ اجٹان! فرما کیے میرا قصہ عجیب و غریب ہے یا  
 نہیں۔ جن نے جواب دیا اچھا بننے تیری خاطر بھی اس سوداگر کا ایک تہائی جوڑم معاف کیا۔ یہ سن کر تیسرا  
 آگئے آیا جو خچر کو ہمراہ لئے پھرتا تھا اسنے عرض کی کہ اگر حضور میرے قصہ کو نہیں تو وہ راز سے بھی زیادہ عجیب  
 ہے۔ اور ابیدوار ہوں کہ اسے سن کر اس سوداگر کا باقی تہائی جوڑم بھی بخش دیں۔ جن نے منظور کر لیا اور  
 تیسرے پڑھے نے اپنا حال بھی سنانا شروع کیا۔

### خچر والے پڑھے کی حکایت

تیسرا بڑا بولا۔ اسے شاہ جانا! یہ خچر میری بی بی ہے۔ ایک دفعہ مجھے اپنے سفر کا اتفاق ہوا اور کسب ال کے  
 بعد یکایک رات کی وقت جب گھر واپس آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ ایک حبشی غلام کو ناز واداکھا رہی تو  
 مجھے سخت غصہ آیا۔ ارادہ ہوا کہ اسکا سر بہت ساڑاؤں مگر اُس نے مجھے اتنی ہمت ہی نہ دی۔ اور  
 جھٹ پٹ تھوڑا پانی لیکر اُس پر کچھ پڑھ کر مجھ پر چھڑکنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ میں تو آدمی سے کُتا بن گیا اور  
 در بدر بھجنے لگا۔ ایک دن ایک قصاب کی دوکان پر بھی میرا گذر ہو گیا۔ اور وہ مجھے بلکا کر اپنے ساتھ گھر  
 کو لے گیا۔ اسکی لڑکی میرے گھر میں داخل ہوتے ہی دوڑ کر پڑے میں چھپ گئی۔ قصاب نے اُسکی وجہ  
 پوچھی تو لڑکی نے جواب دیا کہ جسے تم کتاب پڑھتے ہو وہ آدمی ہے اور اس کی چورونے اسکا یہ حال بنا  
 رکھا ہے۔ قصاب نے لڑکی سے التجا کی کہ بیٹی! جیسے ہو سکے غریب کو اس بلا سے نجات دے۔ لڑکی  
 نے فوراً تھوڑا سا پانی لیا اور اُس پر افسون پڑھ کے مجھ پر چھڑکا۔ پانی کے چھوٹے ہی میں اپنی اصل  
 انسانی قالب میں آ گیا اور لڑکی پھر پڑے میں چلی گئی۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور دعا دی کہ تیرا دو جہاں

خیال سفر نے دونوں بھائیوں کی لگدگی کی اور وہ میرے پاس آئے کہ میں بھی تجارت کے لئے اس کے  
 ساتھ چلوں اور انہوں نے مجھے ترغیب و تحریص دیتے ہیں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا لیکن جوں چل  
 میں انکار کرتا تھا وہ اصرار کرتے تھے۔ ناچار مجھے بھی رضا مندی دینی پڑی اور اسباب سفر کے  
 علاوہ اسباب تجارت بھی خریدنا شروع کیا اس وقت مجھے پتہ لگا کہ وہ اپنی جمع جھکاسب کو ضائع کر چکے  
 تھے مجھے رنج ضرور آیا۔ مگر مینے انہیں کچھ نہیں کہا اور اپنے سرمائے سے جو اس وقت تک چھ ہزار  
 روپاں جمع تھے۔ ایک ایک ہزار روپاں اور انہیں دیا۔ ایک ہزار اپنے پاس رکھ اور تین ہزار حفظ  
 ہاتھم کے طور پر رکھو گے ایک کو نے میں دفن کر دئے۔ اس خیال سے کہ اگر سفر میں نقصان پہنچے تو  
 سرمائے کا کام دیں جب سفر کی تیاری بخوبی ہو چکی۔ تو ہم تینوں نے جہاز پر مال لے دیا اور اپنے شہر  
 سے چل پڑے۔ ایک مہینے کے بعد ایک پر رونق اور آباد شہر میں جا پہنچے۔ ہمارا اسباب وہاں بہت  
 آسانی سے اور نہایت ہی منافع پر لپکا ایک اٹھ گیا۔ ایک ایک کے دس دس کئے اور وہاں کا مال  
 تجارت خرید کر اپنے وطن کو واپسی کی ٹھہرائی۔ ہم جہاز کی طرف آرہے تھے کہ سمندر کے کنارے ایک  
 نہایت ہی خوبصورت عورت سے میری آنکھیں چار ہو گئیں جس کے کپڑے نہایت ہی میلے اور پھڑپھڑانے  
 لگے اس نے سلام کر کے میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور باصرار عرض کی کہ میں اس کے ساتھ عقد کر لوں  
 یہ خیال روم اس کی درخواست کو منظور کر لیا اور بعد از فراغت رسوم جہاز پرے آیا۔ اثناء راہ میں  
 مینے اسے نہایت ہی خوش سلیقہ پایا۔ اس لئے میری محبت اور بھی بڑھ گئی۔ اس پر میرے دونوں بھائی جھگڑے  
 اور میرے دشمن بن گئے وہ موقع کی تلاش میں پھر نے لگے۔ حتیٰ کہ ایک دن ہم دونوں میاں بی بی کو غافل  
 سوتے ہوئے دیکھ کر کہیں دریائے دُعا میں پھینک دیا۔ میری بی بی حقیقت پر ہی تھی مجھے بعد میں معلوم  
 ہوا کہ جب وہ خود بھی نہ ڈوبی اور اس نے مجھے بھی ڈوبنے سے بچا لیا بلکہ ایک خشک جزیرے پر جا رکھا  
 اور کہا کہ مینے ہی تجھے بچا یا ہے۔ میں جتن پر ہی سے ہوں۔ تجھے دیکھ کر میرے دل میں محبت پیدا  
 ہو گئی تھی۔ مگر آزمائش کے لئے میلے کپڑے پہن کر تیرے سامنے آئی تھی۔ اور جب تو نے اسی حالت  
 میں بھی مجھے پسند کیا تو میں بہت خوش ہوئی۔ اب جا رہی ہوں کہ اس کی شکلاوری میں تیرے ساتھ  
 پڑا احسان کروں۔ لیکن تیرے بھائیوں پر مجھے سخت غصہ ہے۔ میں انہیں ہلاک کر دینا چاہتی ہوں  
 مجھے اس کی باتوں پر بہت برا تعجب آیا۔ لیکن مینے شکر ادا کر کے کہا۔ کہ اگر میرے بھائیوں نے

کی تلاش میں گھوم رہا ہوں کیونکہ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ یوں مہا بھائیک پہنچ کر پولا  
سے شاہ جات! اب انصاف کر کہ میرا قصہ اس سوداگر کی سرگزشت سے زیادہ ہی عجیب ہے یا نہیں  
جس نے اسے مان لیا اور سوداگر کا ایک تہائی قصہ معاف کر دیا۔ اسکے بعد دوسرا بڑے عجیب کے ساتھ دوسرا  
کئے تھے جسے بڑا اور کہنے لگا کہ اسے جہات کے بادشاہ! آپ میری اور ان دونوں کشتوں کی بھی سرگزشت  
سن لیں اور اگر آپ کو پہلے قصہ سے زیادہ تر عجیب و غریب معلوم ہو تو اُمید رہا ہوں کہ اس سوداگر  
کے قصہ کا تیسرا حصہ میری خاطر بھی معاف کر دیں۔ جب جن نے اسے بیان کرنے کی اجازت دی تو  
اس نے ایسا کہنا شروع کیا۔

### دو کشتوں والے بڑے کی حکایت

دوسرے بڑے نے کہا۔ اے جٹوں کے بادشاہ یہ ہر دوسرا کشتہ میرے سنگ بھائی ہیں۔ والد نے  
مرنے وقت ایک ایک ہزار ریال ہم بیچوں کو وصیت کیے تھے۔ ہم نے ان سے تجارت شروع کی۔  
لیکن بڑے بھائی کے دل میں باہر جا کر بیوپار کرنے کا ولولہ پیدا ہوا اور اس نے ایسا اسباب خریدنا  
شروع کیا جو دوسرے ملکوں میں گراں قیمت پر بہ سکے اور خوب تیاری کر کے وہ روانہ ہو گیا۔  
اسکے پورے ایک سال کے بعد ایک گدا میری دوکان پر آیا اور اس نے مجھے سلام کی لیکن جب  
میں نے توجہ نہ کی تو اس نے کہا کہ آپ مجھے پہچان نہیں سکتے۔ جب میں نے بخور دیکھا تو وہ میرا چٹا ہی  
بھائی تھا۔ میں نے اسے گلے لگایا اور حضرت کی کہ یہ تمہارا کیا حال بن رہا ہے۔ اسے جواب دیا  
صورت میں وحالت میں۔ لیکن میرے اصرار کرنے پر جب اس نے اپنی بریادی کا حال کہہ سنا یا  
تو میں اپنا عیش و آرام سب بھول گیا۔ اسے حتم کر کے نئی پوشاک بدلائی۔ اس وقت مجھے  
میں دو ہزار ریال کا منافع ہو چکا تھا۔ جس میں سے ایک ایک ہزار میں نے اس بھائی کو دے دیے۔  
اور ہم دونوں بدستور سابق دوکان کا کام کرنے لگے۔ پھر ایک دن میرے دوسرے بھائی کے  
دل میں بھی غیر ملکوں کی تجارت کی اُمید آ گئی۔ میں نے اسے سمجھا یا بھی۔ کہ بڑے نے آگے کیا فائدہ  
اٹھا لیا ہے جو تو اٹھا لیتا۔ لیکن وہ نہ مانا اور اسباب تجارت خرید کر ایک قافلے کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔  
اور پورے ایک سال کے بعد وہ بھی بہت خستہ بڑے بھائی کی طرح واپس لوٹا اور اسے بھی میں نے  
اپنے پاس سے ایک ہزار ریال دیکر دوکان کھلا دی۔ اسی حالت میں تھوڑا عرصہ گزر گیا کہ پھر

اُسے کو اس کے لیجانے اور مخالفت سے رکھنے کو کہہ دیا۔ دوسرے دن میں گھر میں بیٹھا تھا کہ وہی میرے پاس آیا اور کہا۔ کہ میں آپ کو خردہ سُنانا چاہتا ہوں۔ جب بیٹے اُسے سُنانے کی اجازت دی تو اُسے چپکے چپکے کہنا شروع کیا۔ کہ میں لڑکی نے پچھن میں ایک بوڑھیلے جادو سیکھا تھا کہ اُسے جب مجھے وہ بچہ پڑا دیا ہے میں اُسے لئے ہوں اپنے گھر میں داخل ہوا تو اُسے دیکھتے ہی میری لڑکی نے نہ ڈرنا نہ ڈھانپ لیا اور پہلے منہ ہی اور پھر رو پڑی جب بیٹے سبب پوچھا تو اُسے جواب دیا کہ باپان! یہ ہمارے آقا کا بیٹا ہے۔ اسے دیکھ کر میں انہی مٹی لیکن اسکی ماں کی یاد سے بے اختیار آنسو پھرائے جو لکائے کے قالب میں دھج کی گئی تھی۔ ہمارے آقا کی بی بی نے اُن دونوں کو حسد کے سبب سو زرد چر گلے اور بچہ پڑا دیا تھا۔ اپنی بیٹی کے منہ سے یہ سنکر میں دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اسے شاد و جنت! میں ابیر کے منہ سے یہ بشارت سنکر بخود ہو گیا اور فوراً اُس لڑکی کے پاس پہنچا اور وہاں اُس بچہ پڑے کو مٹکا کر لڑکی سے دریافت کیا کہ کیا فی الواقع یہ میرا لقب ہے۔ اُسے جواب دیا کہ بلاشبہ و شب۔ اُس وقت بچہ پڑے سے بھی ایسی حرکتیں ظہور میں آئیں جنہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے محبت سے دیکھتا ہے۔ بیٹے اُس لڑکی سے درخواست کی کہ اگر وہ کسی تدبیر سے اسے پھر اہلی قالب میں لائے تو میں اُسے بیٹا زرد مال دوں گا۔ مگر لڑکی نے دو شرطیں پیش کیں۔ اول یہ کہ اسکی شادی میرے ساتھ کر دیجیے گا۔ دوسرے جس نے اسکو بچہ پڑا دیا ہے اُسے تھوڑی ہی سزا دینا چاہتی ہوں۔ بیٹے ان شرطوں کو بخوشی و خرمی منظور کیا۔ اور کہا کہ میرے چچا کی بیٹی کا خون بھی تجھے صلح ہے۔ غرض لڑکی نے پانی کا ایک پیالہ لیکر اُس پر کچھ پڑا دیا اور اُس نے بچہ پڑے کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے خلاق خدا اگر تو جادو کے اثر سے بچہ پڑا بنا گیا ہے تو اُس پانی کی تاثیر سے اپنی اہلی حالت پر آجا۔ یہ کہہ کر وہ پانی اوپر چھڑک دیا۔ پانی کے پڑنے ہی وہ بچہ پڑا اپنی صورت میں آگیا۔ بیٹے فوراً اُسے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ اے میرے بیٹے خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کر اور اُس لڑکی کا ممنون ہو کر اُسے اپنی زوجیت میں قبول کر جسے تجھے مصیبت کے منہ سے بچہ پڑا ہے۔ کیونکہ بیٹے اُس سے یہ وعدہ کیا تھا۔ میرے لئے نے اُسکو تہ دل قبول کیا اور لڑکی نے نکلے سے پیٹیر میری عورت کو ہر فی بنا دالا پھر عینان دونوں کا بیاہ کر دیا۔ مٹوٹے دن ہوئے کہ وہ لڑکی ملک بقا کو چل بسی ہے۔ اور میرے لئے نے اپنا شہر چھوڑ کر مسافرت اختیار کر لی ہے۔ اب میں اس ہر فی کو ساتھ لئے اسی



جدا لونا اور اپنے بیٹے اور اسکی ماں کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے مجھے جواب دیا کہ زہری تو مر چکی ہے اور اُس کا لڑکا تو خدا جانے کہاں بھاگ گیا ہے۔ مجھے یہ سن کر سخت رنج ہوا اور برابر سال بھر تک میں غمناک رہا حتیٰ کہ میری قربانی کا دل آہنیچا بیٹے اہیر کو پیغام بھیجا کہ کوئی بوٹی تازی نکالے قربانی کے لئے لے آئے ہیں سے انتخاب کر کے لے آئیے۔ اہیر میرے سامنے اُسی گائے کو لے آیا جسے اُس معونہ نے جادو سے گلے بنا رکھا تھا۔ بیٹے چھتری ہاتھ میں لی اور اُس کی قربانی کے لئے تیار ہوا لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی رونے اور چلانے لگی۔ اسلئے مجھے اُس کے ذبح کرنے کا حوصلہ نہ پڑ سکا اور بیٹے اہیر کو کہہ دیا کہ وہی اس کار کو انجام دے۔ اُس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب اُس کا چڑھ گیا تو اندر سے ٹپڑوں کے سوائے گوشت اور چربی کا نام بھی نہ تھا مجھے اس پر بہت سخت افسوس ہوا۔ لیکن وہ بقیہ بچا تھا۔ پھر مینے اہیر کو موٹے سے بچھڑے کے لائے کیلئے کہا اور وہ میرے پاس میرے ہی بیٹے کو لے آیا جو جادو کے زور سے بھڑا بنا ہوا تھا۔ اس بچھڑے نے مجھے دیکھتے ہی رستہ توڑ لیا۔ اور میرے پاؤں میں لوٹ لوٹ کر محبت کا اظہار کرنے اور رونے لگا۔ میرے دل میں بھی اُس کی محبت پیدا ہو گئی اور اہیر کو مینے کہہ دیا کہ وہ اُسکے پر لے کسی اور جادو کو لے آئے اور اُسے حفاظت سے رکھے۔ شہزاد یہاں تک پہنچی جہاں کہ صبح ہو گئی۔ ناچار اُسے چپ ہونا پڑا۔ دُنیا زاد نے کہا میں کیسی چپ کہانی ہے۔ شہزاد نے جواب دیا۔ کہ یہ اس کہانی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو میں کل سناؤنگی۔ اگر بادشاہ نے آج کے لئے میری جان بخشی کر دی۔ شہزاد نے سوچا کیا ہرج ہے۔ چلو کہانی کا باقی حصہ بھی سن لو۔ اسے تو پھر بھی قتل کر سکتا ہوں۔ یہ سوچا وہ چپ چاپ چلا گیا۔ اور سلطنت کے کاروبار حسب معمول انجام دینے لگا۔ لیکن وزیر کو شہزاد کے قتل کا کوئی حکم نہ دیا۔ جرات بھری ہوئی فکر میں سخت لے چین رہا تھا اور اُسے سخت جبرانی ہوئی۔ غرض سلطنت کے کاروبار سے فرغت حاصل کر کے رات کو پھر بادشاہ خلوت کاہ میں گیا اور ایک گھڑی کے ترٹکے دُنیا زاد نے شہزاد سے کل والی کہانی کے ختم کرنے کی فرمائش کی۔ شہزاد نے بادشاہ سے اجازت طلب کی جس کا جواب حسب منشاں پائا۔ اُسے کہنا شروع کیا کہ بادشاہ سلامت! پورے کی ان باتوں نے جتنکو سخت جبرانی میں ڈال دیا۔ مگر بوڑھا کہتا چلا گیا۔ کہ یہ ہرنی میرے چچا کی بیٹی اس وقت پاس ہی کھڑی تھی۔ اُس نے اصرار کیا کہ میں اُسی بچھڑے کو ذبح کر دوں لیکن مجھے طاقت نہ ہوئی اور مینے

تصویر چن سو اگر دتین پڑھوں کی جن کے ساتھ ایک ہرنی اور ایک خچار دو چار تھے



کے جنوں کے بادشاہ اہل آپ کما پنا اور اس ہرنی کا جو میرے ساتھ ہے قصہ سنانا چاہتا ہوں اگر  
 یہ حال سوداگر کی سرگزشت سے زیادہ عجیب ہو تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ تو تیسرا حصہ اس سوداگر کے  
 گناہ کا معاف کر دے۔ جی تے اُسے قبول کیا اور بوٹھے نے اپنی دہتان یوں شروع کی کہ اے جنوں کے  
 بادشاہ! یہ ہرنی میرے چچا کی بیٹی اور میری زوجہ ہے۔ جب میرا نکاح اس کے ساتھ قرار پایا تو یہ  
 نہایت ہی متعیر سن گئی۔ جب ہمارا شادی کو تیس برس گزر گئے اور کوئی لڑکا بالا پیدا نہ ہوا جسکی  
 مجھے خواہش تھی تو میں نے ایک نو بختی سول لے لی اور اُس سے میرے ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوا جو دن  
 بدن بڑھتے چھوٹے نکاحی کی جب پندرہ سال کا ہو گیا تو مجھے ایک دور دراز سفر میں جانا پڑا۔ میرے  
 چچا کی بیٹی ان ماں بیٹوں سے بڑی طرح جلتی تھی۔ اور اُس نے لڑکپن میں جادو بھی سیکھ رکھا تھا۔  
 میرے پیچھے اس کمبخت نے میرے دل کا سچا زنا لایا اور ان ماں بیٹوں کو جادو کے زور سے گلے  
 اور پکڑا بنا ڈالا اور دونوں کو لہیر کے سپرد کر دیا۔ انکی پرورش کرے۔ جب میں سفر سے واپس مدید کے

اسباب کی کثرت ہے۔ میرے بال بچے ہیں اور عورت ہے۔ لوگوں کی کئی کئی رین بھی ہیں۔ مجھے صرف ایک سال کے لئے اجازت دے تاکہ میں ان سب معاملات کو رو بہ کر آؤں اور ایک سال گزرنے کے بعد اپنے تئیں تیرے سپرد کروں گا پھر خواہ مجھے مارو یا چھوڑ دینا۔ میں تیرے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ ایک سال گزرنے پر میں آ حاضر ہوں گا۔ جن نے وعدہ لیا اُسے چھوڑ دیا اور وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ آیا۔ اور جلد جلد سب علان سے قطع تعلیق کرنے لگا۔ اپنے بال بچوں اور عورتوں کو بھی حقیقت حال سے باخبر کر دیا۔ جو کہ بیٹے لگے مارے جھگڑے ہٹاتے اُسے ایک سال گھنٹہ کیا اور وہ خوجی میں کفن ڈالکر اُس جگہ کی طرف واپس ہوا جہاں کا وعدہ کر آیا تھا۔ اُس کے اہل و عیال ہمسائے دوست سب آ کر رونے چلانے لگے لیکن اُس نے انکی پرواہ نہ کی جتنی کہ وہاں پہنچا۔ آج دوسرے سال کا پہلا دن تھا۔ اسی اثنا میں جبکہ وہ مقام معبودہ پر پہنچا ہوا اور وکرچن کا انتظار کر رہا تھا کہ ایک بوڑھا بھی آپہنچا جسکے ساتھ ایک ہرنی تھی کہنے آتے ہی تاجر کو سلام کیا اور ایسے مقام میں جو چوٹوں کے رہنے کی جگہ تھی ایک بیٹھے ہوئے کا سبب دریافت کیا۔ جب سوداگر نے اپنی سرگزشت سنا دی تو بوڑھا سخت حیران ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم تیری وعدہ ایفائی تعریف کے قابل ہے اور اب میں تیرا انجام دیکھے بغیر یہاں سے نہیں لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اُس تاجر کے پاس ہی بیٹھ گیا اور دونوں باتوں میں مشغول ہو گئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد تاجر پر خوف غالب ہونے لگا اور وہ بے سدھ ہو گیا کہ اتنے میں وہاں ایک اور بوڑھا دوسرا کتبیوں کو ہمراہ لئے ہوئے آگیا اور دونوں کو سلام کر کے انکے ایسے مکان میں جو جنوں کا ملجا سمجھا جاتا تھا بیٹھنے کا سبب پوچھا جسکے جواب میں اُسے آغاز سے انجام تک ساری کیفیت سنا دی گئی اور اُسے سن کر وہ بھی انکے پاس ہی بیٹھ گیا اُسے بیٹھے دیر نہ ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک اور بوڑھا تاجر ہمراہ لئے ہوئے آپہنچا اور پہلے دونوں بدھوں سے سوداگر کی غمگینی کی وجہ پوچھی جنہوں نے غریب کی پوری کیفیت سے اُسے مطلع کیا۔ اُس تاجر نے اُسے اُسی دم بھی نہ لیا تھا کہ سب کی نگاہیں ایک دیر سے گرد و غبار کے ستون کی طرف لگ گئیں جو یکا یک اوپر کو اٹھ کر غائب ہو گیا اور چشمِ زدن میں ایک چن اُتھیں غلئی تلوار لئے سوداگر چھینٹا اور لٹکا راکہ اُٹھیں بھی سجھے سہیلج پرتی کر دی جس طرح سے تیرے بہرے کو تیرے جگر کو ہلاک کیا ہے۔ جن کی اس لٹکار سے سوداگر اور تینوں بوڑھے کا پٹ اُٹھا اور سوداگر بے اختیار رو دیا جس پر پہلے پڑھے کو رحم آگیا اور وہ آگے بڑھ کر جن کو اٹھا کر لٹکا

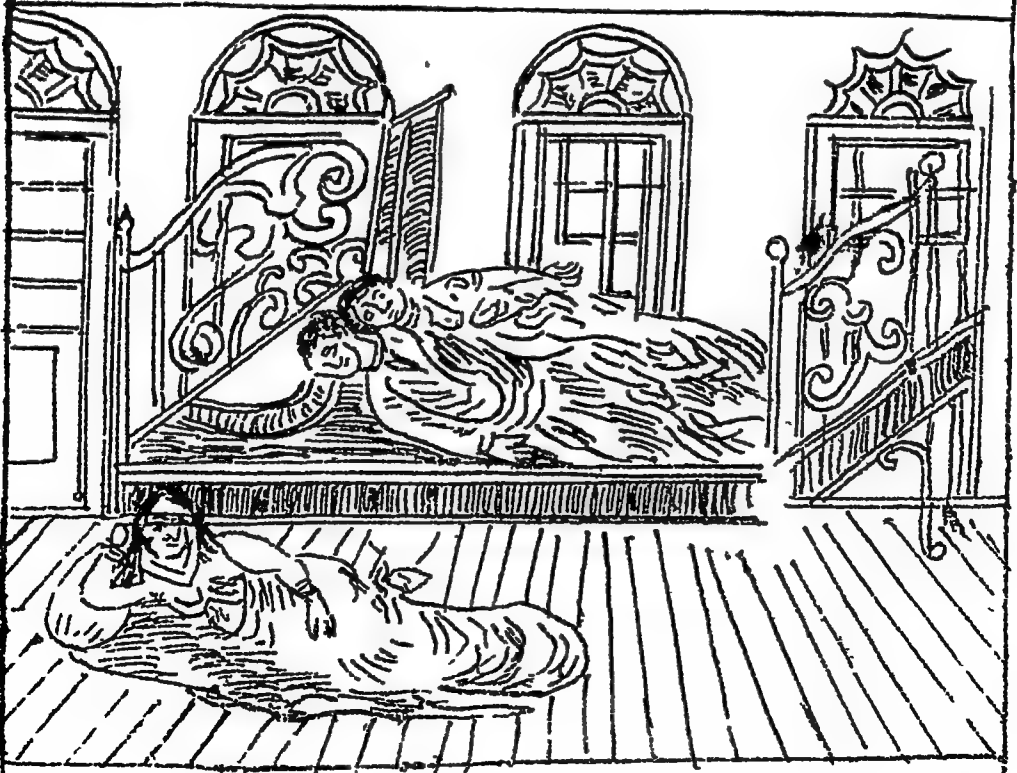
بادشاہ سے اجازت طلب کی جو خوشی دیگی، شہزادے سوداگر اور جن کا قصہ اس طرح سے شروع کیا:

### سوداگر اور جن کی حکایت

بادشاہ سلامت سے اگلے زمانے کے ایک دولت مند اور کثیر المعاملات تاجر کا ذکر ہے کہ وہ ایک دن کسی شہر کے قصبہ سے روانہ ہوا۔ اندراتے میں سخت حرارت تھی اسے ایک درخت تلے آرام کرنے کیلئے بٹھا دیا۔ اسے بھوک بھی لگ آئی تھی اسلئے خرچہ میں سے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں لگا لگا کھانے لگا جب کھانے فراغت پائی تو کھجور کی گٹھلیوں کو ادھر ادھر پھینک دیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک طویل القامت جن ماتھیں نیکی تلوار لٹے اسکی طرف جھپٹا چلا آ رہا ہے اور آتے ہی اسے پکڑ کر حکم دیا کہ آؤ تاکہ میں بھی تجھے اُسی طرح قتل کر دوں جیسے تو نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا ہے۔ بچارہ تاجر حیران رہ گیا۔ اور معذرت کرنے لگا کہ بیٹے تو آپ کے بیٹے کو دیکھا بھی نہیں رہا ہے جو اب دیا کہ جب لو گٹھلیوں کو ادھر ادھر پھینکے تھا تو ایک گٹھلی میرے بچے کی چھاتی میں بھی گئی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اب میں اس کے عوض میں تجھے بھی ضرور مار دوں گا۔ سوداگر یہ سن کر رونے پڑا اور کہا اس جن! مجھ پر کچھ قرضہ ہے اور میرے بٹالے تصویر سوداگر اور جن کی خوشامد کرتے ہوئے جو قتل پیر آمادہ تھا



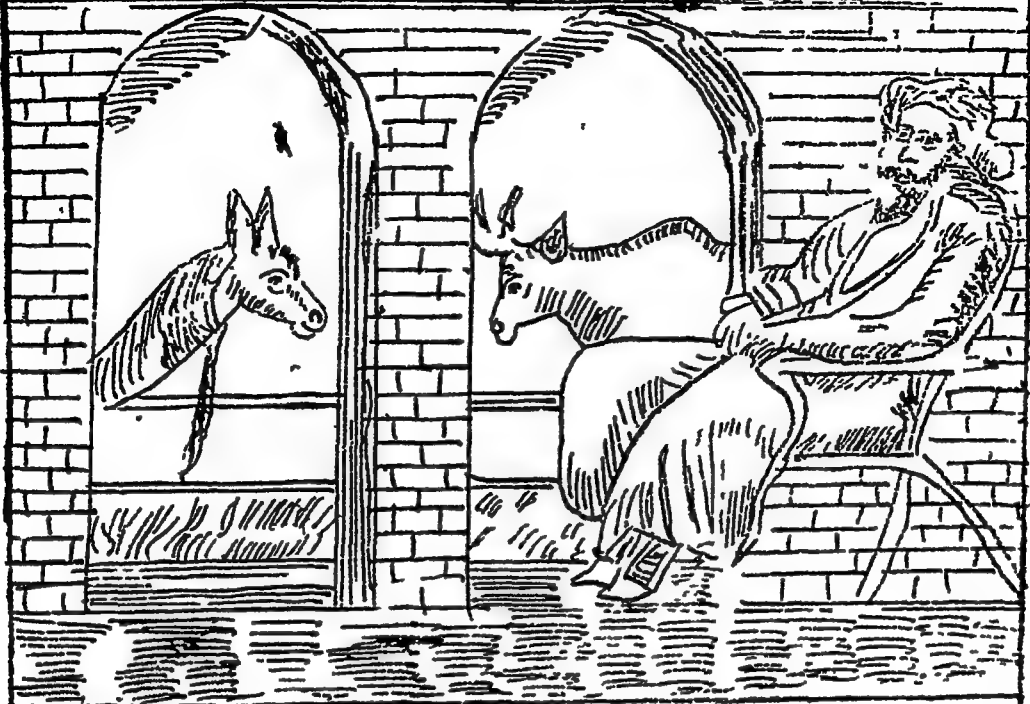
نصیحت کی کہ جب میں تجھے بلاؤنگی یہ بھیج چلی آئیو۔ میں تجھے شادی کے کمرے میں بلاؤنگی اور خیال رکھنا کہ ایک گھڑی کے ترے جاگ کر مجھ سے کوئی کہانی سننے کی ضرورت فرمائش کرئیو۔ سمجھ لیا۔ آگے میں سب کچھ سمجھ لونگی۔ غرض شام کو وزیر شہزاد کو شاہی محل میں لیکیا اور عقد کے بن شاہی محل میں چھوڑ کر رخصت ہوا۔ خلوت میں بادشاہ نے اسے نقاب اتار بیگا حکم دیا۔ لیکن دیکھا تو وہ رو رہی ہے۔ وجہ دریافت کی تو شہزاد نے کہا کہ میری چھوٹی بہن بھی ہے جسے میں بہت چاہتی ہوں میری خواہش ہے کہ رات کو وہ بھی میرے پاس رہے تاکہ صبح کے وقت ہم دونو ایک دوسری کا آخری کا آخری دیدار کر سکیں۔ بادشاہ نے دنیا زاد کو بھی بلوائے کی اجازت دی۔ غرض شہزیار اور شہزاد دونو پٹنگ پر سوتے اور دنیا زاد کو فرش زمین نصیب ہوا۔ اور صبح تو رواج ایک گھڑی رات رہ گئی۔ دنیا زاد نے شہزاد کو آواز دی کہ باجی جان استغناء تصویر شہزیار اور شہزاد کے مہبت ہوئی اور دنیا زاد کی نچو پٹنگ شاہی کیستے کی



سچ والہم کے سبب رات کٹتی دکھائی نہیں دیتی۔ اگر کوئی کہانی بیاہ ہو تو کہو کہ طبعیت بدلے شہزادوں

دروازہ بند کر کے چلنے لگی رات بھر وہ اسی طرح چنچیتی رہی مگر سو داگرنے کچھ نہیں کہا سچا کو بھی جب اُسکا یہی حال دیکھا تو اُسے سمجھنا شروع کیا۔ اُسکے رشتہ داروں کو بھی بلوایا کہ اسے سمجھاؤ۔ نادران کا نوں پرچوں تک نہ رہی سہو اگر شک نہ ہو گیا کہ بیٹھے بٹھائے یہ خوب آفت آئی ہے کہ اگر میں اسے جا تو روں کی بولی کا راز بتا دیتا ہوں تو میں خود مرنے ہوں۔ اور اگر نہیں بتاتا تو یہ جان سے جاتی ہے۔ اور باہر کے دروازے میں جا بیٹھا تھا۔ اسی حالت تشویش میں دیکھا کہ اُس کا تا ایک مرغ چڑھتا۔ جو اپنی مرغیوں کے جھنڈ میں مصروف تھا اور اُسے ملامت کرنے لگا کہ بڑا بے حیا اور شکر ام ہے۔ جو ایسے وقت میں بھی مالک کی جان پر مبنی ہوئی ہے ان حرکات سے باز نہیں آتا۔ مرغ نے مالک کے فکر کا سبب دریافت کیا۔ کُتے نے جواب دیا کہ آج ہمارے آقا کی نادان بی بی اُس سے ایک ایسا راز لے چھنے پر مت کر رہی ہے جس کے بتانے سے اُسکی جان جانے کا اندیشہ ہے ورنہ وہ خود اپنے تئیں ہلاک کر لگی۔ مرغ نے کہا ہمارا مالک بھی بڑا نادان ہے۔ جو ایک جو رو کو بھی قابو میں نہیں کہہ سکتا۔ مجھے دیکھو کہ کچاں مرغیوں کو کس طرح سے قابو کر رکھا ہے اگر وہ عقلمندی سے کام لے تو جو رو کے ہر سے غند کا بھوت ایک منٹ میں نکلیا۔ کُتے نے پوچھا وہ کیا تدبیر ہے مرغ نے جواب دیا کہ اگر مالک جو تہی جا کر لاشی سے اپنی بی بی کی ذرا مرمت کرے تو ابھی ابھی تنگ کی طرح اُس کے سارے بل نکلیاں سہو داگ کو مرغ کی تدبیر پسند آئی اور فوراً لاشی اٹھا کے جو رو کی طرف گیا اور بی بی کی مرمت شروع کر دی شل ہے مار کے آگے بھوت ناچے۔ ایک منٹ بھی گزرتے نہ پایا تھا کہ اُسکی بی بی تائب ہو کر قد مو پر گر پڑی اور گر کر اگر معافی مانگنے لگی کہ اب رحم کرو۔ اب میں وہ راز نہیں پوچھوں گی بہت تیری گدہ کی دھم میں نمد لے اور مرگی۔ وزیر نے یہ حکایت تمام کر کے کہا کہ تیری ضد کا بھی بس یہی علاج ہوگا۔ لیکن شہزاد نے کہا کہ اگر آپ میری معروض کو نہیں سنتے تو میں خود بلا واسطہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ ناچار وزیر نے بادل ریش اُس کی درخواست کو قبول کیا اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ میری بیٹی شہزادہ کو آپ کے نکاح میں آنا چاہتی ہے۔ بادشاہ نے کہا لیکن خیال رکھنا کہ میں تیری خاطر اپنے اصول کو نہ چھوڑوں گا۔ وزیر نے سخت منموئی سے اُسکی بیٹی کو بہ خیر سنائی شہزاد اپنی درخواست کا قبول ہونا شک نہ ہوئی خوش ہوئی اور باپ کو سمجھایا کہ یہ امر زندگی بھر آپ کی خوشنودی کا موجب ہوگا اور گھر سے وداع ہوتے وقت اپنی جدی بہن دینا زاد کو علیحدہ لے

تصویر سوداگر کی جھیل کے قریب بیٹھ کر بیل اور خچر کی گفتگو سننے کی



اس گدھے کی طرح تو بھی کہوں ناحق آفت میں پڑنا چاہتی ہے مگر شہزاد نے سخت اصرار کیا کہ میں اپنے  
 ارادے سے باز نہ آؤنگی۔ وزیر نے کہا اگر تو نے اپنے ہٹ کو نہ چھوڑا تو میں بھی تجھے ویسی ہی سزا دوں گا۔  
 ہمیں اس سزا کرنے اپنی بی بی کو دی تھی۔ شہزاد نے استعجاب ظاہر کیا کہ وہ نقل کس طرح سے وزیر  
 بولا۔ اگلے دن بھی جب گدھا شام کو نہایت ہی نڈال ہو کر تھکا پر پہنچا تو سوداگر طعام شب سے فرغت  
 حاصل کر کے اپنی بی بی سمیت وہاں آگیا تھا اسے دیکھا کہ گدھے کے اندر کتنی ہی میل نے اسکا شکریہ ادا  
 کیا مگر وہ سخت تکلیف میں تھا اسے جواب دیا کہ آج بیٹے سنا ہے کہ ہمارا مالک تمہیں پیار جاکر فوج کرا دینا  
 چاہتا ہے۔ اسلئے تلے سے پیاری کاہانہ چھوڑ دو۔ بیل نے جان بچانیکے لئے پھر اسکا شکریہ ادا کیا اور  
 کہا کہ اب میں یہ بہانہ چھوڑ دوں گا۔ سوداگر نے یہ سنا بے اختیار قہقہہ لگایا۔ اسکی بی بی نے نہایت حیرانی  
 سے سننے کا سبب دریافت کیا۔ سوداگر نے کہا کہ وہ بات بتانے کی نہیں اور اگر تباؤں تو فوراً مر جاؤں گا  
 بی بی نے اصرار کیا کہ اگرچہ تو مر بھی جائے لیکن تجھے سننے کا سبب ضرور بتانا پڑے گا سوداگر نے  
 سنانوں پر ہاتھ رکھا۔ مگر اس کی بی بی مر غے کی ایک ہی ٹانگ مانگے گئی اور کہنے لگی۔ اگر تو مجھے یہ راز  
 نہیں بتا سکا تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گی۔ یہ کہہ کر وہ ایک کوٹھڑی میں گھس گئی اور اندر سے



کو اس گناہ عظیم سے باز رکھو نگلی یا اپنی بچہ سوز قربان ہو جاؤ نگلی مگر وزیر نے انکار کر دیا کہ میں دیدہ دانستہ  
اپنے تخت چکر کو ساپ سے منہ میں نہیں دیکھتا لیکن جب شہزاد نے اصرار کیا تو وزیر نے کہا کہ میں  
دور تاہول تیر بھی وہی حال نہ ہو جو ایک سوداگر کے گدھے کا ہوا تھا۔ شہزاد نے پوچھا وہ حکایت کیسی ہے  
گدھے اور بیل اور اس کے رکھوالے کی حکایت

وزیر نے کہا کہ ایک جلیل القدر سوداگر جو جسکے اہل بہت سے مال مویشی عمر مارا کرتے تھے۔ خدا  
تعالیٰ نے پرندوں اور حیوانوں کی بولبیاں اسے سمجھنے کی قدرت عطا کر رکھی تھی۔ ایک دن وہ سوداگر  
اپنے صطیل کی طرف گیا۔ جہاں ایک گدھا اور ایک بیل پاس پاس بندھے تھے کرسی بچھو کر بیٹھ گیا۔  
دیکھا کہ دو لٹیاؤں آپس میں مصروف گفتگو ہیں۔ سوداگر متوجہ ہو کر انچی باتیں سننے لگا۔ بیل نے گدھے  
سے کہا۔ تو بڑا خوش قسمت ہے کہ ہمیشہ آرام میں رہتا ہے۔ اچھا کھاتا ہے اور کام کچھ بھی نہیں کرنا  
پڑتا۔ برعکس اسکے مجھے استعد محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سارا دن میری پیٹھ  
پر ہل رکھا زمین جوتے ہیں کاشتکار چابک اور آنکس کے ساتھ بید روی سے اٹکتا ہے۔ اور رات کو  
سوکھا سٹرابھس سامنے ڈال دیتے ہیں جسے دیکھنے سے بھی نفرت ہوتی ہے۔ یہ دیکھ ہل کی رگڑ سے  
میرا کاٹھنا بھی پھل گیا ہے۔ دن کو کام کرتا ہوں اور رات بھر بھوکا اپنے موت گوبر میں پڑا رہتا  
ہوں تیری خوشحالی پر مجھے رشک آتا ہے۔ گدھے نے عاقلانہ جواب دیا کہ تیری اپنی ہی نیت آرام  
لینے کی نہیں معلوم ہوتی۔ ورنہ یہ کیا مشکل بات ہے سن کل جب تیجھ ل میں جوتے لگیں تو ہرگز  
نہ اٹھنا۔ خواہ کس قدر اڑیں اور اگر کسی طرح سے اٹھ بھی لیں تو پھر گر پڑنا۔ گویا تو بیار ہے۔ اور جب  
بڑے سامنے پارہ ڈالا جائے تو اسے چھوڑنا تک نہیں۔ ایک دن تک میری نصیحت پر عمل کر دیکھ کہ  
آرام ملتا ہے یا نہیں۔ بیل نے اس تدبیر کو پسند کیا اور بھوکا پیاسا پڑا رات صبح کے وقت جب کاشتکار  
جسب بھول اسے ہل میں جوتے کے لئے آیا۔ تو دیکھا کہ بیار پڑا ہے چائے کو چھوٹا کچھ نہیں۔ اس نے  
سوداگر کو اطلاع دی جو اس حقیقت سے پہلے ہی مطلع تھا اسے جواب دیا کہ آج گدھے سے کام لو۔ کاشتکار  
نے حکم کی تعمیل کی۔ دن بھر کی مشقت نے غریب کی ٹانگوں کو شل کر دیا۔ اور جب وہ شام کو لوٹ آیا  
اس سے قدم تک نہ اٹھایا جاتا تھا۔ بیل نے جو آج آرام میں رہا اسکا شکریہ ادا کیا۔ مگر اسے کچھ جواب  
نہ دیا اور سخت شرمندہ تھا کہ میں کیوں خواہ مخواہ مصیبت مول لے لی۔ یہ جھٹھ سنا کر وزیر بولا۔ بیٹی اس

ہوئے دولہ کے ہاتھ پکڑ کر خلوت کا اشارہ کیا جس سے انہوں نے پہلے لڑائی کر لیا۔ مگر وہ بھی  
 پہلی سی دھمکی لینے پر باری باری اُس قحبہ کا حکم بجالائے۔ اُس کے بعد اُس نے دونوں  
 سے اُنچی انگلیاں طلب کر لیں اور انہیں اپنی صندوقچی سے پانچ سو سات انگلیاں ایک  
 دوسے میں پروٹی ہوئی نکال کر دکھائیں کہ یہ بھی ایسے لوگوں کی یادگار ہیں جو اس جن کی عظمت  
 کا ثبوت ہیں۔ یہ جیسے برات کے دن اُٹھالایا اور بڑی حفاظت سے یہ مندر میں رکھتا ہے۔  
 لیکن میں جو چاہتی ہوں کرتی ہوں اور میرے حال سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ کوئی شخص عورت  
 کو بدکاری سے باز نہیں رکھ سکتا۔ یہ کہہ اُس نے اُنچی انگلیاں بھی اُس دوسے میں پرو لیں  
 اور صندوق میں رکھ کر آپ اپنی جگہ پر ابٹھی اور دو لوگ چلے جائے گا اشارہ کیا۔ یہ سن کر دو لوگ  
 نہایت تعجب ہوئے اور بالاتفاق دوڑتے کہد یا کہ اس جن کی مصیبت ہم دونوں سے بڑھ کر ہے۔  
 اسلئے حسب قرار داد وہ نو شہر بار کے دار الخلافہ کو لوٹ آئے اور محل میں داخل ہوئے ہی شہر بار  
 نے ملکہ اور اُنکی فوسوں اور غلاموں کو جہنم واصل کر دیا اور عزم مضبوط کر لیا کہ شہر بار ایک پاکیزہ عورت  
 کے ساتھ نکاح کر کے بچہ کو قتل کر دے گا اس تجویز کے بعد اُس نے شاہ زمان کو جہنم کر دیا اور  
 اُسکے چلے جانے بعد وزیر کو ایک سردار کی لڑکی نکاح میں لایکے لئے کہا۔ وزیر نے حکم کی تعمیل کی بادشاہ  
 نے رات بھر اُسے اپنے پاس رکھا اور صبح کے وقت قتل کر ڈالا۔ غرض اسی طریقہ پر بارہ بیویاں  
 امرا اور شہر کی رعایا کی لڑکیاں اُسکے ہاتھ سے قتل ہوتی رہیں۔ اور ملک میں ایک کلام سا چنگیا  
 رعیت نے بھاگنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ کوئی بھی پاکیزہ لڑکی اس شہر میں نہ رہی۔ ایک دن حسب معمول  
 بادشاہ نے وزیر کو ایک نئی لڑکی لایا حکم دیا اور تلاش کرتے پر بھی اُسے کوئی لڑکی نہ ملی۔ تو وہ  
 نہایت ہی پریشان و خائف ہو کر گھر کو آیا۔ وزیر کی اپنی بھی دو لڑکیاں تھیں شہر زاد اور دینار زاد  
 جیسا حسن و جمال اور جنگی زبردستی زبان زد ہر خاص و عام تھی۔ اور جنگی عاقبت اور فضیلت کا ایک  
 زمانہ قائل تھا۔ بڑی لڑکی نے جب اپنے باپ کو اس دن غیر معمول پر منوم پایا تو اُس سے تسخیر و  
 غم کا سبب دریافت کیا۔ وزیر نے حقیقت حال بھول سنائی جسے شہر زاد نے جواب دیا۔  
 کہ اگر میری عرض قبول کریں تو میں اسکا انتظام کئے دیتی ہوں۔ وزیر نے پوچھا کہ کس طرح؟ تو  
 شہر زاد نے جواب دیا کہ بادشاہ سے میرا مباد کر دیجئے۔ پھر میں آپ ہی سمجھ لوں گی۔ یا تو بادشاہ

ستون نے نکلنا شروع کیا۔ وہ دو نوڈر درخت پر چڑھ گئے اور اُسکے پتوں میں چھپ کر  
 دیکھنے لگے۔ وہ کالا ستون کہتے ہیں کہ ایک دیو سیاہ بنگیا اور سر ہا ایک بڑا سا صندوق  
 رکھے ہوئے اُس درخت کے نیچے آیا جبہر دو نو بجانی کھوپ پہنچے تھے اور جب سر سے آثار  
 کر اُسے کھولا۔ تو اُس میں سے ایک نہایت ہی خوبصورت عورت نکلی۔ دیو سیاہ نے اُسے  
 مخاطب کر کے کہا ہے سر دار خواتین تو اپنے جمال میں جیتا ہے اور میں تیرا عاشق بن کر برات کی  
 شب تجھے اٹھالایا تھا۔ اور آج تک تجھے نہایت ہی وفادار پایا ہے۔ اسوقت مجھے نیند آرہی ہے  
 چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ پر سہر رکھ کر سو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ جن خراٹے بھرنے لگا۔ عورت نے  
 اتفاقاً سر اوپر کی طرف اٹھایا تو اُسے اوپر دو آدمی دکھائی دئے اُنہوں نے فوراً جن کے سر کو زانو پر  
 سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیا اور دو نو بھاٹیوں کو اشارہ کیا کہ نیچے اتر آؤ اور کچھ خوف نہ کرو۔ مگر  
 دونوں نے معافی مانگی لیکن جب اُس عورت نے وہ مٹی دی کہ اگر نہ اترو گے تو میں اس جن کو جگا  
 تمہیں قتل کرادوں گی۔ تو جان کے خوف سے وہ فوراً اتر آئے اور اُس عورت نے مسکراتے  
 تصویر دیو کی عورت حبیبہ کو صندوق سے نکالنا اصرار کیا کہ وہ اپنے سونا



اصل وجہ یہ تھی۔ مگر گستاخی موات! اس رنج سے جیسے کالے کی کیفیت میں عرض نہیں کر سکتا  
 لیکن شہر پارنے اُسے قسم دلائی اور مجبوراً شاہ زمان کو ملک شہر پار کی کزوت سنا کر اپنے دل کو  
 تسلی دینے کی حقیقت بھی بیان کرنی پڑی۔ لیکن شہر پار کو اعتبار نہ آیا اور اُس نے اپنی آنکھوں  
 دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ زمان نے جواب دیا کہ پھر سپر و شکار پر جانیکا اعلان کر دیجیے  
 اور آپ سیدے پاس چھپ رہے۔ پھر میں آپ کو ساری کیفیت آنکھوں سے بھی دکھا دوں گا  
 شہر پار نے اس تدبیر کو پسند کیا اور عمال میں منادی کرادی کہ کل وہ اپنے بھائی کی صحت  
 کی خوشی میں پھر شکار کو چلیں گے۔ غیمہ و خرگاہ تیار ہو۔ نو تیاریاں شروع ہو گئیں اور  
 اگلے دن دونوں بھائیوں نے محلوں سے نکل کر باہر جا کیرا لگا یا۔ دن بھر وہاں ہی گزارا  
 اور شام کے وقت لشکر سے چھپ کر چپ چاپ شاہ زمان کے آتا رہے کے محل میں آکر  
 سو گئے اور وقت مقررہ پر اٹھ کر اسی درجے میں آ بیٹھے۔ جہاں سے پائین باغ کی لڑکی  
 کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ اتنے میں پھر وہی چور دروازہ کھلا  
 اور ملک شہر پار میں خواصوں کے ساتھ نمودار ہوئی۔ جن میں سے دس نے دروازہ پر انہوں  
 کو آواز کر کے دکھایا اور اپنی اصلی شکل پر آکر ایک ایک عورت کا ماتہ کپڑا لیا۔ ملک بھی  
 مسجد کو لہا کر آگاہ ہو گئی۔ اور سب کے سب صبح تک خاک اڑانے میں مشغول رہے۔ اور پھر  
 حسب معمول اپنی اپنی راہ لی۔ اس کیفیت کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر کے شہر پار کی آنکھیں  
 تلے اندھیرا گیا۔ اور بڑی بالورسی سے اُسے شاہ زمان سے التجا کی۔ کہ آؤ اس دنیا نے  
 ہمارے کو ہی چھوڑ دیں۔ ہمیں سلطنت کی کوئی حاجت نہیں ہے اور ہماری زندگی موت سے  
 بدتر ہے۔ لیکن شاہ زمان نے اُسے اس شرط پر منظور کیا کہ اگر ہمیں کوئی شخص اپنے  
 سے زیادہ مصیبت ناک دکھائی دے تو ہم فوراً دنیا میں لوٹ آئیں گے۔ شہر پار نے بھی  
 اسے مان لیا۔ پھر وہ نو چور دروازے سے نکل کر ایک طرف کو چل پڑے اور چلتے چلتے  
 ایک مرغزار میں پہنچے جہاں دریائے شور تھا اور اس میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ بہ رہا تھا  
 وہ چشمہ کنا سے ایک درخت تلے میٹھ کر ستانے لگے کہ اتنے میں صدیاں رشود سے ایک  
 خوفناک عورت اسٹ کی آواز سنائی دی اور پانی پھٹ گیا۔ جس میں وہ عورت کی ایک کالے

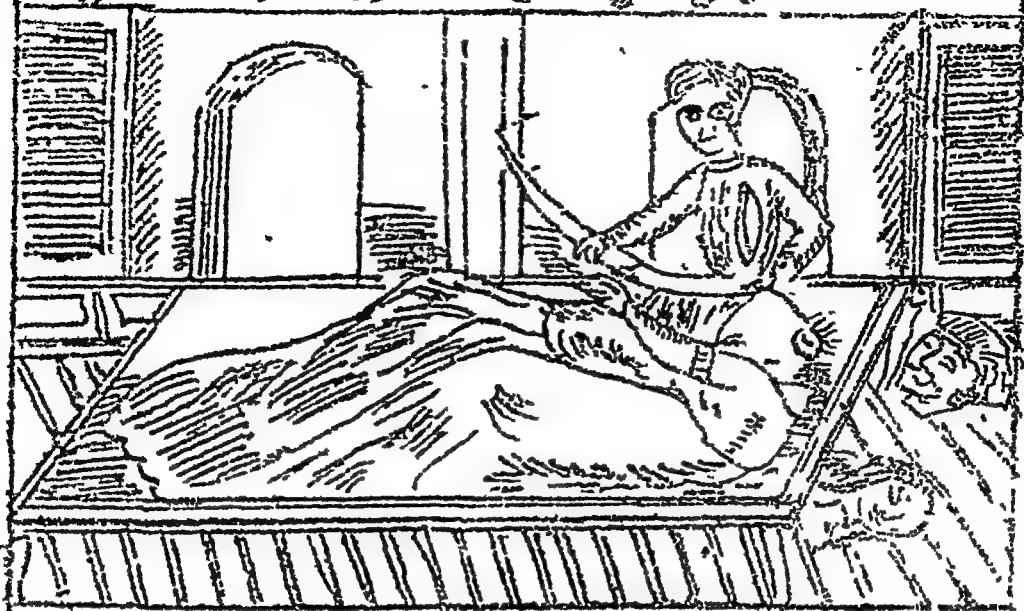
ایک ایک خبر میں سوا تہ بکڑ لیا۔ بلکہ نے بھی مسودہ کا نام لیکر کسی کو بکھارا اور ایک کاسے بھجیے گئے۔  
 مائتوش چوٹی سے درخت سے تر کر لیا۔ بلکہ کو بکڑ میں لیلیا اور یہ چوڑا ال چکر دی بھر کر بکڑ لیا  
 ہیں بصرفہ سے شہزادہ کی ساری مال دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ

## شہزادہ عورت کی مع انصاف پر بلکہ کے



سب سے قریب آیا۔ سب نے تالاب میں غسل کر کے اپنی اپنی راہ لی۔ شاہ زمان سے نکل  
 سے اس واقعہ نے سارا رنج والہ دور کر دیا اور وہ سوچنے لگا کہ عورتوں کی خطر تہی اس  
 جسم کی فائدہ ہوئی ہے اور میرے کھائی کی مہبت مجھ سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس نے  
 فوراً خاصہ طلب کیا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں رنج و غم کا  
 نشان بکھ بھی نہ تھا۔ اور غنڈہ ہی روز میں اسکی کا یا پلٹ ہو گئی۔ جب شہزادہ شکار گاہ سے  
 لوٹا اور اس نے شاہ زمان کی حالت میں نمایاں تبدیلی پائی تو حیران ہو کر اسکی وجہ دریافت  
 کی۔ شاہ زمان نے اسکو مانا چاہا۔ مگر شہزادہ نے ہر ر کیا کہ جب تک وہ اسکی حقیقی وجہ  
 نہ دے گا تو اس سے چین نہ آئے گا۔ ناچار شاہ زمان نے اپنے سر قند سے روانہ  
 ہوئے۔ وہ بھی نہ اس کے وقت عمل کو لوٹ چاہا اور بلکہ کی گرفت پر ہنگامی مال کر کے آئے اور  
 چوٹی سے شہزادہ کے خندہ میں پھینک ان کی کیفیت بالعمیل سن کر کہا کہ میرے رنج کی

# تصویر شاہ زمان کی حبشی کو قتل کر کے اپنی زوجہ کے ماتر کا قصہ



سے خوشی ظاہر کی اور اپنے ساتھ لاکر ایک مالیشان محل میں جاں سے شاہی پائیں باغ  
 کا کرنا کو نادر کھائی دیتا تھا آتا رہا و نو بھائی دیر تک آپس میں محبت کی باتیں کرتے رہے۔ جب  
 شہر بارہنہ ملکہ شاہ زمان کی غیریت دریافت کی تو شاہ زمان کو نہایت رنج و غم میں پڑا اور  
 اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ شہر بارہنہ نے گمان کیا کہ شاید شاہ زمان کو ملکہ کی بھائی شاق گذرتی ہو  
 اس لیے اس نے نہایت گھٹگوڑی چوڑو یا لکین جب اسی شہر و غم میں اُسے کئی دن گذر گئے۔ تو  
 ایک دن شہر بارہنہ اس کا اعتراف کر چکا تھا۔ شاہ زمان نے جواب دیا کہ اُسے ایک اندر و لی  
 تعلیف ہے۔ شہر بارہنہ نے جواب دیا کہ وہ اُسے ساتھ سیر و شکار کے لئے چلے تاکہ اُس کا  
 اندر و لی بہتر کرے۔ شہر بارہنہ کو اچھا لگا اور اکیلا ہی جانا پڑا۔ شاہ زمان تنہا اپنے  
 مکان پر رہ گیا۔ ایک دن رات کے وقت باغ کی سرک خیابان آیا۔ گریہ سے کہ  
 وہ اپنے اندر و لی کو نہ دیکھ سکے۔ یہ سچے ہیں چاہتا تھا۔ سے باغ و کھائی دیتا تھا۔ اپنے  
 میں شاہی محل کے اندر و لی کھانا۔ اُسے دیکھ کر میں ہر تیل کے جھڑٹائیں ملکہ شہر بارہنہ کی  
 باغ میں پہنچ کر ان میں سے دس خواہوں نے اپنے لیے پیرا ہنوں کو اُتار دیا۔ شاہ زمان  
 کی غیرت کی اُس وقت کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ حبشی غلام تھے۔ اور ہر ایک

کوئی ایسا لفظ میری قلم سے نہ چلے جائے جسے سلیم طابع ناپسند کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ سیکتا  
اب اس قابل ہو گئی ہے کہ اسکے حقیقی مدعا کو لوگ سمجھ سکیں اور اس سے استفادہ کر سکیں  
بقول حاصل ایرانی

مرد با یک گیر و اندر گوشتش : و در پشت است پند بر دیوار  
اگر اگلے ایڈیشن تک زندگی رہی اور مجھے نظر ثانی کا موقع مل سکا تو اُمید ہے کہ یہی سہی ہو گا  
بھی پورا کر سکی کہ شش کروٹ لگا۔ انشاء اللہ العزیز  
"تا بعدار  
(مؤلف)

## شہریار اور شاہ زمان کی حکایت

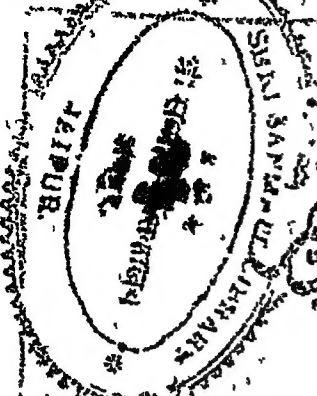
اگلے زمانے میں فارس کی سلطنت بڑی وسیع تھی وہاں کا ایک بادشاہ نہایت ہی برعایا مرد  
تھا جسکے لشکروں اور غزائوں کا کچھ شمار نہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ شہریار اور شاہ زمان۔ جب  
بادشاہ مر گیا تو شہریار اسکا جانشین ہوا۔ اور شاہ زمان کو سر قند کی عنان حکومت سپرد ہوئی۔ وہ وہاں  
جائی اپنے اپنے علاقوں میں عدل و انصاف کیساتھ حکومت کر چکے تھے کہ ایک بار بھی عدلی کو دس برس  
گزر گئے۔ آخر بڑے بجائی کو چھوٹے کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور اسے اپنے وزیر عظم کو اُس کے  
بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وزیر بڑے تھل کیساتھ روانہ ہوا۔ اور جب سمرقند پہنچا تو شاہ زمان نے  
بڑے اعزاز کیساتھ اسکا استقبال کیا۔ اور بجائی کی خبر دریافت کی۔ وزیر نے آداب بجا کر شہریار کی تعریف  
عرض کر دیا۔ شاہ زمان نے فوراً تیاری کا حکم دیدیا اور اپنے وزیر کو جانشین قرار دیکر بجائی کے دیوار  
کے لئے سمرقند سے نکلا لیکن شہر سے تھوڑی دُور جا کر آدھی رات کے وقت اُسے ایک تاج پاد لگی  
اور وہ اُس وقت محل شاہی کی طرف لوٹا جہاں پہنچ کر اُسے ایک اور سی نظارہ دیکھنا پڑا کہ اُسکی  
بلکہ ایک جیسی غلام کے ساتھ ہم آغوش ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خون اُترا آیا وہ اُلو  
کھینچ کر چشم زدن میں دوڑ کے سرق سے جھاکوڑ لے اور لاشوں کو کھڑکی کی راہ خندق میں پھینک  
رچھڑے آیا تھا۔ چپ چاپ اُدھر سے ہی اپنے گھیب کو چل دیا اور فی الفور کوچ کا حکم دیدیا  
جب بجائی کی دار الخلافت کے نزدیک پہنچا شہریار نے تپاک کیساتھ استقبال کیا۔ اُسکے لئے



اس امر کا پتہ نہیں نکلتا۔ اور نہ ہی ہمارے پاس کوئی ایسا قوالہ موجود ہے کہ ہم اس بات کو یقینی طور پر تسلیم کر لیں۔ اس کے اکثر حصول سے آسانی پتہ لگ سکتا ہے کہ الفیلہ کا بنیاد کا پتہ کم از کم ہندوستان سے لیا گیا ہے۔ کبھی مرقعہ ملاؤ اس بارے میں بھی بعض مفصل طور پر لکھا جائیگا۔ فی الحال اتنا کہنے سے ہی اتفاق کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی سطوت پر بھی جب نکتہ انتہائی پر بھی پہنچ چکی تھی اور اس کے گرنے کے سامان قدرت کی طرف سے مہیا ہو رہے تھے، پھر جب اسلام کی بہادریاں نے عرب کے رگستانوں سے اٹھ کر دنیا بھر میں پھیل چلی دی۔ اور آخر ان کی شوکت کا آفتاب بہت بالا اس پر سے آگے بڑھ کر دھندلا شروع ہوا۔ تو اس وقت مٹوڑی بہت ترہیاں کئے بعد الفیلہ نے عربی لباس پہن کر قدرت کو انقلاب کے لئے مدد دی۔ گو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے مصنف کا نشانہ ایک تھا۔ مگر جلیے ہوئے مٹلوں کو ہوا کی مدد سے فرو کرنا عقائد ہی نہیں ہے جو لوگ آگے ہی پیش و عشرت میں مشغول ہو کر اپنی سطوت کی جلوں پر کھارڑا رکھے کھڑے ہوں، یہ بھی اس قسم کے طرز بیان میں نصیحت دینا سراسر غلطی ہے۔ آج ہمارے ملک میں بھی اسی قسم کی کناہوں کو زیادہ تر پسند کیا جاتا ہے جنہیں مہذب و سائنسی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی اور یہ نشان ہے اس امر کا کہ ابھی اس ملک کے پچھلے دن کبھی غلط فہمی پر ہیں۔ جب ہی آج تک الفیلہ کے اردو میں ایک سے بہت سے زیادہ ترجمے ہو چکے ہیں مگر کسی کے طرز بیان کو ششہ اور مہذب بنانے کی کوشش نہیں کی گئی جس کا بھروسہ خاص افسوس ہے کسی قوم کا پتہ لگانا اور لگایا نہایت کچھ اہل قلم کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اسی سبب سے قوموں کی نیکی و بدی سے یہ گروہ اپنے تئیں بری الذمہ نہیں بنا سکتا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ میرے اہل وطن کے ہاتھ تک جو کتابچے خواہ وہ کسی مضمون کی ہو۔ لیکن انہیں بری کی طرف لیجانے والی بلکہ مایل کرنے والی بھی نہ ہو۔ اور میرے ہر وطن مصلوں کو اس امر کا خیال رکھنا چاہئے ورنہ وہ نہ صرف اخلاقی طور پر ملک کے مجرم ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی درگاہ میں بھی قیامت کے دن ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔ اگر کسی ایسے دن کا خیال کیا جاسکتا ہو۔

اس لئے اپنے کوشش کی ہے کہ الفیلہ عربی سے صرف وہی حکایت اپنے الفاظ میں ترجمہ کروں جو اردو کی مرقعہ الفیلہ میں لکھی ہیں۔ اور اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ

# بیمار التعلیم



نشان سے کسی نے پوچھا تھا۔ اوپر از کسے آموختی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ از کتب  
 ویاں! التعلیم کے معنی کا بھی نظام ہر شاہی و معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک نرالیہ پیرا لے  
 میں جسے بعض ہندو لوگ کسی قدر نا پسند کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو اپنے  
 اور قیمتی سبق دینا چاہتا تھا۔ اہم و واقعہ یہ ہے۔ کہ اگر اس کتاب کے خواہشات سے  
 مطلع نظر کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ تو کوئی ایسے سچے سچے مفید میں حاصل ہو جاتے ہیں جنہیں  
 کوئی طور پر حاصل کرنے کیلئے بہت سے زور اور وقت کی ضرورت ہے اس کتاب کے ایسے قابل  
 و خاص طریقہ بیان کی ایک خاص وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس وقت اس کتاب نے  
 عربی لباس اختیار کیا اس وقت خلافت نے بغداد کا آخری زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں کی فتوحات اس قدر  
 پھیل چکی تھیں۔ کہ اب انہیں لئے میدان تنگ ہو گیا تھا۔ خلافت بغداد کے سامنے دنیا بھر کے  
 اسلامی بادشاہ اور شاہنشاہ تسلیم ختم کرتے تھے اس لئے کہ سخت خلاف کے متبعی کو امیر المؤمنین  
 تسلیم کیا جاتا تھا اور زمانہ پھر کے طرز و رات کے علاوہ زور و جہاں اور مالی و متاع کا سلطنت بھرا  
 کی حدود میں دریا بہ رہا تھا۔ اس دولت و سلطنت کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ امر و تنہا میں خود کرنا عوام  
 اناس تک عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ یہ ایک سے عیش و عشرت میں مشغول ہونے نے مصنف کی فکروں  
 کی خود بینی پر بھی اثر کیا۔ اور خواہی خواہی ایسی تصانیف و تألیفات پر روئے کار آئیں۔ جن میں عوام  
 اناس کی آرزوئوں کے مطابق جذبات کا اظہار کیا گیا تھا۔ جنکا ایک نمونہ التعلیم ہی سامنے رکھا ہے  
 کہتے ہیں التعلیم کا اصلی مصنف کسی دفعہ نشان ہندوستان کا ایک پندت ہوا تھا۔ جس نے  
 پہلے پہل ہندو مت کی زبان میں لکھا تھا۔ جیسے وشنو شرن نے پنج تہائی کتاب تحریر کی۔ اور  
 پھر اس کی دیکھ کر دینیائی و دیگر بت سی زبانوں میں ہندو کی کی۔ اگرچہ کسی معتبر فریج سے



# سچا شہری کیسٹ لایو کے قابل دیدنی جاسوسی ناول

## تصفیات جنیشہ اس گوہر

### بہادر سر اسر غرسان کے بھندے میں پھنس کر اپنی

عصمت بچانا۔ ڈاکوؤں کا قتل خون و چوری کرنا۔ ایک دوسری حسین عورت کا ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ڈاکر زنی کرنا۔ بہادر سر اسر غرسان کا اپنی جان پر کھیل کر ستر ڈاکوؤں کو شش سے سر اسر سانی کرنا۔ آخر کار ناامید ہو کر واپس آنا۔ ڈاکو عورت کا دوبارہ نظر آنا۔ سر اسر غرسان کا دوبارہ کوشش کرنا۔ ڈاکوؤں کے علاقہ میں جا کر عورت کو گرفتار کر کے آسائیں۔ ڈی کے راز کو روشنی میں لانا عجیب پچسپ ناول ہے قیمت ۱۲

**بیخوفانی** (بہادر سر اسر غرسان کا دوسرا حصہ) میل ٹرین سے ایک حسین عورت کا سرقہ۔ اچانک زور و متول کی جاں نثاری۔ بد معاشوں کی خفیہ عیاری۔ مے نوشی کے بد نتائج قتل و خون کی وارداتیں جنگلوں کے خوفناک سین۔ پردہ فروشوں کی بدکاری چمکارا بہادر سر اسر غرسان نے مصیبت اٹھانیکے بعد انشا کیا اور اصلی مجرموں کو سزائیں دلائیں۔ قیمت ۱۲

**خونی چور** ایک چور کی خفیہ کارروائی کے ساتھ ایک شریف پاریسی کی وردناک مصیبتیں۔ بری سر اسر سانی کے حالات اسے پیرایہ میں درج ہیں کہ ایک فوج شروع کر کے بختیم گئے چھوڑ دیکوئل نہیں جاتا ۱۲

**چالاک مجرم** جس میں انگلینڈ کے مشہور ڈاکو کی چالاکیاں اس ہیرایہ میں بیان کی گئی ہیں کہ جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رئیس کا ایک لیڈنی کا سرپرست ہوتے ہوئے اس سے دھوکہ کرنا۔ مگر ناکامیاب ہونا۔ آخر چالاک مجرم کے ہاتھوں قتل ہو جانا۔ ایک بے گناہ کا جرم میں ماخوذ ہو کر حوالات میں جانا اور انگلینڈ کے مشہور و معروف

بہادر سر اسر غرسان مسٹر ایڈیٹ بلیک کی ستر ڈاکو سر اسر سانی سے اصل معاملہ کاروشنی میں آنا۔ اصلی قاتل کا گرفتار ہو کر سزا پانا۔ نہایت پچسپ اور سنسنی خیز مضمون ہے۔ قیمت فی جلد بارہ آنے ۱۲

**ہٹری گیک کی گرفتاری** (چالاک مجرم کا دوسرا حصہ) یہ بڑا ہی زور دار جاسوسی ناول ہے لندن کے مشہور جاسوس مسٹر ایڈیٹ بلیک نے جو اس کے مشہور اکوہٹری گیک کی کتنی ہی مرتبہ بڑی بہادری کے ساتھ گرفتار کیا۔ پھر بھی گیک اکیلا تمکھوں میں دھوکے چھانک کر بھاگتا رہا۔ اس ڈاکو نے تمام یورپ میں بلچل مچا رکھی تھی۔ یہاں تک کہ خود مسٹر

نسخہ صحیح

ہزار و اسٹا  
المعروف

# الفیلم کلان

کامل  
ہر چہار پہلو مع تصویرات

پیشہ  
رام داس بھٹیا تاجر کتب و مالک بھٹیا ٹیمہ بکڈپو  
اندرون لوہاری دروازہ لاہور

قیمت دو روپے

